فیوض الباری

فی شرح

صحیح البخاری

کتابُ الجہَاد

امیر اہلسنت حضرت

علامہ سیّد محمود احمد رضوی

قدس سرہ العزیز

امیر و شیخ الحدیث مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف لاہور

شعبہ تبلیغ مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف گنج بخش روڈ لاہور پاکستان

وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا

احادیث نبویہ کا مجموعہ مقبول ذخیرہ قرآن کے بعد سب سے صحیح کتاب

امام الدنیا امیر المومنین فی الحدیث رأس المحدثین استاذ الحفاظ ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری

قدس سرہ الباری کی تالیف صحیح البخاری کا سلیس اردو ترجمہ اور مکمل شرح

فیوض الباری

فی شرح

صحیح البخاری

حصہ ہفتم

علامہ سید محمود احمد رضوی

ناشر: مکتبہ رضوان داتا دربار روڈ لاہور

مختصر فہرس مضامین فیوض الباری شرح صحیح البخاری پارہ ہفتم

الحمد للہ رب العلمین

نحمدہٗ و نصلی علیٰ حبیبہ الکریم

○

پارہ ششم کی تفہیم و ترجمانی کے بعد پارہ ہفتم کا آغاز ہوتا ہے۔ اندازِ تفہیم وہی سابقہ ہے۔ مقدور بھر کوشش کی گئی ہے کہ قدم رستہ سے نہ ہٹے۔ تاہم ایک خطاکار کا لغزش کر جانا ممکن ہے۔ اہلِ علم کی خدمت میں استدعا ہے کہ جہاں لغزشِ قلم پائیں ازراہِ کرم مطلع فرمائیں آئندہ اشاعت میں ترمیم یا تصحیح کر دی جائے۔

بَابُ الصَّلٰوۃِ بِمِنٰی — باب منٰی میں نماز کے متعلق

عبداللہ بن عمر نے اپنے والد کے واسطے سے روایت کیا کہ

صَلّٰی رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِمِنٰی رَکْعَتَیْنِ وَاَبُوْ بَکْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ صَدْرًا مِنْ خِلَافَتِہٖ (بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منٰی میں دو رکعت نماز پڑھی اور ابوبکر و عمر و عثمان غنی (رضی اللہ عنہم) بھی اپنی خلافت کے ابتدائی دور میں دو رکعت ہی پڑھتے تھے۔

قَالَ صَلّٰی بِنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ اَکْثَرُ مَا کُنَّا قَطُّ آمَنَہٗ بِمِنٰی رَکْعَتَیْنِ۔

حارثہ بن وہب خزاعی سے روایت ہے کہ حضور نے ہمیں منٰی میں دو رکعت نماز پڑھائی اور ہماری تعداد اس وقت گزشتہ ادوار سے بہت زیادہ تھی اور بہت محفوظ تھی۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ صَلَّیْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَکْعَتَیْنِ وَمَعَ اَبِیْ بَکْرٍ رَکْعَتَیْنِ وَمَعَ عُمَرَ رَضِیَ [illegible] ثُمَّ تَفَرَّقَتْ بِکُمُ الطُّرُقُ [illegible] حَظِّیْ مِنْ اَرْبَعٍ رَکْعَتَانِ مُتَقَبَّلَتَانِ

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ میں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (منٰی میں) دو رکعت فرض نماز پڑھی اور ابوبکر و عمر کے ساتھ بھی دو ہی پڑھیں۔ پھر تمہارے طریقے مختلف ہو گئے۔ اے کاش ان چار رکعتوں میں سے دو مقبول رکعتیں ہی میرے حصے میں ہو ئیں۔ (بخاری)

فوائد و مسائل

منٰی میں جب حاجی قیام کرے گا تو چار رکعت والی فرض نماز دو رکعت پڑھے گا۔ کیونکہ سفر میں دو ہی پڑھنی چاہئیں۔ ان تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم، ابوبکر، عمر و عثمان رضی اللہ عنہم سب کا معمول یہی تھا۔ البتہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، نے اپنے آخری دورِ خلافت میں پوری چار رکعت پڑھی ہے۔

اصل میں سفر میں چار رکعت کی دو رکعت پڑھنا احناف کے یہاں واجب ہے۔ کیونکہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ چار کی بجائے دو رکعت ہی پڑھائی۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے اپنے عہدِ خلافت میں عمر رضی اللہ عنہ، نے اپنے عہدِ خلافت میں اور حضرت عثمان رضی اللہ نے اپنے ابتدائی دورِ خلافت میں ہمیشہ دو ہی رکعت پڑھائیں۔ اگر یہ ضروری نہیں تھا کہ چار کی بجائے دو رکعت پڑھی جائے۔ تو پھر اس پر اس پابندی کے ساتھ عمل نہ ہوتا۔ مسافر کی نماز کے متعلق پوری بحث فیوض الباری حصہ سوم صفحہ ۲۲۱، ۲۲۴، ۲۳۸ فیوض الباری حصہ چہارم صفحہ ۱۵۰ میں ہو چکی ہے۔

بَابُ صَوْمِ عَرَفَۃَ — باب عرفہ کے دن کا روزہ

جب ام فضل فرماتی ہیں کہ عرفہ کے دن لوگوں کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے روزے کے متعلق شبہ ہوا۔ اس لیے میں نے بحضور نبوی دودھ حاضر کیا۔ فَشَرِبَہٗ (جسے آپ نے نوش فرمایا) جس سے معلوم ہوا کہ آپ روزے سے نہیں ہیں۔ عرفہ کے روزہ کے متعلق احادیث سے یہی واضح ہوتا ہے کہ نہ رکھا جائے۔ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ حضور نے صدیق اکبر و فاروق اعظم و عثمان غنی رضی اللہ عنہم نے یہ روزہ نہیں رکھا۔ ویسے بھی یہ روزہ نہ رکھا جائے تو بہتر ہے۔

ہے: تاکہ حاجی کو حج کے افعال ادا کرنے میں ضعف پیدا نہ ہو ـــــــــ مسلم کی حدیث کا مضمون ہے کہ عرفہ کے روزہ سے دو برس کے گناہ ختم ہو جاتے ہیں مگر یہ غیر حاجی کے لئے ہے:

بَابُ التَّلْبِيَةِ وَالتَّكْبِيْرِ إِذَا غَدَا مِنْ مِنًى إِلَى عَرَفَةَ

باب جب صبح کو منیٰ سے عرفات روانہ ہونا تو لبیک و تکبیر کہنا

محمد بن ابوبکر ثقفی کہتے ہیں۔ کہ میں نے حضرت انس بن مالک سے کہا وہ منیٰ سے عرفات جا رہے تھے کہ تم لوگ حضور کے ہمراہ آج کے دن کیا کرتے تھے

فَقَالَ كَانَ يُهِلُّ مِنَّا الْمُهِلُّ فَلَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ وَيُكَبِّرُ مِنَّا الْمُكَبِّرُ فَلَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ (بخاری)

انہوں نے کہا کہ کوئی ہم میں سے تکبیر کہتا اور کوئی ہم میں سے لبیک پکارتا۔ اور اس پر کوئی اعتراض نہ کرتا۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ جب حاجی نویں ذی الحجہ کی صبح کو منیٰ سے عرفات کو روانہ ہوں۔ تو لبیک کے ساتھ تکبیر و ذکر و درود شریف وغیرہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔

حدیث ہذا کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انہوں نے تلبیہ ترک کر دیا تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ انہوں نے تلبیہ (لبیک) کے درمیان تکبیر کو بھی داخل کر لیا تھا۔ کیونکہ حاجی کے لئے تلبیہ کہنا تو اس وقت تک سنت ہے جب تک کہ جمرہ عقبہ کو رمی نہ کر لے۔

بَابُ التَّهْجِيْرِ بِالرَّوَاحِ يَوْمَ عَرَفَةَ

باب عرفہ کے دن دوپہر کو روانہ ہونا

حضرت سالم سے روایت ہے کہ عبد الملک بن مروان نے حجاج کو لکھا کہ وہ حج کے امور میں حضرت عبداللہ بن عمر کا خلاف نہ کرے سالم نے کہا کہ

فَجَاءَ ابْنُ عُمَرَ وَأَنَا مَعَهُ يَوْمَ عَرَفَةَ حِيْنَ زَالَتِ الشَّمْسُ (بخاری)

عبداللہ بن عمر سورج ڈھلتے ہی آئے۔ اور میں ان کے ساتھ تھا۔

اور حجاج کے ڈیرہ پر پہنچ کر آواز دی۔ حجاج کسم میں رنگی ہوئی چادر اوڑھے باہر آیا اور کہا ابو عبد الرحمٰن کیا کہتے ہو؟

فَقَالَ الرَّوَاحَ إِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ السُّنَّةَ قَالَ هٰذِهِ السَّاعَةَ قَالَ نَعَمْ

انہوں نے کہا اگر تو سنت کی پیروی چاہتا ہے تو جلدی چل۔ حجاج نے کہا اسی وقت۔ عبداللہ بن عمر نے کہا ہاں۔

حجاج نے کہا تو اچھا اتنی مہلت دیجیے۔ کہ ذرا نہا لوں پھر چلتا ہوں۔ عبداللہ بن عمر سواری سے اتر پڑے۔ حتیٰ کہ حجاج باہر آیا اور میرے والد کے درمیان چلنے لگا۔ میں نے حجاج سے کہا اگر تو سنت پر چلنا چاہتا ہے تو خطبہ چھوٹا پڑھ اور وقوف میں

جلدی کریں کر حجاج ابن عمر کی طرف دیکھنے لگا۔ اس پر حضرت ابن عمر نے فرمایا سالم ٹھیک کہتے ہیں۔ (بخاری)

فوائد و مسائل یوم عرفہ ذوالحجہ کی نویں تاریخ۔ بالرواح یعنی وقوف کے لئے نمرہ سے نکلنا۔ نمرہ وہ مقام ہے جہاں حاجی نویں تاریخ کو پہنچ کر ٹھہرتے ہیں۔ نمرہ حرم کی حد سے باہر اور عرفات سے متصل ہے (۲) حجاج عبدالملک بن مروان کی طرف سے حجاز کا گورنر تھا (۳) اس حدیث سے واضح ہوا کہ عرفہ کے دن نماز میں جلدی کرنا سنت ہے یعنی ظہر کو اول وقت میں پڑھنا پھر اس کے فوراً بعد سلام کے بعد عصر پڑھنا (۴) یہ کہ عرفات میں دوپہر کے بعد ٹھہرنا چاہیئے (۵) یہ کہ وقوف کے لئے غسل کرنا مسنون ہے۔

منیٰ کی روانگی و وقوف عرفہ کے ضروری مسائل واضح ہو کہ تمام حاجی مفرد ہوں یا متمتع یا قارن۔ منیٰ جانے کے وقت تک یعنی ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ تک کہ مکرمہ میں رہیں گے۔ دوران قیام کہ جس قدر چاہیں۔ نفل طواف بغیر اضطباع و رمل و سعی کے کرتے رہیں۔ اور طواف کے ہر سات دوروں کے بعد مقام ابراہیم میں دو رکعت پڑھا کریں۔ مسافر کے لئے نفل نماز سے طواف افضل ہے۔

منیٰ کی روانگی یوم الترویہ یعنی ذی الحجہ کی آٹھ تاریخ کو جس نے احرام نہ باندھا ہو غسل کر کے احرام باندھ لے اس کے بعد کعبہ معظمہ کا طواف کر کے دوگانہ ادا کرے۔ پھر دو رکعت سنت احرام پڑھ کر حج کی نیت کرے۔ اور لبیک کہے۔ بعد طلوع آفتاب منیٰ کو روانہ ہو ——— اگر آفتاب نکلنے سے پہلے منیٰ چلا گیا۔ جب بھی جائز ہے اور زوال کے بعد بھی جا سکتا ہے۔ مگر ظہر کی نماز منیٰ میں پڑھے۔ اور ہو سکے تو پیدل منیٰ کو روانہ ہو۔ راستہ بھر لبیک و دعا و درود و ثنا کی کثرت کرو۔ منیٰ میں ظہر و عصر و مغرب و عشاء اور نویں ذوالحجہ کی فجر۔ یہ پانچ نمازیں مسجد خیف میں پڑھی جائیں۔ شب عرفہ منیٰ میں ذکر و عبادت سے جاگ کر صبح کی جائے تو بڑی سعادت ہے ——— صبح کو منیٰ میں مستحب وقت نماز فجر پڑھ کر لبیک و ذکر و دعا و درود شریف میں مشغول رہیئے حتیٰ کہ آفتاب کوہ ثبیر پر کہ مسجد خیف کے سامنے نمودار ہو۔ تو اب یعنی یوم الترویہ ذوالحجہ

یوم الحج اور عرفات کو روانگی کی نو تاریخ کو عرفات روانہ ہوں۔ جب جبل رحمت پر نگاہ پڑے۔ ذکر و دعا و لبیک میں کثرت کرو عرفات میں اس پہاڑ کے پاس جہاں جگہ ملے اترو جب دوپہر قریب آئے۔ غسل کرو کہ سنت مؤکدہ ہے اور نہ ہو سکے تو صرف وضو۔ دوپہر ڈھلتے ہی بلکہ اس سے پہلے مسجد نمرہ جاؤ۔ سنتیں پڑھ کر خطبہ سن کر امام کے ساتھ ظہر پڑھو۔ اس کے بعد بے توقف عصر پڑھو۔ بیچ میں سلام و کلام تو کیا معنیٰ سنتیں بھی نہ پڑھو۔ اور بعد عصر بھی نفل نہیں ——— یہ ظہر و عصر ملا کر پڑھنا جبھی جائز ہے۔ کہ نماز یا تو سلطان اسلام پڑھائے۔ یا اس کا نائب۔ جس نے ظہر اکیلے یا اپنی خاص جماعت سے پڑھی اسے وقت سے پہلے عصر پڑھنا جائز نہیں ہے۔ بطن عرنہ کے سوا عرفات میں جہاں چاہے ٹھہر سکتے ہیں۔ موقف یعنی وہ جگہ کہ نماز کے بعد غروب آفتاب تک وہاں کھڑے ہو کر ذکر و دعا کا حکم ہے۔ روانہ ہو جاؤ۔ اور ممکن ہو تو اونٹ پر کہ سنت بھی ہے افضل یہ ہے کہ امام سے نزدیک جبل رحمت کے قریب جہاں سیاہ پتھر کا فرش ہے۔ رو بقبلہ امام

بطن عرنہ عرفات میں حرم کے نالوں میں سے ایک نالہ ہے مسجد نمرہ کی طرف یعنی کعبہ کی طرف وہاں وقوف ناجائز ہے۔

کئے پیچھے کھڑے ہوں۔ یہ وقوف ہی حج کی جان اور اس کا بڑا رکن ہے۔ وقوف کے لئے کھڑا رہنا افضل ہے شرط یا واجب نہیں۔ بیٹھا رہا جب بھی وقوف ہو گیا۔ وقوف میں نیت اور رو بقبلہ ہونا افضل ہے۔

وقوف کی سنتیں یہ امور وقوف میں سنت ہیں (۱) غسل (۲) دونوں خطبوں کی حاضری (۳) ظہر و عصر ملا کر پڑھنا (۴) بے روزہ ہونا (۵) باوضو ہونا (۶) نمازوں کے بعد فوراً وقوف کرنا۔

وقوف کے مکروہات وقوف میں یہ امور مکروہ ہیں۔ (۱) غروب آفتاب سے پہلے وقوف چھوڑ کر روانگی جبکہ غروب تک حدود عرفات سے باہر نہ ہو جائے ورنہ حرام ہے (۲) نماز ظہر و عصر ملانے کے بعد موقف کو جانے میں دیر کرنا (۳) اس وقت سے غروب تک کھانے پینے یا یاد الٰہی کے سوا کسی اور کام میں مشغول ہونا۔ کوئی دنیوی بات کرنا (۴) غروب تک یقینی ہو جانے کے بعد روانگی میں دیر کرنا (۵) مغرب یا عشاء عرفات میں پڑھنا (۶) موقف میں چھتری لگانے یا کسی طرح سایہ چاہنے سے حتی المقدور بچنا چاہیئے ہو مجبور ہے وہ معذور ہے۔

وقوف کے مسائل (۱) وقوف کا وقت نویں ذوالحجہ کے آفتاب ڈھلنے سے دسویں ذوالحجہ کی طلوع فجر تک ہے اس وقت کے علاوہ کسی اور وقت تک وقوف کیا تو حج نہیں ملا (۲) تھوڑی دیر ٹھہرنے سے بھی وقوف ہو جاتا ہے۔ خواہ اسے معلوم ہو کہ یہ عرفات ہے یا معلوم نہ ہو۔ باوضو ہو یا بے وضو۔ جنب ہو یا حیض و نفاس والی عورت سوتا ہو یا بیدار ہو ہوش میں ہو جنون و بے ہوشی میں حتیٰ کہ عرفات سے ہو کر جو گذر گیا اسے حج مل گیا یعنی اب اس کا حج فاسد نہ ہوگا۔

جاننا چاہیئے کہ جس کا حج فوت ہو گیا یعنی عرفات میں وقوف نہ کر سکا تو اب حج کے باقی افعال ساقط ہو گئے۔ اس کا احرام عمرہ کی طرف منتقل ہو گیا۔ لہٰذا عمرہ کر کے احرام کھول دے اور آئندہ سال حج کی قضا کرے ——— اس کے بعد جب غروب آفتاب کا یقین ہو جائے تو فوراً مزدلفہ روانہ ہو جانا چاہیئے۔ مزدلفہ کو روانگی اور وقوف کے مسائل آئندہ احادیث میں آ رہے ہیں۔

بَابُ الْوُقُوْفِ عَلَى الدَّابَّةِ بِعَرَفَةَ

باب عرفات کا وقوف جانور پر سوار رہ کر کرنا

ام الفضل بنت حارث سے مروی ہے کہ کچھ لوگوں نے جو ان کے پاس تھے اس میں اختلاف کیا کہ حضور عرفہ کے روزے سے ہیں یا نہیں بعض نے کہا روزے سے ہیں بعض نے کہا نہیں ہیں۔

فَاَرْسَلْتُ اِلَيْهِ بِقَدَحِ لَبَنٍ وَّهُوَ وَاقِفٌ عَلٰى بَعِيْرِهٖ فَشَرِبَهٗ (بخاری)	آخر میں نے بحضور نبوی ایک دودھ کا پیالہ پیش کیا آپ اونٹ پر سوار تھے آپ نے پی لیا۔

جمہور نے اسی حدیث کی بناء پر فرمایا کہ سواری پر رہ کر وقوف کرنا افضل ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے سواری پر وقوف فرمایا تھا۔

بَابُ الْجَمْعِ بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ بِعَرَفَةَ

باب عرفات میں دو نمازوں (ظہر و عصر) کو ملا کر پڑھنا

(۱) وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا إِذَا فَاتَتْهُ الصَّلٰوةُ مَعَ الْإِمَامِ جَمَعَ بَيْنَهُمَا

اور حضرت عبداللہ بن عمر کو امام کے ساتھ (عرفات) میں نماز نہیں ملتی تھی تو بھی جمع کرتے۔ (بخاری)

(۲) حضرت سالم سے روایت ہے کہ حجاج بن یوسف جس سال عبداللہ بن زبیر سے لڑنے کے لئے (مکہ) میں آیا۔ تو عبداللہ بن عمر سے پوچھنے لگا۔ عرفہ کے دن تم عرفات میں ٹھہرنے کی جگہ کیا کرتے ہو۔ تو سالم نے کہا اگر تو سنت نبوی پر چلنا چاہتا ہے تو عرفہ کے دن ظہر کی نماز دوپہر ڈھلتے ہی پڑھ لے۔

فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ صَدَقَ إِنَّهُمْ كَانُوا يَجْمَعُونَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فِي السُّنَّةِ فَقُلْتُ لِسَالِمٍ أَفَعَلَ ذٰلِكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ سَالِمٌ وَهَلْ تَتَّبِعُونَ فِي ذٰلِكَ إِلَّا سُنَّتَهُ۔ (بخاری)

عبداللہ نے کہا سالم سچ کہتا ہے۔ صحابہ سنت کے موافق ظہر اور عصر جمع کیا کرتے تھے۔ زہری کہتے ہیں میں نے سالم سے کہا۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ سالم نے کہا۔ پھر اور کس کی سنت پر اس مسئلے میں چلتے ہو۔ (بخاری)

واضح ہو کہ اس مسئلہ میں امام مالک، اوزاعی، ابو یوسف و محمد کا قول یہ ہے کہ عرفات و مزدلفہ میں مطلقاً جمع جائز ہے خواہ مسافر ہو یا مقیم اور خواہ نماز امام حج کی اقتداء میں جماعت کے ساتھ پڑھی جائے یا اکیلے۔ بہر حال عرفات میں ظہر اور عصر اور مزدلفہ میں مغرب و عشاء ملا کر پڑھی جائے گی۔ اور امام شافعی و امام احمد کا قول یہ ہے کہ اس جمع کا سبب سفر ہے۔ لہٰذا جمع مسافر کو جائز ہے۔ اور اہل مکہ اور جو مقیم ہو اس کو جمع جائز نہیں ہے۔[1]

اور سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ کا قول یہ ہے۔ کہ عرفات میں ظہر و عصر ملا کر پڑھنی اسی صورت میں جائز ہے جبکہ نماز باجماعت پڑھی جائے اور امام بھی امام حج ہو جو بادشاہ اسلام کی طرف سے مقرر ہوتا ہے یا خود بادشاہ اسلام نماز پڑھائے اور اگر اکیلے نماز پڑھی یا اپنی خاص جماعت کے ساتھ پڑھی تو ایسی صورت میں عرفات میں ظہر و عصر کو ملا کر پڑھنا جائز نہیں ہے۔ ہاں مزدلفہ میں جمع کے لئے امام حج کے ساتھ باجماعت نماز پڑھنا شرط نہیں ہے۔

(۳) عرفات میں عصر وقت ظہر میں پڑھی جاتی ہے اور مزدلفہ میں مغرب وقت عشاء میں پڑھی جاتی ہے۔ عرفات میں ظہر و عصر پڑھنے کے مسائل گزشتہ اوراق میں تفصیل سے بیان ہو چکے ہیں (۴) عرفات میں ظہر و عصر کے لئے ایک اذان دو اقامتیں کہی جائیں گی۔ اور مزدلفہ میں مغرب و عشاء کے لئے ایک اذان، ایک اقامت کہی جائے گی۔

بَابُ قَصْرِ الْخُطْبَةِ بِعَرَفَةَ

باب عرفات میں خطبہ مختصر پڑھنا

---

[1] امام شافعی کے اس قول کی کہ جمع مسافر کے ساتھ خاص ہے کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور ذخیرہ حدیث میں یہ بھی نہیں ملتا کہ اہل مکہ کے لئے یہ اعلان کیا گیا ہو کہ تم اپنی صلاۃ کو رفاہ سے احناف کے نزدیک یہ جمع بنا مک حج سے ہے اس کا سبب مسافرت نہیں ہے۔

اس عنوان کے ماتحت امام بخاری نے حدیث سالم ہی ذکر کی ہے جو کہ باب عرفہ کے دن دوپہر کو روانہ ہونا میں گذر چکی ہے جس میں یہ ہے کہ حضرت سالم نے حجاج سے کہا تھا۔ کہ اگر تو سنت نبوی کی پیروی چاہتا ہے تو خطبہ مختصر پڑھ۔ اسی بنا پر جمہور کا یہ مسلک ہے کہ عرفات میں امام حج خطبہ پڑھے۔ امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں دو خطبے پڑھے جائیں۔ ایک زوال کے بعد اور دوسرا اذان کے بعد نماز سے پہلے۔

بَابُ التَّعْجِيْلِ إِلَى الْمَوْقِفِ

باب عرفات میں ٹھہرنے کے لئے جلدی کرنا

بعض نسخوں میں عنوان مذکورہ کے بعد یہ عبارت بھی ہے ——— قال ابوعبد الله یزاد فی هذا الباب هم هذا الحديث. حديث مالك عن ابن شهاب ولكني لا اريد ان ادخل فيه معادا۔ یعنی اس عنوان میں وہی حدیث ذکر کی جاتی ہے یعنی حدیث مالک عن ابن شہاب (جو اوپر گذر چکی ہے) لیکن میں چاہتا ہوں کہ بخاری میں وہی حدیث لاؤں جو کہ رہ نہ ہو یعنی جس میں بلا فائدہ تکرار نہ ہو ——— امام بخاری کی اس تصریح سے واضح ہوتا ہے۔ کہ امام بخاری نے بخاری شریف میں ایسی حدیثیں درج نہیں کیں جن میں تکرار محض ہو۔ بلکہ وہ جہاں کسی حدیث کو مکرر لائے ہیں۔ تو یا تو اس کی اسناد میں فرق ہے۔ یا الفاظ میں اختلاف ہے یا مضمون زیادہ ہے۔ یا ایک موصول ہے ایک معلق۔ یا ایک مطول ہے اور ایک مختصر۔ ایسا شاذ و نادر ہی ہے کہ بلا فائدہ محض تکرار ہو۔

(۲) مذکورہ بالا عبارت میں لفظ هم بھی ہے۔ جو ایضاً کے معنی میں ہے۔ یہ لفظ فارسی ہے۔ اور خود امام بخاری بھی فارسی تھے اس لئے بعض اوقات ان کی زبان پر فارسی کے الفاظ بھی آگئے ہیں۔

فائدہ اکثر محدثین فارسی جانتے تھے جیسے ابوداؤد سجستانی۔ امام ترمذی۔ ابن ماجہ۔ عبد اللہ بن مبارک اور علامہ عینی علیہ الرحمۃ تو ترکی زبان بھی جانتے تھے۔ اور حافظ علیہ الرحمۃ ترکی زبان نہیں جانتے تھے۔

بَابُ الْوُقُوْفِ بِعَرَفَةَ

باب عرفات میں وقوف کے بیان میں

مطلب عنوان یہ ہے کہ وقوف کی جگہ عرفات ہے ——— عرفات خارج حرم ہے۔ قریش زمانہ جاہلیت میں عرفات میں وقوف نہیں کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ہم اهل الله ہیں۔ حرم سے باہر کیوں جائیں۔ اس کی جگہ وہ مزدلفہ میں وقوف کرتے تھے جو حرم کی حد کے اندر ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا۔

ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ (بقرہ) | اے قریشیو تم بھی وہیں سے چلو جہاں سے لوگ واپس ہوتے ہیں۔

اس آیت میں انہیں حکم دیا گیا کہ سب کے ساتھ عرفات میں وقوف کریں اور سب کے ساتھ واپس ہوں۔ یہ ہی حضرت

ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی سنت ہے۔

قَالَ عُرْوَةُ كَانَ النَّاسُ يَطُوفُونَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ عُرَاةً إِلَّا الْحُمْسَ وَالْحُمْسُ قُرَيْشٌ وَمَا وَلَدَتْ وَكَانَتِ الْحُمْسُ يَحْتَسِبُونَ عَلَى النَّاسِ يُعْطِي الرَّجُلُ الرَّجُلَ الثِّيَابَ يَطُوفُ فِيهَا وَتُعْطِي الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ الثِّيَابَ تَطُوفُ فِيهَا فَمَنْ لَمْ يُعْطِهِ الْحُمْسُ طَافَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانًا وَكَانَ يُفِيضُ جَمَاعَةُ النَّاسِ مِنْ عَرَفَاتٍ وَيُفِيضُ الْحُمْسُ مِنْ جَمْعٍ قَالَ وَأَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّ هَذِهِ الْآيَةَ نَزَلَتْ فِي الْحُمْسِ ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ قَالَ كَانُوا يُفِيضُونَ مِنْ جَمْعٍ فَدُفِعُوا إِلَى عَرَفَاتٍ (بخاری)

عروہ نے کہا لوگ جاہلیت کے زمانے میں ننگے ہو کر طواف کیا کرتے تھے۔ مگر حمس یعنی قریش کے لوگ اور اُن کی اولاد (جیسے خزاعہ بنی کنانہ وغیرہ) اور قریش کے لوگ دوسرے لوگوں کو خدا واسطے کپڑے دیا کرتے تھے۔ اُن میں کا مرد مرد کو کپڑے دیتا وہ ان کو پہن کر طواف کرتا۔ اور اُن میں کی عورت عورت کو کپڑے دیتی۔ وہ ان کو پہن کر طواف کرتی اور جس کو قریش کے لوگ کپڑا نہ دیتے وہ ننگا طواف کرتا اور دوسرے لوگ (طواف کر کے) عرفات سے لوٹتے اور قریش کے لوگ مزدلفہ ہی سے لوٹ آتے۔ ہشام نے کہا میرے باپ عروہ نے حضرت عائشہ سے روایت کی کہ (سورہ بقرہ کی) یہ آیت ثم افیضوا من حیث افاض الناس قریش کے باب میں اتری۔ وہ مزدلفہ سے لوٹ آتے تھے۔ تو ان کو حکم ہوا عرفات سے لوٹنے کا

فوائد و مسائل حمس حماست سے مشتق ہے اور اس کے معنی شدت اور سختی کے ہیں مطلب یہ کہ قریش اپنے دین پر بڑے مضبوط تھے ۔۔۔۔۔ حضور علیہ السلام بھی قریش سے تھے۔ اس لئے جبیر ابن مطعم کو حضور علیہ السلام کے عرفات میں ٹھہرنے پر تعجب ہوا۔ ہر حال حضور علیہ السلام نے قریش کے اس غلط خیال کی تردید فرمائی۔ اور عرفات میں وقوف فرما کر یہ واضح کیا کہ وقوف کی جگہ عرفات ہے۔

(۲) اس حدیث سے واضح ہوا کہ عرفات میں وقوف حج کے اعظم ارکان سے ہے۔ اور حضور علیہ السلام کے قول و فعل سے ثابت ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا:۔

(۱) هذه عرفة وهو الموقف (ترمذی)

یہ عرفات ہے وقوف کی جگہ

(۲) كل عرفات موقف فارفعوا عن عرنة وكل مزدلفة موقف فارفعوا عن محسر (ابن ماجہ)

تمام عرفات وقوف کی جگہ ہے سوائے عرنہ کے اور تمام مزدلفہ وقوف کی جگہ ہے سوائے محسر کے

جس سے واضح ہوا کہ وقوف کے بغیر حج درست نہیں ہے۔

بَابُ السَّيْرِ إِذَا دَفَعَ مِنْ عَرَفَةَ

باب عرفات سے واپسی کے بیان میں۔

ہشام بن عروہ اپنے والد سے راوی ہیں کہ حضرت اسامہ بن زید سے پوچھا گیا۔ کہ حضور علیہ السلام حجۃ الوداع میں عرفات سے کس چال سے لوٹے۔

قَالَ كَانَ يَسِيرُ الْعَنَقَ فَإِذَا وَجَدَ فَجْوَةً نَصَّ قَالَ هِشَامٌ وَالنَّصُّ فَوْقَ الْعَنَقِ فَجْوَةٌ مُتَّسَعٌ وَالْجَمِيعُ فَجَوَاتٌ وَفِجَاءٌ وَكَذٰلِكَ رَكْوَةٌ وَرِكَاءٌ مَنَاصٌ لَيْسَ حِينَ فِرَارٍ (بخاری)

انہوں نے کہا آپ پاؤں اٹھا کر چلتے تھے (یعنی ذرا تیز) جب جگہ پاتے (ہجوم نہ ہوتا) تو تیز چلتے۔ ہشام نے کہا عنق تیز چلنا ہے اور نص عنق سے زیادہ تیز چلنے کو کہتے ہیں۔ فجوہ کے معنی کشادہ جگہ اس کی جمع فجوات اور فجاء ہے جیسے لفظ رکوۃ کی جمع رکاء آتی ہے اور سورہ ص میں جو مناص کا لفظ ہے۔ جس کے معنے ہے بھاگنا۔

اس حدیث میں عرفات سے مزدلفہ کی طرف روانہ ہونے کے آداب کا بیان ہے۔ حاجی کو چاہیئے۔ کہ عرفات سے سورج غروب ہو جانے کا جب یقین ہو جائے تو فوراً مزدلفہ کو روانہ ہو جانا چاہیئے۔ راستہ اگر صاف ہو تو تیز چلے۔ اور اگر راستہ صاف نہ ہو تو ہجوم میں درمیانی چال سے چلا جائے۔ مزدلفہ میں پہنچ کر مغرب کی نماز اس کے وقت میں پڑھی جائے اور مغرب کے فوراً بعد عشاء ادا کی جائے گی۔

بَابُ النُّزُولِ بَيْنَ عَرَفَةَ وَجَمْعٍ

باب عرفات اور مزدلفہ کے درمیان اترنا

عَنْ نَافِعٍ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِجَمْعٍ غَيْرَ أَنَّهُ يَمُرُّ بِالشِّعْبِ الَّذِي أَخَذَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَدْخُلُ فَيَنْتَفِضُ وَيَتَوَضَّأُ وَلَا يُصَلِّي حَتّٰى يُصَلِّيَ بِجَمْعٍ۔

حضرت نافع سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مزدلفہ میں آکر مغرب اور عشاء کو ملا کر پڑھا کرتے تھے۔ اس طرف اتنا کرتے کہ راہ میں جس گھاٹی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مڑ گئے تھے۔ حضرت عبداللہ بھی اس میں جاتے حاجت سے فارغ ہوتے اور وضو کرتے۔ لیکن نماز نہ پڑھتے نماز مزدلفہ میں آکر پڑھتے۔

عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے

أَنَّهُ قَالَ رَدِفْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَرَفَاتٍ فَلَمَّا بَلَغَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشِّعْبَ الْأَيْسَرَ الَّذِيْ دُوْنَ الْمُزْدَلِفَةِ أَنَاخَ قَالَ ثُمَّ جَاءَ فَصَبَبْتُ عَلَيْهِ الْوَضُوْءَ تَوَضَّأَ وُضُوْءً خَفِيْفًا فَقُلْتُ الصَّلٰوةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الصَّلٰوةُ أَمَامَكَ فَرَكِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى أَتَى الْمُزْدَلِفَةَ فَصَلّٰى ثُمَّ رَدِفَ الْفَضْلُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَدَاةَ جَمْعٍ قَالَ كُرَيْبٌ فَأَخْبَرَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ الْفَضْلِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَزَلْ يُلَبِّيْ حَتّٰى بَلَغَ الْجَمْرَةَ۔ (بخاری)

اسامہ نے کہا۔ میں عرفات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سواری پر بیٹھا۔ جب رسول اللہ علیہ وسلم بائیں طرف پہاڑ کی گھاٹی پر پہنچے۔ جو مزدلفہ کے قریب ہے۔ آپ نے اپنا اونٹ بٹھایا اور پیشاب کیا۔ پھر آئے۔ میں نے وضو کا پانی آپ پر ڈالا۔ آپ نے ہلکا سا وضو کیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ نماز۔ آپ نے فرمایا نماز آگے چل کر پڑھیں گے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو گئے یہاں تک کہ آپ مزدلفہ میں آئے اور وہاں (مغرب وعشا کی) نماز پڑھی۔ پھر مزدلفہ کی صبح یعنی دسویں تاریخ کو فضل بن عباس آپ کے ساتھ سوار ہوئے۔ کریب نے کہا مجھ کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فضل سے سن کر خبر دی۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر لبیک کہتے رہے۔ کہ یہاں تک کہ جمرہ پر پہنچے:

فوائد ومسائل یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے:۔ (۱) عرفات سے مزدلفہ کو سواری پر روانہ ہونا جائز ہے (۲) عرفات ومزدلفہ کے درمیان اترنا جائز ہے۔ حضور علیہ السلام کا عرفات ومزدلفہ کے درمیان ٹھہرنا دراصل ضرورت کے لئے تھا یہاں ٹھہرنا حج کا رکن نہ تھا مگر حضرت ابن عمر کی یہ کمال درجہ کی متابعت اور حضور سے عشق تھا کہ حضرت ابن عمر وہاں ٹھہرتے تھے اور جیسے حضور نے کیا ویسے ہی وہ کرتے تھے۔ (۴) وضو میں مدد لینا جائز ہے۔ البتہ افضل یہ ہے کہ مدد نہ لی جائے۔ حضور علیہ السلام نے جو مدد درمیان جواز کے لئے تھی۔ اور اس وقت مدد لینا حضور کے حق میں افضل تھا۔ فافہم (۵) مزدلفہ میں مغرب وعشا کو ملا کر پڑھنا چاہیئے۔

(۶) یہ کہ حاجی جب رمی جمار کے لئے جمرہ عقبہ پر پہنچے تو اس وقت لبیک پکارنا موقوف کرے۔ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ، شافعی۔ احمد واسحاق کا بھی یہی قول ہے:

فائدہ جمع بفتح جیم وسکون میم۔ مزدلفہ کو کہتے ہیں۔ کیونکہ حضرت آدم وحوا یہاں جمع ہوئے تھے۔ حضرت قتادہ نے فرمایا کہ چونکہ یہاں حاجی مغرب وعشا جمع کر کے پڑھتے ہیں۔ اس لئے اس کو جمع کہتے ہیں (۲) عرفات کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب جبریل علیہ السلام نے جناب ابراہیم خلیل کو مناسک حج ومقامات بتلائے۔ تو آپ نے فرمایا قد عرفت (میں نے جان لیا) یا یہ کہ جب آدم علیہ السلام سراندیپ (لنکا) میں اتارے گئے۔ اور حضرت حوا جدہ میں۔ تو عرفات میں جا کر دونوں کی

ملاقات ہوئی اور دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔

بَابُ اَمْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالسَّكِيْنَةِ عِنْدَ الْاِفَاضَةِ وَ اِشَارَتِهٖ اِلَيْهِمْ بِالسَّوْطِ

باب عرفات سے لوٹتے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اطمینان سے چلنے کا حکم دینا اور کوڑے سے اشارہ فرمانا

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ وہ حضور کے ہمراہ عرفہ کے دن (عرفات) سے لوٹے۔ حضور علیہ السلام نے (اپنی سواری) کے پیچھے شور وغل اور اونٹوں کی مار دھاڑ کی آواز سنی۔

فَاَشَارَ بِسَوْطِهٖ اِلَيْهِمْ وَقَالَ اَيُّهَا النَّاسُ عَلَيْكُمْ بِالسَّكِيْنَةِ فَاِنَّ الْبِرَّ لَيْسَ بِالْاِيْضَاعِ (بخاری)

آپ نے اپنے کوڑے سے ان کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا۔ لوگو! آہستگی کو اختیار کرو۔ کیونکہ دوڑنا، دوڑانا کوئی نیکی نہیں ہے۔

عنوان کے دونوں مضمون اس حدیث سے ثابت ہوتے۔ آہستہ چلنے کی تلقین فرمانا اور کوڑے سے اشارہ کرنا (۲) اس حدیث سے واضح ہوا کہ عرفات سے لوٹتے وقت بے تحاشہ بھاگنا۔ اونٹوں کو دوڑانا اچھا نہیں ہے۔ اس سے نقصان ہونے کا اندیشہ ہے۔ راستہ صاف ہو تو تیز چلیں ورنہ آہستہ۔

بَابُ الْجَمْعِ بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ بِالْمُزْدَلِفَةِ

باب مزدلفہ میں دو نمازوں کو ملا کر پڑھنا

(۱) عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّهٗ سَمِعَهٗ يَقُوْلُ دَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَرَفَةَ فَنَزَلَ الشِّعْبَ فَبَالَ ثُمَّ تَوَضَّاَ وَلَمْ يُسْبِغِ الْوُضُوْءَ فَقُلْتُ لَهُ الصَّلٰوةُ فَقَالَ الصَّلٰوةُ اَمَامَكَ فَجَاءَ الْمُزْدَلِفَةَ فَتَوَضَّاَ فَاَسْبَغَ ثُمَّ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ ثُمَّ اَنَاخَ كُلُّ اِنْسَانٍ بَعِيْرَهٗ فِيْ مَنْزِلِهٖ

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفات سے لوٹے اور گھاٹی میں (جو مزدلفہ کے قریب ہے) اترے وہاں پیشاب کیا، پھر وضوء کیا اور پورا وضو نہیں کیا (خوب پانی نہیں بہایا) ہم نے آپ سے عرض کیا نماز۔ آپ نے فرمایا نماز آگے چل کر پڑھیں گے، آپ مزدلفہ میں آئے اور پورا وضو کیا۔ پھر نماز کی تکبیر ہوئی اور مغرب کی نماز پڑھی پھر ہر آدمی نے اپنا اونٹ اپنے ٹھکانے میں بٹھایا

ثُمَّ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَصَلّٰى وَلَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا (بخاری)

پھر تکبیر ہوئی اور عشاء کی نماز پڑھی اور ان کے درمیان کوئی نفل وغیرہ نہیں پڑھے۔

بَابُ مَنْ جَمَعَ بَيْنَهُمَا وَلَمْ يَتَطَوَّعْ

باب مغرب اور عشاء مزدلفہ میں ملا کر پڑھنا اور سنت وغیرہ نہ پڑھنا

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ جَمَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِجَمْعٍ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا بِاِقَامَةٍ وَلَمْ يُسَبِّحْ بَيْنَهُمَا وَلَا عَلٰى اِثْرِ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز کو جمع کرکے پڑھا ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ تکبیر ہوئی۔ اور ان کے درمیان میں اور ان کے بعد کوئی سنتیں وغیرہ نہیں پڑھیں۔ (بخاری)

حَدَّثَنِيْ اَبُوْ اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيُّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمَعَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِالْمُزْدَلِفَةِ (بخاری)

مجھ سے حضرت ابو ایوب انصاری نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز کو جمع کرکے پڑھا۔

فوائد و مسائل

نزل بالشعب: یہ مزدلفہ کے قریب ایک گھاٹی ہے۔ حضور قضائے حاجت کے لئے یہاں ٹھہرے تھے۔ یہاں ٹھہرنا حج کے ارکان سے نہیں ہے۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ کہ اگر کسی نے مغرب کی نماز اس گھاٹی میں پڑھ لی۔ تو مزدلفہ میں آکر دوبارہ پڑھنی چاہیئے یا نہیں۔

احناف کا مسلک یہ ہے کہ اگر مزدلفہ کو آنے والے نے مغرب کی نماز راستہ میں پڑھی۔ یا مزدلفہ پہنچ کر عشاء کا وقت آنے سے پہلے پڑھ لی تو اعادہ کرے۔ یعنی نماز مغرب دوبارہ عشاء کے وقت میں مزدلفہ میں پڑھے۔ اور اگر اعادہ نہ کیا اور صبح ہوگئی تو وہ نماز صحیح ہوگئی۔

لم یسبغ الوضوء کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اعضائے وضوء کو ایک ایک بار دھویا تین تین بار نہیں۔ جمع بینهما: مزدلفہ میں مغرب عشاء کے وقت میں پڑھی جائے۔ دونوں نمازوں کے درمیان سنت و نوافل نہ پڑھے۔ مغرب کی نماز کے بعد عشاء پڑھے — اگر درمیان میں سنتیں پڑھیں یا کوئی اور کام کیا۔ تو ایک اقامت اور کہی جائے گی یعنی ہر ایک کے لئے جیسا کہ حدیث زیر عنوان میں مذکور ہے۔

والسلام ... احناف کا مسلک یہ ہے۔ کہ عرفات میں ظہر و عصر کے لئے ایک اذان اور دو اقامتیں کہی جائیں اور مزدلفہ میں ... کے لئے ایک اذان اور ایک اقامت کہی جائے۔

الصلاۃ اماملک — اس سے واضح ہوا کہ دراصل آج کے دن مغرب کا وقت ہی عشاء کا وقت ہے۔

فائدہ: اس کی تائید عبداللہ بن مسعود کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے **ھما صلاتان تحولان عن وقتھما** یہ دو نمازیں ہیں جو اپنے وقت سے ہٹائی گئی ہیں یعنی مغرب کو وقت عشاء میں پڑھنے کا حکم ہے اور فجر کو اس کے وقت معتاد سے پہلے یعنی اندھیرے میں اور غلس میں پڑھنے کا حکم ہے اس کی حکمت بھی ظاہر ہے یعنی اظہار الوقوف۔ یعنی غروب آفتاب تک مسلسل وقوف کرنا اور فجر کے وقت خالی جانا۔ فافہم

بَابُ مَنْ اَذَّنَ وَ اَقَامَ لِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا

باب ہر نماز کے لئے علیحدہ علیحدہ اذان و تکبیر کہنا

عبدالرحمٰن بن یزید کہتے ہیں:۔

فَاَتَيْنَا الْمُزْدَلِفَةَ حِيْنَ الْاَذَانِ بِالْعَتَمَةِ اَوْ قَرِيْبًا مِّنْ ذَالِكَ فَاَمَرَ رَجُلًا فَاَذَّنَ وَ اَقَامَ ثُمَّ صَلَّى الْمَغْرِبَ وَصَلَّى بَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ دَعَا بِعَشَائِهٖ فَتَعَشّٰى ثُمَّ اَمَرَ اُرٰى فَاَذَّنَ وَ اَقَامَ قَالَ عَمْرٌو لَا اَعْلَمُ الشَّكَّ اِلَّا مِنْ زُهَيْرٍ ثُمَّ صَلَّى الْعِشَاءَ رَكْعَتَيْنِ فَلَمَّا طَلَعَ الْفَجْرُ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يُصَلِّيْ هٰذِهِ السَّاعَةَ اِلَّا هٰذِهِ الصَّلٰوةَ فِيْ هٰذَا الْمَكَانِ مِنْ هٰذَا الْيَوْمِ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ هُمَا صَلٰوتَانِ تُحَوَّلَانِ عَنْ وَقْتِهِمَا صَلٰوةُ الْمَغْرِبِ بَعْدَ مَا يَاْتِي النَّاسُ الْمُزْدَلِفَةَ وَالْفَجْرُ حِيْنَ يَبْزُغُ الْفَجْرُ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهٗ

(بخاری)

ہم مزدلفہ میں عشاء کی اذان کے وقت یا اس کے لگ بھگ پہنچے۔ حضرت عبداللہ نے ایک آدمی کو حکم دیا۔ اس نے اذان اور تکبیر کہی پھر مغرب کی نماز پڑھی اور نماز کے بعد دو رکعتیں (سنتیں) پڑھیں۔ پھر کھانا منگوایا اور کھایا پھر انہوں نے حکم دیا میرا خیال ہے کہ اذان ہوئی اور تکبیر کہی۔ عمرو نے کہا یہ خیال جو شک پیدا ہو گیا ہے وہ زہیر ہی کی طرف سے ہے پھر عشاء کی نماز کی دو رکعتیں پڑھیں۔ پس جب فجر طلوع ہو گئی تو کہنے لگے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت، اس جگہ اور اس دن میں اس صبح کی نماز کو (ہی) پڑھتے تھے۔ حضرت عبداللہ نے کہا یہ دو نمازیں ہیں۔ جو اپنے مقررہ وقت سے ہٹائی گئی ہیں۔ ایک تو مغرب کی نماز اس کو اس وقت پڑھنا چاہیئے۔ جب لوگ مزدلفہ پہنچ جائیں۔ اور دوسرا صبح کی نماز یعنی فجر ہوتے ہی پڑھ لینی چاہئیں۔ انہوں نے کہا میں نے حضور علیہ السلام کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے۔

فوائد و مسائل: واضح ہو کہ مزدلفہ میں نماز مغرب و عشاء کے لئے اذان و اقامت کے متعلق جو اختلاف ہے۔ دراصل یہ جواز و عدم جواز کا اختلاف نہیں ہے بلکہ کیفیت کا اختلاف ہے۔ اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ احادیث میں اختلاف

ہے۔ اس لئے یہ بات واضح نہیں ہوسکی۔ اسی لئے امام بخاری نے بھی لفظ من استعمال کیا ہے۔ والسر فی ذالک تعدد الجماعات فیھا۔ فاشتبہ الحال واختلف الاراء۔ فافہم

(۲) مزدلفہ میں نماز فجر (غلس) بہت اندھیرے میں پڑھنی چاہیئے کوشش کرنی چاہیئے کہ جماعت امام بلکہ پہلی تکبیر بھی فوت نہ ہو۔ کہ عشاء و صبح جماعت سے پڑھنے والا بھی پوری شب بیداری کا ثواب پاتا ہے۔

(۳) ھما صلاتان الخ سے واضح ہوا۔ جمع بین الصلاتین عرفہ و مزدلفہ کے ساتھ ہی خاص ہے (۴) اس سے قبل جو حدیث گذری ہے۔ اس میں یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے مزدلفہ میں مغرب کے فوراً بعد عشاء پڑھی اور مغرب و عشاء کے درمیان سنتیں نہیں پڑھیں۔ اور اس حدیث میں ہے کہ آپ نے سنتیں پڑھیں جس سے واضح ہوا کہ موالات شرط نہیں ہے۔ فافہم

بَابُ مَنْ قَدَّمَ ضَعَفَةَ اَهْلِهٖ بِلَيْلٍ فَيَقِفُوْنَ بِالْمُزْدَلِفَةِ وَيَدْعُوْنَ

باب عورتوں اور بچوں کو مزدلفہ سے منیٰ کے لئے رات ہی کو پہلے بھیج دینا وہ مزدلفہ میں ٹھہریں دعا کریں

وَيُقَدِّمُ اِذَا غَابَ الْقَمَرُ

اور چاند غروب ہوتے ہی چل دیں

(۱) حضرت سالم فرماتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما کمزور افراد (عورتوں بچوں) کو پہلے ہی منیٰ روانہ کر دیتے وہ رات مزدلفہ میں مشعر الحرام کے پاس ٹھہرتے۔ اور جب تک چاہتے اللہ کا ذکر کرتے۔ پھر وہ امام کے ٹھہرنے اور لوٹنے سے پہلے ہی لوٹ جاتے۔ ان میں سے بعض تو منیٰ میں صبح کے وقت پہنچتے اور بعض اس کے بعد جب وہ منیٰ میں پہنچ جاتے تو رمی جمار کرتے۔ حضرت ابن عمر فرماتے تھے۔

اَرْخَصَ فِيْ اُولٰٓئِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری)

کہ حضور علیہ السلام نے ایسے افراد کے لئے اجازت دی ہے۔

(۲) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ بَعَثَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ جَمْعٍ بِلَيْلٍ (بخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ سے رات ہی کو (منیٰ کے لئے) بھیج دیا۔

(۳) اَخْبَرَنِيْ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ يَزِيْدَ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُوْلُ اَنَا مِمَّنْ قَدَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْمُزْدَلِفَةِ فِيْ ضَعَفَةِ اَهْلِهٖ۔ (بخاری)

مجھے عبید اللہ بن یزید نے خبر دی۔ انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا۔ وہ کہتے تھے۔ میں ان لوگوں میں سے تھا جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ والی رات میں پہلے ہی سے (منیٰ کے لئے) بھیج دیا تھا۔

(۴) عَنْ اَسْمَآءَ اَنَّهَا نَزَلَتْ لَيْلَةَ جَمْعٍ عِنْدَ الْمُزْدَلِفَةِ فَقَامَتْ تُصَلِّيْ فَصَلَّتْ سَاعَةً ثُمَّ قَالَتْ يَا بُنَيَّ هَلْ غَابَ الْقَمَرُ قُلْتُ لَا فَصَلَّتْ سَاعَةً ثُمَّ قَالَتْ هَلْ غَابَ الْقَمَرُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَتْ فَارْتَحِلُوْا فَارْتَحَلْنَا وَمَضَيْنَا حَتّٰى رَمَتِ الْجَمْرَةَ ثُمَّ رَجَعَتْ فَصَلَّتِ الصُّبْحَ فِيْ مَنْزِلِهَا فَقُلْتُ لَهَا يَا هَنْتَاهُ مَا اُرَانَا اِلَّا قَدْ غَلَّسْنَا قَالَتْ يَا بُنَيَّ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَذِنَ لِلظُّعُنِ۔

(بخاری)

(۵) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتِ اسْتَاْذَنَتْ سَوْدَةُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ جَمْعٍ وَكَانَتْ ثَقِيْلَةً ثَبْطَةً فَاَذِنَ لَهَا۔

(بخاری)

(۶) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ نَزَلْنَا الْمُزْدَلِفَةَ فَاسْتَاْذَنَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَوْدَةُ اَنْ تَدْفَعَ قَبْلَ حَطْمَةِ النَّاسِ وَكَانَتِ امْرَاَةً بَطِيْئَةً فَاَذِنَ لَهَا فَدَفَعَتْ قَبْلَ حَطْمَةِ النَّاسِ وَاَقَمْنَا حَتّٰى اَصْبَحْنَا نَحْنُ ثُمَّ دَفَعْنَا بِدَفْعِهٖ فَلَاَنْ اَكُوْنَ اسْتَاْذَنْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ كَمَا اسْتَاْذَنَتْ سَوْدَةُ

حضرت اسماء سے مروی ہے کہ وہ مزدلفہ والی رات میں مزدلفہ کے قریب اتریں اور نماز کے لئے کھڑی ہو گئیں۔ تھوڑی دیر نماز پڑھی پھر کہنے لگیں اے بیٹے! کیا چاند ڈوب گیا؟ میں نے کہا نہیں۔ وہ پھر تھوڑی دیر تک نماز پڑھتی رہیں۔ پھر کہا کیا چاند ڈوب گیا؟ میں نے کہا ہاں۔ وہ کہنے لگیں تو یہاں سے کوچ کرو۔ ہم وہاں سے کوچ کر کے چل دیئے یہاں تک کہ انہوں نے کنکریاں ماریں پھر وہ واپس آئیں اور اپنے ٹھکانے پر صبح کی نماز پڑھی۔ میں نے ان سے کہا اے بی بی جی! ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے تاریکی میں (وقت سے پہلے) کنکریاں ماری ہیں۔ انہوں نے کہا اے بیٹے! رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو اس کی اجازت دی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے انہوں نے کہا حضرت سودہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مزدلفہ والی رات (پہلے سے منیٰ جانے کے لئے) اجازت چاہی۔ وہ بھاری بدن عورت تھیں۔ آپ نے انہیں اجازت دے دی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا ہم مزدلفہ میں اترے حضرت سودہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ وہ لوگوں کے ہجوم سے پہلے ہی (منیٰ) روانہ ہو جائیں۔ اور وہ دیر میں چل پھر سکتی تھیں۔ آپ نے انہیں اجازت دے دی۔ وہ لوگوں کے ہجوم سے پہلے نکل کھڑی ہوئیں۔ اور ہم صبح تک وہیں ٹھہرے رہے۔ پھر جب آپ لوٹے تو ہم بھی لوٹے۔ اگر میں بھی حضرت سودہ کی طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے لیتی

اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ مَفْرُوْحٍ بِہٖ (بخاری) تو مجھے یہ بہت ہی پسند ہوتا۔

فوائد و مسائل واضح ہو کہ عرفات کا وقوف حج کے اعظم ارکان سے ہے۔ یہ وقوف حج کی جان اور اس کا بڑا رکن ہے۔ عرفات میں وقوف کا وقت نویں ذی الحجہ کے آفتاب ڈھلنے سے دسویں ذی الحجہ کی طلوع فجر تک ہے (وقوف عرفات کے مسائل گذشتہ اوراق میں بیان ہو چکے ہیں) ——— عرفات میں وقوف کے بعد جب غروب آفتاب کا یقین ہو جائے تو اب فوراً مزدلفہ کو روانہ ہو جاتے ہیں۔ مزدلفہ میں مغرب و عشا ملا کر پڑھتے ہیں اور نماز فجر بہت اندھیرے میں ادا کی جاتی ہے اور وقوف مزدلفہ کا وقت طلوع فجر سے اجالا ہونے تک ہے۔ اس درمیان میں وقوف نہ کیا تو فوت ہو گیا۔ اور اس وقت یہاں سے ہو کر گذر گیا تو وقوف ہو گیا۔ طلوع فجر سے پہلے جو مزدلفہ سے چلا گیا اس پر دم واجب ہے۔ مگر بیمار یا عورت یا کمزور کہ ازدحام میں ضرر کا اندیشہ ہے۔ اس وجہ سے طلوع فجر سے پہلے منیٰ چلے جائیں تو ان پر کچھ نہیں ——— حدیث زیر بحث میں اسی مسئلہ کا بیان ہے کہ اگر کمزور عورتیں یا بیمار طلوع فجر سے پہلے مزدلفہ سے منیٰ روانہ ہو جائیں تو جائز ہے۔

وقوف مزدلفہ وقوفِ مزدلفہ حج کے ان واجبات سے ہے کہ اگر کسی نے کسی عذر کی وجہ سے اس کو ترک کر دیا۔ تو دم واجب نہیں ہے اور اگر دسویں کی صبح کو مزدلفہ میں بلاعذر وقوف نہ کیا تو دم لازم ہے۔ اور اگر کمزور یا عورت بخوف ازدحام وقوف ترک کریں تو جرمانہ نہیں ہے۔ تاہم

مشعر حرام یہ مزدلفہ میں ایک پہاڑی ہے جہاں مینارہ بنا ہوا ہے۔ چونکہ یہ حرم میں ہے اس لئے اس کو حرام کہتے ہیں۔ یا حرمت سے یعنی عزت والی جگہ۔ مزدلفہ میں مشعر حرام پر وقوف کیا جائے یہ ممکن نہ ہو تو اس کے دامن میں اور یہ بھی نہ ہو سکے تو وادی محسر کے سوا جہاں گنجائش ملے وقوف کیا جائے۔

(۲) فی اولٰئک ھم الضعفۃ سے مبیت فی المزدلفہ کے وجوب کا قول کیا گیا ہے۔ علامہ عینی نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ سیدنا امام اعظم اور ان کے اصحاب ثوری۔ احمد۔ اسحاق۔ ابوثور محمد بن ادریس (رضی اللہ عنہ) وجوب کے قائل ہیں لیکن ان کے نزدیک مبیت فی المزدلفہ رکن نہیں ہے۔ تو جس نے اس کو ترک کیا اس پر دم واجب ہے۔ حضرت عطاء۔ زہری۔ قتادہ و مجاہد کا بھی یہ ہی مسلک ہے۔ امام شافعی اس کے سنت ہونے کا قول کرتے ہیں۔ اور ابن بنت الشافعی و ابن خزیمہ شافعی مبیت فی المزدلفہ کو حج کا رکن قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک اگر صبح کی نماز تک بھی مزدلفہ میں وقوف نہیں کیا۔ تو حج فوت ہو گیا۔

(۳) ان احادیث میں ہے کہ جو کمزور افراد اور عورتیں پہلے ہی سے منیٰ چلی گئیں انہوں نے طلوع آفتاب سے قبل ہی رمی کر لی۔ اس سے عطاء بن ابی رباح المکی۔ طاؤس بن کیسان۔ مجاہد ابراہیم نخعی۔ شعبی۔ سعید بن جبیر و امام شافعی نے یہ استدلال فرمایا کہ طلوع آفتاب سے قبل رمی کرنا جائز ہے۔ احناف کا مسلک یہ ہے۔ کہ اگر طلوع آفتاب سے قبل رمی کر لی تو جائز تو ہے مگر مکروہ ہے۔ چنانچہ ثوری۔ نخعی۔ امام ابو یوسف۔ محمد۔ احمد و اسحاق کا بھی یہ ہی مسلک ہے کہ وقت مستحب بعد طلوع آفتاب ہے۔ چنانچہ حسب ذیل احادیث احناف کے موقف کی تائید و توثیق کرتی ہیں۔

(۱) حضور علیہ السلام نے اپنی ازواج مطہرات کو جنہیں پہلے مزدلفہ بھیج دیا تھا حکم دیا۔ لا ترموا الجمرۃ الا مصبحین۔

روی البیہقی (۲) حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے حکم دیا۔ لا ترموا الجمرۃ حتی تطلع الشمس (ابوداؤد) (۳) حضور علیہ السلام نے فرمایا لا ترموا الجمرۃ حتی تطلع الشمس (ترمذی) مزید تفصیل کے لئے طحاوی شریف دیکھئے۔

بَابُ مَنْ یُّصَلِّی الْفَجْرَ بِجَمْعٍ

باب نماز فجر مزدلفہ میں ہی پڑھنا

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے

مَا رَأَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلّٰی صَلٰوۃً بِغَیْرِ مِیْقَاتِہَا اِلَّا صَلٰوتَیْنِ جَمَعَ بَیْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ وَصَلَّی الْفَجْرَ قَبْلَ مِیْقَاتِہَا (بخاری)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے کوئی نماز اس کے وقت کے بغیر پڑھی ہو۔ مگر دو نمازوں کے آپ نے مغرب اور عشاء کو مزدلفہ میں جمع کیا اور نماز فجر اس دن معمول سے پہلے پڑھی۔

یعنی مزدلفہ میں مغرب وعشاء کو ملا کر پڑھا جائے اور نماز فجر معمول سے پہلے یعنی غلس میں۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ فجر میں اسفار مستحب ہے اور غلس میں پڑھنا صرف مزدلفہ کے ساتھ خاص ہے۔ اور یہ بھی کہ حضور علیہ السلام نے وقت واحد میں کبھی دو نمازوں کو جمع نہیں فرمایا نہ سفر میں نہ حضر میں۔ یہ جمع حقیقی صرف مزدلفہ و عرفات کے ساتھ خاص ہے۔ مزید تفصیل کے لئے فیوض الباری پارہ سوم صفحہ ۱۲۳ ملاحظہ فرمایئے۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ یَزِیْدَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ عَبْدِ اللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اِلٰی مَکَّۃَ ثُمَّ قَدِمْنَا جَمْعًا فَصَلَّی الصَّلٰوتَیْنِ کُلَّ صَلٰوۃٍ وَّحْدَہَا بِاَذَانٍ وَّاِقَامَۃٍ وَّالْعَشَاءُ بَیْنَہُمَا ثُمَّ صَلَّی الْفَجْرَ حِیْنَ طَلَعَ الْفَجْرُ قَائِلٌ یَّقُوْلُ طَلَعَ الْفَجْرُ وَقَائِلٌ یَّقُوْلُ لَمْ یَطْلُعِ الْفَجْرُ ثُمَّ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ ہَاتَیْنِ الصَّلٰوتَیْنِ حُوِّلَتَا عَنْ

حضرت عبدالرحمٰن بن یزید سے مروی ہے کہ ہم حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ کی طرف نکلے۔ پھر مزدلفہ میں آئے اور دو نمازیں پڑھیں۔ ہر نماز علیحدہ علیحدہ اذان اور تکبیر کے ساتھ پڑھی اور ان دونوں کے درمیان میں کھانا کھایا۔ پھر صبح کی نماز طلوع فجر کے وقت پڑھی کوئی کہتا تھا کہ صبح ہو گئی اور کوئی کہتا کہ ابھی صبح نہیں ہوئی پھر حضرت عبداللہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ دونوں نمازیں مغرب و عشاء اس جگہ اپنے مقررہ وقت سے ہٹا دی گئی

قال النووی [illegible] قبل وقتہا المعتاد ولا قبل طلوع الفجر [illegible] فی التغلیس بجائز باجماع المسلمین (نووی مع مسلم ص [illegible]) فافہم

وَقْتِهِمَا فِي هَٰذَا الْمَكَانِ الْمَغْرِبَ وَ الْعِشَاءَ فَلَا يَقْدَمُ النَّاسُ جَمْعًا حَتَّى يُعْتِمُوا وَصَلَاةَ الْفَجْرِ هَٰذِهِ السَّاعَةَ ثُمَّ وَقَفَ حَتَّى أَسْفَرَ ثُمَّ قَالَ لَوْ أَنَّ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَفَاضَ الْآنَ أَصَابَ السُّنَّةَ فَمَا أَدْرِي أَقَوْلُهُ كَانَ أَسْرَعَ أَمْ دَفْعُ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَلَمْ يَزَلْ يُلَبِّي حَتَّى رَمَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ يَوْمَ النَّحْرِ

(بخاری)

ہیں۔ اور لوگوں کو چاہیئے کہ مزدلفہ میں اس وقت داخل ہوں جب اندھیرا ہو جائے۔ اور فجر کی نماز اس وقت پڑھیں پھر فجر کی نماز پڑھ کر عبداللہ مزدلفہ میں ٹھہرے رہے یہاں تک کہ روشنی ہو گئی پھر کہنے لگے۔ اگر مسلمانوں کے امیر (حضرت عثمان) اس وقت مزدلفہ سے لوٹیں تو انہوں نے سنت کے موافق کیا۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں۔ پھر میں نہیں جانتا۔ ابن مسعود کا یہ کہنا پہلے ہوا یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا لوٹنا اور ابن مسعود برابر لبیک پکارتے رہے۔ یہاں تک کہ یوم النحر (دسویں تاریخ) کو کنکریاں ماریں۔

فوائد و مسائل اس حدیث سے بھی واضح ہوا کہ مزدلفہ میں مغرب و عشاء کے وقت میں لا کر پڑھی جائے۔ اور یہ کہ نماز فجر اول وقت غلس میں پڑھی جائے (۲) واضح ہو کہ سنت یہ ہے کہ مزدلفہ سے نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے منیٰ کو روانہ ہو جائے ــــــ اگر نماز فجر سے قبل یا طلوع فجر کے بعد مزدلفہ سے چلا گیا یا طلوع آفتاب کے بعد گیا۔ تو برا کیا مگر ...... بغیر عذر جائز نہیں ہے۔

(۳) حتی رمی جمرۃ العقبۃ اس مسئلہ میں سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ۔ شافعی۔ احمد۔ اسحٰق۔ عطاء۔ طاؤس۔ ابن ابی لیلیٰ۔ ثوری کا مسلک ہے کہ حاجی جمرۂ عقبہ کی رمی کے بعد لبیک ترک کرے۔ حضرت ابن مسعود و ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی یہی منقول ہے۔

بَابُ مَتَى يَدْفَعُ مِنْ جَمْعٍ

باب مزدلفہ سے کس وقت لوٹنا چاہیئے

عمرو بن میمون کہتے ہیں۔ کہ میں حضرت عمر کے پاس موجود تھا۔ انہوں نے مزدلفہ میں صبح کی نماز پڑھی پھر ٹھہرے رہے بعد کہنے لگے

إِنَّ الْمُشْرِكِينَ كَانُوا لَا يُفِيضُونَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَيَقُولُونَ أَشْرِقْ ثَبِيرُ فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالَفَهُمْ ثُمَّ أَفَاضَ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ۔ (بخاری)

کہ مشرکین (زمانہ جاہلیت میں) (مزدلفہ) سے اس وقت لوٹتے۔ جب سورج نکل آتا اور کہتے ثبیر چمک جا اور نبی علیہ السلام نے ان کا خلاف کیا۔ آپ مزدلفہ سے طلوع آفتاب سے قبل لوٹے۔

فوائد و مسائل ثبیر ایک پہاڑ ہے مزدلفہ میں جو منیٰ کو آتے ہوئے بائیں جانب پڑتا ہے۔ یہ مکہ کا سب سے بڑا پہاڑ ہے۔ زمانہ جاہلیت میں مشرکین مزدلفہ سے طلوع آفتاب کے بعد چلتے تھے اور کہتے جب پہاڑ سورج کی کرنوں سے چمکے گا تب لوٹیں گے۔ حضور علیہ السلام نے ان کی مخالفت فرمائی اور سورج نکلنے سے پہلے مزدلفہ سے روانہ ہوئے۔

معلوم ہوا کہ سنت یہ ہے کہ مزدلفہ سے طلوع آفتاب سے قبل منیٰ کے لئے روانہ ہو جانا چاہیئے۔

بَابُ التَّلْبِيَةِ وَالتَّكْبِيرِ غَدَاةَ النَّحْرِ حِيْنَ يَرْمِي الْجَمْرَةَ وَالْإِرْتِدَافِ فِي السَّيْرِ

باب دسویں تاریخ صبح کو تکبیر اور لبیک کہتے رہنا جمرہ عقبہ کی رمی تک اور راہ میں کسی کو اپنے ساتھ سواری پر بٹھا لینا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ اُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا كَانَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَرَفَةَ اِلَى الْمُزْدَلِفَةِ ثُمَّ اَرْدَفَ الْفَضْلَ مِنَ الْمُزْدَلِفَةِ اِلٰى مِنًى قَالَ فَكِلَاهُمَا قَالَا لَمْ يَزَلِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُلَبِّي حَتّٰى رَمٰى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ

ابن عباس سے ہے کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما عرفات سے لے کر مزدلفہ تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ سوار تھے۔ پھر مزدلفہ سے منیٰ تک آپ نے فضل کو اپنے ساتھ سوار کر لیا حضرت ابن عباس نے کہا۔ دونوں کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مارنے تک برابر لبیک کہتے رہے (بخاری)

علامہ طحاوی نے لکھا ہے کہ اس پر صحابہ و تابعین کا اجماع ہے۔ کہ حاجی رمی جمرہ عقبہ کے بعد لبیک قطع کرے۔ احناف کا بھی یہی مسلک ہے اور دلیل اجماع یہ ہے کہ حضرت عمر بھی ایسا ہی کرتے تھے اور صحابہ کرام میں سے کسی نے انکار نہیں کیا۔

بَابُ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ

باب سورہ بقر کی اس آیت کے متعلق جو حج سے عمرہ ملا کے کا فائدہ اٹھائے

فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔

اس پر قربانی ہے جیسی میسر آئے۔ پھر جسے مقدور نہ ہو تو تین روزے حج کے دنوں میں رکھے اور سات جب اپنے گھر پلٹ کر جائے۔ یہ پورے دس ہوئے یہ حکم اس کے لیے ہے جو مکہ کا رہنے والا نہ ہو۔

یہ آیت سورہ بقرہ کی ہے۔ اس میں تمتع کی قربانی کا ذکر ہے۔ یہ قربانی تمتع کی ہے [illegible] شکریہ واجب ہوئی [illegible] تمتع کرنے والا فقیر ہو یا غنی سب پر واجب ہے اور جو قربانی نہ دے سکے تو دس روزے رکھے۔ پہلی شوال سے نو ذوالحجہ تک احرام باندھنے کے بعد اس درمیان میں جب چاہے رکھ لے خواہ ایک ساتھ یا متفرق۔ بہتر یہ ہے کہ ۷، ۸، ۹ ذی الحجہ [illegible]

رکھے اور سات روزے گھر پہنچ کر رکھو۔ (۲) اس آیت سے یہ بھی واضح ہوا کہ اہل مکہ کے لیے نہ تمتع ہے نہ قران اور حدود میقات کے اندر رہنے والے اہل مکہ میں داخل ہیں۔

حَدَّثَنَا اَبُوْ جَمْرَةَ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ الْمُتْعَةِ فَاَمَرَنِيْ بِهَا وَسَاَلْتُهُ عَنِ الْهَدْيِ فَقَالَ فِيْهَا جَزُوْرٌ اَوْ بَقَرَةٌ اَوْ شَاةٌ اَوْ شِرْكٌ فِيْ دَمٍ قَالَ وَكَاَنَّ نَاسًا كَرِهُوْهَا فَنِمْتُ فَرَاَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَاَنَّ اِنْسَانًا يُنَادِيْ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ وَمُتْعَةٌ مُتَقَبَّلَةٌ فَاَتَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَحَدَّثْتُهُ فَقَالَ اللّٰهُ اَكْبَرُ سُنَّةُ اَبِي الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَقَالَ اٰدَمُ وَوَهْبُ بْنُ جَرِيْرٍ وَغُنْدَرٌ عَنْ شُعْبَةَ عُمْرَةٌ مُتَقَبَّلَةٌ وَحَجٌّ مَبْرُوْرٌ۔ (بخاری)

ہم سے ابو جمرہ نے بیان کیا انہوں نے کہا۔ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تمتع کے متعلق پوچھا انہوں نے کہا۔ کرو۔ اور میں نے اُن سے قربانی کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے کہا ایک اونٹ یا گائے یا بکری کی قربانی کرے یا اونٹ یا گائے میں شریک ہو جائے۔ ابو جمرہ نے کہا جیسے بعض لوگوں نے تمتع کو برا سمجھا میں سو گیا خواب میں کیا دیکھتا ہوں۔ کوئی آدمی پکار رہا ہے یہ حج مبرور یعنی مبارک ہے اور تمتع قبول ہے۔ پھر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا۔ میں نے اُن سے یہ خواب بیان کیا انہوں نے کہا اللہ اکبر! یہ تو سنت ہے حضرت ابو القاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آدم اور وہب بن جریر اور غندر نے شعبہ سے یوں روایت کیا ہے یہ عمرہ مقبول ہے اور یہ حج مبرور مبارک ہے۔

مسائل (۱) یہ حدیث فیوض الباری پارہ ششم صفحہ ۵۰ پر گزر چکی ہے۔ ھدی وہ جانور ہے جو قربانی کے لیے حرم کو بھیجا جائے یہ تین قسم کے جانور ہیں۔ بکری بھیڑ۔ دنبہ۔ گائے بھینس۔ اونٹ۔ حضرت علی اور ابن عباس سے بھی یہی مروی ہے علماء کا یہی قول ہے (۲) گائے اور اونٹ میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔

بَابُ رُكُوْبِ الْبُدْنِ

باب قربانی کے جانور پر سوار ہونا

لقولہ تعالیٰ (اللہ تعالیٰ نے سورۂ حج میں فرمایا)

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ

اور قربانی کے ڈیل دار جانور اونٹ اور گائے ہم نے تمہارے لیے اللہ کی نشانیوں سے کیے اور تمہارے لیے ان میں بھلائی ہے تو تم ان پر اللہ کا نام لو ایک پاؤں بندھے تین پاؤں سے کھڑے پھر جب

وَالْمُعْتَرَّ كَذٰلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ۔

(بخاری)

ان کی کروٹیں گر جائیں تو ان میں سے خود کھاؤ اور صبر سے بیٹھنے والے اور بھیک مانگنے والے کو کھلاؤ۔ ہم نے یونہی ان کو تمہارے بس میں دے دیا کہ تم احسان مانو اللہ کو ہرگز نہ ان کے گوشت پہنچتے ہیں نہ ان کے خون ہاں تمہاری پرہیزگاری اس تک باریاب ہوتی ہے۔ یونہی ان کو تمہارے بس میں کر دیا کہ تم اللہ کی بڑائی بولو اس پر کہ تم کو ہدایت فرمائی اور اے رسول معظم خوشخبری سناؤ نیکی کرنے والوں کو۔

فوائد و مسائل یہ آیت سورۂ حج کی ہے۔ اس میں حسب ذیل امور کا بیان ہے (۱) قربانی کا جانور اعلام دین سے ہے (۲) قربانی سے دنیا میں بھی نفع ہے اور آخرت میں اجر و ثواب۔
(۳) بوقت ذبح اللہ کا نام لیا جائے۔

(۴) قربانی کرنے والے صرف نیت کے اخلاص اور شرط تقویٰ کی رعایت سے اللہ تعالیٰ کو راضی کر سکتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں کفار اپنی قربانیوں کے خون سے کعبہ معظمہ کی دیواروں کو آلودہ کرتے تھے۔ اور اس کو سبب تقرب جانتے تھے۔ اس پر یہ آیہ مبارکہ نازل ہوئی۔

(۴) قربانی کرنے والے صرف نیت کے اخلاص اور شرائط تقویٰ کی رعایت سے اللہ تعالیٰ کو راضی کر سکتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں کفار اپنی قربانیوں کے خون سے کعبہ معظمہ کی دیواروں کو آلودہ کرتے تھے۔ اور اس کو سبب تقرب جانتے تھے۔ اس پر یہ آیہ مبارکہ نازل ہوئی۔
(۵) اونٹ کو کھڑا کر کے سینہ میں گلے کی انتہا پر تکبیر کہہ کر نیزہ مارا جاتا ہے اس کو نحر کہتے ہیں اور سنت یہی ہے۔ اونٹ کا ذبح کرنا مکروہ ہے۔ مگر حلال ذبح سے بھی ہو جائے گا۔ اگر اونٹ کو ذبح کرنا ہو تو گلے پر ایک ہی جگہ سے ذبح کیا جا سکے۔ یہ جو مشہور ہے کہ اونٹ تین جگہ سے ذبح ہوتا ہے غلط اور خلاف سنت ہے اور صنعت اذیت مکروہ ہے

(۱) قَالَ مُجَاهِدٌ سُمِّيَتِ الْبُدْنُ لِبُدْنِهَا وَالْقَانِعُ السَّآئِلُ وَالْمُعْتَرُّ الَّذِيْ يَعْتَرُّ بِالْبُدْنِ مِنْ غَنِيٍّ اَوْ فَقِيْرٍ وَشَعَآئِرُ اسْتِعْظَامُ الْبُدْنِ وَاسْتِحْسَانُهَا وَالْعَتِيْقُ عِتْقُهُ مِنَ الْجَبَابِرَةِ وَيُقَالُ وَجَبَتْ سَقَطَتْ اِلَى الْاَرْضِ وَمِنْهُ وَجَبَتِ الشَّمْسُ (بخاری)

مجاہد نے کہا ان کو بدن اس لیے کہتے ہیں کہ وہ موٹے تازے ہوتے ہیں اور قانع مانگنے والا (فقیر) اور معتر وہ جو قربانی کیلئے مالدار و محتاج کے پاس گھومتا ہو۔ یہ جانتے تھے اور شعائر سے مراد ان کا موٹا اور تازہ ہونا اور عمدہ کرنا ہے اور عتیق سے معنی ہیں کہ ظالم اور شاہوں سے محفوظ رکھا اور وجبت کا معنی سقطت یعنی زمین پر گر پڑیں۔ اسی عرب لوگ کہتے ہیں وجبت الشمس یعنی سورج ڈوب گیا۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ قربانی کا اونٹ ہانکے جا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اس پر سوار ہو جا۔ اس نے عرض کی یہ قربانی کا جانور ہے۔

قَالَ ارْكَبْهَا قَالَ بَدَنَةٌ قَالَ ارْكَبْهَا وَيْلَكَ فِي الثَّالِثَةِ أَوْ فِي الثَّانِيَةِ (بخاری)

فرمایا سوار ہو جا۔ عرض کی حضور یہ قربانی کا جانور ہے۔ فرمایا سوار ہو جا تجھے خرابی ہو۔ دوسری یا تیسری بار میں اس طرح فرمایا۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ قربانی کے جانور پر سوار ہونا جائز ہے خواہ ھدی واجب ہو یا نفل اس مسئلہ میں علماء کے مختلف قول ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ حالتِ اضطرار ہدی پر سواری جائز ہے۔

بَابُ مَنْ سَاقَ الْبُدْنَ

باب جو اپنے ساتھ قربانی کا جانور لے چلے

عَنْ عَبْدِ اللهِ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ تَمَتَّعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ وَأَهْدَى فَسَاقَ مَعَهُ الْهَدْيَ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ وَبَدَأَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَهَلَّ بِالْعُمْرَةِ ثُمَّ أَهَلَّ بِالْحَجِّ فَتَمَتَّعَ النَّاسُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَكَانَ مِنَ النَّاسِ مَنْ أَهْدَى فَسَاقَ الْهَدْيَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ يُهْدِ فَلَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ قَالَ لِلنَّاسِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ أَهْدَى فَإِنَّهُ لَا يَحِلُّ لِشَيْءٍ حَرُمَ مِنْهُ حَتَّى يَقْضِيَ حَجَّهُ وَمَنْ لَمْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَهْدَى فَلْيَطُفْ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَلْيُقَصِّرْ وَلْيَحْلِلْ ثُمَّ لِيُهِلَّ بِالْحَجِّ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ هَدْيًا فَلْيَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں تمتع کیا یعنی عمرہ کر کے پھر حج کیا اور آپ ذوالحلیفہ سے اپنے ساتھ قربانی لے گئے تھے۔ اور پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے شروع کیا۔ آپ نے عمرے کا احرام پکارا پھر حج کا احرام پکارا۔ لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ تمتع کیا۔ یعنی عمرہ کر کے حج کیا۔ اب لوگوں میں دو طرح کے لوگ تھے۔ بعضے تو قربانی ساتھ لے چلے تھے اور بعضے قربانی اپنے ساتھ نہیں لائے تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں پہنچے تو آپ نے لوگوں سے فرمایا تم میں سے جو کوئی قربانی ساتھ لایا ہو وہ احرام میں جن چیزوں سے پرہیز کرتا ہے پرہیز رکھے حج پورا ہونے تک اور جو کوئی قربانی ساتھ نہیں لایا تو بیت اللہ کا طواف اور صفا مروہ میں دوڑ کر بال کترائے اور احرام کھول ڈالے۔ پھر ساتویں یا آٹھویں تاریخ حج کا احرام باندھے اب جس کو قربانی کا مقدور نہ ہو۔ وہ تین

فِی الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ فَطَافَ حِينَ قَدِمَ مَكَّةَ وَاسْتَلَمَ الرُّكْنَ أَوَّلَ شَيْءٍ ثُمَّ خَبَّ ثَلٰثَةَ أَطْوَافٍ وَمَشَى أَرْبَعًا فَرَكَعَ حِينَ قَضَى طَوَافَهُ بِالْبَيْتِ عِنْدَ الْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَانْصَرَفَ فَأَتَى الصَّفَا فَطَافَ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ سَبْعَةَ أَطْوَافٍ ثُمَّ لَمْ يَحْلِلْ مِنْ شَيْءٍ حَرُمَ مِنْهُ حَتّٰى قَضٰى حَجَّهُ وَنَحَرَ هَدْيَهُ يَوْمَ النَّحْرِ وَأَفَاضَ فَطَافَ بِالْبَيْتِ ثُمَّ حَلَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ حَرُمَ مِنْهُ وَفَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَهْدٰى وَسَاقَ الْهَدْيَ مِنَ النَّاسِ
بخاری

حج کے دنوں میں رکھے اور سات روز جب اپنے گھر لوٹ کر جائے۔ غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں آئے تو پہلے جو کام کیا وہ طواف تھا اور حجر اسود کا چومنا اور طواف میں پہلے تین پھیروں میں دوڑ کر چلے اور چار پھیروں میں معمولی چال سے اور طواف کے بعد دو رکعتیں بیت اللہ کے پاس مقام ابراہیم میں پڑھیں۔ پھر سلام پھیرا اور فارغ ہو کر صفا پہاڑ پر گئے۔ وہاں صفا و مروہ کے سات پھیرے کیے پھر جتنی چیزوں سے احرام میں پرہیز تھا اُن سے حج پورا کئے تک پرہیز کرتے رہے۔ اور دسویں تاریخ ذی الحجہ کو قربانی کا نحر کیا اور لوٹ کر مکہ میں آئے۔ بیت اللہ کا طواف کیا۔ اب جتنی چیزوں سے احرام میں پرہیز تھا ان کا پرہیز جاتا رہا اور جو لوگ قربانی ساتھ لائے تھے۔ اُنہوں نے بھی وہی کیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔

فوائد و مسائل تمتع یعنی حضور علیہ السلام نے پہلے حج کا احرام باندھا پھر عمرہ کا تو آپ قارن ہو گئے اور چونکہ قارن لغوی معنی کے لحاظ سے متمتع ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ ایک ہی احرام سے حج و عمرہ کرتا ہے۔ اور لبیک بعمرۃ و حجۃ کہتا ہے۔ اس لیے تمتع کا لفظ بولا گیا ورنہ حضور قارن تھے متمتع نہیں۔ فاھل بعمرۃ الخ اس سے بھی یہ مراد نہیں ہے کہ پہلے حضور نے عمرہ کا احرام باندھا پھر حج کا۔ وتمتع الناس اور لوگوں نے پہلے حج افراد کا احرام باندھا تھا۔ پھر اس کو فسخ کر کے عمرہ کر دیا تو یہ متمتع ہوئے۔

من کان منکم الخ اس سے واضح ہوا کہ جو قربانی ساتھ لایا ہے وہ عمرہ کر کے حلال نہیں ہو سکتا۔ اس حدیث کی مزید تشریح کے لیے فیوض الباری پارہ ششم صفحہ ۱۴۰، ۱۴۶، ۲۰، ۱۴۹ ملاحظہ کریں۔

فلیصم۔ قارن اور متمتع پر قربانی واجب ہے۔ اگر قربانی نہ ہو سکے تو دس روزے رکھے تین ایام حج میں اور باقی واپس ہو کر۔ دیکھو فیوض پارہ ہفتم ص۱

حتی قضی حجۃ یعنی حضور علیہ السلام نے عمرہ کرنے کے بعد احرام نہیں کھولا۔ حتی کہ آپ نے حج کے تمام افعال ادا فرمائے

مِنَ الْمَدِيْنَةِ فِي بِضْعِ عَشَرَةَ مِائَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ حَتَّى إِذَا كَانُوْا بِذِي الْحُلَيْفَةِ قَلَّدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْهَدْيَ وَأَشْعَرَ وَأَحْرَمَ بِالْعُمْرَةِ

کئی اصحاب کے ساتھ مدینہ سے (عمرے کے لیے) تشریف لے گئے۔ جب ذوالحلیفہ میں پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے جانور کی تقلید کی اور اشعار کیا اور عمرے کا احرام باندھا۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ فَتَلْتُ قَلَائِدَ بُدْنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِيْ ثُمَّ قَلَّدَهَا وَأَشْعَرَهَا وَأَهْدَاهَا فَمَا حَرُمَ عَلَيْهِ شَيْءٌ كَانَ أُحِلَّ لَهُ (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں کے ہار اپنے ہاتھ سے بٹے پھر آپ نے ان کے گلے میں ڈالے اور اشعار کیا اور ان کو مکہ کی طرف روانہ کیا آپ نے کسی چیز سے جو درست تھی پرہیز نہیں کیا۔

بَابُ فَتْلِ الْقَلَائِدِ لِلْبُدْنِ وَالْبَقَرِ

باب قربانی کے اونٹ اور گایوں کے لیے ہار بٹنا

عَنْ حَفْصَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا شَأْنُ النَّاسِ حَلُّوْا وَلَمْ تَحْلِلْ أَنْتَ قَالَ إِنِّيْ لَبَّدْتُ رَأْسِيْ وَقَلَّدْتُ هَدْيِيْ فَلَا أَحِلُّ حَتّٰى أَحِلَّ مِنَ الْحَجِّ (بخاری)

ام المومنین حضرت حفصہ نے کہا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ لوگوں نے تو احرام کو کھول ڈالا ان کو کیا ہوا ہے اور آپ نے احرام کھولا ہی نہیں آپ نے فرمایا میں نے بالوں کو جمالیا اور قربانی کو ہار ڈالا۔ میں جب تک حج سے فارغ نہ ہوں احرام نہیں کھول سکتا

أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُهْدِيْ مِنَ الْمَدِيْنَةِ فَأَفْتِلُ قَلَائِدَ هَدْيِهِ ثُمَّ لَا يَجْتَنِبُ شَيْئًا مِمَّا يَجْتَنِبُهُ الْمُحْرِمُ (بخاری)

حضرت عائشہ نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے کہ قربانی روانہ کرتے میں آپکی قربانی کے لیے ہار بٹتی۔ پھر آپ ان چیزوں سے پرہیز نہ کرتے جن سے محرم پرہیز کرتا ہے۔

بَابُ إِشْعَارِ الْبُدْنِ

باب قربانی کے اونٹوں کو اشعار کرنا

وَقَالَ عُرْوَةُ عَنِ الْمِسْوَرِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَلَّدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْهَدْيَ وَأَشْعَرَهُ وَأَحْرَمَ بِالْعُمْرَةِ۔

اور عروہ نے حضرت مسور رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے جانوروں کے گلے میں ہار ڈالے اور ان کا اشعار کیا اور عمرے کا احرام باندھا۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ فَتَلْتُ قَلَائِدَ هَدْيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ أَشْعَرَهَا وَقَلَّدَهَا أَوْ قَلَّدْتُهَا ثُمَّ بَعَثَ بِهَا إِلَى الْبَيْتِ وَأَقَامَ بِالْمَدِينَةِ فَمَا حَرُمَ عَلَيْهِ شَيْءٌ كَانَ لَهُ حِلٌّ (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے انہوں نے کہا۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قربانی کے جانوروں کے ہار بٹے۔ پھر آپ نے ان کا اشعار کیا اور ان کے گلے میں آپ نے یا میں نے ہار ڈالے پھر آپ نے ان کو بیت اللہ کی طرف روانہ کر دیا اور خود مدینہ میں ٹھہرے رہے اور جو چیزیں حلال تھیں اُن میں سے کوئی چیز آپ پر حرام نہیں ہوئی

بَابُ مَنْ قَلَّدَ الْقَلَائِدَ بِيَدِهِ

باب جس نے اپنے ہاتھ سے ہار بٹے

أَنَّ زِيَادَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ كَتَبَ إِلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ مَنْ أَهْدَى هَدْيًا حَرُمَ عَلَيْهِ مَا يَحْرُمُ عَلَى الْحَاجِّ حَتَّى يُنْحَرَ هَدْيُهُ قَالَتْ عَمْرَةُ فَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا لَيْسَ كَمَا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ أَنَا فَتَلْتُ قَلَائِدَ هَدْيِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدَيَّ ثُمَّ بَعَثَ بِهَا مَعَ أَبِي فَلَمْ يَحْرُمْ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ شَيْءٌ أَحَلَّهُ اللهُ حَتَّى نُحِرَ الْهَدْيُ (بخاری)

زیادہ بن ابی سفیان نے (جو حضرت امیر معاویہ کی طرف سے عراق کا حاکم تھا) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو لکھا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ کہتے ہیں۔ جو کوئی قربانی کا جانور (بیت اللہ کو) روانہ کرے تو جب تک وہ قربانی کاٹی جائے اس پر وہ سب باتیں حرام ہو جاتی ہیں جو حاجی پر حرام ہوتی ہیں۔ عمرہ نے کہا۔ حضرت عائشہ نے کہا۔ عبداللہ بن عباس کا کہنا صحیح نہیں ہے۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قربانی کے جانوروں کے لئے اپنے ہاتھ سے ہار بٹے تھے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے وہ ہار جانوروں کو پہنائے اور میرے باپ (ابوبکرؓ) کے ساتھ بیت اللہ روانہ کر دیئے۔ اور آپ پر کوئی چیز جو اللہ نے حلال

(بخاری) کی ہے حرام نہیں ہوئی یہاں تک کہ وہ جانور کاٹے گئے۔

بَابُ تَقْلِيْدِ الْغَنَمِ

باب بکریوں کے گلے میں ہار ڈالنا

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ اَفْتِلُ الْقَلَائِدَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيُقَلِّدُ الْغَنَمَ وَ يُقِيْمُ فِيْ اَهْلِهِ حَلَالًا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہار بٹ کر تیار کرتی تھی۔ آپ وہ ہار بکریوں کے گلے میں ڈالتے اور بغیر احرام کے گھر پر رہتے۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ اَفْتِلُ قَلَائِدَ الْغَنَمِ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَبْعَثُ بِهَا ثُمَّ يَمْكُثُ حَلَالًا (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کی بکریوں کے ہار بنا کرتی تھی۔ پھر آپ ان کو بیت اللہ بھیج دیتے اور خود بغیر احرام کے رہتے۔

بَابُ الْقَلَائِدِ مِنَ الْعِهْنِ

باب اون کے ہار بننا

عَنْ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ فَتَلْتُ قَلَائِدَهَا مِنْ عِهْنٍ كَانَ عِنْدِيْ۔ بخاری

ام المؤمنین (عائشہ) رضی اللہ عنہا سے مروی ہے انہوں نے کہا میرے پاس کچھ اون تھا میں نے اس کے ہار قربانی کے جانوروں کے لیے بنا دیئے۔

بَابُ تَقْلِيْدِ النَّعْلِ

باب قربانی کو جوتی کا ہار پہنانا

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ قربانی کا اونٹ ہانک رہا تھا حضور علیہ السلام نے فرمایا اس پر سوار ہو جا اس نے عرض کی یہ قربانی کا اونٹ ہے فرمایا سوار ہو جا۔

قَالَ فَلَقَدْ رَاَيْتُهُ رَاكِبَهَا يُسَايِرُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ النَّعْلُ فِيْ عُنُقِهَا

بخاری،

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ میں نے اس کو دیکھا۔ اونٹ پر سوار آپ کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا اور جوتی اس کے گلے میں لٹک رہی تھی۔

بَابُ الْجِلَالِ لِلْبُدْنِ

باب - قربانی کے جانور کی جھول کو کیا کرے

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا لَا يَشُقُّ مِنَ الْجِلَالِ إِلَّا مَوْضِعَ السَّنَامِ وَإِذَا نَحَرَهَا نَزَعَ جِلَالَهَا مَخَافَةَ أَنْ يُفْسِدَهَا الدَّمُ ثُمَّ يَتَصَدَّقُ بِهَا (بخاری)

اور عبداللہ بن عمر جھول کو اتنا ہی پھاڑتے کہ کوہان باہر نکل آتا (اشعار کے لیئے) اور جب اونٹ کو نحر کرتے تو جھول اُتار لیتے - کہیں خون لگ کر خراب نہ ہو - پھر اس کو خیرات کر دیتے -

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ أَمَرَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَتَصَدَّقَ بِجِلَالِ الْبُدْنِ الَّتِي نَحَرْتُ بِجُلُودِهَا (بخاری)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو یہ حکم دیا کہ قربانی کے اونٹ جن کو میں نے نحر کیا - اُن کی جھولیں اور کھالیں فقیروں کو خیرات کر دوں -

فوائد و مسائل ان مذکورہ بالا عنوانات کی حدیثوں کے احکام و مسائل یہ ہیں :-

(۱) اشعار - شعور سے مشتق ہے - شعر یشعر بر وزن نصر ینصر اور اشعار باب افعال کا مصدر ہے - اشعار کے لغوی معنی کسی چیز کو علامت دار کرنے کے ہیں اور اس کے شرعی معنی یہ ہیں کہ اونٹ کے کوہان کے دائیں جانب نیزہ یا چھری یا خنجر سے مارنا جس سے خون نکل آئے (۲) اشعار مسنون ہے سیدنا امام اعظم علیہ الرحمۃ سے جو منقول ہے کہ اشعار مثلہ کرنا ہے اور مکروہ ہے تو ایسا اشعار جس میں مبالغہ کیا جائے یہ ٹھیک نہیں ہے - کیونکہ اس طرح کرنے سے جانور کو خواہ مخواہ تکلیف ہوگی (۲) حضرت ابن عباس کا مسلک یہ تھا کہ جو کوئی مکہ میں قربانی بھیج دے اور خود نہ جائے تو اس پر حج کے احکام جاری ہو جائیں گے - حضرت عائشہ نے ان کے اس خیال کی تردید فرمائی اور فرمایا کہ آنحضور علیہ السلام نے مکہ کو قربانی بھیجی تھی اور آپ پر حج کے احکام جاری نہیں ہوئے تھے (۲) قربانی کا جانور خواہ اونٹ ہو یا گائے یا بکری ان سب کے گلے میں قلادہ ڈال سکتے ہیں - رسی خواہ اون کی ہو یا کسی اور چیز کی (۳) جوتی کا ہار ڈالنا بھی جائز ہے اشعار اور تقلید سے مقصود یہ بتانا ہوتا ہے - یہ جانور قربانی کے لئے ہے -

(۴) قربانی کے جانور کی جھول لگام وغیرہ صدقہ کر دینا چاہیئے - قصاب کو اُجرت میں دینا منع ہے -

---

(۱) واعلم ان التقليد نعم ما كان بشئ خفيف كالعهن ونحوه ترك فنهاؤنا ذكره في الكتب لا انه منفي عندهم بخلاف تقليد الابل فانه يكون بشئ ثقيل كالمزادة ونحوها فهو التقليد حقيقة وما تقليد الغنم فتركوه والغلط السليقة الجهيد كما وعلاه خفاتا لا نفيه

بَابُ مَنِ اشْتَرٰى هَدْيًا مِنَ الطَّرِيْقِ وَقَلَّدَهَا

باب راستہ میں سے قربانی کا جانور خریدنا اور اُسے ہار پہنانا جائز ہے

یہ ہی عنوان پہلے بھی گزر چکا ہے۔ دیکھو فیوض پارہ ہفتم صفحہ ۲۶ البتہ اس عنوان میں وقلدھا کا لفظ زیادہ ہے۔ زیرِ عنوان حدیثِ نافع ذکر کی ہے جو فیوض پارہ ہفتم صفحہ ۲۶ تا ۲۴ پر مع تفہیم ترجمانی کے گزر چکی ہے۔ جس سے امام بخاری نے یہ واضح کیا ہے کہ ھدی کو قلادہ پہنانا جائز ہے۔

بَابُ ذَبْحِ الرَّجُلِ الْبَقَرَ عَنْ نِسَائِهٖ مِنْ غَيْرِ اَمْرِهِنَّ

باب اپنی عورتوں کی طرف سے اُن کی اجازت کے بغیر گائے ذبح کرنا

حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ ہم حضور علیہ السلام کے ہمراہ جبکہ ماہ ذی قعدہ کے پانچ دن باقی رہ گئے تھے (مدینہ منورہ) سے صرف حج کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ جب مکہ معظمہ پہنچے تو جن لوگوں کے ساتھ قربانی نہ تھی۔ حضور علیہ السلام نے حکم دیا کہ وہ طواف اور سعی کے بعد احرام کھول دیں۔

فَدَخَلَ عَلَيْنَا يَوْمَ النَّحْرِ بِلَحْمِ بَقَرٍ فَقُلْتُ مَا هٰذَا؟ قَالَ نَحَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَزْوَاجِهٖ (بخاری)

تو بقر عید کے دن لوگ گائے کا گوشت لے کر ہمارے پاس آئے۔ میں نے پوچھا یہ گوشت کیسا ہے؟ تو اُنہوں نے کہا کہ حضور علیہ السلام نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے گائے (نحر) ذبح کی ہے۔

فوائد مسائل | عنوان میں ذبح کا لفظ ہے اور حدیث زیرِ عنوان میں نحر کا۔ لیکن یہ ہی حدیث ذبح کے لفظ کے ساتھ بھی آئی ہے۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ گائے کو نحر کرنا بھی جائز ہے۔ مگر ذبح کرنا مستحب ہے۔ قرآن مجید میں اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً آیا ہے (۲) یہ بھی ثابت ہوا کہ گائے میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔

بَابُ النَّحْرِ فِيْ مَنْحَرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًى

باب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں جس مقام پر نحر کیا وہاں نحر کرنا

عَنْ نَافِعٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ كَانَ يَنْحَرُ الْمَنْحَرَ قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ مَنْحَرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ عَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَبْعَثُ بِهَدْيِهٖ مِنْ جَمْعٍ مِنْ [illegible] اَلِّلِ حَتّٰى

حضرت نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے اس مقام میں نحر کیا۔ عبیداللہ نے کہا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نحر کیا کرتے تھے۔

حضرت نافع سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر اپنی قربانی کے جانوروں کو مزدلفہ سے اخیر رات میں منیٰ کو بھجوا دیتے

يُدْخَلُ بِهِ مَنْحَرُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ حُجَّاجٍ فِيهِمُ الْحُرُّ وَالْمَمْلُوكُ۔ (بخاری)

تھے۔ یہ قربانی حاجی لوگ جن میں آزاد اور غلام دونوں طرح کے لوگ تھے اُس مقام میں لے جاتے جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نحر کیا کرتے تھے۔

داخل ہو کر حضور علیہ السلام منا میں جمرہ عقبہ کے قریب مسجد خیف کے پاس قربانی کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر بھی اسی مقام پر اتباعاً للنبی صلی اللہ علیہ وسلم نحر کرتے تھے۔ ان کے اتباع کا یہ عالم تھا کہ وہ من و عن حضور علیہ السلام کی پیروی فرماتے تھے حتیٰ کہ راستہ میں دوران سفر جہاں ضرورتاً یا اتفاقاً ٹھہرے آپ نے وہاں نماز ادا فرمائی۔ حضرت ابن عمر بھی وہاں ٹھہرتے تھے۔ اور اسی جگہ پر نماز ادا کرتے تھے ——— ویسے منا میں جہاں بھی قربانی کی جائے درست ہے۔ حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

نحرت ههنا ومنى كلها منحر فانحروا فى رحالكم ووقفت ههنا وعرفة كلها موقف ووقفت ههنا وجمع كلها موقف

میں نے یہاں نحر کیا ہے اور منیٰ تمام کا تمام نحر کی جگہ ہے۔ میں نے یہاں وقوف کیا ہے اور عرفات تمام کا تمام موقف تھا۔ میں نے یہاں وقوف کیا ہے اور مزدلفہ سب کا سب موقف ہے۔

اور اس میں شک نہیں کہ منیٰ میں جس مقام پر حضور علیہ السلام نے نحر کیا ہے اسی مقام پر نحر کرنا اور عرفات و مزدلفہ میں جس مقام پر حضور علیہ السلام جلوہ فرما رہے ہیں۔ اسی جگہ پر ٹھہرنا افضل و اکمل اور باعث رحمت و برکت ہے۔

بَابُ مَنْ نَحَرَ بِيَدِهٖ

باب اپنے ہاتھ سے نحر کرنا

عَنْ اَنَسٍ وَذَكَرَ الْحَدِيْثَ قَالَ وَنَحَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ سَبْعَ بُدْنٍ قِيَامًا وَضَحّٰى بِالْمَدِيْنَةِ كَبْشَيْنِ اَمْلَحَيْنِ اَقْرَنَيْنِ (بخاری)

حضرت انس سے مروی ہے انہوں نے مختصر طور سے حدیث بیان کی اور کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سات اونٹوں کو کھڑا کر کے اپنے ہاتھ سے نحر کیا اور مدینے میں دو چتکبرے سینگوں والے مینڈھوں کی قربانی کی۔

(۱) اس حدیث سے واضح ہوا کہ خود اپنے ہاتھ سے قربانی کرنا افضل ہے۔ خود نہ کر سکے تو دوسروں کو اجازت دیدے

(۲) اس حدیث میں اونٹ کو کھڑا کر کے نحر کرنے کا ذکر ہے۔ امام شافعی و احمد و ابو ثور اسی کے قائل ہیں اور امام ابو حنیفہ و ثوری

رماتے ہیں۔ نحر اً اور بیٹھا دونوں طرح نحر کرنا برابر ہے۔

بَابُ نَحْرِ الْاِبِلِ مُقَیَّدَۃً • بَابُ نَحْرِ الْبُدْنِ قَائِمَۃً

باب اونٹ کو باندھ کر نحر کرنا — باب اونٹ کو کھڑا کر کے نحر کرنا

ان دونوں عنوانوں کے ماتحت امام بخاری نے ایک ہی مضمون کی حدیث ذکر کی ہے جو یہ ہے

رَاَیْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا اَتٰی عَلٰی رَجُلٍ قَدْ اَنَاخَ بَدَنَتَہٗ یَنْحَرُھَا قَالَ اِبْعَثْھَا قِیَامًا مُقَیَّدَۃً سُنَّۃَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (بخاری) وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا صَوَآفَّ قِیَامًا وَنَحَرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِیَدِہٖ سَبْعَ بُدْنٍ قِیَامًا (بخاری)

عبداللہ بن عمر کو دیکھا کہ وہ ایک شخص کے پاس آئے جس نے نحر کرنے کے لئے اپنا اونٹ بٹھا یا تھا۔ عبداللہ نے کہا اس کو کھڑا کر کے اور پاؤں باندھ کے (اور نحر کر) آنحضرت کی یہی سنت ہے۔ اور ابن عباس نے کہا (سورہ حج میں) جو آیا ہے اذکروا اسم اللہ علیہا صواف کے معنی یہی ہیں وہ کھڑے ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سات اونٹ کھڑے کر کے اپنے ہاتھ سے نحر کئے۔

بَابُ لَا یُعْطَی الْجَزَّارُ مِنَ الْھَدْیِ شَیْئًا

باب قصاب کو مزدوری میں قربانی کی چیز نہ دیں

بَابُ یَتَصَدَّقُ بِجِلَالِ الْبُدْنِ

باب قربانی کے جانوروں کی جھولیں خیرات کر دی جائیں

بَابُ یَتَصَدَّقُ بِجُلُوْدِ الْھَدْیِ

باب قربانی کی کھال خیرات کر دی جائے

عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ اَقَامَنِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقُمْتُ عَلَی الْبُدْنِ فَاَمَرَنِیْ فَقَسَمْتُ لُحُوْمَھَا ثُمَّ اَمَرَنِیْ فَقَسَمْتُ جِلَالَھَا وَجُلُوْدَھَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا۔ میں قربانی کے اونٹوں کے پاس کھڑا ہوا پھر مجھے حکم دیا میں نے اُن کا گوشت تقسیم کر دیا۔ پھر آپ نے مجھے حکم دیا تو میں نے اُن کی جھولیں اور کھالیں بھی تقسیم کر دیں

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَهُ أَنْ يَقُومَ عَلَى بُدْنِهِ وَأَنْ يَقْسِمَ بُدْنَهُ كُلَّهَا لُحُومَهَا وَجُلُودَهَا وَجِلَالَهَا وَلَا يُعْطِيَ فِي جِزَارَتِهَا شَيْئًا.

اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا، کہ آپ کے قربانی کے اُونٹوں کو دیکھیں اور اُن کی سب چیزیں بانٹ دیں۔ گوشت اور کھال، اور جھول اور قصائی کی اُجرت میں کچھ نہ دیں۔

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ أَمَرَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَقُومَ عَلَى الْبُدْنِ وَلَا أُعْطِيَ عَلَيْهَا شَيْئًا فِي جِزَارَتِهَا.

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو حکم دیا قربانی کے اونٹوں کا بندوبست کروں اور ان میں سے کوئی چیز قصائی کی مزدوری میں نہ دوں۔

أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حَدَّثَهُ قَالَ أَهْدَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِائَةَ بَدَنَةٍ فَأَمَرَنِي بِلُحُومِهَا فَقَسَمْتُهَا ثُمَّ أَمَرَنِي بِجِلَالِهَا فَقَسَمْتُهَا ثُمَّ بِجُلُودِهَا فَقَسَمْتُهَا.

(بخاری)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، اُنہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سو اونٹوں کی قربانی کی اور مجھ کو اُن کے گوشت تقسیم کر دینے کا حکم دیا، میں میں نے تقسیم کر دیا۔ پھر آپ نے مجھے ان کی جھولوں کا حکم دیا۔ میں نے انہیں بھی تقسیم کر دیا۔ پھر کھالوں کا حکم دیا میں نے ان کو بھی بانٹ دیا۔

فوائد و مسائل مذکورہ بالا عنوانات کے ماتحت جو احادیث درج ہیں وہ مسائل ذیل پر مشتمل ہیں:-

(۱) اپنے ہاتھ سے قربانی کرنا افضل ہے (۲) اونٹ کو کھڑا کر کے نحر کرنا مسنون ہے۔ امام شافعی و احمد ابو ثور کا یہی قول ہے (۳) قربانی کا گوشت خود بھی کھا سکتے ہیں اور قرآن مجید سے بھی یہ ہی ثابت ہے (۴) قصائی کو اُجرت میں قربانی کا گوشت یا کھال یا سری پائے وغیرہ دینا ممنوع و ناجائز ہے (۵) حجۃ الوداع کے موقع پر حضور علیہ السلام نے سو اونٹوں کی قربانی دی تھی۔ ان میں سے تریسٹھ اونٹ خود حضور علیہ السلام نے اپنے دستِ اقدس سے نحر فرمائے تھے۔ باقی اونٹ حضور علیہ السلام کی اجازت سے جناب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے نحر کئے تھے (۶) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ باوا نف کو مسئلہ بتایا جائے اور سنت کے مخالف فعل پر سکوت نہ کیا جائے۔ اگرچہ امر مباح ہو۔

بَابُ وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا

باب سورہ حج میں اللہ عزوجل کے اس ارشاد کے متعلق ——

وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ

اور جب کہ ہم نے ابراہیم کو اس گھر کا ٹھکانا ٹھیک بتا دیا۔ اور حکم دیا کہ میرا کوئی شریک نہ کر اور میرا گھر ستھرا رکھ طواف والوں اور اعتکاف والوں اور رکوع سجدے کرنے والوں کے لئے اور لوگوں میں حج کی عام ندا کر دے۔ وہ تیرے پاس حاضر ہوں گے

مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ذَلِكَ وَمَنْ يُعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ عِنْدَ رَبِّهِ

پیادہ اور ہر دبلی اونٹنی پر کہ ہر دور کی راہ سے آتی ہیں۔ تاکہ وہ اپنا فائدہ پائیں اور اللہ کا نام لیں جانے ہوئے دنوں میں۔ اس پر کہ انہیں روزی دی بے زبان چوپائے۔ تو ان میں سے خود کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو کھلاؤ۔ پھر اپنا میل کچیل اتاریں اور اپنی منتیں پوری کریں۔ اور اس آزاد گھر کا طواف کریں۔ بات یہ ہے۔ اور جو اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کرے تو وہ اس کے لیے اس کے رب کے یہاں بھلا ہے۔

(بخاری)

فوائد و مسائل یہ آیہ مبارکہ مسائل ذیل پر مشتمل ہے :-

(۱) کعبہ کی عمارت پہلے جناب آدم علیہ السلام نے بنائی تھی طوفان نوح کے وقت یہ عمارت آسمان پر اٹھالی گئی۔ پھر حضرت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کعبہ شریف کی جگہ بتائی گئی اور آپ نے اس کی قدیم بنیاد پر عمارت کعبہ تعمیر کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر حج کی (۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جبل ابوقبیس پر چڑھ کر جہان کے لوگوں کو ندا کر دی کہ بیت اللہ کا حج کرو۔ تو جن کے مقدر میں حج ہے انہوں نے باپوں کی پشتوں اور ماؤں کے پیٹوں سے جواب دیا لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ ——— اور حضرت حسن کا قول ہے کہ اس آیت میں اذن کا خطاب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے حجۃ الوداع میں اعلان فرمایا:- اے لوگو! اللہ نے تم پر حج فرض کیا تو حج کرو۔

(۳) ایام معلومات سے ذی الحجہ کا عشرہ مراد ہے جیسا کہ سیدنا علی و ابن عباس و حسن و قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول ہے اور یہی مذہب ہے سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا۔ صاحبین کے نزدیک ایام معلومات سے ایام نحر مراد ہیں اور حضرت ابن کا بھی یہی قول ہے اور ہر تقدیر پر یہاں ایام معلومات سے خاص روز عید مراد ہے (تفسیرات احمدیہ)

(۴) نفلی قربانی۔ تمتع اور قران کی قربانی اور ہر ایک ھدی ہے جن کا اس آیت میں بیان ہے کھانا جائز ہے باقی (ھدایا) یعنی حاجی پر جو دم، فدیہ قصور کے بدلے لازم آتا ہے یا نذر کا ذبیحہ ہو اس سے خود نہیں کھا سکتا۔

بَابُ مَا يَأْكُلُ مِنَ الْبُدْنِ وَمَا يَتَصَدَّقُ

باب قربانی کے جانوروں میں سے کیا کھائیں اور کیا صدقہ کریں

وَقَالَ عُبَيْدُ اللَّهِ أَخْبَرَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ لَا يُؤْكَلُ مِنْ جَزَاءِ الصَّيْدِ وَالنَّذْرِ وَيُؤْكَلُ

اور عبید اللہ نے کہا مجھ کو نافع نے خبر دی انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے۔ انہوں نے کہا احرام میں کوئی شکار کرے اور اس کا بدل دینا پڑے

مِمَّا سِوٰى ذٰلِكَ وَقَالَ عَطَاءٌ يَأْكُلُ وَيُطْعِمُ مِنَ الْمُتْعَةِ ۔

(بخاری)

تو بدلے اور نذر کے جانوروں سے کچھ نہ کھائے باقی سب میں سے کھائے ۔ اور حضرت عطا نے کہا کہ تمتع کی قربانی میں سے خود بھی کھا سکتا ہے اور دوسروں کو بھی کھلا سکتا ہے ۔

حَدَّثَنَا عَطَاءٌ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُولُ كُنَّا لَا نَأْكُلُ مِنْ لُحُومِ بُدْنِنَا فَوْقَ ثَلٰثِ مِنًى فَرَخَّصَ لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كُلُوا وَتَزَوَّدُوا فَأَكَلْنَا وَتَزَوَّدْنَا

ہم سے عطاء نے بیان کیا ۔ انہوں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سنا ۔ وہ کہتے تھے ہم اپنی قربانیوں کے گوشت منیٰ کے تین دنوں کے بعد نہیں کھاتے تھے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اجازت دی اور فرمایا کھاؤ اور توشہ کے طور پر ساتھ لو تو ہم نے کھایا اور توشہ بھی بنایا ۔

(بخاری)

قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَدُخِلَ عَلَيْنَا يَوْمَ النَّحْرِ بِلَحْمِ بَقَرٍ فَقُلْتُ مَا هٰذَا فَقِيلَ ذَبَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَزْوَاجِهِ

(بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں ۔ میرے پاس بقرعید کے دن گائے کا گوشت لایا گیا ۔ میں نے پوچھا یہ کیسا گوشت ہے ، جواباً کہا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کی طرف سے گائے کی قربانی کی ہے ۔

فوائد و مسائل ان احادیث سے واضح ہوا تمتع اور قران کی قربانی سے خود بھی کھا سکتا ہے ۔ البتہ نذر اور فدیہ اور جزاء کی قربانی سے خود نہیں کھا سکتا (۱) مدینہ میں ایک سال سخت قحط سالی کی وجہ سے حضور علیہ السلام نے یہ حکم دیا تھا کہ قربانی کا گوشت خود کھاؤ اور تقسیم کر دو ۔ تین دن سے زیادہ جمع نہ کرو ۔ اس حکم کا مقصد یہ تھا کہ غریب اور مفلس لوگ زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں ۔ آئندہ سال جب حاجت نہ رہی تو آپ نے اجازت دے دی کہ جب تک چاہو ذخیرہ کر کے رکھو اور کھاتے رہو ۔ اس سے معلوم ہوا کہ قربانی کرنے والوں کو اختیار ہے کہ جتنا گوشت چاہیں ذخیرہ کر کے رکھ لیں اور کھاتے رہیں ۔ اور جتنا چاہیں تقسیم کر دیں

(۲) نذر و جزاء عیزہ کی قربانی کا گوشت خود نہیں کھا سکتا کہ یہ خالص فقراء کا حق ہے ۔

بَابُ الذَّبْحِ قَبْلَ الْحَلْقِ

باب قربانی کرنے کے بعد سر منڈانا چاہیئے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَمَّنْ حَلَقَ قَبْلَ أَنْ يَذْبَحَ وَنَحْوِهِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے ۔ انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ قربانی سے پہلے کوئی سر منڈا لے یا ایسا ہی کوئی کام

فَقَالَ لَاحَرَجَ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زُرْتُ قَبْلَ اَنْ اَرْمِيَ قَالَ لَاحَرَجَ قَالَ ذَبَحْتُ قَبْلَ اَنْ اَرْمِيَ قَالَ لَاحَرَجَ۔

آگے پیچھے کر لے۔ آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں کوئی حرج نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ کسی آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے رمی سے پہلے طواف زیارت کر لیا۔ آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں۔ ... قربانی کر لی آپ نے فرمایا کوئی ...

(۲) حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے دریافت کیا ...

رَمَيْتُ بَعْدَ مَا اَمْسَيْتُ فَقَالَ لَاحَرَجَ قَالَ حَلَقْتُ قَبْلَ اَنْ اَنْحَرَ قَالَ لَاحَرَجَ۔

(بخاری)

میں نے شام ہو جانے کے بعد رمی کی حضور علیہ السلام نے فرمایا کوئی حرج نہیں۔ اس نے عرض کی میں نے قربانی کرنے سے پہلے سر منڈا لیا ہے۔ آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں۔

فوائد و مسائل ان احادیث سے امام شافعی و احمد و اسحٰق نے یہ استدلال فرمایا۔ کہ حاجی نے دسویں ذی الحجہ کو جو کام کرنے ہیں۔ اگر ایک دوسرے سے موخر یا مقدم ہو جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ یعنی ایسا کرنے والے پر دم وغیرہ نہیں ہے حضرت عطاء و طاؤس و مجاہد کا بھی یہی مذہب ہے ______ اور سیدنا امام اعظم علیہ الرحمۃ کا مسلک یہ ہے۔ تقدیم یا تاخیر کی صورت میں دم لازم آئے گا۔ اور قارن پر دو دم لازم ہوں گے۔

احناف کا موقف یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے جو یہ فرمایا ہے کہ لاحرج تو یہ محمول ہے گناہ کی نفی پر، نہ کہ نفی جزا پر۔ چنانچہ خود حضرت ابن عباس جو لاحرج والی حدیث کے راوی ہیں انہوں نے بھی مطلب حدیث یہی سمجھا ہے اور فرماتے ہیں کہ تقدیم و تاخیر کی صورت میں دم لازم ہوگا۔

فائدہ: اس کے بعد امام بخاری نے حدیث ابو موسیٰ ذکر کی ہے جس کے مسائل باب من اھل فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ الخ فیوض پارہ ششم کے صفحہ ۱۷۱ پر بیان ہو چکے ہیں۔

اس حدیث میں عنوان کے مناسب یہ الفاظ ہیں حتی بلغ الھدی محلہ جس سے باب کا مطلب واضح ہوا کہ حضور علیہ السلام نے اس وقت تک احرام نہیں کھولا جب تک کہ قربانی اپنے محل منا میں نہیں پہنچ گئی تو معلوم ہوا کہ قربانی حلق پر مقدم ہے لان بلوغ الھدی محلہ عبارۃ عن الذبح۔ فافہم۔

لہ واضح ہو کہ یوم النحر یعنی ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو حاجی کو چار کام کرنے پڑتے ہیں۔ رمی جمار، قربانی۔ حلق یا قصر، طواف افاضہ و زیارت، تو احناف کے نزدیک ان میں ترتیب لازم ہے۔ اور مفرد پر چونکہ قربانی واجب نہیں ہے تو مفرد کے لئے رمی و حلق ہیں۔ اور قارن کے لئے رمی، حلق اور قربانی میں ترتیب لازم ہے۔

بَابُ مَنْ لَبَّدَ رَأْسَهُ عِنْدَ الْاِحْرَامِ وَحَلَقَ

باب احرام باندھتے وقت بالوں کو چپکا لینا اور احرام کھولتے وقت سر منڈانا

عَنْ حَفْصَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَنَّهَا قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا شَاْنُ النَّاسِ حَلُّوْا بِعُمْرَةٍ وَّلَمْ تَحْلِلْ اَنْتَ مِنْ عُمْرَتِكَ قَالَ اِنِّيْ لَبَّدْتُ رَاْسِيْ وَقَلَّدْتُ هَدْيِيْ فَلَا اَحِلُّ حَتّٰى اَنْحَرَ (بخاری)

حضرت حفصہ رضی نے کہا یا رسول اللہ! لوگوں کو کیا ہوا کہ انہوں نے عمرہ کر کے احرام کھول ڈالا اور آپ نے عمرہ کر کے احرام نہیں کھولا؟ آپ نے فرمایا میں نے اپنے بال جمائے تھے اور قربانی کے گلے میں ہار ڈالا تھا میں تو قربانی تک احرام نہیں کھول سکتا۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ سر کے بالوں کے منتشر ہونے کا اندیشہ ہو تو تلبید کر سکتا ہے۔ یہ بھی عنوان سے ثابت ہے لیکن عنوان میں حلق کا ذکر بھی ہے۔ اور حدیث میں حلق کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن حدیث ابن عمر میں جو آئندہ باب میں آرہی ہے اس میں حلق کا ذکر صریحاً موجود ہے۔ علامہ عینی نے فرمایا یہ ضروری نہیں ہے۔ کہ عنوان کے تمام مسائل زیر عنوان حدیث میں پائی جائیں۔ بلکہ اگر ایک بھی پایا جائے تو کافی ہے اور باقی مسائل کے لئے دوسری حدیث کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

بَابُ الْحَلْقِ وَالتَّقْصِيْرِ عِنْدَ الْاِحْلَالِ

باب احرام کھولتے وقت بال منڈانا یا کترانا

قَالَ نَافِعٌ كَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَا يَقُوْلُ حَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّتِهٖ

نافع نے کہا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج میں اپنے سر کے بال منڈائے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِيْنَ قَالُوْا وَلِلْمُقَصِّرِيْنَ قَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِيْنَ قَالُوْا وَلِلْمُقَصِّرِيْنَ قَالَهَا ثَلٰثًا قَالَ وَلِلْمُقَصِّرِيْنَ (بخاری)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا اللہ سر منڈانے والوں کو بخش دے۔ لوگوں نے عرض کیا اور بال کترانے والوں کو؟ آپ نے فرمایا یا اللہ سر منڈانے والوں کو بخش دے لوگوں نے عرض کیا اور بال کترانے والوں کو آپ نے تیسری بار بھی فرمایا بال منڈانے والوں کو۔ پھر چوتھی بار میں فرمایا اور بال کترانے والوں کو۔

عَنْ نَافِعٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ قَالَ حَلَقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَطَائِفَةٌ مِّنْ

حضرت نافع سے مروی ہے کہ عبداللہ بن عمر نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی ایک

أَصْحَابِهِ وَقَصَّرَ بَعْضُهُمْ
عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ قَالَ قَصَّرْتُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِشْقَصٍ
(بخاری)

جماعت نے سر منڈایا اور بعضوں نے بال کترائے۔
حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ انہوں نے حضرت معاویہ سے اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو۔ امیر معاویہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال ایک قینچی سے کترے۔

حلق و تقصیر کے مسائل حلق کا مطلب ہے سارا سر منڈوانا اور تقصیر کے معنی بال کترانے کے ہیں۔ احرام سے باہر آنے کے لئے حلق کریں یا تقصیر دونوں جائز ہیں۔ البتہ حلق افضل و بہتر ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے حجۃ الوداع میں حلق کرایا اور سر منڈانے والوں کے لئے دعائے رحمت و مغفرت تین بار فرمائی اور کترانے والوں کے لئے ایک بار (۲) بال کترائیں تو سر میں جتنے بال ہیں ان میں کے چہارم بالوں میں سے کتروانا ضروری ہے ——— اس لئے ایک پورے سے زیادہ کتروائیں کہ بال چھوٹے بڑے ہونے میں ممکن ہے کہ چہارم بالوں میں سب ایک ایک پورا نہ کٹیں (۳) جس کے سر کے بال نہ ہوں اسے استرا پھرانا واجب ہے (۴) اگر سر میں پھوڑے پھنسی ہوں تو حلق و تقصیر ساقط ہو گیا۔ اسے یونہیں سب چیزیں حلال ہو جائیں گی (۵)، حاجی کے لئے حلق و تقصیر کا وقت ایام نحر یعنی ۱۰-۱۱-۱۲ ہے اور افضل پہلا دن یعنی دسویں ذی الحجہ ہے (۶) اگر بارھویں تک حلق و تقصیر نہ کیا تو دم لازم آئے گا کہ اس کے لئے یہ وقت ہے (۷) حلق و تقصیر کے بعد عورت سے صحبت کرنے شہوت ہاتھ لگانے، بوسہ لینے کے سوا جو کچھ احرام نے حرام کیا تھا سب حلال ہو گیا۔ اور عورت سے صحبت طواف زیارت کے بعد حلال ہو گی۔

فائدہ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے اس مضمون کی متعدد حدیثیں لکھی ہیں جن کا مضمون یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے بال لوگوں میں تقسیم فرما دیئے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ان احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرام حضور علیہ السلام کے موئے مبارک کو متبرک سمجھتے تھے۔ اور حضور کے آثار شریفہ کی تعظیم و توقیر کرتے تھے۔

حضرت ابن سیرین فرماتے ہیں:-
لان یکون عندی شعرۃ منه احب الی من کل بیضاء وصفراء علی وجه الارض وفی بطنها

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بال مجھے زمین اور اس میں جو کچھ ہے سے زیادہ محبوب ہے

بَابُ تَقْصِيْرِ الْمُتَمَتِّعِ بَعْدَ الْعُمْرَةِ

باب تمتع کرنے والا عمرہ کر کے بال کتروائے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف لائے

أَمَرَ أَصْحَابَهُ أَنْ يَطُوفُوا بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ثُمَّ يَحِلُّوا وَيَحْلِقُوا أَوْ يُقَصِّرُوا۔

(بخاری)

تو آپ نے اپنے صحابہ کو یہ حکم دیا کہ وہ بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی کر کے احرام کھول ڈالیں اور سر منڈائیں یا بال کترائیں ؛

واضح ہو کہ متمتع وہ ہے جو حج کے مہینہ میں عمرہ کرے اور پھر اسی سال حج کا احرام باندھے۔ تمتع کا طریقہ یہ ہے۔ ایام حج میں میقات سے عمرہ کا احرام باندھے اور عمرہ کے طواف و سعی سے فارغ ہو کر سر منڈائے یا بال کترائے۔ اور حلال ہو جائے۔ پھر آٹھویں [illegible] کرے۔ بعد طواف سعی کرے۔ دسویں ذی الحجہ کو قربانی دے۔

حدیث میں [illegible] عمرے کے بعد [illegible] ہونے کا بیان ہے ؛

بَابُ الزِّيَارَةِ يَوْمَ النَّحْرِ

باب۔ دسویں تاریخ کو طوافِ زیارت کرنا

طوافِ زیارۃ جسے طوافِ افاضہ بھی کہتے ہیں یہ حج کے اعظم ارکان سے ہے یہ طواف حج کا دوسرا رکن ہے۔ اس کے سات پھیرے کئے جائیں گے جن میں چار پھیرے فرض ہیں کہ بغیر ان کے طواف ہوگا ہی نہیں اور نہ حج ہوگا۔ اور پورے سات پھیرے کرنا واجب تو اگر چار پھیروں کے بعد اپنی بیوی سے جماع کر لیا تو حج ہو گیا مگر ترک واجب کی وجہ سے دم لازم ہوگا (۲) اس طواف کے لئے بھی شرط ہے کہ پیشتر سے احرام باندھا ہو اور وقوف کر چکا ہو۔ اور یہ طواف خود کرے تو اگر کسی اور نے اسے کندھے پر اٹھا کر طواف کرایا تو اس کا طواف نہ ہوا۔ مگر یہ خود نہ کر سکتا ہو مثلاً بے ہوش ہو (۳)، اس طواف کا وقت دسویں ذی الحجہ کی طلوع فجر سے ہے اس سے قبل نہیں ہو سکتا (۴) اس طواف کے لئے بلکہ ہر طواف کے لئے نیت شرط ہے۔ اگر نیت نہ ہو طواف نہ ہوا (۵) کمزور اور عورتیں اگر بھیڑ کی وجہ سے دسویں کو نہ جائیں تو گیارھویں کو کر لیں اور جو گیارھویں کو نہ جاسکے تو بارھویں ذی الحجہ کو طواف زیارت کر لے۔ اس کے بعد بلا عذر تاخیر گناہ ہے۔ جرمانہ میں ایک بکری قربانی کرنی ہوگی (۶)، اس طواف کے بعد عورتیں حلال ہو جائیں گی اور حج پورا ہو گیا۔ اور اگر یہ طواف نہ کیا تو عورتیں حلال نہ ہوں گی اگرچہ برسیں گذر جائیں ؛

عَنْ عَائِشَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ أَخَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الزِّيَارَةَ إِلَى اللَّيْلِ وَيُذْكَرُ عَنْ أَبِي حَسَّانَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَزُورُ الْبَيْتَ أَيَّامَ مِنًى

حضرت عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف زیارت کو رات تک مؤخر کیا۔ اور ابی حسان سے منقول ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم طواف زیارت منیٰ کے دنوں میں کرتے تھے۔

فوائد و مسائل الی اللیل کا مطلب یہ ہے کہ حضور نے طوافِ زیارت کو زوال کے بعد تک مؤخر کیا۔ اور بعد غروب مراد لینا بعید ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام نے طواف زیارت ذی الحجہ کی دس تاریخ (یوم النحر) دن میں کیا۔

یا الی اللیل کو اس پر محمول کیا جائے جو ابن حبان نے روایت کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے رمی جمرہ عقبہ کے بعد قربانی دی۔ پھر خوشبو لگائی۔ پھر مکہ آئے اور طواف زیارت کیا یعنی یوم النحر میں دن میں طواف کیا۔ اس کے بعد منٰی واپس تشریف لائے۔ وہاں ظہر و عصر و مغرب و عشاء پڑھی کچھ دیر آرام فرمایا پھر مکہ تشریف لائے۔ اور ایک اور طواف کیا رات میں ثم رکب ناقتہ فطاف طوافا آخر باللیل) اور یہ دوسرا طواف جو رات میں حضور علیہ السلام نے کیا یہ نفلی تھا طواف زیارت دسویں ہی کو دن میں کر لیا تھا۔ فافہم۔ اور بیہقی کی روایت میں ہے کان یزور البیت کل لیلۃ من لیالی منٰی یعنی حضور علیہ السلام ایام منٰی میں ہر رات کو مکہ آ کر رات کو کعبہ کا طواف کرتے تھے۔

واضح ہو کہ طواف زیارت دسویں ذی الحجہ ہی کو کرنا افضل ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ طَافَ طَوَافًا وَاحِدًا ثُمَّ يَقِيلُ ثُمَّ يَأْتِي مِنًى يَعْنِي يَوْمَ النَّحْرِ (بخاری)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے کہ انہوں نے طواف زیارت کیا۔ پھر سو رہے۔ پھر منٰی کو آئے یعنی دسویں تاریخ کو۔

حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ حَجَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَفَضْنَا يَوْمَ النَّحْرِ فَحَاضَتْ صَفِيَّةُ فَأَرَادَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهَا مَا يُرِيدُ الرَّجُلُ مِنْ أَهْلِهِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّهَا حَائِضٌ قَالَ حَابِسَتُنَا هِيَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَفَاضَتْ يَوْمَ النَّحْرِ قَالَ اخْرُجُوا وَيُذْكَرُ عَنِ الْقَاسِمِ وَعُرْوَةَ وَالْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَفَاضَتْ صَفِيَّةُ يَوْمَ النَّحْرِ (بخاری)

مجھ سے ابو سلمہ بن عبد الرحمن نے بیان کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا۔ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا اور دسویں تاریخ کو طواف زیارت کیا حضرت صفیہ کو حیض آ گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا جس کا آدمی اپنی بیوی سے کرتا ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ حائضہ ہیں۔ آپ نے فرمایا تو اسی نے ہم کو یہاں روک رکھا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ دسویں تاریخ کا طواف زیارت کر چکی ہیں۔ آپ نے فرمایا پھر کیا ہے چلو نکلو۔ اور قاسم اور عروہ اور اسود سے منقول ہے۔ انہوں نے حضرت عائشہ سے روایت کی کہ ام المومنین حضرت صفیہ نے دسویں تاریخ کو طواف زیارت کر لیا تھا۔

مذکورہ بالا تمام احادیث سے واضح ہوا طواف زیارۃ فرض ہے۔ حج کے اعظم ارکان سے ہے۔ اور یہ کہ طواف زیارۃ یوم النحر میں کرنا افضل ہے گو تاخیر بھی جائز ہے جیسا کہ اوپر تفصیل سے بیان ہوا۔

بَابٌ إِذَا رَمٰى بَعْدَ مَا أَمْسٰى وَحَلَقَ قَبْلَ أَنْ يَذْبَحَ نَاسِيًا أَوْ جَاهِلًا

باب کسی نے شام تک رمی نہ کی یا قربانی سے پہلے بھولے یا مسئلہ نہ جان کر سر منڈا لیا تو کیا حکم ہے

اس عنوان کے تحت امام بخاری نے دو ہی حدیثیں ذکر کی ہیں۔ جو فیوض الباری پارہ ہفتم کے صفحہ ۳۵ پر گزر چکی ہیں۔ اور وہاں اس عنوان اور زیر عنوان حدیث کے مسائل بھی بیان ہو چکے ہیں۔

فائدہ: واضح ہو کہ یہ عنوان دو امور پر مشتمل ہے۔ اول جمرہ عقبہ کی رات میں رمی کرنا ویطلق المساء علی مابعد الزوال ایضا فافہم۔

دوم قربانی سے پہلے بال منڈوانا ——— تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جس نے جمرۂ عقبہ کی طلوع شمس سے زوال تک رمی کر لی اس نے سنت کو اور اس کے وقتِ مختار کو پا لیا۔ اور اس پر بھی اجماع ہے کہ جس نے یوم النحر میں غروب آفتاب سے قبل جمرہ عقبہ کی رمی کر لی تو اس نے وقت ہی میں کی۔ اگرچہ یہ بات اچھی نہیں ہے (۲) اور اگر یوم النحر کی رمی کو موخر کیا حتی کہ سورج غروب ہو گیا۔ تو اس میں اختلاف ہے۔ امام مالک کا ایک قول یہ ہے کہ دم واجب ہے۔ اور یہ بھی مروی ہے۔ کہ کچھ بھی واجب نہیں۔ امام ثوری کا قول یہ ہے کہ اگر اس نے عمداً رات تک رمی کو موخر کیا ہے تو اس پر دم ہے۔ اور امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور امام شافعی یہ فرماتے ہیں کہ وہ دوسرے دن یعنی ۱۱ ذی الحجہ کو رمی کرے۔ اور اس پر کچھ واجب نہیں۔ خواہ اس نے رمی کو عمداً ترک کیا ہو یا بھول کر۔ البتہ اس نے برا کیا (۳) ابن قدامہ نے کہا۔ اگر جمرہ عقبہ کی رمی رات تک موخر کر دی۔ تو اب رمی نہ کرے حتی کہ دوسرے روز کا سورج ڈھل جائے۔ رمی کرے۔ امام اعظم ابوحنیفہ کا بھی یہ ہی قول ہے۔ اور امام شافعی و محمد و ابن المنذر و یعقوب یہ کہتے ہیں کہ رات کو رمی کرے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے لا حرج اور امام اعظم ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے۔ کہ حضرت ابن عمر نے فرمایا ہے:

من فاته الرمی حتی تغیب الشمس فلا یرم حتی تزول الشمس من الغد	جو رمی نہ کر سکا حتی کہ سورج غروب ہو گیا۔ تو وہ رمی نہ کرے، یہاں تک کہ دوسرے دن کا سورج ڈھل جائے۔

اور اگر دسویں ذی الحجہ کی رمی طلوع فجر سے پہلے کی تو اکثر علماء یہ کہتے ہیں یہ جائز نہ ہو گی۔ اور اس پر اعادہ لازم ہے امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب و مالک و ابی ثور و احمد بن حنبل و اسحاق کا بھی یہ ہی مسلک ہے ——— اور عطاء بن ابی رباح و ابن ابی ملیکہ، عکرمہ بن خالد اور مکیوں کی ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ رمی درست ہے اور جس نے ایسا کیا اس پر اعادہ لازم نہیں ہے۔ اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر نصف لیل کے بعد رمی کی تو جائز ہے۔ اور اگر طلوع فجر کے بعد اور طلوع شمس سے قبل رمی کی۔ تو اکثر علماء کا قول یہ ہے۔ یہ درست ہے۔ امام ابوحنیفہ و مالک و شافعی و احمد و اسحٰق و ابن المنذر کا بھی یہ ہی قول ہے۔ اور مجاہد و ثوری و نخعی کہتے ہیں کہ طلوع شمس کے بعد رمی کرے۔

(۲) اور اگر کسی نے قربانی سے پہلے بال منڈوا لئے، تو جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ اس پر کچھ واجب نہیں ہے۔ عطاء۔ طاؤس۔ سعید بن جبیر۔ عکرمہ۔ مجاہد۔ حسن۔ قتادہ۔ اوزاعی۔ ثوری۔ امام مالک و شافعی و ابی ثور و احمد و اسحٰق و داؤد اور محمد بن جریر کا بھی یہ ہی قول ہے اور ابراہیم کا قول ہے کہ دم لازم ہے لو اشعثنا کہتے ہیں کہ اس پر فدیہ ہے۔ اور امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اس پر دم لازم ہے اور اگر قارن ہے تو دو دم لازم ہیں (عینی ج ۴ ص ۲۳۹) مزید تفصیل کے لیے فیوض الباری پارہ ۷ ہفتم ص ۳ ملاحظہ ہو۔

بَابُ الْفُتْیَا عَلَی الدَّابَّةِ عِنْدَ الْجَمْرَةِ

باب جمرے کے پاس سواری پر سوار ہو کر لوگوں کو مسائل بتانا

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَفَ فِیْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَجَعَلُوْا یَسْأَلُوْنَہٗ فَقَالَ رَجُلٌ لَمْ اَشْعُرْ فَحَلَقْتُ قَبْلَ اَنْ اَذْبَحَ قَالَ اذْبَحْ وَلَاحَرَجَ فَجَاءَ اٰخَرُ فَقَالَ لَمْ اَشْعُرْ فَنَحَرْتُ قَبْلَ اَنْ اَرْمِیَ قَالَ ارْمِ وَلَاحَرَجَ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں ٹھہرے رہے۔ لوگ آپ سے مسئلے پوچھنے لگے۔ ایک شخص نے کہا میں نے غلطی میں قربانی سے پہلے سر منڈا لیا۔ آپ نے فرمایا اب قربانی کرلے کچھ حرج نہیں۔ دوسرا آیا اور بولا مجھ کو معلوم نہ تھا میں نے رمی سے پہلے قربانی کرلی آپ نے فرمایا۔ اب رمی کرلے کچھ حرج نہیں۔

اس حدیث کے ابتدائی جملوں سے امام بخاری نے یہ واضح کیا ہے کہ سواری پر فتویٰ دینا جائز ہے۔ اس حدیث کے مسائل فیوض الباری پارہ ہفتم (باب الذبح قبل الحلق) صفحہ ۳۶، ۳۷ پر گذر چکے ہیں۔ اور حلق و تقصیر کے مسائل کے لئے فیوض الباری پارہ ہفتم (باب الحلق والتقصیر) صفحہ ۳۹ پر دیکھئے ؛

بَابُ الْخُطْبَةِ اَیَّامَ مِنًی

باب ایام منیٰ میں خطبہ دینے کے متعلق

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے ذی الحجہ کی دسویں کو (منیٰ) میں خطبہ دیا اور فرمایا۔ یہ کون دن ہے؟ صحابہ نے عرض کی حرمت والا دن ہے۔ فرمایا یہ کون سا شہر ہے؟ عرض کی حرمت والا مہینہ ہے۔ آپ نے فرمایا تمہارے خون تمہاری آبروئیں تم پر حرام ہیں جیسے اس دن کی اس شہر میں اس مہینہ میں حرمت ہے۔ آپ نے یہ کلمات متعدد دفعہ دہرائے۔ پھر آسمان کی طرف سر اٹھایا اور

فَقَالَ اللّٰھُمَّ ھَلْ بَلَّغْتُ اللّٰھُمَّ ھَلْ بَلَّغْتُ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اِنَّھَا لَوَصِیَّتُہٗ اِلٰی اُمَّتِہٖ فَلْیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ لَاتَرْجِعُوْا بَعْدِیْ کُفَّارًا یَّضْرِبُ بَعْضُکُمْ رِقَابَ بَعْضٍ (بخاری)

فرمایا یا اللہ! میں نے (تیرا حکم) پہنچا دیا۔ یا اللہ میں نے (تیرا حکم) پہنچا دیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ آپ کی وصیت اپنی امت کو یہی تھی کہ جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ ان کو پہنچا دیں۔ جو یہاں نہیں ہیں۔ دیکھو میرے بعد ایک دوسرے کی گردن مار کر کافر بن جانا۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًى أَتَدْرُونَ أَيُّ يَوْمٍ هٰذَا قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ فَقَالَ فَإِنَّ هٰذَا يَوْمٌ حَرَامٌ أَفَتَدْرُوْنَ أَيُّ بَلَدٍ هٰذَا قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ قَالَ بَلَدٌ حَرَامٌ أَفَتَدْرُوْنَ أَيُّ شَهْرٍ هٰذَا قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ قَالَ شَهْرٌ حَرَامٌ قَالَ فَإِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا۔

(بخاری)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں (خطبہ دیتے ہوئے) فرمایا۔ جانتے ہو یہ کون سا دن ہے؟ لوگوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ آپ نے فرمایا یقیناً یہ حرمت والا دن ہے۔ جانتے ہو یہ کون سا شہر ہے؟ لوگوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ حرمت والا شہر ہے۔ کیا تم جانتے ہو۔ یہ کونسا مہینہ ہے۔ لوگوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ آپ نے فرمایا یہ حرمت والا مہینہ ہے۔ آپ نے فرمایا یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم پر تمہارے ایک دوسرے کے خون اور مال اور آبروئیں اس طرح حرام کر دی ہیں جیسے اس دن کی اس مہینے اور اس شہر میں حرمت ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَقَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ بَيْنَ الْجَمَرَاتِ فِي الْحَجَّةِ الَّتِي حَجَّ بِهٰذَا وَقَالَ هٰذَا يَوْمُ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ فَطَفِقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ اشْهَدْ وَوَدَّعَ النَّاسَ فَقَالُوا هٰذِهِ حَجَّةُ الْوَدَاعِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس حج میں جو آپ نے کیا۔ جمروں کے درمیان ٹھیرے، اور یہ ارشاد فرمائیں اور دیکھو یہ حج اکبر کا دن ہے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمانا شروع کیا۔ یا اللہ! تو گواہ رہ۔ اور لوگوں کو رخصت کیا۔ جب سے لوگ اس حج کو حجۃ الوداع کہنے لگے۔

(بخاری)

(۱) معلوم ہو کہ احناف کے نزدیک حج کے تین ہی خطبے مسنون ہیں۔ یعنی ذی الحجہ کی ۷ تاریخ کو۔ یوم عرفہ ۹ ذی الحجہ کو۔ اور منیٰ میں ۱۱ ذی الحجہ کو۔ دسویں ذوالحجہ کا خطبہ احناف کے ہاں حج کے سلسلہ کا نہیں ہے۔ چنانچہ حدیث زیر عنوان میں جس خطبہ کا ذکر ہے یہ حج کے سلسلہ کا نہیں ہے۔ بلکہ اجتماع عظیم سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حضور علیہ السلام نے چند نصیحتیں فرما دی تھیں۔

(۲) یہ حدیثیں مسائل ذیل پر مشتمل ہیں:

(۱) حضور علیہ السلام نے اپنے فرض نبوت کو کما حقہ ادا فرما دیا (۲) کہ عزت والا شہر ہے۔ ذی الحجہ کا مہینہ بھی عزت والا ہے اس میں کسی کو ستانا مارنا حرام ہے۔ تو اسی طرح ہر دن اور ہر دن میں ناحق خون ریزی وغیرہ سے باز رہو کحرمۃ یومکم ان اشیاء کی حرمت سے اس لئے تشبیہ دی کہ ان کی حرمت کو توڑنا کفار کسی حال میں جائز نہیں رکھتے تھے (۴) ہر [illegible] لدہ حتی المقدور

دیتے کہ جو بات اس کو یاد ہو وہ دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کرتے ۔

هَلْ يَبِيتُ أَصْحَابُ السِّقَايَةِ أَوْ غَيْرُهُمْ بِمَكَّةَ لَيَالِيَ مِنًى

باب منیٰ کی راتوں میں جو لوگ مکہ میں پانی پلاتے ہیں یا اور کوئی کام کرتے ہیں وہ مکہ معظمہ میں رہ سکتے ہیں؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جناب عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ السلام سے منیٰ کی راتوں میں مکہ میں رہنے کی اجازت چاہی ۔

مِنْ أَجْلِ سِقَايَتِهِ فَأَذِنَ لَهُ (بخاری)

اس لئے کہ وہ لوگوں کو پانی پلایا کرتے تھے آپ نے ان کو اجازت دے دی ۔

واضح ہو کہ رمی جمار احناف کے نزدیک واجب ہے اور منیٰ میں رات گذارنا سنت ہے تو اگر کوئی رات منیٰ میں نہ رہے مگر رمی جمار کے لئے منیٰ میں آجائے تو اس پر دم نہیں ہے اور امام مالک کہتے ہیں کہ دم واجب ہے اور امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ اگر ایک رات کسی دوسری جگہ گذاری تو ایک مسکین کو کھانا کھلائے اور اگر منیٰ کی تمام راتوں میں کسی اور جگہ رہا تو دم واجب ہے ۔

واضح ہو کہ ۱۰ - ۱۱ - ۱۲ ذوالحجہ کی راتیں منیٰ میں بسر کرنا سنت ہے نہ مزدلفہ میں نہ مکہ میں نہ راہ میں - لہٰذا جو شخص دس ۱۰ کو بعد ذبح کو طواف کے لئے مکہ چلا گیا تو واپس اگر رات منیٰ ہی میں گذارنی چاہئے ۔

بَابُ رَمْيِ الْجِمَارِ

باب رمی الجمار کے وقت کے متعلق

(۱) وَقَالَ جَابِرٌ رَمَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ ضُحًى وَرَمَى بَعْدَ ذَلِكَ بَعْدَ الزَّوَالِ (بخاری)

اور حضرت جابر نے کہا کہ حضور علیہ السلام نے ۔ اول جو چاشت کے وقت رمی کی اور اس کے بعد کے دنوں میں آفتاب ڈھلنے کے بعد ۔

(۲) حضرت وبرہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت ابن عمر سے پوچھا کنکریاں کس وقت ماروں - انہوں نے کہا جب تمہارا امام مارے تم بھی مارو - میں نے پھر پوچھا تو انہوں نے کہا ہم وقت کی تاک میں رہتے

فَإِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ رَمَيْنَا (بخاری)

جب سورج ڈھل جاتا تو کنکریاں مارتے ۔

جمرۃ العقبہ کی رمی واضح ہو کہ منیٰ اور مکہ کے بیچ میں تین جگہ ستون بنے ہیں ان کو جمرہ کہتے ہیں - پہلا جو منیٰ کے قریب ہے جمرہ اولیٰ کہلاتا ہے بیچ کا جمرہ وسطیٰ اور آخر کا جو مکہ معظمہ سے قریب ہے جمرۃ العقبہ

(۲) اس حدیث سے واضح ہوا کہ دسویں ذی الحجہ کو جمرۃ العقبہ کی رمی چاشت کے وقت کی جائے اور اس کے بعد کے دنوں میں آفتاب ڈھلنے کے بعد ۔

(۳) دوسری حدیث کو امام مسلم نے موصولاً ذکر کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے دسویں ذی الحجہ کو

ملحق: زوال شمس کے بعد ـــــــ درمختار اور ردالمحتار میں ہے کہ دسویں ذی الحجہ کی رمی کا وقت تیرے گیارہویں کی فجر تک ہے مگر مسنون یہ ہے کہ طلوع آفتاب سے زوال کے بعد غروب تک مباح اور غروب سے گیارہویں کی فجر تک مکروہ ۔ یونہی دسویں کی فجر سے طلوع آفتاب تک مکروہ ہے ۔ خلاصہ یہ کہ دسویں ذی الحجہ کی رمی کا مسنون وقت طلوع آفتاب سے زوال تک ہے جیسا کہ حدیث زیر بحث میں مذکور ہے ۔

رمی جمار کے مسائل

واضح ہو کہ دس ذی الحجہ یوم النحر کو صرف جمرۂ عقبہ ہی کی رمی کی جائے گی ۔ اس دن کسی دوسرے جمرے کی رمی نہیں ہے ۔ بطن وادی میں کھڑے ہو کر نیچے سے سات کنکریاں جمرہ پر ماریں ہر کنکری انگشت شہادت اور انگوٹھے کی چٹکی سے اللہ اکبر کہہ کر ماریں ۔ جمرہ کے اوپر کھڑے ہو کر نہ ماریں کنکریاں اس طرح ماریں کہ جمرہ تک پہنچیں ۔ یا اس سے تین ہاتھ فاصلہ تک گریں اس سے زیادہ دور گریں تو شمار نہ ہوں گی پہلی کنکری کے ساتھ تلبیہ قطع کریں اور یہاں نہ ٹھہریں رمی کر کے فوراً منیٰ واپس آئیں ۔

بَابُ رَمْيِ الْجِمَارِ مِنْ بَطْنِ الْوَادِيْ

باب نالے کے نشیب میں کھڑے ہو کر کنکریاں مارنا

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ رَمٰى عَبْدُ اللّٰهِ مِنْ بَطْنِ الْوَادِيْ فَقُلْتُ يَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اِنَّ نَاسًا يَرْمُوْنَهَا مِنْ فَوْقِهَا فَقَالَ وَالَّذِيْ لَآ اِلٰهَ غَيْرُهٗ هٰذَا مَقَامُ الَّذِيْ اُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(بخاری)

عبدالرحمٰن بن یزید سے مروی ہے ۔ انہوں نے کہا حضرت ابن مسعودؓ نے نالے کے نشیب میں کھڑے ہو کر کنکریاں ماریں ۔ میں نے کہا اے ابو عبدالرحمٰن بعض لوگ تو اوپر ہی کھڑے ہو کر مارتے ہیں ۔ انہوں نے کہا اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اس مقام سے اس ہستی نے کنکریاں ماری تھیں جس پر سورۂ بقرہ اتری صلی اللہ علیہ وسلم ۔

یعنی دسویں ذی الحجہ کو جمرۃ العقبہ کی رمی نشیب میں کھڑے ہو کر کرنی مسنون ہے اور سورۂ بقرہ کا خاص طور پر اس لئے نام لیا کہ اس میں حج کے احکام زیادہ مذکور ہیں ۔

بَابُ رَمْيِ الْجِمَارِ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ

باب ہر جمرہ پر سات کنکریاں مارنی چاہئیں

بَابُ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ

باب ہر کنکری مارنے پر اللہ اکبر کہے

بَابُ مَنْ رَمَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ فَجَعَلَ الْبَيْتَ عَنْ يَسَارِهِ

باب جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارتے وقت بیت اللہ کو بائیں طرف کرنا

بَابُ مَنْ رَمَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ وَلَمْ يَقِفْ

باب جمرہ عقبہ (بڑے شیطان) کو کنکریاں مار کر وہاں نہیں ٹھہرنا چاہیئے

(۱) قَالَهُ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اس کو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

ان عنوانات کے ماتحت امام نے ایک ہی مضمون کی حدیثیں ذکر کی ہیں۔

عبد الرحمٰن بن یزید کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود کے ساتھ حج کیا۔ تو دیکھا کہ ابن مسعود نے جمرہ عقبہ کو سات کنکریاں ماریں۔

فَجَعَلَ الْبَيْتَ عَنْ يَسَارِهِ وَمِنًى عَنْ يَمِينِهِ

تو آپ نے کعبہ معظمہ کو بائیں جانب کیا اور منی کو دائیں جانب اور سات کنکریاں ماریں اور فرمایا اسی طرح انہوں نے رمی کی جن پر سورہ بقرہ نازل ہوئی۔

(۲) حِيْنَ رَمَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ فَاسْتَبْطَنَ الْوَادِيَ حَتّٰى إِذَا حَاذَى بِالشَّجَرَةِ اعْتَرَضَهَا فَرَمَى بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ ثُمَّ قَالَ مِنْ هٰهُنَا وَالَّذِي لَا إِلٰهَ غَيْرُهُ قَامَ الَّذِي أُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

جب عبد اللہ بن مسعود نے بڑے جمرے پر کنکریاں ماریں تو وہ نالہ کے نشیب میں گئے۔ جب درخت کے برابر پہنچے تو آڑے ہو گئے اور سات کنکریاں ماریں ہر کنکری مارتے وقت اللہ اکبر کہا۔ پھر کہنے لگے قسم اس کی جس کے سوا کوئی پوجنے کے لائق نہیں۔ یہیں وہ کھڑے ہوتے تھے جن پر سورہ بقرہ اتری۔

(بخاری)

ان احادیث سے واضح ہوا کہ رمی سات کنکریوں سے کی جائے بوقت رمی اللہ اکبر کہا جائے۔ بوقت رمی جمرہ عقبہ بیت اللہ کو بائیں طرف اور منی کو دائیں طرف کیا جائے۔ اور یہ کہ جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد وہاں نہ ٹھہریں۔ رمی کر کے فوراً منی واپس آجائیں۔ جیسا کہ اوپر تفصیل سے بیان ہوا۔

فائدہ: جمرہ عقبہ اور جمروں سے چار باتوں میں ممتاز ہے۔ اوّل یہ کہ یوم النحر میں صرف اسی کی رمی کی جاتی ہے۔ دوم یہ کہ جمرہ عقبہ کی رمی کا مسنون وقت چاشت کا وقت ہے سوم یہ کہ نشیب میں کھڑے ہو کر اس کی رمی کی جائے۔ چہارم یہ کہ دعا وغیرہ کے لئے اس کے پاس نہ ٹھہرا جائے — بخلاف دوسرے جمروں کے کہ ان کے پاس دعا کے لئے ٹھہرتے ہیں۔

(۲) جمرۂ عقبہ کو جمرۂ کبریٰ بھی کہتے ہیں اسی مقام پر حضور علیہ السلام نے انصار سے بیعت لی تھی جسے بیعت عقبہ کہتے ہیں۔

بَابٌ إِذَا رَمَى الْجَمْرَتَيْنِ يَقُوْمُ وَيُسْهِلُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ

باب جب پہلے اور دوسرے جمرے کو کنکریاں مارے تو نرم زمین پر قبلہ رُخ کھڑا ہو

بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ عِنْدَ جَمْرَةِ الدُّنْيَا وَالْوُسْطٰى

باب پہلے اور دوسرے جمرہ کے پاس دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا

بَابُ الدُّعَآءِ عِنْدَ الْجَمْرَتَيْنِ

باب پہلے دو جمروں کے پاس دعا کرنا

ان عنوانات کے تحت بھی امام بخاری نے ایک ہی مضمون کی حدیثیں لکھی ہیں جن میں سے دو ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ كَانَ يَرْمِي الْجَمْرَةَ الدُّنْيَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ عَلٰى إِثْرِ كُلِّ حَصَاةٍ ثُمَّ يَتَقَدَّمُ حَتّٰى يُسْهِلَ فَيَقُوْمُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ فَيَقُوْمُ طَوِيْلًا وَيَدْعُوْ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ ثُمَّ يَرْمِي الْوُسْطٰى ثُمَّ يَأْخُذُ ذَاتَ الشِّمَالِ فَيَسْتَهِلُ وَيَقُوْمُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ فَيَقُوْمُ طَوِيْلًا وَيَدْعُوْ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ ثُمَّ يَرْمِي جَمْرَةَ ذَاتِ الْعَقَبَةِ مِنْ بَطْنِ الْوَادِيْ وَلَا يَقِفُ عِنْدَهَا ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيَقُوْلُ هٰكَذَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهُ۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ پہلے جمرے پر سات کنکریاں مارتے۔ ہر کنکری پر تکبیر کہتے۔ پھر آگے بڑھتے اور نرم و ہموار زمین میں آجاتے اور قبلہ کی طرف منہ کرکے دیر تک کھڑے رہتے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے پھر دوسرے جمرے کو کنکریاں مارتے پھر بائیں طرف چل کر نرم زمین میں آجاتے اور قبلے کی طرف منہ کرکے دیر تک کھڑے رہتے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے۔ پھر جمرۂ عقبہ کو نالے کے نشیب میں آکر کنکریاں مارتے اور اس کے پاس نہ ٹھہرتے پھر وہاں سے چل دیتے اور کہتے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے۔

(۲) أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا كَانَ يَرْمِي الْجَمْرَةَ الدُّنْيَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ ثُمَّ يُكَبِّرُ عَلٰى إِثْرِ كُلِّ حَصَاةٍ ثُمَّ يَتَقَدَّمُ فَيُسْهِلُ فَيَقُوْمُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پہلے جمرے پر سات کنکریاں مارتے تھے اور ہر کنکری مارتے وقت اللہ اکبر کہتے۔ پھر آگے بڑھ کر نرم ہموار زمین میں چلے جاتے اور قبلہ رُخ کھڑے ہوکر بڑی دیر تک

قِيَامًا طَوِيلًا فَيَدْعُو وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ ثُمَّ يَرْمِي الْجَمْرَةَ الْوُسْطَى كَذَلِكَ فَيَأْخُذُ ذَاتَ الشِّمَالِ فَيُسْهِلُ وَيَقُومُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ قِيَامًا طَوِيلًا فَيَدْعُو وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ ثُمَّ يَرْمِي الْجَمْرَةَ ذَاتَ الْعَقَبَةِ مِنْ بَطْنِ الْوَادِي وَلَا يَقِفُ عِنْدَهَا وَيَقُولُ هَكَذَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُ. (بخاری)

کھڑے رہتے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے۔ پھر وسطانی جمرے کو بھی اسی طرح کنکریاں مارتے اور بائیں طرف ہٹ کر نرم زمین میں قبلہ رخ دیر تک کھڑے رہتے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے پھر جمرۂ عقبہ (بڑے شیطان) کو نالے کے نشیب میں سے کنکریاں مارتے اور اس کے پاس نہ ٹھہرتے اور کہتے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔

فوائد و مسائل جمرۂ عقبہ کی رمی کے بعد منیٰ واپس آکر قربانی و طواف و غیرہ اعمال بجا لائے جاتے ہیں[1] - اس کے بعد ۱۱ ذوالحجہ کو بعد ظہر تینوں جمروں کی رمی کی جاتی ہے - احادیث مذکورہ میں انہیں کا بیان ہے (۲) ۱۱-۱۲ ذوالحجہ کی رمی کا وقت آفتاب ڈھلنے سے صبح تک ہے مگر رات میں آفتاب ڈھلنے کے بعد مکروہ ہے اور دسویں کی رمی کا وقت صبح سے آفتاب ڈوبنے تک ہے مگر صبح سے آفتاب ڈھلنے تک مسنون ہے اور اس کے بعد غروب آفتاب تک مباح وقت ہے ——— گیارہویں ذوالحجہ کو بعد ظہر تینوں جمروں پر رمی کریں۔ جمرۂ اولیٰ سے شروع کریں جو مسجد خیف کے قریب ہے - پھر جمرۂ وسطیٰ پر جو اس کے بعد ہے، پھر جمرۂ عقبیٰ پر ہر جمرہ پر رو بقبلہ ہو کر سات سات کنکریاں ماریں اور ہر بار تکبیر کہیں - پہلے اور دوسرے جمرہ پر کنکریاں مار کر جمرہ -

---

[1] جس کی تفصیل یہ ہے کہ منیٰ واپس آکر شکریہ حج میں قربانی کی جاتی ہے یہ قربانی قارن اور متمتع پر واجب ہے اور مفرد کے لئے مستحب ہے۔ یہ لوگ غنی ہوں یا فقیر کیونکہ عید الاضحیٰ کی قربانی میں نہیں وہی اس میں ہیں - جو نادار قربانی کی استطاعت نہ رکھے - قرآن و متمتع میں اس پر بجائے قربانی کے دس روزے واجب ہیں - تین تو حج کے مہینوں میں یکم شوال سے نویں ذوالحجہ تک احرام باندھنے کے بعد اس درمیان سے جب چاہے متفرق یا متواتر رکھے - بہتر ہے کہ ۷-۸-۹ کو رکھے باقی سات روزے ۱۳ ذوالحجہ کے بعد رکھے بہتر ہے کہ مکان پر پہنچ کر رکھیں - بعد قربانی حلق کرائیں یعنی سر منڈائیں یا بال کترائیں عورتیں ایک پورے کے برابر بال کتروائیں - ان کو سر منڈانا حرام مفرد کے لئے قربانی کے بعد حلق کرانا مستحب ہے اور متمتع و قارن پر واجب کہ قربانی سے پہلے حلق کیا تو دم واجب ہوگا - سر پر بال نہ ہوں تو بھی سر پر استرا پھروانا واجب ہے - اگر سر پر پھوڑے ہوں تو سر منڈانا لازم نہیں مگر منڈانے سے پہلے ناخن ترشوانا یا خط بنوانا نہ چاہیئے - ایسا کیا تو دم دینا لازم ہوگا - اب اس کے لئے عورت کے سوا سب چیزیں حلال ہوگئیں جو احرام سے حرام ہوئی تھیں - اب بہتر یہ ہے کہ دسویں ذی الحجہ کو ہی طواف زیارت کے لئے بیت اللہ میں حاضر ہو - اگرچہ گیارہویں اور بارہویں کو بھی یہ طواف ہو سکتا ہے لیکن دسویں ہی کو افضل ہے اس طواف کو طواف زیارت طواف رکن طواف یوم النحر کہتے ہیں حج کا دوسرا رکن ہے - قارن و مفرد طواف قدوم میں اور متمتع بعد احرام کسی نفل طواف میں حج کے رمل و سعی دونوں یا صرف سعی کر چکے ہوں تو اس طواف میں رمل و سعی نہ کریں - ورنہ اس طواف میں رمل و سعی دونوں کریں اسی طرح جس نے صرف عمرہ کے طواف میں رمل و سعی کی وہ بھی اس طواف میں رمل و سعی کرے - یہ طواف گیارہویں بارہویں کو بھی ہو سکتا ہے اس کے بعد تاخیر گناہ ہے - ... ایک ... گی - طواف زیارت کر کے منیٰ میں آجائے کیونکہ دسویں تاریخ سے منیٰ ہی میں رات گزارنا سنت ہے اس طواف کے بعد عورتیں حلال ہوجائیں گی اور حج پورا ہوگیا

کچھ آگے بڑھ کر قبلہ رو ہو کر اللہ اکبر کہے اور تکبیر پڑھے اور تسبیح کہے اور درود شریف پڑھے اور شانوں تک ہاتھ اٹھا کر دعا کرے۔ مومنین و مومنات کے لئے دعائے مغفرت کرے۔ مگر جمرۂ عقبہ پر رمی کر کے نہ ٹھہرے فوراً واپس آئے۔ جیسا کہ احادیث بالا میں مذکور ہے۔

بارھویں تاریخ بعد زوال اسی طرح تینوں جمروں کی رمی کرے۔ سب اختیار ہے کہ غروب آفتاب سے پہلے مکہ کو روانہ ہو۔ لیکن اگر منیٰ میں مغرب کا وقت ہو گیا تو اب ایک رات اور ٹھہرنا اور تیرھویں کو بعد زوال پھر رمی کر کے مکہ معظمہ کو جانا چاہیئے۔

بَابُ الطِّيْبِ بَعْدَ رَمْيِ الْجِمَارِ وَالْحَلْقِ قَبْلَ الْإِفَاضَةِ

باب کنکریاں مارنے کے بعد خوشبو لگانا اور طوافِ زیارت سے قبل سر منڈانا

مقصود عنوان یہ بتلانا ہے کہ رمی جمرہ عقبہ و حلق کے بعد وہ سب چیزیں حلال ہو جاتی ہیں جو احرام سے حرام ہوتی تھیں البتہ بیوی سے صحبت ابھی جائز نہیں ہے۔ طوافِ افاضہ کے بعد وہ بھی جائز ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں:۔

طَيَّبْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدَيَّ هَاتَيْنِ حِيْنَ أَحْرَمَ وَلِحِلِّهِ حِيْنَ أَحَلَّ قَبْلَ أَنْ يَطُوْفَ وَبَسَطَتْ يَدَيْهَا۔ (بخاری)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے ان دونوں ہاتھوں سے خوشبو لگائی جبکہ آپ نے احرام باندھا اور جب کہ احرام کھولا طوافِ زیارت سے پہلے اور حضرت عائشہ نے اپنے ہاتھوں کو کھول کر بتایا کہ اس طرح خوشبو لگائی۔

اس حدیث سے واضح ہوا۔ رمی جمرۂ عقبہ اور حلق کے بعد طوافِ افاضہ سے پہلے خوشبو لگانا جائز ہے جمہور علماء کا بھی یہی مسلک ہے کہ رمی و حلق کے بعد احرام کے ممنوعات باقی نہیں رہتے سوائے بیوی سے صحبت کے سنن نسائی کی حدیث میں فرمایا:۔

إِذَا رَمَيْتُمُ الْجَمْرَةَ فَقَدْ حَلَّ لَكُمْ كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا النِّسَاءَ

جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد عورتوں کے سوا ہر چیز حلال ہو جاتی ہے۔

حضرت سالم۔ طاؤس۔ نخعی اور سیدنا امام ابو حنیفہ۔ شافعی و احمد و اسحٰق و ابو ثور کا بھی یہ ہی مسلک ہے۔

بَابُ طَوَافِ الْوَدَاعِ

باب طوافِ وداع کا بیان

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ أُمِرَ النَّاسُ أَنْ يَكُوْنَ آخِرُ عَهْدِهِمْ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا لوگوں کو اس بات کا حکم ہوا ہے کہ ان کا

بِالْبَيْتِ إِلَّا أَنَّهُ خُفِّفَ عَنِ الْحَائِضِ (بخاری)

آخیر وقت بیت اللہ پر ہو یعنی طواف وداع کریں مگر حیض والی عورت کے لئے تخفیف کی گئی ہے۔

طواف وداع جسے طواف رخصت بھی کہتے ہیں یعنی مکہ سے رخصتی کا طواف ہے۔ میقات سے باہر رہنے والوں پر واجب ہے اور مکہ والے اور میقات کے اندر رہنے والوں پر طواف رخصت واجب نہیں ہے۔ اسی طرح اگر بوقت رخصت عورت حیض یا نفاس سے ہو تو اس پر بھی طواف رخصت واجب نہیں۔ یہ طواف بے رمل و سعی و اضطباع بجالایا جائے گا۔ البتہ طواف کے بعد بدستور دو رکعت مقام ابراہیم میں پڑھی جائے گی۔

عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ ثُمَّ رَقَدَ رَقْدَةً بِالْمُحَصَّبِ ثُمَّ رَكِبَ إِلَى الْبَيْتِ فَطَافَ بِهِ (بخاری)

حضرت قتادہ سے مروی ہے ان سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر عصر مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھیں پھر محصب میں سو گئے۔ پھر سوار ہو کر بیت اللہ تشریف لے گئے اور اس کا طواف کیا۔

فوائد و مسائل (۱) اس حدیث کی عنوان سے مناسبت یہی ہے کہ اس میں طواف سے مراد طواف وداع ہے محصب، منیٰ اور مکہ کرمہ کے درمیان جبل الصل کے قریب وسیع میدان کا نام ہے اس کو بطحاء اور حصباء بھی کہتے ہیں وہاں کنکریاں بہت ہوتی ہیں (۲) رمی جمار کے بعد ۱۳ کو دوپہر اگر کوئی منیٰ سے رخصت ہو کر جب مکہ کو روانگی ہو تو وادی محصب میں کچھ دیر ٹھہرنا مسنون ہے اور افضل یہ ہے کہ عشاء تک نمازیں یہیں پڑھی جائیں اور رات کا ایک حصہ نیند لے کر مکہ معظمہ میں داخل ہو۔

بَابُ إِذَا حَاضَتِ الْمَرْأَةُ بَعْدَ مَا أَفَاضَتْ

باب جبکہ طوافِ زیارت کے بعد عورت کو حیض آ جائے

مطلب عنوان یہ ہے کہ اگر طواف[1] زیارت کے بعد عورت کو حیض آجائے (جواب اذا محذوف ہے) تو کیا اس پر طواف وداع واجب رہے گا یا بسبب حیض کے ساقط ہو جائے گا اور یہ کہ وجوب کی صورت میں اس کی تلافی دم سے ہو سکے گی یا نہیں۔

---

[1] واضح ہو کہ طواف زیارت حج کا دوسرا رکن ہے اس کے سات پھیرے کئے جائیں گے جن میں چار پھیرے فرض ہیں کہ بغیر ان کے طواف ہوگا ہی نہیں اور نہ حج ہوگا۔ اور پورے سات پھیرے کرنا واجب ہے تو اگر چار پھیروں کے بعد چلا گیا تو حج ہو گیا مگر دم واجب ہوگا کہ واجب ترک ہوا (۲) اس طواف کا وقت دسویں کی طلوع فجر سے ہے اس سے پہلے نہیں ہو سکتا (۳) جو بوجہ کمزوری یا مستورات دسویں کو نہ کر سکیں تو ۱۱ کو کر لیں۔ ۱۲ کو کر لیں۔ ۱۲ کو بھی نہ کیا تو دسویں کے بعد کریں اس کے بعد بلا عذر تاخیر گناہ ہے جرمانہ میں ایک قربانی دینی ہوگی ——— ہاں اگر عورت کو حیض یا نفاس آ گیا۔ تو ان کے ختم کے بعد طواف کرے۔ مگر حیض و نفاس سے اگر ایسے وقت پاک ہوئی کہ نہا دھو کر بارھویں تاریخ آفتاب ڈوبنے سے پہلے چار پھیرے کر سکتی ہے تو کرنا واجب ہے نہ کرے گی تو گنہگار ہوگی ——— اس طواف کے بعد عورتیں بھی حلال ہو جائیں گی اور حج پورا ہو گیا۔ واضح رہے کہ اگر یہ طواف نہیں کرے گا تو عورتیں حلال نہ ہوں گی اگرچہ برسوں گزر جائیں مزید تفصیل کے لئے فیوض الباری پارہ ہفتم کے ص ۴۲ کا حاشیہ بھی دیکھئے۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاضَتْ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَحَابِسَتُنَا هِيَ قَالُوا إِنَّهَا قَدْ أَفَاضَتْ قَالَ فَلَا إِذًا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی صفیہ بنت حیی کو حیض آگیا۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کیا ہم کو روک رکھے گی؟ لوگوں نے کہا وہ طواف زیارت کر چکی ہیں۔ آپ نے فرمایا پھر کوئی بات نہیں۔

عَنْ عِكْرِمَةَ أَنَّ أَهْلَ الْمَدِينَةِ سَأَلُوا ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ امْرَأَةٍ طَافَتْ ثُمَّ حَاضَتْ قَالَ لَهُمْ تَنْفِرُ قَالُوا لَا نَأْخُذُ بِقَوْلِكَ وَنَدَعُ قَوْلَ زَيْدٍ قَالَ إِذَا قَدِمْتُمُ الْمَدِينَةَ فَسَلُوا فَقَدِمُوا الْمَدِينَةَ فَسَأَلُوا فَكَانَ فِيمَنْ سَأَلُوا أُمُّ سُلَيْمٍ فَذَكَرَتْ حَدِيثَ صَفِيَّةَ

(بخاری)

حضرت عکرمہ سے مروی ہے کہ مدینے والوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ کسی عورت کو طواف زیارت کرنے کے بعد حیض آئے تو وہ کیا کرے؟ آپ نے ان سے فرمایا وہ چلی جائے (طواف وداع ضروری نہیں ہے) وہ کہنے لگے ہم آپ کے قول پر زید بن ثابت کا قول چھوڑ کر عمل نہیں کریں گے۔ ابن عباس نے کہا اچھا جب تم مدینے پہنچو تو وہاں لوگوں سے یہ مسئلہ پوچھنا۔ وہ لوگ مدینے میں آئے اور لوگوں سے پوچھا ان میں ام سلیم بھی تھیں۔ انہوں نے حضرت صفیہ کی حدیث بیان کی (جو ابھی گزری ہے)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ رُخِّصَ لِلْحَائِضِ أَنْ تَنْفِرَ إِذَا أَفَاضَتْ قَالَ وَسَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُولُ إِنَّهَا لَا تَنْفِرُ ثُمَّ سَمِعْتُهُ يَقُولُ بَعْدُ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ لَهُنَّ

(بخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے فرمایا اگر حائضہ عورت طواف زیارت کر چکی ہو تو چلی جائے۔ طاؤس نے کہا میں نے ابن عمر سے سنا وہ کہتے تھے کہ بغیر طواف وداع کے کوچ نہ کرے۔ پھر میں نے ان سے سنا (ان کے انتقال سے ایک سال پہلے) وہ کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی حالت میں عورتوں کو اجازت دی ہے۔

ان احادیث سے واضح ہوا کہ طواف وداع، حائضہ اور نفاس والی سے ساقط ہے۔

(۲) حضرت ابن عمر کا ابتداء میں یہی فتویٰ تھا کہ حائضہ بغیر طواف وداع کئے نہیں جا سکتی۔ لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام نے حیض و نفاس والی عورت کو رخصت عطا فرمائی ہے تو آپ نے اپنے پہلے قول سے رجوع کیا اور رخصت کے قائل ہو گئے۔

اس سے واضح ہوا کہ جس معاملہ میں بھی حضور علیہ السلام کا حکم پہنچ جائے اسے ماننا ضروری ہے اور اپنی ذاتی یا اجتہادی رائے کو چھوڑ دینا واجب ہے۔

بَابُ مَنْ صَلَّى الْعَصْرَ يَوْمَ النَّفْرِ بِالْأَبْطَحِ

باب کوچ کے دن عصر کی نماز ابطح (محصب) میں پڑھنا۔

اس عنوان کے تحت امام بخاری نے حدیث انس درج کی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے یوم الترویہ میں ظہر کی نماز منیٰ میں اور مکہ سے کوچ کے دن ۱۲ - یا ۱۳ ذوالحجہ کو عصر کی نماز

صَلَّى الْعَصْرَ يَوْمَ النَّفْرِ قَالَ بِالْأَبْطَحِ ۔ (بخاری)	ابطح میں ادا فرمائی۔

(۲) اور حضرت انس ہی سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے ظہر و عصر و مغرب و عشا محصب میں پڑھی۔ پھر تھوڑی دیر آرام بھی فرمایا پھر خانہ کعبہ روانہ ہوئے اور طواف کیا۔ (بخاری)

بَابُ الْمُحَصَّبِ

باب محصب میں اترنے کے متعلق۔

حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ نبی علیہ السلام (منیٰ سے روانہ ہو کر) محصب میں ایک منزل کرنے وہاں، اس لئے ٹھہرے

لِيَكُونَ أَسْمَحَ لِخُرُوجِهِ يَعْنِي الْأَبْطَحَ (بخاری)	کہ وہاں سے مدینہ کو جانا آسان ہوتا۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

لَيْسَ التَّحْصِيبُ بِشَيْءٍ إِنَّمَا هُوَ مَنْزِلٌ نَزَلَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری)	محصب میں اترنا حج کا کوئی رکن نہیں ہے۔ محصب ایک منزل تھی جہاں حضور علیہ السلام اترا کرتے تھے۔

واضح ہو کہ ابطح ۔ محصب ۔ بطحا ۔ اور خیف بنی کنانہ ایک ہی جگہ کے نام ہیں۔ حضور علیہ السلام جب منیٰ سے کوچ فرماتے تو محصب میں ٹھہرتے تھے اور وہاں عشاء کی نماز ادا فرمانے اور کچھ دیر آرام فرماتے تھے۔ تو اگرچہ محصب میں اترنا حج کے رکن سے نہیں ہے مگر حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں وہاں اترنا مسنون ہے اور باعث خیر و برکت ہے چنانچہ سیدنا صدیق اکبر و حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی محصب میں ٹھہرا کرتے تھے

بَابُ النُّزُولِ بِذِي طُوًى قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ مَكَّةَ

باب مکہ میں داخل ہونے سے پہلے ذی طویٰ میں اترنا (جو کہ مکہ کے متصل ہے)

وَالنُّزُولِ بِالْبَطْحَاءِ الَّتِي بِذِي الْحُلَيْفَةِ إِذَا رَجَعَ مِنْ مَكَّةَ ۔	اور جب مکہ سے (مدینہ کو لوٹے) تو اس کنکریلے میدان میں ٹھہرنا جو ذوالحلیفہ میں ہے۔

حضرت نافع ۔ حضرت ابن عمر سے راوی کہ وہ مکہ کو جاتے ہوئے رات ذی طویٰ میں ٹھہرتے تھے اور حج و عمرہ سے فارغ ہو کر جب

مدینہ میں آتے تو اپنی اونٹنی بطحا میں ٹھہراتے جو ذوالحلیفہ میں ہے جہاں حضور اپنی اونٹنی بٹھایا کرتے تھے۔ (بخاری۔ خلاصہ حدیث)

بَابُ مَنْ نَزَلَ بِذِي طُوًى إِذَا رَجَعَ مِنْ مَكَّةَ

باب۔ مکہ سے لوٹتے وقت بھی ذی طوی میں اترنا۔

اس عنوان کے ماتحت بھی امام نے حدیث نافع ہی ذکر کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابن عمر جب مدینہ سے مکہ آتے تو رات ذی طوی میں گذارتے۔ صبح کو مکہ میں داخل ہوتے۔ اور مکہ سے لوٹتے وقت ذی طوی میں رات کو ٹھہرتے اور فرماتے تھے کہ

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَفْعَلُ ذَالِكَ.

حضور علیہ السلام بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

ان احادیث سے واضح ہوا کہ مکہ میں دخول و خروج کے وقت ذی طوی وغیرہ میں ٹھہرنا اور رات گذارنا۔ گو کہ حج کے ارکان سے نہیں ہے لیکن اتباع نبوی میں ان مقامات پر ٹھہرنا مسنون ہے صحابہ کرامؓ سنت نبوی کے اتباع ہی میں ان مقامات پر اترتے تھے۔

بَابُ التِّجَارَةِ أَيَّامَ الْمَوْسِمِ وَالْبَيْعِ فِي أَسْوَاقِ الْجَاهِلِيَّةِ

باب حج کے دنوں میں تجارت کرنا اور زمانہ جاہلیت کے بازاروں میں خرید و فروخت کرنا جائز ہے

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا كَانَ ذُو الْمَجَازِ وَعُكَاظٌ مَتْجَرَ النَّاسِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا جَاءَ الْإِسْلَامُ كَأَنَّهُمْ كَرِهُوا ذَالِكَ حَتَّى نَزَلَتْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ فِي مَوَاسِمِ الْحَجِّ۔ (بخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ ذوالمجاز اور عکاظ زمانہ جاہلیت کے لوگوں کی منڈیاں تھیں جب اسلام کا زمانہ آیا تو لوگوں نے (حج کے دنوں میں) تجارت کرنا برا سمجھا۔ تو (سورہ بقرکی) یہ آیت نازل ہوئی کہ حج کے دنوں میں اللہ کا فضل ڈھونڈنے (تجارت کرنے) میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

فوائد و مسائل (۱) علامہ عینی نے فرمایا۔ زمانہ جاہلیت میں چار بازار مشہور تھے۔ عکاظ۔ ذوالمجاز۔ مجنہ۔ حباشہ۔ مطلب یہ ہے کہ حج کے موسم میں ان بازاروں میں تجارت جائز ہے۔ صحابہ کرامؓ نے ایام حج میں تجارت کو اچھا نہیں سمجھا اس پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔

بَابُ الْإِدْلَاجِ مِنَ الْمُحَصَّبِ

باب محصب سے اخیر رات کو چلنا

الادلاج کے اخیر رات میں چلنے کو کہتے ہیں۔ اس عنوان کے ماتحت امام بخاری نے وہی حدیث ذکر کی ہے۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضور نے محصب سے اخیر رات میں روانہ ہوئے تھے۔

بَابُ الْعُمْرَةِ۔ وُجُوْبُ الْعُمْرَةِ وَفَضْلُهَا

باب عمرہ کے بیان میں۔ عمرے کا واجب ہونا اور اس کی فضیلت

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا لَيْسَ أَحَدٌ إِلَّا وَعَلَيْهِ حَجَّةٌ وَعُمْرَةٌ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا إِنَّهَا لَقَرِينَتُهَا فِي كِتَابِ اللّٰهِ وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ہر شخص پر ایک حج اور ایک عمرہ واجب ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اللہ نے اپنی کتاب میں عمرے کو حج کے ساتھ رکھا ہے (سورہ البقرہ میں فرمایا) اور حج اور عمرے کو اللہ کے لئے پورا کرو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایک عمرہ سے دوسرے عمرہ تک جتنے گناہ ہوتے ہیں وہ سب عمرے سے دور ہو جاتے ہیں اور مقبول حج کا بدلہ جنت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

بَابُ مَنِ اعْتَمَرَ قَبْلَ الْحَجِّ۔

باب حج سے پہلے عمرہ کرنا

أَنَّ عِكْرِمَةَ بْنَ خَالِدٍ سَأَلَ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ الْعُمْرَةِ قَبْلَ الْحَجِّ فَقَالَ لَا بَأْسَ قَالَ عِكْرِمَةُ قَالَ ابْنُ عُمَرَ اعْتَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ أَنْ يَحُجَّ۔

عکرمہ بن خالد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حج سے پہلے عمرہ کرنے کے بارے میں دریافت کیا انہوں نے جواباً فرمایا۔ کوئی حرج نہیں۔ عکرمہ نے کہا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج سے پہلے عمرہ کیا تھا۔

فوائد و مسائل (۱) احناف کے نزدیک عمرہ واجب ہے جیسے صدقہ فطر۔ عید الضحیٰ کی قربانی اور وتر واجب ہے (۲) امام شافعی عمرہ کو فرض قرار دیتے ہیں۔ دلائل کی تفصیل کے لئے بدائع الصنائع جلد ۲ ص ۲۲۶ دیکھئے (۳) اس کے شرائط وجوب وہی ہیں جو حج کے ہیں۔ (۴) عمرہ کا رکن طواف ہے کتاب مجید میں فرمایا ولیطوفوا بالبیت العتیق اور اس پر اجماع بھی ہے۔ (۵) شرائط رکن وہی ہیں جو کہ حج کے ہیں مگر عمرہ کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں ہے اشہر الحج اور اس کے علاوہ مہینوں میں عمرہ کر سکتے ہیں۔ البتہ یوم عرفہ۔ یوم النحر اور ایام تشریق میں عمرہ کرنا مکروہ ہے (۶) سعی و حلق عمرہ کے واجبات سے ہیں ـــــ زیر عنوان حدیث سے عمرہ کی فضیلت واضح ہوئی۔ حج سے پہلے بھی عمرہ کر سکتے ہیں مزید تفصیل کے لئے فیوض الباری۔ پارہ ششم ص ۱۲۱ تا ص ۱۲۲ ملاحظہ فرمائیے۔

بَابُ كَمِ اعْتَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے عمرے کئے ہیں!

عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ دَخَلْتُ أَنَا وَعُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ الْمَسْجِدَ فَإِذَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا جَالِسٌ إِلَى حُجْرَةِ عَائِشَةَ وَإِذَا نَاسٌ يُصَلُّونَ فِي الْمَسْجِدِ صَلٰوةَ الضُّحٰى قَالَ فَسَأَلْنَاهُ عَنْ صَلَاتِهِمْ فَقَالَ بِدْعَةٌ۔

مجاہد نے کہا۔ میں اور عروہ بن زبیر دونوں مسجد نبوی میں گئے۔ وہاں دیکھا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے پاس بیٹھے ہیں اور کچھ لوگ مسجد میں اشراق کی نماز پڑھ رہے تھے ہم نے عبداللہ سے پوچھا کہ اشراق کی نماز پڑھنا کیسا ہے۔ انہوں نے کہا۔ بدعت ہے۔

پھر پوچھا کہ حضور علیہ السلام نے کتنے عمرے کئے انہوں نے جواب دیا۔ چار۔ ایک رجب میں کیا تھا۔ ہم نے ان کی بات کا نا پسند جانا اتنے میں ہم نے حجرہ میں جناب عائشہ رضی اللہ عنہا کی آواز سنی تو عروہ نے پکار کر کہا۔ اے والدہ محترم! ایمان والوں کی ماں آپ نہیں سنتیں، ابو عبدالرحمان (ابن عمر) کیا کہہ رہے ہیں۔ انہوں نے پوچھا کیا کہہ رہے ہیں؟ عروہ نے کہا یہی کہ حضور نے چار عمرے کئے تھے ان میں سے ایک رجب کے مہینہ میں کیا تھا۔ حضرت عائشہ نے فرمایا اللہ عبدالرحمٰن پر رحم کرے آپ نے کوئی عمرہ ایسا نہیں کیا جس میں ابو عبدالرحمٰن موجود نہ ہوں اور رجب میں تو آپ نے عمرہ کیا ہی نہیں۔

عَنْ قَتَادَةَ سَأَلْتُ أَنَسًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَمِ اعْتَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَرْبَعٌ عُمْرَةُ الْحُدَيْبِيَةِ فِي ذِي الْقَعْدَةِ حَيْثُ صَدَّهُ الْمُشْرِكُونَ وَعُمْرَةٌ مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ فِي ذِي الْقَعْدَةِ حَيْثُ صَالَحَهُمْ وَعُمْرَةُ الْجِعْرَانَةِ إِذْ قَسَمَ غَنِيمَةَ أُرَاهُ حُنَيْنٍ قُلْتُ كَمْ حَجَّ قَالَ وَاحِدَةً عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَأَلْتُ أَنَسًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ اعْتَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيْثُ رَدُّوهُ وَمِنَ الْقَابِلِ عُمْرَةَ الْحُدَيْبِيَةِ وَعُمْرَةً فِي ذِي الْقَعْدَةِ وَعُمْرَةً مَعَ حَجَّتِهِ۔ (بخاری)

حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے عمرے کئے؟ انہوں نے کہا۔ چار۔ ایک تو حدیبیہ والا عمرہ ذوالقعدہ کے مہینے میں جہاں پر مشرکوں نے آپ کو روک دیا تھا اور دوسرا آئندہ سال میں اس عمرے کی قضا ذی القعدہ میں جب ان سے صلح کی ہے۔ تیسرا جعرانہ کا عمرہ جب کہ جنگ حنین کا مال غنیمت آپ نے تقسیم کیا۔ (چوتھا حج کے ساتھ) میں نے پوچھا حج کتنے کئے؟ انہوں نے کہا ایک۔ حضرت قتادہ سے مروی ہے انہوں نے کہا میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تو وہ عمرہ کیا تھا جس سے مشرکوں نے آپ کو لوٹا دیا۔ اور دوسرا آئندہ سال حدیبیہ والا عمرہ اور تیسرا ماہ ذوالقعدہ اور چوتھا عمرہ حج کے ساتھ کیا۔

فوائد و مسائل (۱) واضح ہو کہ حضور علیہ السلام نے چار عمرے فرمائے ہیں۔ (۲) ابو عبد الرحمان حضرت ابن عمر کی کنیت ہے جناب عائشہ نے صرف رجب میں عمرہ کا انکار کیا اور ابن عمر کے قول کو نسیان پر محمول فرما کر ان کے لئے دعا کی ــــ چنانچہ حضرت عائشہ کے انکار پر جناب ابن عمر کا سکوت بھی اس امر پر دال ہے کہ ان کو بھی اس معاملہ میں اشتباہ اور تبدیل ہو گئی تھی۔

(۲) تعداد عمرہ میں اختلاف دراصل اعتباری ہے بعض نے عمرہ حدیبیہ کو اس لئے شمار نہیں کیا کہ وہ پورا نہیں ہوا تھا۔ حجۃ الوداع والا عمرہ عدم تمیز کی وجہ سے اور جعرانہ کا عمرہ اس لئے شمار نہیں کیا کہ وہ رات میں واقع ہوا تھا فافہم

(۳) جعرانہ۔ طائف اور مکہ کے درمیان واقع ہے۔ مکہ سے یہ جگہ زیادہ قریب ہے۔ حنین مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک وادی کا نام ہے۔ حدیبیہ مکہ مکرمہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے وہاں ایک کنواں تھا۔ اسی مقام پر حضور علیہ السلام نے چودہ سو یا سترہ سو صحابہ کرام رضی کو بیعت فرمایا تھا۔

بَابُ عُمْرَةٍ فِي رَمَضَانَ

باب رمضان میں عمرہ کرنا

اس عنوان کے ماتحت امام بخاری نے جو حدیث نقل کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے انصار کی ایک عورت سے فرمایا تو ہمارے ساتھ حج کیوں نہیں کرتی تو اس نے عذر پیش کیا۔ آپ نے فرمایا۔

فَإِذَا كَانَ رَمَضَانُ اعْتَمِرِي فِيهِ فَإِنَّ عُمْرَةً فِي رَمَضَانَ حَجَّةٌ (بخاری)	جب رمضان کا مہینہ آئے اس میں عمرہ کر کیونکہ رمضان میں عمرہ کا ثواب حج کے برابر ہے۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ رمضان میں عمرہ کا ثواب حج کے برابر ملتا ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ رمضان میں عمرہ کرنے سے فرض حج ادا ہو جائے گا۔

بَابُ الْعُمْرَةِ لَيْلَةَ الْحَصْبَةِ وَغَيْرِهَا

باب محصب کی رات میں یا اور کسی وقت میں عمرہ کرنا

لیلۃ حصبہ سے مراد محصب میں رات گذارنے کے ہیں مطلب عنوان یہ ہے کہ حج سے فارغ ہو کر ایام تشریق کے گذر جانے کے بعد عمرہ کر سکتے ہیں۔ واضح ہو عمرہ سال کے کسی بھی مہینہ میں کر سکتے ہیں البتہ یوم عرفہ یوم النحر اور ایام تشریق میں عمرہ کرنا مکروہ ہے ــــ اس عنوان کے ماتحت امام بخاری نے وہی حدیث ذکر کی ہے جو کتاب الحیض میں بھی گذر چکی ہے۔ اور فیوض پارہ ششم ص۱۳۹ پر مع تفہیم و ترجمانی کے ذکر ہو چکی ہے۔

بَابُ عُمْرَةِ التَّنْعِيمِ

باب تنعیم سے عمرہ کا احرام باندھنا۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَهٗ اَنْ یُّرْدِفَ عَائِشَةَ وَیُعْمِرَهَا مِنَ التَّنْعِیْمِ۔ (بخاری)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے ساتھ سواری پر بٹھا کے جائیں اور تنعیم سے اُن کو عمرہ کرائیں۔

فوائد و مسائل حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے (۱) معتمر مکی کے لئے ضروری ہے کہ حل سے احرام باندھے اور تنعیم ہی سے عمرہ کا احرام باندھنا ضروری نہیں ہے امام اعظم ابوحنیفہ و اصحابہ و امام شافعی کا بھی یہی مسلک ہے ــــــ اس حدیث میں تنعیم سے احرام باندھنے کا ذکر ہے اس بنا پر بعض علماء نے یہ رائے قائم کی ہے کہ مکی کے لئے تنعیم سے عمرہ کا احرام باندھنا ضروری ہے مگر یہ استدلال تام نہیں ہے کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ حضور ﷺ نے تنعیم سے احرام باندھنے کا جو کہ حکم دیا وہ اس بنا پر ہو کہ تنعیم بہت قریب پڑتا تھا۔ چنانچہ اس امر کی تائید حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے ہوتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

انه صلى الله عليه وسلم قال لعبد الرحمٰن احمل اختك فاخرجها من الحرم قالت والله ما ذكر الجعرانة ولا التنعيم فكان ادنانا من الحرم التنعيم فاهللت بعمرة فاخبرت انه صلى الله عليه وسلم لم يقصد الا الحل لا موضعا معينا وقصد التنعيم لقربه فثبت ان ميقات اهل مكة لعمرتهم هو الحل عيني۔ ص ج ۵

نوٹ:۔ اس حدیث کے بعد امام بخاری نے ایک اور حدیث درج کی ہے جو کہ باب کیف تھل الحائض فیوض پارہ ششم ص۱۳۹ پر مع تفہیم و ترجمانی کے گذر چکی ہے عنوان سے مطابق اس حدیث میں بھی یہ الفاظ ہیں۔ فامر عبد الرحمٰن بن ابو بکر ان یخرج معها الی التنعیم۔ فافہم۔

بَابُ الْاِعْتِمَارِ بَعْدَ الْحَجِّ بِغَیْرِ هَدْیٍ

باب حج کے بعد عمرہ کرنا اور قربانی نہ دینا!

اس عنوان کے ماتحت امام بخاری نے وہی حدیث ذکر کی ہے جو کتاب الحیض میں اور باب کیف تھل الحائض میں مع تفہیم و ترجمانی کے گذر چکی ہے دیکھئے۔ فیوض الباری پارہ ششم ص۱۳۹۔ اس حدیث میں حسب ذیل الفاظ عنوان کے مناسب ہیں:

فَاَهْلَلْتُ بِعُمْرَةٍ مَکَانَ عُمْرَتِهَا فَقَضَی اللّٰهُ حَجَّهَا وَعُمْرَتَهَا وَلَمْ یَکُنْ فِیْ شَیْءٍ مِّنْ ذٰلِكَ هَدْیٌ وَّلَا صَدَقَةٌ وَّلَا صَوْمٌ۔

میں نے اگلے عمرے کے بدل دوسرے عمرے کا احرام باندھا اللہ نے (اپنے فضل سے) مجھ کو حج بھی کرا دیا عمرہ بھی نہ مجھے قربانی دینا پڑی نہ خیرات، نہ روزے رکھنا پڑے۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ جس نے حج کے بعد اور ایام تشریق کے گذر جانے کے بعد عمرہ کیا تو اس پر قربانی واجب

نہیں ہے۔ کیونکہ قربانی متمتع پر لازم ہوتی ہے اور متمتع وہ ہوتا ہے جو اشہر حج میں عمرہ کرے اور عمرہ کا طواف وقوف سے پہلے کرے لیکن جس نے یوم النحر کے بعد عمرہ کیا تو اس کا عمرہ غیر اشہر حج میں ہوا اس لئے اس پر قربانی لازم نہیں ہے۔

بَابُ اَجْرُ الْعُمْرَةِ عَلٰى قَدْرِ النَّصَبِ

باب عمرہ میں جتنی مشقت ہو۔ اتنا ہی ثواب ہے۔

حضرت عائشہؓ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ اور لوگ تو دو دو نیکیاں لے کر جا رہے ہیں اور میں ایک ہی نیکی لے جاؤنگی۔ آپ نے فرمایا جب تم حیض سے پاک ہو تو تنعیم سے عمرہ کا احرام باندھو پھر فلاں جگہ ہم سے آکر مل جاؤ۔

وَلٰكِنَّهَا عَلٰى قَدْرِ نَفَقَتِكِ اَوْ نَصَبِكِ | مگر بات یہ ہے ثواب تو اتنا ہی ملیگا جتنا تو خرچ کرے یا جتنی تکلیف اٹھا

علامہ عینی نے فرمایا کہ اس حدیث کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ وہ عبادت جس میں مشقت ہو اس کا ثواب زیادہ ہوتا ہے بشرطیکہ وہ مشقت ایسی نہ ہو جس کی شریعت نے مخالفت فرمائی ہے ——— لیکن یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے بعض اوقات تھوڑی عبادت کا بھی زیادہ ثواب ملتا ہے جیسے شب قدر کا قیام۔ رمضان کی دوسری راتوں کے قیام کی نسبت ثواب میں زیادہ ہے اور ایک رکعت نفل مسجد حرام میں پڑھنے کا ثواب اور جگہ کی نسبت زیادہ ہے ——— (عینی جلد ۱۰ صـ۱۲۱)

بَابُ الْمُعْتَمِرِ اِذَا طَافَ طَوَافَ الْعُمْرَةِ ثُمَّ خَرَجَ هَلْ يُجْزِئُهُ مِنْ طَوَافِ الْوَدَاعِ

باب جب کہ عمرہ کرنے والا عمرے کا طواف کرے (حج کے بعد) کہ سے چلدے تو طواف وداع کی فرضیت ہے یا نہیں

اس عنوان کے ماتحت امام نے جو حدیث ذکر کی ہے جو باب الحج اشھر معلومات۔ فیوض الباری پارہ ششم صـ۱۳۱ میں مکمل ترجمانی کے ساتھ گذر چکی ہے ——— خلاصہ حدیث یہ ہے کہ جناب عائشہ رض کو حیض آگیا تو حضور نے فرمایا افعال حج ادا کر اور اس کے بعد عمرہ کی قضا کا حکم دیا اور فرمایا۔ فلاں مقام پر ہم سے آکر ملنا تو حضرت عائشہ رض نصف شب میں وہاں پہنچی حضور وہاں موجود تھے

فَقَالَ فَرَغْتُمَا قُلْتُ نَعَمْ فَنَادٰى بِالرَّحِيْلِ فِيْ اَصْحَابِهٖ فَارْتَحَلَ النَّاسُ وَمَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ قَبْلَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ ثُمَّ خَرَجَ مُوَجِّهًا اِلَى الْمَدِيْنَةِ۔ (بخاری)

آپ نے فرمایا فارغ ہو گئے۔ میں نے کہا جی ہاں اب آپ نے اپنے صحابہ میں کوچ کی ندا دی۔ پس لوگ روانہ ہو گئے اور وہ لوگ بھی جو صبح کی نماز سے پہلے طواف وداع کر چکے تھے۔ پھر آپ بھی مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔

بَابٌ يَفْعَلُ فِي الْعُمْرَةِ مَا يَفْعَلُ فِي الْحَجِّ

باب عمرہ میں بھی انہی کاموں کا پرہیز ہے۔ جن کا حج میں پرہیز ہے

مقصودِ عنوان یہ بتانا ہے کہ عمرہ کے احرام میں بھی ان امور سے پرہیز لازمی ہے جن سے حج کے احرام میں پرہیز کیا جاتا ہے یا یہ کہ جو افعال حج میں کئے جاتے ہیں وہی عمرہ میں کئے جائیں گے۔ سوا رمی اور وقوف کے ——— اس عنوان کے ماتحت امام بخاری نے دو حدیثیں ذکر کیں۔ حدیث اول باب غسل الخلوق۔ فیوض پارہ ششم صفحہ ۱۲٦ پر اور حدیث دوم۔ باب وجوب الصفا والمروۃ فیوض پارہ ششم صفحہ ۱۹٦ پر گذر چکی ہیں۔ ان حدیثوں میں عنوان سے مناسبت الفاظ میں۔

وَاصْنَعْ فِيْ عُمْرَتِكَ كَمَا تَصْنَعُ فِيْ حَجِّكَ۔

اور جیسے حج میں کرتا ہے ویسا ہی عمرے میں بھی کر

واضح - یعنی عمرہ کے احرام میں بھی انہیں امور سے پرہیز کیا جائے جن سے حج کے احرام میں کیا جاتا ہے۔ اور عمرہ میں بھی وہی امور ادا کئے جائیں جو حج میں کئے جاتے ہیں سوا وقوف اور رمی جمار کے ——— واضح ہو کہ عمرہ کے ارکان چار ہیں۔ احرام - طواف - سعی - تقصیر۔

اور حدیث دوم میں عنوان سے مناسبت یہ ہے کہ اس میں عمرہ کے لئے بھی صفا و مروہ کی سعی کا ذکر ہے۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا

کہ صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ پس جو کوئی بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے تو ان میں پھرنے سے وہ گنہگار نہ ہوگا۔

جس سے واضح ہوا کہ حج و عمرہ میں صفا و مروہ کی سعی ضروری ہے۔

بَابُ مَتٰى يَحِلُّ الْمُعْتَمِرُ

باب عمرہ کرنیوالا اپنے احرام سے کب فارغ ہو

وَقَالَ عَطَاءٌ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصْحَابَهُ اَنْ يَجْعَلُوْهَا عُمْرَةً وَّيَطُوْفُوْا ثُمَّ يُقَصِّرُوْا وَيَحِلُّوْا۔ (بخاری)

اور عطاء رح نے کہا کہ وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رض کو یہ حکم دیا کہ وہ حج کو عمرہ کر ڈالیں اور (بیت اللہ کا طواف کر کے) بال کترائیں اور احرام سے نکل جائیں۔

یہ تعلیق اس حدیث کا ایک ٹکڑا ہے جسے امام بخاری نے باب عمرۃ التنعیم میں موصولاً ذکر کیا ہے (۲) گو کہ اس میں صفا و مروہ کی سعی کا ذکر نہیں ہے مگر یطوفوا کے صیغہ میں عموم ہے۔ طواف بیت اللہ اور طواف بین الصفا والمروہ کو۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ عمرہ کے لئے طواف۔ اور صفا مروہ کی سعی ضروری ہے۔

(۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ اَوْفٰى قَالَ اعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عبداللہ ابی اوفیٰ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کیا اور

وَاعْتَمَرْنَا مَعَهُ فَلَمَّا دَخَلَ مَكَّةَ طَافَ وَطُفْنَا مَعَهُ وَاَتَى الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ وَاَتَيْنَاهَا مَعَهُ وَكُنَّا نَسْتُرُهُ مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ اَنْ يَرْمِيَهُ اَحَدٌ فَقَالَ لَهُ صَاحِبٌ لِيْ اَكَانَ دَخَلَ الْكَعْبَةَ قَالَ لَا قَالَ فَحَدِّثْنَا مَا قَالَ لِخَدِيْجَةَ قَالَ بَشِّرُوْا خَدِيْجَةَ بِبَيْتٍ مِنَ الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ لَا صَخَبَ فِيْهِ وَلَا نَصَبَ۔

ہم نے بھی آپؐ کے ساتھ عمرہ کیا۔ پس جب آپ مکہ میں داخل ہوئے تو بیت اللہ کا طواف کیا اور ہم نے بھی آپؐ کے ساتھ طواف کیا آپ صفا و مروہ پر تشریف لائے اور ہم بھی آپ کے ساتھ اس پر آئے اور ہم آپ پر آڑ کئے ہوئے تھے اس لئے کہ ایسا نہ ہو کہ کوئی مکہ والا (کافر) آپ کو تیر مارے میرے ایک ساتھی نے مجھ سے پوچھا کیا آپ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے تھے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ اس نے کہا اچھا بیان کرو آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لئے کیا فرمایا تھا انہوں نے کہا یہ فرمایا۔ کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بہشت میں ایک گھر کی خوشخبری دو جو خالص موتی کا ہے نہ اس میں شور و غل ہے نہ کوئی تکلیف۔

(۴) عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ قَالَ سَاَلْنَا ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنْ رَجُلٍ طَافَ بِالْبَيْتِ فِيْ عُمْرَةٍ وَلَمْ يَطُفْ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ اَيَاْتِيْ اِمْرَاَتَهُ فَقَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَطَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعًا وَصَلّٰى خَلْفَ الْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ وَطَافَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ سَبْعًا وَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ قَالَ وَسَاَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَقَالَ لَا يَقْرَبَنَّهَا حَتّٰى يَطُوْفَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ۔ (بخاری)

عمرو بن دینارؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا ہم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس آدمی کے بارے میں دریافت کیا جس نے عمرہ میں بیت اللہ کا طواف تو کر لیا لیکن صفا و مروہ کے درمیان سعی نہیں کی کیا وہ اپنی بیوی سے صحبت کر سکتا ہے؟ انہوں نے جواباً فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم (مدینہ سے مکہ تشریف لائے) بیت اللہ کا طواف کیا سات بار اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعتیں پڑھیں اور (پھر) صفا و مروہ کے درمیان سعی کی سات بار۔ اور تمہارے لئے اللہ کے رسولؐ ایک بہترین نمونہ ہیں عمرو بن دینار نے کہا ہم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے پوچھا انہوں نے فرمایا۔ جب تک صفا و مروہ کی سعی نہ کرے اس وقت تک اپنی بیوی کے پاس نہ جائے

اس حدیث سے بھی واضح ہوا کہ معتمر کو طواف و سعی کے بغیر احرام سے حلال ہونا درست نہیں ہے اس کے بعد امام نے ایک اور حدیث ذکر کی ہے جو کہ باب من اھل فی زمن النبی۔ فیوض الباری پارہ ششم صفحہ پر گذر چکی ہے۔

بَابُ مَا يَقُوْلُ اِذَا رَجَعَ مِنَ الْحَجِّ اَوِ الْعُمْرَةِ اَوِ الْغَزْوِ

باب عمرے یا جہاد سے لوٹے تو کیا کہے

عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا قفل من غزو أو حج أو عمرة يكبر على كل شرف من الأرض ثلاث تكبيرات ثم يقول لا إله إلا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير آيبون تائبون عابدون ساجدون لربنا حامدون صدق الله وعده ونصر عبده وهزم الأحزاب وحده۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی غزوے سے یا حج سے یا عمرے سے واپس تشریف لاتے تو زمین کی ہر چڑھائی پر تین تکبیریں (اللہ اکبر) کہتے۔ پھر فرماتے۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے اسی کی بادشاہت ہے اور وہی تعریف کے قابل ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ ہم سفر سے لوٹنے والے ہیں توبہ کرنے والے عبادت کرنے والے سجدہ کرنے والے اپنے مالک کی تعریف کرنے والے۔ اللہ نے اپنا وعدہ سچا کیا۔ اور اپنے بندہ کی مدد کی۔ اور کافروں کی فوج کو بھگایا۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے دعوات میں۔ مسلم نے حج میں۔ ابوداؤد نے جہاد میں۔ نسائی نے سیر میں ذکر کیا ہے

(۲) اس حدیث میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ حج و جہاد سے فارغ ہو کر شکر ادا کی جائے کہ اللہ نے اپنے فضل سے مناسک ادا کرائے یا جہاد میں کامیابی عطا فرمائی۔

(۳) ایک حدیث میں کلماتِ دعا میں سجع کی ممانعت آئی ہے۔ حالانکہ زیر بحث حدیث میں کلماتِ دعائیہ میں سجع موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوا۔ یہ نہی تحریمی نہیں ہے۔ یوجد السجع فی دعائه ودعاء اصحابه۔ فافہم

یہ بھی ممکن ہے کہ ممانعت حضورؐ نے اس بنیاد پر فرمائی ہو کہ جب دعا کرنے والا سجع کے مناسب الفاظ کی تلاش میں مشغول ہوگا تو خشوع و خضوع پر فرق آجائے گا۔

باب استقبال الحاج القادمين والثلاثة على الدابة

باب: جو حاجی مکہ میں آئیں۔ ان کا استقبال کرنا اور تین آدمیوں کا ایک جانور پر چڑھنا

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال لما قدم النبي صلى الله عليه وسلم مكة استقبلته أغيلمة بني عبد المطلب فحمل واحدا بين يديه وآخر خلفه۔ (بخاری)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف لائے تو عبدالمطلب کی اولاد میں سے کئی لڑکوں نے آپ کا استقبال کیا آپ نے ان میں سے ایک کو سامنے بٹھا لیا اور دوسرے کو پیچھے۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ حج کے لئے آنے والوں کا ان کے اکرام اور تعظیم کے لئے استقبال کرنا جائز ہے۔ یہ بھی جائز ہے

کہ اونٹ گھوڑے وغیرہ پر تین آدمی سوار ہوں۔

بَابُ الْقُدُوْمِ بِالْغَدَاةِ

باب۔ مسافر کا صبح کو اپنے گھر میں آنا۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا خَرَجَ اِلٰى مَكَّةَ يُصَلِّيْ فِيْ مَسْجِدِ الشَّجَرَةِ وَاِذَا رَجَعَ صَلّٰى بِذِي الْحُلَيْفَةِ بِبَطْنِ الْوَادِيْ وَبَاتَ حَتّٰى يُصْبِحَ۔ (بخاری)

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب (مدینہ سے) مکہ کو روانہ ہوتے تو شجرہ کی مسجد میں نماز پڑھتے اور جب (مدینہ کو) لوٹ کر آتے تو ذوالحلیفہ میں نالے کے نشیب میں نماز پڑھتے پھر رات کو وہیں رہ جاتے صبح تک۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ جب آدمی سفر سے واپس ہو تو اس کے لئے یہ مستحب ہے کہ دن کو گھر میں داخل ہو

بَابُ الدُّخُوْلِ بِالْعَشِيِّ

باب۔ شام کو گھر میں آنا۔

عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَطْرُقُ اَهْلَهٗ كَانَ لَا يَدْخُلُ اِلَّا غُدْوَةً اَوْ عَشِيَّةً۔ (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم (سفر سے) اپنے گھر والوں میں رات کو نہ آتے۔ یا صبح کو آتے۔ یا شام کو۔

عشی کے معنی زوال سے لے کر غروب شمس تک کے وقت کے ہیں جو ہر کا تے کہا۔ عشی کے معنی! مغرب سے لے کر عشاء تک کے ہیں۔ لیکن یہاں اول معنی ہی مراد ہیں۔ (۷) اور غرض اس باب سے یہ بتانا ہے کہ پہلے باب میں دن کو گھر میں آنا متعین نہیں بلکہ شام کو بھی گھر میں آسکتا ہے۔ ہاں منع صرف رات کو گھر میں آنا ہے اور یہ ممانعت کی تنزیہی ہے اور رات کو اچانک بلا اطلاع گھر میں آنے کی ممانعت کی وجہ صرف یہ ہے کہ ممکن ہے اس کی بیوی ایسے لباس میں ملبوس ہو جو شوہر کو خوش نہ آئے۔ اور خواہ مخواہ وجہ نزاع پیدا ہو جائے۔

بَابُ لَا يَطْرُقُ اَهْلَهٗ اِذَا بَلَغَ الْمَدِيْنَةَ۔

باب۔ جب آدمی اپنے شہر میں آئے تو رات کو گھر میں نہ جائے

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَطْرُقَ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (سفر سے)

أَهْلَهُ لَيْلًا۔ (بخاری)

رات کو اپنے گھر میں آنے سے منع فرمایا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ سفر سے آنے والا۔ اپنے مکان میں رات کے وقت اچانک بلا اطلاع داخل نہ ہو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کی بیوی شوہر کی عدم موجودگی کی وجہ سے ایسی حالت یا ایسے لباس میں ہو جو شوہر کو پسند نہ آئے۔

بَابُ مَنْ أَسْرَعَ نَاقَتَهُ إِذَا بَلَغَ الْمَدِينَةَ۔

باب جب شہر کے قریب پہنچے پر سواری کو تیز کرنا۔

أَخْبَرَنَا حُمَيْدٌ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ فَأَبْصَرَ دَرَجَاتِ الْمَدِينَةِ أَوْضَعَ نَاقَتَهُ وَإِنْ كَانَتْ دَابَّةً حَرَّكَهَا۔ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ زَادَ الْحَارِثُ بْنُ عُمَيْرٍ عَنْ حُمَيْدٍ حَرَّكَهَا مِنْ حُبِّهَا۔ (بخاری)

ہم کو حمید طویل نے خبر دی۔ انہوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا وہ کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سفر سے واپس تشریف لاتے اور مدینے کی چڑھائیاں دیکھتے۔ تو اپنی اونٹنی کو تیز چلاتے اور اگر کوئی دوسرا جانور ہوتا تو اس کو ایڑ لگاتے۔ امام بخاریؒ نے فرمایا کہ حارث بن عمیر نے حمید طویل سے یہ اور زیادہ بیان کیا ہے کہ مدینے کی محبت کی وجہ سے جانور کو ایڑ لگاتے۔

فوائد و مسائل اس حدیث میں درجات کا لفظ ہے جس کے معنی بلند راستے کے ہیں اور روایت مستملی میں دوحات ہے۔ دوحۃ بڑے درخت کو کہتے ہیں اور روایت ترمذی میں جدرات کا لفظ آیا ہے یہ جمع ہے جدار کی۔ جس کے معنی دیوار کے ہیں۔

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا

باب۔ اللہ تعالیٰ کا (سورہ بقرہ میں) یہ فرمانا اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ

عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ فِينَا كَانَتِ الْأَنْصَارُ إِذَا حَجُّوا فَجَاءُوا لَمْ يَدْخُلُوا مِنْ قِبَلِ أَبْوَابِ بُيُوتِهِمْ وَلٰكِنْ مِنْ ظُهُورِهَا فَجَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَدَخَلَ مِنْ قِبَلِ بَابِهِ فَكَأَنَّهُ عُيِّرَ بِذٰلِكَ

ابو اسحاق سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا میں نے حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا وہ کہتے تھے یہ آیت (کہ گھروں میں دروازوں سے آؤ) ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے انصار جب حج کر کے آتے تو اپنے گھروں میں دروازوں سے نہ داخل ہوتے بلکہ گھروں کی پشت کی طرف سے داخل ہوتے انصار میں سے ایک آدمی گھر کے دروازے سے (حج کرنے کے بعد) داخل

فَنَزَلَتْ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَى وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا۔

ہو گیا تو اس کو لعنت ملامت ہونے لگی۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ گھروں میں پشت کی طرف سے داخل ہونا کوئی نیکی نہیں ہے بلکہ نیکی یہ ہے کہ گناہ سے بچو اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ۔

مفہوم حدیث بالکل واضح ہے۔ انصار حج و عمرہ سے واپسی پر اپنے گھروں میں دروازوں سے داخل نہ ہوتے تھے اور اس پابندی کو انہوں نے از خود اپنے اوپر لازم کر لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت نازل فرما کر ان کی تردید فرما دی اور فرمایا نیکی تو گناہوں سے بچنا ہے اور تقویٰ کو اختیار کرنا ہے۔

بَابُ السَّفَرُ قِطْعَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ

باب۔ سفر بھی ایک قسم کا عذاب ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ السَّفَرُ قِطْعَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ يَمْنَعُ أَحَدَكُمْ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ وَنَوْمَهُ فَإِذَا قَضَى نَهْمَتَهُ فَلْيُعَجِّلْ إِلَى أَهْلِهِ۔ (بخاری)

حضرت ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا۔ سفر بھی گویا ایک قسم کا عذاب ہے آدمی کو کھانا پینا یا سونا (آرام کے ساتھ) نہیں ملتا اس لئے جب کوئی اپنا کام پورا کر چلے تو (سفر سے) جلدی اپنے گھر والوں میں لوٹ آئے۔

(۱) مطلب حدیث یہ ہے کہ سفر میں بہر حال وہ سہولتیں نہیں ہوتیں۔ جو آدمی کو اپنے گھر میں حاصل ہوتی ہیں۔ لہٰذا جب وہ کام پورا ہو جائے جس کے لئے سفر کیا ہے تو بلا وجہ سفر کو جاری رکھنا مناسب نہیں ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنے بیوی بچوں سے بلا ضرورت غائب رہنا ٹھیک نہیں۔

(۲) ابن منیر نے کہا کہ امام بخاری نے اس باب میں اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مجاہدہ سے یا غیر ضروری سفر سے اپنے اہل وعیال میں رہنا افضل ہے لیکن بعض نے یہ کہا دراصل اس عنوان سے امام بخاری نے حدیث عائشہ رضی کی طرف اشارہ کیا کہ اذا قضی احدکم حجہ فلیعجل۔ جب حج سے فارغ ہو جاؤ تو گھر کی طرف لوٹنے میں جلدی کرو۔

علامہ عینی نے فرمایا اصل بات صرف یہ ہے کہ چونکہ سابقہ ساتوں ابواب ضمن سفر میں واقع ہوئے ہیں اس لئے امام بخاری نے اس حدیث کو ذکر کر دیا کہ سفر بہر حال مشقت سے خالی نہیں ہوتا۔

بَابُ الْمُسَافِرِ إِذَا جَدَّ بِهِ السَّيْرُ تَعَجَّلَ إِلَى أَهْلِهِ

باب جب مسافر جلد چلنے کی کوشش کر رہا ہو اور اپنے گھر جلدی پہنچنا چاہیے!

زید بن اسلم اپنے والد سے راوی۔ انہوں نے کہا کہ میں مکہ کے رستے میں عبداللہ بن عمر کے ساتھ تھا ان کو صفیہ بنت ابی عبید

(چونکہ ان کی بیوی تھیں) کی طلاقِ شدیدہ کی اطلاع آئی تو وہ تیز چلے۔ جب شفق ڈوبنے لگی تو سواری سے اترے اور مغرب وعشاء کی نماز ملا کر پڑھی اور کہا کہ میں نے حضور علیہ السلام کو دیکھا کہ جب آپ کو جلدی

إِذَا جَدَّ بِهِ السَّيْرُ أَخَّرَ الْمَغْرِبَ وَ جَمَعَ بَيْنَهُمَا۔ (بخاری)

چلنے کی ضرورت ہوتی تو مغرب کی نماز میں دیر کرتے اور مغرب وعشاء کو ملا کر پڑھ لیتے۔

مطلب عنوان یہ ہے کہ جب سفر میں جلدی ہو تو مغرب وعشاء کو ملا کر پڑھ سکتے ہیں اس حدیث کے کمل مسائل اور اس مسئلہ پر مکمل ومفصل بحث فیوض الباری پارہ سوم پر ہو چکی ہے۔ قارئین کرام مزید مطالعہ فرمالیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بَابُ الْمُحْصَرِ وَجَزَاءِ الصَّيْدِ

باب محرم کے رک جانے اور شکار کا بدلہ دینے کے متعلق

وَقَوْلُهُ تَعَالَى فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ قَالَ عَطَاءٌ الْإِحْصَارُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يَحْبِسُهُ۔

اور سورہ بقرہ میں ارشادِ خداوندی ہے۔ پھر اگر تم رک کے جاؤ تو قربانی بھیجو جو میسر آئے اور اپنے سر نہ منڈواؤ۔ جب تک قربانی اپنے ٹھکانے پہ پہنچ جائے ۔۔۔۔ عطا بن ابی رباح نے کہا جو چیز روکے اس کا یہی حکم ہے۔

محصر اور اس کے احکام ومسائل

(۱) جس نے حج یا عمرہ کا احرام باندھا مگر کسی وجہ سے پورا نہ کر سکا اسے محصور کہتے ہیں جن وجوہ سے حج یا عمرہ نہ کر سکے وہ یہ ہیں۔ دشمن۔ درندہ۔ مرض کہ سفر کرنے اور سوار ہونے میں اس کے زیادہ ہونے کا گمان غالب ہے۔ ہاتھ پاؤں ٹوٹ جانا۔ قید۔ عورت کے محرم یا شوہر جس کے ساتھ جا رہی تھی ان کا انتقال ہو جانا۔ عدت۔ مصارف یا سواری کا ہلاک ہو جانا۔ شوہر حج نفل میں عورت کو اور مولیٰ لونڈی غلام کو منع کر دے۔ (۲) محصر کو یہ اجازت ہے کہ حرم کو قربانی بھیج دے۔ جب قربانی ہو جائے گی اس کا احرام کھل جائے گا۔ یا قیمت بھیج دے کہ وہاں جانور خرید کر ذبح کر دیا جائے۔ بغیر اس کے احرام نہیں کھل سکتا۔ جبتک مکہ معظمہ پہنچ کر طواف وسعی وحلق نہ کرے، روزہ رکھنے یا صدقہ دینے سے کام نہیں چلے گا۔ اگرچہ قربانی کی استطاعت نہ ہو۔ (۳) یہ ضروری امر ہے کہ جس کے ہاتھ قربانی بھیجے اس سے ٹھہرا لے کہ فلاں دن فلاں وقت قربانی ذبح ہو اور وہ وقت گذرنے کے بعد احرام سے باہر ہوگا ۔۔۔۔ پھر اگر اسی وقت قربانی ہوئی جو وقت کہ معین کیا تھا یا اس سے پیشتر۔ نبہا اور اگر بعد میں ہوئی اور اسے اب معلوم ہوا تو چونکہ ذبح سے پہلے احرام سے باہر ہو اس لئے دم دے۔ (۴) محصر اگر مفرد ہو یعنی صرف حج یا عمرہ کا احرام باندھا ہو تو ایک قربانی بھیجے اور دو بھیجیں۔ تو

پہلی ہی کے ذبح سے احرام کھل گیا اور قارن ہو تو دو بھیجے ایک سے کام نہ چلے گا۔ (۵) اس قربانی کے لئے حرم شرط ہے۔ بیرون حرم نہیں ہو سکتی۔ دسویں۔ گیارہویں۔ بارہویں تاریخوں کی شرط نہیں۔ پہلی اور بعد کو کوئی بھی ہو سکتی ہے (۶) وہ مانع جس کی وجہ سے رکتا ہوا تھا جاتا رہے۔ اور وقت اتنا ہے کہ حج اور قربانی دونوں پالے گا تو جانا فرض ہے اب اگر گیا۔ اور حج پالیا۔ فبہا ورنہ عمرہ کرکے احرام سے باہر ہو جائے۔ اور قربانی کا جانور جو بھیجا تھا مل گیا تو اس کا جو چاہے کرلے۔

بَابُ اِذَا اُحْصِرَ الْمُعْتَمِرُ

باب۔ عمرہ کرنے والا اگر روکا جائے

عَنْ نَافِعٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا حِيْنَ خَرَجَ اِلٰى مَكَّةَ مُعْتَمِرًا فِي الْفِتْنَةِ قَالَ اِنْ صُدِدْتُ عَنِ الْبَيْتِ صَنَعْتُ كَمَا صَنَعْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَهَلَّ بِعُمْرَةٍ مِنْ اَجْلِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اَهَلَّ بِعُمْرَةٍ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ

حضرت نافع سے مروی ہے کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب (حجاج کے زمانہ میں) فساد کے وقت مکہ مکرمہ کو عمرہ کرنے کے لئے روانہ ہوئے تو کہنے لگے۔ اگر میں بیت اللہ میں جانے سے روکا گیا۔ تو اس طرح کرنا گا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم نے کیا تھا۔ تو انہوں نے عمرہ کا احرام اس خیال سے باندھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی، جس سال حدیبیہ میں روکے گئے تھے۔ عمرے کا احرام باندھا تھا۔ (بخاری)

اس حدیث کی باب سے مناسبت یہ ہی ہے کہ حضرت ابن عمر نے عمرہ میں وہی کچھ کیا جو حضور علیہ السلام نے کیا تھا جبکہ حدیبیہ کے سال ۶ھ میں کفار آپ کو کعبہ تک پہنچنے سے روک دیا تھا تو حضور علیہ السلام نے قربانی کی اور حلق کیا اور احرام کھول دیا تھا۔

عَنْ نَافِعٍ اَنَّ عُبَيْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ وَسَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ اَخْبَرَاهُ اَنَّهُمَا كَلَّمَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا لَيَالِيَ نَزَلَ الْجَيْشُ بِابْنِ الزُّبَيْرِ فَقَالَا لَا يَضُرُّكَ اَنْ لَّا تَحُجَّ الْعَامَ اِنَّا نَخَافُ اَنْ يُّحَالَ بَيْنَكَ وَبَيْنَ الْبَيْتِ فَقَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت نافع سے مروی ہے کہ حضرت عبید اللہ بن عبداللہ اور سالم بن عبداللہ نے ان کو خبر دی۔ ان دونوں نے اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس زمانے میں گفتگو کی جب کہ حضرت ابن زبیر پر حجاج کے لشکر نے چڑھائی کی تھی تو دونوں کہنے لگے اس سال اگر حج نہ کیجئے گا تو کیا نقصان ہے؟ ہمیں ڈر ہے کہ کہیں آپ بیت اللہ سے نہ روک دیئے جائیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فَقَالَ كُفَّارُ قُرَيْشٍ دُوْنَ الْبَيْتِ فَنَحَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَدْيَهُ وَحَلَقَ رَأْسَهُ وَأَشْهَدُكُمْ أَنِّيْ قَدْ أَوْجَبْتُ الْعُمْرَةَ إِنْ شَاءَ اللهُ أَنْطَلِقُ فَإِنْ خُلِّيَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ الْبَيْتِ طُفْتُ وَإِنْ حِيْلَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُ فَعَلْتُ كَمَا فَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا مَعَهُ فَأَهَلَّ بِالْعُمْرَةِ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ إِنَّمَا شَأْنُهُمَا وَاحِدٌ أُشْهِدُكُمْ أَنِّيْ قَدْ أَوْجَبْتُ حَجَّةً مَعَ عُمْرَتِيْ فَلَمْ يَحِلَّ مِنْهُمَا حَتَّى حَلَّ يَوْمَ النَّحْرِ وَأَهْدَى وَكَانَ يَقُوْلُ لَا يَحِلُّ حَتَّى يَطُوْفَ طَوَافًا وَاحِدًا يَوْمَ يَدْخُلُ مَكَّةَ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ بَعْضَ بَنِيْ عَبْدِ اللهِ قَالَ لَهُ لَوْ أَقَمْتَ بِهٰذَا عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَدْ أُحْصِرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَلَقَ رَأْسَهُ وَجَامَعَ نِسَاءَهُ وَنَحَرَ هَدْيَهُ حَتَّى اعْتَمَرَ عَامًا قَابِلًا

(بخاری)

کے ساتھ (مدینہ سے) مکہ کی طرف نکلے۔ قریش کے کافروں نے آپ کو بیت اللہ میں جانے سے روک دیا۔ آخر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قربانی کو ذبح کر دیا اور اپنا سر منڈوا ڈالا۔ عبداللہ نے کہا میں تم کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اپنے اوپر عمرہ واجب کر لیا۔ اگر خدا نے چاہا تو میں جاتا ہوں پس اگر مجھ کو کسی نے بیت اللہ سے نہ روکا تو میں طواف کروں گا۔ اور اگر میں بیت اللہ سے روکا گیا تو میں اسی طرح کروں گا جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا اور میں آپ کے ساتھ تھا۔ آخر انہوں نے ذوالحلیفہ سے عمرے کا احرام باندھا۔ پھر تھوڑی دیر چلے اور کہنے لگے حج اور عمرہ دونوں یکساں ہیں۔ تم گواہ رہنا میں نے عمرے کے ساتھ حج کو بھی اپنے اوپر واجب کر لیا۔ پھر ان کا احرام دسویں تاریخ ہی کو کھلا وہ قربانی لے گئے تھے اور وہ کہتے تھے (پہلا) احرام اس وقت کھلتا ہے جبکہ مکہ میں جا کر ایک طواف یعنی طواف زیارت کرے۔ حضرت نافع سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر کے بعض بیٹوں نے ان سے کہا اس سال اگر آپ ٹھہر جائیں تو اچھا ہے) حضرت عکرمہ سے مروی ہے انہوں نے کہا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (حدیبیہ والے سال مکہ میں جانے سے) روکے گئے آپ نے (حدیبیہ ہی میں) اپنا سر منڈایا اور اپنی بیویوں سے صحبت کی اور قربانی کو ذبح کیا۔ پھر سال آئندہ آپ نے عمرہ کیا۔

اس حدیث میں عنوان سے مناسب یہ الفاظ ہیں۔ وان حیل بینی الخ مطلب یہ کہ اگر مجھے بھی روک دیا گیا تو میں بھی وہی کچھ کروں گا جو حضور نے کیا تھا۔ اور حضور نے یہ کیا تھا کہ قربانی دی تھی اور حلال ہو گئے تھے۔ جس سے واضح ہوا کہ احصار کی صورت میں حج و عمرہ دونوں کا حکم یکساں ہے۔

س فنحر النبی صلی اللہ علیہ وسلم حضور نے یہ جو قربانی دی ۔ تو حرم میں دی تھی ۔ کیونکہ حدیبیہ حرم او حل دونوں کو شامل ہے ۔ علاوہ ازیں قرآن مجید کی یہ آیات لحلها الی البیت العتیق الخ اور لا تحلقوا رؤسکم حتی یبلغ الھدی سے محلہ سے بھی واضح ہوتا ہے ۔ کہ اس قربانی کے لئے حرم شرط ہے ۔ ورنہ ذکر محل کا کیا فائدہ ؟

(۳) حضرت عبید اللہ — جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے ہیں ۔ ان کی کنیت ابوبکر ہے — اہل مدینہ سے حدیث کی سماعت کی تابعی ہیں امام زہری وغیرہ کبار تابعین ان کے شاگرد ہیں ۔ محدثین کے نزدیک ثبت او ثقہ ہیں ۔ ۱۰۶ھ میں وفات پائی ۔

بَابُ الْاِحْصَارِ فِی الْحَجِّ

باب حج سے روکے جانے کا بیان

كَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُوْلُ أَلَيْسَ حَسْبُكُمْ سُنَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ حُبِسَ أَحَدُكُمْ عَنِ الْحَجِّ طَافَ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ثُمَّ حَلَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى يَحُجَّ عَامًا قَابِلًا فَيُهْدِيَ أَوْ يَصُوْمُ إِنْ لَمْ يَجِدْ هَدْيًا — (بخاری)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے تھے کہ اگر تم سے کوئی حج سے رکا جائے تو اس کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت کافی نہیں ہے (آپ کی سنت پر عمل کرے آپ نے (جب روکے گئے تو) بیت اللہ اور صفا مروہ کا طواف کیا ۔ کسی چیز کا پرہیز نہ رہا ۔ دوسرے سال حج کرے ۔ اور قربانی دے ۔ یا اگر قربانی کا مقدور نہ ہو تو روزے رکھے ۔

اس عنوان سے مقصود یہ بتانا ہے کہ اگرچہ حضور علیہ السلام کو عمرہ میں احصار ہوا تھا ۔ لیکن جمہور علماء نے حج کو بھی عمرہ پر قیاس کر لیا ۔ (۱) حضرت ابن عمر کے ارشاد کا مطلب بھی یہی ہے کہ جیسے حضور عمرہ سے احصار کی صورت میں عمل کیا تھا ۔ تم حج سے محصور ہونے میں بھی وہی عمل کرو — جس کا حج فوت ہو جائے یعنی وقوف عرفہ اس سے نہ ملے ۔ تو طواف و سعی کر کے سر منڈا کر یا بال کترا کر احرام سے باہر ہو جائے اور سال آئندہ حج کرے اور اس پر دم واجب نہیں ۔ واضح ہو کہ عمرہ فوت نہیں ہو سکتا ۔ کہ اس کا وقت عمر بھر ہے ۔ اور جس کا حج فوت ہو گیا ۔ اس پر طواف صدر نہیں ہے ۔ (عالمگیری)

بَابُ النَّحْرِ قَبْلَ الْحَلْقِ فِی الْحَصْرِ

باب جب آدمی روکا جائے تو پہلے قربانی نحر کرے پھر سر منڈائے

عَنِ الْمِسْوَرِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحَرَ قَبْلَ أَنْ يَحْلِقَ وَأَمَرَ أَصْحَابَهُ بِذٰلِكَ ۔ (بخاری)

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (جس سال عمرے سے روکے گئے) پہلے نحر کیا ۔ پھر سر منڈایا ۔ اصحاب کو بھی ایسا ہی حکم دیا ۔

حَدَّثَنَا نَافِعٌ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ وَسَالِمًا

كَلَّمَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَقَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعْتَمِرِيْنَ فَحَالَ كُفَّارُ قُرَيْشٍ دُوْنَ الْبَيْتِ فَنَحَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُدْنَهُ وَحَلَقَ رَأْسَهُ۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے گفتگو کی (کہ اس سال حج کو نہ جاؤ) انہوں نے کہا ہم نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عمرے کی نیت سے نکلے۔ قریش کے کافروں نے ہم کو بیت اللہ میں جانے سے روک دیا۔ آخر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اونٹوں کو نحر کر ڈالا۔ اور سر منڈایا۔

اس حدیث سے واضح ہوا۔ کہ محصر نے سر منڈانے سے قبل قربانی دے دی۔ تو جائز ہے۔ (۲) اور یہ حدیث امام مالک پر بھی حجت ہے۔ کیونکہ ان کا قول ہے کہ محصر پر قربانی نہیں ہے۔

بَابُ مَنْ قَالَ لَيْسَ عَلَى الْمُحْصَرِ بَدَلٌ

باب۔ اس شخص کی دلیل جو کہتا ہے کہ روکے گئے شخص پر قضا نہیں ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اِنَّمَا الْبَدَلُ عَلٰى مَنْ نَقَضَ حَجَّهُ بِالتَّلَذُّذِ فَاَمَّا مَنْ حَبَسَهُ عُذْرٌ اَوْ غَيْرُ ذٰلِكَ فَاِنَّهُ يَحِلُّ وَلَا يَرْجِعُ وَاِنْ كَانَ مَعَهُ هَدْيٌ وَهُوَ مُحْصَرٌ نَحَرَهُ اِنْ كَانَ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يَبْعَثَ وَاِنِ اسْتَطَاعَ اَنْ يَبْعَثَ بِهٖ لَمْ يَحِلَّ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ۔ (بخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ قضا اس پر لازم ہے جو عورت سے صحبت کر کے اپنا حج توڑے لیکن جسکو کوئی عذر پیش آجائے۔ یا دشمن وغیرہ روکے تو وہ احرام کھول ڈالے اور قضا نہ کرے اور اگر اسکے ساتھ قربانی ہو اور حرم میں نہ بھیج سکے۔ تو وہیں ذبح کردے (جہاں پر کہ روکا گیا ہے) اور اگر حرم تک بھیج سکتا ہے تو جبتک قربانی وہاں نہ پہنچ جائے وہ حلال نہ ہو۔

ولا یرجع قضا نہ کرے۔ یہ حکم نفل کے متعلق ہے۔ حج فرض کی قضا ضروری ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس ہی سے روایت ہے کہ آئندہ سال قضا کرے۔ اور روایت ابن جریر من طریق علی بن طلحہ کے الفاظ ہیں فان کانت حجۃ الاسلام فعلیہ قضاؤھا الخ وان کانت غیر فریضۃ فلا قضاء علیہ الخ۔ اور امام اعظم علیہ الرحمۃ کا مسلک یہ ہے کہ محصر اگر حلال ہو گیا۔ خواہ حج نفلی ہو یا فرضی بہر صورت قضا لازم ہے۔ (۲) ذبح حرم میں کرے یا حل میں بھی جائز ہے۔ یہ مسئلہ صحابہ میں بھی مختلف فیہ رہا ہے۔ اور منشا اختلاف یہ ہے حضرت عطا و ابن اسحٰق یہ کہتے ہیں کہ حدیبیہ میں حضور نے حرم میں قربانی دی تھی۔ اور اہل مغازی کہتے ہیں کہ حل میں تو امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ نے قول عطا کو اختیار فرمایا۔ مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔

وَقَالَ مَالِكٌ وَغَيْرُهُ يَنْحَرُ هَدْيَهُ وَيَحْلِقُ فِيْ اَيِّ مَوْضِعٍ كَانَ وَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ لِاَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابَهُ بِالْحُدَيْبِيَةِ نَحَرُوْا وَحَلَقُوْا وَحَلُّوْا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ قَبْلَ الطَّوَافِ وَقَبْلَ اَنْ يَصِلَ الْهَدْيُ اِلَى الْبَيْتِ ثُمَّ لَمْ يُذْكَرْ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ اَحَدًا اَنْ يَقْضُوْا شَيْئًا وَلَا يَعُوْدُوْا لَهُ وَالْحُدَيْبِيَةُ خَارِجٌ مِنَ الْحَرَمِ (بخاری)

اور امام مالک وغیرہ نے کہا جہاں وہ رک جائے اسی جگہ قربانی کرے اور سر منڈا ڈالے اور اس پر قضا لازم نہیں ہے۔ اسلئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہ نے حدیبیہ میں نحر کیا۔ اور سر منڈایا اور ہر چیز سے حلال ہوگئے اس سے پہلے کہ وہ طواف کریں اور اس سے پہلے کہ قربانی بیت اللہ کو پہنچے۔ پھر کسی روایت میں اسکا ذکر نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کسی کو قضا کا حکم دیا ہو اور نہ ...

فوائد ومسائل

امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ جہاں رک جائے اسی جگہ قربانی دے سکتا ہے۔ خواہ وہ جگہ حل میں ہو یا حرم میں۔ کیونکہ حضور نے حدیبیہ[1] میں قربانی دی تھی۔ اور حدیبیہ حرم سے خارج ہے۔ اور سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ قربانی کا حرم میں ہونا ضروری ہے۔ جب وہاں جو وقت مقرر کیا ہے۔ قربانی ہو جائے تو پھر احرام کھولے

(۲) اس حدیث کے بعد امام نے وہی حدیث ذکر کی ہے جو کہ فیوض پارہ ہفتم ۶۷ پر تفہیم و ترجمانی کے گذر چکی ہے۔

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا اَوْ بِهٖ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ وَهُوَ مُخَيَّرٌ فَاَمَّا الصَّوْمُ فَثَلٰثَةُ اَيَّامٍ

باب اللہ تعالیٰ نے (سورۂ بقرہ میں) فرمایا۔ جو کوئی تم میں سے بیمار ہو جائے یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو وہ فدیہ دے روزے رکھے صدقہ دے یا قربانی دے روزے تین دن کے رکھنا چاہئیں۔

عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ لَعَلَّكَ اٰذَاكَ هَوَامُّكَ قَالَ نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْلِقْ رَاْسَكَ وَصُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اَوْ اَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِيْنَ اَوِ انْسُكْ بِشَاةٍ

کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ آپ نے کعب سے فرمایا۔ شاید جوؤں نے تجھ کو تکلیف دے رکھی ہے انہوں نے عرض کیا۔ جی ہاں یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا تو اپنا سر منڈوا ڈال اور تین دن کے روزے رکھ لے یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے یا ایک بکری قربان کر

---

[1] لیکن امام طحاوی نے فرمایا۔ کہ محمد بن اسحاق سے روایت ہے کہ حدیبیہ کا کچھ حصہ حرم میں ہے اور حضور علیہ السلام حرم میں نماز ادا فرماتے تھے۔ اگرچہ حضور کا خیمہ حل میں تھا۔ اور اس کی تائید حدیث بخاری سے بھی ہوتی ہے امام بخاری نے اس قصہ کے متعلق ایک طویل حدیث ذکر کی ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ ان ناقتہ لما بلغت حدود الحرم خلات وامتنعت خضها (اذ عند ذالک قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم حبسها حابس الفیل (فدل علی قربہ من الحرم) اور دیگر کی روایتوں میں آتا ہے کہ جب حضور علیہ السلام نے بال کتروائے۔ تو آپ کے بال حرم میں ہوا سے اڑ کر چلے گئے تھے۔ اس سے اتنی بات تو قطعی طور پر واضح ہوتی ہے کہ حدیبیہ حرم بالکل قریب تھا۔ اور یہ بات سب کے نزدیک مسلم ہے کہ جب حرم میں قربانی ممکن ہو۔ تو حل میں نہ کیا جائے۔ تو ظاہر ہے کہ حضور نے حرم ہی میں قربانی دی ہو گی خصوصاً جب کہ ارشاد ربانی ہے حتی یبلغ الهدی محله اور حضور نے ضرور اس آیت پر عمل کیا کان خلقه القرآن۔ نیز حدیث نسائی کے الفاظ یہ ہیں۔ کہ حضور نے ناجیۃ بن کعب اسلمی کو قربانی کا جانور حرم میں ذبح کرنے کیلئے بھیجا تھا۔ حتی نحرہ فی الحرم اور مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عطاء سے مروی ہے۔ کان منزل النبی صلے اللہ علیہ وسلم یوم الحدیبیۃ فی الحرم وفی الاستذکار۔ قال عطاء وابن اسحٰق لم ینحر علیہ السلام هدیہ یوم الحدیبیۃ الا فی الحرم۔ (ملخصا من جوهر النقی ص ۳۰۵ ج ۲) ان تمام احادیث سے صراحۃً واضح ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے حدیبیہ کے موقع پر حرم میں قربانی دی تھی۔ جس سے امام اعظم علیہ الرحمہ کے مسلک کی تائید و توثیق ہوتی ہے۔

اس آیت و حدیث سے واضح ہوا کہ اگر محرم بیماری یا سخت گرمی یا شدید سردی یا زخم یا جوؤں کی سخت ایذا کے باعث منافی احرام کوئی کام کرے تو صرف اس جرم غیر اختیاری میں یہ اختیار ہے کہ دم کے بدلے چھ مسکینوں کو ایک ایک صدقہ دے دے یا دونو وقت پیٹ بھر کھلائے یا تین روزے رکھ لے۔

(۷) صدقہ سے مراد یہ ہے کہ پونے دو سیر اٹھنی بھر گیہوں یا اس کے دگنے جو یا کھجور یا ان کی قیمت دیوے۔

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى اَوْصَدَقَةٍ وَّهِيَ اِطْعَامُ سِتَّةِ مَسَاكِيْنَ

باب۔ اسی آیت میں جو اللہ تعالیٰ نے صدقہ کا حکم دیا۔ اس سے مراد چھ مسکینوں کو کھلانا ہے۔

حَدَّثَنِيْ مُجَاهِدٌ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ اَبِيْ لَيْلٰى اَنَّ كَعْبَ بْنَ عُجْرَةَ حَدَّثَهٗ قَالَ وَقَفَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحُدَيْبِيَةِ وَرَاْسِيْ يَتَهَافَتُ قَمْلًا فَقَالَ اَيُؤْذِيْكَ هَوَامُّكَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاحْلِقْ رَاْسَكَ اَوْ قَالَ احْلِقْ قَالَ فِيَّ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ اِلٰى اٰخِرِهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اَوْ تَصَدَّقْ بِفَرَقٍ بَيْنَ سِتَّةٍ اَوْ انْسُكْ مِمَّا تَيَسَّرَ (بخاری)

مجاہد نے کہا۔ میں نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے سنا۔ ان سے حضرت کعب بن عجرہ نے بیان کیا۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں میرے پاس ٹھہرے اور میرے سر سے جوئیں جھڑ رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا۔ جوؤں نے تجھے تکلیف دے رکھی ہے؟ میں نے کہا ہاں آپ نے فرمایا اپنا سر منڈا ڈال یا یوں فرمایا۔ سر منڈا لے کعب نے کہا یہ آیت میرے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے۔ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ اخیر آیت تک پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو تین دن روزے رکھ لے۔ یا ایک فرق (تین صاع) اناج غریبوں کو بانٹ دے۔ یا جو میسر ہو۔ قربانی کرے۔

اس عنوان اور زیر عنوان حدیث سے یہ واضح کرنا مقصود ہے۔ کہ قرآن مجید میں جو صدقہ کا ذکر ہے اس سے مراد چھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ جمہور علماء کا بھی یہ ہی مسلک ہے۔

بَابُ الْاِطْعَامِ فِي الْفِدْيَةِ نِصْفُ صَاعٍ

باب۔ فدیہ میں ہر غریب کو آدھا صاع دینا چاہئے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَعْقِلٍ قَالَ جَلَسْتُ اِلٰى كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَسَاَلْتُهٗ عَنِ الْفِدْيَةِ فَقَالَ نَزَلَتْ فِيَّ خَاصَّةً وَهِيَ لَكُمْ عَامَّةً حُمِلْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عبداللہ بن معقل سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا۔ میں حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے ان سے فدیہ کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے کہا۔ یہ آیت فدیہ میرے بارے میں اتری تھی۔ مگر اس کا حکم تم سب کے لئے عام ہے۔ ہوا یہ کہ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وَالْقَمْلُ يَتَنَاثَرُ عَلٰى وَجْهِيْ فَقَالَ مَا أُرٰى أَوْمَا كُنْتُ أُرٰى الْجُهْدَ بَلَغَ بِكَ مَا أُرٰى تَجِدُ شَاةً فَقُلْتُ لَا فَقَالَ فَصُمْ ثَلٰثَةَ أَيَّامٍ أَوْ أَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِيْنَ لِكُلِّ مِسْكِيْنٍ نِصْفَ صَاعٍ۔

کے پاس اٹھا کر لایا اور جوئیں میرے منہ پر گر رہی تھیں آپ نے فرمایا میں نہیں سمجھتا تھا کہ تجھے ایسی بیماری ہے جیسی کہ میں دیکھ رہا ہوں یا تری تکلیف اس حد کو پہنچ گئی ہے جیسی میں دیکھ رہا ہوں تو ایک بکرا ذبح کرنے کی طاقت رکھتا ہے میں نے کہا نہیں آپ نے فرمایا پھر تین روزے رکھ لے یا چھ مسکینوں

اس عنوان اور زیر عنوان حدیث سے واضح ہوا۔ کہ اگر محرم بیماری وغیرہ کی وجہ سے منافی احرام کوئی کام کرتا ہے تو اس کو یہ جائز ہے۔ کہ دم کی بجائے۔ فدیہ دے۔ اور فدیہ سے مراد یہ ہے کہ نصف صاع گیہوں ہر مسکین کو دیدے ——— امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے۔ کہ گیہوں تو نصف صاع دے۔ اور اگر جو یا کھجور دینا چاہتا ہے تو پھر پورا صاع دینا ہوگا۔

بَابُ النُّسُكُ شَاةٌ

باب (قرآن میں) نسک سے مراد بکری ہے

اس عنوان کے تحت امام بخاری نے وہی حدیث ذکر کی ہے جو اس سے قبل کے عنوان میں ذکر ہو چکی ہیں۔ ان احادیث میں یہ الفاظ تھا اری تجد شاۃ او یھدی شاۃ جس سے واضح ہوا کہ قرآن مجید میں نسک سے مراد بکری ذبح کرنا ہے۔

باب قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَلَا رَفَثَ

باب سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے حج میں رفث نہیں

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ

باب اللہ عزوجل کا ارشاد۔ حج میں گناہ اور جھگڑا نہیں کرنا چاہیئے۔

ان دونو عنوانوں کے ماتحت امام بخاری نے ایک ہی مضمون کی حدیث درج کی ہے۔ جو یہ ہے۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَجَّ هٰذَا الْبَيْتَ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَمَا وَلَدَتْهُ أُمُّهُ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس نے حج کیا اور (رفث) فحش کلام نہ کیا اور فسق نہ کیا تو گناہوں سے پاک ہو کر ایسا لوٹا جیسے اس دن کہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا

فوائد و مسائل۔ جمہور کے نزدیک رفث سے مراد جماع ہے اور فسوق کے معنی حدود شریعت سے نکل جانے کے ہیں۔ مطلب حدیث یہ ہے کہ جس نے حج کیا اور اس میں احکام شریعت کا احترام کیا تو اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ اس سے گناہ صغیرہ۔ کبیرہ مرادیں البتہ وہی گناہ صغیرہ و کبیرہ معاف ہوں گے جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہے۔

ل والدليل عليه ان في الرواية احمد ... عن شعبة نصف صاع طعام واصرح منه ما رواه بشر ابن عمر عن شعبة نصف صاع حنطة فهذا يدل على صحة الفرق بين القمح وغيره (...)

بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَىٰ لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنتُمْ حُرُمٌ ۚ وَمَن قَتَلَهُ مِنكُم مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ أَوْ عَدْلُ ذَٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ ۗ عَفَا اللَّهُ عَمَّا سَلَفَ ۚ وَمَنْ عَادَ فَيَنتَقِمُ اللَّهُ مِنْهُ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ ۔ أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ (اِلٰی قَوْلِهٖ) تُحْشَرُونَ)

(بخاری)

اے ایمان والو! احرام کی حالت میں شکار نہ کرو۔ اور جو تم میں سے قصداً جانور کو قتل کرے گا۔ تو بدلہ دے مثل اس جانور کے جو قتل ہوا تم میں سے دو عادل جو حکم کریں ۔۔ بدلہ قربانی ہوگی۔ جو کعبہ کو جانے یا کفارہ مسکین کو کھانا یا اس کے برابر روزے۔ تا کہ اپنے کیے کا وبال چکھے۔ اللہ نے اسے معاف فرما دیا۔ جو پیشتر ہو چکا اور جو پھر کرے گا۔ تو اللہ اس سے بدلہ لے گا ۔ اور اللہ غالب بدلہ لینے والا ہے۔ دریا کا شکار اور اس کا کھانا تم پر حلال کیا گیا تمہارے اور مسافروں کے برتنے کے لئے۔ اور خشکی کا شکار تم پر حرام ہے۔ جب تک تم محرم ہو اور اللہ سے ڈرو جس کی طرف تم اٹھائے جاؤ گے۔

ضروری نوٹ :- اس عنوان سے جرم اور اس کے کفارے کا بیان ہو رہا ہے۔ اس سلسلہ میں حسب ذیل امور کا خیال میں رہنا ضروری ہے۔

اول :- محرم اگر بالقصد بلا عذر جرم کرے ۔ تو کفارہ بھی واجب ہے۔ اور گنہگار بھی ہوگا لہٰذا اس صورت میں توبہ واجب ہے۔ محض کفارہ سے پاک نہ ہوگا۔ جب تک توبہ نہ کرے اور اگر نادانستہ یا عذر سے جرم کرے ۔ تو کفارہ لازم ہے۔ البتہ گنہگار نہ ہوگا۔ جرم میں کفارہ بہر حال لازم ہے۔ یاد سے ہو یا بھول چوک سے۔ یا بیہوشی میں ہو یا ہوش میں۔ خوشی سے ہو یا مجبوراً سوتے میں ہو یا بیداری میں۔ اپنے آپ کیا ہو یا دوسرے نے اسے حکم دیا ہو۔ حتیٰ کہ اس فعل کا جرم ہونا جانتا ہو یا معلوم نہ ہو تو بھی کفارہ لازم ہے۔

دوم - دم سے مراد ایک بکری یا بھیڑ ہے۔ بدنہ سے اونٹ یا گائے مراد ہے۔ یہ سب جانور انہیں شرائط کے ہوں قربانی میں ہیں۔ اور صدقہ سے مراد یہاں انگریزی دور کا چاندی کا روپیہ ایک سو چھتر روپے اٹھ آنہ بھر گیہوں کرو یہ کے سیر سے پونے دو سیر اٹھنی بھر اوپر ہے یا اس سے دونے جو یا کھجور یا ان کی قیمت مراد ہے۔

سوم - جہاں ایک دم یا صدقہ واجب ہوگا۔ تو قارن پر دو واجب ہوں گے۔

چہارم - کفارہ یا قارن یا متمتع کے شکرانہ کی قربانی کا حرم میں ہونا ضروری ہے۔ غیر حرم میں کی تو ادا نہ ہوگی۔

پنجم :- شکرانہ کی قربانی سے آپ بھی کھا سکتا ہے۔ اور امیر و غریب سب کو کھلا جا سکتا ہے اور کفارہ کی قربانی صرف محتاجوں کا حق ہے۔

زیرِ عنوان آیت سورہ مائدہ کی ہے۔ اس کے احکام و مسائل یہ ہوئے۔ تفسیر خازن میں ہے کہ جس میں حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا مسلمان محرم (احرام پوش) تھے۔ اس حالت میں وہ اس آزمائش میں ڈالے گئے۔ کہ وحوش و طیور بکثرت آئے جن کا ہاتھ سے پکڑنا اور شکار کر لینا بالکل اختیار میں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور اس آزمائش میں فرمانبردار اور حکم الٰہی کی تعمیل میں ثابت قدم رہے۔ (۲)۔ اس آیت سے واضح ہوا کہ محرم پر شکار یعنی خشکی کے کسی وحشی جانور کو مارنا حرام ہے۔ یونہی جانور کی طرف شکار کرنے کیلئے اشارہ کرنا یا کسی طرح بتانا بھی شکار میں داخل اور ممنوع ہے۔ غرض کہ حالت احرام میں ہر وحشی جانور کا شکار ممنوع ہے۔ خواہ وہ حلال ہو یا نہ ہو۔ اور ہر حال میں ممنوع ہے۔ خواہ قصداً عمداً ہو جس کی ممانعت آیۂ مبارکہ میں ہے۔ یا خطاءً ہو۔ جس کی ممانعت احادیث میں ہے۔ (۳) مثل ما قتل الخ ویسا ہی جانور دینے سے مراد یہ ہے کہ قیمت میں مارے ہوئے جانور کے برابر ہو۔ سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ کا یہی قول ہے اور امام شافعی و امام محمد کا قول یہ ہے۔ ویسا ہی جانور سے خلقت و صورت میں مارے ہوئے جانور کے مثل ہونا مراد ہے۔ (مدارک و احمدی) (۴) یحکم بہ الخ۔ یعنی دو ثقہ آدمی جانور کی قیمت کا اندازہ کریں۔ اور قیمت وہاں کی معتبر ہو گی جہاں شکار مارا گیا ہو۔ یا اس کے قریب کے مقام کی۔

(۵) بالغ الکعبۃ۔ یعنی کفارہ کے جانور کا حرم میں ذبح کیا جانا ضروری ہے۔ غیر حرم یا عین کعبہ میں ذبح جائز نہیں۔ اسی لئے کعبہ کو پہنچے۔ فرمایا۔ کعبہ کے اندر نہ فرمایا۔ (۶) او کفارۃ الخ۔ یعنی یہ بھی جائز ہے۔ شکار کی قیمت کا غلہ خرید کر مساکین کو اتنا دے کہ ہر مسکین کو صدقہ فطر کے برابر پہنچے۔

(۷) صیاماً۔ یعنی یہ بھی جائز ہے کہ اس جانور کی قیمت میں جتنے مسکینوں کے حصے صدقہ فطر کے برابر حصے ہوتے تھے۔ اتنے روزے رکھے۔ یعنی اس جانور کی قیمت جتنے صدقے (صدقہ فطر) کی مقدار میں ہوں۔ ہر صدقہ کے بدلے ایک روزہ رکھے۔ اور اگر کچھ غلہ بچ جائے۔ جو پورا صدقہ نہیں۔ (یعنی صدقہ فطر کے برابر نہیں ہوتا)۔ تو اختیار ہے۔ کہ وہ کسی مسکین کو دیدے۔ یا اس کے عوض بھی ایک روزہ رکھ لے۔ اور مارے ہوئے جانور کی پوری قیمت ایک صدقہ (صدقہ فطر کی مقدار) کے لائق نہیں ہے۔ تو بھی اختیار ہے۔ کہ اتنے کا غلہ خرید کر ایک مسکین کو دیدے یا اس کے بدلے ایک روزہ رکھ لے (درمختار ی۔ عالمگیری)

(۸) صید البحر۔ یعنی محرم کیلئے دریا کا شکار حلال ہے۔ اور خشکی کا حرام دریا کا شکار وہ جو پانی میں پیدا ہوا ہو۔ اگرچہ خشکی میں کبھی کبھی رہتا ہو۔ اور خشکی کا وہ جس کی پیدائش خشکی میں ہو۔ اگرچہ پانی میں رہتا ہو۔

بَابٌ إِذَا صَادَ الْحَلَالُ فَاهْدَى لِلْمُحْرِمِ الصَّيْدَ أَكَلَهُ وَلَمْ يَرَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَّأَنَسٌ بِالذَّبْحِ بَأْسًا وَهُوَ غَيْرُ الصَّيْدِ نَحْوُ الْإِبِلِ وَالْغَنَمِ وَالْبَقَرِ وَالدَّجَاجِ وَالْخَيْلِ يُقَالُ عَدْلُ ذَالِكَ مِثْلُ فَإِذَا كُسِرَتْ عِدْلٌ فَهُوَ زِنَةُ ذَالِكَ قِيَامًا قِوَامًا يَعْدِلُونَ يَجْعَلُونَ عَدْلًا عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ انْطَلَقَ أَبِي عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ فَأَحْرَمَ أَصْحَابُهُ

باب جب کہ بغیر احرام والا شکار کرے اور محرم کو تحفہ دے تو وہ کھا سکتا ہے اور حضرت ابن عباس اور حضرت انس نے کہا جو جانور شکار کا نہیں ہے مثلاً اونٹ گائے مرغی، گھوڑا تو احرام والا اس کو ذبح کر سکتا ہے۔ قرآن میں عدل اس کے معنے مثل یعنی برابر کے ہیں اور اگر عین کو زیر سے کر پڑھیں یعنی عدل تو اس کے معنے ہم وزن کے ہیں اور سورۃ مائدہ میں قیاماً قواماً کا معنے ان کا گذارا اور سورہ انعام میں، یعدلون کا معنے ہے کہ برابر کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن ابی قتادہ سے مروی ہے میرے والد

وَلَمْ يُحْرِمْ وَحُدِّثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ عَدُوًّا يَغْزُوهُ فَانْطَلَقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَيْنَمَا أَنَا مَعَ أَصْحَابِهِ تَضَحَّكَ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ فَنَظَرْتُ فَإِذَا أَنَا بِحِمَارِ وَحْشٍ فَحَمَلْتُ عَلَيْهِ فَطَعَنْتُهُ فَأَثْبَتُّهُ وَاسْتَعَنْتُ بِهِمْ فَأَبَوْا أَنْ يُعِينُونِي فَأَكَلْنَا مِنْ لَحْمِهِ وَخَشِينَا أَنْ نُقْتَطَعَ فَطَلَبْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْفَعُ فَرَسِي شَأْوًا وَأَسِيرُ شَأْوًا فَلَقِيتُ رَجُلًا مِنْ بَنِي غِفَارٍ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ قُلْتُ أَيْنَ تَرَكْتَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَرَكْتُهُ بِتَعْهِنَ وَهُوَ قَائِلٌ بِالسُّقْيَا فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ أَهْلَكَ يَقْرَءُونَ عَلَيْكَ السَّلَامَ وَرَحْمَةَ اللّٰهِ إِنَّهُمْ قَدْ خَشُوا أَنْ يُقْتَطَعُوا دُونَكَ فَانْتَظِرْهُمْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَصَبْتُ حِمَارَ وَحْشٍ وَعِنْدِي مِنْهُ فَاضِلَةٌ فَقَالَ لِلْقَوْمِ كُلُوا وَهُمْ مُحْرِمُونَ۔

حدیبیہ والے سال گئے انہوں نے احرام نہیں باندھ رکھا تھا۔ ان کے ساتھی احرام باندھے ہوئے تھے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا گیا کہ ایک دشمن آپ سے لڑنا چاہتا ہے۔ ابوقتادہ نے کہا پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم چلے میں بھی آپ کے اصحاب کے ساتھ تھا لتنے میں وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنسنے لگے میں نے جو دیکھا تو ایک گورخر جارہا ہے میں نے اس پر گھوڑا اٹھایا اور برچھے سے مار کر اس کو روک لیا میں نے اپنے ساتھیوں سے مدد چاہی انہوں نے میری مدد کرنے سے انکار کر دیا پھر ہم سب نے اس کا گوشت کھایا اور ہم ڈرے کہ کہیں نبی علیہ السلام جدا نہ ہوجائیں میں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈا کبھی گھوڑا تیز چلاتا تھا اور کبھی آہستہ آخر آدھی رات کے وقت قبیلۂ غفار کے ایک آدمی سے میری ملاقات ہوئی۔ میں نے پوچھا تو نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو کہاں چھوڑا ہے؟ اس نے کہا میں نے آپ کو تعہن میں چھوڑا ہے اور آپ کا ارادہ تھا کہ سقیا پہنچ کر دوپہر کا کھانا کھا کر آرام کریں (الغرض میری آپ سے ملاقات ہو گئی) میں نے کہا یارسول اللہ! آپ کے اصحاب نے آپ کو سلام عرض کیا ہے اور وہ ڈر رہے ہیں کہ کہیں آپ سے جُدا نہ ہوجائیں اس لئے آپ ان کا انتظار کیجئے پھر میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! میں نے ایک جنگلی گدھا مارا تھا اور اس کا کچھ بچا ہوا گوشت میرے پاس ہے آپ نے لوگوں سے فرمایا کھاؤ اور وہ احرام باندھے ہوئے تھے۔

بَابُ إِذَا رَأَى الْمُحْرِمُونَ صَيْدًا فَضَحِكُوا فَفَطِنَ الْحَلَالُ

باب احرام والے لوگ شکار دیکھ کر ہنس دیں اور بے احرام والا سمجھ جائے (اور شکار کر لے) تو وہ بھی کھا سکتے ہیں۔

اس عنوان کے ماتحت بھی امام بخاری نے وہی حدیث عبداللہ بن ابی قتادہ ذکر کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عبداللہ بن ابی قتادہ کہتے ہیں کہ میرے والد نے بیان کیا کہ ہم حدیبیہ کے دن حضور کے ہمراہ تھے آپ کے صحابہ احرام باندھے ہوئے تھے لیکن میں نے احرام نہیں باندھا تھا۔ جب ہم مقام غیقہ میں پہنچے تو میرے ساتھیوں نے ایک گورخر دیکھا اور ایک دوسرے

کو دیکھ کر ہنسنے لگے (ان کے ہنسنے سے جب میں نے ادھر نظر کی) تو گورخر کو دیکھا۔ اور میں نے اس کا شکار کر لیا۔ میں نے شکار پر قابو پانے میں ساتھیوں سے (جو کہ احرام باندھے ہوئے تھے) امداد چاہی۔ مگر انہوں نے مدد کرنے سے انکار کر دیا۔ بہرحال میں نے شکار کر لیا پھر ہم سب نے اس کا گوشت کھایا ــــــ اس کے بعد حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر میں نے عرض کی یا رسول اللہ

إِنَّا اصَدْنَا حِمَارَ وَحْشٍ وَّاِنَّ عِنْدَنَا فَاضِلَةً فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَصْحَابِهٖ كُلُوْا وَهُمْ مُحْرِمُوْنَ

ہم نے ایک گورخر کا شکار کیا اور ہمارے پاس اس کا بچا ہوا کچھ گوشت بھی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا کھاؤ۔ حالانکہ وہ احرام باندھے ہوئے تھے

(۱) امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اس حدیث کا ذکر کر کے یہ واضح کیا ہے کہ شکار سامنے ہو اور محرم ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنسنے لگیں۔ اور غیر محرم از خود یہ سمجھ جائے کہ شکار آ گیا ہے اور وہ شکار کر لے تو محرموں کا ہنسنا کسی اعانت یا اشارہ کے ضمن میں نہیں آتا۔

بَابٌ لَا يُعِيْنُ الْمُحْرِمُ الْحَلَالَ فِيْ قَتْلِ الصَّيْدِ

باب شکار کرنے میں محرم غیر محرم کی اعانت نہ کرے

عَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْقَاحَةِ وَمِنَّا الْمُحْرِمُ وَمِنَّا غَيْرُ الْمُحْرِمِ فَرَاَيْتُ اَصْحَابِيْ يَتَرَاءَوْنَ شَيْئًا فَنَظَرْتُ فَاِذَا حِمَارُ وَحْشٍ يَعْنِيْ وَقَعَ سَوْطُهٗ فَقَالُوْا لَا نُعِيْنُكَ عَلَيْهِ بِشَيْءٍ اِنَّا مُحْرِمُوْنَ فَتَنَاوَلْتُهٗ فَاَخَذْتُهٗ ثُمَّ اَتَيْتُ الْحِمَارَ مِنْ وَّرَاءِ اَكَمَةٍ فَعَقَرْتُهٗ فَاَتَيْتُ بِهٖ اَصْحَابِيْ فَقَالَ بَعْضُهُمْ كُلُوْا وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا تَاْكُلُوْا فَاَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ اَمَامَنَا فَسَاَلْتُهٗ فَقَالَ كُلُوْهُ حَلَالٌ۔

(بخاری)

ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقام قاحہ میں تھے۔ بعض اصحاب تو محرم تھے اور بعض غیر محرم۔ میں نے دیکھا کہ میرے ساتھی ایک دوسرے کو کچھ دکھا رہے ہیں۔ میں نے جو نظر اٹھائی تو ایک گورخر سامنے تھا۔ ان کی مراد یہ تھی کہ ان کا کوڑا گر گیا (اور اپنے ساتھیوں سے اسے اٹھانے کے لیے انہوں نے کہا) لیکن ساتھیوں نے کہا کہ ہم تمہاری مدد نہیں کر سکتے (کیونکہ محرم تھے) اس لیے میں نے خود اٹھا لیا۔ اس کے بعد میں اس گورخر کے پاس ایک ٹیلے کے پیچھے سے گیا اور اسے مار لیا۔ پھر میں اسے اپنے ساتھیوں کے پاس لایا۔ بعض نے تو یہ کہا کہ (ہمیں بھی) کھا لینا چاہیے۔ لیکن بعضوں نے کہا کہ نہ کھانا چاہیے پھر میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ آپ ہم سے آگے تھے میں نے آپ سے مسئلہ پوچھا

تو آپ نے بتایا کہ کھا لو یہ حلال ہے۔

فوائد و مسائل (۱) واضح ہو کہ محرم کو خشکی کے وحشی جانور کا شکار کرنا۔ یا اس کی طرف شکار کرنے کو اشارہ کرنا۔ یا کسی اور طرح بتانا یہ سب کام حرام ہیں اور سب میں کفارہ واجب ہے (۲) عنوان اور زیر عنوان حدیثوں سے یہ بتانا مقصود ہے کہ غیر محرم نے شکار کیا تو محرم اسے کھا سکتا ہے اگرچہ غیر محرم نے محرم ہی کے لیے شکار کیا ہو۔ مگر شرط یہ ہے محرم نے نہ اسے شکار کا پتہ چلایا نہ حکم کیا اور نہ کسی طرح اس کام میں اعانت کی ہو۔ اور یہ بھی واضح ہوا کہ محرم کو گائے۔ بکری ایسی جانوروں کا گوشت کھانا جائز ہے ۔

بَابُ لَا يُشِيْرُ الْمُحْرِمُ اِلَى الصَّيْدِ لِكَيْ يَصْطَادَهُ الْحَلَالُ

باب غیر محرم کے شکار کرنے کے لیے، محرم شکار کی طرف اشارہ نہ کرے

ابِي قَتَادَةَ اَنَّ اَبَاهُ اَخْبَرَهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ حَاجًّا فَخَرَجُوْا مَعَهُ فَصَرَفَ طَائِفَةً مِّنْهُمْ فِيْهِمْ اَبُوْ قَتَادَةَ فَقَالَ خُذُوْا سَاحِلَ الْبَحْرِ حَتّٰى نَلْتَقِيَ فَاَخَذُوْا سَاحِلَ الْبَحْرِ فَلَمَّا انْصَرَفُوْا اَحْرَمُوْا كُلُّهُمْ اِلَّا اَبُوْ قَتَادَةَ لَمْ يُحْرِمْ فَبَيْنَمَا هُمْ يَسِيْرُوْنَ اِذْ رَاَوْا حُمُرَ وَحْشٍ فَحَمَلَ اَبُوْ قَتَادَةَ عَلَى الْحُمُرِ فَعَقَرَ مِنْهَا اَتَانًا فَنَزَلُوْا فَاَكَلُوْا مِنْ لَحْمِهَا وَقَالُوْا اَنَاْكُلُ لَحْمَ صَيْدٍ وَّنَحْنُ مُحْرِمُوْنَ فَحَمَلْنَا مَا بَقِيَ مِنْ لَحْمِ الْاَتَانِ فَلَمَّا اَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا كُنَّا اَحْرَمْنَا وَقَدْ كَانَ اَبُوْ قَتَادَةَ لَمْ يُحْرِمْ فَرَاَيْنَا حُمُرَ وَحْشٍ فَحَمَلَ عَلَيْهَا اَبُوْ قَتَادَةَ فَعَقَرَ مِنْهَا اَتَانًا فَنَزَلْنَا فَاَكَلْنَا مِنْ لَحْمِهَا ثُمَّ قُلْنَا اَنَاْكُلُ لَحْمَ صَيْدٍ وَّنَحْنُ مُحْرِمُوْنَ فَحَمَلْنَا مَا بَقِيَ مِنْ لَحْمِهَا قَالَ مِنْكُمْ اَحَدٌ اَمَرَهُ اَنْ يَّحْمِلَ عَلَيْهَا اَوْ اَشَارَ اِلَيْهَا قَالُوْا لَا

مجھے عبداللہ بن ابی قتادہ نے خبر دی اور انہیں ان کے والد نے خبر دی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عمرہ کا ارادہ کرکے نکلے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آں حضور نے صحابہ کی ایک جماعت کو جس میں ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بھی تھے یہ ہدایت دے کر بھیجا کہ دریا کے کنارے ہو کر جاؤ اور دشمن کا پتہ لگاؤ پھر ہم سے آملو۔ چنانچہ یہ جماعت دریا کے کنارے سے ہو کر چلی۔ واپسی میں سب نے احرام باندھ لیا تھا۔ لیکن ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے ابھی احرام نہیں باندھا تھا۔ یہ قافلہ چل رہا تھا کہ چند گورخر دکھائی دیئے۔ ابو قتادہ ان پر جھپٹ پڑے اور ایک مادہ کا شکار کر لیا۔ پھر ایک جگہ ٹھہر کر اس کا گوشت کھایا۔ اب یہ خیال آیا کیا ہم محرم ہونے کے باوجود شکار کا گوشت کھا بھی سکتے ہیں؟ چنانچہ جو کچھ گوشت باقی بچا وہ ہم ساتھ لائے۔ اور جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو عرض کی۔ یا رسول اللہ! ہم سب لوگ تو محرم تھے لیکن ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے احرام نہیں باندھا تھا۔ پھر ہم نے کچھ گورخر دیکھے۔ اور ابو قتادہ نے ان پر حملہ کرکے ایک مادہ کا شکار کر لیا۔ اس کے بعد ایک

قَالَ فَكُلُوا مَا بَقِيَ مِنْ لَحْمِهَا۔
(بخاری)

مگر ہم نے قیام کیا اور اس کا گوشت کھایا۔ پھر خیال آیا کہ کیا ہم محرم ہونے کے باوجود شکار کا گوشت کھا بھی سکتے ہیں؟ اس لیے جو کچھ گوشت باقی بچا وہ ہم ساتھ لائے ہیں۔ آپ نے پوچھا کیا تم میں سے کسی نے شکار کرنے کے لیے کہا تھا؟ یا کسی نے اس کی طرف اشارہ کیا تھا؟ سب نے کہا کہ نہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ پھر باقی ماندہ گوشت بھی کھالو۔

بَابُ إِذَا أَهْدَى لِلْمُحْرِمِ حِمَارًا وَحْشِيًّا حَيًّا لَمْ يَقْبَلْ

باب اگر محرم کو کوئی زندہ گورخر تحفۃً دے تو قبول نہ کرے

صعب بن جثامہ لیثی سے مروی ہے۔ انہوں نے بحضور نبوی ایک گورخر بطور ہدیہ ارسال کیا۔ حضور علیہ السلام اس وقت ابواء میں یا ودان میں جلوہ فرما تھے آپ نے اس کو واپس کر دیا۔

فَلَمَّا رَأَى مَا فِي وَجْهِهِ قَالَ إِنَّا لَمْ نَرُدَّهُ عَلَيْكَ إِلَّا أَنَّا حُرُمٌ
(بخاری)

جب آپ نے ان کے چہرے پر ملال کے آثار دیکھے تو فرمایا چونکہ ہم نے احرام باندھ رکھا ہے اس لیے واپس کر دیا ورنہ واپس نہ کرتے۔

فوائد و مسائل اس حدیث سے شعبی، طاؤس، مجاہد، جابر بن زید، لیث بن سعد، امام ثوری، امام مالک و اسحاق (فی روایۃ) نے استدلال کیا کہ محرم کو غیر محرم کا شکار کیا ہوا کھانا جائز نہیں ہے (۲) اور حضرت عطا و سعید بن جبیر امام ابو حنیفہ و ابو یوسف و محمد و احمد فرماتے ہیں کہ غیر محرم کا کیا ہوا شکار محرم کھا سکتا ہے یہ حضرات ان متعدد حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں جو اوپر گزر چکی ہیں ——— اور زیر بحث حدیث سے صرف اس قدر واضح ہوتا ہے کہ غیر محرم، محرم کو زندہ جانور نہیں دے سکتا یعنی محرم کو غیر محرم صید تو دے سکتا ہے مگر نفس صید تو نہیں دے سکتا۔ مزید تشریح و تفصیل کے لیے شرح معانی الآثار باب صید الحلال للمحرم کا مطالعہ کیجیے۔

(۳) اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ کسی عذر معقول کی بنا پر ہدیہ کا نہ قبول کرنا جائز ہے البتہ واپس کرتے وقت عذر کردے تاکہ ہدیہ دینے والے کو ملال نہ ہو۔

بَابُ مَا يَقْتُلُ الْمُحْرِمُ مِنَ الدَّوَابِّ

باب محرم کون سے جانور مار سکتا ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

قَالَ خَمْسٌ مِنَ الدَّوَابِّ لَيْسَ عَلَى الْمُحْرِمِ فِي قَتْلِهِنَّ جُنَاحٌ (بخاری)

قَالَتْ حَفْصَةُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسٌ مِنَ الدَّوَابِّ لَا حَرَجَ عَلَى مَنْ قَتَلَهُنَّ الْغُرَابُ وَالْحِدَأَةُ وَالْفَأْرَةُ وَالْعَقْرَبُ وَالْكَلْبُ الْعَقُورُ (بخاری)

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَمْسٌ مِنَ الدَّوَابِّ كُلُّهُنَّ فَاسِقٌ يَقْتُلُهُنَّ فِي الْحَرَمِ الْغُرَابُ وَالْحِدَأَةُ وَالْعَقْرَبُ وَالْفَأْرَةُ وَالْكَلْبُ الْعَقُورُ (بخاری)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَارٍ بِمِنًى إِذْ نَزَلَ عَلَيْهِ وَالْمُرْسَلَاتِ وَإِنَّهُ لَيَتْلُوهَا وَإِنِّي لَأَتَلَقَّاهَا مِنْ فِيهِ وَإِنَّ فَاهُ لَرَطْبٌ بِهَا إِذْ وَثَبَتْ عَلَيْنَا حَيَّةٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْتُلُوهَا فَابْتَدَرْنَاهَا فَذَهَبَتْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وُقِيَتْ شَرَّكُمْ كَمَا وُقِيتُمْ شَرَّهَا قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ إِنَّمَا أَرَدْنَا بِهٰذَا أَنَّ مِنًى مِنَ الْحَرَمِ وَإِنَّهُمْ لَمْ يَرَوْا بِقَتْلِ الْحَيَّةِ بَأْسًا (بخاری)

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلْوَزَغِ فُوَيْسِقٌ وَلَمْ أَسْمَعْهُ أَمَرَ بِقَتْلِهِ (بخاری)

پانچ جانور ایسے ہیں کہ جن کے مار ڈالنے میں محرم پر کوئی گناہ نہیں۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ جانور ایسے ہیں جنہیں مارنے میں کوئی حرج نہیں۔ کوا، چیل، چوہا، بچھو اور کاٹ کھانے والا کتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ پانچ جانور بدذات ہیں۔ ان کو حرم میں بھی مار ڈالنا چاہیے۔ کوا، چیل اور بچھو اور چوہا اور کٹنا کتا۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا۔ ایسا ہوا ایک بار ہم منیٰ میں جب مدینہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ اتنے میں سورہ والمرسلت عرفا آپ پر اتری۔ آپ اس کو پڑھ رہے تھے اور میں آپ کے منہ سے سن کر سیکھ رہا تھا۔ آپ کا منہ اس کے پڑھنے سے تروتازہ تھا۔ یکایک ایک سانپ ہم پر کودا۔ آپ نے فرمایا اس کو مار ڈالو۔ ہم لوگ اس پر لپکے وہ چل دیا۔ تب آپ نے فرمایا وہ تمہاری زد سے بچ گیا اور تم اس کی زد سے بچ رہے۔

امام بخاری نے کہا ہمارا مطلب اس حدیث کے لانے سے یہ ہے کہ منیٰ حرم میں داخل ہے اور صحابہ نے اس کے مارنے میں کوئی قباحت نہیں دیکھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بی بی تھیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا چھپکلی (بدکار) موذی ہے۔ میں نے یہ نہیں سنا کہ آپ نے اس کے مار ڈالنے کا حکم دیا۔

فوائد و مسائل اصحاب دابۃ کی جمع ہے جو بھی زمین پر چلے اس کو دابہ کہتے ہیں۔ اور یہ لفظ مذکر و مونث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے (۲) اگر کہا جائے عنوان میں حیوان کا لفظ لاتے تو اچھا تھا کیونکہ زیر عنوان احادیث میں چیل اور کتے کا ذکر بھی ہے۔ جواب یہ ہے کہ چونکہ زیر عنوان احادیث میں زیادہ تر دواب کا ذکر ہے۔ اس لیے عنوان دواب سے قائم کردیا (۳) ان احادیث سے واضح ہوا کہ محرم کو خبیث و موذی جانوروں کا مارنا جائز ہوا تو غیر محرم کو تو بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔ نیز جب حرم میں ان موذی جانوروں کو مارنا جائز ہے تو غیر حرم میں بھی جائز قرار پائے گا (۴) چھپکلی کے متعلق سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے چھپکلی کے مارنے کی اجازت دی ہے (مسلم شریف)

فائدہ مذکورہ بالا پانچ جانوروں کو حضور علیہ السلام نے فاسق قرار دیا ہے۔ از روئے لغت فسق کے معنی خروج کے ہیں۔ عرب بولتے ہیں فسقت الرطبۃ اذا خرجت عن قشرھا۔ اور قرآن مجید میں ہے ففسق عن امر ربہ ای خرج آدمی کو فاسق اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے رب کی اطاعت سے نکل جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہو جاتا ہے۔ اور مذکورہ بالا جانوروں کو فاسق اس معنی فرمایا گیا ہے کہ یہ اس حرمت سے خارج ہو گئے ہیں جو دوسرے جانوروں کے لئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذکورہ فی الحدیث جانوروں کو حرم میں مارنا جائز ہے۔

غراب: کوّا نہایت دھوکہ باز شریر جانور ہے دھوکے سے اونٹ کی آنکھ پھوڑ دیتا ہے۔ بچوں کے ہاتھ سے روٹی چھین لیتا ہے گندگی کھاتا ہے۔ کھانے کی چیزوں کو خراب کر دیتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے بھی اس کو فاسق قرار دیا ہے۔ تعجب ہے کہ بعض علمائے دیوبند اس کوے کو حلال بلکہ اس کے کھانے کو کار ثواب قرار دیتے ہیں۔ سانپ، بچھو اور پاگل کتا بھی موذی جانور ہیں۔ چیل بھی کوے کی طرح ہی ہے۔ چوہا کھانے کی چیزوں کو برباد کر دیتا ہے۔ قیمتی سے قیمتی کپڑے، کاغذات وغیرہ کاٹ دیتا ہے۔ چراغ کی بتی لے اٹھتا ہے جس کی وجہ سے بعض اوقات گھروں کو آگ لگ جاتی ہے۔ بہر حال انہی وجوہات کی بنا پر ان جانوروں کو فاسق قرار دیا گیا ہے۔

بَابُ لَا يُعْضَدُ شَجَرُ الْحَرَمِ

باب حرم کے درخت نہ کاٹے جائیں

اس عنوان کے ماتحت امام بخاری نے وہی حدیث درج کی ہے جو فیوض الباری پارہ اول صفحہ ۲۹۲ باب لیبلغ الشاھد الغائب میں مع تشریح اور ترجمانی کے گذر چکی ہے۔ اس حدیث میں حضور علیہ السلام نے حرم میں خون بہانا اور یہاں کے

حرم کے احکام درخت کاٹنا ممنوع قرار دیا ہے جس سے واضح ہوا کہ مکہ معظمہ کے اردگرد کئی کوس تک جو حرم کا جنگل ہے اور جس کی حدیں بنی ہوئی ہیں۔ ان حدوں کے اندر تر گھاس اکھیڑنا۔ خودرو پیڑ کاٹنا وہاں کے وحشی جانوروں کو تکلیف دینا حرام ہے۔ حتیٰ کہ اگر سخت دھوپ ہے اور ایک ہی درخت ہے جس کے سایہ میں ہرن بیٹھا ہے۔ تو یہ جائز نہیں ہے کہ اپنے بیٹھنے کے لئے اس ہرن کو وہاں سے اٹھائے۔

بَابُ لَا يُنَفَّرُ صَيْدُ الْحَرَمِ

باب حرم کے شکار کو ستایا نہ جائے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ مَكَّةَ فَلَمْ تَحِلَّ لِاَحَدٍ قَبْلِيْ وَلَا تَحِلُّ لِاَحَدٍ بَعْدِيْ وَاِنَّمَا اُحِلَّتْ لِيْ سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ لَا يُخْتَلٰى خَلَاهَا وَلَا يُعْضَدُ شَجَرُهَا وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا وَلَا تُلْتَقَطُ لُقَطَتُهَا اِلَّا لِمُعَرِّفٍ وَقَالَ الْعَبَّاسُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِلَّا الْاِذْخِرَ لِصَاغَتِنَا وَقُبُوْرِنَا فَقَالَ اِلَّا الْاِذْخِرَ وَعَنْ خَالِدٍ عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ هَلْ تَدْرِيْ مَا لَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا هُوَ اَنْ يُّنَحِّيَهُ مِنَ الظِّلِّ يَنْزِلُ مَكَانَهُ۔ (بخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے مکہ کو حرمت عطا فرمائی ہے۔ اس لیے میرے بعد بھی کسی کے لیے حلال نہیں ہوگا میرے لیے صرف ایک دن تھوڑی دیر کے لیے حلال ہوا تھا اس لیے اس کی گھاس نہ اکھاڑی جائے اس کے درخت نہ کاٹے جائیں اس کے شکار نہ بھڑکائے جائیں اور نہ وہاں گری ہوئی کوئی چیز اٹھائی جائے البتہ اعلان کرنے والا اٹھا سکتا ہے (تاکہ اصل مالک تک پہنچا دے) عباس رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ اذخر کی اجازت ہمارے کاریگروں اور ہماری قبروں کے لیے دے دیجئے تو آپ نے فرمایا کہ اذخر کی اجازت ہے۔ خالد نے روایت کی کہ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا معلوم ہے شکار کو نہ بھڑکانے سے کیا مراد ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کہیں کوئی جانور سایہ میں بیٹھا ہوا ہے تو اسے سایہ سے بھگا کر خود وہاں قیام نہ کرنا چاہیے۔

بَابُ لَا يَحِلُّ الْقِتَالُ بِمَكَّةَ

باب مکہ میں جنگ جائز نہیں

وَقَالَ اَبُوْ شُرَيْحٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَسْفِكُ بِهَا دَمًا۔

ابو شریح رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے بیان کیا۔ کہ وہاں خون نہ بہایا جائے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ افْتَتَحَ مَكَّةَ لَا هِجْرَةَ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَّنِيَّةٌ وَّاِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا فَاِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ حَرَّمَ اللّٰهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَهُوَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقعہ پر فرمایا۔ اب ہجرت نہیں رہی لیکن (اچھی) نیت کے ساتھ جہاد اب بھی باقی ہے اس لئے جب تمہیں جہاد کے لیے بلایا جائے تو تیار ہو جانا۔ اس شہر (مکہ) کو اللہ تعالیٰ نے اسی دن حرمت

حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَإِنَّهُ لَمْ يَحِلَّ الْقِتَالُ فِيهِ لِأَحَدٍ قَبْلِي وَلَمْ يَحِلَّ لِي إِلَّا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا يُعْضَدُ شَوْكُهُ وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهُ وَلَا يَلْتَقِطُ لُقَطَتَهُ إِلَّا مَنْ عَرَّفَهَا وَلَا يُخْتَلٰى خَلَاهَا قَالَ الْعَبَّاسُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِلَّا الْإِذْخِرَ فَإِنَّهُ لِقَيْنِهِمْ وَلِبُيُوتِهِمْ قَالَ قَالَ إِلَّا الْإِذْخِرَ

(بخاری)

عطا کی تھی جس دن اس نے زمین اور آسمان پیدا کیے تھے۔ اس لیے یہ اللہ کی دی ہوئی حرمت کی وجہ سے حرام ہے یہاں کسی کے لیے بھی مجھ سے پہلے جنگ جائز نہیں تھی اور مجھے بھی ایک دن صرف تھوڑی دیر کے لیے اجازت ملی تھی۔ اس سبب یہ شہر اللہ کی قائم کی ہوئی حرمت کی وجہ سے قیامت تک کے لیے حرام ہے۔ نہ اس کا کانٹا کاٹا جائے۔ نہ اس کے شکار بھگائے جائیں اور اس شخص کے سوا جو اعلان کا ارادہ رکھتا ہو کوئی یہاں کی گری پڑی چیز نہ اٹھائے اور نہ یہاں کی گھاس اکھاڑی جائے۔ عباس رضی اللہ عنہ بولے یا رسول اللہ اذخر (ایک گھاس) کی اجازت دے دیجیے کیونکہ یہ کاریگروں اور گھروں کے لیے ضروری ہے تو آپ نے فرمایا اذخر کی اجازت ہے۔

فوائد و مسائل مذکورہ عنوان کے تحت احادیث سے واضح ہوا:

حرم کی گھاس۔ درخت کاٹنا۔ اکھیڑنا۔ وہاں کے وحشی جانور کا شکار کرنا۔ اس کو ہانکنا۔ ستانا۔ ایذا دینا اور وہاں قتل و قتال حرام ہونا چاہیے۔

(۱) یہ جو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے اب جبکہ مکہ دار السلام ہو گیا ہے۔ تو اب وہاں سے ہجرت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ جہاد کا ثواب نیت کی درستی کے ساتھ قیامت تک باقی رہے گا۔

(۲) مکہ میں قتل و قتال ممنوع ہے۔ حضور علیہ السلام کو اللہ کی طرف سے صرف ایک ساعت کے لیے (جس کی مقدار طلوع آفتاب سے عصر تک تھی) اجازت ملی تھی۔ اور اس ساعت میں ابن خطل وغیرہ بحکم نبوی قتل کیے گئے تھے اس کے بعد یہ اجازت کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی۔

(۳) اذخر ایک قسم کی گھاس ہے۔ جناب سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی استدعا پر حضور علیہ السلام نے حرم میں اذخر گھاس کے کاٹنے کی اجازت مرحمت فرما دی جس سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہ اختیار دیا ہے کہ ممنوعات میں سے جس چیز کو چاہیں حلال قرار دے دیں، چنانچہ علامہ عینی نے ایک قول یہ بھی لکھا ہے کان اللہ تعالیٰ فوض الیہ الحکم فی ھذہ المسئلۃ مطلقاً (عینی ج ۵ ص ۹۵)

بَابُ الْحِجَامَةِ لِلْمُحْرِمِ

باب محرم کا پچھنا لگوانا

وَكَوَى ابْنُ عُمَرَ ابْنَهُ وَهُوَ مُحْرِمٌ وَيَتَدَاوَى مَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ طِيبٌ۔ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُولُ احْتَجَمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ ابْنِ بُحَيْنَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ احْتَجَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ بِلَحْيِ جَمَلٍ فِي وَسَطِ رَأْسِهِ (بخاری)

حضرت ابن عمر نے اپنے بیٹے کو داغ دیا حالانکہ وہ محرم تھے ــــ اور محرم ایسی دوا لگا سکتا ہے جس میں خوشبو نہ ہو ــــ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے بحالت احرام پچھنا لگوایا۔ ــــ حضرت ابن بحینہ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے بحالت احرام سر کے بیچ میں بمقام لحی جمل پچھنا لگوایا تھا

فوایدو مسایل لحی جمل، مدینہ اور مکہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے (۲) حضرت ابن عمر کو جا ہے تھے ان کے صاحبزادے واقد بن عبداللہ اثنائے سفر میں بیمار ہو گئے۔ اور عرب میں اس بیماری کا علاج داغ لگانا تھا۔ اس لیے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا علاج داغ لگانے سے کیا ــــ ان احادیث سے واضح ہوا کہ بحالت احرام ایسی دوا استعمال کرنا جس میں خوشبو نہ ہو جائز ہے۔ پچھنے لگانا بھی جائز ہے۔ جبکہ جس جگہ پچھنا لگانا ہے وہاں کے بال نہ کاٹنے پڑیں۔ اگر بال کاٹنے پڑے تو اس جرم کی تلافی صدقہ سے ہو گی۔ حضرت عطاء۔ مسروق۔ ابراہیم۔ طاوس۔ شعبی۔ ثوری اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی مسلک ہے۔

بَابُ تَزْوِيجِ الْمُحْرِمِ

باب بحالت احرام نکاح کرنے کے متعلق

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَ مَيْمُونَةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ (بخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم علیہ السلام نے جب حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا تو آپ محرم تھے۔

اس حدیث سے واضح ہوا۔ کہ بحالت احرام نکاح کر سکتے ہیں۔ لیکن جماع جائز نہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صرف نکاح بھی ممنوع ہے امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اس مسئلہ میں کہ محرم کو عقد نکاح درست ہے امام اعظم ابو حنیفہ اور اہل کوفہ سے اتفاق کیا ہے۔

بَابُ مَا يُنْهَى مِنَ الطِّيبِ لِلْمُحْرِمِ وَالْمُحْرِمَةِ

محرم مرد اور عورت کے لیے کس طرح کی خوشبو کے استعمال کی ممانعت ہے

وَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا لَا تَلْبَسُ الْمُحْرِمَةُ ثَوْبًا بِوَرْسٍ أَوْ زَعْفَرَانٍ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ محرم عورت ورس یا زعفران میں رنگا ہوا کپڑا نہ پہنے۔ (بخاری)

(۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَاذَا تَأْمُرُنَا اَنْ نَلْبَسَ مِنَ الثِّیَابِ فِی الْاِحْرَامِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَلْبَسِ الْقَمِیْصَ وَلَا السَّرَاوِیْلَاتِ وَلَا الْعَمَائِمَ وَلَا الْبَرَانِسَ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ اَحَدٌ لَیْسَتْ لَہٗ نَعْلَانِ فَلْیَلْبَسِ الْخُفَّیْنِ وَلْیَقْطَعْ اَسْفَلَ مِنَ الْکَعْبَیْنِ وَلَا تَلْبَسُوْا شَیْئًا مَّسَّہٗ زَعْفَرَانٌ وَلَا الْوَرْسُ وَلَا تَنْتَقِبِ الْمَرْاَۃُ الْمُحْرِمَۃُ وَلَا تَلْبَسِ الْقُفَّازَیْنِ تَابَعَہٗ مُوْسَی ابْنُ عُقْبَۃَ وَاِسْمٰعِیْلُ بْنُ اِبْرَاہِیْمَ ابْنِ عُقْبَۃَ وَجُوَیْرِیَۃُ وَابْنُ اِسْحٰقَ فِی النِّقَابِ وَالْقُفَّازَیْنِ وَقَالَ عُبَیْدُ اللّٰہِ وَلَا وَرْسٌ وَّکَانَ یَقُوْلُ لَا تَتَنَقَّبِ الْمُحْرِمَۃُ وَلَا تَلْبَسِ الْقُفَّازَیْنِ وَقَالَ مَالِکٌ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ لَا تَتَنَقَّبِ الْمُحْرِمَۃُ وَتَابَعَہٗ لَیْثُ ابْنُ اَبِیْ سُلَیْمٍ (بخاری)

(۲) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ وَقَصَتْ بِرَجُلٍ مُّحْرِمٍ نَّاقَتُہٗ فَقَتَلَتْہُ فَاُتِیَ بِہٖ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اغْسِلُوْہُ وَکَفِّنُوْہُ وَلَا تُغَطُّوْا رَاْسَہٗ وَلَا تُقَرِّبُوْہُ طِیْبًا فَاِنَّہٗ یُبْعَثُ یُہِلُّ۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر پوچھا۔ یا رسول اللہ! حالت احرام میں ہمیں کس طرح کے کپڑے پہننے کی آپ اجازت دیتے ہیں؟ آنحضور نے فرمایا کہ نہ قمیص پہنو، نہ پاجامے، نہ عمامے اور نہ برنس۔ اگر کسی کے پاس چپل نہ ہوں تو وہ چمڑے کے موزوں کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ کر پہن سکتا ہے۔ اسی طرح کوئی ایسا لباس نہ پہنو جس میں زعفران یا ورس لگا ہوا ہو احرام کی حالت میں عورتیں نقاب نہ ڈالیں اور دستانے بھی نہ پہنو۔ اس روایت کی متابعت موسیٰ بن عقبہ، اسماعیل بن ابراہیم بن عقبہ، جویریہ اور ابن اسحاق نے نقاب اور دستانوں کے ذکر کے سلسلے میں کی ہے۔ عبیداللہ نے "ولا ورس" بیان کیا وہ بیان کرتے تھے کہ احرام کی حالت میں عورت نہ نقاب ڈالے۔ اور نہ دستانے استعمال کرے۔ مالک نے اس سے اور انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کے واسطے سے بیان کیا۔ کہ احرام کی حالت میں عورت نقاب نہ ڈالے۔ اس کی متابعت لیث بن ابی سلیم نے کی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ایک محرم شخص کے اونٹ نے حجۃ الوداع کے موقع پہ گرا کر اس کی گردن توڑ دی اور اسے جان سے مار دیا۔ اس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ انہیں غسل اور کفن دے دو لیکن ان کا سر نہ ڈھکو اور نہ خوشبو لگاؤ، کیونکہ قیامت میں یہ صاحب لبیک کہتے ہوئے اٹھیں گے۔

(۱) اس حدیث میں بحالت احرام حسب ذیل امور کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ محرم کو سلے ہوئے کپڑے پہننا قمیص، پاجامہ، عمامہ، کوٹ وغیرہ۔ خوشبو کا استعمال۔ ایسا کپڑا پہننا جو زعفران یا ورس سے رنگا ہوا ہو۔ اسی طرح موزے کا استعمال بھی ناجائز ہے۔ اگر چپل نہ [illegible] تو چمڑے کے موزے کو ٹخنوں سے نیچے کاٹ کر پہن سکتا ہے۔ عورت کو بحالت احرام نقاب ڈالنا اور موزے پہننا ممنوع ہے۔ واضح ہو کہ احرام کی حالت میں عورت کو بھی منہ چھپانا حرام ہے۔ البتہ نامحرم کے آگے کوئی پنکھا وغیرہ کی آڑ کر کے (اس طرح کہ وہ پنکھا منہ سے بالکل علیحدہ رہے) پردہ کرنا چاہیئے۔

(۲) حدیث نمبر ۲ سے یہ استدلال کیا گیا ہے۔ محرم مرنے کے بعد بھی احرام پر باقی رہتا ہے اسی لیے حضور علیہ السلام نے اس کے متعلق فرمایا۔ اس کا سر نہ ڈھانکو اور اس کو خوشبو نہ لگاؤ ——— لیکن احناف یہ کہتے ہیں کہ یہ بات اسی شخص کے لیے تھی۔ یہ حکم عام نہیں ہے۔ چنانچہ امام ابو حنیفہ، امام مالک اور اوزاعی کا مسلک یہ ہے کہ مرنے کے بعد محرم اپنے احرام پر باقی نہیں رہتا۔ اور دلیل ان کی یہ دی ہے کہ اگر یہ حکم عام ہوتا تو حضور علیہ السلام فان المحرم کا لفظ استعمال فرماتے۔ جیسا کہ شہید کے متعلق فرمایا ان الشہید یبعث و جرحہ یثعب دما (عینی جلد ۵ ص ۱۰۵)

بَابُ الْاِغْتِسَالِ لِلْمُحْرِمِ

باب محرم کو غسل کرنا جائز ہے؟

(۱) وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَدْخُلُ الْمُحْرِمُ الْحَمَّامَ وَلَمْ يَرَ ابْنُ عُمَرَ وَعَائِشَةُ بِالْحَكِّ بَاْسًا۔

(بخاری)

حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ محرم غسل کے لیے حمام میں جا سکتا ہے۔ جناب عائشہ صدیقہ و ابن عمر محرم کا اپنے بدن کو کھجانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

(۲) اس عنوان کے ماتحت دوسری حدیث کے ابتدائی جملوں کا ترجمہ ہے۔
عبداللہ بن عباس اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہم کا مقام ابواء میں (ایک مسئلہ پر) اختلاف ہوا عبداللہ بن عباس تو یہ کہتے تھے کہ محرم اپنا سر دھو سکتا ہے۔ لیکن مسور کا کہنا تھا کہ محرم کو سر نہ دھونا چاہیئے۔ پھر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے مجھے ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے یہاں (مسئلہ پوچھنے کے لیے) بھیجا۔ جب میں ان کی خدمت میں پہنچا۔ تو وہ کنوئیں کے کنارے غسل کر رہے تھے۔ ایک کپڑے سے انہوں نے پردہ کر رکھا تھا۔ میں نے پہنچ کر سلام کیا تو انہوں نے دریافت فرمایا کہ کون ہو؟ میں نے عرض کی کہ میں عبداللہ بن حنین ہوں۔ آپ کی خدمت میں مجھے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بھیجا ہے یہ دریافت کرنے کے لیے کہ احرام کی حالت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سر

لے یعنی محرم کو موزے یا جرابیں وغیرہ جو وسط قدم کو چھپائیں (جہاں عربی جوتے کا تسمہ ہوتا ہے) پہننا حرام ہے اور اگر جوتیاں نہ ہوں تو موزے کو کاٹ کر پہنے کہ تسمہ کی جگہ نہ چھپے ۱۲

مبارک کس طرح دھوتے تھے۔

فَوَضَعَ اَبُوْ اَیُّوْبَ یَدَهٗ عَلَی الثَّوْبِ فَطَاطَاهٗ حَتّٰی بَدَا لِیْ رَاْسُهٗ ثُمَّ قَالَ لِاِنْسَانٍ یَصُبُّ عَلَیْهِ اُصْبُبْ فَصَبَّ عَلٰی رَاْسِهٖ ثُمَّ حَرَّكَ رَاْسَهٗ بِیَدَیْهِ فَاَقْبَلَ بِهِمَا وَاَدْبَرَ قَالَ هٰكَذَا رَاَیْتُهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَفْعَلُ۔

(بخاری)

انہوں نے کپڑے پر جس سے پردہ تھا ہاتھ رکھ کر اسے نیچے کیا۔ اب آپ کا سر دکھائی دے رہا تھا جو شخص ان کے بدن پر پانی ڈال رہا تھا اس سے انہوں نے پانی ڈالنے کے لیے کہا اس نے ان کے سر پر پانی ڈالا پھر انہوں نے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے ہلایا اور دونوں ہاتھ آگے لے گئے اور پیچھے لائے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے دیکھا تھا احرام کی حالت میں)

فواید و مسایل (۱) اس حدیث سے واضح ہوا کہ محرم کو حالت احرام میں غسل کرنا جائز ہے۔ اور یہ کہ بدن کو اس طرح کھجانا کہ بال نہ ٹوٹے جائز ہے (۲) حضرت ابن عمر کے اثر کو امام بیہقی نے اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اثر کو امام مالک نے موصل کیا ہے۔ واضح ہو کہ اس پر اجماع ہے کہ اگر محرم جنبی ہو جائے تو اس کو غسل کرنا فرض ہے۔

(۲) حدیث مذکورہ بالا سے یہ بھی واضح ہوا کہ بحالت احرام غسل کرنا (۳) بدن کو اس طرح ملنا کہ بال نہ ٹوٹے جائز ہے اختلاف کی صورت میں صحابہ کرام نص کی طرف رجوع کرتے تھے (۵) خبر واحد کو قبول کرنا چاہیے (۶) فاضل کی فضیلت کا اعتراف کرنا اور احکام میں فیصلہ کے لیے منصف بنانا جائز ہے (۷) بوقت غسل پردہ ضروری ہے (۸) حسب ضرورت وضو و غسل میں کسی دوسرے سے مدد لینی جائز ہے۔ اور یہ کہ بحالت غسل سلام و کلام جائز ہے۔

بَابُ لُبْسِ الْخُفَّیْنِ لِلْمُحْرِمِ اِذَا لَمْ یَجِدِ النَّعْلَیْنِ

باب محرم کے پاس جب جوتیاں نہ ہوں تو وہ موزے پہن سکتا ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَخْطُبُ بِعَرَفَاتٍ مَنْ لَمْ یَجِدِ النَّعْلَیْنِ فَلْیَلْبَسِ الْخُفَّیْنِ وَمَنْ لَمْ یَجِدْ اِزَارًا فَلْیَلْبَسْ سَرَاوِیْلَ لِلْمُحْرِمِ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ عرفات میں خطبہ دے رہے تھے کہ جس کے پاس جوتیاں نہ ہوں وہ موزے پہن لے اور جس کے پاس تہبند نہ ہو وہ شلوار پہن لے (آپ یہ حکم) محرم کے لیے فرما رہے تھے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا

مَا یَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّیَابِ فَقَالَ لَا یَلْبَسِ الْقَمِیْصَ وَلَا الْعَمَائِمَ وَلَا السَّرَاوِیْلَاتِ وَلَا الْبُرْنُسَ وَلَا ثَوْبًا مَسَّہٗ زَعْفَرَانٌ وَلَا وَرْسٌ وَاِنْ لَمْ یَجِدْ نَعْلَیْنِ فَلْیَلْبَسِ الْخُفَّیْنِ وَلْیَقْطَعْہُمَا حَتّٰی یَکُوْنَا اَسْفَلَ مِنَ الْکَعْبَیْنِ۔

کہ محرم کون سے کپڑے پہن سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا نہ تو وہ قمیص پہنے نہ پگڑی باندھے نہ شلوار پہنے اور نہ بارانی کوٹ پہنے اور نہ ایسا کپڑا پہنے جس میں زعفران یا ورس لگی ہوئی ہو۔ اور اگر اس کے پاس جوتیاں نہ ہوں تو وہ موزوں کو ٹخنوں سے نیچے تک کاٹ کر پہن لے۔

بَابُ اِذَا لَمْ یَجِدِ الْاِزَارَ فَلْیَلْبَسِ السَّرَاوِیْلَ

باب جب محرم کے پاس تہبند نہ ہو تو وہ شلوار پہن لے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ خَطَبَنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِعَرَفَاتٍ فَقَالَ مَنْ لَمْ یَجِدِ الْاِزَارَ فَلْیَلْبَسِ السَّرَاوِیْلَ وَمَنْ لَمْ یَجِدِ النَّعْلَیْنِ فَلْیَلْبَسِ الْخُفَّیْنِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان عرفات میں خطبہ دیا۔ آپ نے فرمایا جس شخص کے پاس تہبند نہ ہو وہ شلوار پہن لے اور جس کسی کے پاس جوتیاں نہ ہوں وہ موزے پہن لے۔

فوائد و مسائل مذکورہ بالا احادیث سے امام شافعی و امام احمد بن حنبل نے یہ استدلال فرمایا ہے کہ محرم کو بحالت عذر پاجامہ و موزے پہننا جائز ہے۔ اور اس پر اس صورت میں فدیہ نہیں ہے۔ لیکن جمہور علماء کے نزدیک اگر محرم کو تہبند نہ ملے۔ تو شلوار یا پاجامہ یا موزہ پہن سکتا ہے۔ مگر پاجامہ کو پھاڑنا اور موزے کا کاٹنا ضروری ہے تاکہ ستر کی جگہ نہ چھپے۔ اور اگر بغیر پھاڑے یا کاٹے پہن لیا تو کفارہ لازم ہے۔ اس مسئلہ کے دلایل کے لیے شرح معانی الآثار باب ما یلبس المحرم من الثیاب کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

بَابُ لُبْسِ السِّلَاحِ لِلْمُحْرِمِ

باب محرم کا ہتھیار بند ہونا

وَقَالَ عِکْرِمَۃُ اِذَا خَشِیَ الْعَدُوَّ لَبِسَ السِّلَاحَ وَافْتَدٰی وَلَمْ یُتَابَعْ عَلَیْہِ فِی الْفِدْیَۃِ

حضرت عکرمہ نے فرمایا اگر دشمن کا خوف ہو اور کوئی ہتھیار باندھے تو اسے فدیہ دینا چاہیے فدیہ کے متعلق کوئی حدیث متابع نہیں ہے۔

عَنِ الْبَرَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اعْتَمَرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ ذِیْ

حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ذی قعدہ میں

الغَدَ تَوَ فَاَبَی اَھْلُ مَکَّۃَ اَنْ یَدَعُوْہُ یَدْخُلُ مَکَّۃَ حَتّٰی قَاضَاھُمْ لَا یُدْخِلُ مَکَّۃَ سِلَاحًا اِلَّا فِی الْقِرَابِ (بخاری)

عمرہ کے ارادہ سے روانہ ہوئے تو اہل مکہ نے آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیا۔ پھر ان سے صلح اس شرط پر ہوئی کہ ہتھیار نیام میں ڈال کر مکہ میں داخل ہوں

اس حدیث سے واضح ہوا کہ بوقت ضرورت محرم کو ہتھیار لینا جائز ہے۔

بَابُ دُخُوْلِ الْحَرَمِ وَمَکَّۃَ بِغَیْرِ اِحْرَامٍ

باب۔ حرم اور مکہ میں بغیر احرام کے داخل ہونا جائز ہے

وَ دَخَلَ ابْنُ عُمَرَ حَلَالًا

اور حضرت ابن عمر بغیر احرام کے داخل ہوئے

(اور امام بخاری نے فرمایا)

وَ اِنَّمَا اَمَرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالْاِھْلَالِ لِمَنْ اَرَادَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ وَلَمْ یَذْکُرْ لِلْحَطَّابِیْنَ وَغَیْرِھِمْ

اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھنے کا حکم اسی کے لیے دیا جس کی نیت حج اور عمرہ کی ہو اور لکڑہاروں وغیرہ کو آپ نے اس کا حکم نہیں دیا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَّتَ لِاَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ ذَاالْحُلَیْفَۃِ وَلِاَھْلِ نَجْدٍ قَرْنَ الْمَنَازِلِ وَلِاَھْلِ الْیَمَنِ یَلَمْلَمَ ھُنَّ لَھُنَّ وَلِکُلِّ اٰتٍ اَتٰی عَلَیْھِنَّ مِنْ غَیْرِھِمْ مِمَّنْ اَرَادَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ فَمَنْ کَانَ دُوْنَ ذٰلِکَ فَمِنْ حَیْثُ اَنْشَاَ حَتّٰی اَھْلُ مَکَّۃَ مِنْ مَکَّۃَ۔

(بخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ والوں کے لیے ذوالحلیفہ کو میقات مقرر فرمایا۔ اور نجد والوں کے لئے قرن منازل (سیل) کو اور یمن والوں کے لیے یلملم کو۔ یہ میقاتیں مذکورہ ملک والوں کے لیے ہیں۔ اور ہر اس آنے والے کے لیے جس کا ان میقاتوں پر سے گذر ہو اور جو حج وعمرہ کے ارادہ سے آئے اور جو کوئی ان میقاتوں کے ورے رہتا ہے وہ جہاں سے چلے وہیں سے احرام باندھے، مکہ والے مکہ سے باندھیں۔

مکہ میں بغیر احرام کے داخل ہونا جائز ہے؛ حدیث مذکورہ میں من اراد الحج والعمرۃ کے الفاظ سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جو لوگ حج وعمرہ کے ارادہ ... ان کے لیے احرام ضروری ہے اور جو اپنی ذاتی ضرورت کے لیے جائیں ان کے لیے احرام ضروری نہیں ... لوں

کو حکم دیا کہ بکرا ذبح کر کے کھانا تیار کرے۔ اور یہ کہہ کر سو گیا جب جاگا تو دیکھا کہ غلام نے ابھی تک کھانا تیار نہیں کیا غیض میں آکر غلام کو قتل کر دیا۔ اور خود مرتد ہو کر مشرکین سے جا ملا۔ پھر اس نے اپنی شقاوتِ قلبی کا اظہار یوں بھی کیا کہ گانے والی لونڈیوں سے حضور علیہ السلام کی ہجو گائی اور مزے لے کر سنتا رہا۔ اور خود بھی توہین آمیز اشعار کہتا تھا۔ فتح مکہ کے دن ابن خطل کعبہ کے پردوں سے چمٹ گیا مگر اس شقی ازلی کو امان نہیں دی گئی اور بحکم نبوی حرم ہی میں قتل کر دیا گیا۔

بَابُ إِذَا أَحْرَمَ جَاهِلًا وَعَلَيْهِ قَمِيصٌ

باب اگر ناواقفیت کی وجہ سے کوئی قمیص پہنے ہوئے احرام باندھے

وَقَالَ عَطَاءٌ إِذَا تَطَيَّبَ أَوْ لَبِسَ جَاهِلًا أَوْ نَاسِيًا فَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ

حضرت عطاء نے کہا اگر محرم نے بھول کر یا ناواقفی کی وجہ سے خوشبو لگائی یا کپڑا پہن لیا۔ تو اس پر کفارہ نہیں۔

حَدَّثَنِي صَفْوَانُ بْنُ يَعْلَى عَنْ أَبِيهِ قَالَ كُنْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَاهُ رَجُلٌ عَلَيْهِ جُبَّةٌ فِيهِ أَثَرُ صُفْرَةٍ أَوْ نَحْوُهُ كَانَ عُمَرُ يَقُولُ لِي تُحِبُّ إِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ أَنْ تَرَاهُ وَنَزَلَ عَلَيْهِ ثُمَّ سُرِّيَ عَنْهُ فَقَالَ اصْنَعْ فِي عُمْرَتِكَ مَا تَصْنَعُ فِي حَجِّكَ وَعَضَّ رَجُلٌ يَدَ رَجُلٍ يَعْنِي فَانْتَزَعَ ثَنِيَّتَهُ فَأَبْطَلَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری)

صفوان بن یعلی نے اپنے ان کے والد سے بیان کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا کہ آپ کی خدمت میں ایک شخص آیا جو جبہ پہنے ہوئے تھا اور اس پر زردی یا اسی طرح کی کسی چیز کا اثر تھا۔ اس نے سوال کیا اور پھر آپ پر وحی نازل ہوئی عمر رضی اللہ عنہ مجھ سے کہا کرتے تھے کیا تم چاہتے ہو کہ جب آنحضور پر وحی نازل ہونے لگے تو تم ان حضور کو دیکھ سکو؟ اس وقت آپ پر وحی نازل ہوئی اور پھر سلسلہ ختم ہو گیا پھر آپ نے فرمایا کہ جس طرح اپنے حج میں کرتے ہو۔ اسی طرح عمرہ میں بھی کرو۔ ایک شخص نے دوسرے شخص کے ہاتھ میں دانت سے کاٹا تھا۔ دوسرے نے جو اپنا ہاتھ کھینچا تو اس کا دانت ٹوٹ گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کوئی معاوضہ نہیں دلوایا۔

فوائد و مسائل اثر عطا کو ابن منذر نے صحیح سند سے وصل کیا ہے اور طبرانی نے کبیر میں وصل کیا ہے۔ امام شافعی کا بھی یہی قول ہے کہ اگر محرم نے بھول کر یا مسئلہ سے ناواقفی کی وجہ سے خوشبو لگا لی یا سلا ہوا کپڑا پہن لیا تو اس پر کفارہ نہیں ہے لیکن امام اعظم ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ اس صورت میں بھی کفارہ لازم ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے اگر کوئی شخص بحالت نماز لاعلمی

پہلے احرام کا حکم دیا گیا ہے جو حج و عمرہ کا ارادہ رکھتے ہوں۔ امام شافعی رح کا بھی یہی مسلک ہے۔ لیکن سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ احرام ہر اس شخص کے لیے ضروری ہے۔ جو حدود حرم میں داخل ہو خواہ حج و عمرہ کے ارادہ سے مکہ میں داخل ہو یا کسی دوسری ضرورت سے۔ وہ فرماتے ہیں کہ احرام حرم کی حرمت کی وجہ سے واجب ہوا ہے اس میں حج یا عمرہ کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ رہا حدیث بالا میں حضور علیہ السلام کا خصوصیت سے حج وعمرہ کا ذکر فرمانا محض اس وجہ سے ہے کہ حضور حج ہی کے ارادہ سے روانہ ہوئے تھے۔ اس لیے آپ نے خاص طور سے حج وعمرہ کا ذکر فرما دیا۔

ثانیاً:۔ حدیث میں حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد لا یحل لاحد بعدی کہ حرم مجھ سے پہلے نہ کسی کے لئے حلال ہوا تھا نہ میرے بعد کسی کے لیے حلال ہے۔ میرے لیے بھی ایک دن تھوڑی دیر کے لیے حلال ہوا تھا۔ احناف کے مسلک کی تائید کرتا ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد قتال اور دخول بلا احرام دونوں کے لیے ہے۔ کیونکہ فتح مکہ کے موقع پر حضور علیہ السلام کے سر اقدس پر مغفر تھا اور آپ اس دن محرم نہ تھے۔ لیں قتال اور دخول بلا احرام یہ دونوں اس دن حضور علیہ السلام کی خصوصیات سے تھا۔ اور لا یحل لاحد بعدی کا مطلب یہ ہوا کہ میرے بعد اب نہ کسی کو حرم میں قتال جائز ہے اور نہ حرم میں بلا احرام داخلہ جائز ہے۔

(۲) عَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ. اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَامَ الْفَتْحِ وَعَلٰى رَأْسِهِ الْمِغْفَرُ فَلَمَّا نَزَعَهُ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ اِنَّ ابْنَ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِاَسْتَارِ الْكَعْبَةِ فَقَالَ اقْتُلُوْهُ۔

(بخاری)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر پر خود تھا۔ جس وقت آپ نے اسے اتارا تو ایک شخص نے آکر اطلاع دی کہ ابن خطل کعبہ کے پردے سے چمٹ گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ پھر بھی اسے قتل کردو۔

فوائد و مسائل | یہ ہی وہ وقت ہے جس کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا:۔
"میرے لیے حرم ایک دن تھوڑی ساعت کے لیے حلال کر دیا گیا۔"

(۲) ابن خطل:۔ ابن خطل کا نام عبداللہ تھا۔ حضور علیہ السلام نے اس کو کعبہ میں قتل کرنے کی اجازت دی۔ یہ پہلے مسلمان ہو گیا تھا۔ پھر مرتد ہو گیا۔ حضور علیہ السلام نے اس کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا اور اس کے ساتھ ایک مسلمان غلام تھا۔ ابن خطل نے غلام

مسلم میں حدیث جابر میں ہے کہ آپ فتح مکہ کے دن بغیر احرام کے داخل ہوئے و علیہ عمامۃ سوداء بغیر احرام۔ اور سر اقدس پر سیاہ عمامہ تھا۔ حدیث انس میں ہے کہ آپ کے سر پر خود تھا۔ حاکم نے اکلیل میں کہا کہ بظاہر دونوں روایتوں میں تعارض ہے۔ مگر جواب یوں ہے کہ شروع داخلہ کے وقت سر اقدس پر خود تھا۔ پھر جب آپ مکہ میں داخل ہو گئے تو عمامہ باندھ لیا۔ تو ہر صحابی نے اپنی روایت کے مطابق بیان کر دیا فاندفع التعارض۔ اس حدیث کی تائید حدیث مسلم بروایت عمرو بن حریث سے بھی ہوتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: انہ خطب الناس وعلیہ عمامۃ سوداء۔ یعنی بوقت خطبہ سر اقدس پر سیاہ عمامہ تھا۔

متعلق نماز کلام کرے (مثلاً کلام کرے یا کھلے تسبیح) تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

(۲) حدیث زیر عنوان سے علماء: زہری۔ سعید ابن جبیر۔ محمد بن سیرین۔ امام مالک و محمد بن الحسن نے احرام باندھتے وقت خوشبو لگانے کی کراہت کا استدلال کیا ہے ——— اور محمد بن الحنفیہ۔ عمر بن عبد العزیز۔ عروۃ ابن الزبیر۔ اسود بن یزید۔ قاسم بن محمد۔ علاء۔ ابراہیم نخعی۔ سفیان ثوری و امام ابوحنیفہ۔ ابو یوسف۔ زفر۔ شافعی۔ احمد۔ اسحٰق کا مسلک یہ ہے۔ احرام باندھنے سے قبل خوشبو لگائی ہے اور وہ احرام کے بعد بھی باقی رہے تو حرج نہیں ——— اور زیر بحث حدیث میں جس خوشبو کی ممانعت ہے وہ محض خوشبو نہیں ہے بلکہ زردی والی خوشبو جو کہ مرد کو احرام و عدم احرام دونوں حالتوں میں مکروہ ہے۔ اور دلیل اس کی یہ ہے کہ یہی حدیث جو حضرت یعلیٰ سے مروی ہے: اس کی دوسری سند میں اس امر کی تصریح ہے کہ خوشبو سے مراد زعفران کی خوشبو ہے جو اس شخص نے لگا رکھی تھی۔ اور جبہ کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا اصنع فی عمرتک جس طرح اپنے حج میں کرتے ہو اسی طرح عمرہ میں کرو یعنی جیسے حج میں طواف۔ سعی اور حلق کرتے ہو اور محظورات احرام سے بچتے ہو اسی طرح عمرہ میں بھی کرو۔

اس حدیث سے (۱) واضح ہوا کہ ممنوعات احرام کے ساتھ احرام درست ہے (۲) محرم کو سلا ہوا کپڑا پہننا جائز نہیں ہے۔ اگر ناواقفی کی وجہ سے یا بھول کر پہن لیا ہے تو اتار دے اس پر کفارہ لازم ہے۔

بَابُ الْمُحْرِمِ يَمُوتُ بِعَرَفَةَ

باب محرم اگر عرفات میں مرجائے

وَلَمْ يَأْمُرِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُؤَدّٰى عَنْهُ بَقِيَّةُ الْحَجِّ۔

اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم نہیں کیا کہ ایسے شخص کی طرف سے بقیہ حج ادا کیا جائے۔

بَابُ سُنَّةِ الْمُحْرِمِ اِذَا مَاتَ

باب جب کہ محرم مرجائے تو اس کا کفن دفن کیونکر سنت ہے

ان دونوں عنوانوں کے تحت ایک ہی مضمون کی حدیث ہے جو یہ ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ بَيْنَا رَجُلٌ وَاقِفٌ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَفَةَ اِذْ وَقَعَ عَنْ رَاحِلَتِهٖ فَوَقَصَتْهُ اَوْ قَالَ فَاَوْقَصَتْهُ فَقَالَ النَّبِيُّ [illegible] اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک آدمی عرفات میں کھڑا تھا کہ اچانک وہ اپنی سواری پر سے گر پڑا۔ اونٹنی نے اس کی گردن توڑ ڈالی تو نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

[illegible] مسلم کی روایت میں وعلیہ جبۃ بہا اثر خلوق اور ایک روایت میں علیہا اثر الزعفران ہے

اغْسِلُوْهُ بِمَآءٍ وَّسِدْرٍ وَّكَفِّنُوْهُ فِيْ ثَوْبَيْنِ وَلَا تُمِسُّوْهُ بِطِيْبٍ وَلَا تُخَمِّرُوْا رَاْسَهٗ فَاِنَّهٗ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مُلَبِّيًا (بخاری)

اس کو پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دو۔ دو کپڑوں میں کفن دو اور خوشبو نہ لگاؤ۔ اس کا سر نہ ڈھانکو۔ پس تحقیق یہ قیامت کے دن لبیک کہتا ہوا اٹھایا جائے گا۔

فوائد و مسائل دونوں عنوانوں کے تحت حدیث سے امام بخاری نے یہ واضح کیا ہے کہ محرم اگر مر جائے تو اس کی طرف سے باقی امور یعنی رمی جمار۔ حلق وغیرہ ادا کیے جائیں گے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے باقی حج ادا کرنے کا حکم نہیں دیا۔

اور یہ کہ محرم اگر مر جائے تو اس کو اس طرح ۔۔۔ ڈھانپو جو حدیث میں مذکور ہے مسنون ہے۔ اس مسئلہ کی وضاحت فیوض الباری کتاب الحرم میں گذر چکی ہے۔

بَابُ الْحَجِّ وَالنَّذْرِ عَنِ الْمَيِّتِ وَالرَّجُلُ يَحُجُّ عَنِ الْمَرْاَةِ

باب میت کی طرف سے حج اور نذر کو پورا کرنا اور مرد کا عورت کی طرف سے حج کرنا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اِنَّ امْرَاَةً مِّنْ جُهَيْنَةَ جَاءَتْ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اِنَّ اُمِّيْ نَذَرَتْ اَنْ تَحُجَّ فَلَمْ تَحُجَّ حَتّٰى مَاتَتْ اَفَاَحُجُّ عَنْهَا قَالَ حُجِّيْ عَنْهَا اَرَاَيْتِ لَوْ كَانَ عَلٰى اُمِّكِ دَيْنٌ اَكُنْتِ قَاضِيَةً اقْضُوا اللّٰهَ فَاللّٰهُ اَحَقُّ بِالْوَفَآءِ (بخاری)

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک عورت قبیلہ جہینہ کی حضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئی اور عرض کی میری والدہ نے حج کی نذر مانی تھی مگر حج نہ کر سکی اور مر گئی۔ کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں۔ فرمایا ہاں اس کی طرف سے حج کرلو۔ اگر تیری ماں پر قرض ہوتا تو اس کو پورا کرتی تو اللہ کے حق کو بھی پورا کر۔ اللہ کا حق وفا کا زیادہ حقدار ہے۔

بَابُ الْحَجِّ عَمَّنْ لَا يَسْتَطِيعُ الثُّبُوتَ عَلَى الرَّاحِلَةِ

باب جو سواری پر نہ ٹھہر سکے اس کی طرف سے حج کرنا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَتْ امْرَأَةٌ مِنْ خَثْعَمٍ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ فَرِيضَةَ اللّٰهِ عَلَى عِبَادِهِ فِي الْحَجِّ أَدْرَكَتْ أَبِي شَيْخًا كَبِيرًا لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَسْتَوِيَ عَلَى الرَّاحِلَةِ فَهَلْ يَقْضِي عَنْهُ أَنْ أَحُجَّ عَنْهُ قَالَ نَعَمْ بخاری۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک عورت قبیلہ خثعم کی حضور نبوی حاضر ہوئی عرض کی یا رسول اللہ تعالٰی نے جو اپنے بندوں پر حج فرض کیا وہ ایسے وقت پر کہ میرا باپ اتنا بوڑھا ہے کہ اونٹنی پر نہیں ٹھہر سکتا۔ اگر میں اس کی طرف سے حج کروں تو حج ادا ہو جائے گا۔ آپ نے فرمایا ہاں بخاری

بَابُ حَجِّ الْمَرْأَةِ عَنِ الرَّجُلِ

باب عورت مرد کی طرف سے حج کر سکتی ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ جَاءَتْ امْرَأَةٌ مِنْ خَثْعَمٍ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ فَرِيضَةَ اللّٰهِ عَلَى عِبَادِهِ فِي الْحَجِّ أَدْرَكَتْ أَبِي شَيْخًا كَبِيرًا لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَسْتَوِيَ عَلَى الرَّاحِلَةِ فَهَلْ يَقْضِي عَنْهُ أَنْ أَحُجَّ عَنْهُ قَالَ نَعَمْ

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا۔ حجۃ الوداع والے سال قبیلہ خثعم کی ایک عورت آئی اور کہنے لگی یا رسول اللہ! اللہ نے جو اپنے بندوں پر حج فرض کیا۔ وہ ایسے وقت پر کہ میرا باپ اتنا بوڑھا ہے کہ اونٹنی پر نہیں ٹھہر سکتا اگر میں اس کی طرف سے حج کروں تو حج ادا ہو جائے گا آپ نے فرمایا ہاں!

فوائد و مسائل زیرِ عنوان احادیث مندرجہ ذیل مسائل پر مشتمل ہیں:۔

(۱) میت کی طرف سے حج کرنا اور اس کی نذر پورا کرنا جائز ہے (۲) مرد کی طرف سے عورت اور عورت کی طرف سے مرد حج بدل کر سکتا ہے۔ کیوں کہ حضور علیہ السلام نے اقضوا اللہ فرمایا جس میں مرد و عورت دونوں شامل ہیں (۳) کسی مسئلہ کو مثال دے کر سمجھانا جائز ہے (۴) اگر کوئی مالدار بغیر حج کیے مر جائے یعنی اس پر حج فرض تھا اور اس نے حج نہیں کیا تو اگر وارث اس کی طرف سے حج بدل کرانا چاہے تو کرا سکتا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ امید ہے کہ ادا ہو جائے اور اگر وصیت کر گیا ہے تو تہائی مال سے کرایا جائے (۵) جو خود حج نہیں کر سکتا یعنی عاجز ہے ضعف کبرسنی یا بیماری کی وجہ سے خود حج نہیں کر سکتا۔ تو اس کی طرف سے دوسرا آدمی حج کر سکتا ہے۔ اور اگر اس قابل ہے کہ خود کر سکتا ہے تو اس کی طرف سے کوئی دوسرا آدمی حج نہیں کر سکتا۔

(۶) عورت مفتی سے مسائل معلوم کرسکتی ہے (۷) اجنبی عورت بوقتِ ضرورت مسئلہ معلوم کرنے کے لیے مفتی سے بات کرنا اور مفتی شرع کا اس کے کلام و آواز کو سننا جائز ہے (۸) غیر محرم عورت کی طرف دیکھنا ممنوع ہے (۹) اس حدیث سے حضرت فضل ابن عباس کی بارگاہِ نبوت میں قدر و منزلت پر روشنی پڑتی ہے (۱۰) کسی غیر شرعی بات کو دیکھ کر ہاتھ سے اس کا ازالہ کر دینا جائز ہے جیسا کہ حضور علیہ السلام نے حضرت فضل کا منہ موڑ دیا تھا۔

(۱۱) حضرت فضل حضرت عباس کے بڑے صاحبزادے تھے نوجوان اور شکیل تھے وہ اس عورت کی طرف دیکھنے لگے حضور علیہ السلام نے ان کو دیکھنے سے منع فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ آج عرفہ کے دن جو اپنے کان، آنکھ، زبان کا مالک ہو گیا یعنی اس نے کوئی خلافِ شرع کام نہ کیا تو اس کی مغفرت ہو جائے گی (مسند احمد)

عبادت میں نیابت ہوسکتی ہے؟ واضح ہو کہ عبادت تین قسم ہے اول بدنی جیسے نماز، روزہ اس میں نیابت نہیں ہوسکتی یعنی ایک کی طرف سے دوسرا ادا نہیں کرسکتا۔ دوم مالی جیسے زکوٰۃ، صدقہ۔ اس میں بہرحال نیابت ہوسکتی ہے۔ سوم مرکب جس میں جسم و جان کے ساتھ مال بھی خرچ کرنا پڑتا ہے جیسے حج۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر خود اس کو ادا کرنے سے عاجز ہو تو دوسرا اس کی طرف سے کرسکتا ہے ——— (۲) ثواب پہنچانا کہ جو کچھ عبادت کی ہے اس کا ثواب فلاں کو پہنچے۔ اس میں کسی عبادت کی تخصیص نہیں ہر عبادت کا ثواب دوسرے کو پہنچا سکتا ہے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، صدقہ، تلاوتِ قرآن، ذکر، فرض و نفل سب کا ثواب زندہ یا مردہ کو پہنچا سکتا ہے۔ اور ثواب پہنچانے سے اس کے اپنے ثواب میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوگی۔

فاتحہ مروجہ بھی ایصالِ ثواب ہی ہے اور یہ جائز بلکہ محمود و مستحب ہے اور قرآن مجید و احادیث سے ثابت ہے۔

بَابُ حَجِّ الصِّبْيَانِ

باب بچوں کے حج کے متعلق

اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ اَقْبَلْتُ وَقَدْ نَاهَزْتُ الْحُلُمَ اَسِيْرُ عَلٰى اَتَانٍ لِّيْ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَائِمٌ يُصَلِّيْ بِمِنًى حَتّٰى سِرْتُ بَيْنَ يَدَيْ بَعْضِ الصَّفِّ الْاَوَّلِ ثُمَّ نَزَلْتُ عَنْهَا فَرَتَعَتْ فَصَفَفْتُ مَعَ النَّاسِ وَرَاءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا میں ایک مادہ گدھی پر چلتا ہوا منیٰ میں آیا۔ ان دنوں میں جوانی کے قریب تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے منیٰ میں نماز پڑھا رہے تھے میں تھوڑی سی پہلی صف کے آگے ہی گذر گیا پھر گدھی سے اترا وہ چرنے لگی اور لوگوں کے ساتھ صف میں شریک ہو گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے۔

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ حُجَّ بِيْ

حضرت سائب ابن یزید سے مروی ہے

مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا ابْنُ سَبْعِ سِنِيْنَ (بخاری)

کہ مجھے حضور علیہ السلام کے ہمراہ حج کرایا گیا اور اس وقت میری عمر سات برس کی تھی۔

واضح ہو کہ نابالغ کی عبادت کا شریعت نے اعتبار کیا ہے یعنی ان کا نماز پڑھنا روزہ رکھنا وغیرہ صحیح ہے لیکن چونکہ وہ نابالغ ہیں اس لیے ان کی عبادت نفل قرار پاتی ہے اور ان کا ثواب ان کے والدین کو ملتا ہے۔ بچپن میں اگر کسی نے حج کیا اور بالغ ہونے کے بعد اگر حج کی شرائط پائی گئیں تو پھر دوبارہ حج کرنا پڑے گا۔ کیوں کہ بحالت نابالغی جو حج کیا ہے وہ نفل قرار پائے گا۔

بَابُ حَجِّ النِّسَاءِ

باب عورتوں کا حج کرنا

وَقَالَ لِيْ أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ أَذِنَ عُمَرُ لِأَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ آخِرِ حَجَّةٍ حَجَّهَا فَبَعَثَ مَعَهُنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ (بخاری)

امام بخاری نے کہا مجھ سے احمد بن محمد نے کہا کہ ہم سے ابراہیم بن سعد نے بیان کیا۔ انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے ان کے دادا سے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے آخری حج میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کو حج کرنے کی اجازت دی اور ان کے ہمراہ حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو بھیجا۔

واضح ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس امر میں تردد تھا کہ جب عورتیں ایک مرتبہ فریضہ حج ادا کر چکی ہیں تو ان کو دوبارہ حج کے لیے جانے کی اجازت دی جائے یا نہیں۔ اسی بنا پر ازواج مطہرات کو آپ نے اجازت نہ دی۔ کیوں کہ وہ ایک بار حج سے فارغ ہو چکی تھیں۔ پھر حضرت عمر نے اپنی خلافت کے آخری زمانہ میں یہ سوچ کر کہ نیک کام سے نہ روکا جائے اجازت دے دی اور ازواج مطہرات حج کو روانہ ہوئیں۔ ان کی نگہبانی اور اعزاز و احترام کے لیے حضرت عمر نے حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو بھیجا۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت عثمان ان سے آگے آگے چلتے تھے اور حضرت عبدالرحمٰن پیچھے پیچھے۔ ازواج مطہرات ہودجوں میں تشریف فرما تھیں۔ ان پر سبز چادریں پڑی ہوئی تھیں۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ ازواج مطہرات کے قریب کوئی خیمہ نہ لگائے (بیہقی ج ۵ ص ۱۲۵)

(۲) یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عثمان و عبدالرحمٰن ازواج مطہرات کے محرم نہ تھے اور حضور علیہ السلام نے مستورات کے لیے بغیر محرم کے سفر ممنوع قرار دیا ہے۔ جواب یہ ہے کہ ازواج مطہرات بحکم قرآن امہات المومنین ہیں۔ اور تمام مسلمان ان کے

محرم ہیں۔ محرم اس کو کہتے ہیں جس سے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہو اور ازواج مطہرات کو حضور علیہ السلام کے بعد امت کے کسی فرد سے نکاح جائز نہیں۔ اس بنا پر حضرت عثمان و عبدالرحمٰن ازواج مطہرات کے محرم قرار پائیں گے ——— علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ و عزرمی کی اس مسئلہ پر گفتگو ہوئی تو امام اعظم نے اس کو یہی جواب دیا تھا (عینی ج ۵ صفحہ ۱۲۶)

(۲) عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا نَغْزُوْ وَ نُجَاهِدُ مَعَكُمْ فَقَالَ لَكُنَّ اَحْسَنَ الْجِهَادِ وَ اَجْمَلُهُ الْحَجُّ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ فَقَالَتْ عَائِشَةُ فَلَا اَدَعُ الْحَجَّ بَعْدَ اِذْ سَمِعْتُ هٰذَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (بخاری)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے انہوں نے کہا۔ میں نے عرض کی۔ یارسول اللہ! کیا ہم بھی آپ کے ہمراہ غزوہ اور جہاد میں نہ جایا کریں؟ آپ نے فرمایا تم عورتوں کے لیے بہترین اور عمدہ جہاد حج ہے وہ حج جو مقبول ہو۔ حضرت عائشہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سننے کے بعد میں حج کو کبھی چھوڑنے والی نہیں

یعنی مستورات کے لئے بہترین اور اچھا جہاد حج ہے۔ الا یہ ضرورت شرعیہ متقاضی ہو۔ تو پھر وہ جہاد میں بھی شریک ہو سکتی ہیں۔

(۲) حج مبرور، وہ حج ہے جس میں کسی گناہ کی آمیزش نہ ہو۔ مقبول حج وہ حج جس میں ریاء۔ سمعہ۔ رفث و فسوق نہ ہو۔ بعض نے کہا کہ حج مبرور وہ حج ہے جس کے بعد آدمی گناہ ہی نہ کرے۔

(۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُسَافِرِ الْمَرْاَةُ اِلَّا مَعَ ذِيْ مَحْرَمٍ وَلَا يَدْخُلُ عَلَيْهَا رَجُلٌ اِلَّا وَمَعَهَا مَحْرَمٌ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اُرِيْدُ اَنْ اَخْرُجَ فِيْ جَيْشِ كَذَا وَكَذَا وَامْرَاَتِيْ تُرِيْدُ الْحَجَّ فَقَالَ اخْرُجْ مَعَهَا۔ (بخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے اور کوئی آدمی کسی عورت کے پاس ان کے محرم کے بغیر نہ جائے۔ ایک شخص نے عرض کی یارسول اللہ! میرا فلاں فلاں لشکر کے ساتھ (جہاد کے لیے) نکلنے کا ارادہ ہے اور میری بیوی کا حج کا ارادہ ہے آپ نے فرمایا۔ اپنی بیوی کے ساتھ جا (بخاری)

(۱) ـ اس حدیث سے واضح تھا کہ ذی رحم محرم کے بغیر عورت کو سفر جائز نہیں ہے۔ اور عموم لفظ تعمیم سفر پر دال ہے۔ یعنی سفر خواہ حج کے لیے ہو یا کسی اور مقصد کے لیے۔

(۲) اگر عورت حج فرض ادا کرنا چاہے تو اس کے خاوند کے لیے افضل یہی ہے کہ اپنی بیوی کے ساتھ حج کے لئے جائے اور جہاد میں شرکت نہ کرے (۳) عورت بغیر محرم یا شوہر کے حج کے لیے نہیں جا سکتی۔ خواہ وہ عورت جوان ہو یا بوڑھی اور مکہ تک جانے میں تین دن سے کم کی راہ ہو تو بغیر شوہر اور محرم کے بھی حج کو جا سکتی ہے (۴) حج فرض کے لیے عورت محرم کے ساتھ حج کو جا سکتی ہے۔ اگرچہ شوہر اجازت نہ دے۔ البتہ اگر نفلی حج ہے تو شوہر کو منع کا اختیار ہے۔

بغیر محرم کے عورت حج کے لیے نہیں جا سکتی

واضح ہو کہ عورت کو مکہ معظمہ تک جانے میں حج کے لیے تین دن یا زیادہ کا راستہ ہو تو اس کے ہمراہ شوہر یا محرم کا ہونا شرط ہے اور بغیر محرم کے حج کو گئی تو گنہگار ہوئی۔ مگر حج کرے گی تو حج ہو جائے گا۔ محرم سے مراد وہ مرد ہے جس سے ہمیشہ کے لیے وہ عورت حرام ہو خواہ نسب کی وجہ سے حرام ہو۔ جیسے باپ۔ بیٹا۔ بھائی۔ چچا۔ بھتیجا۔ بھانجا۔ نواسہ۔ پوتا۔ خواہ دودھ کے رشتہ کی وجہ سے نکاح کی حرمت ہو۔ جیسے رضاعی بھائی۔ باپ۔ بیٹا وغیرہ یا سالی۔ رشتہ سے حرمت آئی ہو جیسے خسر، شوہر کا بیٹا وغیرہ۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ رَجَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حَجَّتِهِ قَالَ لِأُمِّ سِنَانٍ الْأَنْصَارِيَّةِ مَا مَنَعَكِ مِنَ الْحَجِّ قَالَتْ أَبُوْ فُلَانٍ يَعْنِيْ زَوْجَهَا كَانَ لَهُ نَاضِحَانِ حَجَّ عَلَى أَحَدِهِمَا وَالْآخَرُ يَسْقِيْ أَرْضًا لَنَا قَالَ فَإِنَّ عُمْرَةً فِيْ رَمَضَانَ تَقْضِيْ حَجَّةً أَوْ حَجَّةً مَعِيْ

(بخاری)

روایت ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے۔ انہوں نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب حج کر کے لوٹے تو ام سنان سے جو انصاری عورت تھی، یہ پوچھا۔ تو حج کو کیوں نہیں گئی۔ وہ کہنے لگی فلاں کا باپ یعنی میرا خاوند اس کے پانی لانے کے دو اونٹ تھے۔ ایک پر تو وہ خود حج کو گیا۔ اور دوسرا ہماری زمین میں پانی پہنچاتا ہے۔ آپ نے فرمایا رمضان میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کے برابر ہے۔

اس حدیث میں عنوان کے مطابق حضور علیہ السلام کا اس انصاری عورت سے یہ فرمانا ہے تو حج کو کیوں نہیں گئی؟ جس سے واضح ہوا کہ عورتوں پر بھی حج فرض ہے جبکہ اس کی شرائط پائی جائیں۔

حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام کے ہمراہ بارہ جہاد کئے۔ میں نے حضور علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔

أَنْ لَا تُسَافِرَ امْرَأَةٌ مَسِيْرَةَ يَوْمَيْنِ لَيْسَ مَعَهَا زَوْجُهَا أَوْ ذُوْ مَحْرَمٍ وَلَا صَوْمَ يَوْمَيْنِ الْفِطْرِ وَالْأَضْحٰى وَلَا صَلٰوةَ بَعْدَ صَلٰوتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ وَبَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَلَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلٰى ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِيْ وَمَسْجِدِ الْأَقْصٰى (بخاری)

ایک یہ کہ کوئی عورت دو دن کا سفر بغیر محرم رشتہ دار یا خاوند کے ساتھ ہوئے نہ کرے دوسرے عید الفطر اور عید الضحیٰ کے دن روزہ نہیں رکھنا چاہیے۔ تیسرے عصر کے بعد سورج ڈوبنے تک اور فجر کے بعد سورج نکلنے تک نماز نہ پڑھنا چاہیے۔ چوتھے کجاوے تین ہی مسجدوں کی طرف کسے جائیں۔ مسجد حرام مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ

(بخاری)

اس حدیث میں چار احکام ہیں۔ اول عورت اکیلی سفر نہ کرے جس کے متعلق گزشتہ اوراق میں گفتگو ہو چکی ہے۔ دوم عید الفطر اور عید اضحیٰ کے دن روزہ نہ رکھا جائے۔ اس دن روزہ رکھنا حرام ہے جس کی مزید تفصیل کتاب الصیام میں آرہی ہے۔

سوم عصر و فجر کے بعد نماز نہ پڑھی جائے یہ مسائل مفصل طور پر فیوض الباری پارہ سوم کے ص ۲۶۲ پر گزر چکے ہیں۔ مطالعہ کیجئے۔ چہارم تین مساجد کے سوا کسی اور مسجد کے سفر نہ کیا جائے ۔اس مسئلہ پر فیوض الباری پارہ پنجم ص ۱۳۱ پر مفصل گفتگو ہو چکی ہے۔ مطالعہ کر لیجئے۔

بَابُ مَنْ نَذَرَ الْمَشْيَ إِلَى الْكَعْبَةِ

باب اگر کسی نے کعبہ تک پیدل جانے کی نذر مانی

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى شَيْخًا يُهَادَى بَيْنَ ابْنَيْهِ قَالَ مَا بَالُ هٰذَا قَالُوْا نَذَرَ أَنْ يَّمْشِيَ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ عَنْ تَعْذِيْبِ هٰذَا نَفْسَهُ لَغَنِيٌّ أَمَرَهُ أَنْ يَّرْكَبَ ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بوڑھے کو دیکھا جو اپنے دو بیٹوں کے درمیان ٹیکا دے کر چلایا جا رہا تھا۔ آپ نے پوچھا اس کو کیا ہوا ہے؟ لوگوں نے کہا اس نے (کعبہ کو) پیدل چلنے کی نذر مانی تھی۔ آپ نے فرمایا اللہ اس بات سے بے پرواہ ہے کہ یہ اپنے آپکو عذاب میں ڈالے۔ آپ نے اُسے سوار ہونے کا حکم دیا۔

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ نَذَرَتْ أُخْتِيْ أَنْ تَمْشِيَ إِلَى بَيْتِ اللّٰهِ وَأَمَرَتْنِيْ أَنْ أَسْتَفْتِيَ لَهَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَفْتَيْتُهُ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِتَمْشِ وَلْتَرْكَبْ

(بخاری)

حضرت عقبہ بن عامر سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا میری بہن نے بیت اللہ کی طرف پیدل چلنے کی نذر مانی اور مجھ سے کہنے لگی کہ میں اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کروں (الغرض) میں نے آپ سے یہ مسئلہ پوچھا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا وہ پیدل بھی چلے اور سوار بھی ہو۔

فوائد و مسائل اس حدیث سے واضح ہوا کہ نذر کا پورا کرنا واجب ہے۔ اور جس نے کعبہ کی طرف چلنے کی نذر مانی اس پر حج وعمرہ واجب ہو گیا اس کو چاہیئے کہ اپنی نذر کو پورا کرے۔ رہا یہ امر کہ پیدل حج کرنے کی نذر مانی ہے تو پیدل حج کرے یا سواری پر اس میں علماء کے مختلف قول ہیں۔

حضرت علی۔ ابن عمر۔ عطاء۔ حسن۔ امام اعظم۔ ابو حنیفہ اور امام شافعی کا قول یہ ہے کہ جس نذر پیدل چل سکے چلے۔ جب پیدل چلنے کی طاقت نہ رہے تو سوار ہو جائے اور ایک بکری صدقہ دے۔ اور اگر باوجود پیدل چلنے کی طاقت کے سوار ہو کر گیا تو اب قسم کا کفارہ دے۔

بَابُ حَرَمِ الْمَدِيْنَةِ

باب مدینہ کے حرم کا بیان

(۱) عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمَدِیْنَۃُ حَرَمٌ مِّنْ کَذَا اِلٰی کَذَا لَا یُقْطَعُ شَجَرُھَا وَلَا یُحْدَثُ فِیْھَا حَدَثٌ مَنْ اَحْدَثَ حَدَثًا فَعَلَیْہِ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَالْمَلٰئِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مدینہ کا حرم یہاں سے (جبل عیر) سے وہاں (ثور) تک ہے۔ اس کا درخت نہ کاٹا جائے اس میں کوئی بدعت نہ کی جائے۔ جو کوئی بدعت نکالے اس پر اللہ اور فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہو۔ (بخاری)

فوائد و مسائل مدینہ منورہ سے وہ خطہ نوری مراد ہے۔ جس کی طرف حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی اور جہاں مسجد نبوی اور حضور علیہ السلام کا روضہ اقدس ہے ——— اس حدیث سے محمد بن ابی ذئب زہری۔ امام شافعی۔ امام مالک۔ احمد۔ اسحاق رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے استدلال کیا ہے کہ جیسے مکہ کے لیے حرم ہے اسی طرح مدینہ کے لیے بھی ہے اور جو احکام مکہ کے حرم کے ہیں۔ وہی احکام مدینہ کے حرم کے ہیں۔ البتہ اگر کسی نے حرم مدینہ کے درخت کاٹے یا گھاس اکھاڑی تو اس پر فدیہ نہیں ہے ——— اور امام ثوری، عبداللہ بن مبارک۔ امام ابو حنیفہ۔ ابو یوسف، محمد کا قول یہ ہے کہ مدینہ کے حرم کے وہ احکام نہیں جو مکہ کے حرم کے ہیں۔ پس حرم مدینہ کے درخت کاٹنا اور شکار کرنا ممنوع نہیں ہے اور حدیث مذکورہ میں جو ممانعت ہے وہ در اصل مدینہ کی زیب و زینت کی بنا پر ہے۔ چنانچہ اس کی تائید خود حضور علیہ السلام کے اس ارشاد سے ہوتی ہے۔ حضور علیہ السلام نے قلعوں اور پختہ عمارتوں کو منہدم کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(۲) بدعت سے مراد وہ امور ہیں جو کتاب و سنت کے خلاف ہوں۔ ظاہر ہے کہ کتاب و سنت کے خلاف کسی کام کو رائج کرنا بہر حال ممنوع و حرام و گناہ ہے۔ تاہم مدینہ منورہ کی عظمت و بزرگی کی وجہ سے یہاں بدعات کو رواج دینا اور بھی زیادہ برا ہے۔

(۲) عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَدِمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَۃَ وَاَمَرَ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ فَقَالَ یَا بَنِی النَّجَّارِ ثَامِنُوْنِیْ فَقَالُوْا لَا نَطْلُبُ ثَمَنَہٗ اِلَّا اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی فَاَمَرَ بِقُبُوْرِ الْمُشْرِکِیْنَ فَنُبِشَتْ ثُمَّ بِالْخِرَبِ فَسُوِّیَتْ وَبِالنَّخْلِ فَقُطِعَ فَصَفُّوا النَّخْلَ قِبْلَۃَ الْمَسْجِدِ (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے اور مسجد بنانے کا حکم دیا تو بنی نجار سے فرمایا تم اپنے باغ کا مجھ سے مول کر لو۔ انہوں نے کہا ہم تو اللہ سے اس کا مول لیں گے۔ پھر آپ نے حکم دیا۔ مشرکین کی قبریں جو وہاں تھیں وہ کھود کر پھینک دی گئیں اور کھنڈر کو برابر کیا گیا اور درخت کاٹے گئے (بخاری)

لہ۔ ولا یحدث بلفظ المعلوم والمجہول ای لا یعمل فیہا عمل مخالف للکتاب والسنۃ ۱۲

فوائد و مسائل اس حدیث سے یہ واضح ہوگیا کہ حرمِ مدینہ کا حکم حرم مکہ کی طرح نہیں ہے۔ اگر اس کے احکام بھی حرم مکہ کی طرح ہوتے تو پھر حرم مدینہ کے درخت نہ کوٹے جاتے ——— اگر یہ کہا جائے کہ حرم مدینہ کے درخت مسجد کی ضرورت کے لیے کاٹے گئے تھے، تو اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ مصلحتِ مسلمین کے لیے حرم مدینہ کے درخت کاٹنے جائز ہیں تو کیا حرم مکہ کے درخت بھی اس مصلحت کے لیے کاٹنے جائز قرار پائیں گے؟ ولا قائل بہ۔ اس سے واضح ہوا کہ حرم مدینہ کے درخت وغیرہ اکھاڑنے کی ممانعت بوجہ زینت مدینہ کے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اگر حرم کعبہ کے درخت کسی ضرورت و مصلحت کی وجہ سے اکھاڑے یا کاٹے جائیں۔ تو فدیہ واجب ہو جاتا ہے۔

۴) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حُرِّمَ مَا بَيْنَ لَابَتَيِ الْمَدِيْنَةِ عَلٰى لِسَانِيْ قَالَ وَاَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَنِيْ حَارِثَةَ فَقَالَ اَرَاكُمْ يَا بَنِيْ حَارِثَةَ قَدْ خَرَجْتُمْ مِنَ الْحَرَمِ ثُمَّ الْتَفَتَ فَقَالَ بَلْ اَنْتُمْ فِيْهِ (بخاری)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ کے دونوں پتھریلے کناروں میں جو زمین ہے وہ میری [illegible] پر حرم ٹھیرائی گئی۔ ابوہریرہ نے کہا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بنی حارثہ کے پاس آئے اور فرمایا میں سمجھتا ہوں بنی حارثہ تم حرم کے باہر ہو گئے۔ پھر دیکھا تو فرمایا نہیں بلکہ تم حرم کے اندر ہو۔

۵) عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ مَا عِنْدَنَا شَيْءٌ اِلَّا كِتَابُ اللّٰهِ وَهٰذِهِ الصَّحِيْفَةُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةُ حَرَمٌ مَا بَيْنَ عَائِرٍ اِلٰى كَذَا مَنْ اَحْدَثَ فِيْهَا حَدَثًا اَوْ اٰوٰى مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ وَقَالَ ذِمَّةُ الْمُسْلِمِيْنَ وَاحِدَةٌ فَمَنْ اَخْفَرَ مُسْلِمًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ وَمَنْ تَوَلّٰى قَوْمًا بِغَيْرِ اِذْنِ مَوَالِيْهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ (بخاری)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا ہمارے پاس تو کچھ نہیں ہے صرف اللہ کی کتاب ہے اور یہ کاغذ۔ اس میں بھی یہ لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مدینہ عائر پہاڑ سے کریاں تک حرم ہے جو کوئی وہاں بدعت نکالے یا بدعتی کو پناہ دے۔ اس پر اللہ اور فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے نہ اس کا نفل قبول ہو گا اور نہ فرض۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مسلمانوں میں سے کسی کا بھی عہد کافی ہے۔ جو کوئی مسلمان کا عہد توڑے اس پر اللہ اور فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ نہ اس کا کوئی نفل قبول ہوگا اور نہ فرض۔ اور جو کوئی اپنے مالک کو چھوڑ کر اس کی اجازت کے بغیر اور کسی کو مالک بنا لے۔ تو اس پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ اس کا

نفل قبول ہوگا نہ فرض۔

فوائد و مسائل حضرت علی فرماتے ہیں۔ ماعندنا شیئ۔ یعنی میرے پاس کوئی خاص احکام شرع نہیں ہیں۔ جو حضور علیہ السلام نے صرف مجھے ہی خفیہ طور پر بتلائے ہوں۔ بلکہ اللہ کی کتاب قرآن ہے اور ایک صحیفہ ہے جس میں مدینہ کے حرم ہونے کا بیان ہے۔ کتاب العلم میں حدیث گذر چکی ہے۔ کہ اس صحیفہ میں عقل (فکاک اسیر کے مسایل بھی درج تھے (صرف سے مراد فرائض اور عدل سے نوافل مراد ہیں۔ ذمۃ المسلمین سے مسلمانوں کے عہد و پیمان اور کسی کو امان دینا مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی کافر کو امان دے دے۔ تو دوسرے مسلمانوں کو نقضِ ذمہ جائز نہیں ہے۔ البتہ امان دینے کے شرائط میں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ فمن اخفر عہد توڑنے کے ہیں۔ حدیث ہذا مسایل ذیل پر مشتمل ہے۔

(۱) اس میں روافض کا رد ہے جو کہتے ہیں حضرت علی کے پاس دین کے ایسے احکام واسرار تھے جو حضور علیہ السلام نے ان کو وصیت کیے تھے اور اس کے افشاء کی ممانعت فرمائی تھی (۲) علم کی کتابت جائز ہے (۳) عہد توڑنا حرام ہے۔

بَابُ فَضْلِ الْمَدِيْنَةِ وَاَنَّهَا تَنْفِي النَّاسَ

باب مدینہ کی فضیلت اور مدینہ کا برے آدمی کو نکال دینا

اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ بِقَرْيَةٍ تَاْكُلُ الْقُرٰى يَقُوْلُوْنَ يَثْرِبُ وَهِيَ الْمَدِيْنَةُ تَنْفِي النَّاسَ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ

(بخاری)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھ کو اس بستی میں جانے کا حکم ہوا جو دوسری بستیوں کو کھائے گی (اُن کی سردار بنے گی) منافق اس کو یثرب کہتے ہیں اس کا نام مدینہ ہے۔ بُرے لوگوں کو اس طرح سے نکال باہر کرے گی جیسے بھٹی لوہے کا میل نکال دیتی ہے۔

فوائد و مسائل امرت کا مطلب یہ ہے مجھے ایسے قریہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا گیا ہے۔ تاکل القرای کا مطلب یہ ہے جو تمام بستیوں کو کھائے گی یعنی مدینہ کو مرکز اسلام و مرکز رشد و ہدایت ہونے کا شرف حاصل ہوگا۔ یقولون یثرب یعنی منافق مدینہ منورہ کو یثرب کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ مدینہ ہے۔ تنفی الناس یعنی جیسے بھٹی میں جب لوہا پگھلایا یا گرم کیا جائے تو وہ اس کے میل کچیل کو علیحدہ کر دیتا ہے۔ ایسے ہی مدینہ شریر لوگوں کو اپنے اندر ٹکنے نہیں دے گا۔

اس سلسلہ میں حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا ہے،

مدینہ میں تین زلزلے آئیں گے۔ فیخرج اللہ کل منافق وکافر (بخاری) تو اس کے سبب اللہ تعالیٰ مدینہ سے تمام منافق اور کافروں کو نکال دیگا۔ نیز حضور علیہ السلام نے فرمایا لا تقوم الساعۃ الخ قیامت قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ مدینہ ان تمام شریروں کو اس طرح نکال باہر کرے گا جیسے بھٹی لوہے کا میل نکال دیتی ہے — ان احادیث کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ فی الحدیث ارشاد کا ظہور قرب قیامت میں ہوگا۔

مدینہ منورہ کو یثرب کہنا جائز نہیں مدینہ منورہ کو یثرب کہنا جائز نہیں۔ ہجرت سے پیشتر لوگ مدینہ کو یثرب کہتے تھے۔ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ حدیث مسلم میں ہے کہ مدینہ کا نام اللہ تعالیٰ نے طابہ رکھا ہے اور قرآن مجید میں مدینہ کو جو یثرب کہا گیا ہے یہ در اصل قول غیر مومنین بطور حکایت ہے۔ عینی ج ۵ ص ۲۴۱۔ یقولون یعنی بعض منافقین مدینہ کو یثرب سے موسوم کرتے تھے۔

(۱) حدیث براء ابن عازب سے مروی ہے

من سمی المدینۃ یثرب فلیستغفر اللہ تعالیٰ ھی طابہ	کہ جو مدینہ کو یثرب کہے وہ اللہ تعالیٰ سے اس کی معافی چاہے۔ مدینہ کا نام طابہ ہے۔

حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی ان یقال للمدینۃ یثرب	آنحضور صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مدینہ کو یثرب کہنے سے منع فرمایا ہے۔

بعض شعراء اپنے اشعار میں مدینہ طیبہ کو یثرب لکھتے ہیں۔ اور یہ کمال بے ادبی اور بار کا کلمہ ہے۔ انہیں اس سے احتراز لازم ہے۔ یثرب کی جگہ طیبہ پڑھنا چاہیے۔

(۲) حدیث زیر بحث میں تاکل القری کے الفاظ سے سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ شریف کو مکہ معظمہ سے افضل ہونے کا استدلال فرمایا ہے۔ اور حدیث کے الفاظ مدینہ شریف کے لیے اسی درجہ کے متقاضی ہیں۔

بَابُ الْمَدِيْنَةُ طَابَةٌ

باب مدینہ کا ایک نام طابہ ہے

عَنْ اَبِیْ حُمَیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَقْبَلْنَا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ تَبُوْکَ حَتّٰی اَشْرَفْنَا عَلَی الْمَدِیْنَۃِ فَقَالَ ھٰذِہٖ طَابَۃٌ (بخاری)	ابو حمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ تبوک سے لوٹ کر آئے۔ جب مدینہ کے قریب پہنچے تو آپ نے فرمایا۔ یہ طابہ آگیا۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ حضور علیہ السلام نے مدینہ منورہ کا نام طابہ رکھا۔ لہٰذا اسی نام سے پکارنا چاہیے۔ اور تقریر و تحریر میں مدینہ منورہ کو یثرب سے موسوم نہ کرنا چاہیے۔

بَابُ لَابَتَیِ الْمَدِیْنَۃِ

باب مدینہ کے دونوں پتھریلے میدان

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے

كَانَ يَقُولُ لَوْ رَأَيْتُ الظِّبَاءَ بِالْمَدِينَةِ تَرْتَعُ مَا ذَعَرْتُهَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا حَرَامٌ (بخاری)

وہ کہتے تھے اگر میں مدینہ میں ہرن چرتے دیکھوں تو ان کو نہ چھیڑوں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ کی زمین دونوں پتھریلے میدانوں کے بیچ میں حرم ہے (وہاں شکار جائز نہیں)

فوائد ومسائل: اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حرم مدینہ کو حرم مکہ کی طرح ہی سمجھتے تھے۔

بَابُ مَنْ رَغِبَ عَنِ الْمَدِينَةِ

باب جو شخص مدینہ سے نفرت کرے

اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ يَتْرُكُونَ الْمَدِينَةَ عَلَى خَيْرِ مَا كَانَتْ لَا يَغْشَاهَا اِلَّا الْعَوَافِ يُرِيدُ عَوَافِي السِّبَاعِ وَالطَّيْرِ وَاٰخِرُ مَنْ يُحْشَرُ رَاعِيَانِ مِنْ مُزَيْنَةَ يُرِيدَانِ الْمَدِينَةَ يَنْعِقَانِ بِغَنَمِهِمَا فَيَجِدَانِهَا وَحْشًا حَتّٰى اِذَا بَلَغَا ثَنِيَّةَ الْوَدَاعِ خَرَّا عَلٰى وُجُوهِهِمَا. (بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے تم مدینہ کو اچھی حالت میں چھوڑ جاؤ گے پھر (البیا اجاڑ ہو جائے گا کر) وہاں وحشی جانور درندے اور پرندے بسنے لگیں گے اور آخر میں قبیلہ مزینہ کے دو چرواہے مدینہ آئیں گے اس لیے کہ اپنی بکریاں ہانک لے جائیں۔ دیکھیں گے کہ وہاں نرے وحشی جانور ہی جانور ہیں۔ جب وہ ثنیۃ الوداع پر پہنچیں گے تو اوندھے منہ گر پڑیں گے۔

عَنْ سُفْيَانَ بْنِ اَبِي زُهَيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ يُفْتَحُ الْيَمَنُ فَيَاْتِي قَوْمٌ يُبِسُّونَ فَيَتَحَمَّلُونَ بِاَهْلِيهِمْ وَمَنْ اَطَاعَهُمْ وَالْمَدِينَةُ خَيْرٌ لَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ وَيُفْتَحُ الشَّامُ فَيَاْتِي قَوْمٌ يُبِسُّونَ فَيَتَحَمَّلُونَ بِاَهْلِيهِمْ وَمَنْ اَطَاعَهُمْ وَالْمَدِينَةُ خَيْرٌ لَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ وَيُفْتَحُ الْعِرَاقُ فَيَاْتِي

حضرت سفیان بن ابی زہیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ فرماتے تھے ملک یمن فتح ہو گا۔ پھر وہاں سے کچھ لوگ سواری کے جانور ہانکتے ہوئے آئیں گے۔ اور اپنے گھر والوں کو اور جو ان کا کہنا مانیں گے ان کو لاد کر مدینہ سے لے جائیں گے حالانکہ اگر ان کو معلوم ہوتا تو مدینہ میں رہنا ان کے لیے بہتر تھا۔ اسی طرح ملک شام فتح ہو گا اور کچھ لوگ سواریاں ہانکتے ہوئے آئیں گے اور اپنے گھر والوں

قَوْمٌ يُبِسُّوْنَ فَيَتَحَمَّلُوْنَ بِاَهْلِيْهِمْ وَمَنْ اَطَاعَهُمْ وَالْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ. (بخاری)

اور اپنا کہنا ماننے والوں کو لاد کر لے جائیں گے۔ اور اگر وہ سمجھتے تو ان کا مدینہ میں رہنا بہتر تھا۔ اور اسی طرح ملک عراق فتح ہوگا اور وہاں کے کچھ لوگ سواریاں ہانکتے ہوئے آئیں گے اور اپنے گھروالوں اور اپنا کہنا ماننے والوں کو لاد کر لے جائیں گے۔ اگر ان کو سمجھ ہوتی تو مدینہ میں ان کا رہنا بہتر تھا۔

(۱) ثنیۃ الوداع مدینہ منورہ کے پاس ایک پہاڑی کا نام ہے علامہ نووی نے فرمایا۔ یہ ترک آخری زمانہ میں ہوگا۔ اور علامہ عیاض کی رائے یہ ہے کہ عصر اول میں مدینہ منورہ کے ساتھ یہ معاملہ ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم؟

(۲) ان دونوں حدیثوں میں مدینہ منورہ کی خیر و برکت کا بیان ہے۔ اور یہ کہ مدینہ سے بے رغبتی اور اسے چھوڑ کر دوسری جگہ سکونت اختیار کرنا اچھا نہیں۔

حضور علیہ السلام نے فتح یمن کی پیشگوئی فرمائی، جو حضور علیہ السلام کے زمانہ ہی میں پوری ہوئی۔ پھر عہد صدیقی میں شام و عراق فتح ہوئے اور لوگ مفتوحہ علاقوں میں سکونت اختیار کرنے لگے۔

خاک طیبہ از دو عالم بہتر است ان خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

بَابُ الْاِيْمَانِ يَارِزُ اِلَى الْمَدِيْنَةِ

باب ایمان مدینہ کی طرف سمٹ آئے گا

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْاِيْمَانَ لَيَارِزُ اِلَى الْمَدِيْنَةِ كَمَا تَارِزُ الْحَيَّةُ اِلٰى جُحْرِهَا.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ایمان مدینہ کی طرف اس طرح سمٹ آئے گا جیسے سانپ اپنے بل میں آ جایا کرتا ہے۔

اس حدیث سے بھی مدینہ منورہ کی عظمت و بزرگی واضح ہوتی ہے۔ اور یہ کہ جیسے سانپ طلب معاش میں ادھر ادھر پھرتا ہے اور جب کسی چیز سے خوف کھاتا ہے تو واپس اپنے بل کی طرف پلٹ آتا ہے ایسے ہی آخر زمانہ میں اہل ایمان مدینہ کی طرف لوٹ آئیں گے۔

بَابُ اِثْمِ مَنْ كَادَ اَهْلَ الْمَدِيْنَةِ

باب۔ اہل مدینہ سے فریب کرنے والے کا گناہ

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ سَعْدًا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَكِيْدُ أَهْلَ الْمَدِيْنَةِ أَحَدٌ إِلَّا انْمَاعَ كَمَا يَنْمَاعُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ (بخاری)

سعد رضی اللہ عنہ سے سنا تھا۔ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا۔ آنحضور نے فرمایا تھا کہ اہل مدینہ کے ساتھ جو شخص بھی فریب کرے گا وہ اس طرح گھل جائے گا جیسے نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔

کسی بھی مسلمان کو دھوکہ دینا بہرحال ناجائز حرام ہے۔ اور اہل مدینہ کے ساتھ ایسا سلوک کرنا اور بھی زیادہ گناہ ہے کیونکہ ان کو ایک ایسے مقدس شہر سے نسبت ہے جس شہر کو حق کے نقش حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا اور بحکم خدا اسی شہر کی طرف آپ نے ہجرت فرمائی مسجد نبوی جو کائنات عالم میں سب سے مقدس مسجد ہے تعمیر فرمائی پھر اسی شہر میں آج بھی جلوہ فرما ہیں۔

بَابُ آطَامِ الْمَدِيْنَةِ

باب مدینہ کے محلوں کے متعلق

قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ سَمِعْتُ أُسَامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ أَشْرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أُطُمٍ مِنْ آطَامِ الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ هَلْ تَرَوْنَ مَا أَرَى إِنِّي لَأَرَى مَوَاقِعَ الْفِتَنِ خِلَالَ بُيُوْتِكُمْ كَمَوَاقِعِ الْقَطْرِ۔ (بخاری)

ابن شہاب حضرت اسامہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام مدینہ کے ایک اونچے مکان پر جلوہ فرما ہوئے۔ اور فرمایا۔ کیا تم وہ دیکھتے ہو جو میں دیکھتا ہوں۔ میں تمہارے گھروں میں فتنوں کے مقام ایسے دیکھ رہا ہوں جیسے بارش گرنے کا مقام۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ حضور علیہ السلام وہ کچھ دیکھتے ہیں۔ جو غیر نبی نہیں دیکھ سکتا۔ علامہ عینی نے فرمایا ھذا من علامات النبوۃ لاخبارہ بما سیکون کہ یہ بات نبوت کی علامات سے ہے کہ آپ نے آئندہ ہونے والے حادثات کی خبر دی۔ علامہ قسطلانی نے فرمایا دیکھنے سے مراد علم ہے یا آنکھ سے دیکھنا کہ فتنوں کی صورت آپ کے سامنے کر دی گئی۔ مطلب یہ کہ مدینہ میں فتنوں کا ظہور ہوگا اور یہ نبوت کی نشانیوں میں سے ہے۔ حضور علیہ السلام کا یہ فرمان پورا ہوا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ یزید کی جانب سے واقعہ حرہ میں اہل مدینہ پر آفتیں آئیں۔

بَابُ لَا يَدْخُلُ الدَّجَّالُ الْمَدِيْنَةَ

باب۔ دجال مدینہ میں داخل نہیں ہوگا

عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت

النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَدْخُلُ الْمَدِیْنَةَ رُعْبُ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ لَهَا یَوْمَئِذٍ سَبْعَةُ أَبْوَابٍ عَلَی کُلِّ بَابٍ مَلَکَانِ۔ (بخاری)

ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا۔ مدینہ میں دجال کا کچھ خوف نہ ہوگا اس وقت مدینہ کے سات دروازے ہوں گے ہر دروازے پر دو فرشتے پہرہ دیں گے۔

(۲) عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَی أَنْقَابِ الْمَدِیْنَةِ مَلَائِکَةٌ لَا یَدْخُلُهَا الطَّاعُوْنُ وَلَا الدَّجَّالُ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ مدینہ کے دروازوں پر فرشتے ہوں گے نہ اس میں طاعون داخل ہوسکے گا نہ دجال۔

(۳) أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَیْسَ مِنْ بَلَدٍ إِلَّا سَیَطَؤُهُ الدَّجَّالُ إِلَّا مَکَّةَ وَالْمَدِیْنَةَ لَیْسَ لَهُ مِنْ نِقَابِهَا نَقْبٌ إِلَّا عَلَیْهِ الْمَلَائِکَةُ صَافِّیْنَ یَحْرُسُوْنَهَا ثُمَّ تَرْجُفُ الْمَدِیْنَةُ بِأَهْلِهَا رَجَفَاتٍ فَیُخْرِجُ اللّٰهُ کُلَّ کَافِرٍ وَمُنَافِقٍ۔ (بخاری)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا دنیا میں کوئی ایسا شہر نہیں جس کو دجال نہ روندے گا۔ ضرور روندے گا مگر مکہ اور مدینہ ان دونوں شہروں میں آنے کے جتنے راستے ہیں ان پر فرشتے صف باندھے ہوئے پہرہ دے رہے ہوں گے۔ پھر مدینہ کی زمین تین دفعہ کانپے گی جس سے ایک ایک کافر و منافق کو اللہ تعالیٰ حرم سے باہر کردے گا۔

أَنَّ أَبَا سَعِیْدٍ الْخُدْرِیَّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَدِیْثًا طَوِیْلًا عَنِ الدَّجَّالِ فَکَانَ فِیْمَا حَدَّثَنَا بِهِ أَنْ قَالَ یَأْتِی الدَّجَّالُ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَیْهِ أَنْ یَدْخُلَ نِقَابَ الْمَدِیْنَةِ بَعْضَ السِّبَاخِ بِالْمَدِیْنَةِ فَیَخْرُجُ إِلَیْهِ یَوْمَئِذٍ رَجُلٌ وَهُوَ خَیْرُ النَّاسِ أَوْ مِنْ خَیْرِ النَّاسِ فَیَقُوْلُ أَشْهَدُ أَنَّكَ الدَّجَّالُ الَّذِیْ حَدَّثَنَا عَنْكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے متعلق ایک طویل حدیث بیان کی۔ آپ نے اپنی حدیث میں یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ دجال، مدینہ کی ایک سویران زمین تک پہنچے گا۔ حالانکہ مدینہ میں داخلہ اس کے لیے ممکن نہیں ہوگا۔ اس دن ایک شخص اس کی طرف نکل کر بڑھیں گے۔ یہ لوگوں میں ایک بہترین فرد ہوں گے یا یہ فرمایا کہ بہترین لوگوں میں ہوں گے۔ وہ شخص کہیں گے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم وہی دجال ہو جس کے متعلق ہمیں رسول اللہ

حَدِیْثَہٗ فَیَقُوْلُ الدَّجَّالُ اَرَاَیْتَ اِنْ قَتَلْتُ ھٰذَا ثُمَّ اَحْیَیْتُہٗ ھَلْ تَشُکُّوْنَ فِی الْاَمْرِ فَیَقُوْلُوْنَ لَا فَیَقْتُلُہٗ ثُمَّ یُحْیِیْہِ فَیَقُوْلُ حِیْنَ یُحْیِیْہِ وَاللّٰہِ مَا کُنْتُ قَطُّ اَشَدَّ بَصِیْرَۃً مِّنِّی الْیَوْمَ فَیَقُوْلُ الدَّجَّالُ اَقْتُلُہٗ فَلَا یُسَلَّطُ عَلَیْہِ۔

(بخاری)

صلے اللہ علیہ وسلم نے اطلاع دی تھی۔ دجال کہے گا کیا اگر میں اسے قتل کر کے پھر زندہ کر دوں تو تم لوگوں کو میرے معاملہ میں کوئی شبہ رہ جائے گا۔ اس کے حواری کہیں گے کہ نہیں۔ چنانچہ دجال انہیں قتل کر کے پھر زندہ کرے گا جب دجال انہیں زندہ کرے گا تو وہ کہیں گے بخدا جس درجہ مجھے آج تمہارے متعلق بصیرت حاصل ہوئی اتنی کبھی نہ تھی۔ دجال کہے گا۔ لاؤ دوبارہ سے قتل کر دوں لیکن اس مرتبہ وہ کامیاب نہ پا سکے گا۔

فوائد و مسائل ان احادیث میں مدینہ طیبہ کی خصوصیات کا ذکر ہے۔ (۱) دجال کو مسیح اس لیے کہا گیا کہ وہ ممسوح العین یعنی کانا ہوگا۔ یا اس لیے کہ وہ روئے زمین کی سیاحت کرے گا۔ دجال لفظ دجل سے مشتق ہے۔ اس کے معنی جھوٹ کے ہیں۔

(۲) مدینہ منورہ طاعون اور فتنہ دجال سے محفوظ و مصئون رہے گا (۳) مکہ و مدینہ کے ہر راستہ پر فرشتے پہرہ دار ہوں گے۔ وہ دجال کو ان دونوں مقدس شہروں میں داخل نہ ہونے دیں گے (۴) قرب قیامت میں مدینہ میں تین مرتبہ زلزلہ آئے گا۔ یہ زلزلہ دراصل ان لوگوں کو مدینہ سے نکالنے کے لیے ہوگا جن کے دلوں میں نفاق ہوگا۔ منافق ان زلزلوں سے ڈر کر مدینہ سے بھاگ جائیں گے اور خالص مخلص مسلمان مدینہ میں رہ جائیں گے (۵) حدیث نمبرہ کی باب سے مناسبت یہ ہے کہ اس میں اس امر کا اظہار ہے کہ دجال مدینہ میں داخل ہونے کی قدرت نہ پائے گا (۶) رجل ھو خیر الناس سے بعض شارحین نے حضرت خضر کو مراد لیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بَابُ الْمَدِیْنَةُ تَنْفِی الْخَبَثَ

باب مدینہ برے آدمی کو نکال دیتا ہے

عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ جَآءَ اَعْرَابِیٌّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَبَایَعَہٗ عَلَی الْاِسْلَامِ فَجَاءَ مِنَ الْغَدِ مَحْمُوْمًا فَقَالَ اَقِلْنِیْ فَاَبٰی ثَلٰثَ مِرَارٍ فَقَالَ الْمَدِیْنَةُ کَالْکِیْرِ تَنْفِیْ خَبَثَھَا وَیَنْصَعُ طِیْبُھَا (بخاری)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ایک دیہاتی نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آپ سے اسلام پر بیعت کی۔ دوسرے دن بخار میں مبتلا ہوا آیا اور کہنے لگا میری بیعت توڑ دیجیے اس نے تین بار یہی کہا۔ آپ نے انکار کیا۔ پھر فرمایا۔ مدینہ تو گویا بھٹی ہے۔ جو میل کچیل کو نکال دیتی

(بخاری) | ہے اور اچھے کو چھانٹ لاتا ہے۔

فوائد و مسائل

۱۔ اس حدیث میں کالکیر تنفی کے الفاظ ترجمۃ الباب ہیں۔ امام بخاری نے اس حدیث کو احکام میں اور نسائی نے حج میں ذکر کیا ہے ۲۔ ینصع، نصع سے ہے جس کے معنی خالص کے ہیں۔ قرآن مجید میں توبۃ نصوحا کے الفاظ آتے ہیں جس کے معنی خالص اور سچی توبہ کے ہیں۔

حدیث زیر بحث کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ مدینہ منورہ کفار و منافقین کو جگہ نہیں دیتا۔ صرف مخلص مسلمان ہی مدینہ میں سکونت رکھ سکتے ہیں۔ حدیث کے اس مفہوم سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو لوگ بھی مدینہ میں سکونت پذیر ہیں وہ سب کے سب خالص مخلص مسلمان ہیں ——— لیکن اس سلسلہ کی دیگر احادیث کی روشنی میں حدیث زیر بحث کا مفہوم صحیح یہ ہے کہ مدینہ شریف کی طبعی خصوصیت یہی ہے کہ گمراہ و بیدین، کافر اور منافق کو پسند نہیں کرتا اور اگر کوئی منافق یا گمراہ بیدین مدینہ میں سکونت اختیار کرلے تو اس کی منافقت اور گمراہی چھپی نہیں رہ سکتی۔ مسلمانوں پر اس کی منافقت اور گمراہی بہرحال واضح اور ظاہر رہے گی۔ لیکن یہ خصوصیت بھی حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری تک رہی۔ آپ کی وفات کے بعد مدینہ کی یہ خصوصیت باقی نہ رہی ——— علامہ قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے بھی مدینہ شریف کی اس خصوصیت کو حضور کی حیاتِ ظاہری کے ساتھ خاص ہونے کا قول کیا ہے۔ اور یہ ہی صحیح ہے۔ علامہ بدر عینی شارح بخاری علیہ الرحمۃ نے بھی اسی مفہوم کی تائید کی اور فرمایا۔ فدل علی ان المراد بالحدیث تخصیص ناس دون ناس ووقت دون وقت (عینی ج ۲ صد ۱۴۳) اور دیگر دلائلِ شرعیہ سے بھی اس کی تائید و توثیق ہوتی ہے البتہ قربِ قیامت میں مدینہ منورہ کی یہ خصوصیت دوبارہ لوٹ آئے گی۔ جب کہ دجال کا ظہور ہوگا۔ تو دجال مدینہ شریف میں داخل نہ ہو سکے گا۔ مدینہ کی حدود سے باہر پڑاؤ ڈالے گا۔ پھر مدینہ منورہ میں تین زلزلے آئیں گے اور جس قدر منافقین و کفار مدینہ میں ہوں گے سب مدینہ سے بھاگ جائیں گے۔ منافقین دجال کی پیروی کریں گے۔ چنانچہ مسلم شریف کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

لا تقوم الساعۃ حتی تنفی المدینۃ شرارھا کما تنفی الکیر خبث الحدید	نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک مدینہ اشرار کفار و منافقین کو باہر نکال دے گا جیسے بھٹی لوہے کی میل کو علیحدہ کر دیتی ہے (مسلم ج ۱ صد ۴۸۹)

حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ یہ ہیں:-

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لیس بلدۃ الا سیطؤہ الدجال الا المدینۃ والملائکۃ علی کل نقب من انقاب المدینۃ الملائکۃ صافین یحرسونہا فینزل السبخۃ فترجف المدینۃ ثلاث رجفات یخرج الیہ منہا کل منافق وکافر۔ المحلی لابن حزم صد ۲۸۱، ج ۷	کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مدینہ منورہ و مکہ معظمہ کے سوا دجال ہر شہر کو پامال کرے گا۔ مدینہ و مکہ کے ہر راستہ پر ملائکہ صف باندھے پہرہ دیں گے۔ دجال مدینہ سے باہر شور زمین میں قیام کرے گا۔ پھر مدینہ میں تین مرتبہ زلزلہ آئے گا جس کی وجہ سے منافق اور کافر مدینہ سے نکل کر دجال کی طرف چلے جائیں گے۔

اسی مضمون کی حدیث حضرت انس ہی سے بخاری میں ہے۔ جو صد ۱۰۰ پر گذر چکی ہے۔ اسی سلسلہ کی دیگر احادیث کے

پیش نظر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حدیث زیر بحث کا مطلب اگر یہی ہو کہ مدینہ کافر و منافق کو قبول نہیں کرتا یا جو بھی مدینہ میں آباد ہو جائیں۔ وہ ضرور مخلص مسلمان ہی قرار پائیں گے۔ تو پھر سوال یہ ہے خروج دجال کے وقت کافر و منافق مدینہ میں کہاں سے آ گئے جو زلزلہ کی دہشت سے وہاں سے کوچ کریں گے۔ پھر قرآن مجید کی یہ آیت ومن اهل المدينة مردوا على النفاق (سورہ) سے بھی واضح ہے کہ مدینہ میں منافق اقامت رکھتے تھے۔ اسی لیے حدیث زیر بحث المدينة كالكير تنفي خبثها الخ کا مطلب یہ قرار پاتا ہے کہ مدینہ شریف کی یہ خصوصیت حضور کی حیات ظاہری تک کے لیے تھا۔ حضور کی حیات ظاہری میں بھی مدینہ میں منافق موجود تھے۔ مگر نفاق حضور پر تو ظاہر ہی تھا۔ مگر عام مسلمانوں پر بھی واضح تھا۔ جس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۔ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ج (آلِ عمران ۱۷۹)

اللہ مسلمانوں کو اس حال پر چھوڑنے کا نہیں جس پر تم ہو۔ جب تک جدا نہ کر دے گندے کو ستھرے سے اور اللہ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگو تمہیں غیب کا علم دیدے۔ ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔ تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر۔

اس آیت میں خبیث سے منافق اور طیب سے مومن مخلص مراد ہیں۔ اس آیت سے یہ بھی واضح ہے کہ گو کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات اقدس میں منافق مدینہ میں قیام رکھتے تھے۔ مگر منافقوں کا نفاق مسلمانوں سے پوشیدہ نہ تھا۔ اور یہ ہی مطلب ہے حدیث (المدینہ کالکیر الخ) کا کہ حضور کی حیات مبارکہ تک مدینہ کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ وہاں جو منافق بھی تھا اس کا نفاق چھپا نہیں رہا ——— حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ خصوصیت باقی نہ رہی۔ مدینہ میں منافق بھی آباد ہوئے بلکہ ان کی حکومت بھی آئی۔ البتہ قرب قیامت میں مدینہ کی یہ خصوصیت دوبارہ عود کرے گی اور جس قدر منافق و گمراہ لوگ مدینہ میں مقیم ہو جائیں گے سب کا نفاق ظاہر ہو جائے گا اور وہ مدینہ سے باہر نکل جائیں گے۔

لَمَّا خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى اُحُدٍ رَجَعَ نَاسٌ مِّنْ اَصْحَابِهٖ فَقَالَتْ فِرْقَةٌ نَقْتُلُهُمْ وَقَالَتْ فِرْقَةٌ لَا نَقْتُلُهُمْ فَنَزَلَتْ فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهَا تَنْفِي الرِّجَالَ كَمَا تَنْفِي النَّارُ خَبَثَ

حضرت زید بن ثابت کہتے ہیں۔ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ اُحد میں نکلے۔ آپ کے ساتھیوں میں سے کچھ لوگ (منافق) لوٹ گئے۔ بعضوں نے کہا۔ ہم چل کر ان کو قتل کریں گے۔ بعضوں نے کہا۔ ہم قتل نہیں کرنے کے۔ اس وقت سورۂ نساء کی یہ آیت اتری تو تم کو کیا ہو گیا۔ منافقوں کے باب میں تمہارے دو فرقے ہو گئے اور آنحضرت نے فرمایا۔ مدینہ

ابن حزم کہتے ہیں۔ حدیث زیر بحث کا جب یہ مطلب متعین ہو گیا۔ تو اب کسی منافق و گمراہ و کافر کو اس حدیث سے یہ استدلال کا حق نہ رہا کہ اگر ہم گمراہ و بیدین ہوتے تو مدینہ میں قیام نہ کر سکتے یا ہماری حکومت مدینہ میں قائم نہ ہوتی ——— کیونکہ مدینہ کی مذکورہ فی الحدیث خصوصیت حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک محدود تھی۔ اس کے بعد لکھتے ہیں۔

وسكان المدينة اليوم اخبث الخبث انا لله وانا اليه راجعون على مصيبتنا فى ذالك فبطل تمويههم بهذا الخبر

محلی ج ۷، ص ۲۸۱

اَلْحَدِیْدِ (بخاری)

... ... تو اس طرح نکال دیتا ہے جیسے بھٹی لوہے کی میل کچیل کو۔

بخاری شریف کی اس حدیث سے بھی واضح ہے کہ حضور کے زمانہ مبارکہ میں منافق مدینہ میں سکونت رکھتے تھے مگر ان کا نفاق ظاہر ہو جاتا تھا چنانچہ جب منافق جنگ احد میں شریک نہ ہوئے تو ان کا نفاق تمام مسلمانوں پر ظاہر ہو گیا اور اس معنے میں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مدینہ میں منافق رہ بھی جائے تو اس کا نفاق چھپا نہیں رہ سکتا۔ اِنَّھَا تَنْفِی الرِّجَالَ کَمَا تَنْفِی النَّارُ خَبَثَ الْحَدِیْدِ ۲۔ اس حدیث کو امام بخاری نے تفسیر ذکر منافقین، مغازی، مناسک میں بھی اور امام ترمذی و نسائی نے تفسیر میں ذکر کیا ہے ۳۔ اس حدیث کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں صحابی صحابی سے روایت کر رہا ہے۔ عبداللہ بن یزید اور زید بن ثابت دونوں صحابی رسول ہیں۔

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ بِالْمَدِیْنَۃِ ضِعْفَیْ مَا جَعَلْتَ بِمَکَّۃَ مِنَ الْبَرَکَۃِ (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔ اے اللہ! جتنی تو نے مکہ میں برکت عطا فرمائی ہے۔ مدینہ میں اس سے دوگنی برکت عطا فرما۔

شارحین نے اس حدیث پر طول و طویل گفتگو فرمائی ہے۔ بعض نے اس حدیث سے مدینہ منورہ کی مکہ پر افضلیت کا قول کیا ہے دیکھئے عینی، فتح الباری۔ نووی علی مسلم —— لیکن متن حدیث سے اتنی بات واضح ہے کہ مدینہ منورہ خیر و برکت کا شہر ہے۔ ا۔ حضور سرور انبیاء علیہ السلام نے مدینہ کے لیے مکہ سے دوگنی برکت کی جو دعا فرمائی ہے۔ وہ یقیناً مقبول ہے۔ حضور کو مدینہ سب شہروں سے زیادہ محبوب بھی ہے۔ کیا مدینہ منورہ کی یہ خصوصیت نظر انداز کی جا سکتی ہے۔ علامہ اقبال کہتے ہیں ؎

خاکِ طیبہ از دو عالم خوشتر است اے خنک شہرے کہ در وے دلبر است

۲۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے یمن و شام کے لیے بھی برکت کی دعا فرمائی ہے۔ آپ نے تین مرتبہ دعائیہ کلمات کا اعادہ فرمایا۔ مگر یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اس دعا میں صرف دعا کی گئی ہے۔ اس میں یہ نہیں ہے کہ الٰہی! شام و یمن میں مکہ سے دگنی برکت عطا فرما —— مگر مدینہ منورہ کے لیے حضور نے جو دعا فرمائی ہے اس میں تو یہ لفظ موجود ہیں۔ اللّٰھم اجعل بالمدینۃ ضعفی ماجعلت بمکۃ الٰہی مدینہ میں مکہ سے دگنی برکت عطا فرما۔ یہ دگنی برکت کی دعا تو صرف مدینہ منورہ کے لیے ہی ہے۔

طیبہ نہ سہی افضل مکہ ہی بڑا زاہد ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ فَنَظَرَ اِلٰی جُدُرَاتِ الْمَدِیْنَۃِ اَوْضَعَ رَاحِلَتَہٗ وَاِنْ کَانَ عَلٰی دَابَّۃٍ حَرَّکَھَا مِنْ حُبِّھَا (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی سفر سے واپس آتے اور مدینہ کی دیواروں کو دیکھتے تو اپنی سواری تیز کر دیتے اور اگر کسی جانور کی پشت پر ہوتے تو مدینہ کی محبت میں اسے ایڑ لگاتے۔

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا مدینہ منورہ کی دیواروں کو دیکھ کر سواری کو تیز کر دینا اس امر کی دلیل ہے کہ آپ کو مدینہ منورہ بہت محبوب و پسند تھا۔ جو شہر حضور کو پسند ہو۔ اس کی عظمت اور برکت اور فضیلت کا کنارہ کسے ہاتھ آسکتا ہے

بَابُ كَرَاهِيَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تُعْرَى الْمَدِيْنَةُ

باب نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو مدینہ کو ویران کرنا ناگوار خاطر تھا

عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَرَادَ بَنُوْ سَلِمَةَ اَنْ يَّتَحَوَّلُوْا اِلٰى قُرْبِ الْمَسْجِدِ فَكَرِهَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تُعْرَى الْمَدِيْنَةُ وَقَالَ يَا بَنِيْ سَلِمَةَ اَلَا تَحْتَسِبُوْنَ اٰثَارَكُمْ فَاَقَامُوْا (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انھوں نے کہا (انصار کے قبیلے) بنی سلمہ نے اپنے مکان چھوڑ کر مسجد نبوی کے پاس آ جانا چاہا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کو خالی (ویران) چھوڑ دینا پسند نہ کیا اور فرمایا۔ بنی سلمہ کے لوگو! تم اپنے قدموں کا ثواب نہیں چاہتے۔ پھر وہ وہیں رہ گئے۔

قبیلہ بنی سلمہ نے یہ چاہا کہ مسجد نبوی کے قریب سکونت اختیار کریں۔ حضور نے یہ بات پسند نہ فرمائی کہ لوگ مدینہ شہر کے کسی حصے سے منتقل ہوں اور وہ حصہ ویران رہ جائے۔ حضور کی مرضی یہ تھی کہ مدینہ شہر کے ہر حصہ میں رونق رہنی چاہیئے۔ گھر مسجد سے دور ہو اور مسجد میں جماعت سے نماز ادا کی جائے تو جس قدر دور سے مسجد میں آنا ہوگا ثواب زیادہ ملے گا۔ نبی علیہ السلام نے انھیں اس حصے سے منتقل نہ ہونے کے لیے یہ فرمایا۔ اَلَا تَحْتَسِبُوْنَ اٰثَارَكُمْ یعنی تم جتنے قدم چل کر مسجد نبوی میں آتے ہو۔ ان کے ثواب سے محروم رہنا چاہتے ہو۔ اس پر بنی سلمہ نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

بَابٌ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں

قَالَ مَا بَيْنَ بَيْتِيْ وَمِنْبَرِيْ رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ وَمِنْبَرِيْ عَلٰى حَوْضِيْ (بخاری)

حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ میرے گھر اور میرے منبر کی (درمیانی) جگہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے اور (قیامت کے دن) میرا منبر میرے حوض پر ہے۔

فوائد ومسائل اس حدیث کو امام احمد، امام مسلم، امام نسائی و ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ ابن عساکر کی روایت میں ما بین قبری و منبری کے الفاظ آتے ہیں۔ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی تربت اقدس حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں ہے۔ طبرانی کی حدیث میں۔ ما بین المنبر و بیت عائشہ و روضۃ من ریاض الجنۃ کے لفظ مروی ہیں۔ جس سے واضح ہوا کہ بیت سے حضرت عائشہ کا حجرہ مبارک مراد ہے ۲۔ منبر و قبر مبارک کے حصہ کی پیمائش کے متعلق مختلف قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ترپن ۵۳ ہاتھ ہے۔

روضۂ اقدس عرش اور کعبہ سے بھی افضل ہے یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ مکہ معظمہ افضل ہے یا مدینہ منورہ۔ لیکن اس بات پر سب کا اتفاق اور اجماع ہے کہ زمین کا وہ حصہ جہاں آج حضور جلوہ فرما ہیں۔ ہزاروں جنتوں بلکہ عرش اور کعبہ سے بھی افضل و برتر ہے علامہ شہاب خفاجی شارح شفا علیہ الرحمۃ متوفی ۱۰۶۹ھ فرماتے ہیں کہ حضور کی قبر مبارک زمین کے تمام طبقات سے

افضل ہے بلکہ تمام آسمانوں اور

بل هو افضل من السمٰوٰتِ والعرش والكعبة | عرش و کعبہ سے بھی افضل ہے

(جواہر البحار ج ا صہ ۶۸۲)

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے باب فضل ما بین القبر والمنبر کا عنوان قائم کر کے یہ واضح فرمایا کہ حضور کی قبر مبارک چونکہ حضور کے مکان میں ہے۔ اس لیے قبر نبوی بعینہٖ جنت کے باغوں میں سے ایک ہے ۲۔ حدیث زیر بحث کے متعلق شارحین کے متعدد قول ہیں۔ یہ کہ روضہ اقدس حصول سعادت اور نزول رحمت میں جنت کی طرح ہے۔ اس لیے اسے روضة من ریاض الجنة فرمایا گیا۔ علامہ ابن حجر شارح بخاری علیہ الرحمۃ فتح الباری میں لکھتے ہیں۔ قبر نبوی اور منبر تک کی جگہ جنت میں منتقل کر دی جائے گی۔ اس لیے اسے گلستان جنت فرمایا گیا ہے۔ لیکن مجازی معنی کیوں لیے جائیں؟ جب حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما دیا۔ یہ حصہ زمین جنت کا باغ ہے تو بلاشبہ یہ حصہ جنت کا باغ ہی ہے ایسی جنت کہ جس پر ہزاروں جنتیں نثار ——— علامہ علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ زمین کا وہ حصہ جو حضور کے جسم اطہر سے متصل ہے، کعبہ معظمہ، کہ مکرمہ بلکہ عرش معلی سے بھی افضل و اکرم ہے (مرقات باب حرم، مکہ)

مسجدِ نبوی، گنبدِ خضریٰ و حجراتِ مبارکہ

۱۔ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ جلوہ فرما ہوئے تو سب سے پہلے مسجد نبوی کی تعمیر کا اہتمام فرمایا۔ اس کے ساتھ ہی حضرت عائشہؓ اور حضرت سوداؓ کے لیے دو عدد حجرے بنوائے۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے جن مستورات نے حضور سے شرف زوجیت حاصل کیا ان کے حجرے تعمیر ہوتے رہے۔ تمام حجرات کے ایک ایک اور حضرت عائشہ کے حجرہ کے دو دروازے تھے۔ یہ حجرے مسجد نبوی سے اس قدر متصل تھے کہ حضور جب مسجد میں اعتکاف فرما ہوتے تو مسجد سے سر نکال دیتے اور ازواج مطہرات گھر میں بیٹھے بیٹھے آپ کے بال دھو دیتی تھیں۔ (وفاء الوفا) ۲۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عقد مکہ معظمہ میں ہوا اور مدینہ منورہ میں جب رخصتی ہوئی تو حضرت عائشہ اسی حجرہ میں سکونت پذیر ہوئیں۔ جو آج گنبدِ خضریٰ کے نام سے موصوف ہے اور حضور نے اپنی حیاتِ مبارکہ کے آخری ایام بھی اسی حجرہ میں گذارے۔ جناب عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح وفات دی

قبضه الله بين سحري و نحري و دفن في بيتي (بخاری) | کہ آپ میرے پہلو اور سینہ کے درمیان تھے اور میرے گھر میں دفن ہوئے۔

جناب صدیقہ طیبہ طاہرہ عفیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ وہ فضیلت ہے جس کی عظمت کو بیان کرنا ناممکن ہے۔

۳۔ دورانِ علالت جب نماز کا وقت ہوا تو حضور نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی جگہ امامت کرنے کا حکم دیا اور حضور نے اسی حجرہ مبارکہ سے پردہ اٹھا کر دیکھا تھا کہ صحابہ کرام حضرت صدیق اکبر کی اقتداء میں فجر کی نماز ادا کر رہے ہیں۔

۴۔ حضور کے روضہ پاک کی تولیت و مجاورت کی سعادت حضرت عائشہ صدیقہ کو ملی۔ حضرت صدیق اکبرؓ کا جب وصال ہوا تو ان کی وصیت اور حضور کی واضح اجازت کے مطابق آپ کو بھی حضور کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ حضرت امام فاروقِ اعظم بھی حضرت عائشہ صدیقہ کی اجازت سے اسی حجرہ مبارکہ میں دفن ہوئے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ حضور علیہ السلام اور میرے والد حضرت ابوبکر کے دفن کے بعد میں حجرہ مبارکہ میں بلا جھجک حاضری دیتی تھی۔ لیکن جب حضرت فاروق اعظم بھی یہاں دفن ہو گئے تو اب

... تمام ہے حاضری دیتی ...

مدفن عیسیٰ علیہ السلام

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نزول کریں گے تو وفات کے بعد میرے ساتھ دفن ہوں گے اس بنا پر گنبد خضریٰ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر کے لیے جگہ باقی ہے۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۲۲۳) حضور علیہ السلام نے فرمایا ثُمَّ یَمُوتُ فَیُدْفَنُ مَعِیَ فِی قَبْرِی فَاَقُومُ اَنَا وَعِیسٰی ابْنُ مَرْیَمَ مِنْ قَبْرٍ وَاحِدٍ بَیْنَ اَبِی بَکْرٍ وَعُمَرَ (ابن الجوزی کتاب الوفا)

حضور نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا۔ خدا کی قسم ضرور عیسیٰ ابن مریم حاکم اور امام عادل ہو کر اتریں گے اور ضرور شارع عام کے رستے حج یا عمرہ کو جائیں گے۔

وَلَیَاتِیَنَّ قَبْرِی حَتّٰی یُسَلِّمَ عَلَیَّ وَلَاَرُدَّنَّ عَلَیْہِ (مستدرک)

اور ضرور میرے سلام کے لیے میری قبر پر تشریف لائیں گے اور میں ان کے سلام کا جواب دوں گا۔

گنبد خضریٰ

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد دوسرا مسئلہ جو صحابہ کرام کو پیش آیا وہ آپ کے دفن سے متعلق تھا اس معاملہ میں جب اختلاف کی صورت پیدا ہوئی تو امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر نبی جس جگہ وفات پاتا ہے اسی جگہ دفن ہوتا ہے۔ چونکہ حضور کی وفات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ میں ہوئی۔ اس بنا پر تمام صحابہ نے اتفاق و اجماع کے ساتھ حجرۂ عائشہ کو حضور کے جسم اقدس کی جلوہ فرمائی کے لیے منتخب کر لیا اور جب سے لے کر آج تک حجرہ عائشہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گاہ ہے ———— اور قیامت تک رہے گا۔ (ابن سعد بروایت صحیحہ۔ وابن ماجہ ذکر وفات النبی)

تو یہ بات یاد رکھنے کی ہے۔ مسجد نبوی کے پہلو میں حجرۂ عائشہ صدیقہ میں حضور کی قبر مبارک کا ہونا حضور کے حکم سے ہے کیونکہ حضور کا ارشاد ہے۔ نبی جس جگہ وفات پاتا ہے اسی جگہ دفن ہوتا ہے اور تمام صحابہ کرام خلفاء راشدین تابعین عظام و ائمہ مجتہدین علیہم الرحمۃ والرضوان کا اس امر پر اتفاق و اجماع بھی ہے۔

حیاتِ نبوی پر اجماع ہے

علامہ شیخ علی نور الدین حلبی علیہ الرحمہ متوفی ۱۰۴۴ھ اپنے رسالہ تعریف اہل الاسلام میں لکھتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم روح و جسم کے ساتھ حیاتِ حقیقی رکھتے ہیں حضور کے جسم مبارک میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا اور حضور آج بھی اقطارِ ارض اور ملکوت

وانہ یتصرف حیث شاء فی اقطار الارض وفی الملکوت (جواہر البحار ج ۲ صفحہ ۲۴)

میں جیسے چاہیں تصرف فرماتے ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی مرقات الصعود حاشیہ سنن ابی داؤد میں فرماتے ہیں کہ حیات انبیاء کے بارے میں احادیث درجۂ تواتر تک پہنچی ہیں۔ حیات انبیاء متواتر ہے۔

حیوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ ھو وسائر الانبیاء معلومۃ عندنا علما قطعیا

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات اپنی قبر انور میں اور تمام انبیاء کرام کی حیات اپنی اپنی قبر میں علم قطعی اور یقینی سے

لما فاو عندما من الادله فی ذالک و تواتر ات به الاخبار ندالة علی ذالک

معلوم ہے کہ حیاتِ انبیاء دلائل قطعیہ سے ثابت ہے اور احادیثِ متواترہ اس پر شاہد ہیں

علامہ شیخ محمد بن عبد الباقی زرقانی متوفی ۱۱۲۲ھ شرح مواہب میں فرماتے ہیں کہ حضور کی حیات شہداء کی حیات سے افضل و اکمل ہے۔ علم قطعی سے یہ بات ثابت ہے کہ حضور اپنی قبر مبارک میں حیاتِ حقیقی کے ساتھ جلوہ فرما ہیں۔ یہ حدیث بھی صحیح ہے کہ انبیاء کے جسموں کو زمین نہیں کھاتی اور اس امر پر اجماع ہے کہ وہ زمین جو حضور کے اعضاء کریمہ سے ملا ہوا ہے تمام زمینوں سے افضل ہے اور علامہ تاج الدین سبکی علیہ الرحمۃ نے حضرت ابن عقیل حنبلی علیہ الرحمۃ سے نقل کیا ہے کہ یہ حصہ عرش سے افضل ہے۔ (جواہر البحار ج ۱ صفحہ ۲۶۲، ۲۶۹)

علامہ تقی الدین سبکی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر وفاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما مسجد نبوی میں آواز بلند کرنے کو ناپسند فرماتے تھے اور جو شخص مسجد نبوی میں آواز بلند کرتا اس کو فرماتے تحقیق تو نے آواز بلند کر کے رسول اللہ

قد اذیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

صلے اللہ علیہ وسلم کو ایذا دی

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ حال تھا کہ اگر مسجد نبوی سے متصل مقامات پر کسی دیوار میں کیل ٹھوکنے کی آواز سنتیں تو یہ بات پہنچتی تو جناب عائشہ فوراً اس کے پاس یہ کہلوا کر بھیجتیں۔

لَا تُؤْذُوا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وَسَلَّم

کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کیل ٹھوکنے کی آواز سے تکلیف نہ پہنچاؤ۔

تمام اہلسنت وجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام وفات کے بعد زندہ ہیں اور نماز و عبادت میں مشغول ہیں۔ قرآن مجید میں فرمایا۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ (الآیۃ)

جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ اُن لوگوں کے ساتھ ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے۔ یعنی انبیاء و صدیقین و شہداء اور صالحین کے ساتھ۔

انبیاء کرام کا درجہ شہداء سے افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو مقدم فرمایا ہے۔ شہداء پر اور شہداء کے بارے میں قرآن کریم میں آیا ہے

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ

جو اللہ کے راستے میں قتل کئے گئے ہیں ان کو مُردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں مگر تم اس حیات کا احساس نہیں کر سکتے۔

اور شہداء کے بارے میں دوسری آیت ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ

جو اللہ کے راستے میں قتل کئے گئے ہیں اُن کو مُردے گمان نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے نزدیک کہ رزق دیئے جاتے ہیں۔

پہلی آیت میں لا تشعرون فرما کر اس طرف اشارہ کیا کہ شہداء کی حیات ہے لیکن تم کو اس کا شعور نہیں اور شعور محض حیات جسمانی کے ساتھ ہے روحانی کے ساتھ نہیں اور دوسری آیت میں یرزقون صراحتاً حیات جسمانی پر دال ہے

اور آیاتِ قرآنی سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔
نبی کریم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھو۔ تمہارا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔
صحابہ نے عرض کی

كيف تعرض صلوٰتنا عليك و قد ارمت يقولون بليت فقال ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء اخرجه ابو داؤد، و قال البيهقي له شواهد وقال العلامة القاري رواه ابن حبان في صحيحه والحاكم و صححه و قال النووي اسناده صحيح مرقات صفو ۲۱۰ ج ۲۔

صحابہ نے عرض کیا، ہمارا صلوٰۃ و سلام آپ پر کیسے پیش ہوگا، حالانکہ وفات کے بعد آپ کا جسم بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہوچکا ہوگا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تحقیق اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کیا کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے۔ اس حدیث کو ابو داؤد نے روایت کیا۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے اور بھی شواہد ہیں۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور سُننِ ابن ماجہ میں ابو درداؓ سے روایت ہے کہ جمعہ کے روز خاص طور پر کثرت سے درود پڑھو۔ ابو درداؓ کہتے ہیں۔ وبعد الموت قال ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء فنبي الله حيٌّ يرزق رواه ابن ماجه۔ قال الدميري رجاله ثقات كذا في فيض القدير (صفحہ ۴۸۰ ج ۲)

مسند ابی یعلیٰ میں انس ابن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ الانبياء احياء في قبورهم يصلون (انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز اور نیاز میں مشغول ہیں۔ شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اس حدیث کو حسن فرمایا اور علامہ مناوی فیض القدیر شرح جامع صغیر صفو ۱۸۴ ج ۳ میں فرماتے ہیں۔ هذا حديث صحيح
زیارت روضہ اقدس کے متعلق حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من زارني بعد موتي فكانما زارني في حياتي (طبرانی دارقطنی)

جس نے مری وفات کے بعد میری زیارت کی تو ایسے ہے جیسے میری حیاتِ ظاہری میں مری زیارت کی۔

من حج ولم يزرني فقد جفاني (دارقطنی)

جس نے حج کیا اور میری قبر مبارک کی زیارت نہ کی۔ اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

مَن حج الى مكة ثم زارني في مسجدي كتبت له حجتان مبرورتان (مسند الفردوس)

جس نے مکہ میں حج کیا پھر مری زیارت میری مسجد میں کی اس کے نامہ اعمال میں دو مقبول حج لکھے جائیں گے۔

من زار قبر رسول الله صلى الله عليه وسلم كان في جواره (ابن عساکر)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں۔ جس نے حضور کی قبر اطہر کی زیارت کی تو وہ قیامت کے دن حضور کے جوار میں ہوگا

مدینہ منورہ کے مقاماتِ زیارت، مسجد نبوی کے ستون

یوں تو یہ خطۂ پاک سب کا سب مقدس و متبرک ہے۔ تاہم چند مقامات اس خصوص میں بہت ہی اہم ہیں۔
حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی علیہ السلام سے سوال کیا کہ وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے کونسی ہے۔ حضور نے فرمایا۔

مسجدكم هذا مسجد المدينة

تمہاری یہ مسجد مدینہ کی مسجد (مسلم) جواہر البحار صفحہ ۷۶۶

۱۔ حنانہ | یہ محرابِ النبی صلے اللہ علیہ وسلم کے متصل ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس ستون کے پاس کھڑے ہو کر خطبہ شریف فرمایا کرتے تھے۔ یہی وہ خشک لکڑی ہے جو آپ کے فراق میں روئی تھی۔

۲۔ ستونِ عائشہ رض | رسول مآب صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری مسجد میں ایک ایسی جگہ ہے کہ لوگوں کو اس کا پتہ چل جائے تو بغیر قرعہ ڈالے نماز پڑھنا میسر ہی نہ ہو۔ اس جگہ کا تعین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا۔ اس ستون کے نزدیک دعا مانگنی اور نوافل پڑھنے مستحب ہیں۔

۳۔ ستون توبہ یا ستونِ ابی لبابہ رض | ایک صحابی ابی لبابہ رض نے ایک قصور کے عذر میں خود کو اس جگہ باندھا تھا اور تقریباً اسی حالت میں توبہ کرتے رہے اور ان کے بیٹے انھیں قضائے حاجت اور نماز کے وقت کھول دیا کرتے تھے۔ شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چونکہ انھوں نے اپنے آپ کو اللہ کے حضور میں پابند کر دیا ہے۔ اس لیے میں اللہ کے حکم کے بغیر نہ کھولوں گا۔ یہاں تک کہ یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ | اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ وسلم کی چوری نہ کرو۔

رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم نے انھیں کھول دیا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم یہاں نوافل ادا فرماتے اور جتنا قرآنِ پاک نازل ہوتا لوگوں کو سناتے۔

۴۔ ستونِ سریر | یہاں سرورِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف فرمایا۔

۵۔ ستونِ علی رض | اسے اسطوانہ محرس بھی کہتے ہیں۔ یہاں حضرت علی اکثر نماز پڑھا کرتے تھے اور اسی جگہ بیٹھ کر سرکارِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی پاسبانی فرماتے تھے۔

۶۔ ستونِ وفود | جب کبھی باہر سے لوگ اسلام لانے کی غرض سے حاضر ہوتے تو تاجدارِ مدینہ صلے اللہ علیہ وسلم یہاں ہی جلوہ افروز ہو کر شرفِ زیارت بخشا کرتے۔

۷۔ ستونِ تہجد | یہاں محرابِ تہجد بھی ہے۔ یہاں پر ہی سید الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم نمازِ تہجد ادا فرمایا کرتے تھے

۸۔ صفہ | مسجدِ نبوی میں ایک بلند قطعہ ہے جہاں پر سید الامام صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانے دن رات موجود رہتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رض، حضرت عبداللہ بن مسعود رض، حضرت بلال رض، حضرت انس رض انھی خدام میں شامل تھے۔ اس مقام پر ستر صحابہ قیام پذیر تھے۔ ان کا مقصدِ حیات صرف حضور اکرم کی پیروی اور غلامی کرنا تھا اور آپ کے اقوال و افعال کا قیمتی ذخیرہ جمع کرنا تھا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

مدینہ منورہ کی زیارتیں

مدینہ منورہ میں تاجدارِ مدینہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری دس سال گذارے ہیں۔ یہاں قدم قدم پر برکات ہیں کیونکہ شاہِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کوچوں اور گلیوں میں آمد و رفت فرماتے تھے۔ چند زیارات زیرِ تحریر ہیں۔

۱۔ مسجدِ قبا | دنیائے اسلام کی سب سے پہلی مسجد ہے۔ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے یہیں ٹھہرے اور اپنے چند روزہ قیام میں یہ مسجد اپنے مبارک ہاتھوں سے تعمیر فرمائی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر شنبہ کے روز

بھی سوار کبھی پیادہ یہاں تشریف لاتے اور نماز ادا فرماتے۔ آپ کے فرمان کے مطابق مسجد قبا میں نماز کا ثواب ایک عمرہ کے

بیر آریس | مسجد قبا کے ساتھ ہی بیر آریس ہے جسے بیر خاتم بھی کہتے ہیں۔ اس کنوئیں میں حضرت سیدنا عثمان کے ہاتھ سے سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی گم ہو گئی تھی۔

مسجد جمعہ | مسجد قبا سے آدھ میل مدینہ منورہ کی طرف سڑک سے بسمت مشرق ڈھائی سو فٹ نشیبی جگہ میں واقع ہے۔ سب سے پہلی نماز جمعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مسجد میں ادا فرمائی۔

مسجد شمس | یہ مسجد مدینہ منورہ سے قریباً ۲ میل بسمت جنوب مشرق آباد ہے۔ یہاں ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنو نضیر کی سرکوبی کے سلسلہ میں چھ دن قیام فرمایا اور نمازیں ادا کیں۔ راستہ کچا ہے اور اسی راستے پر مشہور میدان حاک بھی آتا ہے

مدینہ منورہ کی مساجد

مسجد قبلتین | اس مسجد میں سید کونین رسولِ مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے ۱۵ شعبان ۲ھ کو ظہر ادا فرما رہے تھے اس وقت قبلہ بیت المقدس کی طرف تھا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور عرض کیا کہ چہرہ مبارک بیت اللہ کی طرف لوٹا لیجئے۔ چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نماز ہی میں گھوم گئے۔

مسجد فتح | جبل سلع کے دامن میں ایک چھوٹے ٹیلے پر یہ مسجد بنی ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ۵ھ غزوۂ خندق کے دنوں میں یہاں ۳ دن نمازیں ادا فرمائیں۔ تیسرے دن قبولیت کی بشارت ملی کفار آندھی کے ڈر سے ایسے بھاگے کہ پھر انہیں کبھی مدینہ منورہ پر چڑھائی کی ہمت نہ ہوئی۔ حضرت جابرؓ فرمایا کرتے تھے کہ جب انہیں کوئی مشکل پیش آتی۔ اسی وقت مسجد فتح میں جا کر دُعا کرتے اور قبولیت کے ساتھ واپس آتے۔

مساجدِ خمسہ

مسجدِ فتح کے قریب ہی پانچ چھوٹی چھوٹی مساجد ہیں جو حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ، حضرت سعد بن معاذؓ ... ابوبکرؓ کے ناموں سے منسوب ... مساجد ... صلے ... علیہ وسلم ... ادا فرمائیں۔

... سجدہ جبلِ سلع کے ایک کونے میں غار ہے جہاں رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے اُمت کے ... کی ... میں ایک طویل سجدۂ شکر ادا فرمایا اب بھی آثار محفوظ ہیں اور پیدل جانا پڑتا ہے

مسجدِ اجابہ یہ مسجدِ بقیع سے نصف میل شمال مشرق میں واقع ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز اس جگہ تشریف لائے اور نماز پڑھ کر دیر تک دعا میں مشغول رہے اور پھر فرمایا کہ میں نے تین دعائیں مانگی ہیں :-

۱:- اے اللہ میری اُمت قحط سے نہ مارنا۔ ۲- اے اللہ میری امت کو پانی میں غرق کرکے نہ مارنا۔ ۳- اے اللہ میری امت کو آپس میں قتل اور خون ریزی سے بچانا۔ پہلی دونوں دعائیں قبول ہوگئی ہیں تیسری دُعا قبول نہیں ہوئی۔

مساجد شہر

مسجد نبوی سے ... مغربی جانب قبا کو جاتے ہوئے چند ایک مساجد ... ہیں ... کے ... مبارک یہ ہیں

کی اور ایک قول کے مطابق حضرت علیؓ کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسدؓ بھی یہیں دفن ہیں۔ آخر میں سورۃ فاتحہ اور سورۃ اخلاص پڑھ کر تمام اہلِ بقیع کی ارواح کو ثواب پہنچاتے۔ جنت البقیع میں تمام صحابہ کرام کی قبروں کے نشانات مٹا دیئے گئے ہیں۔

شہدائے اُحد

مدینہ منورہ کے شمال میں تقریباً ۲ میل کے فاصلے پر وہ مقدس پہاڑ ہے جس کے متعلق شاہِ مدینہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا "اُحد ہم کو محبوب رکھتا ہے۔ ہم اُحد کو محبوب رکھتے ہیں"۔

اُحد کی زیارت جمعرات کے دن فجر کی نماز کے بعد مستحب ہے۔ اس غزوے میں ستر مسلمان شہید ہوئے تھے۔ جن میں سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ سید الشہداء کے پاس عبداللہ بن جحشؓ اور مصعب بن عمیرؓ مدفون ہیں۔ روایت ہے کہ ۵۹ ھ میں شہداء کی چند قبروں کو نہر کھُدوانے کے لیے کھولا گیا تو ان کے اجسام تروتازہ پائے گئے اور بعض شہداء نے اپنے ہاتھ زخموں پر رکھے ہوئے تھے۔ ہاتھ اُٹھانے سے تازہ خون جاری ہو جاتا اور اگر ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دیتے تو پھر وہیں زخم پر جا ٹھہرتا اور خون بند ہو جاتا۔ ان حضرات کی زیارت نہایت سکون اور وقار اور پورے آداب سے کی جانی چاہیئے۔

مقبرہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد محترم کا مزار بھی مدینہ شریف ہی میں ہے۔ مسجد نبوی کے مغربی جانب ایک چوک ہے۔ اسی چوک کے شمال مغرب کونے سے ایک گلی مدینہ منورہ کی آبادی میں جاتی ہے۔ اس پر چلیں تو ایک بل کھاتے ہوئے تنگ کوچہ میں حضرت عبداللہ کا مزار ہے۔ اس کوچہ میں کھڑے ہو کر سلام و دُعا کرنی چاہیئے۔ مگر شاید اب یہ مزار مبارک بھی باقی نہیں رکھا گیا۔

بیتِ ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ مسجد نبوی کے جنوب مغربی گوشہ کے بالمقابل سڑک کے پار حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا مکان ہے۔ ہجرت کے بعد رسولِ مقبول صلے اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ کی سواری اونٹنی از خود اسی مکان پر آکر رُکی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً سات ماہ اسی میں قیام فرمایا۔ آج اس گھر میں شیشے کی مقفل الماری میں وہ تیر کمان بھی محفوظ ہے جس کے بارے میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جنگِ اُحد میں حضرت سعدؓ کو کفار پر تیر چلانے کا حکم دیا تھا۔

بیتِ امام حسین علیہ السلام۔ بیتِ ابو ایوب انصاری کے بالمقابل ہی حضرت امام حسین علیہ السلام کے رہائش خانہ کی جگہ ہے۔ جہاں اب ایک لائبریری ہے جس میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا لکھا ہوا قرآن مجید بھی ہے۔

مقبرہ مالک بن سنان رضی اللہ عنہ۔ آپ جنگِ اُحد میں شہید ہوئے۔ مقبرہ مدینہ منورہ کے قدیمی حصہ کے بازار میں واقع ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ لَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وُعِكَ اَبُوْبَكْرٍ وَّ بِلَالٌ فَكَانَ اَبُوْبَكْرٍ اِذَا اَخَذَتْهُ الْحُمّٰى يَقُوْلُ كُلُّ امْرِئٍ مُّصَبَّحٌ فِيْ اَهْلِهٖ وَالْمَوْتُ اَدْنٰى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهٖ وَ كَانَ بِلَالٌ اِذَا اُقْلِعَ عَنْهُ الْحُمّٰى يَرْفَعُ عَقِيْرَتَهٗ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ انھوں نے کہا۔ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے۔ تو ابو بکر صدیق اور بلال کو بخار چڑھ گیا۔ ابو بکر کو جب بخار چڑھتا تو وہ یہ شعر پڑھتے۔ گھر میں اپنے صبح کرتا ہے ہر ایک فرد بشر۔ موت اس کی جوتی کے تسمے سے زیادہ قریب ہے اور بلال کا بخار جب اُتر جاتا تو وہ رو کر بلند آواز سے یہ شعر پڑھتے

يَقُولُ اَلَا لَيْتَ شِعْرِي هَلْ اَبِيتَنَّ لَيْلَةً بِوَادٍ وَحَوْلِي اِذْخِرٌ وَجَلِيلٌ وَهَلْ اَرِدَنْ يَوْمًا مِيَاهَ مَجَنَّةٍ وَهَلْ يَبْدُوَنْ لِي شَامَةٌ وَطَفِيلٌ قَالَ اللّٰهُمَّ الْعَنْ شَيْبَةَ بْنَ رَبِيعَةَ وَعُتْبَةَ بْنَ رَبِيعَةَ وَاُمَيَّةَ بْنَ خَلَفٍ كَمَا اَخْرَجُونَا مِنْ اَرْضِنَا اِلٰى اَرْضِ الْوَبَاءِ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللّٰهُمَّ حَبِّبْ اِلَيْنَا الْمَدِينَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ اَوْ اَشَدَّ اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي صَاعِنَا وَفِي مُدِّنَا وَصَحِّحْهَا لَنَا وَانْقُلْ حُمَّاهَا اِلَى الْجُحْفَةِ قَالَتْ وَقَدِمْنَا الْمَدِينَةَ وَهِيَ اَوْبَاُ اَرْضِ اللّٰهِ قَالَتْ فَكَانَ بُطْحَانُ يَجْرِي نَجْلًا تَعْنِي مَاءً اٰجِنًا

(بخاری)

کاش پھر مکہ کی وادی میں رہوں۔ میں ایک رات سب طرف میری اُگے ہوں وہاں جلیل اذخر نبات اور پیوں پانی مجنہ کے جو ہیں آب حیات۔ کاش پھر دیکھوں میں شامہ کاش پھر دیکھوں طفیل۔ اے میرے اللہ شیبہ بن ربیعہ اور عتبہ بن ربیعہ اور اُمیہ بن خلف ان مردودوں پر لعنت کر جنھوں نے ہمارے ملک سے ہمیں نکال کر وبا کے ملک میں دھکیل دیا۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سُن کر فرمایا۔ یا اللہ! مدینہ بھی ہم کو مکہ کی طرح یا اس سے زیادہ پسندیدہ کر دے۔ یا اللہ! ہمارے صاع میں اور مُد میں برکت دے اور مدینہ کی ہوا صحت خیز کر دے اور مدینہ کا بخار جحفہ منتقل فرما دے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا۔ جب ہم مدینہ آئے تو مدینہ کی زمین اللہ کی تمام زمینوں سے بڑھ کر وبا والی تھی۔ اور مدینہ میں بطحان ایک نالہ تھا اس میں ذرا ذرا پانی بہتا رہتا۔ وہ بھی بدمزہ اور بدبودار تھا۔

فوائد و مسائل

۱۔ اس حدیث کو امام مسلم نے کتاب الحج میں ذکر کیا ہے۔ ۲۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً زوال کے وقت ۱۲ ربیع الاول سنہ ہجری مدینہ منورہ جلوہ فرما ہوئے۔ مدینہ جس کا نام پہلے یثرب تھا یعنی گرد آلود شہر۔ موسم خراب، پانی کھاری۔ اس پر مزید یہ کہ یہاں بخار کی وبا بھی موجود تھی۔ صحابہ کرام حضور کے ہمراہ مدینہ آئے تو حضرت بلال کو بخار آ گیا۔ جب افاقہ ہوتا تو حضرت بلال مکہ کو یاد کرتے مگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ یہاں کے شدائد پر حرفِ شکایت زبان پر نہ لاتے۔ نہ گلہ نہ شکوہ اور نہ وطن کو یاد کیا بلکہ یہ فرمایا۔ بلا و مصیبت یا موت بہرحال مقدرات سے ہے خواہ آدمی کہیں ہو۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ کیفیت ملاحظہ فرمائی تو دعا فرمائی۔ الٰہی مدینہ ہمیں مکہ سے زیادہ محبوب بنا دے حضور کی اسی دعا کا تقاضہ ہے کہ اہلِ ایمان مدینہ منورہ کو تمام شہروں حتیٰ کہ مکہ سے بھی زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔ حضور نے مدینہ کے صاع و مد میں برکت کی دُعا فرمائی۔ اس کی آب و ہوا کو مفیدِ صحت ہونے کی دعا فرمائی۔ مدینہ کو بخار کو جحفہ میں منتقل کی دُعا فرمائی اور یہ تمام دعائیں قبول ہوئیں۔ مدینہ جو بلاؤں کا شہر تھا۔ حضور کے وجودِ پاک کی برکت سے خیرات و حسنات کا مخزن بن گیا

عن زید بن اسلم عن ابیہ عن عمر قال اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي شَهَادَةً فِي سَبِيلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِي فِي بَلَدِ رَسُولِكَ

(بخاری)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دعا فرمایا کرتے تھے۔ الٰہی! مجھے اپنے رستے میں شہادت عطا فرما۔ الٰہی! میری موت اپنے رسول کے شہر میں مقدر کر دے۔

علامہ عینی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ جناب فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ سُنا کہ حضور نے یہ دُعا فرمائی ہے۔ الٰہی مدینہ کو ہمارے لیے محبوب کر دے۔ مکہ سے بھی زیادہ مدینہ کی محبت ہمارے دلوں میں پیدا فرما دے۔ تو حضرت فاروقِ اعظم

رضی اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ سے محبت کے اظہار کے لیے اور یہ بتانے کے لیے کہ حضور کی دُعا مقبول ہے مدینہ منورہ میں تم کی دُعا کی۔ عینی ۱۰ ص ۱۶

نوٹ:۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے پارہ ہفتم میں مسائل حج کی احادیث ذکر کی ہیں اور اسی پارہ میں کتاب الصوم شروع کر دیا ہے ہم نے پارہ ہفتم کو کتاب الحج پر مشتمل احادیث پر ختم کر دیا ہے اور پارہ ہشتم کو کتاب الصوم سے شروع کرنا ہے تاکہ پارہ ہفتم صرف مسائل حج پر مشتمل رہے اور پارہ ہشتم میں مسائلِ روزہ آ جائیں۔

الحمد للہ ربّ العالمین!

پارہ ہفتم بھی ختم ہوا۔ اب پارہ ہشتم کی تفہیم اور ترجمانی کا آغاز ہوگا۔ دُعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل پارہ ہشتم اور بقیہ پاروں کی ترجمانی کی توفیقِ رفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

سید محمود احمد رضوی

۱۱ دسمبر ۱۹۶۵ء

شانِ صحابہ رضی اللہ عنہم

قرآن، حدیث اور ... کی معتبر مذہبی و تاریخی کتب سے

علامہ سید محمود احمد

دین و مذہب سے باخبر ہونا ہر سُنّی مسلمان کے لیے ضروری ہے

دین اسلام کی تعلیمات اور مسلکِ اہلِ سُنّت سے صحیح واقفیت کے لیے حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی کی مندرجہ ذیل تالیفات کا مطالعہ کیجیے، اسلامی تقریبات کے موقع پر ان اہم دینی کتابوں کو اپنے حلقہ میں تقسیم کر کے ثوابِ دارین حاصل کیجیے۔ اعلیٰحضرت بریلوی علیہ الرحمۃ کا ترجمہ قرآن مجید اور تمام اہلِ سُنّت علماء کی تصانیف مکتبہ رضوان سے طلب فرمائیے۔

- فیوض الباری — شرح صحیح البخاری — ۹ حصے
- دین مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم — قیمت ۵۴ روپے
- مقام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم — قیمت ۱۸ روپے
- روح ایمان — قیمت ۱۸ روپے
- روشنی — قیمت ۳۶ روپے
- جامع الصفات — قیمت ۳۰ روپے
- خصائص مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم — قیمت روپے
- بصیرت — قیمت ۳۹ روپے
- معراج النبی — قیمت ۸ روپے
- مسائل نماز — قیمت ۲۱ روپے
- شانِ صحابہ — قیمت ۳۰ روپے
- اسلامی تقریبات — قیمت ۲۱ روپے
- سیدی ابوالبرکات — قیمت ۱۷ روپے
- باغ فدک — قیمت ۷ روپے
- حدیث قرطاس — قیمت ۵ روپے
- فتاوی برکات العلوم — قیمت ۹ روپے
- بیعت رضوان — قیمت ۶ روپے
- رضوی گوہری مکالمہ — قیمت ۵ روپے
- ماہنامہ رضوان — سالانہ چندہ ۲۰ روپے
- حضور کی نماز جنازہ — قیمت ایک روپیہ

ملنے کا پتہ: مکتبہ رضوان گنج بخش روڈ لاہور فون ۳۲۳۵۶۳

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا

احادیثِ نبویہ کا محبوب و مقبول ذخیرہ قرآن کے بعد سب سے صحیح کتاب

امام الدنیا امیر المومنین فی الحدیث رأس المحدثین استاذ الحفاظ ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری

قدس سرہ الباری کی تالیف صحیح البخاری کا سلیس اردو ترجمہ اور مکمل شرح

فیوض الباری

فی شرح

صحیح البخاری

حصہ ہشتم

علامہ سید محمود احمد رضوی

ناشر: مکتبہ رضوان داتا دربار روڈ۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　　نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

حضور سیّد عالم نورِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم طیّب و طاہر اور معصوم رسول ہیں جن کا نام نامی اسم گرامی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جنکی زبان مرضیِ الٰہی کی ترجمان جن کا نطق نطقِ خدا جن کا حکم حکمِ خدا ہے مَا یَنطِقُ عَنِ الْھَوٰی جن کی شان جو مرکزِ دین۔ محورِ شریعت، آمر و ناہی معصوم رسول ہیں جن کا قول بھی معصوم فعل بھی معصوم اور وہ خود بھی معصوم ہیں۔ آپ پوری کائنات کیلئے روشنی کا مینار ہیں۔ دین بھی وہی، ایمان بھی وہی اور قرآن بھی وہی ؎

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں، وہی ایماں، وہی یٰسٓ وہی طٰہٰ

قرآن کیا ہے؟

اِنَّہٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ وَّمَا ھُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ (الحاقۃ ۵)	بیشک یہ قرآن ایک کرم والے رسول سے باتیں ہیں اور کسی شاعر کی بات نہیں۔
وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ (پ ۱۴ نحل)	ہم نے آپ پر یہ ذکر قرآن نازل کیا تاکہ آپ واضح طور پر بیان کر دیں جو ان کی طرف اترا۔

پس حضور نے قرآن کے اجمال کی جو توضیح اور اس کے اصولوں کی جو تبیین فرمائی اس کا نام سنت ہے۔ بخاری شریف سنت نبوی کا نہایت معتبر اور پاکیزہ مجموعہ ہے پوری دنیا کے لئے مشعل راہ ہے اور فیوض الباری اسی سنتِ نبویہ کی تفہیم و ترجمانی ہے ؎

ایمان ہے قالِ مصطفائی
قرآن ہے حالِ مصطفائی

سیّد محمود احمد رضوی
مدیر رضوان

فتنۂ انکارِ حدیث

جو لوگ حدیثِ نبوی کو دین کا ماخذ و مرکز تسلیم نہیں کرتے اور سنتِ رسول کے واجب العمل ہونے کا انکار کرتے ہیں ان کا مقصد وحید صرف یہ ہے کہ قرآنی احکام کی تعبیر و توضیح اپنی مرضی و منشاء کے مطابق کر سکیں۔ اور اس طرح قرآن و اسلام کو اپنی ذاتی خواہشوں اور نفسی تقاضوں کے تابع بنا لیا جائے۔ یہی وجہ ہے یہ لوگ حدیثِ نبوی کے متعلق مختلف قسم کے خانہ ساز شبہات و شکوک پیدا کر کے حدیث کی آئینی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریعی حیثیت کو مضمحل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور قرآن کو اس کے لانے والے (رسول) کی قولی و عملی تشریح و توضیح سے اور اس نظامِ فکر و عمل سے جو حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رہنمائی میں قائم فرمایا تھا الگ کر کے محض ایک کتاب کی حیثیت میں ماننے پر زور دیتے ہیں۔

"حدیثِ رسول حجت ہے واجب العمل ہے، دین کا مرکز و محور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے"۔ اس موضوع پر فیوض الباری جلد اول کے مقدمہ میں تفصیل سے گفتگو ہو چکی ہے۔ آج کی مجلس میں تو ہمیں صرف یہ بتانا ہے کہ منکرینِ سنت کا مذکورہ بالا مقصد اسی صورت میں پورا ہو سکتا ہے جبکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عام انسانوں کی سطح پر لا کر کھڑا کر دیا جائے۔ اور ان آیات کو جن میں حضور کے بشر ہونے کا ذکر ہے اور ان احادیث کو جن میں خود حضور نے بطور تواضع و انکسار اپنے بشر و انسان ہونے کا اقرار فرمایا ہے اس اہتمام اور اس انداز سے پیش کیا جائے کہ عام لوگ یہ تاثر لینے پر مجبور ہو جائیں کہ حضور بھی ہماری طرح ایک انسان ہی تو تھے قطع نظر اس کے کہ کوئی سلیم العقل انسان حضور کے بشر اور اللہ کا بندہ و مخلوق ہونے کا انکار نہیں کر سکتا۔ کہنا صرف یہ ہے کہ بشریتِ رسول سے متعلق آیات و احادیث کو اس انداز سے پیش کرنا کہ خصائصِ نبوت و رسالت منصبِ نبوت کا جلال و اکرام تک مجروح ہو جائے، افتنۂ انکارِ حدیث کی جڑوں کو پانی دینا نہیں تو اور کیا ہے؟ منکرینِ سنت بھی اپنے مقصد کے حصول کے لیے بڑے اہتمام سے ان آیات و احادیث کو پیش کرتے ہیں جن میں حضور کی بشریت کا واضح لفظوں میں ذکر ہے اور ان آیات و احادیث کو

چھپاتے ہیں جن میں حضورؐ کے خصائص، معجزات، مرتبہ ومقام کی عظمت اور آپ کی تشریعی حیثیت کا بیان ہے جس سے ان کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوتا کہ :۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات کے متعلق یہ تاثر دیا جائے کہ وہ تو ایک انسان تھے ہماری طرح انسان۔ پھر ان کے قول وعمل کی دین میں کیا ضرورت؟ —— چنانچہ مودودی صاحب کو جب منکرین سنّت سے واسطہ پڑا تو انہیں بھی حضور سرور عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کے متعلق وہی موقف اور وہی انداز اختیار کرنا پڑا جو موقف اور انداز اہل سنّت وجماعت بریلوی مکتبۂ فکر کا ہے چنانچہ مودودی صاحب منکرین سنّت کے متعلق لکھتے ہیں۔

ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم تک قرآن پہنچانے کے لیے مامور کیے گئے تھے۔ سو انھوں نے وہ پہنچا دیا۔ اس کے بعد محمد بن عبداللہ ویسے ہی ایک انسان تھے، جیسے ہم ہیں۔ انھوں نے جو کچھ کہا اور کیا وہ ہمارے لیے حجت کیسے ہو سکتا ہے۔ (ترجمان القرآن جلد ۵۶ عدد ۶۔ منصب رسالت نمبر صفحہ ۱)

پھر حضور کی بشریت کے متعلق لکھتے ہیں :۔

آپ قرآن سے یہ ادھوری بات نقل کر رہے ہیں کہ حضور بار بار اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ فرماتے تھے۔ پوری بات جو قرآن نے کہی ہے وہ یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے بشر ہیں جسے رسول بنایا گیا ہے (قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا) اور حضور ایک ایسے بشر ہیں جس پر خدا کی طرف سے وحی آتی ہے (قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ) کیا آپ ایک عام بشر اور رسالت ووحی پانے والے بشر کی پوزیشن میں کوئی فرق نہیں سمجھتے؟ جو بشر خدا کا رسول ہو، وہ تو لامحالہ خدا کا نمائندہ ہے اور جس بشر کے پاس وحی آتی ہو وہ خدا کی براہ راست ہدایت کے تحت کام کرتا ہے۔ اس کی حیثیت اور ایک عام بشر کی حیثیت یکساں کیسے ہو سکتی ہے۔ (منصب رسالت صفحہ ۹۴)

اگرچہ یہ بات درست ہے کہ حضور بشر ہیں۔ اللہ کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں۔ مگر کیسے بشر ہیں؟ ؎۵

ؔ۵۔ مولانا اس فتنہ کے بانیوں کے متعلق لکھتے ہیں "یہاں اس کی ابتدا کرنے والے سرسید احمد خاں اور مولوی چراغ علی تھے۔ پھر مولوی عبداللہ چکڑالوی اس کے علمبردار بنے۔ اس کے بعد مولوی احمد الدین امرتسری نے اس کا بیڑا اُٹھایا۔ پھر مولانا اسلم جیراج پوری اسے لے کر آگے بڑھے اور آخرکار اس کی ریاست چودھری غلام احمد پرویز کے حصے میں آئی جنھوں نے اس کو ضلالت کی انتہا تک پہنچا دیا۔ (منصب رسالت صفحہ ۱)

وہ حسن ہے ٹھہرنا نظر کا محال ہے ٭ دیکھے رخِ نبی کسے تابِ مجال ہے

اور خود حضور سرورِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کو مخاطب بنا کر فرماتے ہیں:۔

- اِنِّیْ لَسْتُ مِثْلَکُمْ اِنِّیْ اُطْعَمُ وَاُسْقٰی۔ — میں تمھاری مثل نہیں ہوں مجھے کھلایا پلایا جاتا ہے۔
- لَسْتُ کَاَحَدٍ مِنْکُمْ اِنِّیْ اُطْعَمُ وَاُسْقٰی۔ — میں تم میں سے کسی طرح نہیں ہوں مجھے کھلایا اور سیراب کیا جاتا ہے۔
- اِنِّیْ لَسْتُ کَھَیْئَتِکُمْ اِنِّیْ اَبِیْتُ لِیْ مُطْعِمٌ وَسَاقٍ یَسْقِیْنِ۔ — میں تمھاری طرح نہیں ہوں میں رات اس طرح گزارتا ہوں۔ کہ ایک کھلانے والا کھلاتا ہے اور پلانے والا پلاتا ہے۔
- اِنِّیْ لَسْتُ کَھَیْئَتِکُمْ اِنِّیْ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِ۔ — میں تمھاری طرح نہیں ہوں مجھے میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے۔
- اَیُّکُمْ مِثْلِیْ اِنِّیْ اَبِیْتُ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِیْ۔ — تم میں میرا مثل کون ہے؟ میں رات گزارتا ہوں مجھے میرا رب کھلا اور پلا دیتا ہے۔
- لَسْتُ کَھَیْئَتِکُمْ اِنِّیْ اَبِیْتُ لِیْ مُطْعِمٌ یُطْعِمُنِیْ وَسَاقٍ یَسْقِیْنِیْ۔ — میں تمھاری طرح نہیں ہوں۔ میں رات گزارتا ہوں ایک کھلانے والا مجھے کھلا دیتا ہے اور پلانے والا مجھے پلا دیتا ہے۔ (بخاری ج ۱ صفحہ ۲۶۳، ۲۶۵)

٭

چنانچہ صحابہ کرام بارگاہِ نبوت میں عرض کیا کرتے تھے۔

قَالُوْا اِنَّا لَسْنَا کَھَیْئَتِکَ یَا رَسُوْلَ اللہِ (بخاری ج ۱ ص ۷)

یا رسول اللہ ہم آپ کی طرح نہیں ہیں

اس لیئے میری گزارش یہ ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت و بشریت کے اظہار و بیان میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ اور ایمان کا تقاضہ بھی یہ ہے، حضور سرورِ کائنات کا ذکر جب کیا جائے تو آپ کے مرتبہ و مقام کی عظمت کا خیال رکھا جائے۔ جو لوگ اس معاملہ میں غلو و شدت سے کام لیتے ہیں وہ دین کی کوئی خدمت نہیں کرتے بلکہ منکرین حدیث کو تقویت پہنچاتے ہیں ٭

مختصر فہرس مضامین فیوض الباری پارہ ہشتم

ترتیب:

کتاب الصوم

کتاب التراویح

ختم شد

آؤ کہ ذکرِ حسنِ شہِ بحر و بر کریں — جلوے بکھیر دیں، شبِ غم کی سحر کریں

مل کر بیاں محاسنِ خیر البشر کریں — عشقِ نبی کی آگ کو کچھ تیز تر کریں

جو حسن میرے پیشِ نظر ہے، اگر اسے — جلوے بھی دیکھ لیں تو طوافِ نظر کریں

وہ چاہیں تو صدف کو دُرِ بے بہا ملے — وہ چاہیں تو خزف کو حریفِ گہر کریں

فرمائیں تو طلوع ہو مغرب سے آفتاب — چاہیں تو اک اشارے سے قمر کریں

کونین کو محیط ہے سرکار کا کرم
سرکار! آپ ہم پہ کرم کی نظر کریں

حافظ مظہر الدین

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کِتَابُ الصَّوْمِ ○ کتاب روزے کے بیان میں

۱۔ رمضان ۔ رَمْض سے مشتق ہے۔ اس کے معنیٰ جلنے کے ہیں۔ جس سال رمضان کے روزے فرض ہوئے وہ سخت گرمی کا مہینہ تھا۔ اس لئے اس کا نام رمضان ہو گیا۔ حدیث میں آیا ہے حِیْنَ تَرْمُضُ الْفِصَالُ یا اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ روزہ دار کے گناہ جل جاتے ہیں۔

۲۔ روزہ کی تعریف

از روئے لغت صوم کے معنیٰ اِمساک کے ہیں۔ قرآن مجید میں حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق فرمایا:- اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا۔ اس آیت میں صوم سے مراد محض بولنے سے رُک جانا ہے۔

اور عرف شرع میں روزہ یہ ہے کہ مسلمان بہ نیتِ عبادت صبح صادق سے غروب آفتاب تک اپنے کو قصداً کھانے پینے اور جماع سے باز رکھے۔ عورت کا حیض و نفاس سے خالی ہونا شرط ہے۔ یہ تو نفسِ روزہ کی تعریف ہے جس سے فرض ادا ہو جاتا ہے۔ لیکن روزے کے کچھ آداب بھی ہیں۔ جن کا لحاظ روزہ میں مزید حسن پیدا کرتا ہے۔ اسی بنا پر صلحاء و صوفیاء نے روزہ کے تین درجے مقرر کئے ہیں۔

روزہ کے تین درجے

اوّل۔ عام لوگوں کا روزہ: وہ یہ ہے کہ کھانا پینا اور جماع کرنا ترک کرے۔

دوم۔ خاص لوگوں کا روزہ: وہ یہ ہے کہ کان۔ آنکھ۔ زبان۔ ہاتھ۔ پاؤں اور باقی اعضاء کو گناہوں سے محفوظ رکھے۔ اس کی تکمیل چھ چیزوں سے ہوتی ہے۔

۱۔ آنکھ کو مذموم و مکروہ اور ہر اس چیز سے بچائے جو ذکرِ الٰہی سے غافل کرتی ہو۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: بُری نظر شیطان کے زہر آلود تیروں سے ایک تیر ہے۔ پس جو بُری نظر کو خوفِ الٰہی سے چھوڑے گا۔ تو اللہ تعالیٰ ایسا ایمان عطا فرمائے گا۔ جس کی حلاوت قلب میں محسوس ہوگی۔

۲۔ زبان کو بکواس جھوٹ۔ غیبت۔ فحش گوئی سے محفوظ رکھے۔ عہدِ نبوی میں عورتوں نے روزہ رکھا۔ دن کے آخری حصہ میں بھوک اور پیاس نے اس قدر ستایا کہ جان پر بن گئی۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آدمی بھیج کر روزہ توڑنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے ایک پیالہ بھیجا اور حکم دیا کہ جو کچھ ان دونوں نے کھایا ہے۔ اس کو اس پیالہ میں قے کر کے نکال دیں۔ چنانچہ ایک نے قے کی تو قے میں آدھا خالص تازہ خون تھا اور آدھا تازہ گوشت اور دوسری عورت کی قے میں بھی خون اور گوشت نکلا۔ لوگوں کو اس سے تعجب ہوا تو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونوں عورتوں نے روزہ رکھا اور اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں کے استعمال سے اپنے آپ کو بچایا۔ مگر اس کی حرام کی ہوئی چیز کا ارتکاب کیا۔ ان میں سے ایک دوسرے کے پاس جا کر بیٹھی اور دونوں نے مل کر لوگوں کی غیبت کی۔ کسی آدمی کی غیبت کرنا اس کا گوشت کھانا ہے۔ یہ گوشت جو قے میں نکلا وہی غیبت ہے۔

۳۔ کان کو ناجائز آواز کے سننے سے بچائے۔ اگر کسی مجلس میں غیبت ہوتی ہو تو وہاں سے اُٹھ جائے۔ حدیث میں فرمایا غیبت کرنے والا اور سننے والا دونوں گناہ میں شریک ہیں۔

۴۔ بوقتِ افطار اتنا نہ کھائے کہ پیٹ تن جائے۔

۵۔ افطار کے بعد دل خوف و اُمید کے درمیان رہے۔ کیا معلوم کہ اس کا روزہ قبول ہوا۔ لیکن اللہ کی رحمت سے نااُمید نہ ہو۔

سوم۔ خاص الخاص حضرات کا روزہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا باتوں کے علاوہ دل دنیوی خیالات سے پاک و صاف رہے۔ ہر لمحہ و ہر آن خالق کائنات ہی کی طرف لو لگی رہے۔ ماسوائے اللہ کا خیال نہ آئے۔ اسی کے ذکر و فکر و مراقبہ میں دن اور رات گزر جائیں۔ ایسا روزہ انبیاء کرام اور صدیقین و مقربین کا ہوتا ہے۔ کسی بزرگ نے اسی کیفیت کو یوں بیان کیا ہے:۔

اَلدُّنْیَا یَوْمٌ وَّلَنَا فِیْھَا صَوْمٌ | دنیا کی عمر ایک دن ہے اور ہم اس میں روزے سے ہیں۔

روزے کب اور کس طرح فرض ہوئے

نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت کے بعد ۱۰ شعبان المعظم ۲ھ میں اس مبارک مہینے کے روزے فرض ہوئے۔ اس سے پیشتر عاشورہ یعنی دس محرم کا روزہ فرض تھا۔ پھر اس کے بجائے ہر مہینہ میں تین یوم یعنی تیرھویں چودھویں پندرھویں کے روزے فرض ہوئے جن کو ایام بیض کہتے ہیں۔ پھر ان کے بجائے رمضان کے روزے فرض ہوئے۔ لیکن اختیار دیا گیا تھا کہ اگر روزہ نہ رکھے تو ہر روزہ کے فدیہ میں کسی مسکین کو نصف صاع گندم یا ایک صاع جو ادا کرے۔ پھر بھی روزہ رکھنا بہتر قرار دیا تھا۔ کچھ زمانے کے بعد یہ اختیار منسوخ ہوا اور روزہ رکھنا لازم قرار دے دیا گیا۔ مگر اس طرح کہ دن اور رات دونوں میں روزہ ہوتا صرف غروب آفتاب سے نماز پڑھنے یا سونے تک کھانے پینے اور ہم بستر ہونے کی اجازت تھی۔ اگر عشاء سے پہلے آدمی سو جاتا تو اب بھی یہ تینوں باتیں حرام ہو جاتیں۔ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد نماز عشا اپنے مکان پر پہنچے۔ خوشبو محسوس ہوئی جس سے قلب میں انبساط اور قویٰ میں انتشار پیدا ہوا۔ اہلیہ محترمہ سے ہم بستر ہو گئے۔ فارغ ہونے کے بعد عدول حکمی کے احساس سے طبیعت متاثر ہوئی۔ اپنے نفس پر ملامت فرمانے لگے اور روتے ہوئے بارگاہِ شفیع المذنبین میں حاضر ہوئے۔ واقعہ عرض کیا۔ یہ سن کر مجلس میں کچھ اور حضرات بھی کھڑے ہوئے اور اور معذرت پیش کرنے لگے جن سے اس قسم کا ارتکاب ہوا تھا۔ اس پر وحی نازل ہوئی اور پوری شب میں ہم بستر ہونا حلال فرما دیا گیا۔

قیس بن صرمہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ روزہ سے تھے۔ یہ مدینہ شریف کے باغات میں مزدوری کرتے تھے۔ شام کو کچھ کھجوریں لے کر مکان پر آئے اور اہلیہ سے کہا کہ ان کے بدلے میں کسی سے آٹا لے لو۔ وہ پڑوس میں آٹا بدلنے گئیں۔ یہ ہارے تھکے تھے ہی۔ لیٹتے ہی فوراً آنکھ لگی اور سو گئے۔ جب وہ واپس آئیں، انہیں سوتا دیکھ کر افسوس کرنے لگیں اور کہا نامراد رہے۔ کسی طرح رات گزری صبح ہوئی۔ مگر ان کی حالت درست رہی جب دوپہر ہوئی تو بیہوش ہو گئے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ واقعہ بیان کیا گیا۔ وحی آئی اور غروب آفتاب سے آخر شب تک کھانا پینا حلال کر دیا گیا۔ (تفسیر احمدی وغیرہ)۔

زیر عنوان احادیث کی تفہیم و ترجمانی سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ روزہ اور اس کے متعلقات کے احکام و مسائل، مطابق مذہب حنفی بطور خلاصہ پیش کر دیے جائیں۔ تاکہ قارئین نفس مسائل سے یکجا مکمل طور پر واقف ہو جائیں۔

فضائل رمضان

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے شعبان کی آخری تاریخ میں خطبہ دیا۔ جس میں فرمایا۔ ایک مہینہ آ رہا ہے جو بہت مبارک ہے اس میں ایک رات ہے (لیلۃ القدر) جو ہزار ماہ سے بڑھ کر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے روزہ کو فرض فرمایا اور اس کی رات کے قیام کو ثواب عظیم بنایا۔ جو شخص اس ماہ میں کسی نیکی کے ساتھ اللہ کا قرب حاصل کرے گا ایسا ہے جیسا کہ غیر رمضان میں ستر فرض ادا کیے — یہ ماہ صبر کا ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے — یہ مہینہ لوگوں کے ساتھ غمخواری کا ہے۔ اس میں رزق بڑھا دیا جاتا ہے — نیز فرمایا۔ اس ماہ میں جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ دوزخ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں — روزہ ڈھال ہے۔ لہٰذا روزہ دار کو چاہیئے کہ فحش بات نہ کہے۔ جہالت سے کام نہ لے کہ اگر کوئی شخص اس سے جھگڑے یا اسے گالی دے تو وہ دو مرتبہ کہہ دے "میں روزہ دار ہوں" — نیز فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ روزہ دار کے

منہ کی خوشبو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ عمدہ ہے۔ روزہ دار اپنا کھانا پینا اپنی خواہش میرے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ ہر نیکی کا ثواب دس گنا ہے۔ لیکن روزہ کا اجر اللہ تعالیٰ خود عطا فرمائے گا۔ غرضیکہ یہ ماہ برکتوں اور رحمتوں کا خزینہ ہے۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس کی حرمت وعزت کو ملحوظ رکھیں۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر احکام الٰہیہ کی پابندی کریں۔ دن میں تنور اور ہوٹل بند رکھیں۔ زیادہ وقت تلاوتِ قرآن، ذکر الٰہی اور درود شریف کے ورد میں گزاریں اور بحضور الٰہی خلوصِ قلب کے ساتھ ملک وملت کی بھلائی اور اپنے گناہوں کی بخشش کی دعا مانگیں۔

رویتِ ہلال شریعت میں رویت ہلال کا اعتبار ہے جو واضح طور پر یا شرعی شہادت سے ثابت ہو، چاند دیکھنے کی شہادت شہر کے معتبر عالم کے سامنے پیش کرنی چاہیئے۔ اگر ۲۹ شعبان کو چاند نظر نہ آئے تو شعبان کے ۳۰ دن پورے کریں۔ یونہی ۲۹ رمضان کو چاند نظر نہ آئے اور شرعی شہادت سے بھی اس کا ثبوت نہ ملے تو رمضان کے ۳۰ دن پورے کر کے عید کریں۔ شک کا روزہ رکھنا گناہ ہے۔

مسائلِ سحری سحری کھانا سنت ہے اور باعثِ برکت۔ اگرچہ ایک لقمہ ہی کھائے۔ سحری میں تاخیر مستحب ہے۔ مگر اتنی نہیں کہ وقت میں شک ہو جائے۔ اگر وقت میں گنجائش نہ ہو تو بحالتِ جنابت سحری کھا سکتا ہے۔ ویسے غسلِ جنابت میں تاخیر نہیں کرنی چاہیئے۔ —— وضو میں کلی ایسی کہ منہ کے ہر پرزہ پر پانی بہہ جائے۔ اور ناک میں اس طرح پانی لینا جہاں نرم بانسہ ہے پانی پہنچ جائے، سنت مؤکدہ ہے اور غسلِ جنابت میں فرض ہے کلی اور ناک میں پانی نہ لیا جائے تو غسل ہی نہ ہوگا۔ اس لیئے روزہ دار کو غسل فرض میں اس احتیاط کلی کرنی چاہیئے کہ منہ کے ہر پرزہ پر پانی بہہ جائے مگر حلق سے نیچے نہ اُترے اور ناک میں پانی اس احتیاط سے لیا جائے کہ نرم بانسہ دھل جائے اور پانی نہ حلق میں اُترے، نہ دماغ میں چڑھے۔ اور اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ مثلاً سحری کے وقت اُٹھا اور نہانے کی حاجت تھی تو فی الحال خوب اچھی طرح کلی کرلے، ناک میں پانی لے لے اب جب بحالت روزہ نہائے گا تو کلی وناک میں پانی لینے کی دوبارہ ضرورت نہ رہے گی۔

ضروری مسئلہ سحری کھا کر سو یا یا دن میں سویا۔ احتلام ہو گیا۔ تو روزہ میں کچھ فساد نہیں آئے گا۔ غسل کرلے۔ یونہی اپنی بیوی کا بحالتِ روزہ بوسہ لیا۔ حرج نہیں۔ بشرطیکہ انزال نہ ہو —— بعض لوگ ذکی الحس ہوتے ہیں۔ بعض اوقات بحالتِ روزہ بیوی کو دیکھ کر انتشار ہو جاتا ہے اور مذی نکلتی ہے۔ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ مذی اور ودی وہ رطوبت ہے جو منی کے نکلنے سے پہلے ظاہر ہوتی۔ صرف اس کے نکلنے سے غسل واجب نہیں ہوتا۔ ہاں وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ استنجا کر کے وضو کرلیں۔

روزہ کی نیّت نیت کا وقت بعد غروب آفتاب سے ضحوۂ کبریٰ تک ہے۔ ہر روزے کے لیے نیّت لازم ہے۔ نیّت زبان سے بہتر ہے اور نیّت ضحوۂ کبریٰ سے پہلے کرے تو روزہ ہوگا۔

نَوَیْتُ اَنْ اَصُوْمَ غَدًا لِلّٰہِ تَعَالٰی مِنْ فَرْضِ رَمَضَانَ	میں نے نیت کی کہ اس رمضان کا فرض روزہ اللہ کے لیے رکھوں گا

اگر نیت دن میں کرے تو یوں کہے:۔

نَوَیْتُ اَنْ اَصُوْمَ ھٰذَا الْیَوْمَ لِلّٰہِ	میں نے آج اس رمضان کا فرض روزہ اللہ کے لیے رکھا۔

سحری نیت ہے جبکہ کھاتے وقت یہ ارادہ ہو کہ روزہ رکھوں گا۔

روزہ کی حقیقت نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت کے بعد ۱۰ شعبان ۲ھ میں رمضان کے روزے فرض ہوئے۔ عرف شرع میں مسلمان

کا بنیت عبادت صبح صادق سے غروب آفتاب تک اپنے کو قصداً کھانے پینے جماع سے باز رکھنا روزہ ہے۔ عورت کا حیض و نفاس سے خالی ہونا شرط ہے۔ رمضان المبارک کا روزہ رکھنے کے ساتھ ہر روزہ دار پر یہ بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ صرف کھانے پینے اور مباشرت سے ہی اجتناب نہ کرے بلکہ قول و فعل، لین دین اور دیگر معاملات میں بھی پرہیزی اختیار کرے۔ جیسا کہ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ سے ظاہر ہے۔ روزہ کی حالت میں آدمی ہاتھ پاؤں کو کسی بھی بُرے کام کے لیے حرکت نہ دے، گالی گلوچ، غیبت جیسی خرافات زبان پر نہ لائے۔ نہ کان میں پڑنے دے۔ اس کی آنکھ بھی غیر شرعی کام کی طرف نہ اُٹھے۔ بلکہ انسان تقویٰ کا عملی نمونہ بن جائے۔ اگر رمضان المبارک کے روزے ان قیود و شرائط کو مدِ نظر رکھ کر پورے کئے جائیں تو اختتامِ رمضان پر تقویٰ و پرہیزگاری کا پیدا ہو جانا لازمی امر ہے۔

روزہ نہ رکھنے کے شرعی عذر

جب آدمی ایسا بیمار ہو کہ روزہ رکھنے سے جان جانے یا مرض کے بڑھنے یا دیر پا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔ جب صحت ہو جائے قضاء کرے۔ ایسا بوڑھا کہ روز بروز کمزور ہو گا نہ اب روزہ رکھنے پر قادر اور نہ بظاہر آئندہ قادر ہو سکے گا، ہر روز کے بدلے فدیہ دے یعنی ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔ یہ بوڑھا شخص جو فدیہ دیتا رہا پھر روزہ پر قادر ہو گیا تو فدیہ نفل ہو گا۔ اور روزہ کی قضا لازم ہے۔ جو ایسا مریض یا بوڑھا ہو کہ گرمیوں میں روزہ نہ رکھ سکتا ہو تو اب افطار کرے جاڑوں میں رکھے۔ حاملہ عورت یا دودھ پلانے والی جب انہیں اپنی ذات یا بچّہ کا اندیشہ ہو تو ان کو روزہ نہ رکھنا جائز ہے لیکن قضا لازم ہے۔

روزہ توڑنا گناہ ہے

روزہ رکھ کر بلا عذرِ شرعی توڑ دینا سخت گناہ ہے۔ ہاں اگر ایسا بیمار ہو گیا کہ روزہ نہ توڑنے سے جان جانے کا خطرہ ہو یا بیماری کے بڑھ جانے کا احتمالِ قوی ہو یا ایسی شدید پیاس لگی کہ مر جانے کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں روزہ توڑ دینا جائز بلکہ واجب ہے۔ البتہ صحت ہو جانے پر قضا لازم ہے: مسئلہ جن کا روزہ فاسد ہو جائے اُن پر اور حیض و نفاس والی پر جب دن میں پاک ہوں۔ نابالغ پر جب دن میں بالغ ہو۔ مسافر پر جب دن میں مقیم ہو واجب ہے کہ پورے دن روزہ دار کی طرح رہیں: مسئلہ نابالغ جو بالغ ہوا کافر جو مسلمان ہوا اُن پر اس دن کی قضا واجب نہیں۔

روزہ کے مکروہات

کسی چیز کا بلا عذر چکھنا چبانا کہ بایں طور کہ حلق سے نیچے نہ اُترے۔ جھوٹ۔ چغلی۔ غیبت۔ گالی گلوچ۔ کوسنا ناحق ایذا دینا، بے ہودہ فضول بکنا۔ چیخنا۔ چلانا۔ لڑنا کسی بھی خلافِ شرع کام میں مصروف ہونا یا منہ میں بہت سا تھوک جمع کر کے نگل جانا۔ کلی اور ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کرنا۔ یہ تمام امور مکروہاتِ روزہ سے ہیں۔ اگرچہ ان باتوں کے ارتکاب سے روزہ فاسد نہیں ہوتا تاہم جب آدمی روزہ رکھ رہا ہے جو ایک قسم کی مشقت ہے، بھوک کی تکلیف اُٹھا رہا ہے تو مذکورہ بالا چیزوں سے پرہیز ہی کرنا چاہیئے۔ تاکہ روزہ کے ثواب میں اضافہ ہو۔

ان صورتوں میں روزہ فاسد نہیں ہوگا

بھول کر کھانا پینا، جماع کرنا، بلا اختیار گرد و غبار، دھواں، مکھی یا مچھر کا حلق میں چلا جانا۔ بوقتِ غسل کان میں پانی کا پڑ جانا، خود بخود قے آ جانا، خواہ منہ بھر کر ہو۔ آنکھ میں دوائی ڈالنا۔ دن میں سوتے ہوئے احتلام ہو جانا، دانتوں میں جو چیز رہ گئی چنے کی مقدار سے کم ہو اس کو نگل لینا، تل دانتوں میں رہ گیا۔ اس کو نگل لیا۔ بیوی کا بوسہ لیا، چھوا اور انزال نہ ہوا، ان سب صورتوں میں روزہ فاسد نہ ہوگا: مسئلہ بحالتِ روزہ سر میں لگانا، سر اور بدن پر تیل ملنا، مسواک کرنا، خوشبو عطر وغیرہ سونگھنے سے روزہ فاسد نہ ہوگا اور یہ باتیں روزہ کو مکروہ نہیں کرتیں۔

روزہ کے مفسدات کلی کرنے میں پانی حلق کے نیچے اُتر گیا۔ ناک میں پانی ڈالنے میں دماغ تک چڑھ گیا۔ قصداً منہ بھر کھانسے، پت یا خون کی قے، منہ بھر کرتے خود آئی اور چنے برابر یا زیادہ نگل لی۔ چنے برابر یا زیادہ کھانا دانتوں میں اٹکا تھا نگل گیا۔ ناک میں دوا سُڑک لی۔ کان میں دوا یا تیل ڈالا حقنہ لیا۔ صبح صادق کے قریب یا بھول کر جماع میں مشغول تھا صبح ہونے پر یا یاد آنے پر الگ نہ ہُوا۔ مباشرت فاحشہ کرنے، بوسہ لینے، چھونے سے انزال ہوگیا۔ حقہ، بیڑی، سگرٹ سگار وغیرہ پینے، پان کھانا اگرچہ پیک تھوک دے، حلق تک نہ جائے۔ ان تمام صورتوں میں روزہ دار ہونا یاد ہے تو روزہ جاتا رہا اور قضا لازم ہے۔ دانتوں سے خون نکلا اور حلق میں داخل ہوگیا۔ اگر تھوک غالب ہو تو روزہ فاسد نہ ہوگا اور اگر خون غالب ہے تو روزہ فاسد ہوگا۔ قصداً دھواں پہنچایا خواہ وہ کسی چیز کا ہو۔ اگر بتی سلگتی تھی اس کے دھوئیں کو ناک میں کھینچا۔ منہ میں رنگین ڈورا رکھا، تھوک رنگین ہوگیا۔ اس کو نگل لیا یا منہ میں نسوار لی۔ ان صورتوں میں روزہ جاتا رہا۔ قضا لازم ہے۔ **مسئلہ** کان میں تیل ٹپکا یا دماغ کی جھلی تک زخم تھا۔ دوا لگائی اور دماغ تک پہنچ گئی یا حقنہ یا ناک سے دوا چڑھائی یا پتھر، کنکر، روئی، کاغذ، گھاس وغیرہ ایسی چیز کھائی جس سے لوگ گھن کرتے ہیں، یا رمضان المبارک میں بلا نیّت روزہ کی طرح رہا یا صبح کو نیّت کی تھی یا دن میں زوال سے پیشتر نیت کی اور بعد نیت کھا لیا یا روزہ کی نیت کی تھی۔ مگر روزہ رمضان کی نیّت نہ تھی یا اس کے حلق میں مینہ کی بوند یا اولا چلا گیا۔ بہت سے آنسو یا پسینہ نگل گیا۔ ان صورتوں میں صرف روزہ کی قضا لازم ہے کفارہ نہیں۔ انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن روزہ کی صورت میں نہ چاہیئے کہ تعریض علی الفساد ہے۔ ہاں اگر جوف دماغ یا جوف معدہ میں انجکشن سے دوا یا غذا پہنچے تو روزہ فاسد ہوجائے گا۔ قصداً اگر روزہ یاد ہوتے ہُوئے کھایا پیا یا جماع کیا۔ بھول کر کھا پی رہا تھا۔ روزہ یاد آنے پر یا سحری کھا رہا تھا صبح صادق ہونے پر منہ کا نوالہ یا گھونٹ نگل گیا تو روزہ جاتا رہا۔ قضا و کفارہ دونوں واجب ہوگئے۔ اسی طرح جس کو حقہ کی عادت ہو اس نے بحالت روزہ حقہ سگریٹ پیا تو قضا و کفارہ دونوں لازم ہیں۔

روزہ کا فدیہ ہر روزہ کے بدلے ہر روز دونوں وقت مسکین کو پیٹ بھر کر کھانا کھلانا یا صدقہ فطر کی مقدار مسکین کو دینا۔

روزہ کا کفارہ باندی غلام آزاد کرنا (یہ یہاں کہاں) تو پے در پے ساٹھ روزے رکھنا۔ اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلانا۔

صدقہ فطر ہر ایسے مسلمان پر جو حاجت اصلیہ سے فاضل نصاب کے برابر مال کا مالک ہے واجب ہے۔ اپنی طرف سے اور اپنے بچوں کی طرف سے جن کا نان نفقہ اس کے ذمہ ہے۔ صدقہ فطر دینا واجب ہے۔

افطار افطار میں جلدی سنّت و موجب برکت ہے۔ غروب کا غالب گمان ہونے پر افطار کر لیا جائے۔ ابر میں جلدی نہ کی جائے۔ نماز سے پہلے افطار کریں۔ کھجور چھوارے، یہ نہ ہوں تو پانی سے۔ ان تینوں سے سنت ہے۔ کھانے میں مشغول ہوکر نماز میں تاخیر نہ کریں۔ مرد جماعت کھانے کی وجہ سے نہ چھوڑیں۔ وقتِ افطار یہ دعا پڑھیں:۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَبِکَ آمَنْتُ وَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ فَاغْفِرْ لِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ۔

مسائلِ تراویح ۲۰ رکعت تراویح ہر غیر معذور مرد و عورت کے لیے سُنّت ہے۔ مستورات گھر میں پڑھیں اور مردوں کے لیے مسجد میں جماعت سے پڑھنا سنتِ کفایہ ہے۔ نیّت سنتِ تراویح کریں۔ تراویح کا وقت فرض عشا کے بعد سے صبح صادق تک ہے۔ قبل وتر پڑھیں یا بعد وتر۔ **مسئلہ** ہر چار رکعت تراویح کے بعد بقدر چار رکعت بیٹھنا اور تسبیح و تہلیل یا درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ جامع الرموز میں تین بار اس تسبیح کا پڑھنا مستحب لکھا ہے۔ سُبْحَانَ ذِی الْمُلْکِ وَالْمَلَکُوْتِ۔ سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّۃِ وَالْعَظْمَۃِ وَالْھَیْبَۃِ وَالْقُدْرَۃِ وَ

اَلْکِبْرِیَاءِ وَالْجَبَرُوْتِ۔ سُبْحَانَ الْمَلِکِ الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَنَامُ وَلَا یَمُوْتُ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَالرُّوْحِ۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ نَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَ نَسْئَلُکَ الْجَنَّۃَ وَ نَعُوْذُبِکَ مِنَ النَّارِ۔ مسئلہ تراویح کے بعد لوگوں کو بیٹھنا اگر بار ہو تو نہ بیٹھیں۔ مسئلہ تراویح جماعت کے ساتھ گھر میں پڑھی جائیں تو جماعت کا ثواب مل جائے گا۔ مگر مسجد کے ثواب سے محروم رہے گا۔ مسئلہ اگر اپنی مسجد میں ختم قرآن نہ ہو یا جماعت تراویح نہ ہو یا دوسری جگہ امام خوش الحان خوش عقیدہ صحیح خوان متبع سنت ہو اور ان وجوہ سے مسجد محلہ چھوڑ کر دوسری جگہ جائے جائز ہے۔ مسئلہ امام محلہ بدعقیدہ ہو تو دوسری مسجد میں جانا ضروری ہے۔ مسئلہ ایک امام کو دو مسجدوں میں پوری تراویح پڑھانا جائز نہیں۔ مسئلہ ایک امام کے پیچھے پوری تراویح پڑھنا افضل ہے۔ مسئلہ اگر کسی نے عشاء کی نماز جماعت سے نہیں پڑھی تو اس کو وتر جماعت سے پڑھنا مکروہ ہے۔ اگرچہ وتر ادا ہو جائیں گے۔

احکام اعتکاف

۲۰ رمضان المبارک کی عصر سے عید کا چاند دیکھنے تک اعتکاف کرنا سنت مؤکدہ کفایہ ہے۔ یعنی تمام شہر کے یا تمام محلہ کے مسلمانوں سے ایک شخص بھی اگر اعتکاف کرے گا تو سب بری الذمہ ہو جائیں گے گو ثواب سے محروم رہیں گے لیکن ترک سنت کا الزام کسی پر نہ رہے گا۔ مسئلہ اعتکاف ایسی مسجد میں کرنا چاہیئے جس میں پنج وقتہ نماز جماعت سے ہوتی ہو۔ مسئلہ بعد نیت اعتکاف حد مسجد سے نکلنا بجز انسانی حاجتوں اور شرعی ضرورتوں کے حرام ہے۔ مسئلہ انسانی حاجتیں پیشاب، پاخانہ اور نہانا ہے اگر نہانے کی حاجت ہی اور استنجا کرنا اور وضو کرنا ہے۔ مسئلہ اگر کوئی گھر سے مسجد میں کھانا لانے والا نہ ہو تو کھانے کے واسطے بعد مغرب گھر تک جانا جائز ہے۔ بہتر یہ ہے کہ کھانا گھر سے لائے اور مسجد میں کھائے۔ مسئلہ اور حاجات شرعی نماز جمعہ ہے۔ لہٰذا نماز جمعہ کو ایسے وقت جائے کہ وہاں جا کر چار سنتیں پڑھ کر خطبہ سن لے اور بعدہ چھ رکعت سنت پڑھے۔ بلا ضروریات مذکورہ معتکف کو مسجد سے باہر نکلنا مکروہ ہے۔ مگر جب تک کہ آدھے دن سے زیادہ مسجد سے باہر نہ رہے گا اعتکاف نہ ٹوٹے گا۔ اعتکاف میں معتکف کو کھانا، پینا، سونا، دین کی کتابوں کا پڑھنا پڑھانا، مسائل دینی کا بیان کرنا، بزرگان دین انبیاء کرام کے حالات بیان کرنا۔ اگر ضرورت پڑے تو بغیر لائے مال کے مسجد میں خرید و فروخت جائز ہے۔

لیلۃ القدر

سال کی راتوں میں شب قدر افضل ترین ہے۔ یہ رمضان کی ستائیسویں شب ہے۔ اس رات اللہ تعالیٰ رحمت خصوصی طور پر متوجہ نمائش ہوتی ہے۔ تلاوت قرآن، ذکر الٰہی، درود شریف کی کثرت کیجئے۔ جتنی توفیق ہو نفل پڑھے۔ اور اس رات میں کثرت سے یہ وظیفہ پڑھے جو کہ حضور علیہ السلام نے حضرت عائشہ کو تعلیم فرمایا تھا:۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ (ترمذی)

عید کی سنتیں

غسل کرنا، مسواک کرنا، خوشبو لگانا، عمدہ لباس پہننا، عیدگاہ کو پیادہ پا جانا، ایک راہ سے جانا اور دوسری راہ سے واپس ہونا، عید الفطر میں عیدگاہ جانے سے قبل کوئی شیریں چیز کھجور وغیرہ کھانا (اسی بناء پر ہمارے ملک میں سویاں مروج ہیں کہ کھانا شیریں ہو اور سنت بھی ادا ہو جائے) اور عید الضحیٰ میں قبل نماز کچھ نہ کھانا۔

مباحات اور مستحبات

صدقہ کی کثرت کرنا، باہم ملنا، مبارک باد دینا، خوشی کا اظہار کرنا، مصافحہ اور معانقہ کرنا (شاہ ولی اللہ صاحب فتوے میں امام نووی کا قول نقل کرکے فرماتے ہیں۔ ھٰکذا ینبغی، ان یقال فی المصافحۃ یوم العید والمعانقۃ یوم العید اور ہدایہ میں ہے کذا المصافحۃ بل ھی سنۃ عقیب الصلوۃ کلھا) راہ میں تکبیر اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ آہستہ پڑھنا مستحب ہے۔

عید کی نماز کا وقت عید کی نماز کا وقت آفتاب کے بقدر نیزہ بلند ہونے سے زوال تک ہے۔ اگر نماز پڑھنے میں زوال کا وقت آگیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

نمازِ عید عید کی دو رکعت نماز ہر عاقل بالغ مقیم تندرست پر شہر میں واجب ہے۔ گاؤں میں عید اور جمعہ کی نمازیں جائز نہیں۔ مگر وہ بڑے گاؤں یعنی قصبے جو شرعاً شہر کا حکم رکھتے ہیں۔ اُن میں جمعہ اور عید دونوں کی نمازیں جائز ہیں۔ جمعہ اور عید دونوں کی نماز کی صحت اور ادا کی شرطیں ایک ہیں۔ مگر یہ فرق ہے کہ جمعہ میں خطبہ فرض ہے اور عیدین میں سنت۔ دوم جمعہ میں خطبہ نماز سے قبل ہے اور یہاں نماز کے بعد۔ اگر کسی نے عید کی نماز کے بعد خطبہ نہ پڑھا، یا نماز سے قبل پڑھ لیا، دونوں صورتوں میں نماز تو ہوگئی۔ مگر یہ شخص گناہگار ہوا۔

ترکیب نمازِ عید الفطر پہلے یوں نیت کرے۔ نیت کی میں نے دو رکعت نماز عید الفطر واجب کی چھ زائد تکبیروں کے ساتھ اس امام کے پیچھے کعبہ شریف کی طرف منہ کرکے۔ پھر کانوں تک ہاتھ لے جاکر تکبیر پڑھ کر ہاتھ باندھ لے اور ثنا پڑھے۔ پھر دو مرتبہ کانوں تک ہاتھ لے جاکر تکبیر کہتے ہوئے چھوڑ دے۔ تیسری مرتبہ کانوں تک ہاتھ لے جاکر تکبیر کہہ کر ہاتھ باندھ لے اور بطریق معہود ایک رکعت پڑھے۔ دوسری رکعت میں بعد قرأت قبل رکوع تین مرتبہ کانوں تک ہاتھ لیجا کر تکبیر کہتا ہوا چھوڑ دے۔ چوتھی مرتبہ کانوں تک ہاتھ لے جائے۔ بغیر تکبیر کہہ کر رکوع کرے اور حسب دستور نماز پوری کرے۔ نماز کے بعد امام خطبہ پڑھے۔ تمام مقتدی سنیں اور خاموش رہیں خواہ خطبہ کی آواز پہنچے خواہ نہ پہنچے۔ بعد خطبہ دعا مانگیں۔ سلام، مصافحہ و معانقہ کریں۔

صدقہ فطر ہر صاحب نصاب پر اپنی اور اپنے بچوں کی طرف سے ۲ سیر تین چھٹانک گندم واجب ہے۔ گندم کی قیمت بھی دے سکتے ہیں۔ اس کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا ہے (۲) نابالغ اور مجنوں مالک نصاب پر بھی صدقہ فطر واجب ہے۔ ان کا سرپرست ان کے مال سے ادا کرے (۳) صدقہ فطر ادا کرنے سے روزہ میں جو خلل واقع ہوا اس کی تلافی ہو جاتی ہے (۴) عورت مالک نصاب ہو تو اس پر بھی صدقہ فطر واجب ہے (۵) صدقہ فطر فجر عید کی طلوع کے بعد واجب ہوتا ہے۔ جو اس سے پہلے مرگیا اُس پر صدقہ واجب نہیں اور جو اس سے پہلے پیدا ہوا اس کا صدقہ واجب ہے (۶) روزِ عید سے پہلے بھی صدقہ فطر کا دینا جائز ہے۔ وہ بوڑھا یا مریض جس سے روزہ ساقط ہو گیا ہے، صدقہ فطر اس پر بھی واجب ہے (۷) مستحب یہ ہے کہ فطرہ عید گاہ جانے سے پہلے پہلے ادا کر دیا جائے۔

شوال کے روزے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے عید الفطر کے بعد چھ روزے رکھ لیے تو اس کو پورے سال کے روزوں کا ثواب ملے گا۔ ان روزوں کا متفرق رکھنا افضل ہے اور اگر متواتر چھ روزے رکھ لیے تو بھی حرج نہیں۔

بَابُ وُجُوْبِ صَوْمِ رَمَضَانَ

باب رمضان کے روزوں کی فرضیت کے متعلق

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۔ (بخاری)

اور اللہ عزوجل کا ارشاد ہے۔ اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کیا گیا۔ جیسا کہ ان پر فرض ہوا تھا جو تم سے پہلے ہوئے۔ تاکہ تم گناہوں سے بچو۔

۱- اس آیت سے روزوں کی فرضیت ثابت ہوئی۔ اور یہ کہ روزے عبادت قدیمہ ہیں۔ زمانہ آدم علیہ السلام [illegible] شریعتوں میں فرض [illegible]

چلے آئے۔ اگرچہ روزوں کے دن اور احکام مختلف تھے۔ مگر اصل روزے سب امتوں پر لازم رہے۔ لعلکم تتقون۔ یعنی روزہ پرہیزگاروں کا شعار ہے اور کسرِ نفس کا سبب ہے۔

۲- حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کی اُمتوں پر رمضان کے روزے فرض کیئے۔ تو ان کے پادریوں نے دس دن اپنی طرف سے اضافہ کرکے چالیس کر لیے۔ پھر ان کا ایک بڑا پوپ بیمار ہُوا تو اس نے نذر مانی کہ اگر مجھے شفا ہوگئی تو دس روزوں کا مزید اضافہ کروں گا۔ چنانچہ اسے شفا ہوئی اور اس نے مزید دس زیادہ کرکے پچاس کر لیے۔ گرمیوں میں یہ لوگ پچاس روزے نہ رکھ سکے تو انھوں نے رمضان کی جگہ ربیع کے موسم میں روزوں کو منتقل کر دیا (تفسیر قرطبی) اس سے واضح ہُوا کہ روزہ ہر امت میں کسی نہ کسی طرح رائج رہا ہے۔

۱- عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ اَنَّ اَعْرَابِيًّا جَآءَ اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَائِرَ الرَّأْسِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَخْبِرْنِىْ مَاذَا فَرَضَ اللهُ عَلَىَّ مِنَ الصَّلٰوةِ فَقَالَ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ شَيْئًا فَقَالَ اَخْبِرْنِىْ مَا فَرَضَ اللهُ عَلَىَّ مِنَ الصِّيَامِ فَقَالَ شَهْرَ رَمَضَانَ اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ شَيْئًا فَقَالَ اَخْبِرْنِىْ بِمَا فَرَضَ اللهُ عَلَىَّ مِنَ الزَّكٰوةِ فَقَالَ فَاَخْبَرَهٗ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَرَائِعِ الْاِسْلَامِ - قَالَ وَالَّذِىْ اَكْرَمَكَ لَا اَتَطَوَّعُ شَيْئًا وَلَا اَنْقُصُ مِمَّا فَرَضَ اللهُ عَلَىَّ شَيْئًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْلَحَ اِنْ صَدَقَ اَوْ دَخَلَ الْجَنَّةَ اِنْ صَدَقَ (بخاری)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ سے مروی ہے کہ ایک اعرابی جو کہ پراگندہ بالوں والا تھا بحضور نبوی حاضر ہوا اور عرض یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے خبر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کتنی نمازیں فرض کی ہیں؟ آپ نے فرمایا پانچ نمازیں۔ ہاں اگر تو نفل زیادہ پڑھے تو بہ اور بات ہے۔ پھر اس نے سوال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کونسے روضے فرض کیے ہیں؟ آپ نے فرمایا رمضان کے مہینے کے۔ ہاں اگر تو نفلی روزے رکھے (تو تیری مرضی ہے) پھر اس نے عرض کی مجھے بتایئے اللہ نے مجھ پر زکوٰۃ سے کیا فرض کیا۔ راوی نے کہا الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے شرائع اسلام یعنی زکوٰۃ کا نصاب بتادیا۔ اعرابی نے عرض کی اس ذات کی قسم جس نے آپ کی تکریم کی ہے میں اس میں سے جو اللہ نے مجھ پر فرض کردیا ہے، اپنی طرف سے نہ کچھ بڑھاؤں گا اور نہ گھٹاؤں گا۔ اس پر حضور نے فرمایا اگر اس نے سچ کہا ہے تو کامیاب ہوگیا (یا آپ نے یہ فرمایا) اگر سچ کہا ہے تو جنت میں جائے گا۔

۲- عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ صَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ عَاشُوْرَآءَ وَاَمَرَ بِصِيَامِهٖ فَلَمَّا فُرِضَ رَمَضَانُ تُرِكَ وَكَانَ عَبْدُ اللهِ لَا يَصُوْمُهٗ اِلَّا اَنْ يُّوَافِقَ صَوْمَهٗ (بخاری)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے عاشورے کا روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی اس کا حکم دیا۔ جب رمضان فرض ہُوا تو عاشورے کا روزہ موقوف ہوگیا۔ عبداللہ بن عمر عاشورے کے دن روزہ نہ رکھتے۔ مگر جب اُن کے روزے کے دن آن پڑتا

۳- اَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا اَنَّ قُرَيْشًا كَانَتْ تَصُوْمُ يَوْمَ عَاشُوْرَآءَ فِى الْجَاهِلِيَّةِ ثُمَّ اَمَرَ رَسُوْلُ اللهِ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ قریش جاہلیت کے زمانہ میں عاشورے کے دن روزہ رکھا کرتے۔ پھر

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصِيَامِهِ حَتّٰى فُرِضَ رَمَضَانُ وَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شَآءَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ شَآءَ اَفْطَرَ (بخاری)

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اُس دن روزے کا حکم دیا۔ یہاں تک کہ رمضان کے روزے فرض ہوئے اور (اُس وقت) آپ نے فرمایا جس کا جی چاہے وہ عاشورے کا روزہ رکھے، جس کا جی چاہے، نہ رکھے

فوائد و مسائل تینوں حدیثوں کا باب سے تعلق یہ ہی ہے کہ ان میں روزوں کی فرضیت کا بیان ہے۔ حدیث نمبر اہیں باب سے مناسب یہ الفاظ ہیں اخبرنی ما فرض اللہ علی من الصیام اور یہ حدیث کتاب الایمان باب الزکوٰۃ من الایمان فیوض الباری پارہ اول ص۲۰ پر مکمل ترجمانی کے ساتھ گزر چکی ہے۔ ضرور مطالعہ کیجئے (۲) حدیث نمبر۲ و نمبر۳ سے واضح ہوا، صوم عاشورہ پہلے واجب تھا۔ پھر جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو اس کا وجوب ختم ہو گیا۔

بَابُ فَضْلِ الصَّوْمِ

باب روزے کی فضیلت کے متعلق

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصِّيَامُ جُنَّةٌ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَجْهَلْ وَاِنِ امْرُؤٌ قَاتَلَهٗ اَوْ شَاتَمَهٗ فَلْيَقُلْ اِنِّيْ صَائِمٌ مَّرَّتَيْنِ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ تَعَالٰى مِنْ رِّيْحِ الْمِسْكِ يَتْرُكُ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ وَشَهْوَتَهٗ مِنْ اَجْلِيْ الصِّيَامُ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهٖ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزہ (دوزخ) کی سپر ہے۔ روزے میں فحش باتیں نہ کرے، نہ جہالت کی باتیں۔ اگر کوئی آدمی اس سے لڑے یا گالی دے تو دوبارہ کہدے میں روزہ دار ہوں۔ قسم ہے اُس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مُشک کی خوشبو سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے روزہ دار میرے لیے اپنا کھانا، پینا اور اپنی شہوت چھوڑتا ہے۔ روزہ میرے لیے ہے میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ اور دوسری نیکیوں کا ثواب اصل نیکی سے دس گنا ہوتا ہے۔

حدیث ھذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے:۔

۱۔ روزہ دوزخ کے لیے سپر ہے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا اس ماہ کا اوّل حصّہ رحمت ہے اور اس کے درمیانی حصہ سے مغفرت شروع ہو جاتی ہے اور آخری حصہ میں جہنم سے آزادی مل جاتی ہے۔

۲۔ بحالت روزہ رفث۔ فحش کلامی، لغوگوئی اور افعال جاہلیت وغیرہ سے پرہیز ضروری ہے۔

۳۔ اور اگر کوئی گالی دے یا لڑے تو یہ کہہ دینا چاہیئے کہ میں روزہ سے ہوں۔

۴۔ خلوف سے مراد منہ کی وہ بدبو ہے جو معدہ کے خالی ہونے کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے۔ شُرّاح حدیث کے اس کے متعلق تقریباً آٹھ قول ہیں۔ تین قول راجح ہیں:۔

اوّل: اللہ عزّوجل آخرت میں اس بدبو کا بدلہ اور ثواب خوشبو سے عطا فرمائے گا جو مشک سے زیادہ عمدہ ہوگی۔
دوم: قیامت میں جب قبروں سے اٹھیں گے تو روزہ دار کے منہ سے ایسی خوشبو آئیگی جو مشک سے بھی بہتر ہوگی۔
سوم: دنیا ہی میں اللہ عزوجل کے نزدیک اس بو کی قدر مشک سے زیادہ ہے۔

۵۔ وَاَنَا اَجْزِی بِہٖ۔ کیونکہ روزہ ایک پُرخلوص عبادت ہے۔ اس لیے اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ ہر نیک عمل کا ثواب بذریعہ ملائکہ دیا جاتا ہے۔ مگر روزہ کا ثواب میں خود عطا فرماتا ہوں کیونکہ روزہ خالص میرے لیے رکھا جاتا ہے۔
بعض مشائخ سے منقول ہے کہ یہ لفظ اُجْزٰی بِہٖ ہے ''... تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزہ دار کو روزہ کے بدلے "میں خود" اپنے کو دیتا ہوں۔

۶۔ وَالحسنۃ سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ہر نیکی کا ثواب اصل سے دس نا عطا فرمایا جاتا ہے۔ مگر روزہ کے لیے یہ بات نہیں ہے۔ اس کا ثواب دس گنا سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ عطا فرمایا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔ ہم صابروں کو بغیر حساب کے ثواب عطا فرمائیں گے۔ اور اکثر مفسرین نے صابرون سے صائمون مراد لیے ہیں اور ظاہر ہے کہ روزہ میں صبر و ضبط سے کام لیا جاتا ہے۔ انسان محض حکم الٰہی و رضاءِ الٰہی کے لیے لذاتِ دنیوی سے پرہیز کرتا ہے اور بھوک و پیاس کی تکلیف اُٹھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ثواب بھی بے حد و غایت عطا فرماتا ہے۔

بَابُ الصَّوْمُ كَفَّارَةٌ

باب روزہ کفارہ بنتا ہے۔

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَنْ يَّحْفَظُ حَدِيْثًا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْفِتْنَةِ قَالَ حُذَيْفَةُ اَنَا سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِيْ اَهْلِهٖ وَمَالِهٖ وَجَارِهٖ وَتُكَفِّرُهَا الصَّلٰوةُ وَالصِّيَامُ وَالصَّدَقَةُ قَالَ لَيْسَ اَسْاَلُ عَنْ ذِهٖ اِنَّمَا اَسْاَلُ عَنِ الَّتِيْ تَمُوْجُ كَمَا يَمُوْجُ الْبَحْرُ قَالَ وَاِنَّ دُوْنَ ذٰلِكَ بَابًا مُّغْلَقًا قَالَ فَيُفْتَحُ اَوْ يُكْسَرُ قَالَ ذَاكَ اَجْدَرُ اَنْ لَّا يُغْلَقَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَقُلْنَا لِمَسْرُوْقٍ سَلْهُ اَكَانَ عُمَرُ يَعْلَمُ مَنِ الْبَابُ فَسَاَلَهٗ فَقَالَ نَعَمْ كَمَا يَعْلَمُ اَنَّ دُوْنَ غَدٍ اللَّيْلَةَ۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا، فتنہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کسے یاد ہے؟ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے سنا ہے آپ نے فرمایا تھا کہ انسان کے لیے اس کے گھر والے، اس کا مال اور اس کے پڑوسی فتنہ (آزمائش و امتحان) ہیں۔ جس کا کفارہ نماز، روزہ اور صدقہ بن جاتا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس کے متعلق نہیں پوچھتا، میری مراد تو اس فتنہ سے تھی جو سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مارے گا۔ اس پر حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کے اور اس فتنہ کے درمیان ایک بند دروازہ ہے (یعنی آپ کے دور میں وہ فتنہ شروع نہیں ہوگا) عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا وہ دروازہ کھولا جائے گا یا توڑ دیا جائے گا۔ حضرت حذیفہ نے کہا کہ توڑ دیا جائے گا۔ حضرت عمر نے فرمایا پھر تو قیامت تک کبھی بند نہ ہو پائے گا ہم نے مسروق سے کہا آپ حذیفہ سے پوچھئے کہ کیا حضرت عمر کو معلوم تھا کہ وہ دروازہ کون ہے؛ چنانچہ مسروق نے پوچھا تو آپ نے فرمایا ہاں بالکل اسی طرح جیسے رات کے بعد دن کے آنے کا علم ہوتا ہے۔

فوائد ومسائل یہ حدیث کتاب مواقیت الصلوٰۃ باب الصلاۃ کفارۃ فیوض الباری حصہ سوم صفحہ ۲۲۷ پر گزر چکی ہے۔ ملاحظہ فرمالیں۔ اس حدیث سے واضح ہوا نماز روزہ صدقات وخیرات اور نیک کام انسان کی بداعمالیوں کا کفارہ بن جاتے ہیں۔ نماز روزہ صدقات وخیرات وامور خیر کی برکت سے آدمی مصائب و آلام سے محفوظ ہو جاتا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا:۔

اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ (بخاری) | کھجور کا نصف حصہ راہِ خدا میں دیکر ہی جہنم سے بچو۔

اور قرآن مجید میں فرمایا:۔

وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ (البقرہ) | اللہ صدقہ وخیرات کو بڑھاتا ہے یعنی اس کا ثواب بہت عطا فرماتا ہے۔

بَابُ الرَّيَّانِ لِلصَّائِمِيْنَ

باب روزہ داروں کے لیے ریان

عَنْ سَهْلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ بَابًا يُقَالُ لَهُ الرَّيَّانُ يَدْخُلُ مِنْهُ الصَّائِمُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يَدْخُلُ مِنْهُ أَحَدٌ غَيْرُهُمْ يُقَالُ أَيْنَ الصَّائِمُوْنَ فَيَقُوْمُوْنَ لَا يَدْخُلُ مِنْهُ أَحَدٌ غَيْرُهُمْ فَإِذَا دَخَلُوْا أُغْلِقَ فَلَمْ يَدْخُلْ مِنْهُ أَحَدٌ۔

فرمایا سہل رضی اللہ عنہ نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جنت کا ایک دروازہ ہے "ریان" قیامت کے دن اس دروازہ سے صرف روزہ دار ہی داخل ہو سکتے ہیں۔ ان کے سوا اور کوئی اس سے داخل نہیں ہو سکتا۔ پکارا جائے گا کہ روزہ دار کہاں ہے اور روزہ دار کھڑے ہو جائیں گے (جنت میں اس دروازہ سے جانے کے لیے) ان کے سوا اس سے اور کوئی نہیں اندر جانے پائے گا۔ اور جب یہ لوگ اندر چلے جائیں گے تو دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ پھر اس سے کوئی اندر نہ جا سکے گا۔

فوائد ومسائل ا۔ ریان۔ ری سے مشتق ہے جس کے معنی سیرابی کے ہیں۔ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جو شخص ریان دروازہ سے داخل ہوگا وہ کبھی پیاس محسوس نہیں کرے گا۔ یہ دروازہ صرف روزہ داروں کے لیے مخصوص ہوگا۔ کوئی اور اس دروازہ سے داخل نہ ہو سکے گا۔

۲۔ حدیث مسلم کا مضمون ہے کہ جس نے اچھی طرح وضو کیا پھر کلمہ پڑھا تو اس کے لیے جنت کے آٹھ دروازے کھول دیے جائیں گے۔

يَدْخُلُ مِنْ أَيِّهَا۔ | جس دروازے سے چاہے داخل ہو۔

اور ممکن ہے یہ شخص اہلِ صیام سے نہ ہو۔ تو پھر یہ کہنا کیسے صحیح ہوگا کہ ریان دروازہ سے صرف روزہ دار ہی داخل ہو سکے گا؟
جواب یہ ہے کہ حدیث مسلم میں جنت کے جن آٹھ دروازوں کا ذکر ہے ان میں ریان دروازہ شامل نہیں ہے۔ کیونکہ جنت کے دروازوں کی تعداد صرف آٹھ نہیں بلکہ اس سے زیادہ ہے۔

ریان دروازہ محدثین نے ریان دروازہ کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ اس کی طرف کثرت سے نہریں جاری ہیں اور اس کے قریب پھل پھول شگوفے اچمن نگاہوں کو تازگی اور دلوں کو سرور بخشنے والے بکثرت ہیں۔ اس لیے اس کو "ریان" کہتے ہیں۔ یا یہ وجہ ہے کہ جو وہاں تک پہنچے گا اس سے روزِ قیامت کی تشنگی زائل ہو جائے گی اور اس کو طراوت ونظافت دائمی دار المقامہ

ہیں حاصل ہوگی۔ زرکشی نے کہا کہ "ریان" فعلان کے وزن پر ہے۔ اس کے معنی ہیں کثیر الری، یعنی بہت زیادہ سیرابی والا۔ چونکہ روزہ داروں کی بھوک پیاس پر کثرت سیرابی کے ساتھ جزا دی جائے گی۔ اس لیے یہ نام رکھا گیا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَنْفَقَ زَوْجَیْنِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ نُوْدِیَ مِنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ یَا عَبْدَ اللّٰهِ هٰذَا خَیْرٌ فَمَنْ کَانَ مِنْ اَهْلِ الصَّلٰوةِ دُعِیَ مِنْ بَابِ الصَّلٰوةِ وَمَنْ کَانَ مِنْ اَهْلِ الْجِهَادِ وَمَنْ کَانَ مِنْ اَهْلِ الصِّیَامِ دُعِیَ مِنْ بَابِ الرَّیَّانِ وَمَنْ کَانَ مِنْ اَهْلِ الصَّدَقَةِ دُعِیَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ فَقَالَ اَبُوْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا عَلٰی مَنْ دُعِیَ مِنْ تِلْکَ الْاَبْوَابِ مِنْ ضَرُوْرَةٍ فَهَلْ یُدْعٰی اَحَدٌ مِّنْ تِلْکَ الْاَبْوَابِ کُلِّهَا قَالَ نَعَمْ وَاَرْجُوْا اَنْ تَکُوْنَ مِنْهُمْ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کے راستے میں جوڑا جوڑا خرچ کیا، اسے جنت کے دروازوں سے بلایا جائے گا۔ کہ اللہ کے بندے! یہ اچھا ہے، جو شخص نمازی ہوگا اسے نماز کے دروازہ سے، جو مجاہد ہوگا اسے جہاد کے دروازے سے، جو روزہ دار ہوگا اسے باب ریان سے اور جو صدقہ کرنے والا ہوگا، اسے صدقہ کے دروازہ سے بلایا جائے گا اس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا، میرے ماں باپ آپ پر قربان یا رسول اللہ اگر کوئی ان دروازوں میں سے کسی ایک دروازے سے بھی بلا لیا جائے تو بھی کوئی حرج نہیں لیکن کوئی ایسا بھی ہوگا جو ان سب دروازوں سے بلایا جائے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ایسے لوگ بھی ہوں گے اور مجھے امید ہے کہ تم ان لوگوں میں سے ہو گے

حضرت صدیق اکبر کو جنت کے سب دروازوں سے بلایا جائے گا

اس حدیث روزہ دار کے فضل و شرف کا بیان ہے کہ اس کا اعزاز یہ ہوگا کہ جنت میں ایک خاص دروازہ سے داخل ہوگا اور اس کے ساتھ ساتھ امیر المومنین اصدق الصادقین امام الاتقیاء سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت و بزرگی کا بیان بھی ہے کہ آپ تمام حسنات و خیرات کے جامع ہیں اور تقویٰ کے نہایت بلند رتبہ پر فائز ہیں اور آپ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کو جنت کے ہر دروازہ سے بلایا جائے گا۔

بَابُ هَلْ یُقَالُ رَمَضَانُ اَوْشَهْرُ رَمَضَانَ وَمَنْ رَّاٰی کُلَّهٗ وَاسِعًا

باب رمضان یا ماہ رمضان کہا کہیں اور اس کی دلیل جو دونوں طرح کہنا درست جانتا ہے

اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کہ رمضان کو شہر رمضان کہنا مناسب ہے یا صرف رمضان۔ بعض صرف رمضان کہنے اور بولنے کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔ مگر زیر عنوان احادیث میں خود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان بغیر لفظ شہر اور لفظ شہر کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے۔ لہٰذا دونوں طرح بلا کراہت جائز ہونا چاہیئے۔

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَقَالَ لَا تَقَدَّمُوْا۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا جو شخص رمضان کے روزے رکھے اور فرمایا رمضان سے آگے روزے۔

ان دونوں تعلیقات سے اور ان کے بعد کی احادیث کو ذکر کر کے امام بخاری نے یہ واضح کیا ہے کہ شھر رمضان اور رمضان دونوں طرح حدیث نبوی میں وارد ہوا ہے۔ اور یہی ان احادیث کی عنوان سے مناسبت ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا جَآءَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ فُتِحَتْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَّیَاطِیْنُ۔

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ماہ رمضان آتا ہے تو آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کیے جاتے ہیں اور شیطان زنجیروں میں کس دیے جاتے ہیں

۱۔ جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ بعض شارحین نے اس سے کثرت طاعات مراد لیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ماہ رمضان میں نیکی کی توفیق بڑھ جاتی ہے۔ آدمی اس ماہ مبارک میں امور خیر کی طرف زیادہ متوجہ ہو جاتا ہے۔ حدیث نمبر۲ میں سما سے مراد جنت ہے۔ ایک حدیث میں الواب رحمت کے لفظ مروی ہوئے ہیں اور اس سے بھی جنت مراد ہے۔ کیونکہ ابواب رحمت کا اطلاق ابواب جنت پر حدیث احتجت الجنة والنار سے واضح ہے۔

۲۔ اور یہ جو فرمایا کہ شیطان رمضان کے مہینے میں قید کر دیے جاتے ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس ماہ مبارک میں شر میں کمی پیدا ہو جاتی ہے۔ سوال کیا جاتا ہے کہ اگر شیطان قید ہو جاتا ہے تو چاہیے رمضان میں لوگ کوئی گناہ ہی نہ کریں؟ جواب یہ ہے یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو روزہ کو اس کے مکمل آداب کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ بعض نے یہ جواب دیا۔ شیاطین الجن تو قید ہو جاتے ہیں مگر انسانوں میں جو شیطان ہیں وہ قید نہیں ہوتے۔ وہ ہی گناہوں کا سبب بن جاتے ہیں۔ یا انسان کی شہوانی قوت سبب گناہ بن جاتی ہے۔ علامہ عینی حنفی علیہ الرحمہ نے فرمایا والمقصود تقلیل الشر۔ کہ ان الفاظ کا مقصود یہ ہے کہ ماہ مبارک میں شر اور شرارت میں کمی ہو جاتی ہے۔

محدثین کرام نے فرمایا: آسمانوں کے دروازے کھولنا رحمت نازل کرنے سے کنایہ ہے اور جنت کے دروازے کھولنا نیکیوں کی توفیق عطا فرمانے سے، کیونکہ وہ دخول جنت کا سبب ہے اور جہنم کے دروازوں کا بند کرنا روزے داروں کو معاصی سے امن دینے سے کنایہ ہے لیکن امام نووی نے فتح۔ و غلق میں دونوں وجہیں جائز رکھی ہیں۔ حقیقی معنیٰ بھی اور مجازی معنیٰ بھی۔ یعنی دونوں میں سے کوئی سا معنیٰ اختیار کیا جا سکتا ہے۔

بَابُ رُؤْیَةِ الْهِلَالِ

باب رمضان کے چاند کے متعلق

اَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ سَمِعْتُ

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے تھے۔ میں نے آنحضرت

رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِذَا رَاَیْتُمُوْہُ فَصُوْمُوْا وَاِذَا رَاَیْتُمُوْہُ فَاَفْطِرُوْا فَاِنْ غُمَّ عَلَیْکُمْ فَاقْدُرُوْا لَہٗ۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا۔ آپ فرماتے تھے جب تم رمضان کا چاند دیکھو تو روزہ رکھو اور جب شوال کا چاند دیکھو تو روزہ موقوف کرو اور اگر ابر ہو تو مہینہ کے تیس دن پورے کرو۔

فوائد و مسائل عربی میں تیسری شب کے چاند کو ہلال اور اس کے بعد کی راتوں کے چاند کو قمر اور چودھویں شب کے چاند کو بدر کہتے ہیں یہاں رمضان کی پہلی شب کا چاند مراد ہے۔ اکثر عبادات اسلامی کا مدار چاند پر ہے۔ اس لیے ہر مہینہ کا چاند دیکھنے کا اہتمام ہونا چاہیئے۔ خصوصاً شب برات، رمضان، شوال، عیدالاضحیٰ کے چاند کے لیے تو خاص اہتمام ہونا چاہیئے۔ فَصُوْمُوْا کے مخاطب تمام مسلمان ہیں راَیتمُوہ میں ہ ضمیر کا مرجع چاند ہے۔ جس سے واضح ہوا کہ بعض کا چاند دیکھنا کل مسلمانوں کے لیے کافی ہے۔ چاند میں اختلاف مطالع کا اعتبار نہ ہوگا۔ جیسا کہ امام شافعی علیہ الرحمہ کا خیال ہے۔ مطلب حدیث یہ ہے کہ جب رمضان یا شوال کا چاند ثابت ہو جائے تب روزہ رکھو اور اور عید مناؤ۔ شک و شبہ کی بنیاد پر نہ روزہ رکھو اور نہ عید کرو۔ فَاِنْ غُمَّ علیکم اور اگر ابر و غبار کی وجہ سے چاند دکھائی نہ دے تو مہینہ کا اندازہ کرلو (فاقدروا لہ) یعنی تیس دن پورے کرلو۔ کیونکہ قمری مہینہ ۲۹ دن سے کم اور ۳۰ دن سے زیادہ نہیں ہوتا۔

واضح ہو کہ شعبان کی ۲۹ تاریخ کو چاند کی تلاش واجب علی الکفایہ ہے اگر چاند نظر آجائے۔ روزہ رکھ لیں ورنہ شعبان کے تیس دن پورے کرکے روزہ رکھیں۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے۔

صوموا لرؤیتہٖ وافطروا لرؤیتہٖ فان غُمَّ الھلال فاکملوا عدۃ شعبان ثلٰثین یومًا۔ (ابوداؤد)

حضور نے فرمایا روزہ رکھو چاند دیکھ کر اور افطار کرو (یعنی عید کرو) چاند دیکھ کر۔ اگر ابر و غبار کی وجہ سے چاند نظر نہ آئے تو شعبان کے تیس دن پورے کرلو۔

اسی طرح اگر ۲۹ رمضان کو چاند نظر نہ آئے تو ۳۰ روزے پورے کرکے عید کریں۔

۱۔ اگر ۲۹ شعبان کو مطلع صاف نہ ہو آسمان پر ابر و غبار کی وجہ سے چاند نظر نہ آئے لیکن ایک مسلمان چاند دیکھنے کی خبر دے تو اس کی خبر پر اعتماد کرکے روزہ رکھا جائے گا۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے۔

اعرابی فقال انی رأیت الھلال قال اتشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ قال نعم قال اتشھد ان محمدا رسول اللّٰہ قال نعم قال یا بلال اذن فی الناس فلیصوموا۔

حضور کی خدمت میں ایک اعرابی حاضر ہوا۔ عرض کیا میں نے چاند دیکھا ہے۔ فرمایا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں؟ عرض کیا بیشک۔ فرمایا کیا گواہی دیتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں؟ عرض کیا۔ یقیناً۔ حضور نے فرمایا۔ اے بلال اعلان کرو۔ لوگ روزے رکھیں

اسی حدیث کی بنا پر فقہاء کرامؒ نے فرمایا کہ اگر ۲۹ شعبان کو مطلع صاف نہ ہو۔ تو ایک مسلمان کی خبر رویت سے رمضان کا ثبوت ہو جائے گا۔

۵۔ شرح وقایہ میں ہے وقبل بلا دعوی ولفظ اشھد للصوم مع غیم خبر فرد۔ در مختار میں ہے۔ قبل بلا دعوی بلا لفظ اشھد وبلا حکم و مجلس قضاء لانہ خبر لا شھادۃ للصوم مع علۃ کغیم وغبار خبر عدل او مستور۔ الخ۔ وقال الشامی انہ ظاھر الروایۃ ایضا (رد المختار)

اور اس صورت میں لفظ اشہد، مجلس قضاء وغیرہ کی حاجت نہیں ہے۔ علامہ شامی علیہ الرحمہ نے تصریح فرمائی کہ یہی ظاہر الروایۃ ہے۔

۲۔ اگر ۲۹ رمضان کو مطلع صاف نہ ہو (ابر و غبار ہو) تو ایسی صورت میں اگر دو عادل مسلمان چاند دیکھنے کی گواہی دیں تو ان کی شہادت پر عید کی جائے گی[1]

۳۔ اور اگر ۲۹ رمضان کو مطلع صاف ہو، ابر و غبار نہیں ہے تو ایسی صورت میں جمع عظیم کی گواہی سے عید کر سکیں گے۔ بصورت دیگر ۳۰ روزے پورے کر کے عید کی جائے گی۔

فائدہ جمع عظیم بڑی جماعت کو کہتے ہیں۔ تو در اصل یہ خود اور اس کی تعداد منصوص نہیں ہے۔ اسی لیے فقہاء کا اس باب میں اختلاف ہے۔ امام ابو یوسف کی رائے میں ۵۰ آدمی جمع عظیم ہیں۔ اور بعض نے کوئی تعداد مقرر نہیں کی۔ بلکہ اس کو قاضی و عالم کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ جس قدر افراد سے اسے ظن غالب ہو جائے، کافی ہے اور بات بھی یہی ہے کہ جمع عظیم کی قید کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ قاضی یا اس زمانہ میں مفتی کو چاند دیکھنے کے دعویداروں کی بات پر ظن غالب ہو جائے۔ عالمگیری میں ہے وان لم یکن فی السماء علۃ لم تقبل الاشہادۃ جمع عظیم یقع العلم بخبرہم ××× وسواء فی ذالک رمضان وشوال وذوالحجہ۔ درمختار میں ہے وقبل بلا علۃ جمع عظیم یقع العلم الشرعی وھو غلبۃ الظن بخبرھم وھو مفوض الی رای الامام من غیر تقدیر بعدد۔ علی المذھب وعن الامام انہ یکتفی بشاھدین واختارہ فی البحر

پس جب ظاہر الروایۃ دو گواہوں کی ہے تو مطلع صاف ہونے کی صورت میں بھی دو گواہوں کی گواہی سے عید کی جا سکتی ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ صاحب بحر نے تصریح فرمائی (واختارہ فی البحر) حیث قال وینبغی العمل علی ھذہ الروایہ فی زماننا (ردالمحتار) اور علامہ شامی نے بطور فیصلہ فرمایا فتعین الافتاء بالروایۃ الاخری۔ لہذا صفاء مطلع کی صورت میں ہمارے علماء کا جمع عظیم ہی کی شرط کو بہر صورت و بہر حال پیش نظر رکھنا اور دو کی شہادت کو ناکافی قرار دینا

---

[1] ہدایہ مع الشروح ارابع میں ہے۔ واذا کان بالسماء علۃ لم یقبل فی ھلال الفطر الا شہادۃ رجلین۔ او رجل وامراتین ـــــ والاضحی کالفطر فی ظاہر الروایۃ وھو الاصح خلافا لما روی عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ انہ کھلال رمضان لانہ تعلق بہ نفع العباد وھو التوسع بلحوم الاضاحی ـــــ علامہ ابن ہمام علیہ الرحمہ نے اس کی شرح میں فرمایا۔ قولہ لانہ تعلق بہ نفع العباد۔ تعلیل لظاہر الروایہ۔ وفی التحفۃ رجح روایۃ النوادر فقال والصحیح انہ یقبل فیہ شہادۃ الواحد لان ھذا من باب الخبر فیلزم المخبر ولا ثم یتعدی منہ الی غیرہ ـــــ فصار کھلال رمضان فی تعلق حق اللہ تعالی بہ فیقبل فی الغیم الواحد العدل ولا یقبل فی الصحو الا التواتر اور ضابطہ یہ ہے کہ صحیح کو اصح پر ترجیح ہے لانہما اتفقا علی انہ صحیح والاخذ بالمتفق اوفق۔ اس مذکورہ بالا روایت جو کہ صحیح ہے کی رو سے بحالت ابر و غبار ایک مرد عادل مسلمان کی گواہی سے بھی عید اضحی کر لینی جائز ہے۔

درست نہیں ہے۔ جب ہمارے امام علیہ الرحمہ سے ظاہر الروایۃ دو گواہوں کی شہادت قبول کرکے عید کرنے کی ہے تو اس کو نظر انداز کیوں کیا جاتا ہے

بَابُ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا وَّنِيَّةً

باب جس نے رمضان کے روزے، ایمان کے ساتھ، حصولِ ثواب کے ارادہ اور نیت سے رکھے

وَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُبْعَثُونَ عَلٰى نِيَّاتِهِمْ۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے فرمایا کہ لوگوں کو ان کی نیتوں کے مطابق اٹھایا جائے گا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص شب قدر میں ایمان کے ساتھ اور حصولِ ثواب کے ارادہ سے عبادت کرتا رہا۔ اس کے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اور جس نے رمضان کے روزے ایمان کے ساتھ اور حصولِ ثواب کے ارادہ سے رکھے اس کے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

فوائد و مسائل

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ: یعنی ایمان و احتساب کے ساتھ روزہ رکھنے والے کے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔
مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ سے خاص رمضان کی رات مراد ہے جسے لیلۃ القدر کہتے ہیں۔ جیسے
من قام رمضان (الحدیث) میں نماز تراویح مراد ہے جو صرف رمضان میں ادا کی جاتی ہے۔ اگرچہ بعض نے تہجد بھی مراد لیا ہے لیکن تراویح مراد لینا زیادہ صحیح ہے۔ شب قدر ہر رمضان میں آتی ہے۔ یہ غالباً ستائیسویں رمضان کی رات ہے۔ اس رات میں عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر و افضل ہے۔ احمد و نسائی کی حدیث میں ہے:

مَنْ حُرِمَ خَيْرَهَا فَقَدْ حُرِمَ | یعنی جس نے یہ رات گناہوں میں گزاری یا اس رات بھی بلا عذر شرعی عشاء و فجر جماعت سے نہ پڑھی وہ اس کی خیر و برکت سے کلی طور پر محروم ہوگیا۔ کیونکہ شب قدر میں عبادت کی ایک قسم عشاء و فجر کا جماعت سے ادا کرنا ہے تو جس نے یہ بھی نہ کیا وہ محروم ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیقِ عبادت عطا فرمائے۔

احتسابا: حسب سے۔ اس کے معنی سمجھنے گمان کرنے کے ہیں۔ یعنی وہی روزہ بارگاہ الٰہی میں شرفِ قبولیت پائے گا جو ایمان و احتساب طلبِ ثواب، رضاءِ الٰہی کے حصول اور خلوص کے ساتھ رکھا جائے۔ کفار و مشرکین کے روزوں کا انہیں ثواب نہ ملے گا۔ کیونکہ ان میں ایمان نہیں اور اسی طرح جو مسلمان محض خالص علاج کی نیت سے روزہ رکھے گا وہ ثواب سے محروم رہے گا کہ یہاں ایمان تو ہے مگر احتساب طلبِ ثواب نہیں ہے۔

غُفِرَ لَهُ: یعنی ایمان و احتساب کے ساتھ روزہ رکھنے والے کے گزشتہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔ شارحین کرام نے تصریح کی ہے صغیرہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔ علی قاری علیہ الرحمہ نے فرمایا صغیرہ معاف ہو جائیں گے۔ کبیرہ گناہ صغیرہ ہو جائیں گے۔ اور اگر کوئی مسلمان ایسا ہو جس نے کوئی گناہ ہی نہ کیا ہو تو اس کے درجے بلند ہو جائیں گے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ روزہ سے صغیرہ گناہ معاف ہو گئے تو پھر تراویح و لیلۃ القدر کی عبادت

عبادت سے کیا معاف ہوا؟ جواب یہ ہے کہ روزہ کی برکت سے گناہ صغیرہ معاف ہوئے اور تراویح سے کبیرہ، صغیرہ قرار پائے اور لیلۃ القدر کی عبادت سے درجات بلند ہوئے

بَابُ اَجْوَدُ مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُوْنُ فِىْ رَمَضَانَ

باب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں سب سے زیادہ جوّاد ہوتے تھے

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ وَكَانَ اَجْوَدَ مَا يَكُوْنُ فِىْ رَمَضَانَ حِيْنَ يَلْقَاهُ جِبْرِيْلُ وَكَانَ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَلْقَاهُ كُلَّ لَيْلَةٍ فِىْ رَمَضَانَ حَتّٰى يَنْسَلِخَ يَعْرِضُ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْاٰنَ فَاِذَا لَقِيَهُ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ اَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھلائی اور خیر کے معاملہ میں سب سے زیادہ سخی تھے اور آپ کا جود اس وقت اور بڑھ جاتا تھا جب جبریل علیہ السلام آپ سے رمضان میں ملتے تھے۔ جبریل علیہ السلام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رمضان کی ہر رات میں ملتے تا آنکہ رمضان کا مہینہ گزر جاتا اور حضور اور جبریل قرآن کا دور کرتے۔ اور جب حضرت جبریل آپ سے ملنے لگتے تو آپ نہایت تیز ہوائے رحمت سے بھی زیادہ سخی اور جواد ہو جاتے تھے۔

یہ حدیث باب کیف کان بدء الوحی فیوض الباری جلد اول میں معہ ترجمانی کے گزر چکی ہے۔ حضور علیہ السلام سب سے زیادہ جواد تھے۔ لیکن رمضان کے مبارک مہینہ میں آپ کی سخاوت اور جود و کرم بہت بڑھ جاتا تھا۔ کیونکہ رمضان کے مہینہ میں ثواب دگنا ملتا ہے۔ نیز رمضان میں روزہ ہے جو اشرف العبادات ہے۔ لیلۃ القدر ہے اور رمضان کی راتوں میں جبریل امین آتے تھے اور حضور کے ساتھ قرآن پاک کا دور کرتے تھے

بَابُ مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فِى الصَّوْمِ

باب جو شخص روزے میں جھوٹ بولنا اور دغا بازی کرنا نہ چھوڑے۔

هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِىْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ۔

ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص جھوٹ بولنا اور دغا بازی کرنا نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو یہ احتیاج نہیں کہ وہ اپنا کھانا پانی چھوڑ دے۔

فوائد و مسائل قول الزور سے جھوٹ بولنا، حق سے اعراض کرنا، باطل کو اختیار کرنا، تہمت لگانا مراد ہے۔ مطلب حدیث یہ ہے لوگ عموماً ان بیماریوں میں مبتلا ہوتے ہیں تو روزہ کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی تمام گناہوں اور برائیوں سے پرہیز کرے۔ خصوصاً روزہ رکھ کر جھوٹ بولنا، تہمت لگانا بہت ہی معیوب ہے۔ حدیث ہذا میں فلیس للہ حاجۃ کے جملے سے کذب و افتراء

ہمت ایسے گناہوں کی سنگینیت کو بیان فرما کر ان سے بچنے کی تلقین فرمائی گئی ہے کہ یہ ایسے گناہ ہیں کہ روزہ کے ثواب میں کمی کر دیتے ہیں لہذا مسلمانوں کو بحالتِ روزہ گناہوں سے پرہیز کرکے روزہ کا پورا ثواب حاصل کرنا چاہیئے۔

بَابُ هَلْ يَقُوْلُ اِنِّیْ صَآئِمٌ اِذَا شُتِمَ

باب کوئی اس کو گالی دے تو یہ کہہ سکتا ہے۔ میں روزہ دار ہوں

عَنْ اَبِیْ صَالِحِ نِ الزَّيَّاتِ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ كُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ لَهٗ اِلَّا الصِّيَامَ فَاِنَّهٗ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ وَاِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ اَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ فَاِنْ سَابَّهٗ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَهٗ فَلْيَقُلْ اِنِّیْ امْرُؤٌ صَآئِمٌ وَّالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَخُلُوْفُ فَمِ الصَّآئِمِ اَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِّيْحِ الْمِسْكِ لِلصَّآئِمِ فَرْحَتَانِ يَفْرَحُهُمَا اِذَا اَفْطَرَ فَرِحَ وَاِذَا لَقِیَ رَبَّهٗ فَرِحَ بِصَوْمِهٖ۔

ابو صالح جو گھی بیچتا تھا، اس نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا وہ کہتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ آدمی کا ہر نیک عمل اسی کے لیے ہے۔ مگر روزہ، وہ خاص میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا اور روزہ گناہوں کی سپر ہے۔ اور جب تم میں کوئی روزہ رکھے تو فحش باتیں نہ کرے، نہ غل مچائے۔ اگر کوئی اس کو گالی دے یا اس سے لڑے تو کہہ دے میں روزہ دار آدمی ہوں۔ قسم اس کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے۔ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کو مشک کی خوشبو سے زیادہ پسند ہے۔ روزہ دار کو دو خوشیاں ہیں۔ ایک خوشی روزہ افطار کرنے کے وقت اور دوسری لقاءِ الٰہی کے موقع پر جبکہ روزہ کا ثواب حاصل کرکے خوش ہوگا

فوائد و مسائل مقصودِ عنوان یہ ہے کہ روزہ دار کو اگر کوئی گالی دے یا لڑائی جھگڑا کرے تو روزہ کے تقدس کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی جواب میں یہ کہہ دے کہ میں روزہ سے ہوں۔ حدیث زیرِ عنوان میں بھی اسی کا بیان ہے۔ حدیث ہذا میں روزہ کی عظمت کا بیان ہے کہ روزہ کا ثواب اللہ تعالیٰ خود عطا فرمائے گا۔ اور یہ کہ روزہ دار کو بہر حال صبر و ضبط سے کام لینا چاہیئے۔ برائیوں، فضول و لغو باتوں، لڑائی جھگڑے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

(۲) روزہ دار کو بوقتِ افطار روزے کے پورا ہونے کی خوشی ہوتی ہے اور دوسری خوشی لقاءِ الٰہی کے وقت ہوگی جبکہ روزہ بارگاہِ الٰہی میں شرفِ قبول فرمائے گا۔ اور ثواب عطا فرمایا جائے گا۔

کل عمل ابن آدم: مطلب یہ ہے کہ ایک نیکی کا ثواب دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک عطا فرمایا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا — جو اللہ تعالیٰ کے حضور ایک نیکی لے کر آئے گا اس کے لیے دس گنا اجر ہے اور جو بدی لیکر آئے گا تو اس کو اتنا ہی بدلہ دیا جائے گا جتنا اس نے قصور کیا ہے (سورہ انعام)، سورہ نساء میں فرمایا۔

وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا — اگر کوئی ایک نیکی کرے تو اللہ تعالیٰ اسے دو چند کرتا ہے اور پھر

عَظِيْمًا (سورۂ نساء) | اپنی طرف سے بڑا اجر عطا فرماتا ہے۔

اور اتنا عطا فرماتا ہے کہ بندہ کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا۔ اور یہ اس کا فضل خالص ہے جس کو چاہے نواز دے تو عام اعمال خیر کے لیے تو یہی طریقہ ہے کہ ایک نیکی کا ثواب دس سے لیکر سات سو عطا فرمایا جاتا ہے۔ لیکن روزہ کے متعلق ارشاد باری یہ ہے:۔

اِلَّا الصَّوْمَ فَاِنَّهٗ لِيْ | سوائے روزہ کے کہ روزہ تو میرا ہے۔ اگرچہ تمام عبادتیں

اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔ مگر روزہ کے متعلق خاص طور پر یہ فرمانا "روزہ میرے لیے ہے" اس کی چند وجہیں ہیں۔

۱۔ تمام عبادات میں ریا وسمعہ ہو سکتا ہے کیونکہ ان عبادات کی کوئی نہ کوئی ظاہری صورت ہوتی ہے۔ جیسے نماز میں سجدہ رکوع قیام، حج میں طواف کعبہ وغیرہ۔ زکوٰۃ میں مال کا غریب کو دینا کہ نماز پڑھنے والا، حج کرنے والا، زکوٰۃ دینے والا پہچانا جاتا ہے۔ مگر روزہ کی ظاہری صورت نہیں ہے۔ اس کا تعلق تو صرف اللہ تعالیٰ سے ہے۔ جو روزہ رکھتا ہے وہ مخلص ہی ہے۔ کیونکہ ریا کار چھپ کر کھا پی کر روزہ کا اظہار کر سکتا ہے تو روزہ بہرحال ایک مخلصانہ عبادت ہے۔ اس لیے فرمایا یہ تو میرے لیے ہے اور اَنَا اَجْزِيْ بِهٖ۔ اور میں ہی اس کا ثواب عطا فرماؤں گا۔ اَنَا اَجْزِيْ معروف کے معنی یہ ہوں گے کہ روزہ کا ثواب براہ راست میں خود دوں گا۔ کتنا دوں گا تو اس کو مقرر نہیں فرمایا۔ اور اُجْزٰی مجہول پڑھا جائے تو معنیٰ یہ ہوں گے کہ تمام عبادات کا ثواب جنت ہے۔ مگر روزہ ایک ایسی مخلصانہ عبادت ہے کہ اس کا ثواب میری ذات ہے۔ بندہ کو روزہ کے ثواب میں میں مل جاؤں گا۔ غور کیجئے لقاء الٰہی کے مقابل بھی کوئی ثواب یا درجہ ہے؟

۲۔ قیامت کے دن دوسری عبادتوں کا ثواب اہل حقوق کو دیا جا سکتا ہے حتیٰ کہ قرض خواہ مقروض سے سات سو نمازیں قرض کے عوض میں حاصل کر سکے گا (شامی) لیکن روزہ کسی حق والے کو نہ دیا جائے گا کہ روزہ تو خاص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔

۳۔ کفار ومشرکین قربانی، حج، خیرات، سجدہ وغیرہ بتوں کے لیے کرتے ہیں۔ مگر کوئی کافر بت کے لیے روزہ نہیں رکھتا۔ کافر روزہ رکھتا بھی ہے تو صفائی نفس کے لیے تاکہ بتوں سے قرب حاصل ہو سکے۔ تو روزہ ایسی عبادت ہے جو غیر اللہ کے لیے نہیں کی جاتی (مرقات واشعۃ اللمعات)

بَابُ الصَّوْمِ لِمَنْ خَافَ عَلٰى نَفْسِهِ الْعُزُوْبَةَ

باب جو شخص زنا میں مبتلا ہونے کا خوف کرے وہ روزہ رکھے

فَقَالَ مَنِ اسْتَطَاعَ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَاِنَّهٗ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَاَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَاِنَّهٗ لَهٗ وِجَاءٌ قَالَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ الْبَاءَةُ النِّكَاحُ۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا جو نکاح کی طاقت رکھتا ہے اسے نکاح کرنا چاہیئے۔ نکاح آنکھوں کو نیچا کرتا ہے۔ اور شرم گاہ کا محافظ ہے اور جو اس کی طاقت نہیں رکھتا تو روزے کو لازم پکڑے کیونکہ روزہ اس کے لیے قاطع شہوت ہوگا۔ امام ابوعبداللہ بخاری نے فرمایا باءۃ کے معنے نکاح کے ہیں۔

مطلب حدیث واضح ہے کہ نکاح جذبات طغیانی بدکی کا باعث ہوتا ہے۔ آدمی میں اپنے جذبات کو کنٹرول کرنے کی طاقت پیدا ہوتی ہے اور اسی طرح بے راہ روی سے محفوظ ہو جاتا ہے ——— اسی طرح روزہ قاطع شہوت ہے اور روزہ بھی جذبات واحساسات انسانی میں اعتدال کا ذریعہ بنتا ہے۔

بَابُ قَوْلِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا رَأَیْتُمُ الْہِلَالَ فَصُوْمُوْا وَاِذَا رَأَیْتُمُوْہُ فَأَفْطِرُوْا

باب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ جب چاند (رمضان کا) دیکھو تو روزے رکھو اور جب (عید کا) چاند دیکھو تو روزے رکھنا چھوڑ دو

وَقَالَ صِلَةُ عَنْ عَمَّارٍ مَنْ صَامَ یَوْمَ الشَّکِّ فَقَدْ عَصٰی اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

صلہ نے عمار رضی اللہ عنہ کے واسطے سے بیان کیا کہ جس نے شک کے دن کا روزہ رکھا اس نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَکَرَ رَمَضَانَ فَقَالَ لَا تَصُوْمُوْا حَتّٰی تَرَوُا الْہِلَالَ وَلَا تُفْطِرُوْا حَتّٰی تَرَوْہُ فَاِنْ غُمَّ عَلَیْکُمْ فَاقْدُرُوْا لَہٗ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کا ذکر کیا۔ پھر فرمایا کہ جب تک چاند نہ دیکھ لو روزہ نہ شروع کرو۔ اسی طرح جب تک چاند نہ دیکھ لو۔ افطار بھی نہ کرو۔ اور اگر چاند چھپ جائے تو اندازہ کر لو۔

یہ حدیث باب ھل یقال رمضان او شھر رمضان میں گزر چکی ہے۔ اس حدیث میں شک کا روزہ رکھنے کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

یوم الشک کا روزہ ممنوع ہے

جس دن کی رمضانیت میں شک ہو اس دن کا روزہ بایں نیت رکھنا کہ اگر یہ دن رمضان کا ہے، تو روزہ رمضان کا اور نہ نفل کا۔ اس طرح کا روزہ مکروہ ہے۔ لیکن جو لوگ ہر مہینے کے آخر میں نفل روزے رکھنے کے عادی ہیں یا خالص نفل کی نیت کرنے پر قادر ہیں، اُن کو بنیت نفل روزہ رکھنا جائز ہے۔

قَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا یَقُوْلُ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلشَّہْرُ ھٰکَذَا وَھٰکَذَا وَخَنَسَ الْاِبْہَامَ فِی الثَّالِثَۃِ۔ (بخاری)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مہینہ اتنے دنوں اور اتنے دنوں کا ہوتا ہے۔ اور تیسری بار آپ نے انگوٹھا دبا لیا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلشَّہْرُ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ لَیْلَۃً فَلَا تَصُوْمُوْا حَتّٰی تَرَوْہُ فَاِنْ غُمَّ عَلَیْکُمْ فَاَکْمِلُوا الْعِدَّۃَ ثَلَاثِیْنَ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مہینہ انتیس راتوں کا ہوتا ہے تو روزہ نہ رکھو حتیٰ کہ چاند دیکھ لو۔ پھر اگر تم پر چاند مشتبہ ہو جائے تو تیس دن کی گنتی پوری کر لو۔

قَالَ اَبَا ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ یَقُوْلُ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوْ قَالَ قَالَ اَبُو الْقَاسِمِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صُوْمُوْا لِرُؤْیَتِہٖ وَاَفْطِرُوْا لِرُؤْیَتِہٖ فَاِنْ غُمِّیَ عَلَیْکُمْ فَاَکْمِلُوْا عِدَّۃَ ثَلٰثِیْنَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یا ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا چاند دیکھ کر روزے شروع کرو اور چاند دیکھ کر موقوف بھی کرو۔ اگر ابر ہو جائے تو شعبان کے تیس دن پورے کر لو (بخاری)

عَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اٰلٰی مِنْ نِّسَآئِہٖ شَہْرًا فَلَمَّا مَضٰی تِسْعَۃٌ وَّعِشْرُوْنَ یَوْمًا غَدَا اَوْرَاحَ فَقِیْلَ لَہٗ اِنَّکَ حَلَفْتَ اَنْ لَّا تَدْخُلَ شَہْرًا فَقَالَ اِنَّ الشَّہْرَ یَکُوْنُ تِسْعَۃً وَّعِشْرِیْنَ یَوْمًا۔

ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیبیوں سے ایک مہینے کا ایلا کیا (صحبت نہ کرنے کی قسم کھائی۔ جب انتیس دن گزر گئے تو صبح سویرے یا تیسرے پہر کو آپ اُن کے پاس آگئے۔ لوگوں نے عرض کیا آپ نے تو ایک مہینہ الگ رہنے کی قسم کھائی تھی۔ آپ نے فرمایا مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔

عَنْ اَنَسٍ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ اٰلٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ نِّسَآئِہٖ وَکَانَتْ اِنْفَکَّتْ رِجْلُہٗ فَاَقَامَ فِیْ مَشْرُبَۃٍ تِسْعًا وَّعِشْرِیْنَ لَیْلَۃً ثُمَّ نَزَلَ فَقَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اٰلَیْتَ شَہْرًا فَقَالَ اِنَّ الشَّہْرَ یَکُوْنُ تِسْعًا وَّعِشْرِیْنَ۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات سے ایلا کیا۔ آپ کے پاؤں میں موچ آگئی تھی۔ آپ انتیس راتوں تک ایک بالاخانے میں رہے۔ پھر وہاں سے اُترے۔ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ نے ایک مہینہ کا ایلا کیا تھا۔ آپ نے فرمایا مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔ (بخاری)

فوائد ومسائل ان تمام حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ عربی مہینہ کبھی ۲۹ دن کا ہوتا ہے (لیکن ۲۹ سے کم اور تیس سے زیادہ نہیں) تو اگر ۲۹ کو چاند نظر نہ آئے تو پھر تیس دن پورے کر کے رمضان یا عید کرنی چاہیئے۔ مثلاً اگر ۲۹ شعبان کو چاند نظر نہ آئے تو شعبان کے تیس دن پورے کیے جائیں گے۔ اسی طرح اگر ۲۹ رمضان کو چاند نظر نہ آئے تو رمضان کے تیس دن پورے کر کے عید کی جائے گی۔

بَابُ شَہْرَا عِیْدٍ لَّا یَنْقُصَانِ

باب عید کے دونوں مہینے ناقص نہیں رہتے

- عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ شَہْرَانِ لَا یَنْقُصَانِ شَہْرَا عِیْدٍ رَمَضَانُ وَذُوالْحِجَّۃِ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ دو مہینے ناقص نہیں ہوتے۔ رمضان اور ذوالحجہ کے دونوں مہینے۔

- قَالَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰہِ وَقَالَ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ اِنْ نَقَصَ رَمَضَانُ تَمَّ ذُوالْحِجَّۃِ وَاِنْ نَقَصَ ذُوالْحِجَّۃِ تَمَّ رَمَضَانُ۔

ابوعبداللہ بخاری نے کہا کہ احمد بن حنبل نے فرمایا۔ اگر رمضان ۲۹ کا ہو تو ذوالحجہ تیس ۳۰ کا ہوگا۔ اور اگر ذوالحجہ ۲۹ کا ہو تو رمضان تیس ۳۰ کا ہوگا۔

- وَکَانَ اَبُوالْحَسَنِ کَانَ اِسْحٰقُ بْنُ رَاہْوَیْہِ یَقُوْلُ لَا یَنْقُصَانِ فِی الْفَضِیْلَۃِ اِنْ کَانَ تِسْعَۃً وَّعِشْرِیْنَ اَوْ ثَلٰثِیْنَ (بخاری)

اور ابوالحسن نے فرمایا کہ حضرت اسحٰق بن راہویہ فرماتے تھے کہ کم و بیشی کا مطلب یہ ہے کہ فضیلت میں کمی نہیں ہوگی۔ خواہ مہینہ ۲۹ کا ہو یا ۳۰ کا۔

فوائد ومسائل بعض علماء نے اس حدیث کا یہ مطلب لیا ہے۔ کہ اگر ایک سال میں رمضان اور ذوالحجہ دونوں انتیس ۲۹ دن کے نہیں ہوتے یا دونوں تیس ۳۰ کے ہوں گے یا ایک انتیس ۲۹ کا دوسرا تیس ۳۰ کا۔ لیکن یہ مفہوم لینا درست نہیں ہے۔ مشاہدہ

یہ بتاتا ہے کہ رمضان وذوالحجہ کبھی دونوں تیس ۳۰ دن کے ہو جاتے ہیں اور کبھی دونوں انتیس ۲۹ کے۔

۲- صحیح یہ ہے کہ احادیث ہذا میں کمی سے مراد دن نہیں ہیں بلکہ ثواب کی کمی مراد ہے۔ مطلب حدیث یہ ہے کہ رمضان وذوالحجہ خواہ تیس ۳۰ دن کے ہوں یا انتیس ۲۹ دن کے، ثواب بہرحال اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے پورے دن کا ہی عطا فرمائے گا۔

فائدہ حضور سرورِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارک میں نو ۹ رمضان پائے جن میں دو تیس ۳۰ تھے اور سات انتیس ۲۹ (مرقاۃ)

قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسُبُ

باب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم لوگ حساب کتاب نہیں کرتے

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ اِنَّا اُمَّةٌ اُمِّيَّةٌ لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسُبُ اَلشَّهْرُ هٰكَذَا وَهٰكَذَا يَعْنِيْ مَرَّةً تِسْعَةً وَّعِشْرِيْنَ وَمَرَّةً ثَلٰثِيْنَ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم ایک بے پڑھی جماعت ہیں، نہ لکھیں اور نہ حساب لگائیں کہ مہینہ یوں ہے اور یوں ہے آپ کی مراد ایک مرتبہ انتیس دونوں ہے تھی اور ایک مرتبہ تیس۔

فوائد و مسائل مطلب حدیث یہ ہے کہ ہم حجاز کے رہنے والے عموماً حساب کتاب نہیں کرتے۔ مہینہ ۲۹ دن یا تیس دن کا ہوتا ہے نہ ۲۹ سے کم نہ ۳۰ سے زیادہ۔

انا امة امية: شارحین نے اس کے متعدد معنی ومفہوم بیان کئے ہیں۔ سب سے زیادہ مناسب معنی علامہ داودی علیہ الرحمۃ نے کیے ہیں ——— "ہم امم سابقہ کی کتابوں سے ہدایت حاصل نہیں کرتے۔ ہم تو وحی الٰہی سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں[1]"۔

لا نكتب ولا نحسب: نہ لکھیں نہ حساب لگائیں، کا یہ مطلب نہیں ہے کہ لکھنا یا حساب کرنا نہیں جانتے۔ پھر یہ بھی امر واقعہ ہے کہ لکھتے بھی تھے اور حساب بھی لگاتے تھے۔ قرآن مجید میں قرض وغیرہ کو لکھنے کی ہدایت موجود ہے۔ اس بنا پر لا نکتب کا مفہوم یہ ہے کہ عموماً لکھتے نہیں اور لا نحسب کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا حساب کتاب ظن، تخمین، اندازہ اور علم نجوم[2] پر مبنی نہیں ہے بلکہ حقائق پر موقوف ہے۔ اس تقریر سے خط کشیدہ جملوں کی مناسبت رمضان کے چاند سے بالکل واضح ہو جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلامی عبادات اور ان کے اوقات کے معاملہ میں ہم علم نجوم کے محتاج نہیں ہیں۔ بلکہ اسلامی عبادات کے اوقات اعلام ظاہرہ وامور واضحہ پر مبنی ہیں۔

بَابُ لَا يَتَقَدَّمَنَّ رَمَضَانَ بِصَوْمِ يَوْمٍ وَّلَا يَوْمَيْنِ

باب رمضان سے پہلے ایک یا دو دن کے روزے نہ رکھے جائیں

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَتَقَدَّمَنَّ اَحَدُكُمْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص رمضان سے پہلے شعبان

---

[1] - قال الداودی امة امية لم ياخذ عن كتب الامم قبلها۔ انما اخذت عما جاء الوحی (عینی)

[2] - والمراد بالحساب معنا حساب النجوم۔

رَمَضَانَ بِصَوْمِ يَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ رَجُلٌ كَانَ يَصُوْمُ صَوْمَهُ فَلْيَصُمْ ذَالِكَ الْيَوْمَ۔

کی آخری تاریخوں میں)، ایک یا دو دن کے روزے نہ رکھے۔ البتہ اگر کسی کو ان میں روزے رکھنے کی عادت ہو تو وہ اس دن بھی روزہ رکھ لے۔

فوائد و مسائل مقصد ممانعت رمضان و غیر رمضان میں التباس سے بچانا ہے کہ اگر ۲۸ یا ۲۹ شعبان کو نفلی روزہ رکھا گیا تو لوگوں کو رمضان کے چاند کا شبہ ہو سکتا ہے اور وہ یہ سمجھیں شاید روزہ رکھنے والے نے رمضان کا چاند دیکھ لیا ہے۔ بہرحال یہ ممانعت تنزیہی ہے اور عوام کے لیے ہے۔ خاص لوگ علماء و صلحا اگر روزہ رکھیں اور ظاہر نہ کریں تو درست ہے یا اگر کسی مسلمان کی عادت ہے کہ وہ ہر پیر یا جمعرات یا جمعہ کو نفلی روزہ رکھتا ہے اور اتفاق سے انتیسویں شعبان اسی روز آئی تو اسے بلا کراہت نفلی روزہ رکھنا جائز ہے۔ کیونکہ یہ شک کے دن کا دن نہیں بلکہ اپنی عادت کے مطابق روزہ رکھتا ہے۔ جیسا کہ احادیث سے واضح ہے کہ خود حضور علیہ السلام شعبان کے نفلی روزے رمضان سے ملا دیتے تھے (۲)، رہے قضا و نذر کے روزے تو وہ ان دنوں میں بلا کراہت جائز ہیں۔

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ

باب اللہ عزوجل کا ارشاد

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلٰى نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ۔ (قرآن)

روزوں کی راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس جانا تمہارے لیے حلال ہوا۔ وہ تمہاری لباس ہیں اور تم ان کے لباس۔ اللہ تعالیٰ نے جانا کہ تم اپنی جانوں کو خیانت میں ڈالتے تھے تو اس نے تمہاری توبہ قبول کی۔ تو اب ان سے صحبت کرو۔ اور طلب کرو جو اللہ نے تمہارے نصیب میں لکھا ہو

فوائد و مسائل ۱۔ پہلی شریعتوں میں افطار کے بعد کھانا پینا، مجامعت کرنا نماز عشاء تک حلال تھا۔ بعد نماز عشاء یہ سب چیزیں شب میں حرام ہو جاتی تھیں۔ چنانچہ یہ حکم زمانہ اقدس تک باقی تھا۔ بعض صحابہ سے جن میں جناب عمر فاروق بھی شامل ہیں۔ رمضان کی بعد عشاء مباشرت وقوع میں آئی۔ اس پر یہ حضرات نادم ہوئے اور بارگاہ نبوت میں عرض حال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت میں معافی کے اعلان کے ساتھ ساتھ آئندہ کے لیے رمضان کی راتوں میں مغرب سے صبح صادق تک مجامعت کو حلال قرار دیا۔

۲۔ آیت میں خیانت سے مجامعت مراد ہے جو قبل اباحت رمضان کی راتوں میں مسلمانوں سے سرزد ہوئی اور جس کی معافی کا اعلان فرما کر اللہ تعالیٰ نے ان کی تسکین فرما دی

۳۔ فالان یہ امر اباحت کے لیے ہے کہ اب رمضان کی راتوں میں کھانے پینے جماع کرنے کی ممانعت اٹھا دی گئی ہے۔ لہٰذا رمضان کی راتوں میں اپنی بیوی سے قربت کی جا سکتی ہے۔ وابتغوا سے یہ بتانا مقصود ہے کہ مباشرت نسل و اولاد حاصل کرنے کی نیت سے ہونی چاہیے جس سے مسلمان بڑھیں اور دین قوی ہو یا اس کے معنی یہ ہیں کہ مباشرت موافق حکم شرع ہو۔ یعنی جس محل میں جس طریقہ سے مباح کی گئی ہے اس سے تجاوز نہ کیا جائے (تفسیر احمدی)، وابتغوا ما کتب اللہ کے متعلق ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد رمضان کی راتوں میں کثرت عبادت اور بیدار رہ کر شب قدر کی تلاش و جستجو کرنا ہے۔

عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ كَانَ اَصْحٰبُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ الرَّجُلُ صَائِمًا فَحَضَرَ الْاِفْطَارُ فَنَامَ قَبْلَ اَنْ يُّفْطِرَ لَمْ يَاْكُلْ لَيْلَتَهٗ وَلَا يَوْمَهٗ حَتّٰى يُمْسِيَ وَاِنَّ قَيْسَ بْنَ صِرْمَةَ الْاَنْصَارِيَّ كَانَ صَائِمًا فَلَمَّا حَضَرَ الْاِفْطَارُ اَتٰى امْرَاَتَهٗ فَقَالَ لَهَا اَعِنْدَكِ طَعَامٌ قَالَتْ لَا وَلٰكِنْ اَنْطَلِقُ فَاَطْلُبُ لَكَ وَكَانَ يَوْمَهٗ يَعْمَلُ فَغَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ فَجَاءَتْهُ امْرَاَتُهٗ فَلَمَّا رَاَتْهُ قَالَتْ خَيْبَةً لَكَ فَلَمَّا انْتَصَفَ النَّهَارُ غُشِيَ عَلَيْهِ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ فَفَرِحُوْا بِهَا فَرَحًا شَدِيْدًا وَنَزَلَتْ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ (بخاری)

حضرت براء نے فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کا یہ قاعدہ تھا ان میں کوئی روزہ دار ہوتا اور افطار کے وقت وہ افطار کرنے سے پہلے سو جاتا تو پھر رات کو کچھ نہ کھا سکتا نہ دوسرے دن جب شام ہوتی تو کھا سکتا ایسا ہوا کہ قیس بن صرمہ انصاری روزہ دار تھے۔ افطار کے وقت وہ اپنی بی بی کے پاس آئے اور پوچھا کچھ کھانے کو ہے۔ انھوں نے کہا نہیں۔ لیکن میں جاتی ہوں، کہیں سے ڈھونڈھ کر کچھ لاتی ہوں۔ قیس سارے دن مزدوری محنت کیا کرتے تھے اُن کی آنکھ لگ گئی۔ ان کی بیوی لوٹ کر آئی دیکھا تو وہ سو گئے ہیں۔ اُس نے کہا ہائے بدنصیب دُوسرے دن دوپہر کو وہ بیہوش ہوگئے (بھوک کے مارے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ذکر آیا۔ اُس وقت یہ آیت روزہ کی رات میں تم کو اپنی عورتوں سے صحبت درست کی گئی (نازل ہوئی) اس پر صحابہ بہت خوش ہوئے اور اُتری جب تک سفید دھاری کالی دھاری سے تم پر کھل نہ جائے۔ کھاتے پیتے رہو (بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہُوا کہ رمضان کی راتوں میں کھانا پینا، جماع کرنا پہلے منع تھا، لیکن اب ممانعت نہیں رہی۔

بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالٰى

باب اللہ تعالیٰ کا ارشاد

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ (قرآن مجید)

اور کھاؤ اور پیو۔ یہاں تک کہ تمھارے لئے ظاہر ہو جائے سپیدی کا ڈورا سیاہی کے ڈورے سے پو پھٹ کر۔ پھر رات تک روزے پورے کرو۔ پھر غروب آفتاب تک اپنے روزے پورے کرو۔

فوائد و مسائل

۱۔ حضرت براء سے روایت ہے یہ آیت حضرت صرمہ بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ آپ محنتی آدمی تھے ایک دن بحالتِ روزہ دن بھر اپنی زمین میں کام کر کے شام کو گھر آئے۔ بیوی سے کھانا مانگا وہ پکانے میں مصروف ہوئیں یہ تھکے ماندے تھے آنکھ لگ گئی۔ جب کھانا تیار کر کے انہیں بیدار کیا انھوں نے کھانے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ اس زمانہ میں سو جانے کے بعد روزہ دار پر شب میں کھانا پینا ممنوع ہو جاتا تھا۔ حضرت صرمہ نے اسی حالت میں دوسرا روزہ رکھ لیا۔ ضعف انتہاء کو پہنچ گیا۔ دوپہر کو غشی آگئی۔ ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اور رمضان کی راتوں میں ان کے سبب کھانا پینا مباح فرمایا گیا۔

۲۔ رات کو سیاہ ڈورے سے اور صبح صادق کو سفید ڈورے سے تشبیہ دی گئی۔ مطلب یہ ہے رمضان کی راتوں میں مغرب سے صبح صادق تک

کھانا پینا مباح ہے (۳) صبح صادق تک اجازت دینے میں اشارہ ہے کہ جنابت روزے کے منافی نہیں۔ جس شخص کو بحالتِ جنابت صبح ہوئی وہ غسل کرے اس کا روزہ جائز ہے۔ اسی سے علماء نے یہ مسئلہ نکالا کہ رمضان کے روزے کی نیت دن میں جائز ہے۔

فائدہ آیت مذکور میں صبح صادق تک کھانے پینے جماع کی اجازت دینے میں اشارہ ہے کہ جنابت روزے کے منافی نہیں تو جس شخص کو بحالتِ جنابت صبح ہوئی وہ غسل کرے اس کا روزہ جائز ہے (تفسیر احمدی) اسی سے علماء نے یہ مسئلہ نکالا کہ رمضان کے روزے کی نیت دن میں جائز ہے۔

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ اُنْزِلَتْ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ وَلَمْ يُنْزَلْ مِنَ الْفَجْرِ فَكَانَ رِجَالٌ اِذَا اَرَادُوا الصَّوْمَ رَبَطَ اَحَدُهُمْ فِيْ رِجْلِهِ الْخَيْطَ الْاَبْيَضَ وَالْخَيْطَ الْاَسْوَدَ وَلَمْ يَزَلْ يَاْكُلُ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهٗ رُؤْيَتُهُمَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ بَعْدُ مِنَ الْفَجْرِ فَعَلِمُوْا اَنَّهٗ يَعْنِي اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ (بخاری)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آیت نازل ہوئی "کھاؤ پیو، تا آنکہ تمہارے لیے سفید دھاری سیاہ دھاری سے ممتاز ہو جائے" لیکن "من الفجر" (صبح کی) کے الفاظ نازل نہیں ہوئے تھے۔ اس پر کچھ لوگوں نے یہ کیا کہ جب روزے کا ارادہ ہوتا تو سیاہ اور سفید دھاگا لے کر پاؤں میں باندھ لیتے تھے اور جب تک دونوں دھاگے پوری طرح دکھائی نہ دینے لگتے، کھانا پینا بند نہ کرتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے من الفجر کے الفاظ نازل فرمائے۔ پھر لوگوں کو معلوم ہوا کہ اس سے مراد رات اور دن ہے۔

ان [illegible] حدیثوں سے واضح ہوا کہ کالے ڈورے سے صبح کاذب اور سفید سے صبح صادق مراد ہے اور یہ کہ ابتداء میں رمضان کی راتوں میں کھانا پینا جماع کرنا ممنوع تھا۔ لیکن اب اس کی اجازت دے دی گئی۔

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ عَمَدْتُ اِلٰى عِقَالٍ اَسْوَدَ وَاِلٰى عِقَالٍ اَبْيَضَ فَجَعَلْتُهُمَا تَحْتَ وِسَادَتِيْ فَجَعَلْتُ اَنْظُرُ فِي اللَّيْلِ فَلَا يَسْتَبِيْنُ لِيْ فَغَدَوْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ لَهٗ ذٰلِكَ فَقَالَ اِنَّمَا ذٰلِكَ سَوَادُ اللَّيْلِ وَبَيَاضُ النَّهَارِ۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "تا آنکہ ممتاز ہو جائے تمہارے لیے سفید دھاری سیاہ دھاری سے" تو میں نے ایک سیاہ رسی لی اور ایک سفید اور دونوں کو تکیہ کے نیچے رکھ لیا، پھر انہیں میں رات میں دیکھتا رہا (کہ جب دونوں ایک دوسرے سے ممتاز ہوں تو کھانے پینے کا وقت ختم سمجھوں) لیکن رات میں ان کا رنگ ایک دوسرے سے ممتاز نہ ہوا۔ جب صبح ہوئی تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آپ سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے تو رات کی تاریکی (صبح کاذب) اور دن کی سفیدی (صبح صادق) مراد ہے (سفید اور کالے ڈورے کا ممتاز ہونا مراد نہیں ہے۔

بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَمْنَعَنَّكُمْ مِنْ سُحُوْرِكُمْ اَذَانُ بِلَالٍ

باب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد۔ بلال کی اذان تمہیں سحری کھانے سے نہیں روکتی۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ بِلَالًا كَانَ يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ فَقَالَ رَسُوْلُ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یُؤَذِّنَ ابْنُ اُمِّ مَکْتُوْمٍ فَاِنَّہٗ لَا یُؤَذِّنُ حَتّٰی یَطْلُعَ الْفَجْرُ قَالَ الْقَاسِمُ وَلَمْ یَکُنْ بَیْنَ اَذَانِہِمَا اِلَّا اَنْ یَّرْقٰی ذَا وَ یَنْزِلَ ذَا۔

رات میں اذان دیا کرتے تھے (رمضان کے مہینہ میں) اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اذان نہ دیں، تم کھاتے پیتے رہو، کیونکہ وہ صبح صادق کے طلوع سے پہلے اذان نہیں دیتے۔ قاسم نے بیان کیا کہ دونوں کی اذان کے درمیان صرف اتنا فاصلہ ہوتا تھا کہ ایک چڑھتے (اذان دینے کے لیے) تو دوسرے اترتے ہوئے ہوتے (اذان دے کر)

فوائد و مسائل ۱۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ سحری کا وقت صبح صادق تک ہے۔ جب صبح صادق ہو جائے تو کھانے پینے سے رک جانا چاہیے۔
۲۔ حضرت بلال صبح صادق سے بہت پہلے اذان دے دیا کرتے تھے جو سحری کے لیے جگانے کو ہوتی تھی۔ اور حضرت ابن مکتوم طلوع صبح صادق پر (ختم وقت سحری) اذان دیتے تھے۔ اس لیے حضور نے فرمایا۔ بلال کی اذان کو سحری کے وقت کا ختم ہو جانا نہ سمجھا جائے۔
۳۔ دونوں کی اذان میں اترنے اور چڑھنے کا وقفہ ہوتا تھا۔ حضرت قاسم بن محمد کے اس ارشاد کا مطلب علماء نے یہ بیان فرمایا کہ حضرت بلال اذان دینے کے بعد ورد وظیفہ میں مشغول ہو جاتے تھے۔ اور طلوع فجر کا انتظار کرتے۔ جب صبح صادق یعنی سحری کا وقت ختم ہونے کے قریب ہوتا تو حضرت بلال اترتے اور حضرت ابن مکتوم اذان دینے کے لیے چڑھتے تھے۔

بَابُ تَاْخِیْرِ السُّحُوْرِ

باب سحری میں تاخیر کے بیان میں

عَنْ سَہْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ کُنْتُ اَتَسَحَّرُ فِیْ اَہْلِیْ ثُمَّ تَکُوْنُ سُرْعَتِیْ اَنْ اُدْرِکَ السُّجُوْدَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا۔ میں اپنے گھر میں سحری کھاتا پھر مجھ کو جلدی ہوتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صبح کی نماز پا لوں۔

اس حدیث سے بھی سحری میں تاخیر کا مستحب ہونا واضح ہوا کہ حضرت سہل اخیر وقت میں سحری کھاتے پھر حضور کے ساتھ نماز فجر میں شامل ہو جاتے تھے۔

بَابُ قَدْرِ کَمْ بَیْنَ السُّحُوْرِ وَصَلٰوۃِ الْفَجْرِ

عَنْ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ تَسَحَّرْنَا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَامَ اِلَی الصَّلٰوۃِ قُلْتُ کَمْ کَانَ بَیْنَ الْاَذَانِ وَالسُّحُوْرِ قَالَ قَدْرُ خَمْسِیْنَ اٰیَۃً۔

حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں۔ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سحری کھائی۔ پھر آپ صبح کی نماز کے لیے کھڑے ہوئے (انس نے کہا) میں نے پوچھا سحری میں اور صبح کی اذان میں کتنا فاصلہ ہوتا۔ انہوں نے کہا پچاس آیتیں پڑھنے کے موافق۔

فوائد و مسائل ۱۔ واضح ہو کہ سحری کا وقت صبح صادق تک ہے اور حضرت زید کا یہ بیان کہ سحری اور اذان کے درمیان پچاس آیتوں کے پڑھنے کا وقفہ ہوتا تھا تو یہ ضابطہ کلی نہیں ہے۔ ان کا یہ اندازہ تھا۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ وہ جب سحری کھا چکے تو سحری کا وقت اتنا باقی رہا ہوگا جس میں پچاس آیتیں پڑھی جا سکتیں۔

۲۔ سُحُور۔ سین کے پیش سے اور زبر سے۔ مگر زبر سے زیادہ فصیح ہے۔ صبح صادق سے پہلے کے وقت کو سحر کہتے ہیں اور اس وقت کے کھانے کو سحری۔ یعنی آخری رات کا کھانا۔ سحر کا وقت آدھی رات سے شروع ہو جاتا ہے۔ مگر سنت یہ ہے کہ رات کے آخری چھٹے حصے میں سحری کھائے۔

بَابُ بَرَكَةِ السُّحُوْرِ مِنْ غَيْرِ اِيْجَابٍ لِاَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابَهٗ وَاصَلُوْا وَلَمْ يُذْكَرِ السُّحُوْرُ

باب سحری کھانا مستحب ہے واجب نہیں کیونکہ حضور اور آپ کے اصحاب نے پے در پے روزے رکھے اور اس میں سحری کا ذکر نہیں ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاصَلَ فَوَاصَلَ النَّاسُ فَشَقَّ عَلَيْهِمْ فَنَهَاهُمْ قَالُوْا اِنَّكَ تُوَاصِلُ قَالَ لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ اِنِّيْ اَظَلُّ اُطْعَمُ وَاُسْقٰى۔ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِي السُّحُوْرِ بَرَكَةً۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پے در پے روزے رکھے تو لوگوں نے بھی ایسے ہی کیا۔ تو یہ روزے ان پر شاق گزرے۔ حضور نے ان کو منع کیا۔ انھوں نے عرض کی آپ تو ایسے روزے رکھتے ہیں۔ حضور نے فرمایا، میں تمھاری طرح نہیں، میں تو برابر کھلایا پلایا جاتا ہوں۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سحری کھایا کرو۔ اس میں برکت ہے۔

فوائد و مسائل

۱۔ مطلب عنوان یہ ہے کہ سحری کھانا مستحب ہے واجب نہیں۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے پے در پے روزے رکھے اور اس میں سحری کھانے کا ذکر نہیں کیا گیا۔

۲۔ سحری کھانے میں برکت ہے۔ روزہ آسانی سے پورا ہو جاتا ہے۔

۳۔ صوم وصال یہ ہے کہ شب کو بغیر افطار کئے اور کچھ کھائے پیئے دوسرا روزہ رکھ لیا جائے۔ حضور علیہ السلام صرف ایک دن کا نہیں بلکہ متواتر کئی روز کا وصال فرماتے تھے۔ صحابہ کرام نے بھی حضور کے اتباع میں وصال کرنا شروع کیا تو ان پر اس طرح کے روزے شاق گزرے حضور علیہ السلام نے صحابہ کرام کو صوم وصال سے منع فرما دیا۔ صحابہ نے عرض کی حضور آپ تو وصال فرماتے ہیں تو ہمارے لیے ممانعت کیوں؟ حضور نے فرمایا۔ تم میں مجھ جیسا کوئی نہیں (۴) اَيُّكُمْ مِثْلِيْ۔ میں تمھاری طرح نہیں ہوں۔

۵۔ لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ۔ یعنی میرا معاملہ اور ہے۔ تم میری برابری نہیں کر سکتے۔ مجھے تو میرا رب کھلاتا پلاتا ہے۔ اس سے واضح ہوا۔ کہ صوم وصال حضور کے خصائص میں سے ہے اور عوام کو صوم وصال جائز نہیں ہے۔

۶۔ ایکم۔ صحابہ کرام اور تمام انسانوں سے خطاب ہے۔ غور کیجئے جب صحابہ کرام حضور کی مثل نہ ہو سکے اور حضور نے واضح الفاظ میں اعلان فرما دیا کہ میں تمھاری طرح نہیں ہوں تو کسی کا کیا منہ ہے جو حضور سے ہمسری کا دعوٰی کر سکے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور بشر ضرور ہیں۔ مگر آپ کی بشریت تمام انسانوں کی بشریت سے افضل و اعلیٰ ہے اور کوئی بشر حضور علیہ السلام کی بشریت کا مثل و نظیر نہیں ہو سکتا۔ یعنی ؎

میں وہ بشر جس سے ہر آدمی کو نفرت
تو وہ بشر کہ جس پہ پروانے آدمی ہیں

ہماری بشریت کی کیفیت یہ ہے کہ پھول اُٹھائیں تو کانٹے بن جاتے ہیں اور حضور کی بشریت کا یا اعجاز ہے کہ کانٹے اٹھائیں تو پھول بن جاتے ہیں

میری نگاہ سے بجھ گئے جلتے ہوئے چراغ
تیری نگاہ سے میکدے آباد ہو گئے

بَابُ اِذَا نَوٰی بِالنَّهَارِ صَوْمًا

باب اگر روزے کی نیت دن میں کی!

وَقَالَتْ اُمُّ الدَّرْدَاءِ كَانَ اَبُو الدَّرْدَاءِ يَقُوْلُ عِنْدَكُمْ طَعَامٌ فَاِنْ قُلْنَا لَا قَالَ فَاِنِّيْ صَائِمٌ يَوْمِيْ هٰذَا وَفَعَلَهٗ اَبُوْ طَلْحَةَ وَاَبُوْ هُرَيْرَةَ وَابْنُ عَبَّاسٍ وَحُذَيْفَةُ۔

ام درداء رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ابودرداء رضی اللہ عنہ پوچھتے کیا کچھ کھانا تمہارے پاس ہے؟ اگر ہم جواب نفی میں دیتے تو فرماتے کہ پھر آج میرا روزہ رہے گا۔ اسی طرح ابوطلحہ، ابوہریرہ، ابن عباس اور حذیفہ رضی اللہ عنہم نے بھی کیا۔

فوائد و مسائل مطلب عنوان یہ ہے کہ صبح صادق کے بعد (زوال سے قبل) روزہ کی نیت کی تو جائز ہے۔ حضرت امام نخعی و ثوری و سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ و ابو یوسف و محمد و زفر کا بھی یہی مذہب ہے کہ رمضان۔ نذرِ معین اور نفلی روزہ کی نیت اگر دن میں صبح صادق کے بعد اور زوال سے قبل کرلی تو درست ہے۔

عَنْ سَلَمَةَ ابْنِ الْاَكْوَعِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ رَجُلًا يُنَادِيْ فِي النَّاسِ يَوْمَ عَاشُوْرَآءَ اَنْ مَّنْ اَكَلَ فَلْيُتِمَّ اَوْ فَلْيَصُمْ وَمَنْ لَّمْ يَاْكُلْ فَلَا يَاْكُلْ۔ (بخاری)

سلمہ ابن اکوع سے مروی ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشوراء کے دن ایک شخص کو یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا کہ جس نے کھانا کھالیا ہے۔ وہ اب (دن ڈوبنے تک روزہ کی حالت میں) پورا کرے یا (یہ فرمایا کہ) روزہ رکھے، اور جس نے نہ کھایا ہو، وہ (تو بہر حال روزہ رکھے) نہ کھائے۔ (بخاری)

۱۔ اس حدیث سے بھی واضح ہوا جس نے رات کو روزہ کی نیت نہ کی۔ صبح صادق کے بعد زوال سے پہلے نیت کرلی۔ اس کا روزہ درست ہے خواہ رمضان کا روزہ ہو یا نفلی ہو یا نذر کا روزہ ہو۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے دن کے حصے میں روزہ کی نیت کرنے کا حکم دیا۔

۲۔ دس محرم کا روزہ ابتداء میں فرض یا واجب تھا۔ جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا:۔

مَنْ شَاءَ صَامَ وَمَنْ شَاءَ تَرَكَ

جو چاہے رکھے اور جو نہ چاہے نہ رکھے۔

اب دس محرم کا روزہ رکھنا مستحب ہے۔ باعث اجر و ثواب ہے۔

بَابُ الصَّائِمِ يُصْبِحُ جُنُبًا

باب روزے دار صبح کو جنابت میں اٹھے (تو کیا حکم ہے)

اَنَّ عَائِشَةَ وَاُمَّ سَلَمَةَ اَخْبَرَتَاهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُدْرِكُهُ الْفَجْرُ وَهُوَ

حضرت عائشہ اور ام سلمہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام کو گھر میں صبح ہو جاتی اور آپ جماع کی وجہ سے جنبی ہوتے پھر غسل فرماتے

جُنُبٌ مِّنْ اَهْلِهٖ ثُمَّ يَغْتَسِلُ وَ يَصُوْمُ (بخاری)

اور روزہ رکھتے۔

فوائد و مسائل ۱۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ روزہ کے بعض حصہ میں جنبی رہنا روزہ کو فاسد نہیں کرتا۔ خواہ روزہ فرض ہو یا نفل اور اس کی تائید فالاٰن باشروھن اور اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ سے بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ جب صبح صادق (یعنی سحری کا وقت ختم ہونے تک) کھانے پینے جماع کرنے کی اجازت ہے تو جس نے آخری حصہ شب میں جماع کیا۔ وہ غسل بہرحال صبح صادق کے بعد ہی کرے گا۔

۲۔ درمختار میں ہے کہ جنابت کی حالت میں صبح کی، بلکہ اگر سارا دن جنبی رہا، روزہ نہ گیا۔ مگر اتنی دیر تک قصداً بلا عذر غسل نہ کرنا کہ نماز قضا ہو جائے حرام ہے۔ حدیث میں ہے کہ جنب جس گھر میں ہو وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔

وَقَالَ مَرْوَانُ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحَارِثِ اُقْسِمُ بِاللّٰهِ لَتُقَرِّعَنَّ بِهَا اَبَا هُرَيْرَةَ وَ مَرْوَانُ يَوْمَئِذٍ عَلَى الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ فَكَرِهَ ذٰلِكَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ثُمَّ قُدِّرَ لَنَا اَنْ نَجْتَمِعَ بِذِى الْحُلَيْفَةِ وَكَانَتْ لِاَبِىْ هُرَيْرَةَ هُنَالِكَ اَرْضٌ فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ لِاَبِىْ هُرَيْرَةَ اِنِّىْ ذَاكِرٌ لَكَ اَمْرًا وَلَوْلَا مَرْوَانُ اَقْسَمَ عَلَىَّ فِيْهِ لَمْ اَذْكُرْهُ لَكَ فَذَكَرَ قَوْلَ عَائِشَةَ وَ اُمِّ سَلَمَةَ وَكَذٰلِكَ حَدَّثَنِى الْفَضْلُ ابْنُ عَبَّاسٍ وَهُوَ اَعْلَمُ وَقَالَ هَمَّامٌ وَ ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ كَانَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْمُرُ بِالْفِطْرِ وَالْاَوَّلُ اَسْنَدُ (بخاری)

اور مروان نے عبدالرحمٰن بن حارث سے کہا میں تجھ کو خدا کی قسم دیتا ہوں تم یہ حدیث ابوہریرہ کو ٹھوک بجا کر سنا دو اور ان دنوں مروان مدینہ کا حاکم تھا۔ ابوبکر بن عبدالرحمٰن نے کہا عبدالرحمٰن نے اس بات کو پسند نہیں کیا۔ پھر ایسا اتفاق ہوا کہ ہم سب ذوالحلیفہ میں اکٹھے ہوئے اور وہاں حضرت ابوہریرہ کی زمین تھی تو عبدالرحمٰن نے ابوہریرہ سے کہا۔ میں تم سے ایک بات بیان کرتا ہوں اور اگر مروان نے مجھ کو قسم نہ دی ہوتی تو میں تم سے اس کو بیان نہ کرتا۔ پھر انہوں نے حضرت عائشہ اور ام سلمہ کی حدیث بیان کی۔ ابوہریرہ نے کہا میں کیا کروں، مجھ سے تو فضل بن عباس نے حدیث بیان کی تھی وہ جانیں۔ اور ہمام و ابن عبداللہ بن عمر نے حضرت ابوہریرہ سے یوں روایت کی کہ ایسی حالت میں (یعنی جبکہ روزہ دار جنابت کی حالت میں صبح کرے) حضور علیہ السلام افطار کا حکم دیتے تھے مگر حدیث عائشہ و ام سلمہ زیادہ معتبر ہے۔

فوائد و مسائل واضح ہو کہ جو شخص احتلام یا مجامعت کی وجہ سے صبح صادق سے قبل سحری کھانے وغیرہ کی وجہ سے غسل نہ کر سکا تو وہ صبح صادق کے بعد غسل کر کے فجر کی نماز پڑھ لے اور روزہ اس کا درست ہے لیکن حضرت ابوہریرہ یہ فتویٰ دیتے تھے کہ ایسا شخص جس نے بحالت جنابت صبح کی روزہ درست نہیں۔ اس پر مروان نے جو امیر معاویہ کی طرف سے مدینہ کا والی تھا عبدالرحمٰن کو حکم دیا کہ ابوہریرہ کو اس فتوے سے روکو۔ حضرت عبدالرحمٰن اس وقت تو خاموش ہو گئے۔ مگر پھر موقع پا کر ابوہریرہ سے اس مسئلے کا ذکر کیا۔ اور حضرت عائشہ و ام سلمہ کی حدیث سنائی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسی حالت میں روزہ رکھ لیا کرتے تھے۔ ابوہریرہ نے یہ حدیث سن کر فرمایا۔ ٹھیک ہے وہ آپ کی حالت خوب جانتی تھیں میں نے تو فضل بن عباس سے حدیث سن کر یہ فتویٰ دیا تھا۔

فَدَلَّ عَلٰى اَنَّ حَدِيْثَ عَائِشَةَ نَاسِخٌ لِحَدِيْثِ الْفَضْلِ وَلَمْ يَبْلُغِ الْفَضْلَ وَلَا اَبَا هُرَيْرَةَ النَّاسِخُ فَاسْتَمَرَّ

فتح الباری میں ہے کہ فضل کی حدیث اس وقت کے لیے تھی جب کہ رمضان کی راتوں میں کھانا پینا اور جماع کرنا منع تھا۔

اَبُوْهُرَيْرَةَ ثُمَّ رَجَعَ عَنْهُ بَعْدَ ذَالِكَ لَمَّا بَلَغَهُ۔

اس کے بعد شریعت نے اجازت دے دی جب ابوہریرہ کو اس کا نسخ پہنچا تو فوراً اپنے فتوے سے رجوع کر لیا۔

فوائد و مسائل ۱۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ کسی مسئلہ میں نزاع پیدا ہو جائے تو کتاب و سنت کو حکم بنا کر اس کے فیصلہ کو تسلیم کیا جائے جیسا کہ جناب ابوہریرہؓ نے رجوع فرمالیا۔

۲۔ اکابر کے ساتھ حسن ادب سے پیش آنا چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ عبدالرحمٰن اس وقت خاموش ہو گئے۔ پھر موقع و محل دیکھ کر ادب کے ساتھ جناب ابوہریرہؓ سے مسئلہ مذکورہ کے متعلق بات کی۔

بَابُ الْمُبَاشَرَةِ لِلصَّائِمِ

باب روزہ دار کا اپنی بیوی سے مباشرت کے متعلق

وَقَالَتْ عَائِشَةُ يُحَرِّمُ عَلَيْهِ فَرْجُهَا

اور حضرت عائشہ نے فرمایا روزہ دار پر (بیوی) کی شرم گاہ حرام ہے (یعنی جماع کرنا)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ وَيُبَاشِرُ وَهُوَ صَائِمٌ وَّكَانَ اَمْلَكَكُمْ لِاِرْبِهِ "" ابْنُ عَبَّاسٍ مَآرِبُ حَاجَةٌ قَالَ طَاؤُسٌ اُولِي الْاِرْبَةِ الْاَحْمَقُ لَاحَاجَةَ لَهُ فِي النِّسَآءِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بوسہ لیتے اور مباشرت کرتے اور آپ روزہ دار ہوتے۔ مگر بات یہ ہے کہ آنحضرت تم سب سے زیادہ اپنی خواہش پر اختیار رکھتے تھے۔ ابن عباس نے کہا (سورہ طٰہٰ میں جو) مآرب کا لفظ ہے اُس کے معنے حاجت کے ہیں۔ طاؤس نے (سورۂ نور میں جو) غیر اولی الاربہ آیا ہے اس کے معنی بیوقوف کے ہیں (بخاری)

فوائد و مسائل ۱۔ مباشرت سے یہاں صرف بوس و کنار گلے لگانا مراد ہے۔ جماع مراد نہیں۔

۲۔ بحالت روزہ اپنی عورت کا بوسہ لینا، گلے لگانا، بدن چھونا مکروہ ہے۔ جبکہ اندیشہ ہو کہ انزال ہو جائے گا یا جماع میں مبتلا ہو گا۔ حضور علیہ السلام صبر و ضبط والے تھے۔ اس لیے حضور کا معاملہ دوسرا ہے۔

واضح ہو کہ اگر بوسہ لیا یا عورت کی شرمگاہ کی طرف دیکھا۔ مگر ہاتھ نہ لگایا اور انزال ہو گیا۔ اگرچہ بار بار دیکھنے یا جماع وغیرہ کے خیال کرنے سے انزال ہو تو ایسی صورت میں روزہ نہیں ٹوٹا۔ اور اگر عورت کے ہونٹ چوسے یا عورت کا بدن چھوا اور بدن کی گرمی محسوس کی اور انزال ہو گیا تو ایسی صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا۔ قضا واجب ہے۔

بَابُ الْقُبْلَةِ لِلصَّائِمِ

باب بحالت روزہ (بیوی) کا بوسہ لینا

وَقَالَ جَابِرُ بْنُ زَيْدٍ اِنْ نَّظَرَ فَاَمْنٰى يُتِمُّ صَوْمَهُ

حضرت جابر بن زید سے مروی ہے کہ اگر روزہ دار نے (شہوت سے) دیکھا اور منی نکل آئی تو اپنا روزہ پورا کرے۔ یعنی روزہ فاسد نہیں ہوا۔ (بخاری)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ بَعْضَ اَزْوَاجِهٖ وَهُوَ صَائِمٌ ثُمَّ ضَحِكَتْ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بعض بیبیوں کا بوسہ لیتے اور آپ روزہ سے ہوتے۔ پھر مسکرا دیں۔

فوائد و مسائل ۱۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ جو روزہ دار اپنے نفس پر کلی طور پر قادر ہو وہ بحالتِ روزہ اپنی بیوی سے بوس و کنار کر سکتا ہے اور جو قابو نہ رکھے وہ ایسا نہ کرے۔ اسی لیے جناب عائشہ نے تصریح فرما دی کہ حضور علیہ السلام اپنی نفسی حاجت پر قادر تھے
۲۔ اور یہ کہ اگر بشہوت عورت کو دیکھا اور انزال ہو گیا تو روزہ فاسد نہ ہو گا۔

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ بَيْنَمَا اَنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْخَمِيْلَةِ اِذْ حِضْتُ فَانْسَلَلْتُ فَاَخَذْتُ ثِيَابَ حِيْضَتِيْ فَقَالَ مَا لَكِ اَنُفِسْتِ قُلْتُ نَعَمْ فَدَخَلْتُ مَعَهٗ فِي الْخَمِيْلَةِ وَكَانَتْ هِيَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْتَسِلَانِ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ وَّكَانَ يُقَبِّلُهَا وَهُوَ صَائِمٌ (بخاری)

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں حضور کے ساتھ ایک چادر میں لیٹی ہوئی تھی کہ مجھے حیض آ گیا۔ اس لیے آہستہ سے نکل آئی اور اپنا حیض کا کپڑا پہن لیا۔ حضور نے فرمایا کیا حیض آ گیا۔ عرض کی ہاں۔ پھر میں آپ کے ساتھ اسی چادر میں چلی گئی۔ ام سلمہ اور حضور علیہ السلام ایک ہی برتن سے غسل فرمایا کرتے تھے۔ اور حضور روزہ سے ہونے کے باوجود ان کا بوسہ لیتے تھے۔

باب سے مناسبت حدیث کے آخری الفاظ ہیں کہ حضور بحالتِ روزہ ازواج کا بوسہ لے لیا کرتے تھے۔ یہ حدیث فیوض الباری حصہ دوم باب الغسل میں مع تشریح و توضیح کے گزر چکی ہے۔

بَابُ اغْتِسَالِ الصَّائِمِ

باب روزہ دار کا غسل کرنا

۱۔ وَبَلَّ ابْنُ عُمَرَ ثَوْبًا فَاَلْقَاهُ عَلَيْهِ وَهُوَ صَائِمٌ ۲۔ وَدَخَلَ الشَّعْبِيُّ الْحَمَّامَ وَهُوَ صَائِمٌ ۳۔ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَا بَاْسَ اَنْ يَّتَطَعَّمَ الْقِدْرَ اَوِ الشَّيْءَ ۴۔ وَقَالَ الْحَسَنُ لَا بَاْسَ بِالْمَضْمَضَةِ وَالتَّبَرُّدِ لِلصَّائِمِ ۵۔ وَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ اِذَا كَانَ صَوْمُ اَحَدِكُمْ فَلْيُصْبِحْ دَهِيْنًا مُتَرَجِّلًا ۶۔ وَقَالَ اَنَسٌ اِنَّ لِيْ اَبْزَنَ اَتَقَحَّمُ فِيْهِ وَاَنَا صَائِمٌ وَيُذْكَرُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ اسْتَاكَ وَهُوَ صَائِمٌ ۸۔ وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ يَسْتَاكُ اَوَّلَ النَّهَارِ وَاٰخِرَهٗ وَلَا يَبْلَعُ رِيْقَهٗ ۹۔ وَقَالَ عَطَاءٌ اِنِ ازْدَرَدَ رِيْقَهٗ لَا اَقُوْلُ يُفْطِرُ ۱۰۔ وَقَالَ

۱۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک کپڑا تر کر کے اپنے جسم پر ڈال لیا، حالانکہ آپ روزے سے تھے ۲۔ شعبی روزے سے تھے لیکن حمام میں (غسل کے لیے) گئے ۳۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہانڈی یا کسی چیز کا مزہ معلوم کرنے میں کوئی حرج نہیں ۵۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب کسی کو روزہ رکھنا ہو تو وہ صبح کو اس طرح اٹھے کہ تیل لگا ہوا ہو اور کنگھا کیا ہوا ہو۔ ۶۔ انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے پاس ایک آبزن (حوض کی طرح پتھر کا بنا ہوا ہے) جس میں روزے سے ہونے کے باوجود، داخل ہو جاتا ہوں ۷۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت ہے کہ آپ نے روزہ میں مسواک کی تھی۔

اِبْنُ سِیْرِیْنَ لَا بَأْسَ بِالسِّوَاکِ الرَّطْبِ قِیْلَ لَهٗ طَعْمٌ قَالَ وَالْمَاءُ لَهٗ طَعْمٌ وَّاَنْتَ تُمَضْمِضُ بِهٖ۔ ۱۱ وَلَمْ یَرَ اَنَسٌ وَّالْحَسَنُ وَاِبْرَاهِیْمُ بِالْکُحْلِ لِلصَّآئِمِ بَأْسًا۔ (بخاری)

۸۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ دن کی ابتداء اور انتہا (ہر وقت میں) مسواک کرلے، البتہ اس کا تھوک نہ نگلے۔
۹۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر تھوک نگل لیا (یعنی مسواک کرنے کے بعد) تو میں یہ نہیں کہتا کہ روزہ ٹوٹ گیا۔
۱۰۔ ابن سیرین علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ تر مسواک کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ کسی نے کہا اس کا تو مزہ ہوتا ہے۔ آپ نے جواب دیا۔ کیا پانی کا مزہ نہیں ہوتا۔ حالانکہ تم اس سے کلی کرتے ہو۔ ۱۱۔ انس، حسن، ابراہیم روزہ دار کے لیے سرمہ لگانے میں کوئی حرج نہیں خیال کرتے تھے۔ (بخاری)

فوائد و مسائل ان آثار و تعلیقات سے حسبِ ذیل مسائل معلوم ہوئے۔
بحالتِ روزہ غسل کرنا، سرمہ لگانا، بدن کو پانی یا برف سے ٹھنڈک پہنچانا، کسی چیز کا بضرورت مزہ چکھنا۔ اس احتیاط سے حلق سے کوئی ذرہ نیچے نہ اترے۔ کلی کرنا، صبح و شام مسواک کرنا، مسواک تر ہو یا خشک، حمام میں نہانا، یا حوض میں داخل ہو کر نہانا، منہ کے اندر اندر رہی تھوک کا نگل جانا، آنکھوں میں سرمہ لگانا۔ ان باتوں سے روزہ میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی • حضرت ابن مسعود کے ارشاد کا مطلب یہ ہے۔ روزہ دار سر میں تیل ڈالے ہوئے اٹھے تو دن میں دماغ تر و تازہ رہے گا• حضرت عطاء کے ارشاد کا مطلب یہ ہے۔ کہ مسواک کرنے کے بعد خالص لعاب دہن کے نگل جانے سے روزہ میں فساد نہیں آئے گا• اثر انس و ابراہیم و حسن سے واضح ہوا کہ بحالتِ [روزہ سرمہ لگا]نا جائز ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ، شافعی و مالک کا یہی مذہب ہے۔ اسی طرح آنکھ میں کسی قسم کی دوائی ڈالنے سے روزہ میں فساد نہیں [آ]تا اگرچہ دوا کا رنگ یا مزا حلق میں محسوس ہو تو بھی روزہ کو مضر نہیں۔

فائدہ اگرچہ بوقتِ ضرورت محض ذائقہ چکھنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، بشرطیکہ اس چیز کا کوئی ذرہ حلق سے نیچے نہ اترے لیکن با ایں ہمہ بحالتِ روزہ اجتناب کرنا مستحب ہے۔

قَالَتْ عَائِشَةُ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُدْرِکُهُ الْفَجْرُ فِیْ رَمَضَانَ مِنْ غَیْرِ حُلُمٍ فَیَغْتَسِلُ وَیَصُوْمُ (بخاری)

جناب عائشہ فرماتی ہیں کہ رمضان میں فجر کے وقت حضور احتلام سے نہیں (بلکہ اپنی ازواج سے ہمبستری کی وجہ سے) غسل فرماتے اور روزہ رکھتے۔

• حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں گئے۔ تو

قَالَتْ اَشْهَدُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنْ کَانَ لَیُصْبِحُ جُنُبًا مِّنْ جِمَاعٍ غَیْرِ احْتِلَامٍ ثُمَّ یَصُوْمُهٗ، ثُمَّ دَخَلْنَا عَلٰی اُمِّ سَلَمَةَ فَقَالَتْ مِثْلَ ذٰلِکَ (بخاری)

جناب عائشہ نے فرمایا۔ میں گواہی دیتی ہوں کہ حضور علیہ السلام صبح جنبی ہونے کی حالت میں کرتے، احتلام سے نہیں، بلکہ جماع کی وجہ سے۔ پھر آپ روزہ سے رہتے (یعنی غسل فجر سے پہلے سحری کا وقت ختم ہو جانے کے بعد کرتے تھے) اس کے بعد ہم ام سلمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے بھی یہ ہی بیان کیا۔

انبیاء کرام احتلام سے پاک ہوتے ہیں علماء فرماتے ہیں انبیاء کرام کو خواب سے احتلام نہیں ہوتا۔ کیونکہ احتلام شیطانی اثر سے ہوتا ہے۔ شیطان عورت کی شکل میں خواب میں آتا ہے اور انبیاء کرام شیطانی اثر سے بالکل محفوظ و مصئون ہوتے ہیں۔ ام المومنین جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مِنْ غَیْرِ حُلُمٍ فرمانا اس حقیقت کے اظہار کے لیے ہے کہ حضور علیہ السلام کو نہانے کی حاجت مقاربت سے ہوتی تھی احتلام سے نہیں۔

۲۔ جنابِ عائشہ صدیقہ کا حضور کے ساتھ اپنے تعلق کی جزئیات کو بیان فرمانا مسئلہ شرعی کے بیان کے لیے ہے۔ اگر حضرت صدیقہ ان امور کو بیان نہ فرماتیں تو مسائل شریعت سے آگاہی نہ ہوتی (۳) اس حدیث سے واضح ہوا کہ جنابت مفسد صوم نہیں ہے۔

بَابُ الصَّآئِمِ اِذَا اَكَلَ اَوْشَرِبَ نَاسِيًا

باب اگر روزہ دار بھول کر کھا پی لے (تو روزہ نہیں جاتا)

وَقَالَ عَطَاءٌ اِنِ اسْتَنْثَرَ فَدَخَلَ الْمَآءُ فِیْ حَلْقِهٖ لَا بَاْسَ اِنْ لَّمْ يَمْلِكْ وَقَالَ الْحَسَنُ اِنْ دَخَلَ حَلْقَهُ الذُّبَابُ فَلَا شَیْءَ عَلَيْهِ وَقَالَ الْحَسَنُ وَمُجَاهِدٌ اِنْ جَامَعَ نَاسِيًا فَلَا شَیْءَ عَلَيْهِ۔

اور عطاء نے کہا اگر روزہ دار ناک میں پانی ڈالے اور پانی حلق میں اُتر آئے تو روزہ نہ جائے گا اگر اُس کو نکال نہ سکے۔ اور امام حسن بصری نے کہا اگر روزہ دار کے حلق میں مکھی گھس جائے تو روزہ نہیں جاتا۔ اور حسن اور مجاہد نے کہا اگر بھولے سے جماع کرے تب بھی روزہ نہیں جاتا۔

فوائد و مسائل ۱۔ ان لم یملک کا مطلب یہ ہے جو پانی حلق سے اُترا ہے اس کے روکنے پر قادر نہ تھا۔
۲۔ بھول کر کھانے پینے جماع کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا شرط یہ ہے جب بھی روزہ یاد آجائے فوراً رک جائے۔ جو منہ میں باقی ہے اس کو تھوک دے)۔

بھول یہ ہے کہ روزہ دار کو روزہ بالکل یاد نہ رہے اور وہ ارادۃً کھا پی لے۔ اس صورت میں نہ قضا ہے نہ کفارہ، روزہ درست ہے۔

خطا یہ ہے کہ روزہ یاد ہے مگر بلا ارادہ پانی حلق سے نیچے اُتر گیا۔ جیسے کلی یا غرغرہ کرنے میں احتیاط کے باوجود حلق سے پانی اُتر جائے۔ اس صورت میں روزہ ٹوٹ گیا اس کی قضاء کرے کفارہ نہیں۔

عمد یہ ہے کہ روزہ یاد ہونے کے باوجود قصد و ارادہ سے کھائے پئے۔ جماع کرے۔ ایسا کرنا سخت گناہ ہے۔ روزہ فاسد ہو گیا۔ قضا و کفارہ دونوں لازم (۳) مکھی خود بخود حلق میں چلی گئی۔ اسی طرح گرد و غبار (خواہ وہ آٹے کا ہی ہو) اُڑ کر حلق میں پہنچا۔ روزہ نہ گیا۔
۴۔ یا بھول کر اپنی بیوی سے قربت کی، روزہ نہ گیا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا نَسِیَ فَاَكَلَ وَشَرِبَ فَلْيُتِمَّ صَوْمَهٗ فَاِنَّمَا اَطْعَمَهُ اللّٰهُ وَسَقَاهُ۔

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا جب بھولے سے کوئی روزہ دار کھا پی لے تو وہ اپنا روزہ پورا کرے۔ اللہ نے اسے کھلایا پلایا۔

مطلب حدیث یہ ہے روزہ دار نے بھول کر جو کھایا پیا تو گویا اللہ تعالیٰ نے اس کو کھلایا۔ کیونکہ روزہ دار نے تو حکم خداوندی کی تعمیل میں

پوری احتیاط کی اور بالقصد کھانے پینے سے باز رہا۔

فلیتم صومہ سے واضح ہوا کہ نفلی روزہ شروع کر دینے سے واجب ہو جاتا ہے۔ پس اگر کسی نے نفلی روزہ رکھا اور پھر کسی وجہ سے افطار کر لیا تو اب اس کی قضا واجب ہے۔

بَابُ سِوَاكِ الرَّطْبِ وَالْيَابِسِ لِلصَّائِمِ

باب روزہ دار کے لیے تر یا خشک مسواک

وَيُذْكَرُ عَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَاكُ وَهُوَ صَائِمٌ مَا لَا أُحْصِي أَوْ أَعُدُّ وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ وُضُوءٍ وَيُرْوَى نَحْوُهُ عَنْ جَابِرٍ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَخُصَّ الصَّائِمَ مِنْ غَيْرِهِ وَقَالَتْ عَائِشَةُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ وَقَالَ عَطَاءٌ وَقَتَادَةُ يَبْتَلِعُ رِيقَهُ۔

عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی جاتی ہے کہ انھوں نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روزہ کی حالت میں اتنی مرتبہ مسواک کرتے دیکھا جسے میں شمار میں نہیں لا سکتا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بیان کی کہ اگر میری اُمت پر شاق نہ گزرتا تو میں ہر وضو کے لیے مسواک کا حکم دے دیتا۔ اسی طرح کی حدیث جابر اور زید بن خالد رضی اللہ عنہما کی بھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے ہے۔ اس میں آں حضور نے روزہ دار وغیرہ کی کوئی تخصیص نہیں کی تھی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کیا کہ (مسواک) منہ کو پاک رکھنے والی اور رب کی رضا کا سبب ہے۔ عطاء و قتادہ نے کہا اس کا تھوک بھی نگل سکتا ہے۔

بحالتِ روزہ مسواک کرنا جائز ہے

۱۔ ان آثار و احادیث کی بنا پر سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بحالت روزہ ہر وقت مسواک کر سکتا ہے۔ زوال سے قبل کرے یا بعد، مسواک تر ہو یا خشک بہر حال بلا کراہت جائز ہے۔ امام شافعی کے ہاں زوال کے بعد مسواک کرنا مکروہ ہے اور امام احمد کے نزدیک آخر دن میں مسواک کرنا مکروہ ہے لیکن مذہب حنفی بہر حال قوی ہے۔

۲۔ دار قطنی کی حدیث میں ہے کہ روزہ دار کا بہترین مشغلہ مسواک ہے۔

۳۔ طبرانی کی حدیث میں حضرت معاذ ابن جبل نے فرمایا، دن کے ہر حصہ میں روزہ دار مسواک کر سکتا ہے۔

۴۔ بخاری کی حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے بحالت روزہ مسواک کی۔

۵۔ حضرت عطاء کا ارشاد کہ روزہ دار تھوک نگل سکتا ہے، کا مطلب یہ ہے کہ مسواک کرنے کے بعد منہ کا لعاب نگل جانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ جیسے کلی کی اور پانی بالکل پھینک دیا۔ صرف کچھ تری منہ میں باقی رہ گئی۔ تھوک کے ساتھ اسے نگل گیا۔ روزہ نہ گیا۔

عَنْ عَطَاءِ ابْنِ يَزِيْدَ عَنْ حُمْرَانَ رَأَيْتُ عُثْمَانَ تَوَضَّأَ

عطاء بن یزید اور وہ حمران سے راوی انھوں نے عثمان کو

فَاَفْرَغَ عَلٰی یَدَیْهِ ثَلٰثًا ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلٰثًا ثُمَّ غَسَلَ یَدَهُ الْیُمْنٰی اِلَی الْمِرْفَقِ ثُمَّ غَسَلَ یَدَهُ الْیُسْرٰی اِلَی الْمِرْفَقِ ثَلٰثًا ثُمَّ مَسَحَ بِرَاْسِهٖ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَهُ الْیُمْنٰی ثَلٰثًا ثُمَّ الْیُسْرٰی ثَلٰثًا ثُمَّ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّاَ نَحْوَ وُضُوْئِیْ هٰذَا ثُمَّ قَالَ مَنْ تَوَضَّاَ وُضُوْئِیْ هٰذَا ثُمَّ یُصَلِّیْ رَکْعَتَیْنِ لَا یُحَدِّثُ نَفْسَهٗ فِیْهِمَا بِشَیْءٍ اِلَّا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (بخاری)

وضو کر کے دکھایا۔ آپ نے پہلے اپنے دونوں ہاتھوں پر تین مرتبہ پانی بہایا۔ پھر کلی کی، ناک میں پانی لیا۔ تین مرتبہ چہرہ دھویا، دہنا ہاتھ کہنی تک دھویا۔ پھر بایاں ہاتھ کہنی تک دھویا، تین تین مرتبہ۔ اس کے بعد اپنے سر کا مسح کیا۔ پھر تین مرتبہ پہلے دایاں پاؤں دھویا پھر بایاں پاؤں۔ آخر میں فرمایا۔ جس طرح میں نے وضو کیا ہے میں نے حضور کو بھی اسی طرح وضو کرتے دیکھا ہے۔ پھر فرمایا جس نے میری طرح وضو کیا، پھر دو رکعت نماز اس طرح پڑھی کہ دل میں کسی قسم کے خیالات و وساوس گزرنے نہیں دیے تو اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیتا ہے۔

یہ حدیث فیوض الباری حصہ اول کتاب الوضوء میں گزر چکی ہے۔ یہاں اس کے ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ یہ وضوء جو حضرت عثمان نے کر کے دکھایا وضوء کامل جامع سنن و مستحبات تھا اور وضو کی سنتوں میں مسواک بھی ہے۔

ابن بطال نے فرمایا اس حدیث سے واضح ہوا کہ بحالت روزہ مسواک کرنا جائز ہے، خواہ مسواک خشک ہو یا تر۔ کیونکہ وضوء خواہ روزہ دار کرے یا کوئی شخص دونوں کے لیے طریقہ وضو ایک ہی ہے۔

بَابُ قَوْلِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّاَ فَلْیَسْتَنْشِقْ بِمَنْخِرِهِ الْمَآءَ وَلَمْ یُمَیِّزْ بَیْنَ الصَّآئِمِ وَغَیْرِهٖ

باب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ جب کوئی وضو کرے تو ناک میں پانی ڈالے۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ دار اور غیر روزہ دار کی کوئی تخصیص نہیں کی (بخاری)

وَلَمْ الخ سے امام بخاری نے یہ بتایا کہ حضور علیہ السلام نے وضوء میں سب کے لیے ناک میں پانی لینے کا حکم دیا۔ اس میں روزہ دار کی تخصیص نہ کی جس سے واضح ہوا بحالت صوم ناک میں پانی لینا جائز ہے۔ روزہ میں اس عمل سے کراہت نہیں پیدا ہوتی۔ البتہ بحالت روزہ ناک میں احتیاط سے پانی لے تاکہ دماغ کو نہ چڑھ جائے۔ اسی لیے فقہا نے لکھا ہے کہ روزہ دار کے لیے کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے میں مبالغہ کرنا مکروہ ہے۔ مبالغہ کے یہ معنی ہیں کہ منہ بھر پانی لے۔

وَقَالَ الْحَسَنُ لَا بَاْسَ بِالسَّعُوْطِ لِلصَّآئِمِ اِنْ لَّمْ یَصِلْ اِلٰی حَلْقِهٖ وَیَکْتَحِلُ۔

حضرت حسن نے فرمایا کہ ناک میں (دوا وغیرہ) چڑھانے میں، اگر وہ حلق نہ پہنچے کوئی حرج نہیں ہے۔ اور روزہ دار سرمہ بھی لگا سکتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر ناک میں دوا اس احتیاط سے چڑھائی وہ حلق تک نہ پہنچی۔ صرف ناک کے اندر ہی رہی تو یہ عمل روزہ کو مضر نہیں۔ اور اگر دوا

حلق تک پہنچ گئی تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔ اسی طرح روزہ دار سرمہ لگا سکتا ہے۔ اگرچہ سرمہ کا مزا حلق میں محسوس ہو، بلکہ تھوک میں سرمہ کا رنگ بھی دکھائی دے جب بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔

فَاِنِ اسْتَنْثَرَ فَدَخَلَ الْمَآءُ حَلْقَهٗ لَا بَاْسَ لِاَنَّهٗ لَمْ يَمْلِكْ۔ (بخاری)

حضرت عطاء نے فرمایا اگر کسی نے ناک میں پانی ڈالا اور پانی (غیر اختیاری طور پر) حلق کے اندر چلا گیا تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ چیز اس کے اختیار سے باہر تھی

مگر صحیح یہ ہے کہ ناک میں پانی ڈالا اور خطاءً حلق سے نیچے اتر گیا۔ تو ایسی صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا۔ قضا واجب ہے۔ اگرچہ گناہگار نہ ہوگا کیونکہ حلق میں پانی غیر اختیاری طور پر گیا ہے۔

وَقَالَ عَطَآءٌ اِنْ تَمَضْمَضَ ثُمَّ اَفْرَغَ مَا فِيْ فِيْهِ مِنَ الْمَآءِ لَا يَضِيْرُهٗ اِنْ لَّمْ يَزْدَرِدْ رِيْقَهٗ وَمَاذَا بَقِيَ فِيْ فِيْهِ (بخاری)

حضرت عطاء نے فرمایا کہ اگر مضمضہ کیا اور پھر اپنے منہ کے پانی کی کلی کر دی تو کوئی حرج نہیں لیکن اس کا تھوک نہ نگلنا چاہیے اور اب اس کے منہ میں باقی رہ ہی کیا گیا۔

یعنی کلی کی اور پانی بالکل پھینک دیا صرف کچھ تری منہ میں باقی رہ گئی تھی، تھوک کے ساتھ اسے نگل گیا، روزہ نہ گیا۔

وَلَا يَمْضَغُ الْعِلْكَ فَاِنِ ازْدَرَدَ رِيْقَ الْعِلْكِ لَا اَقُوْلُ اِنَّهٗ يُفْطِرُ وَلٰكِنْ يُّنْهٰى عَنْهُ۔

حضرت عطاء نے فرمایا مصطگی نہ چبانی چاہیے۔ اگر کوئی مصطگی کا تھوک نگل گیا تو میں یہ نہیں کہتا کہ اس کا روزہ ٹوٹ گیا، البتہ اس سے روکنا چاہیے۔

یعنی اگر مصطگی چبائی یا ہڑ چوسی اور تھوک نگل گیا۔ مگر تھوک کے ساتھ ہڑ یا مصطگی کا کوئی جز حلق میں نہ پہنچا، روزہ نہ گیا۔ مگر ایسا نہ کرنا چاہیے۔

فائدہ علک عرب کا مشہور گوند ہے جسے دانتوں کی صفائی و مضبوطی کے لیے چبایا جاتا ہے۔ مصطگی کی طرح دانہ دار ہوتا ہے۔ اس قسم کی چیزوں کو چبا کر تھوک دینا مکروہ ہے کہ ممکن ہے گوند کے کچھ اجزاء حلق میں اتر جائیں۔ لیکن جو شخص یہ گوند چبا کر خوب اچھی طرح تھوک دے پھر تھوک نگلے۔ اگرچہ گوند کے نامعلوم ذرے حلق سے اتر جائیں، روزہ فاسد نہ ہوگا۔

بَابُ اِذَا جَامَعَ فِيْ رَمَضَانَ

باب اگر جان بوجھ کر رمضان میں جماع کیا

وَيُذْكَرُ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَفَعَهٗ مَنْ اَفْطَرَ يَوْمًا مِّنْ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ وَّلَا مَرَضٍ لَمْ يَقْضِهِ صِيَامُ الدَّهْرِ وَاِنْ صَامَهٗ وَبِهٖ قَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ وَقَالَ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ وَالشَّعْبِيُّ وَابْنُ جُبَيْرٍ وَّاِبْرَاهِيْمُ وَقَتَادَةُ وَحَمَّادٌ يَّقْضِيْ يَوْمًا مَّكَانَهٗ۔

اور ابو ہریرہ سے مرفوعاً مروی ہے جس نے رمضان میں بے عذر و بے مرض ایک دن روزہ نہ رکھا تو ساری عمر کے روزے اس کا بدل نہیں بن سکتے۔ ابن مسعود نے بھی یہی فرمایا تھا۔ سعید بن مسیب شعبی، ابن جبیر، ابراہیم، قتادہ اور حماد رحمہم اللہ نے فرمایا کہ اس کے بدلے میں ایک دن روزہ رکھنا چاہیے۔ (بخاری)

فوائد و مسائل ۱۔ مطلب عنوان یہ ہے کہ اگر روزہ دار نے قصداً عمداً جماع کیا تو اس پر قضا و کفارہ دونوں لازم ہیں۔ یعنی روزہ رکھ کر توڑ دینا سخت گناہ ہے اور قضا و کفارہ بھی واجب ہے۔

۲۔ حدیث ابوہریرہ کا مطلب یہ ہے رمضان کے ایک روزے کو ایک روزے کو بلا عذر شرعی چھوڑ دیا (یعنی سرے سے رکھا ہی نہیں) تو رمضان کے ایک روزہ کا جو ثواب ہے وہ ساری عمر کے روزوں سے بھی حاصل نہ ہوگا۔

۳۔ حضرت سعید بن مسیب شعبی ابراہیم و قتادہ و حماد کے ارشاد کا شارحین نے یہ مطلب لیا ہے کہ اگر کسی نے روزہ کی حالت میں قصداً عمداً کھایا پیا تو اس پر صرف قضا ہے کفارہ نہیں۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ قضا و کفارہ دونوں لازم ہیں اور جمہور کا مذہب بھی یہی ہے۔

عَنْ عَبَّادِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ الزُّبَيْرِ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ سَمِعَ عَائِشَةَ تَقُوْلُ اِنَّ رَجُلًا اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّهٗ احْتَرَقَ قَالَ مَا لَكَ قَالَ اَصَبْتُ اَهْلِيْ فِيْ رَمَضَانَ فَاُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِكْتَلٍ يُدْعٰى الْعَرَقَ فَقَالَ اَيْنَ الْمُحْتَرِقُ قَالَ اَنَا قَالَ تَصَدَّقْ بِهٰذَا (بخاری)

حضرت عباد بن عبداللہ بن زبیر سے روایت ہے انہوں نے حضرت عائشہ سے سنا وہ کہتی تھیں ایک شخص (سلمہ یا سلمان بن صخر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آیا اور عرض کی میں (دوزخ میں) جل چکا۔ آپ نے فرمایا کیوں کیا ہوا؟ عرض کی میں نے رمضان میں اپنی عورت سے صحبت کی۔ پھر آپ کے پاس کھجور کا ایک تھیلا آیا، جس کو عرق کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ دوزخ میں جلنے والا کہاں ہے! اس نے کہا میں حاضر ہوں یا رسول اللہ! اس سے فرمایا تو یہ خیرات کر دے۔

بَابٌ اِذَا جَامَعَ فِيْ رَمَضَانَ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَيْءٌ فَتُصُدِّقَ عَلَيْهِ فَلْيُكَفِّرْ

باب اگر کوئی رمضان میں قصداً جماع کرے اس کے پاس خیرات کو بھی کچھ نہ ہو پھر اس کو کہیں سے خیرات مل جائے تو وہی کفارہ میں دے دے

اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوْسٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ جَاءَهٗ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكْتُ قَالَ مَا لَكَ قَالَ وَقَعْتُ عَلٰى امْرَاَتِيْ وَاَنَا صَائِمٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تَجِدُ رَقَبَةً تُعْتِقُهَا قَالَ لَا قَالَ فَهَلْ تَسْتَطِيْعُ اَنْ تَصُوْمَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لَا فَقَالَ فَهَلْ تَجِدُ اِطْعَامَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا قَالَ لَا قَالَ فَمَكَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَيْنَا نَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ اُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَقٍ فِيْهَا تَمْرٌ وَالْعَرَقُ الْمِكْتَلُ قَالَ اَيْنَ السَّائِلُ فَقَالَ اَنَا قَالَ خُذْهَا فَتَصَدَّقْ بِهٖ فَقَالَ الرَّجُلُ اَعَلٰى

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے اتنے میں ایک شخص آیا (سلمہ بن صخر یا سلمان بن صخر) اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میں تباہ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کیوں کیا ہوا۔ وہ کہنے لگا میں اپنی جورو سے لگ گیا اور میں روزہ دار تھا۔ آپ نے فرمایا تجھ کو آزاد کرنے کے لیے ایک بردہ مل سکتا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا خیر تو دو مہینے لگاتار روزے رکھ سکتا ہے؟ اس نے کہا نہیں آپ نے فرمایا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ یہ سن کر آپ ٹھہرے رہے۔ ہم لوگ بھی سب بیٹھے تھے اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کھجور کا ایک تھیلا آیا (جس کو عرق کہتے ہیں، خرمے کی چھال سے بنتے ہیں) آپ نے پوچھا

أَفْقَرَ مِنِّي يَا رَسُولَ اللهِ فَوَاللهِ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا يُرِيْدُ الْحَرَّتَيْنِ أَهْلُ بَيْتٍ أَفْقَرُ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى بَدَتْ أَنْيَابُهُ ثُمَّ قَالَ أَطْعِمْهُ أَهْلَكَ.

وہ شخص کہاں گیا۔ کہنے لگا۔ حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ تھیلا لے اس کو خیرات کردے۔ وہ کہنے لگا خیرات تو اس پر کروں جو مجھ سے زیادہ محتاج ہو۔ قسم خدا کی مدینہ کی دونوں طرف کے پتھریلے کناروں میں کوئی گھر والے مجھ سے زیادہ محتاج نہیں۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہنس دیے۔ یہاں تک کہ آپ کی کچلیاں کھل گئیں۔ آپ نے فرمایا اچھا اپنے گھر والوں کو کھلا دے۔

بَابُ الْمُجَامِعِ فِي رَمَضَانَ هَلْ يُطْعِمُ أَهْلَهُ مِنَ الْكَفَّارَةِ إِذَا كَانُوْا مَحَاوِيْجَ

باب رمضان میں اپنی بیوی سے ہم بستر ہونے والا شخص، کیا اگر اس کے گھر والے محتاج ہوں تو وہ انہیں کفارہ کا کھانا کھلا سکتا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ الْأَخِرَ وَقَعَ عَلَى امْرَأَتِهِ فِي رَمَضَانَ فَقَالَ أَتَجِدُ مَا تُحَرِّرُ رَقَبَةً قَالَ لَا قَالَ فَتَسْتَطِيْعُ أَنْ تَصُوْمَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لَا قَالَ أَفَتَجِدُ مَا تُطْعِمُ بِهِ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا قَالَ لَا قَالَ فَأُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَقٍ فِيْهِ تَمْرٌ وَهُوَ الزَّبِيْلُ قَالَ أَطْعِمْ هٰذَا عَنْكَ قَالَ عَلَى أَحْوَجَ مِنَّا مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا أَهْلُ بَيْتٍ أَحْوَجُ مِنَّا قَالَ فَأَطْعِمْهُ أَهْلَكَ (بخاری)

فرمایا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ یہ بدنصیب رمضان میں اپنی بیوی سے جماع کر بیٹھا ہے۔ آں حضور نے دریافت فرمایا کیا تمہارے پاس اتنی استطاعت ہے کہ ایک غلام آزاد کر سکو؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم پے در پے دو مہینے کے روزے رکھ سکتے ہو؟ اس نے کہا کہ نہیں آپ نے دریافت فرمایا کیا تمہارے اندر اتنی استطاعت ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکو؟ اب اس کا جواب نفی میں تھا۔ راوی نے بیان کیا کہ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ٹوکرا لایا گیا۔ جس میں کھجوریں تھیں، "عرق زنبیل کو کہتے ہیں" آں حضور نے فرمایا کہ لے جاؤ اور اسے اپنی طرف سے (محتاجوں کو) کھلا دو۔ اس شخص نے کہا، اپنے سے بھی زیادہ محتاجوں کو، حالانکہ ان دو میدانوں کے درمیان کوئی گھرانہ ہم سے زیادہ محتاج نہیں۔ آں حضور نے فرمایا کہ پھر اپنے گھر والوں ہی کو کھلا دو۔

فوائد و مسائل یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے:۔

۱۔ ماہ رمضان میں بحالت روزہ دن میں اپنی بیوی سے قصداً صحبت کر لینے سے کفارہ[1] واجب ہو جاتا ہے۔

[1] چنانچہ آیت ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ سے روزے کی آخری حد معلوم ہوتی ہے اور یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ ... روزہ خوردونوش و مجامعت ہر ایک کے (قصداً عمداً) ارتکاب سے کفارہ لازم ہو جاتا ہے (مدارک)

۲۔ قصداً عمداً کھانے پینے سے بھی کفارہ واجب ہے۔ کیونکہ کفارہ کا سبب قصداً روزہ توڑنا ہے تو جیسے جماع سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے ایسے ہی کھانے پینے سے بھی روزہ فاسد ہو جائے گا۔

۳۔ روزہ توڑنے کا کفارہ غلام آزاد کرنا، دو ماہ مسلسل روزے رکھنا، ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے اور اس میں ترتیب شرط ہے یعنی اگر غلام آزاد نہ کر سکے تو پھر دو ماہ مسلسل روزے رکھے یہ بھی نہ کر سکے تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

۴۔ دار قطنی میں بروایت ابوہریرہ و سعید ابن المسیب ہے کہ ایک شخص نے رمضان کے دن بحالت روزہ عمداً کھا لیا تو اسے حضور نے غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔ ایک شخص نے رمضان کا روزہ رکھکر توڑ دیا حضور نے اسے بھی کفارہ کا حکم دیا۔ الغرض رمضان میں کسی طرح بھی قصداً عمداً روزہ توڑے اس پر کفارہ واجب ہے۔ احناف کا یہ ہی مسلک ہے۔

۵۔ کفارہ اگر ساٹھ مسکینوں کو کھلایا جائے تو ہر مسکین کو نصف صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور دے۔ صحیح مسلم میں ہے فامرہ ان یجلس فجاءَ عرقان فیھما طعام فامرہ ان یتصدق بہ۔ عرق ۱۵ صاع تھا۔ ۲ عرق ۳۰ صاع ہوئے تو ساٹھ مسکینوں میں ہر ایک کے حصہ میں نصف آیا۔

۶۔ جن جرموں میں حد نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص قاضی یا امام کے سامنے اس جرم کا اعتراف کرے تو اس کو سزا نہیں دی جائیگی۔ جیسے یا اعرابی جس نے رمضان کا روزہ توڑ کر رمضان کی بے حرمتی کی۔ حضور علیہ السلام نے اس کی کوئی سزا اس کو نہ دی۔

واضح ہو کہ کوئی شخص اپنا کفارہ یا زکوٰۃ نہ خود کھا سکتا ہے نہ اس کے بیوی بچے۔ مگر یہاں حضور نے اس اعرابی کو یہ اجازت دی کہ اپنا کفارہ خود ہی کھالے اور اپنے گھر والوں کو کھلا دے۔ نیز کفارہ ادا ہو جائے گا۔ تو یہ حضور کے خصوصیات سے ہے۔ امام زہری و دیگر محدثین نے بھی اسے اس شخص کے خصوصیات سے مانا ہے (مرقات اشعۃ اللمعات)۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے۔

کُل اَنْتَ وَعِیَالُكَ تَجْزِئُكَ وَلَا تُجْزِی اَحَدٌ بَعْدَكَ۔	تُو اور تیرے عیال کھالیں یہ صرف تجھے جائز ہے تیرے بعد اور کسی کو نہیں۔

اور دار قطنی کی حدیث میں ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا تُو اور تیرے بیوی بچے کھالیں۔

فَقَدْ کَفَّرَ اللّٰهُ عَنْكَ	اللہ تعالیٰ نے تیری طرف سے کفارہ قبول فرمالیا

ان حدیثی تصریحات سے واضح ہوا کہ کفارہ کا خود ہی کھا لینا اس شخص کے لیے خاص تھا اور حضور علیہ السلام کے اختیارات خداداد کی کیفیت پر بھی روشنی پڑھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اختیار دیا ہے۔ آپ جس کو چاہیں جس حکم شرعی سے چاہیں مستثنیٰ فرما دیں۔

بَابُ الْحِجَامَةِ وَالْقَيْءِ لِلصَّائِمِ

باب روزہ دار کا قے کرنا ——— اور پچھنے لگوانا

حَدَّثَ عُمَرُ بْنُ الْحَكَمِ بْنِ ثَوْبَانَ سَمِعَ اَبُوْهُرَيْرَةَ اِذَا قَاءَ فَلَا يُفْطِرُ اِنَّمَا يُخْرِجُ وَلَا يُوْلِجُ وَيُذْكَرُ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّهٗ يُفْطِرُ وَالْاَوَّلُ اَصَحُّ	عمر بن حکم بن ثوبان نے حضرت ابوہریرہ سے سنا جب کوئی قے کرے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ کیونکہ اس سے جو چیز باہر آتی ہے اندر نہیں جاتی۔ اور ابوہریرہ ہی سے روایت ہے

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَّعِكْرِمَةُ الصَّوْمُ مِمَّا دَخَلَ وَلَيْسَ مِمَّا خَرَجَ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَحْتَجِمُ وَهُوَ صَائِمٌ ثُمَّ تَرَكَهُ فَكَانَ يَحْتَجِمُ بِاللَّيْلِ وَاحْتَجَمَ اَبُوْ مُوْسٰى لَيْلًا وَّيُذْكَرُ عَنْ سَعْدٍ وَّزَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ وَاُمِّ سَلَمَةَ احْتَجَمُوْا صِيَامًا وَّقَالَ بُكَيْرٌ عَنْ اُمِّ عَلْقَمَةَ كُنَّا نَحْتَجِمُ عِنْدَ عَائِشَةَ فَلَا تَنْهٰى وَيُرْوٰى عَنِ الْحَسَنِ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ مَّرْفُوْعًا فَقَالَ اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ وَقَالَ لِيْ عَيَّاشٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْاَعْلٰى حَدَّثَنَا يُوْنُسُ عَنِ الْحَسَنِ مِثْلَهٗ قِيْلَ لَهٗ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُ اَعْلَمُ۔ (بخاری)

کہ اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ مگر پہلی روایت زیادہ صحیح ہے۔
ابن عباس اور عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا۔ ٹوٹتا ہے ان چیزوں سے جو اندر جاتی ہیں۔ ان سے نہیں جو باہر آتی ہیں۔
ابن عمر روزہ کی حالت میں پچھنا لگواتے تھے۔ مگر بعد میں اس کو ترک کر دیا تھا۔ اور رات میں پچھنا لگوانے لگے۔ ابو موسیٰ نے بھی رات میں پچھنا لگوایا تھا۔
سعد و زید بن ارقم اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ انھوں نے روزہ کی حالت میں پچھنا لگوایا۔ بکیر نے ام علقمہ سے کہا ہم حضرت عائشہ کے ہاں روزہ کی حالت میں پچھنا لگواتے تھے اور آپ ہمیں روکتی نہیں تھیں۔
حسن رحمۃ اللہ علیہ سے متعدد افراد مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا، پچھنا لگانے والے اور لگوانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا۔

فوائد و مسائل

(۱) یعنی خود بخود قے آجانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ ہاں اگر قصداً منہ بھر قے کی اور روزہ دار ہونا یاد تھا تو مطلقاً روزہ جاتا رہا۔

۲۔ بحالت روزہ فصد کھلوانے اور پچھنے لگوانے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔ کراہت بھی اسی صورت میں ہے۔ جبکہ اس عمل سے ضعف کا اندیشہ ہو اور ضعف کی وجہ سے روزہ افطار کرنے پر مجبور ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ابن عمر اور دیگر صحابہ رات کو پچھنے لگواتے تھے۔

۳۔ چونکہ صحیح حدیثوں سے یہ واضح ہے کہ خود حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام بحالت روزہ پچھنے لگواتے تھے۔ اس لیے یہ حدیث (جس میں یہ ہے پچھنے لگوانے اور لگانے والے کا روزہ ٹوٹ گیا) حدیث ابن عباس سے منسوخ قرار پائے گی۔

بعض شارحین نے اس حدیث کی تاویل کی ہے کہ وہ دونوں بوقت فصد غیبت کر رہے تھے۔ اس لیے اس غیبت کی وجہ سے حضور نے فرمایا ان کا روزہ جاتا رہا۔ لیکن ظاہر ہے یہ تاویل محض تاویل ہے اس میں متعدد وجوہ سے کوئی وزن نہیں ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ وَاحْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ احْتَجَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ صَائِمٌ۔ (بخاری)

عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احرام کی حالت میں اور جب آپ روزہ دار تھے پچھنے لگائے۔ ابن عباس نے کہا کہ صلے اللہ علیہ وسلم نے روزے میں پچھنے لگائے۔

فوائد و مسائل

۱۔ مطلب حدیث یہ ہے کہ حضور نے بحالت احرام فصد کرائی اور بحالت روزہ بھی فصد کرائی ہے۔ تو فصد سے نہ احرام میں کوئی خرابی ہوتی ہے اور نہ روزہ فاسد ہوتا ہے۔ البتہ بحالت احرام یہ ضروری ہے کہ فصد کرنے سے بال نہ اکھڑے۔ ورنہ کفارہ لازم ہوگا۔

۲۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ فصد سے نہ روزہ فاسد ہوتا ہے اور نہ مکروہ۔ امام اعظم علیہ الرحمہ کا یہی مذہب ہے۔

۳۔ ترمذی میں بروایت ابوسعید مروی ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا تین چیزیں روزہ نہیں توڑتیں۔ پچھنا، قے آنا اور احتلام ہوجانا۔ تو اگر بھری سنگی لگوائی یا قے خود بخود آگئی یا بحالت روزہ سویا اور احتلام ہوگیا تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

حَدَّثَنَا اٰدَمُ بْنُ اَبِیْ اِیَاسٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ ثَابِتَ نِ الْبُنَانِیَّ یَسْاَلُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ اَكُنْتُمْ تَكْرَهُوْنَ الْحِجَامَةَ لِلصَّائِمِ قَالَ لَا اِلَّا مِنْ اَجْلِ الضُّعْفِ وَزَادَ شَبَابَةُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَلٰی عَهْدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ (بخاری)

آدم بن ابی ایاس نے بیان کیا کہ ہم سے شعبہ نے کہا۔ میں نے ثابت بنانی سے سنا وہ انس بن مالک سے پوچھ رہے تھے کیا تم روزہ دار کو پچھنے لگانا مکروہ سمجھتے تھے۔ انھوں نے کہا نہیں فقط ضعف کے خیال سے ہم اس کو برا جانتے تھے۔ اور شبابہ نے شعبہ سے اس روایت میں اتنا زیادہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں۔

اس سے واضح ہوا بحالت روزہ فصد کھلوانا، پچھنے لگوانا مکروہ نہیں ہے جبکہ ضعف کا اندیشہ نہ ہو۔ اور اگر اندیشہ ہو، تو مکروہ ہے۔ اس چاہیئے کہ غروب آفتاب تک مؤخر کرے۔

بَابُ الصَّوْمِ فِی السَّفَرِ وَالْاِفْطَارِ

باب سفر میں روزہ اور افطار

عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ الشَّیْبَانِیِّ سَمِعَ ابْنَ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ سَفَرٍ فَقَالَ لِرَجُلٍ انْزِلْ فَاجْدَحْ لِیْ قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ الشَّمْسُ قَالَ انْزِلْ فَاجْدَحْ لِیْ قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ الشَّمْسُ قَالَ انْزِلْ فَاجْدَحْ لِیْ فَنَزَلَ فَجَدَحَ لَهٗ فَشَرِبَ ثُمَّ رَمٰی بِیَدِهٖ هٰهُنَا ثُمَّ قَالَ اِذَا رَاَیْتُمُ اللَّیْلَ اَقْبَلَ مِنْ هٰهُنَا فَقَدْ اَفْطَرَ الصَّائِمُ تَابَعَهٗ جَرِیْرٌ وَّ اَبُوْبَكْرِ بْنُ عَیَّاشٍ عَنِ الشَّیْبَانِیِّ عَنِ ابْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ سَفَرٍ۔

ابو اسحاق شیبانی سے روایت ہے۔ انھوں نے ابن ابی اوفی سے سنا، کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے۔ (روزہ کی حالت میں) آں حضور نے ایک صاحب سے فرمایا کہ اتر کر میرے لیے ستو گھول لو۔ انھوں نے عرض کی یارسول اللہ ابھی تو سورج باقی ہے۔ آپ نے پھر فرمایا کہ اتر کر ستو گھول لو۔ اب کی مرتبہ بھی انھوں نے وہی عرض کی۔ یارسول اللہ سورج ابھی باقی ہے۔ لیکن آپ کا حکم اب بھی یہی تھا کہ اتر کر میرے لیے ستو گھول لو چنانچہ وہ اترے اور ستو گھول دیا۔ پھر آپ نے ایک طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ جب تم دیکھو کہ رات یہاں سے شروع ہوچکی ہے تو روزہ دار کو افطار کرلینا چاہئیے (یعنی اس وقت سورج ڈوب جاتا ہے) اس کی متابعت جریر اور ابوبکر بن عیاس نے شیبانی کے واسطہ سے کی ہے اور ان سے ابو اوفی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے۔

فوائد و مسائل

۱۔ واضح ہو کہ بحالت سفر روزہ رکھنا اور نہ رکھنا دونوں جائز ہیں۔ عنوان کا مقصود بھی یہی ہے۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن اوفی کا خیال یہ تھا کہ یہ سورج کے غروب ہوجانے کے بعد جو آسمان پر سرخی رہ جاتی ہے۔ جب تک

یہ سرخی زائل نہ ہو جائے اس وقت تک افطار نہ کیا جائے۔ اسی لیے بار بار الشمس الشمس عرض کرتے رہے۔ حضور علیہ السلام نے ان پر واضح کر دیا کہ روزہ اس وقت افطار کر لیا جائے کہ جب سورج کی پوری ٹکیہ غروب ہو جائے۔

۳۔ کہتے ہیں کہ باب سے اس حدیث کی مناسبت یہ ہی ہے کہ حضور نے بحالت سفر روزہ رکھا۔ لیکن اس حدیث نے اس امر پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ حضور کا یہ سفر رمضان کے مہینہ میں تھا۔ فافہم

عَنْ عَائِشَةَ اِنَّ حَمْزَةَ بْنَ عَمْرٍو الْاَسْلَمِی قَالَ یَارَسُوْلَ اللہِ اِنِّیْ اَسْرُدُ الصَّوْمَ

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ حمزہ بن عمر اسلمی نے یا رسول اللہ میں متواتر روزے رکھتا ہوں۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللہُ عَنْہَا زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ حَمْزَةَ بْنَ عَمْرٍو الْاَسْلَمِیَّ قَالَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَصُوْمُ فِی السَّفَرِ وَکَانَ کَثِیْرَ الصِّیَامِ فَقَالَ اِنْ شِئْتَ فَصُمْ وَاِنْ شِئْتَ فَاَفْطِرْ۔ (بخاری)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حمزہ بن عمر اسلمی رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ میں سفر میں ہمیشہ روزے رکھتا ہوں۔ وہ روزے بکثرت رکھا کرتے تھے۔ حضور نے فرمایا اگر جی چاہے تو روزہ رکھے اور چاہے تو افطار کرے۔ (بخاری)

فوائد و مسائل

۱۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوابی کلمات اِنْ شِئْتَ فَصُمْ میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اگرچہ مسافر کو روزہ نہ رکھنے کا اختیار ہے۔ مگر روزہ رکھ لینا افضل و بہتر ہے۔ تاکہ مسلمانوں سے موافقت ہو جائے اور رمضان کے بعد گراں نہ گزرے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نے روزہ رکھنے کو پہلے ذکر کیا۔

۲۔ واضح رہے کہ مسافر کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے لیکن رمضان کی بے حرمتی کرنا جائز نہیں ہے کہ علانیہ کھاتا پیتا پھرے۔ بلکہ مسافر کو چاہیئے پوشیدہ طور پر کھا پی لے۔ جیسے حیض و نفاس والی عورتوں کو حکم ہے کہ چھپ کر کھائیں۔

۳۔ شریعت میں مسافر وہ ہے جو اپنے شہر سے تین منزل یعنی چھتیس کوس (۵۷، ۵ میل) کے ارادہ سے روانہ ہو۔ پھر جب تک وہ گھر لوٹ نہ آئے یا کسی جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہ کرے مسافر ہی رہے گا۔ مسافر کے لیے فرض نماز میں قصر واجب ہے اور روزہ قضا کرنے کی اجازت ہے سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ مالک و شافعی و ثوری کے نزدیک مسافر کو افطار جائز اور روزہ رکھنا بہتر ہے۔

بَابُ اِذَا صَامَ اَیَّامًا مِّنْ رَمَضَانَ ثُمَّ سَافَرَ

باب رمضان کے کچھ روزے رکھنے کے بعد کسی نے اگر سفر کیا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَرَجَ اِلٰی مَکَّةَ فِیْ رَمَضَانَ فَصَامَ حَتّٰی بَلَغَ الْکَدِیْدَ اَفْطَرَ فَاَفْطَرَ النَّاسُ وَقَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللہِ وَالْکَدِیْدُ مَاءٌ بَیْنَ عُسْفَانَ وَقُدَیْدٍ۔

ابن عباس سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روانہ ہوئے (غزوہ فتح میں چارشنبہ کے دن عصر کے بعد) آپ نے روزے رکھے۔ حتیٰ کہ جب آپ مقام کدید پر پہنچے تو پہنچے تو افطار کیا۔ لوگوں نے بھی افطار کیا۔ ابو عبداللہ نے کہا کہ کدید مدینہ سے سات منزل پر، عسفان اور قدید کے درمیان ہے۔

یہ غزوہ فتح کا واقعہ ہے ۔ حضور دس رمضان گزر جانے کے بعد بدھ کے روز بعد نمازِ عصر روانہ ہوئے ۔ جب صلصل پہاڑ جو کہ ذوالحلیفہ کے پاس ہے پہنچے تو ایک منادی نے ندا کی جو چاہے روزہ رکھے جو چاہے افطار کرے ۔ حتیٰ کہ حضور کدید کے مقام پر پہنچے تو آپ نے سواری پر افطار فرمایا ۔ تاکہ لوگ دیکھ لیں اور انہیں مسئلہ معلوم ہو جائے کہ بحالتِ سفر روزہ نہ رکھنا جائز ہے ۔

فائدہ علامہ علی قاری نے مرقات میں لکھا ہے کہ حضور نے فتح مکہ و بدر کے موقع پر رمضان میں سفر پایا ۔ ان دو سفروں کے علاوہ اور کبھی رمضان میں سفر ثابت نہیں (مرقات)

۲ ۔ حضور علیہ السلام فتح مکہ کے لیے ۱۰ رمضان ۸ھ بعد از نمازِ عصر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور بیس رمضان کو مکہ فتح ہوا (مرقات) بعض مورخین نے دسویں رمضان کو روانگی بیان کی ہے ۔

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ فِي يَوْمٍ حَارٍّ حَتَّى يَضَعَ الرَّجُلُ يَدَهُ عَلَى رَأْسِهِ مِنْ شِدَّةِ الْحَرِّ وَمَا فِينَا صَائِمٌ إِلَّا مَا كَانَ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَابْنِ رَوَاحَةَ ۔

ابو درداؓ سے روایت ہے اُنھوں نے کہا ہم کسی سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ۔ ایسی گرمی تھی کہ آدمی سر پر ہاتھ رکھتا تھا ۔ گرمی کی شدت سے اور ہم میں کوئی روزے سے نہ تھا ۔ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عبداللہ بن رواحہ روزہ دار تھے ۔ (بخاری)

۱ ۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ بحالتِ سفر روزہ رکھنا یا افطار کرنا دونوں مباح ہیں ۔ یہ ہی وجہ ہے تمام مسافروں میں صرف حضور اور ابن رواحہ روزہ دار تھے اور باقی صحابہ روزہ سے نہ تھے (۲) اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ ترک مستحب گناہ نہیں ۔

بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَنْ ظُلِّلَ عَلَيْهِ وَاشْتَدَّ الْحَرُّ لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ

باب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس شخص کے لیے جس پر سایہ کیا گیا تھا اور سخت گرمی ہو رہی تھی یہ فرمانا کہ سفر میں یوں روزہ رکھنا اچھا نہیں ۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَرَأَى زِحَامًا وَرَجُلًا قَدْ ظُلِّلَ عَلَيْهِ فَقَالَ مَا هٰذَا فَقَالُوا صَائِمٌ فَقَالَ لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ ۔

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت ہے اُنہوں نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سفر میں تھے ایک جگہ ہجوم پایا اور ایک شخص (قیس عامری) کو دیکھا لوگ اس پر سایہ کیے ہیں ۔ آپ نے حال پوچھا لوگوں نے کہا روزہ دار ہے ۔ آپ نے فرمایا سفر میں یوں روزہ رکھنا بہتر نہیں ۔

فوائد و مسائل یہ غزوہ تبوک کا واقعہ ہے یا فتح کا ۔ جو صاحب روزہ کی وجہ سے بے حال ہوئے ان کا نام قیس یا قیصرا اور کنیت ابو اسرائیل ہے ۔ سخت گرمی تھی اور نصیر سحری نے روزہ رکھا تھا ۔ بے ہوش ہو کر گر پڑے ۔ صحابہ کرام نے اپنی چادروں سے ان پر

سایہ کیا۔ اس موقع پر حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ ایسے سخت سفر اور بے سروسامانی میں روزہ مناسب نہیں۔ قرآن مجید میں بھی یہی ہدایت ہے یُرِیْدُ اللّٰهُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ شریعت نے جن امور میں آسانی دی ہے ان کو اپنانا تقویٰ کے خلاف نہیں ہے۔

بَابُ لَمْ یَعِبْ اَصْحٰبُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فِی الصَّوْمِ وَالْاِفْطَارِ

باب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کوئی سفر میں روزہ رکھتے اور کوئی افطار اور کوئی کسی پر عیب نہ لگاتا۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ کُنَّا نُسَافِرُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ یَعِبِ الصَّآئِمُ عَلَی الْمُفْطِرِ وَلَا الْمُفْطِرُ عَلَی الصَّآئِمِ (بخاری)

انس بن مالک سے روایت ہے ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر کرتے۔ روزہ رکھنے والا افطار کرنیوالے پر عیب نہ لگاتا اور نہ افطار کرنے والا روزہ دار پر (بخاری)

فوائد و مسائل اس حدیث میں اس امر کا بیان ہے کہ بحالت سفر مسافر کو روزہ نہ رکھنا مباح ہے اور روزہ رکھنا افضل و بہتر و مستحب ہے۔ لیکن صحابہ حضور کے ہمراہ سفر کرتے۔ بعض روزہ نہ رکھتے اور بعض مستحب پر عمل کرتے ہوئے روزہ رکھ لیتے۔ مگر ایک دوسرے پر عیب نہ لگاتے۔ اس سے واضح ہوا ترک مستحب پر اعتراض جائز نہیں ہے۔ اس حدیث میں ان لوگوں کا رد ہے جو خانہ ساز تقویٰ میں مبتلا ہو کر مستحب کے تارک پر اعتراض کرتے ہیں اور عبادات و ریاضت میں تعمق و تشدد کو تقویٰ کا نام دیتے ہیں۔

بَابُ مَنْ اَفْطَرَ فِی السَّفَرِ لِیَرَاهُ النَّاسُ

باب جس نے سفر میں اس لیے روزہ چھوڑا تاکہ لوگ دیکھ لیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِیْنَةِ اِلٰی مَکَّةَ فَصَامَ حَتّٰی بَلَغَ عُسْفَانَ ثُمَّ دَعَا بِمَآءٍ فَرَفَعَهُ اِلٰی یَدَیْهِ لِیُرِیَهُ النَّاسَ فَاَفْطَرَ حَتّٰی قَدِمَ مَکَّةَ وَذٰلِكَ فِیْ رَمَضَانَ فَکَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ یَقُوْلُ قَدْ صَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَفْطَرَ فَمَنْ شَآءَ صَامَ وَمَنْ شَآءَ اَفْطَرَ (بخاری)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو روزے رکھتے رہے حتیٰ کہ عسفان پہنچ گئے۔ آپ نے پانی منگایا اور اسے اٹھایا، تاکہ لوگ دیکھ لیں۔ پھر حضور افطار فرماتے رہے حتیٰ کہ مکہ معظمہ تشریف لے آئے۔ حضرت ابن عباس فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں روزہ رکھا بھی اور نہیں بھی رکھا، اس لیے جس کا جی چاہے روزہ رکھے اور جس کا جی چاہے نہ رکھے۔

۱۔ اس حدیث سے واضح ہوا بحالت سفر مسافر کو روزہ رکھنا اور نہ رکھنا دونوں جائز ہیں لیکن روزہ رکھنا افضل ہے (۲) حضور علیہ السلام نے اس دن روزہ رکھا ہی نہ تھا۔ پانی پی کر حضور نے مسئلہ شرعی بیان فرمادیا کہ سفر میں افطار جائز ہے۔

بَابُ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ

باب وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ کے متعلق

قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَ سَلَمَةُ بْنُ الْاَكْوَعِ نَسَخَتْهَا شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ وَقَالَ ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِيْ لَيْلٰى حَدَّثَنَا اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ رَمَضَانُ فَشَقَّ عَلَيْهِمْ فَكَانَ مَنْ اَطْعَمَ كُلَّ يَوْمٍ مِّسْكِيْنًا تَرَكَ الصَّوْمَ مِمَّنْ يُّطِيْقُهٗ وَرُخِّصَ لَهُمْ فِيْ ذٰلِكَ فَنَسَخَتْهَا وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ فَاُمِرُوْا بِالصَّوْمِ۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَرَاَ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ قَالَ هِيَ مَنْسُوْخَةٌ۔ (بخاری)

حضرت ابن عمر اور سلمہ بن اکوع نے فرمایا آیت یطیقونہ کو منسوخ کر دیا اس آیت نے ــــ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ الخ (جس کا ترجمہ یہ ہے)

رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اترا۔ لوگوں کے لیے ہدایت اور رہنمائی اور فیصلہ کی روشن باتیں۔ تو تم میں جو کوئی یہ مہینہ پائے ضرور اس کے روزے رکھے اور جو بیمار یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں۔ اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا۔ اور اس لیے تم گنتی پوری کرو اور اللہ کی بڑائی بولو، اس پر کہ اس نے تمھیں ہدایت کی اور کہیں تم حق گزار ہو۔ ابن نمیر نے بیان کیا کہ ہم سے اعمش نے حدیث بیان کی، ان سے عمرو بن مرہ نے حدیث بیان کی، ان سے ابن ابی لیلیٰ نے حدیث بیان کی اور ان سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے بیان کی کہ رمضان میں (جب روزے کا حکم) نازل ہوا تو بہت سے لوگوں پر بڑا دشوار گزرا۔ چنانچہ بہت سے لوگ جو روزانہ ایک مسکین کو کھانا کھلا سکتے تھے، انھوں نے روزے چھوڑ دیے۔ حالانکہ ان میں روزے رکھنے کی طاقت تھی۔ بات یہ تھی کہ انہیں اس کی اجازت بھی دے دی گئی تھی (قرآن کی اس آیت میں کہ "جن لوگوں کو روزہ کی طاقت ہے ان پر فدیہ ہے") پھر اس اجازت کو آیۃ "تمھارے لیے یہی بہتر ہے کہ تم روزے رکھو" نے منسوخ کر دیا اور اس طرح لوگوں کو روزے رکھنے کا حکم ہو گیا۔

حضرت ابن عمر نے آیت فدیۃ طعام مسکین تلاوت کی اور کہا یہ منسوخ ہے۔ (بخاری)

فوائد و مسائل انزل فیہ القرآن کے معنی میں مفسرین کے چند اقوال ہیں۔

۱۔ رمضان۔ وہ جس کی شان و شرافت میں قرآن پاک نازل ہوا۔

۲۔ قرآن پاک کے نزول کی ابتداء رمضان میں ہوئی۔

۳۔ قرآن پاک تمام رمضان المبارک کی شب قدر میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف اتارا گیا اور بیت العزت میں رہا یہ اسی آسمان پر ایک مقام ہے۔ یہاں سے وقتاً فوقتاً حسب اقتضاء حکمت جتنا جتنا منظور الٰہی ہوا جبریل امین لاتے رہے یہ نزول تئیس سال کے عرصہ میں ہوا

• وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ - ۱۔ سفر سے وہ سفر مراد ہے جس کی مسافت تین دن سے کم نہ ہو۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مریض اور مسافر کو رخصت دی کہ اگر اس کو رمضان المبارک میں روزے رکھنے سے مرض کی زیادتی یا ہلاکت کا اندیشہ ہو یا سفر میں شدت و تکلیف محسوس ہو تو وہ مرض و سفر میں روزہ نہ رکھے اور بجائے اس کے اور دنوں میں ان کی قضا کرے (لیکن قضا ان پانچ دنوں میں نہ کرے جن میں روزہ رکھنا جائز نہیں۔ ایام منہیہ یہ ہیں۔ عید الفطر۔ عید اضحیٰ اور ذوالحجہ کی ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳ تاریخ)

۲۔ مریض کو محض وہم پر روزے کا افطار جائز نہیں۔ جب تک دلیل یا تجربہ سے اسے یہ ظن غالب حاصل ہو کہ روزہ مرض کے طول یا زیادتی کا سبب بنے گا۔ یا نیک حاذق حکیم یہ کہے کہ روزہ مرض کی زیادتی یا طول کا سبب بن جائے گا۔

۳۔ جو شخص بالفعل بیمار نہ ہو مگر مسلمان طبیب یہ کہے کہ روزہ رکھنے سے بیمار ہو جائے گا وہ بھی مریض کے حکم میں ہے۔ اسی طرح حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کو روزہ رکھنے سے اپنی یا بچے کی جان جانے یا بچہ کے بیمار ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اسکو بھی افطار جائز ہے۔

۴۔ واضح ہو کہ جس مسافر نے طلوع فجر سے پہلے سفر شروع کیا اس کو تو روزے کا افطار جائز ہے۔ لیکن جس نے بعد طلوع فجر سفر شروع کیا (یعنی روزہ رکھکر سفر شروع کیا) اس کو اس دن کا افطار جائز نہیں۔

۵۔ اگرچہ مسافر و مریض کو افطار کی اجازت ہے۔ لیکن زیادہ بہتر و افضل روزہ رکھنا ہی ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں فرمایا:۔

فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ

عَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ - ۱۔ اس آیت کے متعلق ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ یہ حکم (جو کہ ابتداء میں تھا کہ جو باوجود طاقت کے روزہ نہ رکھے وہ فدیہ دے دے) منسوخ ہے۔ جیسا کہ زیر بحث حدیث میں مذکور ہے۔ نسخ کا قول کرنے والے حدیث سلمہ و ابن عمر و معاذ سے استدلال کرتے ہیں۔ حضرت علقمہ، نخعی، حسن، شعبی، ابن شہاب کا بھی یہی قول ہے۔ اور

۲۔ حضرت علی، ابن عباس، ابوہریرہ، انس، سعید ابن جبیر، طاؤس، سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ، ثوری، اوزاعی، احمد بن حنبل کی رائے یہ ہے۔ یہ آیت شیخ فانی کے لیے ہے۔ وہ ہر روزہ کے عوض فدیہ دے دے۔

۳۔ جس بوڑھے مرد یا عورت کو پیرانہ سالی کے ضعف سے روزہ رکھنے کی قدرت نہ رہے اور آئندہ قوت حاصل ہونے کی امید بھی نہ ہو اس کو شیخ فانی کہتے ہیں۔ اس کے لیے جائز ہے کہ افطار کرے اور ہر روزے کے بدلے نصف صاع گیہوں یا اس کا آٹا یا صاع بھر جو بطور فدیہ دے دے۔ اگر فدیہ دینے کے بعد روزہ رکھنے کی طاقت آگئی تو روزہ واجب ہوگا۔

۴۔ اور اگر شیخ فانی نادار ہو اور فدیہ دینے کی قدرت نہ رکھے تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے اور اپنی عفو تقصیر کی دعا کرتا رہے۔

بَابُ مَتٰى يُقْضٰى قَضَاءُ رَمَضَانَ

باب رمضان کے قضا روزے کب رکھے جائیں

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَا بَأْسَ اَنْ يُّفَرَّقَ لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ وَقَالَ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ فِيْ صَوْمِ الْعَشْرِ لَا يَصْلُحُ حَتّٰى يَبْدَأَ بِرَمَضَانَ۔

اور ابن عباس نے کہا کچھ حرج نہیں اگر قضا کے روزے پے درپے نہ رکھے جائیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اتنا فرمایا۔ دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرلو۔ اور سعید بن مسیب نے کہا ذی الحجہ کے دن نفلی روزے

اس کو رکھنا بہتر نہیں جس نے رمضان کے روزہ کی قضا نہ کی ہو

۱۔ واضح رہے کہ رمضان کے روزے اگر بوجہ بیماری یا سفر یا حیض و نفاس رہ جائیں تو جتنے روزے رہ گئے ہیں ان کی قضا دوسرے دنوں (سوا ان دنوں کے جن میں روزہ رکھنا حرام ہے) میں کرے۔ قضا کے روزے متفرق طور پر بھی رکھ سکتا ہے۔

۲۔ جس پر رمضان کے روزوں کی قضا ہو اسے نفلی روزے رکھنے مناسب نہیں۔ پہلے فرض ادا کرنا چاہئیں۔

فائدہ یہاں قضاء سے ادا مراد ہے۔ بمعنی الیفاء۔ عرب کہا کرتے ہیں ادیت حق فلان ای اوفیتہ۔ ادا سے معنی شرعی مراد نہیں ہیں۔ ادا کے معنی شرعی یہ ہیں۔ تسلیم عین الواجب اور یہ اب ممکن نہیں

وَقَالَ اِبْرَاهِيْمُ اِذَا فَرَّطَ حَتّٰى جَاءَ رَمَضَانُ اٰخَرُ يَصُوْمُهُمَا وَلَمْ يَرَ عَلَيْهِ طَعَامًا وَّيُذْكَرُ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ مُرْسَلًا وَّابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ يُطْعِمُ وَلَمْ يَذْكُرِ اللّٰهُ الْاِطْعَامَ اِنَّمَا قَالَ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ۔ (بخاری)

اور ابراہیم نخعی نے کہا۔ اگر رمضان کی قضا نہ رکھے اور دوسرا رمضان آگیا تو دونوں کے روزے رکھے اور فدیہ اس پر واجب نہیں اور ابو ہریرہ سے مرسلاً اور ابن عباس سے منقول ہے کہ وہ فقیروں کو کھانا بھی کھلائے اور اللہ نے تو اپنی کتاب میں کھانا کھلانے کا ذکر نہیں کیا۔ اتنا ہی فرمایا کہ دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے (بخاری)

فوائد و مسائل واضح ہو۔ ایک جماعت صحابہ (جن میں جناب ابو ہریرہ و ابن عباس بھی شامل ہیں) کی رائے یہ ہے کہ اگر کسی نے مرض کی وجہ سے رمضان کے روزے نہ رکھے اور صحت یابی کے بعد قضا بھی نہ کیے۔ حتیٰ کہ دوسرا رمضان آگیا تو دوسرے رمضان کے روزے رکھنے کے بعد پہلے رمضان کے روزوں کی قضا کرے اور ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا بھی کھلائے۔ جمہور کی بھی یہی رائے ہے اور امام طحاوی بھی جمہور کی طرف مائل ہوئے ہیں۔

امام بخاری فرماتے ہیں۔ قرآن مجید میں صرف یہ حکم ہے فعدۃ من ایام اخر۔ دوسرے دنوں میں قضاء کرے۔ فدیہ کا ذکر نہیں ہے تو تاخیر قضاء کی بنا پر فدیہ لازم کرنا درست نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں سیدنا امام اعظم و نخعی علیہ الرحمہ کی رائے بھی یہی ہے کہ فدیہ لازم نہیں ہے۔

عَنْ اَبِىْ سَلَمَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَائِشَةَ تَقُوْلُ كَانَ يَكُوْنُ عَلَىَّ الصَّوْمُ مِنْ رَّمَضَانَ فَمَا اَسْتَطِيْعُ اَنْ اَقْضِىَ اِلَّا فِىْ شَعْبَانَ قَالَ يَحْيٰى الشُّغْلُ مِنَ النَّبِىِّ اَوْ بِالنَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (بخاری)

ابو سلمہ سے روایت ہے میں نے حضرت عائشہ سے سنا وہ کہتی تھیں مجھ پر رمضان کی قضا باقی ہوتی تھی۔ میں اس کو رکھ نہ سکتی تھی۔ یہاں تک کہ شعبان آجاتا۔ یحییٰ نے کہا اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مشغول رہتیں۔

۱۔ واضح ہو کہ ہر عبادت کی قضاء جلد کر لینی چاہیئے۔ کیونکہ زندگی کا کیا بھروسہ۔ بیماری و سفر یا حیض و نفاس کی وجہ سے جو روزے چھوٹ جائیں ان کی قضا میں بھی جلدی کرنی چاہیئے۔ بالفرض قضا نہ کی اور دوسرا رمضان آگیا تو فوت شدہ روزوں کی قضا ساقط نہ ہو گی۔

۲۔ جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی جلد قضاء کی سعی فرماتی تھیں۔ اور اگر وہ ایسا نہ کر سکتیں تو دوسرا رمضان آنے سے پہلے فوت شدہ روزوں اور نمازوں کی (جو کہ بوجہ حیض یا بیماری رہ جاتے تھے) قضا کر لیتی تھیں۔

بَابُ الْحَائِضُ تَتْرُكُ الصَّوْمَ وَالصَّلٰوةَ

باب حائضہ روزہ و نماز چھوڑ دے

• وَقَالَ اَبُو الزِّنَادِ اِنَّ السُّنَنَ وَوُجُوْهَ الْحَقِّ لَتَاْتِيْ كَثِيْرًا عَلٰى خِلَافِ الرَّاْيِ فَمَا يَجِدُ الْمُسْلِمُوْنَ بُدًّا مِّنْ اتِّبَاعِهَا مِنْ ذٰلِكَ اَنَّ الْحَائِضَ تَقْضِي الصِّيَامَ وَلَا تَقْضِي الصَّلٰوةَ۔ (بخاری)

ابو الزناد نے کہا سنتیں اور حق باتیں (بظاہر) رائے کے خلاف معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن مسلمانوں کو بہرحال ان کی پیروی کرنی چاہیئے۔ حائضہ روزے قضاء کرے۔ نماز کی قضاء اس پر نہیں ہے۔

• عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَيْسَ اِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ فَذٰلِكَ نُقْصَانُ دِيْنِهَا۔ (بخاری)

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا جب عورت حائضہ ہوتی ہے۔ تو نماز اور روزے نہیں چھوڑ دیتی؟ یہ ہی اسکے دین کا نقصان ہے۔

فوائد و مسائل

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ہر حکم کی حکمت کا ہماری سمجھ میں آجانا ضروری ہے۔ ایک مسلمان کا فرض مذہبی یہ ہے کہ وہ اللہ و رسول کے حکم کے آگے سر جھکا دے اور صمیم قلب سے اسے قبول کرے۔ یہ مسئلہ کہ حائضہ عورت روزوں کی قضاء کرے نماز کی نہیں، اسی نوع سے ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نمازوں کی قضا کیوں نہیں۔ چنانچہ مسلم شریف کی حدیث میں ہے معاذہ عدویہ نے جناب عائشہ سے یہ ہی سوال کیا:۔

مَا بَالُ الْحَائِضِ تَقْضِي الصَّوْمَ وَلَا تَقْضِي الصَّلٰوةَ | کہ روزہ بھی فرض اور نماز بھی فرض اور حیض و نفاس دونوں کو مانع پھر روزہ کی قضا ہے، نماز کی کیوں نہیں؟

تو جناب عائشہ صدیقہ نے نہایت ایمان افروز جواب دیا: ـــــ فَنُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّوْمِ ـــــ ہمیں تو اس حالت میں روزہ کی قضاء کا حکم دیا جاتا ہے اور نماز کی قضاء کا نہیں۔ یعنی ہمیں عقلی حکمتوں سے کیا غرض۔ ہم تو حکم کے بندے ہیں۔ بیمار طبیب کے نسخہ پر عمل کرتا ہے نسخہ کی حقیقت و ماہیت پر غور نہیں کیا کرتا۔ حضور علیہ السلام طبیب کائنات ہیں۔ ہمیں تو ہر حال میں ان کے حکم کی تعمیل کرنی چاہیئے۔

۲۔ فقہاء کرام نے فرمایا کہ روزے کی قضاء میں آسانی ہے۔ سال میں اتفاق سے سات آٹھ روزے قضا کرنے پڑتے ہیں۔ برخلاف نماز کے کہ ہر مہینہ میں پانچ دن یا آٹھ دن کی نمازیں قضا ہوتی ہیں۔ تو نماز کی قضا میں دشواری ہے۔ اس لیے نمازوں کی قضا نہیں روزوں کی ہے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم۔

بَابُ مَنْ مَّاتَ وَعَلَيْهِ صَوْمٌ

باب جو شخص مر گیا اور اس کے ذمہ روزے تھے

• وَقَالَ الْحَسَنُ اِنْ صَامَ عَنْهُ ثَلٰثُوْنَ رَجُلًا يَوْمًا وَّاحِدًا جَازَ۔

اور حسن نے فرمایا اگر اس کی طرف سے تیس ۳۰ آدمیوں نے ایک دن روزہ رکھ لیا تو جائز ہے۔

• عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ

قَالَ مَنْ مَّاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهٗ تَابَعَهُ ابْنُ وَهْبٍ عَنْ عَمْرٍو وَّرَوَاهُ يَحْيَى ابْنُ اَيُّوْبَ عَنِ ابْنِ اَبِيْ جَعْفَرٍ۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر کوئی شخص مر جائے اور اس کے ذمے روزے واجب ہوں تو اس کے ولی کو اس کی طرف سے روزے قضا کرنے چاہئیں۔ اس روایت کی متابعت ابن وہب نے عمرو کے واسطہ سے کی ہے۔ اس کی روایت یحییٰ بن ایوب نے ابو جعفر کے واسطے سے بھی کی ہے

فوائد و مسائل

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ اسی حدیث سے بعض علماء نے یہ استدلال فرمایا کہ جو شخص مر گیا اور اسکے ذمہ رمضان یا نذر یا کفارے کے روزے ہیں تو اس کا والی اس کی طرف سے روزہ رکھے۔ سیدنا شافعی کا قول قدیم بھی یہ ہی ہے۔ اور سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ کا مسلک یہ ہے کہ اس کا ولی[1] اس کی طرف سے فدیہ دے (نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو) چنانچہ موطا شریف کی حدیث میں ہے جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس مسئلہ کے متعلق پوچھا جاتا تو آپ فرماتے:۔

لَا يَصُوْمُ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ وَلَا يُصَلِّيْ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ (مشکوٰۃ)

نہ کوئی کسی کی طرف سے روزے رکھے اور نہ کسی کی طرف سے نماز پڑھے۔

اور طحاوی شریف میں صحیح حدیث ہے۔ عمرہ بنت عبد الرحمٰن نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ سے عرض کی۔ میری والدہ کا انتقال ہو گیا اور ان پر رمضان کے روزے ہیں تو کیا میں ان کی طرف سے قضا کروں:۔

ايصلح عن افضي عنها فقالت لا ولكن تصدقي عنها مكان كل يوم على مسكين۔

فرمایا نہیں۔ لیکن تو ان کی طرف سے ہر روزہ کا فدیہ دے مسکین کو[3]

قرآن مجید میں بھی روزے کی طاقت نہ رکھنے والوں کو فدیہ دینے کا حکم ہے۔ وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين۔ میت بھی اب روزہ کی طاقت نہیں رکھتی۔ لہٰذا اس کی طرف سے فدیہ ہی دیا جائے۔ علاوہ ازیں یہ ضابطہ بھی ہے۔ بدنی عبادات بندے کو خود ہی کرنا ہوتی ہیں۔ دوسرے سے نہیں کرا سکتا۔ قرآن مجید میں فرمایا: لیس للانسان الا ما سعٰی اور قیاس بھی یہ ہی چاہتا ہے کہ میت کی طرف سے کوئی نماز نہیں پڑھتا[2]۔ نماز کا بھی فدیہ ہی دیا جاتا ہے، تو روزے کیسے رکھ سکتا ہے۔ جبکہ نماز بمقابلہ روزہ زیادہ اہم ہے۔ نیز

---

[1]۔ اگر مرنے والے نے وصیت کر دی ہے تو وصیت تہائی مال میں جاری ہو گی۔ اور اگر وصیت نہ کی ولی اپنی طرف سے فدیہ دیدے تو جائز ہے۔ مگر ولی پر فدیہ دینا واجب نہیں ہے۔

[2]۔ اس پر اجماع کہ عباداتِ بدنیہ میں نیابت جاری نہیں ہوتی۔ یعنی یہ جائز نہیں ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کی طرف سے روزہ رکھے یا نماز پڑھے۔ یہ گفتگو محض عباداتِ بدنیہ نماز روزے میں نیابت کے متعلق ہے۔ رہا اپنے کسی بھی نیک عمل (عبادات) کا ثواب بخشنا۔ یہ دوسری چیز ہے اور بالاتفاق جائز ہے۔

[3]۔ یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے مگر مرفوع کے حکم میں ہے۔ کیونکہ صحابہ کے وہ اقوال جو عقل سے وراء ہوں وہ مرفوع کے حکم میں ہوتے ہیں کہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے سن کر ہی ایسا فرمایا ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ میں بھی امام اعظم ابو حنیفہ کے دلائل بہت قوی ہیں۔ خصوصًا ایسی صورت میں جبکہ حدیث زیر بحث جس سے ولی کو روزہ رکھنے کا استدلال کیا جا رہا ہے۔ غیر محفوظ ہے۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے تصریح فرمائی ہے فقال ابو عبد الله ليس بمحفوظ هذا من قبل عبيد الله بن ابي جعفر وهو منكر الاحاديث وكان فقيها۔ واما الحديث فليس هو فيه بذاك (عینی)

حدیث ابن عمر جسے ترمذی نے روایت کیا:

• عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ فَلْيُطْعِمْ عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِينًا۔

حضرت نافع سے وہ ابن عمر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی، حضور نے فرمایا۔ جو شخص مرگیا اور اس پر رمضان کے روزے آتے ہوں تو اس کی طرف سے ہر دن کی جگہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا جائے۔

• عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ أُمِّي مَاتَتْ وَعَلَيْهَا صَوْمُ شَهْرٍ أَفَأَقْضِيهِ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَدَيْنُ اللهِ أَحَقُّ أَنْ يُقْضَى قَالَ سُلَيْمَانُ فَقَالَ الْحَكَمُ وَسَلَمَةُ وَنَحْنُ جَمِيعًا جُلُوسٌ حِينَ حَدَّثَ مُسْلِمٌ بِهَذَا الْحَدِيثِ قَالَ سَمِعْنَا مُجَاهِدًا يَذْكُرُ هَذَا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَيُذْكَرُ عَنْ أَبِي خَالِدٍ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنِ الْحَكَمِ وَمُسْلِمٍ الْبَطِينِ وَسَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ وَعَطَاءٍ وَمُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَتِ امْرَأَةٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أُخْتِي مَاتَتْ وَقَالَ يَحْيَى وَأَبُو مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ سَعِيدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَتِ امْرَأَةٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أُمِّي مَاتَتْ وَقَالَ عُبَيْدُ اللهِ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَبِي أُنَيْسَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ سَعِيدِ ابْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَتِ امْرَأَةٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أُمِّي مَاتَتْ وَعَلَيْهَا صَوْمُ نَذْرٍ وَقَالَ أَبُو حَرِيزٍ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَتِ امْرَأَةٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَتْ أُمِّي وَعَلَيْهَا صَوْمُ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ میری والدہ کا انتقال ہوگیا ہے اور ان کے ذمّے ایک مہینے کے روزے باقی رہ گئے ہیں۔ کیا میں ان کی طرف سے قضا کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں اللہ تعالیٰ کا قرض اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اسے ادا کر دیا جائے۔ سلیمان نے بیان کیا کہ حکم اور سلمہ نے کہا، جب مسلم نے یہ حدیث بیان کی تو ہم سب وہیں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان دونوں حضرات نے فرمایا کہ ہم نے مجاہد سے بھی سنا تھا کہ وہ یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے تھے۔ ابو خالد سے روایت ہے کہ ان سے اعمش نے حدیث بیان کی، ان سے حکم مسلم بطین اور سلمہ بن کہیل نے۔ ان سے سعید بن جبیر، عطاء اور مجاہد نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے کہ ایک خاتون نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ میری "بہن" کا انتقال ہوگیا ہے۔ یحییٰ اور ابو معاویہ نے بیان کیا ان سے اعمش نے حدیث بیان کی، ان سے مسلم نے، ان سے سعید نے اور ان سے عباس رضی اللہ عنہ نے کہ ایک خاتون نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ میری والدہ کا انتقال ہوگیا ہے اور عبید اللہ نے بیان کیا، ان سے زید بن ابی انیسہ نے، ان سے حکم نے، ان سے سعید بن جبیر نے اور ان سے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہ ایک خاتون نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ میری والدہ کا انتقال ہوگیا ہے اور ان پر نذر کے روزے واجب تھے (جنھیں وہ اپنی زندگی میں رکھ نہ سکی تھیں) اور ابو حریز نے بیان کیا۔ ان سے عکرمہ نے حدیث بیان کی، اور ان سے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہ ایک خاتون نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کی خدمت میں عرض کی کہ میری والدہ کا انتقال ہوگیا ہے اور ان پر پندرہ دن کے روزے واجب تھے۔

اس حدیث سے بھی یہ استدلال کیا گیا کہ جس کے ذمہ رمضان کے روزے ہوں اور وہ مر جائے تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے۔ احناف کی طرف سے اس استدلال کا جواب وہی ہے جو اوپر حدیث عائشہ سے متعلق بیان ہوا۔ مزید یہ کہ آیاتِ قرآنیہ:

ان لیس للانسان الا ما سعٰی۔ ولا تکسب کل نفس الا علیها۔ ولا تزر وازرة وزر اخری سے یہ واضح ہے کہ عباداتِ بدنیہ سے نیابت جاری نہیں ہوتی۔

نیز یہ حدیث اس حدیث کے معارض ہے جسے امام نسائی نے حضرت ابن عباس ہی سے روایت کیا ہے کہ:

لَا یُصَلِّی اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ وَلَا یَصُوْمُ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ وَلٰکِنْ یُطْعِمُ عَنْهُ مَکَانَ کُلِّ یَوْمٍ۔

کوئی شخص کسی طرف سے روزے رکھے اور نہ کسی کی طرف سے نماز پڑھے لیکن ہر روز کی جگہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔ لہٰذا مذکورہ بالا استدلال درست نہیں۔[1]

بَابُ مَتٰی یَحِلُّ فِطْرُ الصَّآئِمِ

باب روزہ کس وقت افطار کرنا چاہیئے۔

- وَاَفْطَرَ اَبُوْسَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیُّ حِیْنَ غَابَ قُرْصُ الشَّمْسِ

اور ابوسعید خدری نے اس وقت روزہ افطار کیا جبکہ سورج کی ٹکیہ ڈوب گئی۔

- سَمِعْتُ عَاصِمَ بْنَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَقْبَلَ اللَّیْلُ مِنْ هٰهُنَا وَاَدْبَرَ النَّهَارُ مِنْ هٰهُنَا وَغَرَبَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ اَفْطَرَ الصَّآئِمُ

حضرت عاصم ابن عمر بن الخطاب اپنے والد سے راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جب رات ادھر سے رخ کرے اور دن ادھر سے پیٹھ موڑے اور سورج غروب ہوجائے تو روزے کے افطار کا وقت ہوگیا۔

مطلب حدیث یہ ہے۔ سورج کے غروب ہوجانے کے بعد فوراً روزہ افطار کر لینا چاہیئے۔ چنانچہ ابوداؤد اور ابن ماجہ کی حدیث

---

[1] یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ امام نسائی نے حضرت ابن عباس سے یہ فتویٰ نقل فرمایا کہ کوئی کسی کی طرف سے روزے نہ رکھے بلکہ اس کی طرف سے مسکین کو کھانا کھلا دے۔ سیدنا امام مالک نے فرمایا۔ میں نے کسی صحابی یا تابعی کے متعلق یہ نہیں سنا کہ انہوں نے کسی کو کسی کی طرف سے روزہ یا نماز ادا کر دینے کی اجازت دی ہو۔ رواہ النسائی عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یصوم احد عن احد ولکن یطعم عنه وعن ابن عمر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مات وعلیه صوم شهر فلیطعم عنه مکان کل یوم مسکینا۔ قال القرطبی فی شرح الموطا اسناد حسن۔ اور ضابطہ یہ ہے کہ صحابی کا اپنی روایت کے خلاف روایت کرنا نسخ کی دلیل ہے۔ کیونکہ صحابی سے یہ ممکن نہیں ہے کہ جو بات اس نے حضور سے روایت کی اس کے خلاف روایت کرے یا فتویٰ دے۔ لہٰذا سب سے اچھا جواب یہ ہے کہ میت کی طرف سے روزہ قضا کرنے والی روایت منسوخ ہے۔

میں یہاں تک فرمایا:

لَا یَزَالُ الدِّیْنُ ظَاهِرًا مَا عَجَّلَ النَّاسُ الْفِطْرَ لِاَنَّ الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی یُؤَخِّرُوْنَ۔	دین غالب رہے گا جب تک لوگ جلدی افطار کرتے رہیں۔ کیونکہ یہود و نصاریٰ افطار میں تاخیر کرتے ہیں۔

فوائد و مسائل مطلب حدیث یہ ہے کہ سورج کے غروب ہوتے ہی فوراً افطار کر لیا جائے۔ تاخیر نہ کی جائے۔ آیت ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی اللَّیْلِ سے افطار میں جلدی کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ آیت میں فِی اللَّیْلِ نہیں فرمایا۔۔۔ بلکہ اِلَی اللَّیْلِ فرمایا۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ روزے کو رات میں داخل نہ کرو۔ بلکہ رات آتے ہی فوراً روزہ افطار کرلو۔

افطار میں جلدی کرنا مستحب ہے افطار میں جلدی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب سورج کے غروب ہوجانے کا یقین ہوجائے فوراً افطار کر لیا جائے۔ غروب کے بعد دیر نہ کی جائے۔ یہ کہ مغرب سے قبل افطار کرلیا جائے۔ مغرب کی نماز پڑھ کر افطار کرنا بداہت حدیث کے خلاف ہے۔ اسی طرح تاروں کے روشن ہوجانے تک افطار میں دیر کرنا مکروہ ہے۔ کہ اس وقت یہودی افطار کرتے ہیں۔۔۔ جلدی افطار کرنے میں اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی بندگی و عجز کا اظہار اور اس کی دی ہوئی اجازت کو جلدی قبول کرنا ہے (مرقات)

ترمذی کی حدیث میں ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میرے بندوں میں مجھے

اَحَبُّ عِبَادِیْ اِلَیَّ اَعْجَلُهُمْ فِطْرًا۔	وہ بہت پیارے ہیں جو افطار جلدی کریں۔

ترمذی کی حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام نماز مغرب سے پہلے چند کھجوروں سے روزہ افطار فرماتے تھے۔ یُفْطِرُ قَبْلَ اَنْ یُّصَلِّیَ جس سے واضح ہوا کہ روزہ دار کو نماز مغرب سے قبل افطار کرنا چاہیئے۔ یہی سنت ہے۔ تین یا پانچ کھجوریں افطار کے وقت کھانا مسنون ہے۔

حدیث ابوداؤد میں ہے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں کوئی

اِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ اَحَدُکُمْ وَالْاِنَاءُ فِیْ یَدِهٖ فَلَا یَضَعْهُ حَتّٰی یَقْضِیَ حَاجَتَهٗ مِنْهُ	اذان سنے اور برتن اس کے ہاتھ میں ہو تو اپنی ضروریات پوری کیے بغیر اسے نہ رکھے۔

مطلب حدیث یہ ہے کہ اگر بوقت افطار اذان ہو رہی ہے۔ تم افطار کرتے رہو اور افطار کے بعد مغرب کی نماز پڑھو یا سحری کے وقت اگر اذانِ فجر ہوجائے اور تمہیں معلوم ہو ابھی صبح صادق نہیں ہوئی، سحری کا وقت باقی ہے۔ مؤذن نے غلطی سے جلدی اذان کہہ دی ہے، تو اس صورت میں سحری کھاتے رہو۔ ہاں جب وقت ختم ہوجائے یا اذان ٹھیک ختم سحری پر دی جائے تو پھر نہ کھاؤ۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور سیدِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نماز مغرب سے قبل چند

یُفْطِرُ قَبْلَ اَنْ یُّصَلِّیَ عَلٰی رُطَبَاتٍ (ترمذی)	تر کھجوروں سے روزہ افطار فرماتے تھے۔

فوائد و مسائل اس حدیث سے واضح ہوا نماز مغرب سے پہلے روزہ افطار کیا جائے۔ نماز مغرب کے بعد افطار کرنا سنت کے خلاف ہے اور یہ کہ تین یا پانچ کھجوروں سے افطار کرنا مسنون ہے۔

- کھجور سے روزہ افطار کرنا حضور علیہ السلام کی سنت ہے۔ نیز خالی پیٹ میٹھی چیز کھانا صحت کے لیے مفید ہے۔ خصوصاً نظر کے لیے اسی لیے حضور نے فرمایا کہ روزہ کھجور سے افطار کرو۔۔۔ فَاِنَّهٗ بَرَکَةٌ۔۔۔ کہ اس میں برکت ہے۔

اگر کھجور نہ ملے تو پھر پانی سے افطار کرلو ـــــ فَاِنَّهٗ طَهُوْرٌ ـــــ کہ یہ پاک کرنے والا ہے

بَابُ يُفْطِرُ بِمَا تَيَسَّرَ بِالْمَآءِ وَغَيْرِهٖ

باب جو میسّر ہو اس سے افطار کرلے پانی یا کوئی اور چیز

اسی عنوان کے ماتحت امام بخاری نے حدیث ابن اوفیٰ ذکر کی ہے جو اسی حصہ کے صہ پر گزر چکی ہے۔ جس میں یہ ہے حضور علیہ السلام نے ستو سے روزہ افطار فرمایا۔ جس سے یہ واضح ہوا کہ کھجور سے روزہ افطار کرنا واجب و لازم نہیں ہے پانی یا جو چیز ہو اس سے روزہ افطار کیا جاسکتا ہے (۲) حدیث مَنْ وجد تمرا فلیفطر ومن لا فلیفطر علی الماء میں امر وجوب کے لیے نہیں ہے۔ امام بخاری نے عنوان میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

بَابُ تَعْجِيْلِ الْاِفْطَارِ

باب روزہ افطار کرنے میں جلدی کرنا

عَنْ سَهْلِ ابْنِ سَعْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَّا عَجَّلُوا الْفِطْرَ۔

حضرت سہل بن سعد سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک لوگ روزہ افطار کرنے میں جلدی کریں گے بھلائی میں رہیں گے۔

اس حدیث میں یہود و نصاریٰ کا رد ہے جو تاروں نکلنے تک افطار میں تاخیر کرتے ہیں۔ افطار میں جلدی اور سحری میں تاخیر مستحب ہے۔ صحابہ کرام کا یہی معمول تھا (۲) اسی عنوان کے ماتحت امام بخاری نے حدیث عبداللہ بن ابی اوفیٰ ذکر کی ہے جو اوپر صہ پر گزر چکی ہے۔ جس سے یہی واضح ہوتا ہے کہ افطار میں جلدی مستحب ہے۔ باب کے مناسب حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

اِذَا رَأَيْتَ اللَّيْلَ قَدْ اَقْبَلَ مِنْ هٰهُنَا فَقَدْ اَفْطَرَ الصَّآئِمُ۔ (بخاری)

حضور علیہ السلام نے فرمایا جب تم رات کو دیکھو کہ اس طرف سے آگئی ہے تو روزہ دار کو روزہ کھول دینا چاہیے۔ (بخاری)

بَابُ اِذَا اَفْطَرَ فِيْ رَمَضَانَ ثُمَّ طَلَعَتِ الشَّمْسُ

باب جب کہ کوئی (یہ سمجھ کر کہ سورج غروب ہوگیا) رمضان کا روزہ کھول لے اور پھر سورج نکل آئے (تو کیا کرے)

عَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ اَبِيْ بَكْرٍ قَالَتْ اَفْطَرْنَا عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ غَيْمٍ ثُمَّ طَلَعَتِ الشَّمْسُ قِيْلَ لِهِشَامٍ فَاُمِرُوْا بِالْقَضَاءِ قَالَ بُدٌّ مِّنْ قَضَآءٍ وَّقَالَ مَعْمَرٌ

حضرت اسماء بنت ابی بکر سے مروی ہے۔ انھوں نے کہا ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ابر والے دن (یہ سمجھ کر کہ سورج غروب ہو چکا ہے)، روزہ افطار کر لیا (پھر تھوڑی دیر کے بعد) سورج نکل آیا۔ ہشام

سَمِعْتُ هِشَامًا لَا أَدْرِي أَقَضَوْا أَمْ لَا۔

سے دریافت کیا گیا کہ کیا انہیں اس روزہ کی قضا کا حکم دیا گیا تھا؟ اُنہوں نے کہا قضا کے بغیر کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ اور معمر نے کہا میں نے ہشام سے سُنا کہ مجھے معلوم نہیں کہ انھوں نے اس کی قضا کی یا نہیں (بخاری)۔

فوائد و مسائل اس مسئلہ[1] میں بھی اختلاف ہے۔ حضرت ابن سیرین و سعید بن جبیر، واوزاعی ثوری امام مالک و شافعی و احمد و اسحاق کا یہی مذہب ہے کہ مذکورہ بالا صورت سے صرف قضا لازم ہے کفارہ نہیں۔ جیسا کہ حدیث زیر بحث سے واضح ہے ——— بہرحال مسئلہ یہ ہے:

- اگر غروب سمجھ کر افطار کرلیا۔ حالانکہ دن باقی تھا۔ سورج غروب نہیں ہوا تھا۔ تو جو دن باقی رہ گیا ہے اسے روزہ کی طرح گزارنا لازم ہے۔ اور اس دن کی قضا کرلے کفارہ نہیں۔
- علامہ ابن حجر نے اس حدیث کے تحت یہ تصریح کی ہے کہ جمہور کے نزدیک قضا واجب ہے۔ اور
- امام محمد علیہ الرحمۃ نے موطا میں فرمایا جس نے اس گمان پر کہ سورج غروب ہوگیا روزہ افطار کرلیا پھر معلوم ہوا کہ سورج غروب نہیں ہوا تھا تو بقیہ دن روزے کی طرح گزار دے اور اس روزہ کی قضا کرلے۔ سیدنا امام اعظم اور تمام ائمہ کا یہی مذہب ہے (مرقات)

لا ادری اقضوا ام لا۔ وظاهره هذه تعارض التى قبلها لكن يجمع بان جزمه بالقضاء محمول انه استند فيه الى دليل اخر واما حديث اسماء فلا يحفظ فيه اثباتُ القضاء ولا نفيه۔ فافهم۔

بَابُ صَوْمِ الصِّبْيَانِ

باب بچوں کے روزہ کا بیان

عُمَرُ لِنَشْوَانٍ فِي رَمَضَانَ وَيْلَكَ وَصِبْيَانُنَا صِيَامٌ فَضَرَبَهُ (بخاری)

اور حضرت عمر نے رمضان میں شراب میں مدہوش آدمی سے فرمایا۔ او بدنصیب! ہمارے بچے تو روزہ سے ہیں۔ اور تُو نے شراب پی رکھی ہے۔ پھر اسے حد لگائی۔

عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ قَالَتْ أَرْسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَدَاةَ عَاشُوْرَاءَ إِلَى قُرَى الْأَنْصَارِ مَنْ أَصْبَحَ مُفْطِرًا فَلْيُتِمَّ بَقِيَّةَ يَوْمِهِ وَمَنْ أَصْبَحَ صَائِمًا فَلْيَصُمْ قَالَتْ فَكُنَّا نَصُوْمُهُ بَعْدُ وَنُصَوِّمُ صِبْيَانَنَا وَنَجْعَلُ

حضرت ربیع بنت معوذ سے مروی ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے محرم کی دسویں تاریخ کی صبح کو انصار کے محلوں کی طرف ایک آدمی کو یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا کہ جس نے روزہ نہیں رکھا وہ بقیہ دن بغیر کھائے پئے گزارے اور جس نے روزہ رکھا ہے وہ روزہ رکھا رہے

---

[1] امام احمد کی رائے یہ ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں جماع کیا تو کفارہ لازم ہے۔ اور مجاہد و عطاء و عروۃ بن الزبیر کہتے ہیں کہ [illegible] نہیں۔ جیسے سہواً کھا لیا۔ یہ بھی اسی قبیل سے ہے (عینی)

لَهُمُ اللُّعْبَةَ مِنَ الْعِهْنِ فَاِذَا بَكَى اَحَدُهُمْ عَلَى الطَّعَامِ اَعْطَيْنَاهُ ذَاكَ حَتّٰى يَكُوْنَ عِنْدَ الْاِفْطَارِ۔ (بخاری)

ربیع نے کہا اس کے بعد ہم خود بھی روزہ رکھتے تھے اور اپنے بچوں کو بھی رکھواتے تھے۔ اور اُن کے کھیلنے کے لیے ایک کھلونا بنا دیتے تھے۔ جب ان بچوں میں سے کوئی بچہ کھانے کے لیے روتا تو ہم وہ کھلونا اسے دے دیتے وہ اس سے بہل جاتا۔ حتیٰ کہ روزہ کھولنے کا وقت ہو جاتا۔

فوائد و مسائل

۱۔ اگرچہ نابالغ پر نماز روزہ فرض نہیں ہے۔ مگر عہدِ نبوی میں بچے بھی روزے رکھتے تھے تاکہ ان کو عادت پڑے اور بالغ ہو کر آسانی سے اس عبادت کو ادا کر سکیں۔

۲۔ بچہ جب گیارھویں سال میں قدم رکھے تو ولی پر لازم ہے کہ وہ ان سے روزہ و نماز کی پابندی کرائے اور اس معاملہ میں سختی کرے۔ مگر یہ سختی کا حکم اس صورت میں ہے جبکہ بچہ روزہ رکھنے کی طاقت رکھے اور روزہ اس کی صحت کو مضر نہ ہو۔ اگر نابالغ بچہ ایسا کمزور ہے کہ روزہ کی طاقت نہیں رکھتا۔ تو ایسی صورت میں ولی کو یہ جائز نہیں ہے کہ وہ بچہ کو روزہ رکھنے پر مجبور کرے۔

۳۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ نابالغ کی عبادت صحیح و درست ہے۔

بَابُ الْوِصَالِ وَمَنْ قَالَ لَيْسَ فِي اللَّيْلِ صِيَامٌ

باب متواتر روزے رکھنے کا بیان اور جس نے یہ کہا کہ رات کو روزہ نہیں ہو سکتا

- لِقَوْلِهِ تَعَالٰى ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى اللَّيْلِ وَنَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهُ رَحْمَةً لَهُمْ وَاِبْقَاءً عَلَيْهِمْ وَمَا يُكْرَهُ مِنَ التَّعَمُّقِ

اللہ تعالیٰ نے (سورۃ بقرہ میں) فرمایا۔ رات تک روزہ پورا کرو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت پر مہربانی اور ان کی طاقت برقرار رکھنے کے لیے پے درپے روزے رکھنے سے منع فرمایا ہے اور عبادت میں سختی کرنا مکروہ ہے۔

- عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُوَاصِلُوْا قَالُوْا اِنَّكَ تُوَاصِلُ قَالَ لَسْتُ كَاَحَدٍ مِّنْكُمْ اِنِّيْ اُطْعَمُ وَاُسْقٰى اَوْ اِنِّيْ اَبِيْتُ اُطْعَمُ وَاُسْقٰى۔

حضرت انس سے مروی ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا (بلا سحر و افطار) مسلسل روزے نہ رکھا کرو (صوم وصال) صحابہ نے عرض کی۔ آپ تو وصال فرماتے ہیں۔ حضور نے فرمایا میں تم میں سے کسی طرح نہیں ہوں۔ مجھے کھلایا پلایا جاتا ہے میں اس طرح رات گزارتا ہوں کہ مجھے کھلایا اور سیراب کیا جاتا ہے۔

- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوِصَالِ قَالُوْا اِنَّكَ تُوَاصِلُ قَالَ اِنِّيْ لَسْتُ مِثْلَكُمْ اِنِّيْ اُطْعَمُ وَاُسْقٰى۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم وصال سے منع فرمایا تو صحابہ نے عرض کی کہ آپ تو وصال کرتے ہیں؟ آں حضور نے فرمایا کہ میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔ مجھے تو کھلایا اور سیراب کیا جاتا ہے۔

- عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ اَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

کہا حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ

یَقُوْلُ لَا تُوَاصِلُوْا فَاَیُّکُمْ اِذَا اَرَادَ اَنْ یُّوَاصِلَ فَلْیُوَاصِلْ حَتّٰی السَّحَرِ قَالُوْا فَاِنَّکَ تُوَاصِلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اِنِّیْ لَسْتُ کَھَیْئَتِکُمْ اِنِّیْ اَبِیْتُ مُطْعِمٌ یُّطْعِمُنِیْ وَسَاقٍ یَّسْقِیْنِ۔

علیہ وسلم سے سُنا، آں حضور فرما رہے تھے کہ مسلسل (بلا سحر و افطار) روزے نہ رکھو۔ ہاں اگر کوئی وصال کرنا ہی چاہے تو وہ سحری کے وقت تک ایسا کر سکتا ہے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ آپ تو وصال کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، میں تمہاری طرح نہیں ہُوں ـــــــ میں تو رات اس طرح گزارتا ہُوں کہ ایک کھلانے والا کھلاتا ہے اور ایک پلانے والا پلاتا ہے"۔

• عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوِصَالِ رَحْمَۃً لَّھُمْ فَقَالُوْآ اِنَّکَ تُوَاصِلُ قَالَ اِنِّیْ لَسْتُ کَھَیْئَتِکُمْ اِنِّیْ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِ لَمْ یَذْکُرْ عُثْمَانُ رَحْمَۃً لَّھُمْ۔

حضرت عائشہ سے مروی ہے اُنھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال کے روزے رکھنے سے منع فرمایا۔ لوگوں پر رحم فرما کر۔ صحابہ نے کہا آپ بھی تو وصال کے روزے رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ میں تمہاری طرح نہیں ہُوں، مجھے تو میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے۔ عثمان بن ابی شیبہ نے لفظ رحمۃ لہم ذکر نہیں کیا۔

بَابُ التَّنْکِیْلِ لِمَنْ اَکْثَرَ الْوِصَالِ

باب جو وصال کے بکثرت روزے رکھے اُسے سزا دینا

• رَوَاہُ اَنَسٌ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

• عَنِ الزُّھْرِیِّ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبُوْ سَلَمَۃَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ اَبَا ھُرَیْرَۃَ قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوِصَالِ فِی الصَّوْمِ فَقَالَ لَہٗ رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ اِنَّکَ تُوَاصِلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ وَاَیُّکُمْ مِّثْلِیْ اِنِّیْ اَبِیْتُ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِ فَلَمَّا اَبَوْا اَنْ یَّنْتَھُوْا عَنِ الْوِصَالِ وَاصَلَ بِھِمْ یَوْمًا ثُمَّ یَوْمًا ثُمَّ رَاَوُا الْھِلَالَ فَقَالَ لَوْ تَاَخَّرَ لَزِدْتُّکُمْ کَالتَّنْکِیْلِ لَھُمْ حِیْنَ اَبَوْا اَنْ یَّنْتَھُوْا

• عَنْ ھَمَّامٍ اَنَّہٗ سَمِعَ اَبَا ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِیَّاکُمْ وَالْوِصَالَ مَرَّتَیْنِ قِیْلَ اِنَّکَ تُوَاصِلُ قَالَ اِنِّیْ اَبِیْتُ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِ فَاکْلَفُوْا مِنَ الْعَمَلِ

اس کو حضرت انس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ امام زہری سے مروی ہے۔ اُنھوں نے کہا مجھ سے ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن نے بیان کیا کہ حضرت ابو ہریرہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزوں کو ملا کر رکھنے سے منع فرمایا مسلمانوں میں سے ایک آدمی نے آپ سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ بھی تو روزے ملا کر رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ تم میں سے کون میری طرح ہے۔ مجھے تو میرا رب رات کے وقت کھلاتا اور پلاتا ہے۔ جب کہ وہ وصال سے باز نہ آئے تو آپ نے ان کے ساتھ ایک دن کچھ نہ کھایا۔ پھر دوسرے دن بھی کچھ نہ کھایا۔ پھر عید کا چاند نظر آ گیا۔ آپ نے فرمایا۔ اگر چاند نظر نہ آتا تو میں اور (کئی دن) نہ کھاتا۔ گویا یہ اُن کو بطور سزا کے فرمایا، جب کہ وہ وصال سے باز نہ آئے تھے۔

حضرت ہمام سے مروی [illegible] انھوں نے حضرت

مَا تُطِيقُونَ ۔

ابوہریرہ سے سُنا۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں ۔آپ نے فرمایا۔ وصال کے روزے سے بچو۔ دو مرتبہ فرمایا۔ کہا گیا۔ آپ بھی تو وصال کرتے ہیں ؟ آپ نے فرمایا۔ مجھے تو رات کو میرا رب کھلا اور پلا دیتا ہے۔ تم اتنی ہی تکلیف اٹھاؤ۔ جتنی تم کو طاقت ہے۔

بَابُ الْوِصَالِ إِلَى السَّحَرِ

باب سحری تک وصال کرنا

عَنْ أَبِي سَعِيدِنِ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تُوَاصِلُوا فَأَيُّكُمْ أَرَادَ أَنْ يُوَاصِلَ فَلْيُوَاصِلْ حَتَّى السَّحَرِ قَالُوا فَإِنَّكَ تُوَاصِلُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ إِنِّي أَبِيتُ لِي مُطْعِمٌ يُطْعِمُنِي وَسَاقٍ يَسْقِينِ۔

حضرت ابوسعید خُدری سے مروی ہے۔ اُنھوں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا آپ فرماتے تھے ملا کر روزے مت رکھو۔ اگر کسی کا ارادہ ہی وصال کا ہو تو سحری کے وقت تک وصال کر سکتا ہے۔ صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ! آپ تو وصال کرتے ہیں۔ آں حضورؐ نے فرمایا۔ میں تمھاری طرح نہیں ہوں رات کے وقت ایک کھلانے والا مجھے کھلاتا ہے اور ایک پلانے والا مجھے سیراب کرتا ہے۔

فوائد و مسائل | یہ تمام احادیث مسائل ذیل پر مشتمل ہیں:۔

۱۔ بلا سحر و افطار متواتر و مسلسل روزے رکھنا مطلوب و محمود نہیں۔

۲۔ عبادت و ریاضت میں میانہ روی کو اختیار کرنا چاہیے۔ اپنی طرف سے زیادتی و شدت نہیں کرنی چاہیے۔

۳۔ فنہاھم حضور نے صوم وصال سے منع فرمایا۔ علامہ کرمانی نے فرمایا۔ یہ نہی تحریمی ہے یا تنزیہی۔ اس میں اختلاف ہے۔ والظاھر الاول۔ اور ظاہر یہ ہے کہ نہی تحریمی ہے۔

۴۔ سیدنا امام اعظم، ابوحنیفہ، شافعی، مالک اور اہلِ فقہ کی ایک جماعت نے صوم وصال کو مکروہ قرار دیا ہے۔ (عینی)

وقال محمد فی الموطا الوصال مکروہ وھو قول ابی حنیفہ علیہ الرحمۃ

امام محمد نے موطا میں فرمایا کہ صوم وصال مکروہ ہے۔ امام اعظم کا بھی یہی قول ہے

واضح ہو کہ صوم وصال یعنی بلا سحر و افطار متواتر و مسلسل روزے رکھنا ممنوع ہے۔ یہ اس لیے بھی کہ رات کا روزہ مشروع نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ رات تک روزہ پورا کرو۔ ——— نیز عبادت و ریاضت میں سختی و شدت شارع علیہ السلام کو مطلوب نہیں ہے۔ اور حضور علیہ السلام کا صوم وصال رکھنا۔ یعنی مسلسل اور متواتر بلا سحر و افطار روزے رکھنا، تو اس کا جواب خود حضور نے ارشاد فرما دیا کہ میرا معاملہ دوسرا ہے۔ تم میں میری مثل کون ہے؟ یعنی کوئی نہیں۔ اس لیے صوم وصال حضور کی خصوصیات سے قرار پائیگا۔ اور عام لوگوں کے لیے ممنوع۔

۵۔ فاکلفومن الاعمال الخ سے واضح ہوا کہ عبادت و ریاضت میں اپنی طرف سے سختی و شدت اسلامی شریعت میں مشروع نہیں ہے۔ آدمی کو اسی قدر عبادت کرنی چاہیے جس کو نشاط کے ساتھ ہمیشہ کرتا رہے۔ ان احادیث میں ان تقویٰ بازوں اور خانہ ساز متقیوں کے

کے لیے بھی سبق ہے۔ جو شریعت اسلامیہ میں اپنی طرف سے زیادتی۔ شدت اور سختی اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

حضور کی بشریت

۱۔ ان احادیث میں یہ تصریح ہے کہ جب صحابہ کرام کو حضورؐ نے صوم وصال سے منع فرمایا تو انہوں نے عرض کی۔ حضورؐ آپ تو وصال فرماتے ہیں۔ تو حضورؐ نے اس کے جواب میں فرمایا:

• اَنِّیْ لَسْتُ مِثْلَکُمْ اِنِّیْ اُطْعَمُ وَاُسْقٰی۔	مَیں تمہاری مثل نہیں ہُوں مجھے کھلایا پلایا جاتا ہے۔
• لَسْتُ کَاَحَدٍ مِنْکُمْ اِنِّیْ اُطْعَمُ وَاُسْقٰی	مَیں تم میں سے کسی طرح نہیں ہُوں۔ مجھے کھلایا اور سیراب کیا جاتا ہے
• اِنِّیْ لَسْتُ کَھَیْئَتِکُمْ اِنِّیْ اَبِیْتُ لِیْ مُطْعِمٌ وَسَاقٍ یَّسْقِیْنِ۔	مَیں تمہاری طرح نہیں ہُوں میں رات اس طرح گزارتا ہُوں کہ ایک کھلانے والا کھلاتا ہے اور پلانے والا پلاتا ہے۔
• اِنِّیْ لَسْتُ کَھَیْئَتِکُمْ اِنِّیْ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِ۔	مَیں تمہاری طرح نہیں ہُوں۔ مجھے میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے۔
• اَیُّکُمْ مِثْلِیْ اِنِّیْ اَبِیْتُ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِیْ	تم میں میرا مثل کون ہے؟ میں رات گزارتا ہُوں مجھے میرا رب کھلا اور پلا دیتا ہے۔
• لَسْتُ کَھَیْئَتِکُمْ اِنِّیْ اَبِیْتُ لِیْ مُطْعِمٌ یُّطْعِمُنِیْ (بخاری ج ا ص ۲۶۳، ۲۶۵)	مَیں تمہاری طرح نہیں ہُوں، میں رات گزارتا ہُوں۔ ایک کھلانے والا مجھے کھلا دیتا ہے اور پلانے والا مجھے پلا دیتا ہے۔

۲۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان جوابات میں اپنی بشریت کے متعلق واضح طور پر یہ تصریح فرما دی کہ اگرچہ میں انسان ہُوں بشر ہوں۔ اللہ کا بندہ اور اس کی مخلوق ہُوں۔ مگر میری بشریت عام لوگوں کی بشریت کی طرح نہیں ہے۔ غور کیجئے کہ ایکم مثلی کے مخاطب کون ہیں؟ صحابہ کرام علیہ الرحمۃ والرضوان کہ جن کے مرتبہ ومقام کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ عام لوگ تو عام لوگ ہیں ہیں، غوث وقطب اوتاد وابدال۔ علماء وصلحاء واولیا بھی ان کی برابری نہیں کر سکتے ____ حضور ان کو مخاطب بنا کر فرما رہے ہیں:

"ایکم مثلی۔ تم میں میرا مثل کون ہے؟ لست کاحد منکم۔ تم میں کوئی بھی میری طرح نہیں ہے"۔

جب صحابہ کرام کا مقدس گروہ حضور کی مثل نہیں۔ حضور کی طرح نہیں تو ہم آپ حضور کی مثل اور حضور کی طرح کیسے ہو سکتے ہیں:

سچی بات تو یہ ہے کہ ؎

بشر ضرور ہیں پر داخلِ انام نہیں | شمار دانۂ تسبیح میں امام نہیں

چنانچہ صحابہ کرام بارگاہِ نبوت میں عرض کیا کرتے تھے:۔

قَالُوْا اِنَّا لَسْنَا کَھَیْئَتِکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ (بخاری ج ۱ ص ۲۶۳) | یارسُول اللہ ہم آپ کی طرح نہیں ہیں۔

اس لئے یہ کتنا حق وصواب ہے کہ حضور سرورِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مطہر سے ہمسری وبرابری کا دعویٰ کرنا اعلیٰ درجہ کی گمراہی وبے دینی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور کی تعظیم وتوقیر کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

بَابُ مَنْ اَقْسَمَ عَلٰى اَخِيْهِ لِيُفْطِرَ فِي التَّطَوُّعِ وَلَمْ يَرَ عَلَيْهِ قَضَاءً اِذَا كَانَ اَوْفَقَ لَهُ

باب کسی نے اپنے بھائی کو نفلی روزہ توڑنے کے لیے قسم دی۔ اگر عذر واقعی ہے تو توڑنے والے پر قضا واجب نہیں۔

عَنْ عَوْنِ بْنِ اَبِیْ جُحَیْفَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ اٰخَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ سَلْمَانَ وَاَبِي الدَّرْدَاءِ فَزَارَ سَلْمَانُ اَبَا الدَّرْدَاءِ فَرَاٰى اُمَّ الدَّرْدَاءِ مُتَبَذِّلَةً فَقَالَ لَهَا مَا شَاْنُكِ قَالَتْ اَخُوْكَ اَبُو الدَّرْدَاءِ لَيْسَ لَهُ حَاجَةٌ فِي الدُّنْيَا فَجَاءَ اَبُو الدَّرْدَاءِ فَصَنَعَ لَهُ طَعَامًا فَقَالَ كُلْ قَالَ فَاِنِّيْ صَائِمٌ قَالَ مَا اَنَا بِاٰكِلٍ حَتّٰى تَاْكُلَ قَالَ فَاَكَلَ فَلَمَّا كَانَ اللَّيْلُ ذَهَبَ اَبُو الدَّرْدَاءِ يَقُوْمُ قَالَ نَمْ فَنَامَ ثُمَّ ذَهَبَ يَقُوْمُ فَقَالَ نَمْ فَلَمَّا كَانَ مِنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ قَالَ سَلْمَانُ قُمِ الْاٰنَ فَصَلَّيَا فَقَالَ لَهُ سَلْمَانُ اِنَّ لِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلِاَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا فَاَعْطِ كُلَّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهُ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَ سَلْمَانُ.

عون بن ابی جحیفہ نے اپنے والد کے واسطہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہما میں مواخات کرائی تھی (ہجرت کے بعد) ایک مرتبہ سلمان رضی اللہ عنہ، ابودرداء رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لیے گئے تو ام درداء رضی اللہ عنہا کو بہت پھٹے پرانے حال میں دیکھا، ان سے پوچھا کہ یہ حالت کیوں بنا رکھی ہے؟ ام درداء نے جواب دیا کہ تمھارے بھائی ابوالدرداء دنیا کی طرف کوئی توجہ نہیں رکھتے۔ پھر ابودرداء تشریف لائے اور ان کے سامنے کھانا حاضر کیا۔ پھر کہا کہ تناول کیجیے۔ یہ بھی کہا کہ میں روزے سے ہوں۔ اس پر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس وقت تک نہیں کھاؤں گا جب تک آپ خود بھی شریک نہ ہوں۔ بیان کیا کہ پھر وہ کھانے میں شریک ہو گئے (اور روزہ توڑ دیا) رات ہوئی تو ابودرداء عبادت کے لیے اٹھے۔ سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سو جائیے۔ چنانچہ سو گئے۔ پھر (تھوڑے سے وقفہ کے بعد) عبادت کے لیے اٹھے اور اس مرتبہ بھی سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سو جائیے۔ پھر جب رات کا آخری حصہ ہوا تو سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اچھا اب اٹھیے۔ چنانچہ دونوں نے نماز پڑھی اس کے بعد سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کے رب کا بھی آپ پر حق ہے۔ آپ کی جان کا بھی آپ پر حق ہے اور آپ کی بیوی کا بھی آپ پر حق ہے۔ اس لیے ہر صاحب حق کے حق کی ادائیگی کرنی چاہیے۔ پھر آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ سلمان نے سچ کہا۔

فوائد و مسائل ا۔ مطلب حدیث یہ ہے کہ نفلی عبادت و ریاضت میں اس درجہ مشغول ہو جانا کہ نہ اپنی خبر رہے اور نہ اپنے اہل و عیال کی یہ بہت ہی غیر مناسب ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہی کیفیت تھی۔ وہ دن میں روزے رکھتے اور رات نماز میں گزارتے۔ دارقطنی کی روایت میں ہے کہ انہیں دنیا کی عورتوں کی طرف کوئی توجہ نہ تھی۔ رات دن عبادت و ریاضت

میں سرگرم رہتے تھے۔ حضرت ابودرداء کی اہلیہ بھی بڑی درجہ کی صحابیہ اور صحابی کی صاحبزادی تھیں۔ مگر ان کی غیر معمولی طور پر عبادت میں جبر و مشقت کو پسند نہ کرتی تھیں ــــــ حضرت سلمان فارسی نے انہیں سمجھایا کہ عبادات میں اتنی زیادتی کر بندوں کے واجبی حقوق بھی ادا نہ کیے جائیں ٹھیک نہیں ہے اور یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے دیا ہے تو ایسی صورت میں ردی اور پھٹے پرانے کپڑوں میں گزر کرنا بھی ٹھیک نہیں ہے۔ یہ ہی حضور کی ہدایت اور آپ کا حکم ہے۔

۲۔ واضح ہو کہ نفلی روزہ خواہ عذر کی وجہ سے یا بلا عذر توڑ دیا جائے تو اس کی قضا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نفلی عبادات کا انسان کو مکلف نہیں بنایا۔ لیکن جیسے نذر مان لینے سے واجب ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی نفل شروع کرنے سے واجب ہو جاتے ہیں اس لیے اگر کسی نے نفلی روزہ یا نماز شروع کر دی، پھر توڑ دی تو اس کی قضا واجب ہو گی۔

۳۔ نفلی روزہ بلا عذر توڑنا ٹھیک نہیں۔ عذر ہو تو توڑنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ جیسے مہمان آ گئے۔ اگر خود نہ کھلائے تو ان کے ملال خاطر کا سبب ہو گا۔ اس لیے توڑ دے تو حرج نہیں۔

۴۔ امام بخاری کی رائے یہ ہے کہ اگر نفلی روزہ کسی عذر کی وجہ سے توڑ دے تو قضاء واجب نہیں۔ امام بخاری زیر بحث حدیث سے بایں طور استدلال کرتے ہیں کہ حضرت ابودرداء نے سلمان فارسی کے لیے کھانا پکایا اور وہ نفلی روزے سے تھے تو انھوں نے افطار کر لیا۔ حضور کو اطلاع دی گئی تو آپ نے قضاء کا حکم نہیں دیا۔ لیکن امام بخاری کا یہ استدلال متعدد وجوہ سے درست نہیں۔

اوّل۔ اس لیے کہ قضاء کا وجوب متعدد دوسری حدیثوں سے بالتصریح ثابت و واضح ہے:۔

حضرت حفصہ و عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نفلی روزہ افطار کر لیا تو حضور نے فرمایا: کہ

اس کی جگہ دوسرا روزہ رکھ لو۔	اِقضیا یومًا اٰخر مکانہ'

دوم۔ نیز قرآن مجید میں فرمایا لا تبطلوا اعمالکم۔ اعمال عام ہیں خواہ روزہ ہو یا نماز۔ ان کو باطل کرنے سے منع کیا گیا۔ لہٰذا قضا واجب قرار پائی۔ تاکہ جس عبادت کو آدمی نے شروع کر کے باطل کیا ہے اس سے عہدہ برآ ہو سکے۔

بَابُ صَوْمِ شَعْبَانَ

باب شعبان کے روزوں کے متعلق

• عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَصُوْمُ حَتّٰی نَقُوْلَ لَا یُفْطِرُ وَیُفْطِرُ حَتّٰی نَقُوْلَ لَا یَصُوْمُ فَمَا رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اسْتَکْمَلَ صِیَامَ شَہْرٍ اِلَّا رَمَضَانَ وَمَا رَاَیْتُہٗ اَکْثَرَ صِیَامًا مِّنْہُ فِیْ شَعْبَانَ۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھنے لگتے تو ہم (آپس میں) کہتے کہ اب آپ روزہ نہیں رکھیں گے اور جب روزہ چھوڑتے تو ہم کہتے کہ اب آپ روزہ نہ رکھیں گے۔ میں نے رمضان کو چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی پورے مہینہ کا روزہ رکھتے نہیں دیکھا اور جتنے روزے آپ شعبان میں رکھتے تھے، میں نے کسی مہینہ میں اس سے زیادہ روزے رکھتے آپ کو نہیں دیکھا۔

• اَنَّ عَائِشَۃَ حَدَّثَتْہُ قَالَتْ لَمْ یَکُنِ النَّبِیُّ

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ حضور شعبان سے

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَصُوْمُ شَھْرًا اَکْثَرَ مِنْ شَعْبَانَ فَاِنَّہٗ کَانَ یَصُوْمُ شَعْبَانَ کُلَّہٗ وَکَانَ یَقُوْلُ خُذُوْا مِنَ الْعَمَلِ مَا تُطِیْقُوْنَ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یَمَلُّ حَتّٰی تَمَلُّوْا وَاَحَبُّ الصَّلٰوۃِ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا دُوْوِمَ عَلَیْہِ وَاِنْ قَلَّتْ وَکَانَ اِذَا صَلّٰی صَلٰوۃً دَاوَمَ عَلَیْھَا۔

سے زیادہ اور کسی مہینہ میں روزے نہیں رکھتے تھے۔ شعبان کے اکثر ایام میں آپ روزے سے رہتے۔ آپ فرمایا کرتے عمل وہی اختیار کرو جس کی تم میں طاقت ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ (ثواب عطا فرمانے سے) نہیں رکتا جب تک تم خود ہی نہ اُکتا جاؤ۔ حضور اس نماز کو سب سے زیادہ پسند فرماتے جس پر ہمیشگی ہو۔ خواہ کم ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ حضور جب کوئی (نفل نماز) شروع فرماتے تو اسے ہمیشہ ادا کرتے تھے۔

بَابُ مَا یُذْکَرُ مِنْ صَوْمِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاِفْطَارِہٖ

باب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روزہ رکھنے اور نہ رکھنے کے متعلق روایات

• عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَا صَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَھْرًا کَامِلًا قَطُّ غَیْرَ رَمَضَانَ وَیَصُوْمُ حَتّٰی یَقُوْلَ الْقَائِلُ لَا وَاللّٰہِ لَا یُفْطِرُ وَیُفْطِرُ حَتّٰی یَقُوْلَ الْقَائِلُ لَا وَاللّٰہِ لَا یَصُوْمُ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رمضان کے سوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پورے مہینے کا روزہ نہیں رکھا۔ آپ روزہ رکھنے لگتے تو دیکھنے والا کہہ اٹھتا کہ بخدا اب آپ بے روزہ نہیں رہیں گے اور اسی طرح جب روزہ چھوڑ دیتے تو کہنے والا کہتا کہ بخدا، اب آپ روزہ نہیں رکھیں گے۔

• عَنْ حُمَیْدٍ اَنَّہٗ سَمِعَ اَنَسًا یَقُوْلُ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُفْطِرُ مِنَ الشَّھْرِ حَتّٰی نَظُنَّ اَنْ لَّا یَصُوْمَ مِنْہُ وَیَصُوْمُ حَتّٰی نَظُنَّ اَنْ لَّا یُفْطِرَ مِنْہُ شَیْئًا وَکَانَ لَا تَشَاءُ تَرَاہُ مِنَ اللَّیْلِ مُصَلِّیًا اِلَّا رَاَیْتَہٗ وَلَا نَائِمًا اِلَّا رَاَیْتَہٗ۔

حمید نے انس رضی اللہ عنہ سے سنا۔ آپ نے بیان کیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مہینہ میں بے روزہ کے رہتے تو ہمیں خیال گزرتا کہ اس مہینہ میں آپ روزہ رکھیں گے ہی نہیں اسی طرح کسی مہینہ میں روزے رکھنے لگتے تو ہم خیال کرتے کہ اب اس مہینہ کا ایک دن بھی بغیر روزے کے نہیں گزرے گا۔ تم جب چاہتے آں حضور کو رات میں نماز پڑھتے دیکھ سکتے تھے اور جب چاہتے سوتا ہوا دیکھ سکتے تھے۔

• اَخْبَرَنَا حُمَیْدٌ قَالَ سَاَلْتُ اَنَسًا عَنْ صِیَامِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا کُنْتُ اُحِبُّ اَنْ اَرَاہُ مِنَ الشَّھْرِ صَائِمًا اِلَّا رَاَیْتُہٗ وَلَا مُفْطِرًا اِلَّا رَاَیْتُہٗ وَلَا مِنَ اللَّیْلِ قَائِمًا اِلَّا رَاَیْتُہٗ وَلَا نَائِمًا اِلَّا رَاَیْتُہٗ وَلَا مَسِسْتُ خَزَّۃً وَّلَا حَرِیْرَۃً اَلْیَنَ مِنْ کَفِّ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

حمید نے کہا۔ میں نے انس رضی اللہ عنہ سے حضور کے روزوں کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ جب ہم چاہتے کہ آپ کو روزے سے دیکھیں تو روزے سے دیکھ لیتے اور بغیر روزے کے چاہتے تو بے روزے دیکھ لیتے۔ رات میں بحالت قیام دیکھنا چاہتے تو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیتے۔ اور اگر بحالت آرام دیکھنا چاہتے تو اس حالت

وَسَلَّمَ وَلَا شَمِمْتُ مِسْكَةً وَّلَا عَبِيْرَةً أَطْيَبُ رَائِحَةً مِّنْ رَّائِحَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

میں بھی دیکھ لیتے۔ میں نے نبی کریم کے دست مبارک سے زیادہ نرم ونازک خز وحریر (ریشم) کو نہ پایا اور نہ مشک وعبیر کو آپ کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ پایا

بَابُ حَقِّ الضَّيْفِ فِي الصَّوْمِ

باب روزہ میں مہمان کا حق

قَالَ حَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ عَمْرِو ابْنِ الْعَاصِ قَالَ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ يَعْنِيْ إِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَّإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا فَقُلْتُ وَمَا صَوْمُ دَاوُدَ قَالَ نِصْفُ الدَّهْرِ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہاں تشریف لائے پھر انھوں نے پوری حدیث بیان کی، یعنی یہی کہ تمھارے ملاقاتیوں کا بھی تم پر حق ہے اور تمھاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔ اس پر میں نے پوچھا اور داؤد علیہ السلام کا روزہ کیسا تھا؟ تو آپ نے فرمایا کہ ایک دن کا روزہ اور ایک دن بے روزے سے رہنا (صوم داؤدی ہے)

بَابُ حَقِّ الْجِسْمِ فِي الصَّوْمِ

باب روزے میں جسم کا حق

قَالَ حَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ أَلَمْ أُخْبَرْ أَنَّكَ تَصُوْمُ النَّهَارَ وَتَقُوْمُ اللَّيْلَ فَقُلْتُ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَلَا تَفْعَلْ صُمْ وَأَفْطِرْ وَقُمْ وَنَمْ فَإِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَّإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَّإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَّإِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَّإِنَّ بِحَسْبِكَ أَنْ تَصُوْمَ كُلَّ شَهْرٍ ثَلٰثَةَ أَيَّامٍ فَإِنَّ لَكَ بِكُلِّ حَسَنَةٍ عَشْرَ أَمْثَالِهَا فَإِنَّ ذٰلِكَ صِيَامُ الدَّهْرِ كُلِّهٖ فَشَدَّدْتُ فَشُدِّدَ عَلَيَّ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ أَجِدُ قُوَّةً قَالَ فَصُمْ صِيَامَ نَبِيِّ اللّٰهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَلَا تَزِدْ عَلَيْهِ قُلْتُ وَمَا كَانَ

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عبداللہ! کیا یہ اطلاع صحیح ہے کہ تم دن میں تو روزہ رکھتے ہو اور ساری رات نماز پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صحیح ہے۔ آں حضور نے فرمایا۔ لیکن ایسا نہ کرو، روزہ بھی رکھو اور بے روزے کے بھی رہو، نماز بھی پڑھو اور سوؤ بھی۔ کیونکہ تمھارے جسم کا بھی تم پر حق ہے۔ تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے۔ تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تم سے ملاقات کرنے والوں کا بھی تم پر حق ہے۔ بس یہی کافی ہے کہ ہر مہینہ میں تین دن روزہ رکھ لیا کرو۔ کیونکہ تمہیں ہر نیکی کا بدلہ دس گنا ملے گا۔ اور اس طرح یہ ساری عمر کا روزہ ہو جائے گا۔ لیکن میں نے اپنے پر سختی چاہی تو مجھ پر سختی کر دی گئی۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ

صِیَامُ نَبِیِّ اللّٰہِ دَاوٗدَ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ نِصْفُ الدَّھْرِ فَکَانَ عَبْدُ اللّٰہِ یَقُوْلُ بَعْدَ مَا کَبِرَ یَا لَیْتَنِیْ قَبِلْتُ رُخْصَۃَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

میں اپنے میں قوت پاتا ہوں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ پھر اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام کا روزہ رکھو اور اس سے آگے نہ بڑھو میں نے پوچھا، اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام کا روزہ کیا تھا؟ آپ نے فرمایا۔ ایک دن روزہ سے اور ایک دن بے روزے کے۔ بعد میں جب ضعیف ہو گئے۔ تو عبداللہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے کاش میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی رخصت مان لیتا۔

بَابُ صَوْمِ الدَّھْرِ

باب ساری عمر روزے سے رہنا

اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عَمْرٍو قَالَ اُخْبِرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنِّیْ اَقُوْلُ وَاللّٰہِ لَاَصُوْمَنَّ النَّھَارَ وَلَاَقُوْمَنَّ اللَّیْلَ مَا عِشْتُ فَقُلْتُ لَہٗ قَدْ قُلْتُہٗ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ قَالَ فَاِنَّکَ لَا تَسْتَطِیْعُ ذٰلِکَ فَصُمْ وَاَفْطِرْ وَقُمْ وَنَمْ وَصُمْ مِنَ الشَّھْرِ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ فَاِنَّ الْحَسَنَۃَ بِعَشْرِ اَمْثَالِھَا وَذٰلِکَ مِثْلُ صِیَامِ الدَّھْرِ قُلْتُ اِنِّیْ اُطِیْقُ اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِکَ قَالَ فَصُمْ یَوْمًا وَّاَفْطِرْ یَوْمَیْنِ قُلْتُ اِنِّیْ اُطِیْقُ اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِکَ قَالَ فَصُمْ یَوْمًا وَّاَفْطِرْ یَوْمًا فَذٰلِکَ صِیَامُ دَاوٗدَ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَھُوَ اَفْضَلُ الصِّیَامِ فَقُلْتُ اِنِّیْ اُطِیْقُ اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِکَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِکَ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک میری یہ بات پہنچائی گئی کہ "خدا کی قسم زندگی بھر میں دن میں تو روزے رکھوں گا اور ساری رات عبادت کروں گا۔" (آں حضور کے دریافت فرمانے پر) میں نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں میں نے یہ کہا ہے۔ آں حضور نے فرمایا۔ لیکن تمہارے اندر اس کی طاقت نہیں۔ اس لیے روزہ رکھو، لیکن بے روزے کے بھی رہو اور عبادت بھی کرو، لیکن سوؤ بھی۔ ہاں مہینے میں تین دن کے روزے رکھا کرو۔ نیکیوں کا بدلہ دس گنا ملتا ہے اس طرح یہ ساری عمر کا روزہ ہو جائے گا۔ میں نے کہا کہ میں اس سے بھی افضل کی طاقت رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ پھر ایک دن روزہ رکھا کرو اور دو دن بے روزے کے رہا کرو۔ میں نے پھر کہا کہ میں اس سے افضل کی طاقت رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن بے روزہ کے رہو کہ یہی داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے اور روزہ کا سب سے افضل طریقہ ہے۔ میں نے پھر عرض کی مجھے اس سے بھی افضل کی طاقت ہے۔ لیکن اس مرتبہ آپ نے فرمایا کہ اس سے افضل کوئی روزہ نہیں۔

بَابُ حَقِّ الْاَهْلِ فِی الصَّوْمِ

باب روزہ میں بیوی کا حق

رَوَاهُ اَبُوْ جُحَيْفَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اس کی روایت ابو جحیفہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کی ہے

عَبْدَ اللهِ بْنِ عَمْرٍو بَلَغَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ اَسْرُدُ الصَّوْمَ وَاُصَلِّي اللَّيْلَ فَاِمَّا اَرْسَلَ اِلَيَّ وَاِمَّا لَقِيْتُهُ فَقَالَ اَلَمْ اُخْبَرْ اَنَّكَ تَصُوْمُ وَلَا تُفْطِرُ وَتُصَلِّيْ فَصُمْ وَاَفْطِرْ وَقُمْ وَنَمْ فَاِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَظًّا وَاِنَّ لِنَفْسِكَ وَاَهْلِكَ عَلَيْكَ حَظًّا قَالَ اِنِّيْ لَاَقْوٰى لِذٰلِكَ قَالَ فَصُمْ صِيَامَ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ وَكَيْفَ قَالَ كَانَ يَصُوْمُ يَوْمًا وَّيُفْطِرُ يَوْمًا وَّلَا يَفِرُّ اِذَا لَاقٰى قَالَ مَنْ لِّيْ بِهٰذِهٖ يَا نَبِيَّ اللهِ قَالَ عَطَاءٌ لَّا اَدْرِيْ كَيْفَ ذَكَرَ صِيَامَ الْاَبَدِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَامَ مَنْ صَامَ الْاَبَدَ مَرَّتَيْنِ ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے سُنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ میں مسلسل روزے رکھتا ہوں اور ساری رات عبادت کرتا ہُوں۔ اب یا آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو میرے پاس بھیجا (مجھے بلانے کے لیے) یا خود میں نے آپ سے ملاقات کی۔ آپ نے دریافت فرمایا۔ کیا یہ اطلاع صحیح ہے کہ تم استواتر روزے رکھتے ہو اور ایک بھی نہیں چھوڑتے اور رات بھر نماز پڑھتے رہتے ہو؟ روزہ بھی رکھو اور بے روزہ کے بھی رہو عبادت بھی کرو اور سوؤ بھی، کیونکہ تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری جان کا بھی تم پر حق ہے اور تمھاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھ میں اس سے زیادہ کی طاقت ہے، تو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر داؤد علیہ السلام کی طرح روزہ رکھا کرو۔ انھوں نے کہا کہ وہ کس طرح؟ فرمایا کہ داؤد علیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے تھے، اور ایک دن بے روزہ کے رہتے تھے، اور جب دشمن سے مقابلہ ہوتا تو پیٹھ نہیں پھیرتے تھے۔ اس پر عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ اے اللہ کے نبی! میرے لیے یہ کیسے ممکن ہے (کہ میں فرار اختیار کروں) عطاء نے بیان کیا کہ مجھے یاد نہیں (اس حدیث میں) صوم دہر کا کس طرح ذکر ہُوا (البتہ انھیں اتنا یاد تھا) کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو صوم دہر رکھتا ہے گویا وہ روزہ ہی نہیں رکھتا دو مرتبہ (آپ نے یہ فرمایا) ۔

بَابِ صَوْمِ يَوْمٍ وَّاِفْطَارِ يَوْمٍ

باب ایک دن روزہ اور ایک دن افطار

عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صُمْ مِنَ الشَّهْرِ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ قَالَ اُطِيْقُ اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَمَا زَالَ حَتّٰى قَالَ صُمْ يَوْمًا

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مہینہ میں صرف تین دن کے روزے رکھا کرو، انھوں نے کہا کہ مجھ میں اس سے بھی زیادہ کی طاقت ہے

وَاَفْطِرْ يَوْمًا فَقَالَ اِقْرَأِ الْقُرْاٰنَ فِيْ كُلِّ شَهْرٍ قَالَ اِنِّيْ اُطِيْقُ اَكْثَرَ فَمَا زَالَ حَتّٰى قَالَ فِيْ ثَلٰثٍ ۔

اسی طرح وہ برابر کہتے رہے کہ مجھ میں اس سے بھی زیادہ طاقت ہے، یہاں تک کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایک دن کا روزہ رکھو اور ایک دن بے روزہ کے رہو۔ آپ نے انسان سے یہ بھی فرمایا کہ مہینہ میں ایک قرآن مجید ختم کیا کرو۔ اُنھوں نے اس پر بھی کہا کہ اس سے زیادہ کی میں طاقت رکھتا ہوں اور برابر یہی کہتے رہے تاآنکہ آں حضورؐ نے فرمایا کہ تین دن میں (ایک قرآن ختم کیا کرو)

بَابُ صَوْمِ دَاوٗدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ

باب داؤد علیہ السلام کے روزہ کے متعلق

عَبْدِ اللّٰهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكَ لَتَصُوْمُ الدَّهْرَ وَتَقُوْمُ اللَّيْلَ فَقُلْتُ نَعَمْ قَالَ اِنَّكَ اِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ هَجَمَتْ لَهُ الْعَيْنُ وَنَفِهَتْ لَهُ النَّفْسُ لَا صَامَ مَنْ صَامَ الدَّهْرَ صَوْمُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهٖ قُلْتُ فَاِنِّيْ اُطِيْقُ اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ فَصُمْ صَوْمَ دَاوٗدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَصُوْمُ يَوْمًا وَّيُفْطِرُ يَوْمًا وَّلَا يَفِرُّ اِذَا لَاقٰى

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے۔ اُنھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا، کیا تم متواتر روزے رکھتے ہو اور رات بھر عبادت کرتے ہو؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم یونہی کرتے رہے تو تمھاری آنکھیں ضعیف ہو جائیں گی اور تم خود کمزور پڑ جاؤ گے۔ یہ بھی کوئی روزہ ہے کہ زندگی بھر (بلا ناغہ ہر دن) روزہ رکھے جاؤ۔ تین دن کا (ہر مہینہ میں) روزہ، پوری زندگی کے روزے کے برابر ہے (ثواب میں) میں نے اس پر کہا کہ مجھے اس سے بھی زیادہ کی طاقت ہے، تو آپ نے فرمایا کہ پھر داؤد علیہ السلام کا روزہ رکھا کرو۔ آپ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن بے روزے کے رہتے تھے۔ اور جب دشمن کا سامنا ہوتا تو فرار نہیں اختیار کرتے تھے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا:۔

لا صوم فوق صوم داؤد شطر الدھر صم یومًا و افطر یوما (بخاری)

صوم داؤد علیہ السلام سے کوئی روزہ بہتر نہیں۔ ایک دن روزہ رکھ ایک دن افطار کر۔

نفلی روزوں کے احکام

واضح ہو کہ نفل عبادت کو تطوع کہتے ہیں۔ یہ لفظ طوع سے بنا ہے۔ اس کے معنی رغبت و خوشی کے ہیں۔ مطلب یہ کہ نفل عبادت انسان کی اپنی مرضی پر منحصر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لازم و واجب نہیں فرمائی۔ مذکورہ احادیث میں نفل روزوں کے متعلق حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل و کردار اور آپ کی ہدایات کا خلاصہ یہ ہے:۔

۱۔ عباداتِ نفل میں حضور نے اُمت کو میانہ روی کی تعلیم دی ہے۔ نفلی روزوں اور نمازوں میں ایسے انہماک سے منع فرمایا جس کی وجہ سے بندوں کے حقوق اور خود اپنی ذات کے حق مجروح ہوں یا فرائض و واجبات کی ادائیگی میں کوتاہی ہو۔ حضور نے نفل عبادت میں میانہ روی اختیار کرنے کی تلقین فرمائی۔ اور فرمایا تمھاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔ ملاقاتیوں کا بھی اور خود اپنے نفس کا بھی۔

اس میں یہ تعلیم بھی ہے کہ نفلی عبادت خوش دلی، ذوق و شوق، حضورِ قلب اور خلوص کے ساتھ ادا ہونی چاہیئے۔ اور یہ بات اسی صورت میں حاصل ہوگی۔ جبکہ اعتدال کا دامن نہ چھوڑا جائے۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص پانچ ممنوعہ دنوں کے علاوہ سال بھر مسلسل روزے رکھتے تھے۔ اور رات میں عبادت و ریاضت میں مشغول ہو جاتے۔ نہ دن میں افطار کرتے اور نہ رات میں سوتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایسا کرنے سے منع فرمایا، (فلا تفعل) اور نہایت حکیمانہ انداز میں انہیں بتایا۔ کہ:

لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا۔ تم پر تمہارے جسم کا بھی حق ہے۔ جب مسلسل روزے رکھو گے تو کمزوری ہوگی۔ اور اس انہماک سے خطرہ ہوگا کہ فرائض و واجبات کی ادائیگی میں خلل پیدا ہو۔

لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا: تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے۔ جب ساری رات شب بیداری میں گزار دو گے تو نگاہ کمزور ہوگی۔ جوانی میں نہ سہی۔ آخری عمر میں اس ریاضت شدیدہ سے تکلیف ہوگی۔

لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا: تم پر تمہاری بیوی کا بھی حق ہے۔ جب ساری رات عبادت میں اور دن روزے سے گزرے گا تو بیوی کے حقوق تلف ہوں گے۔ بچے تمہاری شفقت و محبت اور تعلیم و تربیت سے محروم ہو جائیں گے۔

لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا: تم پر تمہارے ملاقاتی کا بھی حق ہے۔ جب رات دن عبادت ریاضت صوم و صلوٰۃ و تلاوت قرآن و ذکر و اذکار میں گزارو گے تو دوست و احباب کے حقوق متاثر ہوں گے۔

اس لیے عبادت و ریاضت میں ایسا انہماک جس سے حقوق اللہ و حقوق العباد تلف ہوں۔ بہت ہی غیر مناسب ہے۔ اسی لیے

لَا صَامَ مَنْ صَامَ الدَّهْرَ (بخاری)	حضور نے فرمایا۔ جس نے عمر بھر روزے رکھے اس نے روزے رکھے ہی نہیں۔

صحیح طریقہ اور حضور کی عام تعلیم یہ ہی ہے کہ عبادت نفلیہ میں اعتدال و توازن ضروری و لازمی ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ ہر مہینہ میں تین روزے رکھے جائیں۔ ساری عمر کے روزے رکھنے کا ثواب ملے گا۔

صَوْمُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهٖ۔ (بخاری)	ایک نیکی کا ثواب دس گنا ملتا ہے تو ہر مہینہ میں تین روزوں کا ثواب پورے مہینے کے روزوں کا ہوگا۔

واضح ہو۔ صحابہ کرام کی ایک جماعت (جن میں امیرالمومنین فاروق اعظم و ابن عمر طلحہ و ابوامامہ و جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ہیں) نے مسلسل روزے رکھے ہیں۔ مگر ان حضرات کی بات دوسری ہے۔ ان کا عبادت و ریاضت میں انہماک انھیں حقوق العبادات سے نہیں روکتا تھا۔ لہٰذا ممانعت عام لوگوں کے لیے قرار پائے گی۔ خواص کے لیے نہیں۔

- مذکورہ بالا احادیث مسائل ذیل پر مشتمل ہیں:۔

۱۔ یہ کہ جب کافروں سے مقابلہ ہو تو مومن کی شان یہ ہے کہ جہاد سے بھاگتا نہیں۔

۲۔ صوم داؤد یعنی سیدنا داؤد علیہ السلام کا روزہ (ایک دن افطار ایک دن روزہ) یہ طریقہ بھی نفلی روزہ کے لیے بہترین طریقہ ہے۔ فضل و کمال میں اس سے زیادہ اچھا اور کوئی طریقہ نہیں ہے۔

۳۔ رات میں نوافل پڑھنا مستحب ہے۔
۴۔ ہر مہینہ میں نفلی روزہ رکھنا مستحب ہے۔ مگر نفلی روزے کے لیے کوئی دن لازمی طور پر مختص نہیں ہے کہ ضرور اسی دن میں نفلی روزہ رکھا جائے۔
۵۔ حضور علیہ السلام نے رات بھر قیام نہیں فرمایا۔ اور نہ کسی مہینہ میں پورے تیس دن نفلی روزے رکھے۔ عبادت و ریاضت میں آپ نے طریق وسط کو اختیار فرمایا۔ کسی دن نفلی روزہ رکھا اور کسی دن افطار فرمایا۔ رات کو عبادت بھی کی اور کسی رات آرام فرمایا۔ حضور نے اپنے عمل و کردار سے اُمت کو اعتدال اور میانہ روی کی تعلیم فرمائی اور غلو و شدت و سختی سے پرہیز کی ہدایت فرمائی ہے۔
۶۔ حضور علیہ السلام شعبان کے مہینہ میں سب مہینوں سے زیادہ نفلی روزے رکھتے تھے۔
۷۔ حضور سرورِ عالم نورِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسمِ اقدس مشک و عنبر سے زیادہ خوشبو دار تھا اور ہاتھ کی ہتھیلی ریشم سے زیادہ لطیف تھی اور یہ بات بھی حضور کے خصائص و معجزات سے ہے۔ اس نوع کے مسائل کی تفصیل کے لیے ہماری تالیف خصائص مصطفٰے اور جامع الصفات کا مطالعہ فرمایئے جو مکتبہ رضوان لاہور سے مل سکتی ہیں۔

بَابُ مَنْ زَارَ قَوْمًا فَلَمْ يُفْطِرْ عِنْدَهُمْ

باب جس نے کچھ لوگوں سے ملاقات کی اور ان کے یہاں جا کر روزہ نہیں توڑا

عَنْ اَنَسٍ رض دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اُمِّ سُلَيْمٍ فَاَتَتْهُ بِتَمْرٍ وَّسَمْنٍ قَالَ اَعِيْدُوْا سَمْنَكُمْ فِيْ سِقَائِهٖ وَتَمْرَكُمْ فِيْ وِعَائِهٖ فَاِنِّيْ صَائِمٌ ثُمَّ قَامَ اِلٰى نَاحِيَةٍ مِّنَ الْبَيْتِ فَصَلّٰى غَيْرَ الْمَكْتُوْبَةِ فَدَعَا لِاُمِّ سُلَيْمٍ وَّاَهْلِ بَيْتِهَا فَقَالَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ يَّا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِيْ خُوَيْصَّةً قَالَ مَا هِيَ قَالَتْ خَادِمُكَ اَنَسٌ فَمَا تَرَكَ خَيْرَ اٰخِرَةٍ وَّلَا دُنْيَا اِلَّا دَعَا بِهٖ قَالَ اللّٰهُمَّ ارْزُقْهُ مَالًا وَّوَلَدًا وَّبَارِكْ لَهٗ فَاِنِّيْ لَمِنْ اَكْثَرِ الْاَنْصَارِ مَالًا وَّحَدَّثَتْنِيْ ابْنَتِيْ اُمَيْنَةُ اَنَّهٗ قَالَ دُفِنَ لِصُلْبِيْ مَقْدَمَ حَجَّاجٍ اِلْبَصْرَةَ بِضْعٌ وَّعِشْرُوْنَ وَمِائَةٌ۔

حضرت انس سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ام سلیم رضی اللہ عنہا کے یہاں تشریف لے گئے، انھوں نے آپ کی خدمت میں کھجور اور گھی حاضر کیا، لیکن آپ نے فرمایا کہ گھی اس کے برتن میں رکھ دو اور یہ کھجوریں بھی برتن میں رکھ دو۔ کیونکہ میں روزے سے ہوں، پھر آں حضور نے گھر کے ایک گوشے میں کھڑے ہو کر نفل نماز پڑھی اور ام سلیم اور ان کے گھر والوں کیلئے دُعا کی۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ میرا ایک لاڈلا بھی تو ہے! فرمایا کون! انھوں نے کہا، آپ کے خادم انس (ام سلیم رضی اللہ عنہا کے بیٹے)۔ پھر آں حضور نے دنیا اور آخرت کی کوئی خیر و بھلائی نہیں چھوڑی جس کی ان کے لیے دعا نہ کی ہو۔ آپ نے دعا میں فرمایا۔ اے اللہ! انھیں مال اور اولاد عطا فرما اور اس میں برکت دے (انس رضی اللہ عنہ کا بیان تھا کہ) چنانچہ میں انصار میں سب سے زیادہ مالدار ہوں۔ اور مجھ سے میری بیٹی امینہ نے بیان کیا کہ حجاج کے بصرہ آنے تک صرف میری اولاد میں تقریباً ایک سو بیس کا انتقال ہو چکا تھا۔

فوائد و مسائل حضرت ام سلیم بنت ملحان جناب انس کی والدہ ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ حضور ان کے ہاں بغرض ملاقات جلوہ فرما ہوئے بقاعدہ دعوت نہ تھی۔ حضرت ام سلیم نے بھی کھانے کا اہتمام نہ کیا تھا۔ اس وقت کھجور و گھی موجود تھا جو بطور خاطر تواضع پیش کر دیا۔ معلوم ہوا کہ مہمان کی خاطر تواضع کرنا مسنون ہے

۲۔ حضور نے روزہ کا اظہار فرما دیا تا کہ حضرت ام سلیم کو حضور کے نہ کھانے کا ملال نہ ہو۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ نفلی روزہ والے کو اگر یہ معلوم ہو کہ میرا میزبان روزہ پر مطلع ہو کر نہ کھانے پر رنجیدہ نہ ہوگا تو اس صورت میں نفلی روزہ نہ توڑنا افضل ہے۔ اور اگر رنجیدہ ہونے کا اندیشہ ہو روزہ توڑ دینا اور کھا لینا اچھا ہے۔ بعد میں قضا کی جائے۔ کیونکہ میزبان کو خوش کرنا یہ بھی نفلی روزہ توڑنے کے لیے عذر ہے

بَابُ صِيَامِ الْبِيضِ ثَلٰثَ عَشْرَةَ وَاَرْبَعَ عَشْرَةَ وَخَمْسَ عَشْرَةَ

باب ایام بیض۔ یعنی ہر ماہ تیرہ۔ چودہ اور پندرہ کے روزوں کے متعلق

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ اَوْصَانِيْ خَلِيْلِيْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِثَلٰثٍ صِيَامِ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ مِّنْ كُلِّ شَهْرٍ وَّرَكْعَتَيِ الضُّحٰى وَاَنْ اُوْتِرَ قَبْلَ اَنْ اَنَامَ۔ (بخاری)

جناب ابوہریرہ فرماتے ہیں۔ میرے خلیل حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ہر مہینہ میں تین روزے رکھنے، اور چاشت کے نفل پڑھنے اور سونے سے قبل وتر پڑھ لینے کی وصیت فرمائی۔

۱۔ اگرچہ ان تین روزوں کے متعلق علماء کے نو قول ہیں۔ لیکن جمہور کے نزدیک ان سے ہر مہینہ کی تیرہ، چودہ، پندرہ تاریخ کے روزے مراد ہیں۔ جیسا کہ امام بخاری نے عنوان سے واضح کیا ہے۔

۲۔ ایام بیض ——— یعنی وہ دن جن کی راتیں چمکدار ہوں۔ حضور علیہ السلام اکثر ایام بیض کے روزے رکھتے تھے۔ روایت ترمذی عن ابن مسعود کے الفاظ یہ ہیں:۔

يَصُوْمُ مِنْ غُرَّةِ كُلِّ شَهْرٍ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَقَلَّمَا كَانَ يُفْطِرُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ (النسائی ابوداؤد)

حضور علیہ السلام ہر مہینہ کی پہلی تین تاریخوں کا روزہ رکھتے اور جمعہ کے دن بہت کم افطار فرماتے۔

یعنی ایام بیض کے روزے بھی حضور نے اکثر رکھے ہیں اور جمعہ کے دن کا روزہ بھی۔ کیونکہ جمعہ کے دن کی نیکی کا ثواب ستر گنا عطا ہوتا ہے، واضح ہو صرف جمعہ کا روزہ رکھنے کی ممانعت بھی آئی ہے۔ مگر یہ ممانعت اس صورت میں ہے جبکہ صرف جمعہ کے دن ہی نفلی روزہ رکھنے کو واجب یا فرض سمجھ لے ورنہ نہیں۔

بَابُ الصَّوْمِ مِنْ آخِرِ الشَّهْرِ

باب مہینے کے آخر کا روزہ

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ سَاَلَهٗ اَوْ سَاَلَ

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا یا مطرف

رَجُلاً وَّ عِمْرَانُ یَسْمَعُ فَقَالَ یَا اَبَا فُلَانٍ اَمَا صُمْتَ سَرَرَ هٰذَا الشَّهْرِ قَالَ اَظُنُّهٗ قَالَ یَعْنِیْ رَمَضَانَ قَالَ الرَّجُلُ لَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَاِذَا اَفْطَرْتَ فَصُمْ یَوْمَیْنِ لَمْ یَقُلِ الصَّلْتُ اَظُنُّهٗ یَعْنِیْ رَمَضَانَ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ وَقَالَ ثَابِتٌ عَنْ مُطَرِّفٍ عَنْ عِمْرَانَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ سَرَرِ شَعْبَانَ۔

نے یہ کہا کہ) سوال تو کسی اور نے کیا تھا۔ لیکن وہ سُن رہے تھے۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے ابُو فلاں! کیا تم نے اس مہینے کے آخر کے روزے نہیں رکھے۔ ابوالنعمان نے کہا میرا خیال ہے کہ راوی نے کہا کہ آپ کی مراد رمضان سے تھی۔ ابو عبداللہ (امام بخاری) نے کہا کہ ثابت نے بیان کیا، ان سے مطرف نے، ان سے عمران نے اور ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے آخر کے بجائے شعبان کے آخر میں بیان کیا۔

فوائد و مسائل سرار و اسرار مہینہ کے اول دنوں کو بھی کہتے ہیں۔ درمیانی اور آخری کو بھی۔ مگر زیادہ تر اس کا اطلاق مہینہ کی آخری رات کے لیے ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں چاند بالکل چھپ جاتا ہے۔ یہ صاحب مہینہ کے آخر میں روزہ رکھنے کے عادی تھے اور حضور نے شعبان کے آخری دن میں روزہ کی ممانعت فرمائی ہے۔ اس لیے انھوں نے نہ رکھا۔ اس بنا پر حضور نے ان سے فرمایا—— اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ مہینہ کے آخری دن میں روزہ رکھنے کے عادی ہیں۔ انہیں روزہ رکھنا جائز ہے۔ ممانعت صوم غیر معتادی کی ہے۔

بَابُ صَوْمِ یَوْمِ الْجُمُعَةِ

باب جمعہ کے روزہ کے متعلق

• فَاِذَا اَصْبَحَ صَائِمًا یَوْمَ الْجُمُعَةِ فَعَلَیْهِ اَنْ یُّفْطِرَ یَعْنِیْ اِذَا لَمْ یَصُمْ قَبْلَهٗ وَلَا یُرِیْدُ اَنْ یَّصُوْمَ بَعْدَهٗ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبَّادٍ قَالَ سَأَلْتُ جَابِرًا اَنَهٰی النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ الْجُمُعَةِ قَالَ نَعَمْ۔ (بخاری)

جمعہ کے دن نفلی روزہ رکھے تو توڑ دے؛ یعنی جبکہ اس سے ایک دن قبل روزہ نہ رکھا ہو اور نہ ایک دن بعد رکھنے کا ارادہ ہو۔

محمد بن عباد کہتے ہیں میں نے حضرت جابر سے پوچھا کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن روزہ سے منع فرمایا؟ انھوں نے کہا ہاں

• وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ۔ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا یَصُوْمَنَّ اَحَدُكُمْ یَوْمَ الْجُمُعَةِ اِلَّا یَوْمًا قَبْلَهٗ اَوْ بَعْدَهٗ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا آپ نے فرمایا کوئی شخص جمعہ کے دن اس وقت تک روزہ نہ رکھے جب تک اس سے ایک دن پہلے یا اس کے ایک دن بعد روزہ نہ رکھتا ہو۔

• حضرت جویریہ بنت حارث کا بیان ہے کہ حضور ان کے گھر جمعہ کے دن تشریف لائے۔ وہ روزہ سے تھیں۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تم نے کل گذشتہ روزہ رکھا تھا۔ انہوں نے عرض کی نہیں۔ آپ نے فرمایا:-

فَقَالَ اَصُمْتِ اَمْسِ قَالَتْ لَا قَالَ اَتُرِیْدِیْنَ اَنْ تَصُوْمِیْ غَدًا قَالَتْ لَا۔ قَالَ فَاَفْطِرِیْ —— فَاَمَرَهَا فَاَفْطَرَتْ۔

کیا آئندہ کل روزہ رکھنے کا ارادہ ہے۔ جواب : یا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر یہ روزہ توڑ دو، تو انھوں نے روزہ توڑ دیا۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَصُوْمُ اَحَدُکُمْ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ اِلَّا اَنْ یَصُوْمَ قَبْلَہٗ اَوْ یَصُوْمَ بَعْدَہٗ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں کوئی صرف جمعہ کے دن کا روزہ نہ رکھے مگر یہ کہ اس کے آگے پیچھے بھی روزہ رکھ لے (بخاری)

جمعہ کے دن روزہ کی ممانعت

ظاہر حدیث سے صرف جمعہ کے روزے کی ممانعت ظاہر ہوتی ہے۔ مگر اصل یہ ہے صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنا جائز و مباح بلکہ حسن ہے۔ سیدنا امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ میں نے کسی بھی اہل علم کو صرف جمعہ کا نفلی روزہ رکھنے سے منع کرتے ہوئے نہیں سنا (المعات) سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ و امام محمد بھی جواز کے قائل ہیں (عینی) اور خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اکثر صرف جمعہ کے دن نفلی روزہ رکھا کرتے تھے۔ روایت ترمذی ابن مسعود میں ہے:۔

وَ قَلَّمَا کَانَ یُفْطِرُ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ۔

جمعہ کے دن حضور بہت کم افطار فرماتے تھے۔

توجہ ممانعت یہ ہے کہ جمعہ کے دن روزہ کو لازم و واجب سمجھا جائے۔ چنانچہ اس رائے کی تائید حدیث ابوہریرہ سے ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جمعہ کی رات کو دیگر راتوں سے شب بیداری کے لیے خاص نہ کرو اور

لَا تَخْتَصُّوْا لَیْلَۃَ الْجُمُعَۃِ بِقِیَامٍ مِّنْ بَیْنِ اللَّیَالِیْ وَلَا تَخْتَصُّوْا یَوْمَ الْجُمُعَۃِ بِصِیَامٍ مِّنْ بَیْنِ الْاَیَّامِ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ فِیْ صَوْمٍ یَّصُوْمُہٗ اَحَدُکُمْ۔ (مسلم)

جمعہ کے دن کو دیگر دنوں میں روزے سے خاص نہ کرو۔ مگر یہ کہ جمعہ اس تاریخ میں آجائے جس میں تم میں کا کوئی روزہ رکھتا ہو۔

جس سے واضح ہوا کہ جمعہ کے دن نفلی روزہ رکھنا اس صورت میں بدعت و ممنوع ہے جبکہ صرف جمعہ ہی کے دن روزہ رکھنے کو لازم و واجب سمجھے ورنہ نہیں۔ چنانچہ حضور نے یہ بھی واضح فرما دیا۔ اگر جمعہ اس تاریخ میں آجائے۔ جس میں تم میں سے کوئی روزہ رکھتا ہو تو حرج نہیں۔ مثلاً کوئی شخص ہر مہینہ کی ۱۳-۱۴-۱۵ کو روزہ رکھتا ہے اور اتفاق سے اس دن جمعہ آجائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ معلوم ہوا محض جمعہ کے دن روزہ رکھنا ممنوع نہیں ہے بلکہ ممانعت کا مدار اختصاص و لزوم پر ہے۔

بَابُ ھَلْ یَخُصُّ شَیْئًا مِّنَ الْاَیَّامِ

باب کیا روزہ کے لیے کچھ دن خاص کیے جا سکتے ہیں؟

عَنْ عَلْقَمَۃَ قُلْتُ لِعَائِشَۃَ ھَلْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَخْتَصُّ مِنَ الْاَیَّامِ شَیْئًا قَالَتْ لَا کَانَ عَمَلُہٗ دِیْمَۃً وَّ اَیُّکُمْ یُطِیْقُ مَا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُطِیْقُ۔

حضرت علقمہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ وغیرہ عبادات کے لیے کچھ دن مخصوص و متعین کر رکھے تھے۔ انھوں نے فرمایا کہ نہیں بلکہ آپ کے ہر عمل میں مداومت ہوتی تھی۔ اور دوسرا کون ہے؟ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جتنی طاقت رکھتا ہو۔

مطلب حدیث یہ ہے کہ کسی بھی دن نفلی روزہ رکھنے کو واجب و لازم جاننا درست نہیں ہے اور اس نیت سے خاص طور پر کسی دن میں نفلی روزہ نہیں رکھنا چاہیے۔ رہا حضور کا معاملہ تو جناب عائشہ نے فیصلہ فرما دیا۔ کہ حضور جتنی طاقت کس میں ہے؟

بَابُ صَوْمِ عَرَفَةَ

باب عرفہ کے روزے کے متعلق

حضرت ام الفضل بنت حارث فرماتی ہیں کچھ لوگ عرفہ کے دن حضور کے روزہ کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ بعض کا خیال تھا کہ آپ روزہ سے ہیں بعض نے کہا روزہ سے نہیں ہیں۔ اس پر انھوں نے بحضور نبوی دودھ کا ایک پیالہ پیش کیا (تاکہ بات کھل جائے)

فَاَرْسَلْتُ اِلَيْهِ بِقَدَحِ لَبَنٍ وَّهُوَ وَاقِفٌ عَلٰى بَعِيْرِهٖ فَشَرِبَهٗ۔

حضور اپنے اونٹ پر سوار تھے۔ آپ نے دودھ پی لیا (یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے)۔

عَنْ مَيْمُوْنَةَ اَنَّ النَّاسَ شَكُّوْا فِیْ صِيَامِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ عَرَفَةَ فَاَرْسَلَتْ اِلَيْهِ بِحِلَابٍ وَّهُوَ وَاقِفٌ فِی الْمَوْقِفِ فَشَرِبَ مِنْهُ وَالنَّاسُ يَنْظُرُوْنَ۔

حضرت میمونہ فرماتی ہیں، عرفہ کے دن لوگوں کو حضور کے روزہ کے متعلق شک ہوا۔ اس بنا پر انھوں نے آپ کی خدمت میں دودھ بھیجا۔ آپ اس وقت عرفہ میں وقوف فرما تھے۔ آپ نے دودھ نوش فرمایا اور سب لوگ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

فوائد و مسائل روایت ابوداؤد عن ابی ہریرہ میں حضور نے مقام عرفات میں نویں ذوالحجہ کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ یہ ممانعت بھی اس بنا پر ہے کہ حاجی روزہ کی وجہ سے کمزور نہ ہو جائے اور افعال حج بخوبی ادا کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ جناب عائشہ صدیقہ نویں ذوالحجہ کا روزہ رکھتی تھیں۔ حضرت عطاء فرماتے ہیں سردیوں میں رکھ لیتا ہوں، گرمیوں میں نہیں۔ لہذا غیر حاجی کے لیے عرفہ کا روزہ مناسب و جائز ہے۔ اور حاجی کے لیے ممانعت اس صورت میں ہے جبکہ بوجہ روزہ افعال حج کی ادائیگی متاثر ہو۔ حضور علیہ السلام نے بھی اپنے عمل سے عرفہ کے دن روزہ دار نہ ہونا ظاہر فرما دیا۔

اس حدیث سے واضح ہوا بحالت سواری یا کھڑے کھڑے پانی یا دودھ پینا جائز و مباح ہے۔ جو لوگ کھڑے ہو کر پانی پینے کو ناجائز و حرام کہتے ہیں وہ اللہ و رسول پر افتراء کرتے ہیں۔

نویں ذوالحجہ کا روزہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام صوم عاشورہ اور صوم رمضان کی بوجہ فضیلت تلاش و جستجو و انتظار فرمایا کرتے تھے (بخاری) اور مسلم شریف کی حدیث میں فرمایا۔

صِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ اَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِیْ قَبْلَهٗ وَالسَّنَةَ الَّتِیْ بَعْدَهٗ وَصِيَامُ يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ اَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِیْ قَبْلَهٗ (مسلم)

عرفہ کے دن کا روزہ مجھے اللہ تعالیٰ کے کرم سے امید ہے کہ ایک سال، اگلے ایک سال پچھلے گناہوں کا کفارہ ہو جائے اور عاشورہ کا روزہ مجھے اللہ کے کرم سے توقع ہے کہ پچھلے سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔

عرفہ۔ نویں ذوالحجہ کا روزہ بھی باعث برکت ہے۔ مگر حاجی کے لیے بہتر نہیں ہے۔ کیونکہ روزے سے افعال حج میں کوتاہی کا امکان ہے۔ چنانچہ حدیث ابوداؤد عن ابی ہریرہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

نَهٰى عَنْ صَوْمِ عَرَفَةَ بِعَرَفَةَ (ابوداؤد)

(عرفات میں) عرفہ کے روزے سے منع فرمایا۔

بعرفة کا لفظ بھی یہ بتا رہا ہے کہ ممانعت اس شخص کے لیے ہے جو حج کے لیے عرفات میں قیام کرے۔ اور روزہ کی وجہ سے افعالِ حج صحیح طریقہ پر ادا نہ کر سکے۔ یہ ممانعت بھی تنزیہی ہے۔

بَابُ صَوْمِ يَوْمِ الْفِطْرِ

باب عید کے روزہ کے متعلق

ابن ازہر کے مولیٰ ابو عبید نے بیان کیا کہ عید کے دن میں عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ نے فرمایا۔ دو دن ایسے ہیں جن میں حضور نے روزے کی ممانعت فرمائی ہے۔

يَوْمُ فِطْرِكُمْ مِنْ صِيَامِكُمْ وَالْيَوْمُ الْآخَرُ تَأْكُلُوْنَ فِيْهِ مِنْ نُسُكِكُمْ (بخاری)

(رمضان کے) روزوں کے بعد افطار کا دن (عید الفطر) اور وہ دن جس میں تم اپنی قربانی کا گوشت کھاتے ہو۔

• عن ابو سعيد ن الخدری قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْفِطْرِ وَالنَّحْرِ وَعَنِ الصَّمَّاءِ وَاَنْ يَّحْتَبِيَ الرَّجُلُ فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ وَّعَنْ صَلٰوةٍ بَعْدَ الصُّبْحِ وَ الْعَصْرِ (بخاری)

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر اور قربانی کے دنوں کے روزوں کی ممانعت کی تھی۔ صماء سے بھی آپ نے روکا تھا۔ ایک کپڑے میں احتباء کرنے سے بھی روکا تھا۔ اور صبح اور عصر کی نماز کے بعد نماز پڑھنے سے بھی۔

بَابُ صَوْمِ يَوْمِ النَّحْرِ

باب قربانی کے دن کا روزہ

• عَنْ عَطَاءِ بْنِ مِيْنَاءَ قَالَ سَمِعْتُهُ يُحَدِّثُ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ يُنْهٰى عَنْ صِيَامَيْنِ وَبَيْعَتَيْنِ الْفِطْرِ وَالنَّحْرِ وَالْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ۔

عطاء بن مینا ابو ہریرہ کے واسطے سے حدیث بیان کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو روزے اور دو قسم کی خرید و فروخت سے منع فرمایا تھا۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے روزے سے اور ملامست اور منابذت کے ساتھ خرید و فروخت سے۔

• عَنْ زِيَادِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى ابْنِ عُمَرَ فَقَالَ رَجُلٌ نَذَرَ اَنْ يَّصُوْمَ يَوْمًا قَالَ اَظُنُّهُ قَالَ الْاِثْنَيْنِ فَوَافَقَ يَوْمَ عِيْدٍ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ اَمَرَ اللهُ بِوَفَاءِ النَّذْرِ وَنَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ هٰذَا الْيَوْمِ۔

زیاد بن جبیر نے بیان کیا کہ ایک شخص ابن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ ایک شخص نے ایک دن کے روزے کی نذر مانی ہے، کہا کہ میرا خیال ہے کہ وہ پیر کا دن ہے، اتفاق سے وہی دن عید کا دن پڑ گیا ہے۔ ابن عمر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نذر پوری کرنے کا حکم دیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن روزہ رکھنے سے (اللہ کے حکم سے) منع فرمایا ہے۔

قَزَعَةَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيَّ وَ كَانَ غَزَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثِنْتَيْ

قزعہ کہتے ہیں میں نے ابو سعید خدری سے سنا (آپ نبی کریم کے ساتھ بارہ غزوات میں شریک ہوئے تھے)۔

عَشْرَةَ غَزْوَةً قَالَ سَمِعْتُ اَرْبَعًا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَعْجَبْنَنِيْ قَالَ لَا تُسَافِرِ الْمَرْاَةُ مَسِيْرَةَ يَوْمَيْنِ اِلَّا وَمَعَهَا زَوْجُهَا اَوْ ذُوْ مَحْرَمٍ وَّلَا صَوْمَ فِيْ يَوْمَيْنِ الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰى وَلَا صَلٰوةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَلَا بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ وَلَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰى ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الْاَقْصٰى وَمَسْجِدِيْ هٰذَا۔

وہ فرماتے تھے۔ میں نے نبی کریم سے چار باتیں سُنیں جو مجھے بہت پسند آئیں۔ (۱) کوئی عورت دو دن کا سفر نہ کرے جب تک اس کے ساتھ اس کا شوہر یا محرم نہ ہو (۲) عید الفطر و عید اضحٰی کے دن روزہ نہیں ہے (۳) فجر کی نماز کے بعد سورج نکلنے تک اور عصر کی نماز کے بعد سورج ڈوبنے تک کوئی نماز نہیں ہے۔ تین مساجد کے سوا کسی کے لیے (بنیت زیادتی ثواب سفر نہ کیا جائے۔ مسجد حرام۔ مسجد اقصٰی اور میری یہ مسجد[۱] (بخاری)

بَابُ صِيَامِ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ

باب ایام تشریق کے روزے کے متعلق

وَقَالَ لِيْ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ هِشَامٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ اَبِيْ كَانَتْ عَائِشَةُ تَصُوْمُ اَيَّامَ مِنًى وَّكَانَ اَبُوْهُ يَصُوْمُهَا۔

اور مجھ سے محمد بن مثنٰی نے بیان کیا۔ ان سے یحیٰی نے حدیث بیان کی، ان سے ہشام نے بیان کیا کہ مجھے میرے والد نے خبر دی کہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایام منٰی (ایام تشریق) کے روزے رکھتی تھیں اور ہشام کے والد عروہ بھی ان دنوں کا روزہ رکھتے تھے۔

عَنْ عَائِشَةَ وَعَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَمْ يُرَخَّصْ فِيْ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ اَنْ يُصَمْنَ اِلَّا لِمَنْ لَمْ يَجِدِ الْهَدْيَ۔

حضرت عائشہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما دونوں نے بیان کیا کہ سوا اس شخص کے جس کے پاس (حج میں) قربانی کا جانور نہ ہو (تمتع کرنے والا حاجی کے) اور کسی کو ایام تشریق میں روزے کی اجازت نہیں ہے۔

ف۔ یوم نحر یعنی الضحٰی کی دسویں تاریخ کے بعد ایام تشریق آتے ہیں۔ اس میں اختلاف ہے کہ یوم نحر کے بعد دو دن ایام تشریق کے ہیں یا تین دن۔ بہر حال احناف کے یہاں ایام تشریق میں بھی روزے رکھنا مکروہ تحریمی ہے۔ اس میں قارن اور متمتع وغیرہ کا کوئی فرق نہیں۔ لیکن بعض نے ان دنوں کے روزے کی مطلقاً اجازت دی ہے اور بعض نے صرف تمتع کرنے والے حاجی کو اجازت دی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف حج تمتع کرنے والے کے لیے اجازت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ابن عمر اور عائشہ رضی اللہ عنہما کی روایات لائے ہیں۔ ورنہ دوسری روایات حضرت علی اور عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم سے احناف کے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔

---

[۱] اس حدیث پر مفصل و مکمل بحث فیوض الباری پارہ چہارم، صفحہ ۸۹ تا ۹۰ پر گزر چکی ہے۔ ضرور ملاحظہ فرمالیں۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ الصِّيَامُ لِمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ إِلَى يَوْمِ عَرَفَةَ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ هَدْيًا وَلَمْ يَصُمْ صَامَ أَيَّامَ مِنًى وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ مِثْلَهُ تَابَعَهُ إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ.

ابن عمر رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جو حاجی، حج اور عمرہ کے درمیان تمتع کرتے ہیں انھیں یوم عرفہ تک روزہ رکھنے کی اجازت ہے لیکن اگر قربانی کا جانور نہ ملے اور نہ اس نے روزہ رکھا تو ایام منٰی (ایام تشریق) میں روزہ رکھے۔ ابن شہاب نے عروہ سے اور انھوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح روایت کی ہے۔ اس کی روایت ابراہیم بن سعد نے بھی ابن شہاب کے واسطے سے کی ہے

پانچ دنوں میں روزہ رکھنا ناجائز ہے

واضح ہو کہ سال میں پانچ دن ایسے ہیں جن میں روزہ رکھنا بہر حال ممنوع ہے۔ (۱) عید الفطر (یکم شوال) (۲) عید اضحی (۱۰ ذوالحجہ) (۳، ۴، ۵) ایام تشریق یعنی ذوالحجہ کی ۱۱ - ۱۲ - ۱۳ - تاریخیں۔

۱۔ حدیث بخاری عن ابی سعید الخدری میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے عید و قربانی کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا۔ دسویں ذوالحجہ صرف قربانی کا دن ہے۔ ذوالحجہ کی ۱۱ - ۱۲ قربانی کا دن بھی ہے اور تشریق کا بھی اور ۱۳ ذوالحجہ صرف تشریق کا دن ہے۔

۲۔ حدیث میں ذوالحجہ کی ۱۰ - ۱۱ - ۱۲ - ۱۳ پر نحر کا اطلاق تغلیبا ہے کہ ان ایام کے اکثر میں قربانی ہوتی ہے۔

۳۔ جو شخص ان مذکورہ بالا دنوں میں روزہ کی نذر مان لے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کی نذر درست نہیں ہے۔ لیکن امام اعظم علیہ الرحمہ کا مسلک یہ ہے کہ نذر تو درست ہے مگر ان پانچ دنوں میں نذر کا روزہ نہ رکھے۔ دوسرے دنوں میں قضا کرے۔

۴۔ حدیث مسلم میں عن نبیشہ میں ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

أَيَّامُ التَّشْرِيقِ أَيَّامُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ وَذِكْرِ اللهِ (مسلم)

تشریق کھانے پینے اور اللہ کے ذکر کے دن ہیں۔ (مسلم)

ذوالحجہ کی تیرہ تاریخ تک اہل عرب قربانی کا گوشت سکھاتے تھے۔ اس لیے ان دنوں کو تشریق (سکھانے، دھوپ دکھانے کے ایام سے) موسوم کیا گیا۔ حضور نے فرمایا یہ دن کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے ہیں۔ اس لیے اس دن میں روزہ رکھنا گویا اللہ تعالیٰ کی دعوت کو رد کرنا ہے۔ اس لیے ان دنوں میں روزہ رکھنا ممنوع قرار دیا۔ واللہ اعلم

بَابُ صِيَامِ يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ

باب عاشورہ کے روزے کے متعلق

• عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ عَاشُورَاءَ إِنْ شَاءَ صَامَ.

سالم اپنے باپ سے راوی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عاشورہ کا روزہ چاہو رکھو۔ چاہو نہ رکھو۔

• عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِصِيَامِ يَوْمِ عَاشُورَاءَ فَلَمَّا

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کا روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ پھر جب رمضان کے

فُرِضَ رَمَضَانُ كَانَ مَنْ شَاءَ صَامَ وَمَنْ شَاءَ أَفْطَرَ۔

روزے فرض کیے گئے۔ تو اب جو چاہتا رکھتا اور جو چاہتا نہ رکھتا۔

حضرت عائشہ سے مروی ہے عاشورہ کے دن جاہلیت کے دور میں قریش روزہ رکھتے تھے اور حضور بھی رکھتے تھے۔ پھر جب آپ مدینہ تشریف لائے تو آپ نے یہاں بھی عاشورہ کا روزہ رکھا اور اس کا لوگوں کو حکم دیا۔ جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو آپ نے اپنے عاشورہ کے روزہ کا (التزام) چھوڑ دیا۔

فَأَمَّا فُرِضَ رَمَضَانُ تُرِكَ يَوْمُ عَاشُورَاءَ فَمَنْ شَاءَ صَامَهُ وَمَنْ شَاءَ تَرَكَهُ۔

اور جو چاہتا رکھتا، اور جو چاہتا نہ رکھتا۔

(بخاری)

• عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّهُ سَمِعَ مُعٰوِيَةَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ يَوْمَ عَاشُورَاءَ عَامَ حَجَّ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُولُ يَا أَهْلَ الْمَدِينَةِ أَيْنَ عُلَمَاؤُكُمْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ هٰذَا يَوْمُ عَاشُورَاءَ وَلَمْ يَكْتُبْ عَلَيْكُمْ صِيَامَهُ وَأَنَا صَائِمٌ فَمَنْ شَاءَ فَلْيَصُمْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُفْطِرْ۔

حمید بن عبد الرحمٰن اور انھوں نے معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے یوم عاشوراء کے متعلق سُنا انہوں نے فرمایا کہ اے اہل مدینہ تمہارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا کہ یہ عاشوراء کا دن ہے۔ اس کا روزہ تم پر فرض نہیں ہے لیکن میں روزہ سے ہوں اور تم میں سے جس کا جی چاہے روزہ سے رہے اور جس کا جی چاہے نہ رہے۔

• عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ فَرَأَى الْيَهُودَ تَصُومُ يَوْمَ عَاشُورَاءَ فَقَالَ مَا هٰذَا قَالُوا هٰذَا يَوْمٌ صَالِحٌ هٰذَا يَوْمٌ نَجَّى اللهُ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ عَدُوِّهِمْ فَصَامَهُ مُوسٰى قَالَ فَأَنَا أَحَقُّ بِمُوسٰى مِنْكُمْ فَصَامَهُ وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے۔ آپ نے یہودیوں کو بھی دیکھا کہ وہ عاشورا کے دن کا روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے ان سے اس کا سبب دریافت فرمایا تو انھوں نے بتایا کہ یہ ایک اچھا دن ہے۔ اسی دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دشمن کے (فرعون) سے نجات دلائی تھی۔ اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے اس دن کا روزہ رکھا تھا۔ آں حضور نے فرمایا کہ پھر ہم موسیٰ علیہ السلام کے (شریک مسرت ہونے میں) تم سے زیادہ مستحق ہیں چنانچہ آپ نے اس دن روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی اس کا حکم دیا۔

• عَنْ أَبِي مُوسٰى قَالَ كَانَ يَوْمُ عَاشُورَاءَ تَعُدُّهُ الْيَهُودُ عِيدًا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصُومُوهُ أَنْتُمْ۔

ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ عاشوراء کے دن کو یہودی عید اور خوشی کا دن سمجھتے تھے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم بھی اس دن روزہ رکھا کرو۔

• عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَرّٰى صِيَامَ يَوْمٍ فَضَّلَهُ عَلٰى غَيْرِهِ إِلَّا هٰذَا الْيَوْمَ عَاشُورَاءَ وَهٰذَا الشَّهْرَ يَعْنِي شَهْرَ رَمَضَانَ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم صلی علیہ وسلم کو سوا اس عاشورا کے دن اور اس رمضان کے مہینے کے اور کسی دن کو دوسرے دنوں سے افضل جان کر خاص

طور سے روزہ رکھتے نہیں دیکھا۔

عَنْ سَلَمَۃَ ابْنِ الْاَکْوَعِ قَالَ اَمَرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مِّنْ اَسْلَمَ اَنْ اَذِّنْ فِی النَّاسِ اَنَّ مَنْ کَانَ اَکَلَ فَلْیَصُمْ بَقِیَّۃَ یَوْمِہٖ وَمَنْ لَّمْ یَکُنْ اَکَلَ فَلْیَصُمْ فَاِنَّ الْیَوْمَ یَوْمُ عَاشُوْرَآءَ۔

سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو اسلم کے ایک شخص کو لوگوں میں اس بات کے اعلان کا حکم دیا تھا کہ جو کھا چکا ہو اسے دن کے بقیہ حصے میں کھانے پینے سے رکا رہنا چاہیے اور جس نے نہ کھایا ہو اسے روزہ رکھ لینا چاہیے۔ کیونکہ یہ دن عاشورا کا دن ہے۔

فوائد و مسائل

۱۔ واضح ہو کہ دس محرم کا روزہ پہلے فرض تھا۔ پھر جب رمضان کے روزے فرض ہوئے۔ اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی اب عاشورہ کا روزہ سنت ہے۔

۲۔ تعدہ الیہود عیدا۔ حدیث کے اس جملہ میں اس کا بیان ہے کہ دس محرم کے دن کو یہود اپنی عید شمار کرتے تھے۔ یہود کہتے تھے۔

یوم عظیم انجی اللہ فیہ موسٰی

یہ عظمت والا دن ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے موسٰی علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات دی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا:۔

فنحن احق و اولی بموسٰی

ہم موسٰی علیہ السلام کی خوشی میں شریک ہونے میں تم سے زیادہ حقدار ہیں ——— اسمیں اس طرف اشارہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے موسٰی علیہ السلام کی موافقت میں روزہ رکھا۔ متابعت میں نہیں۔ اور یہ کہ حضور نے یہود پر واضح کر دیا کہ ہم یہ روزہ تمھاری مشابہت کی بنا پر نہیں رکھ رہے۔ لیکن جناب موسٰی کی موافقت کی بنا پر رکھ رہے ہیں۔ جس سے یہ بات کھل گئی۔ کہ مشابہت میں قصد و نیت کا بہت دخل ہے۔ اگر عاشورہ کے دن روزہ یہود کی مشابہت کی نیت سے رکھا جائے تو ممنوع ہے اور حضرت موسٰی علیہ السلام کی موافقت کی نیت سے روزہ رکھا جائے تو مستحب ہے۔ فافہم۔

نماز تہجد و صوم عاشورہ

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اَفْضَلُ الصِّیَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ شَھْرُ اللّٰہِ الْمُحَرَّمُ وَاَفْضَلُ الصَّلٰوۃِ بَعْدَ الْفَرِیْضَۃِ صَلٰوۃُ اللَّیْلِ (مسلم)

رمضان کے بعد افضل روزے اللہ کے مہینہ محرم کے ہیں اور فرض کے بعد افضل نماز رات کی نماز ہے۔

ظاہر یہ ہے محرم سے عاشورہ (دس محرم کا) روزہ مراد ہے فریضہ سے نماز پنجگانہ مع سنن مؤکدہ و وتر اور صلٰوۃ اللیل سے تہجد مراد ہے۔ مطلب حدیث یہ ہے کہ نماز پنجگانہ و وتر و سنن مؤکدہ کے بعد نماز تہجد کا درجہ ہے۔ مفسرین کا کہنا ہے کہ نماز تہجد حضور پر فرض تھی۔ قرآن مجید میں ہے:۔ وَمِنَ اللَّیْلِ فَتَہَجَّدْ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ۔ اور تہجد کے فضائل میں قرآن میں ارشاد باری ہے: تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ۔ اور وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّھِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا۔

۳۔ مذکورہ بالا احادیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ متبرک دن کی یاد منانا جائز ہے اور جس دن اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت ملے۔ اس میں خصوصی طور پر شکرانہ کا روزہ رکھنا جائز و مباح۔ چنانچہ:۔

پیر کے دن نفلی روزہ

کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:۔ اسی دن ہم پیدا ہوئے اور اسی دن ہم پر قرآن پاک اُتارا گیا۔

فِيْهِ وُلِدْتُ وَفِيْهِ اُنْزِلَ عَلَيَّ

یعنی پیر کے دن دنیا والوں کو دو نعمتیں ملی ہیں۔ ایک حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس اور دوسری قرآن پاک۔ غارِ حرا میں پہلی وحی (اقراء) پیر کے دن ہی آئی تھی۔ لہٰذا پیر کے دن روزہ رکھنا مناسب ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ وقت، جگہ اور دن متبرک واقعہ سے متبرک واشرف ہو جاتے ہیں۔ پیر کے دن میں فضیلت کی وجہ ولادتِ نبوی اور نزولِ قرآن کی ابتداء ہی ہے۔ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے اسی حدیث کی بنا پر جمعہ پر پیر کے دن کی افضلیت کا قول کیا ہے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ولادتِ مبارکہ اللہ تعالیٰ کی عظیم وجلیل نعمت ہے تو جس دن اللہ تعالیٰ کی کسی نعمت کا ظہور ہو اس کی یادگار منانا جائز ومباح ہے۔ جیسے عید میلاد النبی وغیرہ تقریبات۔ ہاں یہ ضروری ہے تقریب اس طرح منائی جائے کہ ان میں کوئی بات خلافِ شرع نہ ہو

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو یہود کو عاشورہ کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھا۔ حضور نے ان سے فرمایا یہ کیسا دن ہے

هٰذَا يَوْمٌ عَظِيْمٌ اَنْجَى اللّٰهُ فِيْهِ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ وَغَرَّقَ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهٗ فَصَامَهٗ مُوْسٰى شُكْرًا فَنَحْنُ نَصُوْمُهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَحْنُ اَحَقُّ وَاَوْلٰى بِمُوْسٰى مِنْكُمْ فَصَامَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَمَرَ بِصِيَامِهٖ۔

جس میں تم روزہ رکھتے ہو۔ یہود نے کہا یہ وہ عظمت والا دن ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات دی۔ فرعون اور اس کی قوم کو ڈبویا۔ موسیٰ علیہ السلام نے شکریہ میں روزہ رکھا۔ ہم بھی رکھتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ ہم موسیٰ علیہ السلام کے شریک مسرت ہوئے ہیں۔ تم سے زیادہ حقدار ہیں تو حضور نے عاشورہ کا روزہ رکھا

اور روزہ کا حکم بھی دیا۔ دیکھئے! حضور علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کی فتح کی یادگار میں روزہ رکھا۔ جس سے واضح ہوا کہ یومِ حصولِ نعمتِ الٰہی کی یادگار قائم کرنا جائز ومباح ہے۔

بعض دُوسرے دنوں کے نفلی روزے

روایت ترمذی عن عائشہ میں ہے کہ حضور ایک مہینہ میں ہفتہ، اتوار و پیر کا روزہ رکھتے تھے۔ اور دوسرے میں منگل و بدھ وجمعرات کا۔ روایت ابوداؤد عن ام سلمہ میں ہے کہ حضور مجھے ہر مہینہ میں تین روزوں کا حکم فرماتے۔ جس میں پہلا روزہ پیر یا جمعرات کا ہوتا۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ نفلی روزے کے لیے کوئی خاص دن متعین نہیں ہے کہ ضرور اسی میں رکھا جائے۔ بلکہ جس دن بھی ذوق وشوقِ عبادت تقاضہ کرے نفلی روزہ رکھا جا سکتا ہے۔ البتہ کسی بھی دن میں نفلی روزہ رکھنے کو ضروری ولازمی نہ سمجھنا چاہیئے۔ اور جن احادیث میں بعض دنوں میں نفلی روزہ کی ممانعت آئی ہے تو ان ایام میں فی نفسہ روزہ ممنوع نہیں ہے۔ بلکہ ممانعت کی وجوہات مختلف ہیں۔ جیسا کہ ہم نے احادیث متعلقہ پر بحث کے دوران عرض کیا ہے۔

- حدیث احمد عن ام سلمہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہفتہ اور اتوار کو روزہ رکھتے ﷺ اور

يَصُوْمُ يَوْمَ السَّبْتِ وَيَوْمَ الْاَحَدِ اَكْثَرَ مَا يَصُوْمُ مِنَ الْاَيَّامِ وَيَقُوْلُ اِنَّهُمَا يَوْمَا عِيْدٍ لِلْمُشْرِكِيْنَ

حضور فرماتے تھے کہ یہ دونوں دن یہود ونصاریٰ کی عید کے دن ہیں میں چاہتا ہوں کہ ان کی مخالفت کروں۔

فَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اُخَالِفَهُمْ۔ | غور کیجئے! حضور علیہ السلام نے ہفتہ اور اتوار کا روزہ

رکھا اور یہ بھی فرمایا کہ یہ دونوں دن یہود و نصاریٰ کی عید کے دن ہیں اور میں ان کی مخالفت کرنے کے لیے روزہ رکھتا ہوں جس سے یہ بات واضح ہو گئی۔ یہود و نصاریٰ کی مخالفت کی نیت سے روزہ رکھنا درست ہے۔ اور اس نیت سے ان دنوں میں روزہ رکھنا کہ یہود و نصاریٰ ان دنوں کی تعظیم کرتے ہیں ممنوع ہے تو ممانعت کا مدار دراصل نیت و عقیدہ پر ہے۔

ہفتہ کا روزہ

روایت ترمذی عن صماء میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا تَصُوْمُوْا يَوْمَ السَّبْتِ | ہفتہ کے دن بجز فرض روزے کے نفلی روزہ نہ رکھو۔

بلکہ یہاں تک فرمایا کہ ہفتہ کے دن اگر تم میں کوئی انگور کی چھال یا درخت کی لکڑی کے سوا کچھ نہ پائے تو اسے بھی چبالے۔

(احمد۔ ابو داؤد و ابن ماجہ)

شارحین نے لکھا ہے ہفتہ کے دن کی یہود بہت تعظیم کرتے ہیں۔ گو کہ روزہ نہیں رکھتے۔ تو ہفتہ کے دن نفلی روزہ رکھنے سے منع فرمایا گیا تاکہ ان سے اشتباہ نہ ہو۔ لیکن بایں ہمہ جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ ہفتہ کے دن روزہ رکھنے کی ممانعت تنزیہی ہے۔ اور اگر ہفتہ کے ساتھ اور دن کا بھی روزہ رکھ لیا تو نہ مشابہت رہے گی نہ ممانعت (لمعات و مرقات)

فیما افترض علیکم میں فرض روزے سے رمضان، قضاء رمضان، نذر و کفارہ کے روزے مراد ہیں۔ انہیں ہفتہ کے دن رکھنا بلا کراہت جائز ہے (لمعات و مرقات)

یونہی ایام بیض اگر ہفتہ کو واقع ہو جائیں تو بھی ہفتہ کا روزہ بلا کراہت جائز ہے۔

پیر اور جمعرات کا روزہ

روایت ترمذی و نسائی عن عائشہ میں ہے کہ آپ پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا: اعمال پیر اور جمعرات کو بحضور

تُعْرَضُ الْاَعْمَالُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ فَاُحِبُّ اَنْ يُعْرَضَ عَمَلِيْ وَاَنَا صَائِمٌ۔ (نسائی) | رب العالمین پیش کیے جاتے ہیں۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ میرے عمل اس حال میں پیش ہوں کہ میں روزہ سے ہوں۔

پیر کا دن ولادت نبوی کا دن ہے۔ پیر و جمعرات کو اعمال بارگاہ الٰہی میں پیش ہوتے ہیں۔ اگرچہ بندوں کے اعمال چوبیس گھنٹوں میں دوبار اٹھائے جاتے ہیں۔ دن کے اعمال رات سے پہلے اور رات کے اعمال دن سے پہلے مگر مجموعی طور پر ہفتہ میں دوبارہ پیشی ہوتی ہے۔

تعرض الاعمال کا شارحین نے یہ مطلب بھی لیا ہے کہ اعمال تو چوبیس گھنٹوں میں روزانہ دوبار ہی پیش ہوتے ہیں۔ (مرقات)

مگر پیر و جمعرات کو لکھنے والے فرشتے، اعمال نامے ان فرشتوں پر پیش کرتے ہیں، جو اعمال ناموں کی نقل اپنے رجسٹروں میں کرتے ہیں (اشعۃ اللمعات)

شوال کے روزے

حضور علیہ السلام نے فرمایا جو شخص رمضان کے روزے رکھے،

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ (مسلم) | پھر شوال کے چھ روزے رکھے تو ساری عمر کے روزوں کی طرح قرار پائے گا۔

علامہ علی قاری نے لکھا۔ یہ حدیث تقریباً بیس صحابہ کرام سے مروی ہے۔ ترمذی نے اسے حسن قرار دیا۔ باقی اکثر اسناد میں نہایت صحیح ہیں۔ چنانچہ امام طبرانی۔ بزار۔ ابن ماجہ۔ نسائی۔ ابن خزیمہ۔ ابن حبان۔ امام احمد و بیہقی نے حضرت ابوہریرہ۔ جابر

ثوبان، براء ابن عازب۔ ابن عباس۔ سعد ابن سعید۔ ابو ایوب انصاری اور جناب عائشہ صدیقہ سے روایت کیا ہے۔
۲۔ سال کے تقریباً تین سو ساٹھ دن ہوتے ہیں اور ہر نیکی کا ثواب دس گنا ملتا ہے۔ اس حساب سے رمضان کے تیس روزے تین سو روزوں کے برابر اور شوال کے چھ روزے ساٹھ روزوں کے مساوی۔ اس طرح شوال کے چھ روزے رکھ لینے سے پورے سال کے روزوں کا ثواب عطا ہوگا۔

بَابُ فَضْلِ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ

باب رمضان میں تراویح کے متعلق

اَنَّ اَبَاھُرَیْرَۃَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لِرَمَضَانَ مَنْ قَامَہٗ اِیْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ۔

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص بھی اس میں ایمان و احتساب کے ساتھ قیام کے لیے کھڑا ہوگا، اس کے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے (بخاری)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کِتَابُ التَّرَاوِیْحِ ○ کتاب تراویح کے بیان میں

روایت مستملی میں کتاب التراویح کے الفاظ مروی ہیں۔ تراویح و ترویحات، ترویحہ کی جمع ہے۔ ترویحہ کے اصل معنی جلسہ کے ہیں۔ اس کو ترویحہ اس لیے کہنے لگے کہ چار رکعت کے بعد سستانے کے لیے بیٹھتے ہیں ——— پھر مجازاً ہر چار رکعت کو ترویحہ کہنے لگ گئے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ۔ قَالَ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ایمان و احتساب کے ساتھ رمضان میں قیام کیا۔ اس کے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے

۱۔ یہ حدیث گذشتہ صفحات میں مکمل ترجمانی کے ساتھ گزر چکی ہے۔ دیکھیے ص۔ ابن المنذر نے کہا ظاہر حدیث سے یہی واضح ہے رمضان میں قیام کرنے والے کے تمام پچھلے گناہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ معاف ہو جائیں گے۔
۲۔ امام نووی نے فرمایا علماء کا مشہور و معروف قول یہ ہے کہ صغیرہ معاف ہو جائیں گے۔ امام الحرمین نے بھی اسی کو قطعاً اختیار کیا، اور مذہب اہل سنت بھی یہی ہے۔ بہر حال اتنی بات واضح ہے کہ رمضان کی راتوں میں قیام (تراویح پڑھنا) باعث برکت موجب رحمت ہے اور مغفرت کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔

۴۔ علامہ کرمانی کہتے ہیں قیام رمضان سے تراویح مراد ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ امام نووی نے فرمایا قیام سے مراد تو تراویح ہے۔ مگر علامہ کرمانی نے اتفاق کا دعویٰ کہاں سے کیا ہے؟ بلکہ قیام سے مطلق قیام مراد ہے کم ہو یا زیادہ۔

وَقَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَتُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْاَمْرُ عَلٰى ذٰالِكَ ثُمَّ كَانَ الْاَمْرُ عَلٰى ذٰالِكَ فِيْ خِلَافَةِ اَبِيْ بَكْرٍ وَّصَدْرًا مِّنْ خِلَافَةِ عُمَرَ۔ (بخاری)

ابن شہاب نے کہا کہ پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔ اور بات یُوں ہی رہی۔ اس کے بعد خلافتِ ابوبکر اور حضرتِ عمر کے ابتدائی دورِ خلافت میں بھی یہ ہی صورت رہی۔

یعنی قیام رمضان کی صورت وکیفیت یہ ہی رہی کہ ہر شخص اپنے طور پر گھر میں مسجد میں جیسے مناسب ہوتا، تراویح پڑھ لیتا۔ جناب صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دورِ اوّل تک یہ ہی صورت رہی تاآنکہ فاروق اعظم نے باقاعدہ باجماعت تراویح پڑھنے کا انتظام فرمایا۔

- وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدٍ الْقَارِيِّ اَنَّهٗ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ لَيْلَةً فِيْ رَمَضَانَ اِلَى الْمَسْجِدِ فَاِذَا النَّاسُ اَوْزَاعٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ يُصَلِّي الرَّجُلُ لِنَفْسِهٖ وَيُصَلِّي الرَّجُلُ فَيُصَلِّيْ بِصَلٰوتِهِ الرَّهْطُ فَقَالَ عُمَرُ اِنِّيْ اَرٰى لَوْ جَمَعْتُ هٰؤُلَاءِ عَلٰى قَارِئٍ وَّاحِدٍ لَكَانَ اَمْثَلَ ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهٗ لَيْلَةً اُخْرٰى وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ بِصَلٰوةِ قَارِئِهِمْ قَالَ عُمَرُ نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ وَالَّتِيْ يَنَامُوْنَ عَنْهَا اَفْضَلُ مِنَ الَّتِيْ يَقُوْمُوْنَ يُرِيْدُ اٰخِرَ اللَّيْلِ وَكَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ اَوَّلَهٗ۔

اور ابن شہاب ہی سے روایت ہے اُنھوں نے عروہ بن زبیر سے اور اُنھوں نے عبد الرحمٰن بن عبد القاری سے روایت کی کہ اُنہوں نے بیان کیا کہ میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ رمضان کی ایک رات کو مسجد میں گیا۔ سب لوگ متفرق اور منتشر تھے کوئی تنہا نماز پڑھ رہا تھا اور کسی کے پیچھے بہت سے لوگ اُس کی نماز کی اقتدار کیلئے کھڑے تھے۔ اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میرا خیال ہے اگر تمام نمازیوں کی ایک امام کے پیچھے جماعت کردی جائے تو زیادہ اچھا ہو۔ چنانچہ آپ نے جماعت بناکر ابی ابن کعب کو اس کا امام بنادیا پھر دوسری رات میں آپ کے ساتھ ہی نکلا تو لوگ اپنے امام کے پیچھے نماز نماز (تراویح) پڑھ رہے تھے (یہ منظر دیکھ کر) عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ نیا طریقہ کسی قدر بہتر اور مناسب ہے۔ لیکن (رات کا) وہ حصہ جس میں یہ سو جاتے ہیں، اس سے بہتر اور افضل ہے جس میں یہ نماز پڑھتے ہیں۔ آپ کی مراد رات کے آخری حصہ (کی فضیلت) سے تھی۔ کیونکہ لوگ نماز رات کے شروع میں پڑھ لیتے تھے۔ (بخاری)

- عَنْ عُرْوَةَ ابْنِ زُبَيْرٍ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى وَذٰلِكَ فِيْ رَمَضَانَ۔

عروہ بن زبیر نے اور ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور یہ رمضان میں ہوا تھا۔

- اَخْبَرَنِيْ عُرْوَةُ اَنَّ عَائِشَةَ اَخْبَرَتْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ لَيْلَةً مِّنْ جَوْفِ اللَّيْلِ فَصَلّٰى فِي الْمَسْجِدِ وَصَلّٰى رِجَالٌ بِصَلٰوتِهٖ

حضرت عروہ نے خبر دی اور انھیں عائشہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ (رمضان کی) نصف شب میں تشریف لے گئے اور مسجد میں نماز پڑھی

فَاَصْبَحَ النَّاسُ فَتَحَدَّثُوْا فَاجْتَمَعَ اَكْثَرُ مِنْهُمْ فَصَلَّوْا مَعَهُ فَاَصْبَحَ النَّاسُ فَتَحَدَّثُوْا فَكَثُرَ اَهْلُ الْمَسْجِدِ مِنَ اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى فَصَلَّوْا بِصَلٰوتِهِ فَلَمَّا كَانَتِ اللَّيْلَةُ الرَّابِعَةُ عَجَزَ الْمَسْجِدُ عَنْ اَهْلِهِ حَتّٰى خَرَجَ لِصَلٰوةِ الصُّبْحِ فَلَمَّا قَضَى الْفَجْرَ اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَتَشَهَّدَ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّهُ لَمْ يَخْفَ عَلَيَّ مَكَانُكُمْ وَلٰكِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تُفْتَرَضَ عَلَيْكُمْ فَتَعْجِزُوْا عَنْهَا فَتُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْاَمْرُ عَلٰى ذٰلِكَ۔

کچھ صحابہ بھی آپ کے ساتھ نماز میں شریک ہو گئے۔ صبح ہوئی تو ایک نے دوسرے سے کہا چنانچہ دوسرے دن لوگ پہلے سے زیادہ جمع ہو گئے۔ اور آپ کے ساتھ نماز پڑھی، دوسری صبح کو اور چرچا ہوا اور تیسری رات اس سے بھی زیادہ لوگ جمع ہو گئے۔ آں حضورؐ نے (اس رات بھی) نماز پڑھی اور لوگوں نے آپ کی اقتدا کی۔ چوتھی رات یہ عالم تھا کہ مسجد میں نماز پڑھنے آنے والوں کے لیے جگہ بھی باقی نہیں رہی تھی (لیکن اس رات آپ تشریف نہ لائے) بلکہ صبح کی نماز کے لیے باہر تشریف لائے۔ جب نماز پڑھ لی تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور شہادت کے بعد فرمایا۔ اما بعد تمہاری موجودگی کا مجھے علم تھا۔ لیکن مجھے خوف اس کا ہوا کہ کہیں یہ تم پر فرض نہ کر دی جائے اور پھر تم اس کی ادائگی سے عاجز و درماندہ رہ جاؤ۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو بات جوں کی توں تھی (یعنی نماز تراویح با جماعت نہیں ہوتی تھی)۔

فوائد و مسائل واضح ہو کہ یہ احادیث نماز تراویح کے متعلق ہیں۔ عہد نبوی میں نماز تراویح تین دن ہوئی۔ اس کے بعد حضور نے اس کو ترک فرما دیا۔ جس کی وجہ بھی حدیث میں بیان فرما دی کہ کہیں یہ فرض نہ ہو جائیں (کیونکہ زمانہ نزول وحی کا تھا) حتّٰی کہ عہد صدیق اکبر و عہد فاروقی کے اول حصہ میں اسی طرح ہوتا رہا کہ لوگ اپنے طور پر پڑھ لیتے تھے۔ باقاعدہ مسجد میں جماعت نہ ہوتی تھی۔ اس کے بعد جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ لوگ متفرق ہو کر اور کچھ مجتمع ہو کر تراویح پڑھ رہے ہیں تو آپ نے اس کی جماعت بنا دی اور حضرت اُبی ابن کعب جو بہترین قاری تھے۔ انہیں امام مقرر فرما دیا اور اس طرح جب سے لیکر اب تک مسلمان نماز تراویح با جماعت مسجد میں ادا کرتے ہیں

- **نعم البدعة هذا**: حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تراویح کو بدعت حسنہ قرار دیا۔ معلوم ہوا کہ ہر بدعت کو بدعت سیئہ قرار دے دینا درست نہیں ہے۔ ہر نیا کام اگر شریعت کے خلاف نہیں ہے تو کم از کم مباح کے درجہ میں ہے۔ ہر نئے کام کو حرام و ناجائز قرار دے دینا زیادتی ہے۔ بلکہ حضرت علامہ عبد الغنی نابلسی حنفی علیہ الرحمہ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اس زمانہ میں مختلف وضع قطع و ڈیزائن کے ملبوسات کھانے پینے اور رہنے کے نئے نئے انداز اور طریقے شرعاً بدعت نہیں قرار پاتے[1]

---

[1] علامہ قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں: فلا تتناول البدعة من حيث معناها الشرعي شيئا من انواع العادات اصلا جمع عادة۔ وهو كل امر يقصد به حصول غرض دنيوى كالملابس المخترعة في هذا الزمان (باقی ص ۹۰ پر)

فائدہ امام بخاری علیہ الرحمہ نے اس کے بعد حدیث عائشہ ذکر کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں ادا فرماتے تھے۔ اس حدیث پر مکمل و مفصل گفتگو فیوض الباری پارہ پنجم باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ ص ۲۳/۲۹ پر ہو چکی۔ مختصراً مکرر لکھی جاتی ہے۔

عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّهٗ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ سَاَلَ عَائِشَةَ كَيْفَ كَانَتْ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ رَمَضَانَ فَقَالَتْ مَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيْدُ فِىْ رَمَضَانَ وَلَا فِىْ غَيْرِهٖ عَلٰى اِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً يُصَلِّىْ اَرْبَعًا فَلَا تَسْاَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّىْ اَرْبَعًا فَلَا تَسْئَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّىْ ثَلٰثًا قَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَنَامُ قَبْلَ اَنْ تُوْتِرَ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ اِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ (بخاری)

حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن سے مروی ہے۔ اُنھوں نے خبر دی کہ اُنھوں نے حضرت عائشہ سے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان میں (رات کی) نماز کیونکر تھی؟ تو اُنھوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے۔ آپ (پہلے) چار رکعتیں پڑھتے۔ پس تو ان کے حسن اور طول کے بارے میں نہ پوچھ پھر چار رکعتیں پڑھتے اور ان کے (بھی) حسن اور طول کے بارے میں نہ پوچھ۔ پھر تین رکعتیں (وتر کی) پڑھتے۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اے عائشہ بے شک میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا (بخاری)

اس حدیث سے غیر مقلد یہ استدلال کرتے ہیں کہ تراویح آٹھ رکعت ہیں کیونکہ اس سے واضح ہوا حضور علیہ السلام رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت ادا کرتے تھے۔ ان رکعتوں میں تین وتر ہوتے تھے اور آٹھ نفل۔ رمضان میں یہ آٹھ با جماعت تراویح شمار ہوتے تھے۔ اور غیر رمضان میں بغیر جماعت کے وہی آٹھ رکعت تہجد قرار پاتی تھیں۔ لیکن یہ استدلال بھی درست نہیں اور مذکورہ بالا حدیث سے تراویح کا آٹھ رکعت ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ ثابت[1] شدہ حقیقت ہے کہ تہجد و تراویح کی نمازیں الگ الگ ہیں۔

[1] اور دلیل اس کی یہ ہے کہ تہجد کی نماز ہجرت سے پہلے ابتداءِ اسلام میں فرض ہوئی تھی۔ جیسا کہ حدیث ابو داؤد (باقی ص۹۱ پر)

(بقیہ حاشیہ ص۸۹): والمساكن والمآكل والمشارب مما اتخذه الناس انواعا منوعة فلا يسمى فی الشرع بدعة۔ لانه ليس فی الدين بل فی الدنيا وشرط البدعة فی الشرع ان يكون فی الدين حتى لفقه ص۱۳۲ اور آیۃ قل من حرم زينة الله التی الخ کے ماتحت حضرت علامہ تحریر فرماتے ہیں۔

فيه دليل على ان الاصل فی المطاعم والملابس وانواع التجملات الاباحة ص۱۹۴

نماز تہجد حضور نے عمر شریف میں کبھی ایک مرتبہ بھی اول شب میں ادا نہیں فرمائی ہے۔ بلکہ ہمیشہ سونے کے بعد بیدار ہوکر جوف لیل یا آخر شب میں ادا فرمائی ہے ——— اور نماز تراویح حضور نے ہمیشہ اول لیل میں پڑھی ہے۔ اگرچہ فراغت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۰)۔ ابوداؤد (باب صلوٰۃ اللیل ج صفحہ ۱۹ نول کشور) سے ثابت ہے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت تک رمضان کے روزے اور تراویح کی مشروعیت کا کوئی وجود نہ تھا۔ صحابہ کرام رمضان اور غیر رمضان میں نماز تہجد ادا کرتے تھے۔ پھر ۲ھ میں جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو حضور علیہ السلام نے شعبان کے آخری دن کے خطبہ میں فرمایا:۔

جعل الله صيامه فريضة وقيامه تطوعًا بيهقی (مشکوٰۃ صفحہ ۱۳۱)	اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے کو فرض کیا اور اس کے قیام کو نفل قرار دیا۔

اور حدیث ابوسلمہ کے الفاظ یہ ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

كتب الله عليكم صيامه وسننت لكم قيامه (ابن ماجہ صفحہ ۹۵)	مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے تم پر رمضان کے روزے فرض کیے اور میں نے تمہارے لیے اس کا قیام مسنون کیا۔

ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ تراویح اور تہجد الگ الگ نمازیں ہیں۔ اگر قیام رمضان سے نماز تہجد مراد ہوتی تو وہ تو رمضان شریف سے پہلے ہی مشروع تھی۔ رمضان سے اس کا کوئی خاص تعلق نہ تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیام رمضان سے صلوٰۃ تہجد مراد نہیں ہے۔ بلکہ وہی خاص نماز تراویح مراد ہے۔ جو رمضان کے علاوہ کسی دوسرے وقت میں مشروع نہیں ہوئی۔ اسی طرح حدیث دوم میں حضور علیہ السلام کا اس کو مسنون قرار دینا بھی اس امر کی واضح دلیل ہے کہ قیامہ سے نماز تہجد مراد نہیں ہے۔ کیونکہ وہ تو پہلے ہی سے اللہ کے حکم سے مشروع ہو چکی تھی۔ بلکہ نماز تراویح مراد ہے۔ ثابت ہوا کہ نماز تہجد اور نماز تراویح دو الگ الگ نمازیں ہیں۔

سلہ تہجد صرف اس نماز کو کہتے ہیں جو نماز عشا پڑھکر سونے کے بعد بیدار ہو کر پڑھی جائے۔ یہی وجہ ہے حضور علیہ السلام نے ہمیشہ نماز تہجد سو کر اٹھنے کے بعد آخر شب یا نصف شب میں پڑھی ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ حضور علیہ السلام نماز تہجد کے لیے (اذا سمع الصارخ۔ بخاری ج ۱ صفحہ ۱۵۲) مرغ کی آواز سن کر اٹھتے تھے۔ یہ حدیث اس دعویٰ پر نص صریح ہے کہ حضور نے نماز تہجد ہمیشہ آخر شب میں ادا فرمائی ہے۔ یہی اسود کا مضمون ہے۔ کہ حضور علیہ السلام اول لیل میں آرام فرماتے ويقوم آخره (بخاری) اور آخر رات میں اٹھکر نماز پڑھتے۔

طبرانی نے حجاج بن عمرو کی حدیث بروایت کثیر بن العباس روایت کی جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

ايحسب احدكم اذا قام من الليل يصلي حتى يصبح ان قد تهجد انما التهجد بعد رقدة (يجملہ تين دفعہ) تلك كانت صلوٰة رسول الله صلى الله عليه وسلم (عینی ج ۳ صفحہ ۱۲۶)	کیا تم لوگ یہ گمان کرتے ہو کہ تم جب بھی رات میں صبح تک نماز پڑھ لیا کرو تو تہجد کی نماز ادا ہو جائے گی۔ جز ایں نیست کہ تہجد وہ نماز ہے جو سونے کے بعد ہو۔ یہ تین مرتبہ فرمایا۔ پھر کہا۔ حضور کی نماز اسی طرح ہوتی تھی۔ یعنی خواب سے بیدار ہو کر نماز تہجد ادا فرمایا کرتے تھے۔

اس حدیث میں الصلوٰۃ بعد رقدۃ کی تکرار محض تاکید کے لیے ہے۔ ان الفاظ سے روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ تہجد کے لیے سو کر

(باقی صفحہ ۹۲ پر)

کبھی نصف شب میں ہوئی۔ اور کبھی تمام شب میں۔ مگر نماز تراویح کا آغاز حضور نے ہمیشہ ہر دفعہ اول رات میں ہی فرمایا ہے۔ جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جناب عائشہ کی یہ حدیث نماز تراویح کے متعلق نہیں ہے بلکہ صلوٰۃ تہجد کے متعلق ہے۔ اس لیے کہ نماز تراویح

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۱) اٹھنا ضروری ہے۔ نیند کیے بغیر اگر کوئی شخص تمام رات صبح تک نماز پڑھتا رہے تو اس کی نماز تہجد نہ ہوگی۔ نیز حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ:۔

کان اذا قام الی الصلوٰۃ من جوف اللیل۔ | حضور علیہ السلام جب شب کے درمیانی شب میں صلوٰۃ تہجد کیلئے اٹھتے

اس حدیث میں صلوٰۃ سے مراد تہجد ہی ہے۔ کیونکہ یہی حدیث بخاری نے بایں الفاظ روایت کی ہے اذا قام من اللیل یتھجد اور ابن خزیمہ نے اذا قام للتھجد کے الفاظ سے روایت کی ہے۔ غرضیکہ ان روایات سے واضح ہے کہ نماز تہجد وہی ہے جو عشا کے بعد خواب سے بیدار ہو کر پڑھی جائے اور یہ کہ حضور علیہ السلام نے نماز تہجد ہمیشہ جوف لیل سے قبل کبھی ادا نہیں فرمائی۔

سکہ۔ حضور علیہ السلام نے نماز تراویح ہر دفعہ اول شب میں شروع فرمائی ہے:۔

عن ابی ذر۔ قال صمنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم یقم بنا شیئا من الشھر حتی بقی سبع فقام بنا حتی ذھب ثلث اللیل فلما کانت السادسة لم یقم بنا فلما کانت الخامسة قام بنا حتی ذھب شطر اللیل فقلت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو نفلتنا قیام ھذہ اللیلة فقال ان الرجل اذا صلی مع الامام حتی ینصرف حسب لہ قیام لیلة فلما کانت الرابعہ لم یقم بنا فلما کانت الثالثة جمع اھلہ ونسائہ والناس فقام بنا حتی خشینا ان یفوتنا الفلاح قلت ما الفلاح قال السحور ثم لم یقم بنا بقیۃ الشھر۔

(ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ)

حضرت ابوذر سے روایت ہے کہ ہم نے حضور کے ساتھ روزے رکھے تو حضور نے ہمارے ساتھ رمضان میں قیام نہ فرمایا حتیٰ کہ انتیس دن والے رمضان کے سات دن رہ گئے تو حضور نے ہمارے ساتھ تیسویں شب کو قیام فرمایا۔ حتیٰ کہ ایک تہائی رات گزر گئی۔ پھر جب چھٹی رات یعنی چوبیسویں شب ہوئی تو ہمارے ساتھ قیام نہ فرمایا۔ پھر جب اسی حساب سے پانچویں شب ہوئی یعنی پچیسویں تو حضور نے ہمارے ساتھ قیام فرمایا حتیٰ کہ نصف شب گزر گئی۔ پھر میں نے عرض کی یا رسول اللہ کاش اس رات کے قیام کو ہمارے لیے زیادہ فرماتے حضور نے فرمایا جب کوئی شخص امام کے فارغ ہونے تک اس کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو اس کے لیے تمام رات کا قیام لکھا جاتا ہے۔ پھر جب اسی حساب سے چوتھی رات یعنی چھبیسویں شب آئی تو حضور نے ہمارے ساتھ قیام نہ فرمایا۔ اس کے بعد بحساب تیسری شب مذکور آئی۔ تو حضور نے اپنی ازواج مطہرات اور اہل وعیال اور صحابہ کرام کو جمع کیا اور ہمارے ساتھ قیام کیا۔ حتیٰ کہ ہم ڈرے کہ ہم سے فلاح فوت نہ ہو جائے۔ میں نے کہا۔ فلاح کیا ہے؟ کہا سحری۔ پھر بقیہ مہینہ حضور نے ہمارے ساتھ قیام نہ فرمایا۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ رمضان شریف کی ان تینوں راتوں میں حضور علیہ السلام نے اول شب میں نماز تراویح شروع فرمائی۔ پہلی رات میں تہائی حصہ گزرنے پر فراغت ہوئی۔ دوسری رات میں نصف شب گزر جانے پر اور تیسری رات اول سے آخر تک نماز پڑھنے میں گزاری۔ جس سے ثابت ہوا حضور نے نماز تراویح تینوں راتوں میں اول وقت ہی میں ادا فرمائی ہے۔ گو فراغت کبھی نصف شب میں ہوئی اور کبھی تمام شب میں اور (باقی صفحہ ۹۳ پر)

صرف رمضان میں ہوتی ہے۔ اور حدیث زیر بحث میں رمضان اور غیر رمضان کی نماز کا ذکر ہے۔ رمضان اور غیر رمضان میں رات کی نماز تراویح نہیں بلکہ نمازِ تہجد ہے۔ جس سے واضح ہوا کہ حضرت عائشہ حضور کی نماز تہجد کو بیان فرما رہی ہیں، نماز تراویح کو نہیں۔ لہٰذا اس حدیث سے نماز تراویح کا آٹھ رکعت ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس حدیث میں تو صرف نمازِ تہجد کا بیان ہے۔

نیز ہمارے اس دعویٰ کی تائید و توثیق اسی حدیث کے ان جملوں سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ نے عرض کی:۔

اتنام قبل ان توتر	حضور کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟

حضور نے جواب دیا:۔

تنام عینی ولا ینام قلبی	اے عائشہ میری آنکھیں سوتی ہیں، دل نہیں سوتا۔

اور یہ بات مخالفین کو بھی تسلیم ہے کہ ان گیارہ رکعتوں میں تین وتر اور آٹھ نفل ہوتے تھے۔ اور یہ آٹھ اور تین یعنی پوری گیارہ رکعتیں حضور ایک ساتھ پڑھتے تھے تو جب وتر سے قبل حضور کا سو جانا اس حدیث سے ثابت ہوا تو وہ آٹھ نفل جو وتر کے ساتھ حضور پڑھتے تھے ان سے پہلے بھی حضور کا نیند فرمانا ثابت ہو گیا۔ اس سے واضح ہوا کہ حضور کی یہ گیارہ رکعت والی نماز تراویح نہیں بلکہ تہجد اور اور وتر کی نماز تھی۔ اس لیے کہ نیند سے بیدار ہو کر جو نماز پڑھی جائے وہی نمازِ تہجد ہے۔

چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اسی گیارہ رکعت والی حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:۔

روایت محمول بر نمازِ تہجد است کہ در رمضان و غیر رمضان یکساں بود۔ غالباً بعدد یازدہ رکعت مع الوتر می رسد۔ دلیل بریں حمل آں است کہ راوی ایں حدیث ابوسلمہ است در تتمہ ایں روایت می گوید قالت عائشہ اتنام قبل ان توتر الخ وظاہر است کہ نوم قبل از وتر در نماز تہجد متصور می شود نہ در غیر آں۔ (فتاویٰ عزیزی ج ا ص۱۱۹ مجتبائی)	حضرت عائشہ کی گیارہ رکعت والی روایت نماز تہجد پر محمول ہے اس لیے کہ رمضان تہجد رمضان اور غیر رمضان میں یکساں تھی جس کا عدد وتر کے ساتھ غالباً گیارہ تک پہنچتا تھا اور اس روایت کے تہجد پر محمول ہونے کی دلیل یہ ہے کہ راوی حدیث ابوسلمہ اس روایت کے تتمہ میں کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے فرمایا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ حضور نے

فرمایا ہماری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا۔ (اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا) اور ظاہر ہے کہ وتر سے پہلے سونا صلوٰۃ تہجد ہی میں متصور ہو سکتا ہے نہ اس کے غیر میں۔

نیز علامہ[1] ابن حجر عسقلانی نے بھی گیارہ رکعت والی نماز کو صلوٰۃ تہجد اور وتر ہی قرار دیا ہے

---

[1] علامہ ابن حجر کے الفاظ یہ ہیں:۔ وظہر لی ان الحکمۃ فی عدم الزیادۃ علی احدی عشر ان التہجد والوتر مختص بصلوٰۃ اللیل (فتح الباری ج ۳ ص۱۶)

(بقیہ حاشیہ ص۹۲) تہجد کے متعلق احادیث سابقہ سے واضح ہے کہ حضور نے ہمیشہ آخری شب میں ادا کی ہے۔ نماز تہجد حضور نے ساری رات کبھی نہیں پڑھی۔ چنانچہ عائشہ نے تصریح فرمائی ولا اعلم نبی اللہ قرا القرآن کلہ فی لیلۃ ولا صلی لیلۃ الی الصبح (مسلم) میں نہیں جانتی کہ حضور نے ایک رات میں کبھی سارا قرآن پڑھا ہو اور نہ یہ جانتی ہوں کہ حضور نے کسی رات میں صبح تک نماز پڑھی ہو۔ فافہم

غرضیکہ حدیث زیر بحث کے آخری حصہ سے بھی یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ اس حدیث میں جس نماز کا ذکر ہے وہ نماز تراویح نہیں بلکہ صلوٰۃ تہجد ہے۔ لہٰذا اس حدیث سے آٹھ رکعت تراویح کے مسنون ہونے کا استدلال درست نہیں۔

• اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا حضور کی نیند ناقض وضو نہیں۔ علامہ ابن عربی علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ نیند بھی ایک آفت ہے جس کی وجہ سے نفس کو جو اقلیم بدن پر حکومت حاصل ہوتی ہے وہ ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن اللہ عزوجل نے حضور علیہ السلام کو اس سے محفوظ رکھا ہے۔ آپ کی صرف آنکھوں پر نیند طاری ہوتی قلب اقدس ہمیشہ بیدار رہتا۔

لطیفہ مذکورہ بالا حدیث جس سے غیر مقلد وہابی آٹھ رکعت تراویح کا استدلال کرتے ہیں۔ ان کے بھی خلاف جاتی ہے۔ کیونکہ اگر اس سے بالفرض آٹھ رکعت تراویح ثابت مانی جائے تو تین رکعت وتر کا ثبوت بھی ہوتا ہے۔ لیکن وہابی حضرات ایک رکعت پڑھتے ہیں۔ گویا ان کا یہ حال ہے کہ حدیث کی ایک بات کا اقرار کر رہے ہیں، دوسری بات کا انکار۔

دوم یہ کہ اگر اس حدیث میں نماز تراویح مراد ہے اور حضور نے آٹھ تراویح پڑھی تھی تو جناب عمر نے بیس تراویح کا حکم کیوں دیا؟ اور تمام صحابہ کرام نے اس حکم کو کیوں قبول کیا؟ خود حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ نے کیوں نہیں صحابہ سے یہ فرمایا کہ حضور تو آٹھ پڑھتے تھے اور تم بیس پڑھ رہے ہو یہ تو سنت کے خلاف ہے۔

سوم۔ اگر غیر مقلد وہابی حضرات کے نزدیک بیس رکعت تراویح پڑھنا بدعت سیئہ اور خلاف سنت ہے تو پھر خلفاء راشدین و ائمہ دین جو بیس رکعت تراویح کے قائل و عامل تھے۔ ان کے متعلق ان کا کیا فتویٰ ہوگا۔ کیا معاذ اللہ وہ بھی بدعتی تھے اور نعوذ باللہ خلاف سنت کام کیا کرتے تھے۔ سوچئے! کہ آپ کے اس بے جا غلو و تشدد کی زد میں وہ محترم ہستیاں بھی آجاتی ہیں جن کا ایمان و تقویٰ اور متبع سنت ہونا آفتاب سے زیادہ واضح و ثابت ہے۔

تراویح بیس رکعت ہی مسنون ہے

اگرچہ یہ مسئلہ خالص فروعی ہے مگر حیرت ہے کہ بعض لوگ یہاں تک دعویٰ کر دیتے ہیں کہ بیس رکعت تراویح کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور یہ کہ بیس رکعت تراویح پڑھنا بدعت مذمومہ ہے۔ اس کے جواب میں سب سے پہلے تو یہ کہہ دینا کافی ہے کہ مذکورہ بالا دعویٰ کرنے والے انشاء اللہ العزیز قیامت تک کسی صریح صحیح غیر مجروح حدیث و آثار صحابہ کرام و اقوال ائمہ دین سے رمضان میں نماز تراویح کا آٹھ رکعت ہونا اور بیس رکعت تراویح کا بدعت مذمومہ ہونا ثابت نہیں کر سکتے۔

ثانیاً۔ بیس رکعت تراویح کا ثبوت عہد نبوی و عہد خلفاء اربعہ و اقوال آئمہ کرام سے واضح و ثابت ہے۔

عہد نبوی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم کان یصلی فِی رَمَضَانَ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً

(بیہقی ج ۲ ص۴۹۶)

حضور علیہ السلام رمضان میں بیس رکعت تراویح ادا فرماتے تھے۔

مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص۳۹۴

عہد فاروقی و عثمانی عن السائب قال کانوا القومون علی عہد عمر فی شہر رمضان

سائب فرماتے ہیں کہ لوگ زمانۂ عمر میں ماہ رمضان میں بیس تراویح پڑھتے تھے۔ اور سو سے زائد آیتوں والی سورتیں

بعشرین رکعۃ قال وکانوا یقرءون بالمئین وکانوا یتوکون علی عصیھم فی عھد عثمان من شدۃ القیام۔

پڑھتے اور حضرت عثمان کے زمانہ میں شدتِ قیام کی وجہ سے لاٹھیوں پر ٹیک لگاتے تھے۔
(سنن کبریٰ بیہقی ج ۲ ص ۲۹۶۔ قیام اللیل)

عہدِ علی مرتضیٰ

ان علیا امر رجلا یصلی بھم فی رمضان عشرین رکعۃ

ہیں، علی مرتضیٰ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ مسلمانوں کو رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھائے۔ (الجوہر صفحہ ۴۹۵ النقی علی سنن ص ۴۹۶۔ البیہقی ج ۲، عینی جلد ۳ صفحہ ۵۹۸

[illegible] ابن ابی شیبہ ج ۲ صفحہ ۳۹۳)

امام تراویح ابی ابن کعب

عن ابی ابن کعب ان عمر بن الخطاب امرہ ان یصلی باللیل فی رمضان فصلی بھم عشرین رکعۃ ابن منیع۔

ابی ابن کعب فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے آپ کو رمضان کی راتوں میں تراویح پڑھانے کا حکم دیا تو آپ نے لوگوں کو بیس تراویح پڑھائیں۔
(کنز العمال ص ۲۸۴ ج ۴۔ آثار السنن ج ۲ صفحہ ۵۷)

اجماعِ صحابہ کرام

اجمع الصحابۃ علی ان التراویح عشرون رکعۃ۔

شیخ الاسلام امام ابن حجر فرماتے ہیں۔ صحابہ کرام نے اس پر اتفاق کیا کہ تراویح بیس رکعت ہیں۔
(مجموعہ فتاویٰ عبدالحی ج ۱ ص ۳۱۷ مطبوعہ لکھنؤ مرقات ج ۳ ص ۹۴)

امام ابو حنیفہ

امام سرخسی حنفی فرماتے ہیں:-

انما عشرون سوی الوتر عندنا

ہمارے (یعنی حنفیوں کے) نزدیک تراویح بیس رکعت ہیں سوائے وتر کے (مبسوط امام سرخسی ج ۲ ص ۱۴۴ مطبوعہ مصر)

امام مالک

امام اھلِ مدینہ کے نزدیک اصل تراویح بیس رکعت ہیں۔ مگر چونکہ اہلِ مدینہ ہر ترویحہ (چوگانہ) کے بعد طواف کعبہ کیا کرتے تھے۔ اس لیے اہلِ مدینہ نے مکہ والوں کے طواف کی جگہ چار چار رکعت نوافل بڑھا لیے جن کی تعداد سولہ بنتی ہے۔ تراویح میں ملا کر چھتیس رکعات۔ اسی لیے بعض فقہا امام مالک سے بیس تراویح نقل کرتے ہیں اور بعض ۳۶ رکعات۔

المالکیۃ قالوا عدد التراویح عشرون رکعۃ۔

مالکیوں نے فرمایا کہ تراویح کی تعداد بیس رکعت ہے۔
(الفقہ علی المذاہب ص ۳۴۲۔ الاربعہ ج ۱ مطبوعہ مصر

قال مالک رحمۃ اللہ ستۃ وثلاثون رکعۃ

امام مالک رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ تراویح چھتیس رکعات ہیں۔ (مبسوط سرخسی ص ۱۴۴ مطبوعہ مصر)

امام شافعی و اہلِ مکہ

مروزی فرماتے ہیں قال الامام الشافعی واحب الی عشرین وکذالک یقومون بمکۃ۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں بیس رکعت تراویح کو پسند کرتا ہوں اور بیس تراویح ہی اہلِ مکہ بھی پڑھتے ہیں۔
(قیام اللیل مروزی ص ۹۲۔ نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج [illegible] شافعی جلد اول)

امام احمد بن حنبل نے فرمایا: قال الحنابلة والتراویح عشرون ولا باس بالزیادة لضائی عن الامام احمد وبه قال.

حنبلی نے فرمایا۔ تراویح بیس رکعت ہیں اور بیس سے زیادہ میں بھی کوئی حرج نہیں۔ امام احمد نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور یہی ان کا قول ہے (قسطلانی شرح بخاری ج۳ ص۴۲۶)

امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں۔ قول ابی حنیفه والشافعی واحمد ان صلوٰة التراویح فی شهر رمضان عشرون رکعة مع قول مالک فی احد الروایات عسانها ستة وثلاثون رکعة

امام ابوحنیفہ، شافعی واحمد کا قول یہ ہے کہ تراویح ماہ رمضان میں بیس رکعت ہیں۔ امام مالک کا قول ایک روایت میں ۳۶ رکعت ہیں

(میزان الشریعۃ الکبریٰ ج۱ ص۱۴۵،
رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمہ ج۱ ص۵۹ مطبوعہ مصر)

امام ترمذی نے تصریح فرمائی ہے کہ اکثر اہل علم اس پر عامل ہیں جو علی مرتضیٰ و حضرت عمر سے مروی ہے اور ان کے علاوہ نبی کریم کے اصحاب سے بیس رکعت تراویح ہی روایت کی گئی ہیں۔ امام سفیان ثوری ابن مبارک امام شافعی کا قول بھی بیس رکعت تراویح ہے اور امام شافعی نے فرمایا کہ مکہ معظمہ میں میں نے لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھتے پایا۔

وغیرهما من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم عشرین رکعة وقول سفیان الثوری وابن المبارک والشافعی وقال الشافعی وهکذا ادرکت ببلدنا بمکة یصلون عشرین رکعة۔ (ترمذی ج۱ ص۱۱۹)

- الغرض صدر اول سے لیکر آج تک صحابہ و تابعین و ائمہ دین کا بیس تراویح پر عمل ہے۔

والذی استقر الامر واشتهر من الصحابة والتابعین ومن بعدهم اجمعین هو العشرون عن الصدر الاول الی الان (ماثبت من السنة)

اور وہ جس پر صحابہ و تابعین اور ان کے بعد والوں کا فیصلہ قرار پایا اور مشہور رہا صدر اول سے لے کر آج تک وہ بیس رکعت تراویح پڑھنا ہے۔

- علامہ شامی فرماتے ہیں:۔

علیه عمل الناس شرقاً وغرباً (ج۱ ص۶۲۶)

بیس تراویح مشرق و مغرب کے مسلمانوں کا عمل ہے

- حتیٰ کہ علامہ ابن تیمیہ نے بھی یہ تصریح کی ہے:۔

والتراویح ان صلاها کمذهب ابی حنیفه والشافعی واحمد عشرین رکعة وکمذهب مالک ستة وثلاثین رکعة الخ

امام ابوحنیفہ و شافعی اور احمد کا مذہب یہ ہے۔ کہ تراویح بیس رکعت ہیں۔ امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ ۳۶ رکعات ہیں۔ (مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ ج۲)

- بلکہ تراویح کا بیس رکعت ہونا اتنا واضح و ثابت ہے کہ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کو بھی یہ کہنا پڑا:۔

و در قدر صلوٰۃ ابی اختلاف است۔ از یازدہ تا بست ولبست ویک بست وسہ و بالجملہ عددے معین اور مرفوع نیامدہ و تکثیر نفل و تطوع سود منداست۔ پس منع از بست

یعنی ابی ابن کعب کی قدر نماز تراویح میں اختلاف ہے۔ گیارہ سے لے کر ۲۰ اور ۲۱ اور ۲۳ رکعات تک۔ بہرحال مرفوع حدیث میں تراویح کی معین تعداد نہیں آئی۔ اور نوافل

وزیادہ چیزے نیست۔ | کو زیادہ کرنا فائدہ مند ہے۔ پس بیس رکعت تراویح یا زیادہ سے منع کرنا کوئی چیز نہیں (یعنی فضول، غلط) ہے۔ (عرف الجادی ص۹۲۔ مطبوعہ بھوپال)

انصاف کیجئے! بیس رکعت تراویح پر صحابہ و تابعین و ائمہ دین کا عمل ہے۔ اس حقیقت کے باوجود بعض لوگ بیس رکعت تراویح کو بدعت مذمومہ قرار دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ضد و تعصب سے ہر مسلمان کو بچائے اور حق قبول کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

بَابُ فَضْلِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ

باب شب قدر کی فضیلت کے متعلق

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالٰى اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِىْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۚ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۭ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ڏ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۭ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۛ سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ بیشک ہم نے اسے شب قدر میں اتارا۔ اور تم نے کیا جانا کیا ہے شب قدر؟ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس میں فرشتے اور جبریل اترتے ہیں اپنے رب کے حکم سے ہر کام کے لیے۔ وہ سلامتی ہے صبح چمکنے تک۔

سورۂ قدر مدنی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ مکی ہے اس میں ایک رکوع پانچ آیتیں تیس کلمے اور ایک سو بارہ حروف ہیں خلاصہ مضمون سورۃ یہ ہے۔ قرآن مجید کا لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف یکبارگی نزول شب قدر میں ہوا۔ شب قدر شرف و برکت والی رات ہے۔ اس کو شب قدر اس لیے کہتے ہیں کہ اس شب میں سال بھر کے احکام نافذ کیے جاتے ہیں۔ اور ملائکہ کو سال بھر کے وظائف و خدمات پر مامور کیا جاتا ہے۔ شب قدر میں نیک عمل کرنا ہزاروں راتوں کے عمل سے بہتر ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امم گذشتہ کے ایک شخص کا ذکر فرمایا جو تمام رات عبادت کرتا تھا اور تمام دن جہاد میں مصروف رہتا تھا۔ اسی طرح اس نے ہزار مہینے گزار دیے۔ مسلمانوں کو اس کی عبادت و ریاضت پر تعجب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حضور کو شب قدر عطا فرمائی اور یہ آیت نازل کی کہ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے (ابن جریر) اور یہ اللہ تعالےٰ کا اپنے حبیب مکرم پر کرم ہے کہ آپ کے امتی شب قدر کی ایک رات عبادت کریں تو ان کا ثواب پچھلی امت کی ہزار ماہ عبادت کرنے والوں سے زیادہ ہو۔ اس رات فرشتے اترتے ہیں اور زمین میں جو بندہ کھڑا یا بیٹھا یادِ الٰہی میں مشغول ہوتا ہے اس کو سلام کرتے ہیں اور اس کے حق میں دعا و استغفار کرتے ہیں۔

- حضرت انس سے مروی ہے رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے فرمایا جب لیلۃ القدر ہوتی ہے تو:

نَزَلَ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ كَبْكَبَةٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ يُصَلُّوْنَ عَلٰى كُلِّ عَبْدٍ قَائِمٍ اَوْ قَاعِدٍ يَذْكُرُ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ۔

جبرئیل امین علیہ السلام فرشتوں کی جماعت کے ساتھ اترتے ہیں اور ہر اس کھڑے اور بیٹھے ہوئے کو دعا دیتے ہیں جو اللہ عز وجل کا ذکر کر رہا ہو۔

- ام المومنین جناب عائشہ صدیقہ عفیفہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ اگر میں یہ جان لوں کہ لیلۃ القدر کونسی رات ہے تو اس میں کیا پڑھوں۔ حضور نے فرمایا بارگاہِ الٰہی میں یہ عرض کرو:۔

اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ (ابن ماجہ۔ ترمذی)

الٰہی تو معاف فرمانے والا ہے۔ معافی کو پسند فرماتا ہے۔ مجھے معافی دے دے۔

• وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ مَا كَانَ فِی الْقُرْآنِ مَا أَدْرَاكَ فَقَدْ أَعْلَمَهُ وَمَا قَالَ وَمَا يُدْرِيكَ فَإِنَّهُ لَمْ يُعْلِمْهُ (بخاری)

ابن عیینہ نے بیان کیا کہ قرآن میں ما ادراك آیا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ نے حضور کو بتا دیا ہے اور جس کے لیے ما یدریك استعمال ہوا اسے نہیں بتایا۔

ظاہر ہے کہ سفیان بن عیینہ کا بیان کردہ یہ ضابطہ ان کی اپنی رائے ہے اور یہ حصر صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ آیت ما یدریک لعلہ یزکی حضرت ابن ام مکتوم کے حق میں نازل ہوئی۔ اور باوجود اس بات کے یہاں یدریک آیا ہے حضور علیہ السلام ابن مکتوم کے حال سے واقف تھے۔ حتیٰ کہ بعض شارحین نے یہ فرمایا: حافظ ضیاء کی روایت میں مذکورہ بالا جملے موجود نہیں ہیں۔

بَابُ الْتِمَاسِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ فِی السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ

باب شب قدر کی تلاش آخری سات راتوں میں

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رِجَالًا مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرُوا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِی الْمَنَامِ فِی السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَى رُؤْيَاكُمْ قَدْ تَوَاطَأَتْ فِی السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ فَمَنْ كَانَ مُتَحَرِّيهَا فَلْيَتَحَرَّهَا فِی السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند اصحاب کو شب قدر خواب میں (رمضان کی) سات آخری تاریخوں میں دکھائی گئی۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے خواب سات آخری تاریخوں پر متفق ہو گئے ہیں، اس لیے جسے اس کی تلاش ہو وہ انہیں سات آخری تاریخوں میں تلاش کرے۔

فوائد و مسائل اس حدیث سے واضح ہوا۔ شب قدر رمضان کے آخری عشرہ میں ہوتی ہے۔ طاق تاریخوں میں۔ قرآن مجید سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے

شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن: اس آیت سے معلوم ہوا کہ نزول قرآن ماہ رمضان میں ہوا۔ اور انا انزلنه فی لیلة القدر سے واضح ہوا کہ قرآن شب قدر میں نازل ہوا۔ تو پس ان دونوں آیتوں سے واضح ہوا۔ کہ شب قدر رمضان میں ہوتی ہے۔

۲۔ حضور علیہ السلام کے بعض صحابہ کو لیلۃ القدر رمضان کی سات آخری تاریخوں میں دکھائی گئی۔ کسی کو ۲۱۔ کسی کو ۲۳۔ کسی کو ۲۵۔ کسی کو ۲۷۔ کسی کو ۲۹ رمضان کو۔ حضور علیہ السلام نے صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا۔ تمہارے خواب شخصی تعیین میں تو مختلف ہیں۔ مگر نوعی تعیین میں متفق ہیں۔ یعنی ہر شخص نے اسے رمضان کے آخری ہفتہ میں دیکھا۔ لہٰذا شب قدر کو رمضان کے آخری ہفتہ میں تلاش کیا کرو۔

• أَبِی سَلَمَةَ قَالَ سَأَلْتُ أَبَا سَعِيدٍ وَكَانَ لِیْ

ابو سلمہ نے بیان کیا کہ میں نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ

صَبِیْحَۃَ عِشْرِیْنَ فَخَطَبَنَا وَ قَالَ اِنِّیْ اُرِیْتُ لَیْلَۃَ الْقَدْرِ ثُمَّ اُنْسِیْتُہَا فَالْتَمِسُوْہَا فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ فِی الْوِتْرِ وَاِنِّیْ رَاَیْتُ اِنِّیْ اَسْجُدُ فِیْ مَآءٍ وَّ طِیْنٍ فَمَنْ کَانَ اعْتَکَفَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلْیَرْجِعْ فَرَجَعْنَا وَمَا نَرٰی فِی السَّمَآءِ قَزْعَۃً فَجَآءَتْ سَحَابَۃٌ فَمَطَرَتْ حَتّٰی سَالَ سَقْفُ الْمَسْجِدِ وَکَانَ مِنْ جَرِیْدِ النَّخْلِ وَاُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ فَرَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْجُدُ فِی الْمَآءِ وَالطِّیْنِ حَتّٰی رَاَیْتُ اَثَرَ الطِّیْنِ فِیْ جَبْہَتِہٖ۔

سے پوچھا۔ وہ میرے دوست تھے۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان کے دوسرے عشرہ میں اعتکاف میں بیٹھے۔ بیس تاریخ کی صبح کو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہمیں خطبہ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے لیلۃ القدر دکھائی گئی لیکن بھلادی گئی (آپ نے یہ فرمایا، کہ میں خود بھول گیا، اس لیے تم اسے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ میں نے یہ بھی دیکھا ہے (خواب میں) کہ میں کیچڑ میں سجدہ کر رہا ہوں۔ پس جو لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ اعتکاف میں بیٹھے ہوں وہ واپس ہوجاتے، چنانچہ ہم واپس آگئے۔ اس وقت آسمان پر ایک بادل کا ایک ٹکڑا بھی نہیں تھا۔ لیکن دیکھتے ہی دیکھتے بادل آیا اور بارش اتنی ہوئی کہ مسجد کی چھت سے پانی ٹپکنے لگا۔ چھت کھجور کی شاخوں سے بنی ہوئی تھی۔ پھر نماز کی اقامت ہوئی تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیچڑ میں سجدہ کر رہے تھے۔ میں نے مٹی کا اثر آپ کی پیشانی پر نمایاں دیکھا۔

فوائد و مسائل

ا ونسیتھا۔ راوی کو اس میں شک ہے۔ حضور نے یہ فرمایا کہ بھلا دیا گیا۔ یا بھول گیا۔ واضح ہو کہ دین کے وہ احکام و مسائل جن کی تبلیغ کا فرض انبیاء کرام کو سونپا جائے۔ اس میں بھول چوک نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کو کسی حکمت کی بنا پر اگر کوئی بات بھلادے تو اس پر قائم نہیں رہنے دیتا اور جو امور حضور یا ت دین سے نہ ہوں اس میں بھول ممکن ہے۔ قرآن مجید میں ہے فلا تنسی الا ما شاء اللہ۔ علامہ عینی نے تصریح کی ہے: نسیان الاحکام التی یجب علیہ التبلیغ لہا لا یجوز ولو جاز ووقع لذکرہ اللہ تعالیٰ (ج ۵ ص ۳۶۴)

انی اسجد مطلب یہ کہ مجھے خواب میں شب قدر دکھائی گئی اور اس کی علامت یہ بتائی گئی کہ اس سال شب قدر میں بارش ہوگی۔ مسجد نبوی میں کیچڑ ہوجائے گی۔ اور ہم اس کیچڑ میں نماز فجر ادا کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آسمان پہ ذرا بھی بادل نہ تھے۔ مگر اچانک بادل امنڈ ے برسے مسجد مبارک کی چھت (جو کھجور کے تنوں، اس کی شاخوں اور پتوں پر مشتمل تھی جس سے دھوپ بھی چھن کر آجاتی تھی) ٹپکی۔ پھر جب نماز فجر پڑھی گئی تو سجدہ کیچڑ میں ہوا۔ حضور کی پیشانی اقدس پر کیچڑ کے آثار نمایاں تھے۔

۲۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ اس سال شب قدر رمضان کی اکیسویں شب کو ہوئی۔ لیکن ہمیشہ اکیسویں شب ہونا ضروری نہیں ہے۔ البتہ بعض علماء نے اس حدیث کے پیش نظر یہ رائے قائم کی کہ شب قدر رمضان کی اکیسویں کو ہوتی ہے۔ لیکن ستائیسویں کا قول کرتے ہیں۔

بَابُ تَحَرِّي لَيْلَةِ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ

باب شب قدر کی تلاش، آخری عشرہ کی طاق راتوں میں،

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"شب قدر کی تلاش، رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں کرو"

• عَنْ اَبِي سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُجَاوِرُ فِي رَمَضَانَ الْعَشْرَ الَّتِي فِي وَسْطِ الشَّهْرِ فَاِذَا كَانَ حِيْنَ يُمْسِي مِنْ عِشْرِيْنَ لَيْلَةً تَمْضِيْ وَيَسْتَقْبِلُ اِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ رَجَعَ اِلٰى مَسْكَنِهٖ وَرَجَعَ مَنْ كَانَ يُجَاوِرُ مَعَهٗ وَاَنَّهٗ اَقَامَ فِي شَهْرٍ جَاوَرَ فِيْهِ اللَّيْلَةَ الَّتِي كَانَ يَرْجِعُ فِيْهَا فَخَطَبَ النَّاسَ فَاَمَرَهُمْ مَا شَآءَ اللهُ ثُمَّ قَالَ كُنْتُ اُجَاوِرُ هٰذِهِ الْعَشْرَ ثُمَّ قَدْ بَدَا لِي اَنْ اُجَاوِرَ هٰذِهِ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ فَمَنْ كَانَ اعْتَكَفَ مَعِيَ فَلْيَثْبُتْ فِي مُعْتَكَفِهٖ وَقَدْ اُرِيْتُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ ثُمَّ اُنْسِيْتُهَا فَابْتَغُوْهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ وَابْتَغُوْهَا فِي كُلِّ وِتْرٍ وَقَدْ رَاَيْتُنِيْ اَسْجُدُ فِي مَآءٍ وَطِيْنٍ فَاسْتَهَلَّتِ السَّمَآءُ فِي تِلْكَ اللَّيْلَةِ فَاَمْطَرَتْ فَوَكَفَ الْمَسْجِدُ فِي مُصَلَّى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ اِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ فَبَصُرَتْ عَيْنِيْ نَظَرْتُ اِلَيْهِ انْصَرَفَ مِنَ الصُّبْحِ وَوَجْهُهٗ مُمْتَلِئٌ طِيْنًا وَمَآءً۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے اس عشرہ میں اعتکاف کرتے تھے جو مہینے کے بیچ میں پڑتا ہے۔ بیس راتوں کے گزر جانے کے بعد جب اکیسویں کی رات آتی تو آپ گھر واپس آجاتے تھے۔ جو لوگ آپ کے ساتھ اعتکاف میں ہوتے وہ بھی واپس آجاتے۔ ایک سال آپ جب اعتکاف کیے ہوئے تھے تو اس رات میں بھی (مسجد ہی میں) مقیم رہے جس میں آپ کی عادت گھر واپس آجانے کی تھی، پھر آپ نے لوگوں کو خطاب کیا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے چاہا، آپ نے لوگوں کو اس کا حکم دیا پھر فرمایا کہ میں اس (دوسرے) عشرہ میں اعتکاف کیا کرتا تھا لیکن اب مجھ پر یہ حقیقت واضح ہوئی کہ اس آخری عشرہ میں مجھے اعتکاف کرنا چاہیئے۔ اس لیے جس نے میرے ساتھ اعتکاف کیا ہے وہ اپنے معتکف ہی میں ٹھہرا رہے، مجھے یہ رات (شب قدر) دکھائی گئی تھی، لیکن پھر بھلا دی گئی۔ اس لیے تم لوگ اسے آخری عشرہ میں تلاش کرو۔ (خاص طور سے) طاق راتوں میں۔ میں نے (خواب میں) دیکھا ہے کہ میں کیچڑ میں سجدہ کر رہا ہوں۔ اسی رات آسمان ابر آلود ہوا اور بارش برسی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کی جگہ پر (چھت سے) پانی ٹپکنے لگا۔ یہ اکیسویں کی رات کا ذکر ہے۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ آپ بعد نماز فجر واپس ہو رہے تھے اور آپ کے روئے اقدس پر کیچڑ لگی ہوئی تھی؛

• عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْتَمِسُوْا۔

حضرت عائشہ سے مروی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شب قدر کو تلاش کرو۔

• عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُجَاوِرُ فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ وَيَقُوْلُ تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ۔

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے تھے اور فرماتے تھے رمضان کے آخری عشرہ میں شب قدر کو تلاش کرو۔

• عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْتَمِسُوْهَا فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي تَاسِعَةٍ تَبْقٰى فِي سَابِعَةٍ تَبْقٰى فِي خَامِسَةٍ تَبْقٰى۔ (بخاری)

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو۔ جب نو دن، سات دن، پانچ دن باقی رہ جائیں۔

ان احادیث سے واضح ہوا کہ شب قدر ہر سال ماہ رمضان میں رمضان کے آخری عشرہ میں آتی ہے —— عربوں کا دستور ہے کہ وہ ابتداء مہینہ میں تاریخ کا اعتبار شروع مہینہ سے کرتے ہیں۔ مثلاً مہینہ کی پانچویں تاریخ وہ ہے جس سے پہلے دن گزر چکے ہوں، آٹھویں تاریخ وہ ہے جس سے پہلے مہینہ کے سات دن گزر چکے ہوں —— اور مہینہ کے انتہا میں آخر کی طرف سے حساب کرتے ہیں اور اس کے ساتھ لفظ تبقی بولتے ہیں۔ مثلاً:—

تبقی فی تاسعة : جس کے بعد مہینہ کے نو دن باقی رہ جائیں۔ یعنی ۲۱ تاریخ

تبقی فی سابعة : جس کے بعد مہینہ کے سات دن باقی رہ جائیں۔ یعنی ۲۳ تاریخ

تبقی فی خامسة : جس کے بعد مہینہ کے پانچ دن باقی رہ جائیں۔ یعنی ۲۵ تاریخ

اس حدیث میں بھی اسی دستور کے مطابق حضور نے گفتگو فرمائی ہے —— بعض شارحین نے تاسعہ سے ۲۹، سابعہ سے ۲۷۔ خامسہ سے ۲۵ تاریخ مراد لی ہے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ الْعَمَلِ فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ

باب رمضان کے آخری عشرہ کا عمل

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِئْزَرَهٗ وَاَحْيَا لَيْلَهٗ وَاَيْقَظَ اَهْلَهٗ۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پوری طرح مستعد ہو جاتے۔ رات کو جاگتے اور اپنے گھر والوں کو بھی بیدار کرتے (بخاری)

معلوم ہوا کہ رمضان کے آخری عشرہ میں خصوصی طور پر ذکر و فکر و عبادتِ الٰہی میں مشغول ہونا، نہ صرف خود بلکہ اپنے

اہل و عیال کو بھی جگانا اور انہیں عبادت کی طرف توجہ دلانا باعث برکت و موجب رحمت ہے۔

• عَنْ عُبَادَةَ ابْنِ الصَّامِتِ قَالَ خَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِیُخْبِرَنَا بِلَیْلَۃِ الْقَدْرِ فَتَلَاحَی رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ فَقَالَ خَرَجْتُ لِأُخْبِرَکُمْ بِلَیْلَۃِ الْقَدْرِ فَتَلَاحَی فُلَانٌ وَفُلَانٌ فَرُفِعَتْ وَعَسٰی اَنْ یَکُوْنَ خَیْرًا لَکُمْ فَالْتَمِسُوْھَا فِی التَّاسِعَۃِ وَالسَّابِعَۃِ وَالْخَامِسَۃِ (بخاری)

حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں شب قدر کی اطلاع دینے کے لیے تشریف لا رہے تھے کہ دو مسلمان آپس میں جھگڑ پڑے۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ میں تمہیں شب قدر بتانے آیا تھا۔ لیکن فلاں فلاں نے آپس میں جھگڑا کیا۔ اس لیے اس کا علم اٹھا لیا گیا۔ امید ہے یہ ہی تمہارے حق میں بہتر ہو۔ اب تم اسکی تلاش نو، سات، پانچ کی رات میں کیا کرو۔

• قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھِیَ فِی الْعَشْرِ ھِیَ فِیْ تِسْعٍ یَّمْضِیْنَ اَوْ فِیْ سَبْعٍ یَّبْقَیْنَ یَعْنِیْ لَیْلَۃَ الْقَدْرِ

حضرت ابن عباس نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (شب قدر) (رمضان کے) آخری عشرہ میں ہوتی ہے۔ جب نو راتیں گزر جائیں یا سات راتیں باقی رہ جائیں ——— حضرت ابن عباس

• عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اِلْتَمِسُوْا فِیْ اَرْبَعٍ وَّعِشْرِیْنَ (بخاری)

نے فرمایا شب قدر کو رمضان کی ۲۴ کو تلاش کرو۔

بحث: شارحین کرام نے اس کے متعدد معنی کیے ہیں۔ یہ کہ شب قدر کی تاریخ کا علم اٹھا لیا گیا۔ یہ کہ اس سال اس شب کی رحمت و برکت اٹھالی گئی۔ یہ کہ ملائکہ جو نازل ہوتے ہیں۔ اس سال ان کا نزول ان کے جھگڑنے کی وجہ سے نہ ہوا۔

۲۔ جھگڑنے والے عبداللہ بن حدرد و کعب ابن مالک تھے۔

۳۔ شب قدر کی تاریخ کو چھپا لینے میں یہ حکمت ہے کہ لوگ اس کی تلاش اور اس کو پا لینے کیلئے بہت راتوں میں عبادت کریں۔

• روایت ابن عیینہ میں ہے انہ اعلم بعد ذالک بتعینہا (عینی ج ۵ ص ۳۶۹) حضور علیہ السلام کو شب قدر کا علم عطا فرما دیا گیا۔

۲۔ فرفعت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ شب قدر کے وجود ہی کو ختم کر دیا گیا۔ کیونکہ اگر یہ مطلب ہوتا تو حضور یہ نہ فرماتے کہ شب قدر رمضان کی فلاں فلاں تاریخ میں تلاش کرو۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کی صحیح تاریخ مخفی کر دی گئی۔

۳۔ حضرت کعب اور عبداللہ بن حدرج اپنے قرض کے سلسلہ میں جھگڑے تھے۔ ظاہر ہے کہ اپنے حق کی وصولی کے لیے اصرار کرنا بلکہ مسجد میں مطالبہ کرنا، کوئی بری بات نہ تھی۔ مگر چونکہ بحضور نبوی ان کی آوازیں بلند ہوگئیں جو اگرچہ بے اختیار بلند ہوئیں۔ کیونکہ حضور تو اتفاقاً شب قدر کی خبر دینے کے لیے مسجد تشریف لائے تھے۔ تاہم ان کا جھگڑنا بارگاہ الٰہی میں ناگوار گزرا اور شب قدر کی صحیح تاریخ کو چھپا لیا گیا۔ مگر حضور کی رحمت نے اس موقع پر بھی ساتھ دیا اور آپ نے فرمایا اگرچہ تمہارے جھگڑنے کی وجہ سے شب قدر کو اٹھا لیا گیا۔ مگر یہ بات بھی تمھارے لیے بہتر ہے۔ بہتری یہ ہے کہ رمضان کے آخری عشرہ میں اسے تلاش کرو۔ پھر اگر واقعی شب قدر کو پا لوگے تو اس نعمت عظمیٰ کو حاصل کر لوگے اور اس کے ساتھ ساتھ شب قدر کی تلاش میں جو وقت صرف ہوا اس کے حصول کے لیے ہر رات میں جو عبادتیں کیں اس کا اجر علیحدہ مل جائے گا۔ اور شب قدر

کے حصول کے لیے رمضان کا آخری عشرہ خصوصی طور پر ذکر و فکر و عبادت الٰہی میں گزرے۔ اسی بنا پر حضور علیہ السلام نے بھی شب قدر کی تاریخ کے متعین نہ ہونے کو اُمت کے لیے بہتر قرار دیا۔ رہی یہ بات حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شب قدر کا علم تھا؟

بَابُ الْاِعْتِكَافِ فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ وَالْاِعْتِكَافِ فِي الْمَسَاجِدِ كُلِّهَا

باب رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف، خواہ کسی مسجد میں ہو

لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ ط تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور عورتوں کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ جب تم مسجدوں میں اعتکاف سے ہو۔ یہ اللہ کی حدیں ہیں۔ ان کے پاس نہ جاؤ۔ اللہ یُوں ہی بیان کرتا ہے لوگوں سے اپنی آیتیں کہ کہیں انہیں پرہیز گاری ملے

فوائد امام بخاری نے فی المساجد کے لفظ سے عنوان قائم کیا جس سے واضح ہُوا کہ اعتکاف کے لیے مسجد شرط ہے۔ مسجد کے علاوہ کسی دوسری جگہ اعتکاف درست نہیں ہے۔ البتہ اعتکاف کے لیے کسی خاص مسجد کی شرط نہیں ہے • لغت میں اعتکاف کے معنیٰ مکث وحبس یعنی رکھنے باز رہنے کے ہیں۔ اور شرع میں اعتکاف مسجد میں نیت کے ساتھ ٹھہرنے اور اس کو علی وجہ مخصوص لازم کرلینے کے ہیں۔ رمضان کے عشرۂ آخیرہ کا اعتکاف سنتِ مؤکدہ کفایہ ہے۔ نذر مان لے تو واجب اعتکاف کے لیے روزہ شرط ہے۔ اسی لیے امام اعظم کے نزدیک بموجب روایات حسن کم سے کم اعتکاف کی مدت ایک دن ہے۔ ائمہ اربعہ اعتکاف کے لیے روزہ کو شرط مانتے ہیں • توضیح میں ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ اعتکاف واجب نہیں ہوتا۔ مگر جب اس کی نظر مان لے۔ آخرہ عشرہ رمضان اور نذر کے اعتکاف میں روزہ شرط ہے۔ عشرہ رمضان کے اعتکاف میں اگر مرض یا عذرِ شرعی کی بنا پر روزہ نہ رکھا تو سنت ادا نہ ہوئی بلکہ نفل ہُوا۔

اعتکاف اور اس کے مختصر مسائل

از روئے لغت اعتکاف کے معنیٰ ٹھہرنے کے ہیں اور شرعًا اعتکاف یہ ہے کہ مسجد میں اللہ کے لیے نیت کے ساتھ ٹھہرے۔ اس کے لیے مسلمان عاقل جنابت وحیض ونفاس سے پاک ہونا شرط ہے۔ بلوغ شرط نہیں۔ نابالغ بھی اگر بنیت اعتکاف مسجد میں ٹھہرے تو یہ اعتکاف درست ہے۔ جیسے نابالغ کی نماز روزہ درست ہے۔ عورت کے لیے زیادہ بہتر یہ ہے کہ وہ اپنے گھر میں اس جگہ اعتکاف کے لیے بیٹھے جو اس نے نماز پڑھنے کے لیے مقرر کر رکھی ہے۔

۲۔ اعتکاف مطلقاً ہر مسجد میں صحیح ہے۔ اور ایسی مسجد جس میں باقاعدہ امام و مؤذن ہو اعتکاف کرنا زیادہ بہتر ہے۔
۳۔ اعتکاف تین قسم کا ہے۔ واجب کہ اعتکاف کی زبان سے منت مانی، سنت کہ رمضان کے پورے عشرہ آخیرہ یعنی آخر کے دس دن میں اعتکاف کیا جائے۔ یعنی بیسویں رمضان کو سورج ڈوبتے وقت بہ نیت اعتکاف میں ہو اور تیسویں کے غروب کے بعد یا انتیس ۲۹ رچاند ہونے کی صورت میں مسجد سے نکلے۔
۴۔ اور اگر بیسویں تاریخ کو بعد نماز مغرب نیت اعتکاف کی تو سنت ادا نہ ہوئی۔
۵۔ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف سنت کفایہ ہے۔ اور شہر میں ایک نے کر لیا تو سب کے لیے کافی ہو گیا۔
۶۔ اعتکاف سنت جو رمضان کے آخری عشرہ میں کیا جاتا ہے۔ اس کے لیے اور اعتکاف سنت کے لیے روزہ شرط ہے۔
۷۔ اعتکاف واجب و اعتکاف سنت میں معتکف کو مسجد سے بغیر عذر نکلنا حرام ہے۔ اگر نکلا۔ اگرچہ بھول کر نکلا ہو اعتکاف جاتا رہا۔ معتکف کو مسجد سے نکلنے کے دو عذر ہیں۔ ایک حاجت طبعی جو مسجد میں پوری نہ ہو سکے۔ جیسے پاخانہ، پیشاب، استنجا۔ وضوء اور غسل کی ضرورت ہو۔ مگر غسل و وضوء میں یہ شرط ہے کہ مسجد میں نہ ہو سکیں، اور اگر مسجد میں وضوء و غسل کی جگہ بنی ہو یا حوض ہو تو باہر جانے کی اجازت نہیں۔ قضاء حاجت کے لیے گیا تو طہارت کے بعد فوراً چلا آئے ٹھہرنے کی اجازت نہیں ہے۔ دوم حاجت شرعی عید و جمعہ کے لیے مسجد سے جانا۔
۸۔ معتکف کو اپنی بیوی سے جماع کرنا، بوسہ لینا، چھونا، گلے لگانا حرام ہے۔ جماع قصداً ہو یا بھول کر ہر حال اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ (۹) احتلام ہو جانے سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا۔
۱۰۔ ...ف مسجد ہی میں کھائے پیے سوئے۔ ان امور کے لیے اگر مسجد سے باہر ہو گا۔ اعتکاف جاتا رہے گا۔

• عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے تھے۔

• عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللّٰهُ ثُمَّ اعْتَكَفَ اَزْوَاجُهٗ مِنْ بَعْدِهٖ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات تک برابر رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے رہے اور آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات اعتکاف کرتی رہیں۔
(بخاری)

• عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَعْتَكِفُ فِی الْعَشْرِ الْاَوْسَطِ مِنْ رَمَضَانَ فَاعْتَكَفَ عَامًا حَتّٰى اِذَا كَانَ لَيْلَةَ اِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے دوسرے عشرہ میں اعتکاف کرتے تھے۔ ایک سال (معمول کے مطابق) آپ نے اعتکاف کیا اور جب

وَهِيَ اللَّيْلَةُ الَّتِي يَخْرُجُ مِنْ صَبِيحَتِهَا مِنِ اعْتِكَافِهِ قَالَ مَنْ كَانَ اعْتَكَفَ مَعِيَ فَلْيَعْتَكِفِ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ وَقَدْ أُرِيتُ هَذِهِ اللَّيْلَةَ ثُمَّ أُنْسِيتُهَا وَقَدْ رَأَيْتُنِي أَسْجُدُ فِي مَاءٍ وَطِينٍ مِنْ صَبِيحَتِهَا فَالْتَمِسُوهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ وَالْتَمِسُوهَا فِي كُلِّ وِتْرٍ فَمَطَرَتِ السَّمَاءُ تِلْكَ اللَّيْلَةَ وَكَانَ الْمَسْجِدُ عَلَى عَرِيشٍ فَوَكَفَ الْمَسْجِدُ فَبَصُرَتْ عَيْنَايَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى جَبْهَتِهِ أَثَرُ الْمَاءِ وَالطِّينِ مِنْ صُبْحِ إِحْدَى وَعِشْرِينَ.

اکیسویں کی رات آئی، یہ وہ رات ہے جس کی صبح کو آپ اعتکاف سے باہر آجاتے تھے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے میرے ساتھ اعتکاف کیا ہو وہ اب آخری عشرہ میں اعتکاف کرے، مجھے یہ رات (شب قدر) دکھائی گئی تھی لیکن پھر بھلادی گئی۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ اسی کو صبح کو میں کیچڑ میں سجدہ کر رہا ہوں۔ اس لیے تم لوگ اسے آخری عشرہ میں تلاش کرو۔ اور ہر طاق رات میں تلاش کرو (آخری عشرہ کی) چنانچہ اسی رات بارش ہوئی، مسجد کی چھت چونکہ کھجور کی شاخ سے بنی تھی۔ اس لیے ٹپکنے لگی۔ اور خود میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اکیسویں کی صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک پر کیچڑ لگی ہوئی تھی (کیچڑ میں سجدہ کی وجہ سے)

فوائد و مسائل ان حدیثوں سے واضح ہوا کہ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرنا مستحب ہے۔ امام نووی شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ عورتوں کا اعتکاف کرنا بھی درست ہے لیکن امام اعظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مستورات کا (مسجد بیت) میں اعتکاف صحیح ہے۔ مسجد بیت وہ جگہ ہے جو گھر میں ایک خاص مقام کو صرف نماز پڑھنے کے لیے مقرر کرلیا جائے۔ عورت جب مسجد بیت میں اعتکاف کے لیے بیٹھے تو اس کے لیے بھی وہی احکام ہیں جو مرد کے لیے مسجد میں اعتکاف کے ہیں (۲) حدیث ابوسعید خدری نمبر ۲ میں ہے :-

كان يعتكف في العشر الاوسط

حضور رمضان کے دوسرے عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے لیلۃ القدر کی تلاش کے لیے۔ پھر جب آپ پر یہ واضح ہوا کہ لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرہ میں آتی ہے تو آپ نے اس کے بعد رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرنا شروع فرمادیا۔

بَابُ الْحَائِضُ تُرَجِّلُ الْمُعْتَكِفَ

باب حائضہ عورت معتکف کے سر میں کنگھا کر سکتی ہے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصْغِي إِلَيَّ رَأْسَهُ وَهُوَ مُجَاوِرٌ فِي الْمَسْجِدِ فَأُرَجِّلُهُ وَأَنَا حَائِضٌ۔ (بخاری)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں معتکف ہوتے اور سر مبارک میری طرف جھکا دیتے۔ پھر میں اس میں کنگھا کر دیتی۔ حالانکہ میں حائضہ ہوتی تھی

بَابُ الْمُعْتَكِفُ لَا يَدْخُلُ الْبَيْتَ اِلَّا لِحَاجَةٍ

باب معتکف گھر میں بلا ضرورت نہ جائے

وَكَانَ لَا يَدْخُلُ الْبَيْتَ لِحَاجَةٍ اِذَا كَانَ مُعْتَكِفًا۔ (بخاری)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے (بحالت اعتکاف) سر اقدس میری طرف کر دیتے اور میں کنگھا کر دیتی اور حضور جب معتکف ہوتے تو بلا ضرورت گھر میں تشریف نہیں لے جاتے۔

فوائد و مسائل عنوان اور زیر عنوان حدیث کا مفہوم واضح ہے کہ بحالت اعتکاف غسل کرنا، تیل ملنا، کنگھا کرنا جائز ہے اور یہ کہ اگر کسی دوسرے آدمی سے کنگھا کرائے تیل ملوائے۔ یہ بھی جائز ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مسجد میں بیٹھے بیٹھے اس طرح ہاتھ پاؤں یا سر دھوئے یا دھلوائے۔ کہ مسجد میں کوئی چھینٹ نہ پڑے۔ جیسے حضور اپنا سر مبارک مسجد سے باہر کر دیتے۔ اور جناب عائشہ خارج مسجد حضور کے سر مبارک کو دھو دیتی یا کنگھا کر دیتی تھیں (۲) اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ حائضہ عورت طاہر ہے۔ اس کا جھوٹا، اس کی چھوئی ہوئی چیز پاک ہے۔ الاموضع الدم (۳) عورت کے ہاتھ پاؤں عورت نہیں ہیں۔ لان المسجد لا يخلو عن بعض الصحابة فاذا غسلت راسه شاهدوا يدها (عینی ج ۵ ص ۳۷۶) (۴) اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ اعتکاف خارج مسجد جائز نہیں۔ والا لكان يخرج منه لترجل الراس (۵) یہ بھی معلوم ہوا جسم کے بعض حصہ کو مسجد سے نکال دینے میں اعتکاف میں کوئی فساد نہیں آتا۔ اسی سے فقہاء کرام نے یہ مسئلہ نکالا کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ زید کے گھر میں نہ جائے گا۔ اب اس نے صرف اپنا سر زید کے گھر میں داخل کر لیا تو حانث نہ ہوگا۔ یعنی قسم نہیں ٹوٹے گی (۶) یہ کہ معتکف کو بجز حاجت شرعی و طبعی جس کا بیان اوپر ہوا مسجد سے نکلنا جائز نہیں ہے۔ حتیٰ کہ مریض کی عیادت اور نماز جنازہ میں شرکت بھی نہیں کر سکتا۔ اگر عیادت مریض یا نماز جنازہ میں شرکت کے لیے مسجد سے باہر نکلا۔ اعتکاف فاسد ہو گیا۔ لا يدخل البيت الا لحاجة۔ حضور علیہ السلام بحالت اعتکاف مسجد سے گھر تشریف نہیں لے جاتے تھے۔ مگر حاجت کے لیے۔ اور مسلم کی روایت میں الا لحاجة الانسان کے لفظ ہیں یعنی بحالت اعتکاف حضور حاجت انسانی کے لیے گھر جاتے تھے۔ امام زہری نے حاجت سے پاخانہ پیشاب مراد لیا ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ:

اَلسُّنَّةُ عَلَى الْمُعْتَكِفِ اَنْ لَّا يَعُوْدَ مَرِيْضًا وَلَا يَشْهَدَ جَنَازَةً وَلَا يَمَسَّ الْمَرْاَةَ وَلَا يُبَاشِرُهَا وَلَا يَخْرُجَ لِحَاجَةٍ اِلَّا لِحَاجَةٍ لَّا بُدَّ مِنْهُ وَلَا اعْتِكَافَ اِلَّا بِصَوْمٍ وَلَا اعْتِكَافَ اِلَّا فِيْ مَسْجِدٍ جَامِعٍ۔

معتکف کے لیے سنت یہ ہے کہ نہ بیمار کی مزاج پرسی کرے نہ جنازے کو جائے۔ نہ عورت کو ہاتھ لگائے نہ اسے چھوئے، نہ کسی کام کو جائے، سوائے ضروری کام کے بغیر روزہ کے اعتکاف نہیں اور اعتکاف جامع مسجد (ابوداؤد)

مطلب حدیث یہ ہے۔ بیمار کی مزاج پرسی و جنازہ میں شرکت کے لیے مسجد سے باہر نہ جائے۔ اپنی بیوی کو شہوت سے

نہ چھوئے۔ نہ صحبت کرے، صحبت سے اعتکاف یقیناً جاتا رہے گا۔ اور بوس وکنار یا شہوت سے چھونے سے انزال ہو گیا تو اعتکاف جاتا رہا۔ ورنہ سخت مکروہ فعل کا مرتکب ہوا۔

لابد منه سے واضح ہوا پیشاب پاخانہ اور نہایت ضروری حاجت غسل جنابت کے لیے مسجد سے نکل سکتا ہے (۲) اعتکاف فرض یا سنت کے لیے روزہ شرط ہے۔ نفلی اعتکاف کے لیے نہ روزہ شرط ہے نہ وقت کی پابندی۔ ایک ساعت کے لیے مسجد میں بنیتِ اعتکاف ٹھہر سکتا ہے (۳) مردوں کے لیے اعتکاف فی المسجد شرط ہے۔ ایسی مسجد جس میں مؤذن وامام و پنج وقتہ نماز ہو۔ جمعہ والی مسجد شرط نہیں۔ البتہ مستحب ہے کہ جس مسجد میں جمعہ ہو وہاں اعتکاف کے لیے بیٹھے۔

فائدہ واضح ہو کہ اعتکاف ہر مسجد میں جائز ہے۔ قرآن مجید میں ہے وانتم عاکفون فی المساجد البتہ سب سے افضل اعتکاف حرم کعبہ مسجد حرام میں ہے۔ پھر مسجد نبوی میں پھر بیت المقدس میں۔ پھر وہاں جس مسجد کا امام نہایت متقی پرہیزگار اور افضل ہو۔ پھر وہاں جہاں پنجوقتہ نماز ہوتی ہو۔

بَابُ غُسْلِ الْمُعْتَكِفِ

باب معتکف کے سر کو دھونے کے متعلق

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُبَاشِرُنِيْ وَاَنَا حَائِضٌ وَكَانَ يُخْرِجُ رَأْسَهُ مِنَ الْمَسْجِدِ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فَاَغْسِلُهُ وَاَنَا حَائِضٌ (بخاری)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں، میں حائضہ ہوتی مگر پھر بھی حضور مجھے اپنے بدن سے لگاتے اور آپ معتکف ہوتے اور میں حائضہ ہوتی اس کے باوجود آپ سر مبارک باہر کر دیتے (مسجد سے) اور میں اسے دھوتی تھی

مطلب حدیث یہ ہے کہ حضور علیہ السلام جناب عائشہ جبکہ وہ حیض سے ہوتیں، اپنے بدن سے لگا لیتے تھے (بغیر اعتکاف کی حالت میں) اس مضمون کی متعدد حدیثیں باب مباشرۃ الحائض۔ باب غسل الحائض زوجها فیوض الباری حصہ دوم کتاب الحیض ص میں گزر چکی ہیں۔ عنوان سے مطابق اس حدیث میں وکان یخرج راسه الخ کے جملے ہیں کہ حضور مسجد میں معتکف ہوتے اپنا سر مبارک مسجد سے باہر کر دیتے اور جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حائضہ ہوتے ہوئے آپ کے سر مبارک کو دھو دیتی تھیں ——— اس سے معلوم ہوا معتکف کی بیوی اس کا سر دھودے، کنگھا کر دے تو جائز ہے۔ معتکف اپنے جسم کا کوئی ایک حصہ مسجد سے نکال دے جائز ہے۔ اعتکاف فاسد نہ ہوگا۔ اسی طرح حائضہ عورت اپنے جسم کا کوئی عضو مسجد میں داخل کر دے جائز ہے۔

بَابُ الْاِعْتِكَافِ لَيْلًا

باب رات میں اعتکاف کرنا

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ سَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ کُنْتُ نَذَرْتُ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ اَنْ اَعْتَکِفَ لَیْلَۃً فِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَقَالَ فَاَوْفِ بِنَذْرِکَ۔

نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ میں نے جاہلیت میں یہ نذر مانی تھی کہ مسجد حرام میں ایک رات کے لیے اعتکاف کروں گا؟ آں حضور نے فرمایا کہ اپنی نذر پوری کرلو۔

فوائد و مسائل ۱۔ اس حدیث کے لفظ لیلاً سے امام شافعی و احمد نے یہ استدلال فرمایا کہ اعتکاف کے لیے روزہ شرط نہیں ہے کیونکہ ایک رات کے اعتکاف میں روزہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ روزہ دن میں شروع ہے۔ اور امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کی تحقیق یہ ہے کہ اعتکاف کے لیے روزہ شرط ہے۔ جیسا کہ حدیث ابوداؤد میں تصریح ہے کہ بغیر روزہ کے اعتکاف درست نہیں۔

علاوہ ازیں حدیث ابوداؤد و نسائی میں ہے کہ حضرت عمر نے ایک دن رات کے لیے مسجد حرام میں اعتکاف کی نذر مانی تھی اور دارقطنی کی حدیث میں ہے کہ حضور نے جب انہیں نذر پوری کرنے کا حکم دیا تو اس کے ساتھ روزہ کا بھی حکم دیا (مرقاۃ) جس سے یہ واضح ہوا کہ اعتکاف واجب کے لیے روزہ شرط ہے۔

۲۔ علامہ علی قاری فرماتے ہیں کہ حضور کا حضرت عمر سے یہ فرمانا کہ اپنی نذر پوری کرو۔ فاوف بنذرک یہ حکم استحبابی ہے۔ امام اعظم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں زمانہ کفر میں جو نذر مانی جائے۔ اسلام لانے کے بعد اس کو پورا کرنا واجب نہیں ہے۔ کیونکہ زمانہ کفر کے اعمال و افعال کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں ہے۔

۳۔ نیز روایت بخاری میں اگرچہ لیلاً کا لفظ ہے۔ مگر روایت مسلم میں یوماً کا لفظ ہے۔ ابن حبان وغیرہ نے کہا۔ عرب دن بول کر اس کے ساتھ رات، اور رات بول کر اس کے ساتھ دن بھی مراد لیتے ہیں۔ یہاں بھی ایسے ہی ہے۔

۴۔ امام شافعی وعلامہ ذہبی نے فرمایا کہ یہ حدیث اس امر پر دال ہے کہ اگر بحالت کفر مانی ہوئی نذر اسلام کے موافق ہو (یعنی کسی ایسے کام کی نذر نہ ہو جو اسلام کی رو سے ممنوع ہو) تو ایسی صورت میں اسلام لانے کے بعد اس نذر کا پورا کرنا واجب ہے۔ لیکن امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل اس مسئلہ میں بہت قوی ہے۔

بَابُ اِعْتِکَافِ النِّسَآءِ

باب عورتوں کا اعتکاف

عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَعْتَکِفُ فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ فَکُنْتُ اَضْرِبُ لَہٗ خِبَاءً فَیُصَلِّی الصُّبْحَ ثُمَّ یَدْخُلُہٗ فَاسْتَاْذَنَتْ حَفْصَۃُ عَائِشَۃَ اَنْ تَضْرِبَ خِبَاءً فَاَذِنَتْ لَھَا فَضَرَبَتْ خِبَاءً فَلَمَّا رَاَتْہُ زَیْنَبُ ابْنَۃُ جَحْشٍ

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے۔ میں آپ کے لیے ایک خیمہ (مسجد میں) لگا دیتی۔ اور آپ صبح نماز کے بعد اس میں تشریف لے جاتے (اس طرح حضور کا اعتکاف شروع ہو جاتا) پھر حضرت حفصہ نے عائشہ سے خیمہ کی اجازت چاہی۔ انھوں نے دے دی اور ان کے

ضَرَبَتْ خِبَاءً اٰخَرَ فَلَمَّا اَصْبَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاَى الْاَخْبِيَةَ فَقَالَ مَا هٰذَا فَاُخْبِرَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰلْبِرَّ تُرَوْنَ بِهِنَّ فَتَرَكَ الْاِعْتِكَافَ ذٰلِكَ الشَّهْرَ ثُمَّ اعْتَكَفَ عَشْرًا مِّنْ شَوَّالٍ۔

اعتکاف کے لیے بھی خیمہ لگا دیا گیا۔ جب حضرت زینب بنت جحش نے دیکھا تو انھوں نے بھی اپنے لیے ایک دوسرا خیمہ نصب کر لیا۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ متعدد خیمے نصب ہیں۔ فرمایا یہ کیا ہے؟ عرض کیا گیا، ازواج کے خیمے ہیں (برائے اعتکاف) اس پر آپ نے فرمایا: اچھا اسے وہ اپنے لیے نیک عمل سمجھتی ہیں؟ پھر حضور نے اس مہینہ رمضان کا اعتکاف ترک کر دیا اور شوال کے آخری عشرہ کا اعتکاف فرمایا۔

بَابُ الْاَخْبِيَةِ فِى الْمَسْجِدِ

باب مسجد میں اعتکاف کے لیے خیمے نصب کرنا

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف کا ارادہ کیا۔ جب آپ اس جگہ تشریف لائے (مسجد میں) جہاں آپ نے اعتکاف کرنا تھا، تو کئی خیموں پر نظر پڑی۔ حضرت حفصہ و عائشہ و زینب کا خیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس پر آپ نے فرمایا:

فَقَالَ اٰلْبِرَّ تَقُوْلُوْنَ بِهِنَّ ثُمَّ انْصَرَفَ فَلَمْ يَعْتَكِفْ حَتّٰى اعْتَكَفَ عَشْرًا مِّنْ شَوَّالٍ۔

(بخاری)

اچھا اسے انہوں نے نیکی سمجھ لیا ہے۔ پھر آپ واپس تشریف لے گئے اور اعتکاف نہیں کیا۔ حتیٰ کہ آپ نے شوال کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرمایا۔

فوائد و مسائل

حدیث آلبر میں ہمزہ استفہام انکاری ہے۔ بر کے معنی نیکی طاعت کے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ کیا عورتوں نے مسجد میں اعتکاف کو نیکی سمجھ لیا ہے۔ جس سے واضح ہوا کہ حضور نے مستورات کے لیے مسجد میں اعتکاف کو پسند نہیں فرمایا۔ کیونکہ مسجد شارع عام ہے لیکن بصراحت رد کا بھی نہیں کہ اعتکاف بہر حال نیکی تو ہے ہی

۲۔ اس حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے رمضان کے آخری عشرہ کے اعتکاف کا ارادہ فرمایا تو آپ صبح کی نماز کے بعد اعتکاف گاہ میں تشریف لے گئے۔ امام اوزاعی و ثوری و لیث نے اس سے یہ استدلال کیا کہ مبتداء اعتکاف اول نہار ہے۔ لیکن آئمہ اربعہ حنفی شافعی مالکی حنبلی سب متفق ہیں کہ اعتکاف کی ابتداء غروب آفتاب سے پہلے کی جائے۔ یعنی بیسویں رمضان غروب آفتاب سے قبل نیت اعتکاف مسجد میں ہو۔ اور فیصلی الصبح ثم دیا خلہ کا مطلب[1] یہ لیا جائے کہ حضور نماز فجر کے بعد اپنی اعتکاف گاہ میں

---

[1] واضح ہو کہ روایت ابن ماجہ میں ہے صلی الفجر ثم دخل فی معتکفہ اور بخاری کی اس روایت میں بھی ثم یدخلہ کا لفظ ہے جس کا صاف و صریح مطلب یہ ہے کہ حضور اعتکاف گاہ النبی مسجد میں جو جگہ آپ کے اعتکاف کے لیے مقرر کی گئی اس میں داخل ہوئے۔ نہ یہ کہ آپ نے نماز فجر کے بعد ہی اعتکاف شروع فرما دیا، اعتکاف شروع کرنا اور بات ہے اور اعتکاف گاہ میں داخل ہونا اور چیز ہے۔ بہر حال حدیث ہذا سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ حضور نے بعد از نماز فجر اعتکاف شروع فرما دیا۔ اس لیے امام اوزاعی و لیث کا حدیث کے جملے فیصلی الصبح ثم یدخلہ سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اعتکاف رمضان کی ۲۰ تاریخ کو صبح ہوتے ہی یعنی نماز فجر کے بعد شروع کیا جانا چاہیے۔ درست نہیں ہے۔

تشریف لے گئے تھے۔ مگر اعتکاف کی ابتداء آپ نے نمازِ عصر کے بعد غروب آفتاب سے پہلے فرمائی تھی۔

● اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ اگر معتکف اعتکاف کو توڑ دے تو اس کی قضاء کرے۔ جیسا کہ حضور نے شوال کے آخری عشرہ کا اعتکاف بطور قضا ادا فرمایا ● حضور علیہ السلام نے یہ اعتکاف ازواج مطہرات کی خاطر داری کے لیے ترک فرمایا تھا۔ کیونکہ اگر حضور اپنے خیمہ میں معتکف رہتے تو ازواج کو ملال ہوتا کہ خود تو اعتکاف فرما رہے ہیں۔ اور ہمیں روک دیا اسی سے فقہاء کرام نے یہ ضابطہ بنایا کہ کسی افضل کام کو کسی مصلحت کی بنا پر ترک کیا جا سکتا ہے۔

بَابُ هَلْ يَخْرُجُ الْمُعْتَكِفُ لِحَوَائِجِهِ إِلَى بَابِ الْمَسْجِدِ

باب کیا معتکف اپنی ضروریات کے لیے مسجد کے دروازے تک جا سکتا ہے؟

اَنَّ صَفِيَّةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخْبَرَتْهُ اَنَّهَا جَاءَتْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزُوْرُهُ فِىْ اِعْتِكَافِهِ فِى الْمَسْجِدِ فِى الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ. فَتَحَدَّثَتْ عِنْدَهُ سَاعَةً ثُمَّ قَامَتْ تَنْقَلِبُ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَهَا يَقْلِبُهَا حَتّٰى اِذَا بَلَغَتْ بَابَ الْمَسْجِدِ عِنْدَ بَابِ اُمِّ سَلَمَةَ مَرَّ رَجُلَانِ مِنَ الْاَنْصَارِ فَسَلَّمَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى رِسْلِكُمَا اِنَّمَا هِىَ صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ فَقَالَا سُبْحَانَ اللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَبُرَ عَلَيْهِمَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّيْطَانَ يَبْلُغُ مِنَ الْاِنْسَانِ مَبْلَغَ الدَّمِ وَاِنِّىْ خَشِيْتُ اَنْ يَقْذِفَ فِىْ قُلُوْبِكُمَا شَيْئًا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ وہ رمضان کے آخری عشرہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف کیے ہوئے تھے، آپ سے ملنے مسجد میں آئیں۔ تھوڑی دیر تک باتیں کیں پھر واپس ہونے کے لیے کھڑی ہوئیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی انہیں پہنچانے کے لیے کھڑے ہوئے جب وہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے دروازے سے قریب والے مسجد کے دروازے پر پہنچیں تو دو انصاری ادھر سے گزرے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، آنحضور نے فرمایا کسی تأمل کی ضرورت نہیں، یہ (میری بیوی) صفیہ بنت حیی ہیں۔ ان دونوں صحابہ نے عرض کیا۔ سبحان اللہ! یا رسول اللہ! ان پر آں حضور کا یہ جملہ بڑا شاق گزرا۔ لیکن آں حضور نے فرمایا کہ شیطان، خون کی طرح انسان کے بدن میں دوڑتا رہتا ہے، مجھے یہ خطرہ ہوا کہ کہیں تمہارے دل میں کوئی بدگمانی نہ پیدا ہو۔

فوائد و مسائل

یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے:۔

(۱) معتکف کا امورِ مباحہ میں مشغول ہونا جائز ہے۔ جیسے کوئی ملنے آئے تو اس سے ملاقات کرنا اور بات کرنا، یا کسی ملاقاتی کا اس کے پاس ٹھہرنا، یا معتکف کی بیوی کا اس کے پاس آنا (۲) معتکف کو بحالتِ اعتکاف تلاوتِ قرآن مجید، ذکر و فکر و نوافل کے علاوہ وعظ و نصیحت کرنا، دینی تعلیم دینا جائز ہے۔

اس حدیث میں شک کی جگہ سے بچنے اور معاملات کو واضح وصاف رکھنے کی تلقین بھی ہے۔ حضور جب جناب صفیہ کو دروازہ مسجد تک پہنچانے کے لیے چلے اور دو انصاری حضرات کا ادھر سے گزر ہوا تو باوجود اس امر کے کہ صحابہ کرام کے دلوں میں حضور کے لیے جس درجہ کے پاک وصاف خیالات ہیں وہ کسی اور کے لیے نہیں ہو سکتے) لیکن بایں ہم حضور نے ان کے سامنے اصل صورت حال واضح فرمادی کہ میرے ساتھ میری زوجہ حضرت صفیہ ہیں۔ اس پر دونوں انصاری صاحبان نے سبحان اللہ کہا۔ یعنی تعجب کا اظہار کیا کہ حضور کے متعلق ہم کسی حالت میں بھی بدگمان نہیں ہوسکتے۔

• سیدنا امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ اگر حضور پر بالفرض وہ بدگمان ہوتے تو خوف تھا کافر ہو جاتے۔ اس بناء پر حضور علیہ السلام نے دونوں انصاری صاحبان کو معاملہ کی وضاحت فرمادی (عینی)

بَابُ الْاِعْتِكَافِ وَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَبِيحَةَ عِشْرِينَ

باب اعتکاف اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیسویں کی صبح کو (اعتکاف سے) نکلے تھے۔

حَدَّثَنِيْ يَحْيَى بْنُ اَبِيْ كَثِيْرٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا سَلَمَةَ ابْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ سَاَلْتُ اَبَا سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيَّ قُلْتُ هَلْ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ قَالَ نَعَمْ اعْتَكَفْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَشْرَ الْاَوْسَطَ مِنْ رَمَضَانَ قَالَ فَخَرَجْنَا صَبِيْحَةَ عِشْرِيْنَ قَالَ فَخَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَبِيْحَةَ عِشْرِيْنَ فَقَالَ اِنِّيْ اُرِيْتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ وَاِنِّيْ نُسِّيْتُهَا فَالْتَمِسُوْهَا فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ فِيْ وِتْرٍ فَاِنِّيْ رَاَيْتُ اَنْ اَسْجُدَ فِيْ مَاءٍ وَّطِيْنٍ وَّمَنْ كَانَ اعْتَكَفَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلْيَرْجِعْ فَرَجَعَ النَّاسُ اِلَى الْمَسْجِدِ وَمَا نَرٰى فِي السَّمَاءِ قَزَعَةً قَالَ فَجَاءَتْ سَحَابَةٌ فَمَطَرَتْ وَاُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَسَجَدَ رَسُوْلُ

یحییٰ بن ابی کثیر نے حدیث بیان کی۔ کہا کہ میں نے ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن سے سنا، کہا کہ میں نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے سُنا۔ میں نے ان سے پوچھا تھا کہ کیا انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شب قدر کا ذکر سُنا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا تھا کہ ہاں! ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان کے دوسرے عشرہ میں اعتکاف کیا تھا۔ انھوں نے بیان کیا کہ پھر بیس کی صبح کو ہم نے اعتکاف ختم کردیا۔ اسی صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطاب کیا، آپ نے فرمایا کہ مجھے شب قدر دکھائی گئی تھی مگر پھر بھلادی گئی۔ اس لیے اب اسے عشرہ اخیرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ میں نے دیکھا ہے (خواب میں) کہ میں کیچڑ میں سجدہ کر رہا ہوں اور جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اعتکاف کیا تھا وہ پھر دوبارہ کریں چنانچہ وہ لوگ مسجد میں دوبارہ آگئے۔ آسمان میں کہیں بادل کا ایک ٹکڑا بھی نہیں تھا کہ اچانک بادل آیا اور بارش

ل۔ قال الشافعی معناہ انہ خاف علیہما الکفر لو ظنا بہ ظن التہمۃ فبادر الی اعلامہما بمکانہما نصیحۃ لہما۔

اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الطِّیْنِ وَالْمَآءِ حَتّٰی رَاَیْتُ الطِّیْنَ فِیْ اَرْنَبَتِہٖ وَجَبْھَتِہٖ۔

شروع ہوگئی۔ پھر نماز کی اقامت ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیچڑ میں سجدہ کیا۔ میں نے خود آپ کی ناک اور پیشانی پر کیچڑ لگا ہوا دیکھا۔

واضح ہو کہ حضور علیہ السلام نے رمضان کے دوسرے عشرہ میں لیلۃ القدر کی تلاش کے لیے اعتکاف فرمایا تھا۔ اور بیسویں رمضان کی صبح کو اعتکاف فرمایا تھا۔ اس کے بعد حضور نے اپنے خطبہ میں واضح فرمایا کہ لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرہ میں آتی ہے۔ اس لیے آئندہ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کیا جائے۔

امام بخاری نے اپنی عادت کے مطابق حدیث کے جملے صبیحۃ عشرین کا عنوان باندھ دیا۔ اس حدیث کے مسائل گذشتہ اوراق میں بیان ہو چکے ہیں اور آئندہ عنوانات کے ماتحت بھی یہ ہی حدیث آرہی ہے۔

بَابُ اِعْتِکَافِ الْمُسْتَحَاضَۃِ

باب مستحاضہ عورت کا اعتکاف

عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتِ اعْتَکَفَتْ مَعَ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ امْرَاَۃٌ مِّنْ اَزْوَاجِہٖ مُسْتَحَاضَۃٌ فَکَانَتْ تَرَی الْحُمْرَۃَ وَالصُّفْرَۃَ فَرُبَّمَا وَضَعْنَا الطَّسْتَ تَحْتَھَا وَھِیَ تُصَلِّیْ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی ازواج میں سے ایک خاتون نے مستحاضہ ہونے کے باوجود اعتکاف کیا وہ سرخی اور زردی (یعنی استحاضہ کا خون) دیکھتی تھیں اکثر طشت ہم ان کے نیچے رکھ دیتے اور وہ نماز پڑھتی رہتیں

مطلب عنوان اور زیر عنوان حدیث یہ ہے مستحاضہ کو مسجد میں اعتکاف کے لیے بیٹھنا اور نماز پڑھنا جائز ہے۔ بشرطیکہ مسجد کے آلودہ ہونے کا خطرہ نہ ہو۔ استحاضہ کے مسائل اور اس حدیث پر مفصل بحث کے لیے فیوض الباری کتاب الحیض حصہ ۲ ص ۴۴ ملاحظہ کیجئے۔

بَابُ زِیَارَۃِ الْمَرْاَۃِ زَوْجَھَا فِیْ اِعْتِکَافِہٖ

شوہر سے، اعتکاف میں بیوی کا ملاقات کے لیے جانا

عَنْ عَلِیِّ ابْنِ الْحُسَیْنِ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْمَسْجِدِ وَعِنْدَہٗ اَزْوَاجُہٗ فَرُحْنَ فَقَالَ لِصَفِیَّۃَ بِنْتِ حُیَیٍّ لَا تَعْجَلِیْ حَتّٰی اَنْصَرِفَ مَعَکِ وَکَانَ بَیْتُھَا فِیْ دَارِ اُسَامَۃَ فَخَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَعَھَا فَلَقِیَہٗ رَجُلَانِ مِنَ

علی بن حسین نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے انہیں خبر دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں (اعتکاف کیے ہوئے) تھے۔ آپ کے پاس ازواج مطہرات بیٹھی تھیں، وہ جب چلنے لگیں، تو آپ نے صفیہ بنت حی رضی اللہ عنہا سے فرمایا جلدی نہ کرو، میں تمہیں چھوڑنے چلتا ہوں۔ ان کا حجرہ اسامہ رضی اللہ عنہ

اَلْاَنْصَارِ فَنَظَرَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اَجَازَ اَوْقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَعَالَیَا اِنَّھَا صَفِیَّۃُ بِنْتُ حُیَیٍّ قَالَا سُبْحَانَ اللّٰہِ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَجْرِیْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَی الدَّمِ وَاِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ یُّلْقِیَ فِیْ اَنْفُسِکُمَا شَیْئًا۔ (بخاری)

کے گھر میں تھا۔ چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ نکلے تو دو انصاری صحابہ سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ ان دونوں حضرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور جلدی سے آگے بڑھ جانا چاہا۔ لیکن آپ نے فرمایا ادھر سنو یہ صفیہ بنت حیی ہیں۔ ان حضرات نے عرض کی سبحان اللہ، یارسول اللہ! آپ نے فرمایا کہ شیطان (انسان کے جسم میں) خون کی طرح دوڑتا رہتا ہے اور مجھے خطرہ ہوا کہ کہیں تمھارے دلوں میں بھی کوئی بات نہ پیدا ہو ——— اس حدیث سے واضح ہوا معتکف کی بیوی اپنے خاوند سے ملاقات کرسکتی ہے۔

بَابُ ھَلْ یَدْرَءُ الْمُعْتَکِفُ عَنْ نَفْسِہٖ

باب کیا معتکف اپنے پر سے کسی (ممکنہ) بدگمانی کو دور کرسکتا ہے؟

علی بن حسین کے واسطے سے روایت ہے کہ صفیہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں آئیں:۔

یُخْبِرُ عَنْ عَلِیِّ بْنِ الْحُسَیْنِ اَنَّ صَفِیَّۃَ اَتَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ مُعْتَکِفٌ فَلَمَّا رَجَعَتْ مَشٰی مَعَھَا فَاَبْصَرَہٗ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَلَمَّا اَبْصَرَہٗ دَعَاہُ فَقَالَ تَعَالَ ھِیَ صَفِیَّۃُ وَرُبَّمَا قَالَ ھٰذِہٖ صَفِیَّۃُ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ یَجْرِیْ مِنِ ابْنِ اٰدَمَ مَجْرَی الدَّمِ قُلْتُ لِسُفْیٰنَ اَتَتْہُ لَیْلًا قَالَ وَھَلْ ھُوَ اِلَّا لَیْلٌ۔ (بخاری)

آں حضور اس وقت اعتکاف میں تھے۔ پھر جب واپس ہونے لگیں تو آں حضور بھی ان کے ساتھ (تھوڑی دور تک انھیں چھوڑنے) آئے (آتے ہوئے) ایک انصاری صحابی نے آپ کو دیکھا جب آں حضور کی نظر ان پر پڑی تو آپ نے انہیں بلایا کہ سنو یہ صفیہ ہیں (سفیان نے "ہی صفیہ" کے بجائے، بعض اوقات "ھذہ صفیہ" کے الفاظ کہے راس کی وضاحت اس لیے ضروری سمجھی) کہ شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح دوڑتا رہتا ہے میں (علی بن عبداللہ) نے سفیان سے پوچھا، غالباً وہ رات کو آئی رہی ہوں گی؟ تو انھوں نے فرمایا کہ رات کے سوا اور وقت ہی کون سا ہوسکتا تھا ——— اس حدیث سے واضح ہوا معتکف اپنے پر سے کسی بدگمانی کو دور کرسکتا ہے۔ جیسے حضور نے وضاحت کردی کہ میرے ساتھ میری زوجہ حضرت صفیہ ہیں۔ کوئی غیر عورت نہیں ہے۔

بَابُ مَنْ خَرَجَ مِنْ اِعْتِکَافِہٖ عِنْدَ الصُّبْحِ

باب جو اپنے اعتکاف سے صبح کے وقت باہر نکلا

عَنْ اَبِیْ سَلَمَۃَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ اِعْتَکَفْنَا مَعَ

ابوسلمہ نے اور ان سے ابوسعید رضی اللہ نے بیان کیا کہ ہم

رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَشْرَ الْأَوْسَطَ فَلَمَّا كَانَ صَبِيْحَةَ عِشْرِيْنَ نَقَلْنَا مَتَاعَنَا فَأَتَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ اعْتَكَفَ فَلْيَرْجِعْ إِلَى مُعْتَكَفِهِ فَإِنِّيْ رَأَيْتُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ وَرَأَيْتُنِيْ أَسْجُدُ فِيْ مَاءٍ وَطِيْنٍ فَلَمَّا رَجَعَ إِلَى مُعْتَكَفِهِ وَهَاجَتِ السَّمَاءُ فَمُطِرْنَا فَوَالَّذِيْ بَعَثَهُ بِالْحَقِّ لَقَدْ هَاجَتِ السَّمَاءُ مِنْ آخِرِ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَكَانَ الْمَسْجِدُ عَرِيْشًا فَلَقَدْ رَأَيْتُ عَلٰى أَنْفِهِ وَأَرْنَبَتِهِ أَثَرَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ ۔ (بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوسرے عشرہ میں اعتکاف کے لیے بیٹھے۔ بیسویں کی صبح کو ہم نے اپنا سامان (مسجد سے) منتقل کر لیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ جس نے (دوسرے عشرہ میں) اعتکاف کیا تھا وہ دوبارہ اپنے اعتکاف کی جگہ چلے، کیونکہ میں نے آج کی رات (شب قدر کو) خواب میں دیکھا ہے۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ میں کیچڑ میں سجدہ کر رہا ہوں۔ پھر جب اپنے اعتکاف کی جگہ (مسجد میں) آں حضور دوبارہ آگئے۔ تو اچانک بادل منڈلائے اور بارش ہوئی۔ اس ذات کی قسم جس نے حضور اکرم کو حق کے ساتھ بھیجا تھا آسمان اسی دن کے آخری حصہ میں ابر آلود ہوا تھا۔ مسجد کھجور کی شاخوں سے بنی تھی (اس لیے چھت سے پانی ٹپکا۔ جب آپ نے نماز صبح ادا کی تو میں نے دیکھا کہ آپ کی ناک پر کیچڑ کا اثر (لگا ہوا) تھا (کیچڑ میں سجدہ کی وجہ سے) یہ وہی حدیث ہے جو اوپر گزری۔ مطلب حدیث یہ ہے کہ حضور نے ابتداء میں رمضان کے دوسرے عشرہ میں اعتکاف فرمایا تھا اور اس اعتکاف کو ۲۰ رمضان کی صبح کو ختم کیا تھا۔ امام بخاری نے اس کا عنوان باندھ دیا۔

بَابُ الْاِعْتِكَافِ فِيْ شَوَّالٍ

باب شوال میں اعتکاف

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْتَكِفُ فِيْ رَمَضَانَ وَإِذَا صَلَّى الْغَدَاةَ دَخَلَ مَكَانَهُ الَّذِيْ اعْتَكَفَ قَالَ فَاسْتَأْذَنَتْهُ عَائِشَةُ أَنْ تَعْتَكِفَ فَأَذِنَ لَهَا فَضَرَبَتْ فِيْهِ قُبَّةً فَسَمِعَتْ بِهَا حَفْصَةُ فَضَرَبَتْ قُبَّةً وَسَمِعَتْ زَيْنَبُ بِهَا فَضَرَبَتْ قُبَّةً أُخْرٰى فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْغَدِ أَبْصَرَ أَرْبَعَ قِبَابٍ فَقَالَ مَا هٰذَا فَأُخْبِرَ خَبَرَهُنَّ فَقَالَ مَا حَمَلَهُنَّ عَلٰى هٰذَا أَالْبِرُّ انْزِعُوْهَا فَلَا أَرَاهَا فَنُزِعَتْ فَلَمْ يَعْتَكِفْ فِيْ رَمَضَانَ حَتّٰى اعْتَكَفَ آخِرَ الْعَشْرِ مِنْ شَوَّالٍ ۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں اعتکاف کرتے تھے۔ آپ صبح کی نماز پڑھنے کے بعد اس جگہ جاتے جہاں آپ کو اعتکاف کے لیے بیٹھنا ہوتا۔ انھوں نے بیان کیا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی آں حضور سے اعتکاف کرنے کی اجازت چاہی۔ آں حضور نے انہیں اجازت دیدی۔ اس لیے انھوں نے (اپنے لیے بھی مسجد میں) ایک خیمہ لگا لیا۔ حفصہ رضی اللہ عنہا (زوجہ مطہرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھی سنا تو انھوں نے بھی اپنے لیے ایک خیمہ لگا لیا۔ زینب رضی اللہ عنہا (زوجہ مطہرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) نے سنا تو انھوں نے بھی اپنے لیے ایک خیمہ لگا لیا۔ صبح کو جب آں حضور صلی اللہ

علیہ وسلم تشریف لائے۔ تو چار خیمے نظر پڑے، دریافت فرمایا۔ یہ کیا ہے؟ آپ کو حقیقتِ حال کی اطلاع دی گئی تو آپ نے فرمایا۔ اس کام کے لیے داعیہ کیا تھا؟ کیا یہ نیکی ہیں؟ انھیں اکھاڑ دو۔ اب میں انھیں نہ دیکھوں۔ چنانچہ وہ اکھاڑ دیے گئے اور آپ نے بھی اس سال رمضان میں اعتکاف نہیں کیا۔ بلکہ شوال کے آخری عشرہ میں اعتکاف کیا۔

یہ حدیث بھی ص۔ پر مع تفہیم و ترجمانی کے گزر چکی ہے۔ حضور نے چونکہ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کی نیت کی تھی پھر اسے ترک فرما دیا تھا، اس لیے شوال کے مہینہ میں آپ نے اس کی قضا فرمائی۔

بَابُ مَنْ لَّمْ يَرَ عَلَيْهِ صَوْمًا إِذَا اعْتَكَفَ

باب اعتکاف کے لیے جو روزہ ضروری نہیں سمجھتے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ نَذَرْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَنْ أَعْتَكِفَ لَيْلَةً فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْفِ نَذْرَكَ فَاعْتَكَفَ لَيْلَةً۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے پوچھا، یا رسول اللہ! میں نے جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ ایک رات کے لیے مسجد حرام میں اعتکاف کروں گا؟ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر اپنی نذر پوری کرلو۔ چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے رات میں اعتکاف کیا —— یہ حدیث بھی اوپر گزر چکی ہے۔ ائمہ کا اس میں اختلاف ہے کہ اعتکاف کے لیے روزہ شرط ہے یا نہیں۔ امام اعظم کی تحقیق یہ ہے، روزہ شرط ہے۔ جیسا کہ اسی کتاب کے ص۔ پر بیان ہوا۔

بَابُ إِذَا نَذَرَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَنْ يَّعْتَكِفَ ثُمَّ أَسْلَمَ

اگر کسی نے جاہلیت میں اعتکاف کی نذر مانی تھی پھر وہ اسلام لایا؟

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ نَذَرَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَنْ يَّعْتَكِفَ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ قَالَ أُرَاهُ قَالَ لَيْلَةً قَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْفِ بِنَذْرِكَ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زمانہ جاہلیت میں مسجد حرام میں اعتکاف کی نذر مانی تھی۔ عبید نے بیان کیا کہ میرا خیال ہے کہ انھوں نے رات کا ذکر کیا تھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی نذر پوری کرو۔

اس حدیث پر بھی ص۔ پر مفصل گفتگو ہو چکی ہے۔

بَابُ الْاِعْتِكَافِ فِي الْعَشْرِ الْأَوْسَطِ مِنْ رَمَضَانَ

باب رمضان کے درمیانی عشرہ میں اعتکاف

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْتَكِفُ فِيْ كُلِّ رَمَضَانَ عَشْرَةَ أَيَّامٍ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال رمضان میں دس دن کا اعتکاف

فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ اعْتَكَفَ عِشْرِينَ يَوْمًا۔

کرتے تھے۔ لیکن جس سال آپ کی وفات ہوئی۔ اس سال آپ نے بیس دن کا اعتکاف کیا

اس حدیث پر بھی صہ پر گفتگو ہو چکی ہے۔

بَابُ مَنْ أَرَادَ أَنْ يَعْتَكِفَ ثُمَّ بَدَا لَهُ أَنْ يَخْرُجَ

باب اعتکاف کا ارادہ ہو لیکن پھر مناسب یہ معلوم ہوا کہ اعتکاف نہ کریں۔

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ أَنْ يَعْتَكِفَ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ فَاسْتَأْذَنَتْهُ عَائِشَةُ فَأَذِنَ لَهَا وَسَأَلَتْ حَفْصَةُ عَائِشَةَ أَنْ تَسْتَأْذِنَ لَهَا فَفَعَلَتْ فَلَمَّا رَأَتْ ذَلِكَ زَيْنَبُ ابْنَةُ جَحْشٍ أَمَرَتْ بِبِنَاءٍ فَبُنِيَ لَهَا قَالَتْ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى انْصَرَفَ إِلَى بِنَائِهِ فَبَصُرَ بِالْأَبْنِيَةِ فَقَالَ مَا هَذَا قَالُوا بِنَاءُ عَائِشَةَ وَحَفْصَةَ وَزَيْنَبَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آلْبِرَّ أَرَدْنَ بِهَذَا مَا أَنَا بِمُعْتَكِفٍ فَرَجَعَ فَلَمَّا أَفْطَرَ اعْتَكَفَ عَشْرًا مِنْ شَوَّالٍ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کے لیے کہا، عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی آپ سے اجازت مانگی۔ آپ نے انھیں اجازت دیدی۔ پھر حفصہ رضی اللہ عنہا نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ ان کے لیے بھی اجازت لے دیں۔ چنانچہ انھوں نے ایسا کر دیا۔ جب زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے دیکھا تو انھوں نے بھی خیمہ لگانے کے لیے کہا۔ اور ان کے لیے بھی خیمہ لگا دیا گیا۔ انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کے بعد اپنے خیمہ کی طرف تشریف لائے تو بہت سے خیمے دکھائی دیے آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ عائشہ حفصہ اور زینب رضی اللہ عنہن کے خیمے ہیں۔ اس پر آں حضور نے فرمایا، اچھا نیکی کرنے چلی ہیں! اب میں بھی اعتکاف نہیں نہیں کروں گا۔ پھر جب رمضان ختم ہو گیا تو آں حضور نے شوال میں اعتکاف کیا۔

اس حدیث پر بھی صہ پر گفتگو ہو چکی ہے۔ عنوان اور زیرِ عنوان حدیث سے واضح ہے کہ کسی مصلحت کی بنا پر اعتکاف کو ترک کیا جا سکتا ہے۔

بَابُ الْمُعْتَكِفِ يُدْخِلُ رَأْسَهُ الْبَيْتَ لِلْغُسْلِ

باب معتکف دھونے کے لیے اپنا سر گھر میں داخل کرتا ہے

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّهَا كَانَتْ تُرَجِّلُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ حَائِضٌ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فِي الْمَسْجِدِ وَهِيَ فِي حُجْرَتِهَا يُنَاوِلُهَا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ وہ حائضہ ہوتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں اعتکاف میں ہوتے تھے۔ پھر بھی وہ آں حضور کے سر میں اپنے حجرہ سے کنگھا کرتی تھیں۔

رأسه ۔ (بخاری)	آں حضور اپنا سر ان کی طرف بڑھا دیتے تھے ۔

یہ حدیث بھی صدر پر گزر چکی ہے۔ مطلب عنوان یہ ہے کہ حضور علیہ السلام مسجد میں تشریف رکھتے ہوئے اپنا سر مبارک خارج مسجد (و) میں کر دیتے۔ اور ام المومنین بالوں کو دھو دیتی اور کنگھی کر دیتی تھیں ـــــــ اس حدیث سے واضح ہوا کہ معتکف کا اپنے (ک)ی ایک عضو کو مسجد سے نکال دینے سے اعتکاف میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی۔ اسی طرح حائضہ عورت کا اپنے کسی عضو (م)سجد میں داخل کر دینا جائز ہے اور یہ کہ جو کام مسجد میں رہ کر کیے جا سکتے ہیں۔ ان کے لیے معتکف مسجد سے نہ نکلے۔

نوٹ: کتاب الصوم اللہ کے فضل و کرم سے ختم ہوئی۔ اس کے بعد انشاء اللہ العزیز کتاب البیوع سے تفہیم و ترجمانی کا سلسلہ شروع ہوگا۔

فالحمد للہ رب العلمین والصلوٰت والسلام والبرکات
علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین
والسلام علینا وعلی عبادہ الصالحین ۔ جنوری ۱۹۷۴ء

مسائلِ نماز

وضو

غسل

اذان

اقامت

نماز

اور

جمعہ کے نہایت اہم اور ضروری احکام و مسائل کا

مجموعہ

تالیف

علامہ سید محمود احمد رضوی

روشنی
حضور ہادیِ عالم نورِ مجسم حبیبِ کبریا،
سرورِ انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء
کے
ارشادات کا ایمان افروز مجموعہ
(علامہ) سید محمود احمد رضوی
شعبۂ تبلیغ دارالعلوم حزب الاحناف لاہور

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا

احادیث نبویہ کا محبوب و مقبول ذخیرہ قرآن کے بعد سب سے صحیح کتاب

امام الدنیا امیر المومنین فی الحدیث راس المحدثین استاذ الحفاظ ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری

قدس سرہ الباری کی تالیف صحیح البخاری کا سلیس اردو ترجمہ اور مکمل شرح

فیوض الباری

فی شرح

صحیح البخاری

(پارہ ۸ جلد ۹)

کتاب البیوع تا شفعہ

علامہ سید محمود احمد رضوی

ناشر: مکتبہ رضوان داتا دربار روڈ۔ لاہور

نام کتاب ________ فیوض الباری فی شرح صحیح البخاری

مصنف ________ علامہ سید محمود احمد رضوی

پارہ ________ بقیہ ہشتم

کتاب البیوع تا شفعہ

تعداد ________ گیارہ سو

تاریخ اشاعت ________

پریس ________

محمود احمد پرنٹنگ پریس، گنج بخش روڈ، لاہور

فہرس فیوض الباری شرح صحیح البخاری بقیہ پارہ ہشتم

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب و مقام

۱۔ نبوت و رسالت انسانیت کی معراجِ کمال ہے۔ یہ ایک ایسا عظیم و جلیل منصب ہے جس سے بالاتر منصب اور کمال عالم امکان میں نہیں ہے۔ اور انبیاء و مرسلین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس تو وجہ تکوین کائنات اور سرچشمہ حسنات و برکات ہے اور آپ کے مرتبہ کی عظمت و رفعت اور آپ کے جمال و جلال کا ادراک انسان کی سرحدِ عقل سے باہر ہے۔ آپ کی نبوت عالمگیر اور آپ کی رسالت جہانگیر ہے۔ آپ ہادیٔ عالم اور مزکیٔ کائنات ہیں۔ اور تمام بنی نوع انسان کے لیے مبشر و نذیر اور داعی الی اللہ اور رسولِ کل اور ہادیٔ جہان ہیں یعنی جس کا خُدا رب ہے حضور اس کے رسول ہیں۔ آپ کی رسالت و نبوت کی آفاقیت کے متعلق ربِّ کائنات کا اعلان ہے۔

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا ۝ — بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اپنے عبدِ خاص پر قرآن اتارا۔ جو سارے جہانوں کیلئے نذیر ہے۔

جیسے مسلمان اور کافر مطیع و نافرمان سب اللہ کے بندے ہیں۔ ایسے ہی تمام کائنات کے انسان اور جن حتیٰ کہ انبیائے سابقین اور اُن کی امتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں۔ جنھوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا وُہ امتِ اجابت ہے اور جنھوں نے آپ کی دعوت کو قبول نہ کیا وہ اُمتِ دعوت ہے اسی بناء پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے اُس ہستیٔ مقدس کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو،

مَا وَسِعَهُ إِلَّا أَنْ يَتَّبِعَنِي — تو میری پیروی کے سوا ان کو کوئی چارۂ کار نہ ہوتا۔

۲۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت و نیابت کے منصبِ جلیل کے متعلق علامہ ابنِ تیمیہ اپنی تالیف الصارم المسلول میں لکھتے ہیں کہ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضور کی اطاعت کو اپنی اطاعت، حضور کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی۔ حضور کی بیعت کو اپنی بیعت، حضور کے فعل کو اپنا فعل اور حضور کی نطق کو اپنی وحی قرار دیا ہے جس سے اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول کا حق ایک دوسرے کیلئے لازم و ملزوم ہیں اور رسول کی عزت اور وقار کی جہت ایک ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے امر و نہی۔ اخبار و بیان کے معاملہ میں فرمایا ہے۔

فَأَقَامَهُ اللّٰهُ مَقَامَ نَفْسِهِ فِي نَهْيِهِ وَأَمْرِهِ وَأَخْبَارِهِ وَبَيَانِهِ فَلَا يَجُوزُ الْفَرْقُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللّٰهِ تَعَالَىٰ مِنْ هٰذِهِ الْأُمُورِ۔ — حضور سیدِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نائب اور قائم مقام بنایا ہے۔ لہٰذا مذکورہ بالا امور کی کسی بات میں یہ جائز نہیں ہے کہ خدا اور اس کے رسول میں فرق کیا جائے۔

اس لیے ایک مسلمان کا یہ دینی و مذہبی فریضہ ہے کہ وہ جب بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات کے کسی پہلو کو بیان کرنا چاہے تو آپ کے رسول اللہ ہونے کے منصبِ جلیل کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دے۔

۳۔ دنیا کے بادشاہوں اور حاکموں کے حکم و احکام کی جو کیفیت ہے وہ محتاجِ بیان نہیں ہے۔ ان کے احکام کی حاکمیت اور آپ کی تشریعی حیثیت کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر زمانہ اور ہر ماحول میں تمام دینی اور دنیوی

معاملات میں آپ کی حاکمیت کو جی جان سے قبول کرنے کو مومن ہونے کی لازمی شرط قرار دیا ہے اور آپ کے کسی حکم اور فیصلہ سے انکار یا اس پر تنقید یا دل ہی میں اسے غلط سمجھنے کو گمراہی و بے دینی بتایا ہے۔ سورۃ نساء میں ارشاد باری ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔

اے رسولِ محترم یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے تمام معاملات میں تمہارا حکم نہ مان لیں۔ پھر جو کچھ آپ فیصلہ فرمائیں اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور دل سے آپ کے فیصلے کو تسلیم نہ کریں۔

یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی تھی جب کہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس منافق مسلمان کا سر قلم کر دیا تھا۔ جس نے حضور نبی کریم علیہ السلام کے فیصلے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اور جب مقتول کے ورثاء نے حضرت عمرؓ کے خلاف دربارِ نبوت میں استغاثہ کیا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب بنا کر یہ عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہؐ آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک تمام معاملات میں آپ کی حاکمیت اور آپ کے فیصلوں کو تسلیم نہ کریں۔ اور اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت نازل فرما کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کی توثیق فرما دی۔ اور دربارِ نبوت سے حضرت عمرؓ نے فاروق کا لقب پایا۔ اسی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ بن حارث سے کرنا چاہا تو حضرت زینب اور ان کے بھائی نے اپنی عالی نسبی اور خاندانی وجاہت کی بنا پر پیغامِ نکاح کو رد کر دیا۔ اس موقع پر سورۂ احزاب کی یہ آیت نازل ہوئی۔

مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ۔

کسی مرد مومن اور مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول حکم فرما دیں تو انھیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس نکاح کے رد کر دینے کا اختیار حاصل تھا۔ ایک عاقل و بالغ کا نکاح اس کی مرضی و اجازت کے بغیر کر دیا جائے تو وہ باطلِ محض ہے اور کسی سربراہِ مملکت اور حاکم وقت کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ وہ ایک عاقل بالغ فرد کے اس اختیار کو ختم کر دے لیکن حضور نبی کریم علیہ السلام کی حاکمیت اور آپ کے فیصلوں کا اعزاز و اکرام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت زینبؓ کے اختیار کو رسول کریم کے حکم اور فیصلے کے مقابل بے اختیار قرار دیدیا اور اس آیت کے نزول کے بعد حضرت زینب برضاء و رغبت حضرت زید سے نکاح کرنے پر راضی ہو گئیں اور انھوں نے حکمِ رسول کے سامنے صمیمِ قلب کے ساتھ اپنے سر کو جھکا دیا۔

۴۔ رسول اللہ ہونے کی بنا پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حاکمیت و سربراہی کو اللہ تعالیٰ نے یہ اعزاز بھی بخشا ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ کی عبادت و ریاضت میں بھی مصروف ہو تو عین حالتِ نماز میں بھی اللہ کے رسول کی آواز پر لبیک کہنا اور ان کے حکم کی تعمیل کرنا لازم و واجب ہے:۔ ارشاد باری ہے:۔

اِسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ — اللہ اور رسول جب تمہیں آواز دیں تو فوراً لبیک کہو۔

اِذَا دَعَاكُمْ کا جملہ مطلق ہے اس میں نہ وقت کی قید ہے اور نہ ماحول و زمانہ کی اسی بنا پر مفسرین نے

فرمایا کہ نمازی کو بحالت نماز بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر لبیک کہنا لازم و واجب ہے اور اس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کل جہان کے لیے مستقل طور پر مطاع و حاکم، امام و پیشوا بنایا ہے اور مستقل طور پر ہی آپ کی اطاعت کو لازم و واجب قرار دیا ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا۔ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۔

جس نے اطاعت کی اللہ اس کے رسول کی۔ اس نے بڑی مراد کو پالیا۔ جس نے نافرمانی کی اللہ اور اس کے رسول کی۔ وہ کھلی ہوئی گمراہی میں گیا۔

قرآن مجید میں جہاں جہاں حضور کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اسے عام رکھا گیا ہے۔ کسی قید کے ساتھ خاص نہیں کیا گیا۔ بلکہ قرآن نے یہ تصریح اور حصر کیا ہے۔ کہ رسول کی اطاعت ہی خدا کی اطاعت ہے اور اطاعتِ رسول کے بغیر اطاعت خدا ناممکن ہے۔ سورۂ نساء میں ارشاد باری ہے:۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۔

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

اس لئے رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ اور رسول کی آواز پر لبیک کہنا اللہ کی آواز پر لبیک کہنا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نطق رسول کو اپنی وحی قرار دیا ہے۔

مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔

وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے وہ جو کچھ کہتے ہیں وحی سے کہتے ہیں جو ان پر کی جاتی ہے

اِنْ هُوَ اِلَّا میں ھُوَ ضمیر کا مرجع نطق رسول ہے یعنی ہر اس بات کو وحی قرار دیا ہے۔ جس پر نطق رسول کا اطلاق ہو کیونکہ اگر کسی ایک بات میں یہ شبہ ہو جائے کہ رسول خواہش نفس سے بولتا ہے اور اس کا نطق وحئ الٰہی نہیں ہے تو پھر رسالت پر سے اعتماد اُٹھ جائے گا۔ اس لیئے اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نطق وحئ الٰہی ہے۔ اسی بناء پر حدیث بخاری میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:۔

فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا خَرَجَ مِنِّيْ اِلَّا الْحَقُّ ۔ (احمد، ابوداؤد)

مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ میری زبان پر حق ہی جاری ہوتا ہے۔

قرآن مجید کی ان تصریحات پر غور کیجئے کہ اس شان کا حاکم اور اس عظمت کا سربراہ جس کی زبان مرضئ الٰہی کی ترجمان ہو جس کا نطق وحئ رحمان ہو جس کا فعل فعل سبحان ہو جس کی بیعت بیعت یزدان ہو جس کی سیرت و صورت تفسیر قرآن ہو اور جس سے محبت و عقیدت روحِ ایمان ہو اور جس کی تعظیم و توقیر ایمان کی جان ہو۔ ایسی طیب و طاہر اور معصوم شخصیت عالم امکان میں صرف اور صرف حضور سید المرسلین، خاتم النبیین سید کائنات فخر موجودات حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات ستودہ صفات ہے۔

۵۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو اپنانے اور آپ کی سیرت طیبہ و اخلاق کریمہ کو اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ ارشادِ باری ہے:۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۔

اے مسلمانو! تمہارے لئے رسولِ خدا کی ذاتِ گرامی ایک عمدہ ترین نمونہ ہے۔

اُسوۂ حسنۂ رسولؐ کی عظمت و اہمیت کو جاننے کے لئے یہ ضروری ہے کہ آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں یہ معلوم کیا جائے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب و مقام اور آپ کے اقوال و اعمال کی دینِ اسلام میں کیا حیثیت ہے؟ دوم یہ کہ کیا آپ کی زندگیٔ اقدس کے حالات و واقعات محفوظ شکل میں موجود ہیں اور قیامت تک محفوظ شکل میں موجود رہیں گے۔

۶۔ سوال اوّل کے جواب کے لیے یہ بنیادی بات ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ نبی علیہ السلام صرف ایک قاصد پیامبر ایلچی یا دنیاوی حاکموں کی طرح ایک حاکم اور بادشاہ ہرگز نہ تھے۔ آپ کے منصب کی یہ کیفیت بھی نہ تھی کہ کسی مجلس مشاورت نے آپ کو اسلامی ریاست کا سربراہ منتخب کر لیا تھا یا آپ از خود ذاتی حیثیت میں اس منصب پر فائز ہو گئے تھے۔ بلکہ آپ کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے خلیفۂ اعظم اور نائب اکبر اور اس کی ذات و صفات کے مظہر اتم کی ہے۔ آپ مامور من اللہ اور اللہ کے رسول ہیں۔ جیسے آپ کی نبوت وہبی ہے ایسے ہی آپ کا علم و فضل بھی عطیۂ خداوندی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کی متعدد آیات میں آپ کے منصبِ جلیل کی نشاندہی کی گئی ہے اور آپ کی ذات اقدس کو مستقل طور پر آمر ناہی، مطاع اور شارع ہونے کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ اور آپ کی اطاعت کو کسی زمانہ کے ساتھ خاص نہیں کیا گیا بلکہ مطلق رکھا گیا ہے اور یہ تصریح بھی کی گئی ہے کہ اطاعتِ رسول ہی اطاعتِ خدا ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ

جس نے رسولِ کریم کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔

سورۂ حشر میں فرمایا۔

مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۔ (حشر ۱۵۷)

یہ رسول جو کچھ حکم دیں اُسے لے لو۔ جس سے منع کریں اس سے رُک جاؤ۔

سورہ اعراف میں ارشاد ربانی ہے۔

يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (اعراف ۱۵۷)

وہ اُن کو معروف کا حکم دیتا ہے اور منکر سے اُنہیں روکتا ہے اور اُن کے لئے پاک چیزوں کو حلال کرتا ہے اور اور اُن پر ناپاک چیزوں کو حرام کرتا ہے۔

اسی طرح سورۂ نحل میں آپ کے شارح کتاب اللہ ہونے کے منصب کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ۔ (نحل ، ۴۳)

اور اے نبی یہ ذکر (قرآن) ہم نے تمہاری طرف اس لیے نازل کیا ہے کہ لوگوں پر واضح کرو اس تعلیم کو جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے۔

ان آیات میں قرآن کے امر و نہی کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ امر و نہی اور تحلیل و تحریم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل قرار دیا گیا ہے جس سے اس امر کی نشاندہی ہوتی ہے۔ دین صرف قرآن ہی نہیں بلکہ قرآن کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و عمل اور سیرت و کردار اور آپ کا اسوۂ حسنہ بھی اللہ کا دین اور اس کی شریعت ہے۔ جیسے قرآنِ مجید کے احکام کو ماننا اور اُن پر عمل کرنا ضروری ہے ایسے ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل اور دین سے

متعلق آپ کی ہدایات کو تسلیم کرنا اور ان پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔

۷۔ رہا یہ سوال کہ کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کا محفوظ شکل میں موجود ہے تو قرآن کی روشنی میں یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حضور کی سیرتِ طیبہ اور آپ کے اقوال و اعمال کا قیامت تک محفوظ و مصئون رہنا ضروری ہے۔ آیت لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ سے بھی اس سوال کا جواب ملتا ہے کیونکہ اس آیت میں حضور کے اسوۂ حسنہ کو زندگی کا لائحہ عمل بنانے کی جو ہدایت دی گئی تو اس پر عمل اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ آپ کی سیرتِ طیبہ قیامت تک محفوظ شکل میں محفوظ رہے۔ اسی طرح آیت وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ سے اس امر کی تائید ہوتی ہے۔

۸۔ ابتدائی دور میں صحابہ کرام شمشیر بکف حضور کی حفاظت کے لئے پہرہ دیا کرتے تھے۔ ایک رات صحابہ کرام حسب دستور پہرے پر تھے کہ سورۃ مائدہ کی آیت واللہ یعصمک من الناس نازل ہوئی۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

اِنْصَرِفُوْا فَقَدْ عَصَمَنِيَ اللّٰهُ — لوگو! واپس ہو جاؤ میری حفاظت کا ذمہ اللہ تعالے نے لے لیا ہے۔ (ترمذی)

اگرچہ آیت کا شانِ نزول خاص ہے مگر اس کا عموم و اطلاق یہ بتاتا ہے کہ جب جسم نبوی حفاظتِ خداوندی میں آگیا تو ذات کے ساتھ صفاتِ نبوی بھی اللہ کی حفاظت میں آگئیں پس جیسے قرآن حفاظتِ خداوندی میں آکر تحریف و تبدیل اور باطل کی آمیزش سے محفوظ و مصئون ہے تو ایسے ہی اس آیت کی روشنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات، قول و عمل اور آپ کی سیرت طیبہ اور اسوہ حسنہ کا اللہ تعالیٰ کی نگہبانی اور حفاظت میں آکر باطل کی آمیزش سے پاک وصاف رہ کر قیامت تک محفوظ رہنا بھی ضروری و لازمی ہے۔

چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ صفحاتِ تاریخ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں دوسرے مذاہب کے بانیوں کی تصویریں دھندلی ہیں مثلاً زرتشت کے متعلق آج تک قطعی اور یقینی طور پر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کس ملک میں پیدا ہوا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے صرف آخری تین سالوں کے کچھ حالات ملتے ہیں لیکن ان کی زندگی کے مکمل حالات و واقعات کے بیان سے تاریخ خاموش ہے۔ یہی کیفیت اللہ تعالیٰ کے سچے اور برحق انبیاء سابقین کی ہے کہ قرآن مجید اور انجیل کے توسط سے ان نفوسِ قدسیہ کے کچھ حالاتِ زندگی مجمل طور پر سامنے آجاتے ہیں۔ مگر ان کی مکمل سوانح حیات ایک رازِ سربستہ ہی ہے ——— اس کے برعکس حضور خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی صرف ایک ایسی ذاتِ گرامی ہے کہ آپ کی سیرت وصورت، اخلاق و کردار، اعمال و افعال آپ کی زبانِ مبارک کا ایک ایک لفظ اور آپ کی حیاتِ مقدسہ کی ایک ایک لمحہ غرضیکہ آپ کی زندگی اقدس کے حالات اپنی تمام جزئیات کے ساتھ محفوظ ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ حضور کے طفیل جن قدسی صفات افراد صحابہ کرام کے زندگی کے تمام کوائف ان کا نام و نسب اخلاق و سیرت بھی محفوظ ہے۔ حتیٰ کہ ان بے زبان جانوروں اور بے جان چیزوں سے بھی دنیا متعارف ہو گئی جنھیں کسی نہ کسی موقع پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے نسبت ہو گئی۔

ایمان و دیانت سے غور کیجئے کہ عالم امکان میں صرف ایک ہی ایسی ہستی ہے جس کی سیرت وصورت، اخلاق و کردار اور جس کی زندگی کا ہر گوشہ محفوظ ہے۔ محفوظ رہنے کی اس کے سوا اور کچھ وجہ نہیں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کی ذات و صفات کا محافظ و نگہبان اللہ تعالیٰ ہے اس لیئے ملتِ اسلامیہ کا سب سے اہم فرض یہ ہے کہ وہ ہر لمحہ او ہر آن حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات، محبوبِ خدا حضرت محمد مصطفٰے علیہ التحیۃ کے منصبِ جلیل کو پیشِ نظر رکھے۔ اور آپ کے اقوال و اعمال اور سیرت و کردار کو اپنا رہنما بنائے اور اپنے تمام دینی و دنیوی، داخلی و خارجی، سیاسی و تمدنی، معاشرتی و سماجی مسائل اور الجھنوں کو حل کرنے میں قرآن اور صاحبِ قرآن کی حاکمیت و سربراہی کو دل و جان قبول کرے۔

اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت

حضور سرورِ عالم نورِ مجسم صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت صرف قرآنی احکام تک محدود نہیں ہے بلکہ آپ کی صورت و سیرت، اقوال و افعال بھی دین اور شریعت ہیں۔ قرآنِ مجید میں تصریح ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى	وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے لیکن وہی (کہتے ہیں) جو ان پر وحی ہوتی ہے۔

اس لیے رسولِ کریم کی اطاعت دراصل اللہ تعالےٰ ہی کی اطاعت ہے۔

• مَنْ اَطَاعَ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ	جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔
• يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْا اَعْمَالَكُمْ	اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور (اس کے) رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔
• يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ	اے ایمان والو! جو (حکم) اللہ اور رسول دے اسے قبول کرو تاکہ تمہیں حیات حاصل ہو۔

اطاعتِ رسول کی طرف توجہ دلاتے ہوئے قرآنِ حکیم میں صرف ثانوی حیثیت ہی میں اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔ بلکہ بالاستقلال اس کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:۔

مَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا	رسول جو کچھ تمہیں (حکم) دیں اس کو لو (اختیار کرو) اور جس بات سے منع فرمائیں اسے نہ کرو

چنانچہ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں۔ حضور سیدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا

بِاَنَّهٗ يَخُصُّ مَنْ شَاءَ بِمَا شَاءَ مِنَ الْاَحْكَامِ (خصائص کبریٰ جلد دوم)	منصب یہ ہے کہ آپ جسے چاہیں جس حکمِ شرعی سے مستثنیٰ فرما دیں۔

چنانچہ امام قسطلانی نے اس کی نظیریں پانچ، امام جلال الدین سیوطی نے دس اور اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمہ نے چند واقعے صحیح معتبر احادیث سے نقل فرمائے۔ جن میں سے چند یہ ہیں:۔

قربانی کا جانور مسئلہ یہ ہے کہ قربانی شہریوں کے لیے نمازِ عید کے بعد کرنی چاہیئے، اور بکری یا بکرا جس کی قربانی کی جائے۔ وہ پورے ایک سال کا ہونا چاہیئے۔ لیکن بخاری و مسلم میں براء ابن عازب سے ہے کہ ا

ماموں ابو بردہ بن دینار نے نمازِ عید سے قبل قربانی کر لی۔ جب انہیں معلوم ہوا تو دربارِ نبوت میں حاضر ہوتے۔ عرض کی یا رسول اللہ میرے پاس چھ مہینے کا بکری کا بچہ ہے۔ مگر سال بھر والے سے اچھا ہے۔ فرمایا۔ جاؤ تم اس کی جگہ یہ چھ مہینے کا بکری کا بچہ ہی قربانی کر دو مگر یاد رکھو اتنی عمر کی بکری تمہارے بعد کسی کو

لَنْ تُجْزِیَ عَنْ اَحَدٍ بَعْدَكَ (بخاری)	قربانی کے لیے کافی نہ ہوگی۔

دیکھیے حضور نے ابو بردہ کے لیے ششماہی بکری کے بچہ کی قربانی جائز فرما دی۔ حالانکہ کسی دوسرے کے لیے اس وقت بھی اور آج بھی ششماہی بکرے کی قربانی کافی نہیں ہے۔

حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی

عمومی حکم یہ ہے کہ کسی امر کے ثبوت کے لیے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے مگر حضور علیہ السلام نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا۔ وہ بیچ کر مکر گیا اور گواہ مانگا۔ چونکہ یہ واقعہ کسی کے سامنے کا نہ تھا اس لیے کوئی گواہی دینے کے لیے تیار نہ ہوا۔ اتنے میں حضرت خزیمہ حاضر دربار ہوئے۔ گفتگو سن کر عرض کی۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو نے یہ گھوڑا

اَنَا اَشْهَدُ اِنَّكَ بَايَعْتَهُ	حضور کے ہاتھ فروخت کیا

حضور نے فرمایا۔ خزیمہ تم تو موجود نہ تھے تم نے گواہی کیسے دی؟ عرض کی یا رسول اللہ!

اَنَا اُصَدِّقُكَ عَلٰى خَبَرِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ	جب میں آسمان و زمین کی خبروں پر آپ کی تصدیق کرتا ہوں تو
اَلَا اُصَدِّقُكَ عَلَى الْاَعْرَابِیِّ۔	اعرابی کے مقابلہ میں تصدیق نہ کروں!

حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خزیمہ جس کسی کے

مَنْ شَهِدَ لَهٗ خُزَيْمَةُ اَوْ شَهِدَ عَلَيْهِ فَحَسْبُهٗ	نفع یا ضرر کی گواہی دیں ایک انہیں کی شہادت بس ہے۔

مگر حضور حضرت خزیمہ کو اس حکم سے مستثنیٰ فرما رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ حضور مالکِ شریعت ہیں۔

رمضان کے روزہ کا کفارہ

بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ ایک شخص حضور کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی یا رسول اللہ میں ہلاک ہو گیا فرمایا کیا ہوا عرض کی رمضان میں اپنی بیوی سے نزدیکی کی حضور نے فرمایا غلام آزاد کر سکتا ہے۔ عرض کی نہیں۔ فرمایا لگاتار دو مہینے کے روزے رکھ سکتا ہے۔ عرض کی نہیں۔ اتنے میں کھجوریں دربار اقدس میں آئیں آپ نے فرمایا۔ جا انہیں محتاجوں میں تقسیم کر دے۔ عرض کی یا رسول اللہ، مدینہ میں مجھ سے زیادہ کوئی محتاج نہیں ہے۔ سوال کی یہ گفتگو سن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو ہنسی آگئی۔ یہاں تک کہ دندانِ مبارک ظاہر ہو گئے اور فرمایا:

اِذْهَبْ فَاَطْعِمْهُ اَهْلَكَ	جا اور اپنے اہل و عیال کو کھلا دے

ہدایہ میں یہ الفاظ درج ہیں:۔

كُلْ اَنْتَ وَعِيَالُكَ تُجْزِئُكَ وَلَا تُجْزِئُ اَحَدًا بَعْدَكَ	جا تو اور تیرے عیال کھالیں۔ یہ صرف تجھے جائز ہے اور تیرے بعد اور کسی کو نہیں۔

دارقطنی کے لفظ یہ ہیں کہ حضور نے فرمایا تو اور تیرا عیال کھالے۔

فَقَدْ کَفَرَ اللّٰہُ عَنْکَ | اللہ نے تیری طرف سے کفارہ قبول کر لیا۔

سُبْحَانَ اللّٰہ! کیا مرتبہ ہے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا کہ آپ نے اس شخص کے لیے کفارہ خود ہی کھا لینا جائز فرمایا اور یہ اطلاع بھی دے دی کہ خاص طور پر تیرے لیے جو میں نے حکم دیا ہے وہ اللہ کی رضا کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کفارہ کو قبول فرما لیا۔

سونے کی انگوٹھی

مرد کے لیے سونے چاندی کے زیورات پہننا حرام ہے۔ لیکن حضرت براء ابن عازب کو خاص طور پر حضور علیہ السلام نے سونے کی انگوٹھی پہننے کی اجازت فرمائی۔

مسندِ احمد میں ہے کہ محمد بن مالک نے کہا کہ ہم نے حضرت براء کو دیکھا کہ وہ سونے کی انگوٹھی پہنے ہوئے ہیں۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہ تم سونے کی انگوٹھی پہنتے ہو۔ حالانکہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے ——— حضرت براء نے جواب دیا کہ حضور علیہ السلام ایک مرتبہ مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ ایک یہ انگوٹھی باقی رہ گئی۔ آپ نے مجھے بلایا اور یہ انگوٹھی مجھے پہنا دی اور فرمایا۔

اِلْبَسْ مَا کَسَاکَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ | پہن لو جو کچھ تجھے اللہ اور رسول پہناتے ہیں

حضرت براء ابن عازب نے یہ واقعہ بیان کر کے کہا کہ تم لوگ کیسے مجھے کہتے ہو کہ جو چیز رسولِ خدا نے مجھے پہنائی وہ میں اُتار ڈالوں۔ یہاں حضرت براء ابن عازب کے جوابی کلمات قابلِ غور ہیں۔ فرماتے ہیں:

کَیْفَ تَاْمُرُوْنِیْ اَنْ اَضَعَ | تم کیونکر مجھے کہتے ہو کہ میں حضور علیہ السلام کی پہنائی ہوئی انگوٹھی اُتار دوں۔

دو نماز کی شرط پر اسلام لانا

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ ہر مسلمان مرد و عورت پر دن میں پانچ وقت نماز فرض ہے۔ مگر حضور نے ایک شخص کا اسلام اس شرط پر قبول فرمالیا کہ وہ دو نمازوں سے زائد نہ پڑھے گا۔ چنانچہ نصر بن عاصم ایک آدمی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور اس شرط پر اسلام لائے کہ

فَاَسْلَمَ عَلٰی اَنَّہٗ لَا یُصَلِّیْ اِلَّا صَلَاتَیْنِ فَقَبِلَ ذٰلِکَ (مسند احمد) | دن میں صرف دو ہی نمازیں پڑھوں گا۔ حضور علیہ السلام نے ان کا اسلام قبول فرمالیا۔

واضح ہو کہ اگر آج کوئی عیسائی یا ہندو اس شرط پر اسلام لائے کہ میں دو ہی نمازیں پڑھوں گا۔ نماز ہی پر کیا موقوف ہے وہ کسی ایک رُکنِ اسلام کی رعایت ہی چاہے تو ہم ایسی شرطوں پر نہ اس کے اسلام کو قبول کریں گے اور نہ وہ مسلمان ہی قرار دیا جائیگا۔ اس وقت تو خود حضور علیہ السلام موجود تھے۔ چونکہ آپ مالکِ شریعت، شارعِ اسلام اور اللہ کے خلیفۂ اعظم اور اس کی ذات و صفات کے مظہرِ اتم تھے۔ اس لیے آپ کو یہ مرتبہ حاصل ہے کہ آپ جس شخص کو چاہیں اور جس حکمِ شرعی سے چاہیں مستثنیٰ فرما دیں۔ ماوشما کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اسلام کے ارکان میں کسی قسم کی بھی زیادتی یا کمی کرے۔ یہ منصب اگر حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ اختیار کسی ہستی کو عطا کیا ہے تو وہ صرف حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ کی ذاتِ اقدس ہے۔

کتاب البیوع ۔ کتاب خرید و فروخت کے بیان میں

وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰو | اور اللہ تعالےٰ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سُود کو

بیع کے معنیٰ اور اس کے شرائط

بیع کے معنیٰ ازروئے لغت مطلقاً مبادلہ کے ہیں۔ شرا اس کی ضد ہے اور اصطلاح شرع میں بیع کے معنیٰ یہ ہیں کہ دو شخصوں کا باہم مال کو مال سے ایک مخصوص صورت کے ساتھ تبادلہ کرنا۔

۲۔ بیع قول اور فعل دونوں سے ہو سکتی ہے۔ اگر قول سے ہو تو ایجاب و قبول اس کے ارکان ہیں۔ مثلاً ایک نے کہا میں نے بیچا دوسرے نے کہا میں نے خریدا اور اگر فعل سے ہو تو چیز لینا اور دینا اس کے ارکان ہیں اور یہ لینا اور دینا ایجاب و قبول کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر بیچنے والے پکارتے ہیں۔ اس گلاس کی قیمت ایک روپیہ، ایک روپیہ۔ خریدار آتا ہے ایک روپیہ دے دیتا ہے اور گلاس اٹھا لیتا ہے۔ طرفین باہم کوئی بات نہیں کرتے مگر دونوں کا فعل ایجاب و قبول کے قائم مقام قرار پاجاتا ہے۔ اس قسم کی بیع کو تعاطی کہتے ہیں۔

۳۔ بیع کے طرفین میں سے ایک کو بائع اور دوسرے کو مشتری کہتے ہیں۔

۴۔ ایسے دو لفظ جو تملیک و تملک کا افادہ کریں۔ یعنی جن کا یہ مطلب ہو کہ چیز کا مالک دوسرے کو کر دیا یا دوسرے کی چیز کا مالک ہو گیا۔ ان دو لفظوں کو ایجاب و قبول کہتے ہیں۔ پہلا کلام ایجاب اور اس کے مقابل میں بعد والے کلام کو قبول کہتے ہیں مثلاً بائع نے کہا میں نے یہ چیز اتنے دام میں بیچی۔ مشتری نے کہا میں نے خریدی تو بائع کا کلام ایجاب ہے اور مشتری کا قبول ہے۔

۵۔ بیع کے صحیح ہونے کے لیے چند شرائط ہیں:۔

اوّل۔ بائع و مشتری کا عاقل ہونا۔ یعنی مجنوں یا بالکل ناسمجھ بچے کی بیع صحیح نہیں، دوم عاقد کا متعدد ہونا یعنی ایک ہی شخص بائع بھی ہو اور مشتری بھی، یہ نہیں ہو سکتا۔ سوم ایجاب و قبول میں موافقت ہو یعنی جس چیز کا ایجاب ہے اسی چیز کا قبول ہو۔ چہارم ایجاب و قبول کا ایک مجلس میں ہونا۔ پنجم۔ بائع و مشتری کا باہم ایک دوسرے کے کلام کو سُننا۔ ششم۔ مبیع کا موجود ہونا۔ مال متقوم ہونا مملوک ہونا مقدور التسلیم ہونا ضروری ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ حمل کو یا تھن میں جو دودھ ہے۔ اس کی بیع جائز نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ جانور کا پیٹ پھول گیا ہو اور اس کے پیٹ میں بچہ نہ ہو اور تھن میں دودھ نہ ہو۔ خون اور مُردار کی بیع جائز نہیں کہ یہ مال نہیں۔ شراب و خنزیر کی بیع مسلمان کے حق میں جائز نہیں کہ یہ مال متقوم نہیں ہے پھل نمودار ہونے سے پہلے بیچنا صحیح نہیں۔ ہفتم۔ بیع موقت نہ ہو۔ اگر موقت ہے (مثلاً یہ کہے کہ یہ سائیکل میں نے ایک سال کے لیے بیچا) تو یہ بیع صحیح نہیں۔ ہشتم۔ مبیع و ثمن دونوں اس طرح واضح ہوں کہ نزاع پیدا نہ ہو سکے اگر مجہول ہوں کہ نزاع پیدا ہو سکتا ہے تو بیع صحیح نہیں۔ مثلاً بکریوں کے ریوڑ میں سے ایک بکری بغیر متعین کئے بیچی یا یہ کہنا کہ یہ بکری واجبی دام پر بیچتا ہوں یا یہ کہا۔ فلاں شخص جو دام اس کا مقرر کرے اس پر بیچتا ہوں تو یہ بیع درست نہیں کہ اس میں جھگڑا ہو سکتا ہے۔

۶۔ بیع کا حکم یہ ہے کہ مشتری مبیع کا مالک ہو جائے اور بائع ثمن کا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بائع پر واجب ہے کہ مبیع کو مشتری کے حوالے

کردے اور مشتری پر لازم ہے کہ بائع کو ثمن (قیمت) دیدے۔

ربٰو کے معنی لغت میں ربا کے معنی زیادتی اور بلندی کے ہیں اور اصطلاح شرح میں ربا ایسی زیادتی کو کہتے ہیں، جو بغیر کسی مال معاوضہ کے حاصل کی جائے۔ زمانہ جاہلیت میں عموماً ربا اسی کو کہتے اور سمجھتے تھے جسے آج سود کہا جاتا ہے۔ یعنی ادھار کی میعاد پر معین شرح کے ساتھ زیادتی یا نفع لینا۔ عرب میں اکثر رواج یہ تھا کہ ایک معین رقم، معین مدت کے لئے معین مقدار سود پر قرض دیدی جاتی تھی۔ مقروض نے اگر میعادِ مقررہ پر رقم واپس کردی تو مقررہ سود دے کر معاملہ ختم ہو گیا اور اگر مقروض میعادِ مقررہ پر رقم واپس نہ کر سکا تو آئندہ کے لیے مزید سود کا معاملہ طے کیا جاتا تھا۔

آٹھویں سال فتح مکہ کے موقع پر جب آیاتِ ربٰوا نازل ہوئیں تو ان کو سنتے ہی ربٰو کے متعارف معنی جو جاہلیت عرب کے زمانہ میں مروج تھے۔ (یعنی قرض کی رقم پر معین نفع لینا) کو سب نے سمجھ لیا اور اس کو قطعاً حرام جان کر چھوڑ دیا — چنانچہ ربا کی یہ تعریف ایک حدیث میں ان الفاظ میں آئی ہے:۔

كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِبواً | جو قرض نفع لائے وہ ربٰو ہے۔

اگرچہ اس حدیث کی سند پر جرح کی گئی ہے۔ حتیٰ کہ اس کی اسناد کو ضعیف بتایا گیا ہے، لیکن فقہاء کرام اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور سراج منیر میں اس حدیث کو حسن لغیرہ قرار دیا گیا ہے۔ تاہم اگر کسی کو اس حدیث سے استدلال کرنے میں تامل ہو تو یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ ربٰوا کی جو تعریف حدیث مذکور میں بیان ہوئی ہے (یعنی قرض پر نفع لینا) آیاتِ ربٰوا کے نزول سے قبل بھی تمام عرب میں مشہور و معروف تھی اور جب آیاتِ ربا نازل ہوئیں تو لوگوں نے مذکورہ بالا مفہوم کو ربا سمجھا، اور اسی کو حرام قطعی جان کر ترک کر دیا تو اگر اس حدیث سے استدلال نہ بھی کیا جائے تو بھی لغتِ عرب اور رواجِ عرب اس کے مفہوم کو متعین کرنے کے لیے کافی تھا۔ لسان العرب میں ہے۔

الربا ربوان والحرام كل قرض يؤخذ به اكثر منه او يجر به منفعة (لسان العرب)	ربا کی دو قسمیں ہیں۔ حرام ہر وہ قرض ہے جس پر کچھ زیادہ لیا جائے یا قرض پر کوئی منفعت حاصل کی جائے۔

لغت حدیث کی نہایت مستند کتاب نہایہ ابن اثیر میں ہے۔

تكرر ذكر الربا في الحديث والاصل فيه الزيادة على راس المال من غير عقد تبايع	احادیث میں بار بار ربا کا ذکر آیا ہے اور اصل اس باب میں یہ ہے کہ بغیر عقد بیع کے راس المال پر کوئی زیادتی لینا۔

علامہ ابن العربی مالکی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ لفظِ ربا عرب میں مشہور و معروف تھا اور جس شخص نے یہ خیال کیا کہ یہ آیت مجمل ہے اس نے شریعت کے قطعی مقاصد کو نہیں سمجھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ایک ایسی قوم کی طرف بھیجا جس میں وہ خود شامل تھے اور انھیں کی زبان میں بھیجا اور اپنی کتاب (قرآن) بھی ان کی زبان میں اتاری تاکہ ان کے لیے آسان ہو جائے اور ربا لغتِ عرب میں زیادتی کو کہتے ہیں اور مراد وہ زیادتی ہے جس کے

والمراد في الآية كل زيادة لا يقابلها عوض (احکام القرآن)	مقابلہ میں مال عوض نہ ہو۔

علامہ ابو بکر جصاص حنفی علیہ الرحمہ احکام القرآن میں فرماتے ہیں۔

(١) فَمِنَ الرِّبَا مَا هُوَ بَيْعٌ وَمِنْهُ مَا لَيْسَ بَيْعٍ وَهُوَ رِبَا أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ وَالْقَرْضُ الْمَشْرُوطُ فِيهِ الْأَجَلُ وَزِيَادَةُ مَالٍ عَلَى الْمُسْتَقْرِضِ۔ (احکام القرآن)

(٢) معنيان أحدهما الربا الذي كان عليه أهل الجاهلية والثاني التفاضل في الجنس الواحد من المكيل والموزون۔

آگے فرماتے ہیں :-

(٣) وقد بين النبي صلى الله عليه وسلم كثيرا من مراد الله بالآية نصا وتوقيفا ومنه ما بيّنه دليلا فلم يخل مراد الله من ان يكون معلوما عند اهل العلم بالتوقيف والاستدلال۔ والربا الذي كانت العرب تعرفه وتفعله انما كان قرض الدراهم والدنانير الى اجل بزيادة على مقدار ما استقرض على ما يتراضون به ولم يكونوا يعرفون البيع بالنقد واذا كان متفاضلا من جنس واحد۔

(٤) وقد بينا ان اسماء الشرع توقيف والثاني انه معلوم ان ربا الجاهلية انما كان قرضا مؤجلا بزيادة مشروطة فكانت الزيادة بدلا من الاجل فابطله الله تعالى وحرمه وقال وان تبتم فلكم رؤس اموالكم وقال تعالى وذروا ما بقي من الربا) حظر ان يؤخذ للاجل عوض فاذا كانت عليه الف درهم مؤجلة فوضع عنه على ان يعجله۔

(٥) لو كان عليه الف درهم حالة فقال له اجلني وازيدك فيها مائة درهم لا يجوز

ربا کی ایک قسم وہ ہے جو بیع میں ہوتا ہے اور دوسرا وہ جو بیع میں نہیں ہوتا اور یہی ربا اہلِ جاہلیت میں جاری تھا اور یہ ہے کہ قرض کسی میعاد کے لیے اس شرط پر دیا جائے کہ قرض لینے والا اس پر کچھ زیادتی ادا کرے۔

ان میں ایک کے معنی تو اسی ربا کے ہیں جس پر اہلِ جاہلیت کا تعامل تھا اور دوسرے کے معانی ناپنے یا تولنے والی ایک جنس کے تبادلہ میں تفاضل کے ہیں۔

اس آیۃ سے اللہ تعالےٰ کی جو مراد تھی اس کو زیادہ تر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نص اور توقیف کے طور پر بیان فرمایا اور کچھ استدلال سے بھی واضح فرمایا۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ کی مراد دونوں طریقوں سے اہلِ علم پر واضح ہوگئی۔ "جو ربوا اہلِ عرب کے ہاں معروف اور عملاً رائج تھی وہ سوائے اس کے اور کچھ نہ تھی کہ درہم و دینار کے معیاری قرضہ پر کچھ زیادتی جس کی شرح باہمی رضامندی سے مقرر ہوتی تھی۔ عرب اس ربائے نقد کے بیع سے واقف نہیں تھے۔ جس میں کہ ہم جنس میں تفاضل کیا جائے۔

اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ اسماء شرع توقیفی ہیں دوم یہ کہ یہ معلوم و مشہور ہیں (اور وہ اس طرح) کہ ربا جاہلیہ یہ تھا کہ قرض موجل ہوتا تھا جس میں زیادتی کی شرط ہوتی تھی۔ پس اللہ تعالےٰ نے اس کو باطل قرار دیا اور حرام کیا، چنانچہ فرمایا اگر تم باز آجاؤ تو تمہارے لیے راس المال ہے) اور آگے فرمایا (چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہو سُود میں سے) مدت کے بدلے میں معاوضہ لینے سے منع کیا۔ اگر کسی پر ہزار درہم ہوتے ایک مقررہ وقت تک تو جلدی ادائیگی کی صورت میں کچھ کم کر دیئے جاتے۔

اگر اس وقت اس کے اوپر ہزار درہم ہوتے تو کہتا کہ مدت بڑھا دے میں سو درہم بڑھا دوں گا تو یہ جائز نہیں ہے کہ یہ سو درہم معاوضہ

لان المائۃ عوض من الاجل۔ | بیس مدت کا۔

الغرض قرآنِ مجید نے جس ربا کو حرام قرار دیا ہے۔ اس کا مشہور و متعارف مفہوم قرض دے کر اس پر نفع لینا ہے۔ ربا کے اس مفہوم میں نہ کوئی الجھاؤ ہے اور نہ ابہام۔ زمانۂ نبوی سے لے کر آج تک تمام صحابہ کرام و ائمہ دین اس کے حرام قطعی ہونے پر متفق ہیں۔

ربوا کی تشریح کے متعلق حضرت فاروق اعظمؓ کا بیان

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ علیہ وسلم قُبِضَ وَلَمْ یُفَسِّرْهَا لَنَا فَدَعُوا الربوا والریبۃ۔

(ابن ماجہ و دارمی)

حضرت فاروق اعظمؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضورؐ پر جو آخری آیت نازل ہوئی وہ سود کے متعلق ہے اور حضورؐ نے اس کی پوری تشریح بیان نہیں فرمائی تھی کہ آپ کا وصال ہو گیا لہٰذا سود بھی چھوڑ دو اور ان کو بھی چھوڑ دو جن میں سود کا شائبہ ہو۔

دوسری روایت کا مضمون یہ ہے جناب فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

تین مسائل ایسے ہیں کہ مجھے یہ تمنا رہ گئی کہ کاش حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم ان کے متعلق ہم پر مزید تشریح و توضیح فرما دیتے دو مسئلے تو میراث کے ہیں (یعنی دادا اور کلالہ کی میراث) اور ربوا کے بعض ابواب و اقسام کی تشریح۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذکورہ بالا ارشاد دراصل ربا کی قسم دوم ہی کے متعلق ہے جس کا بیان حدیثِ نبوی میں آیا ہے۔ اسی قسم دوم کی تشریحات کے متعلق جنابِ فاروق اعظم نے تشنگی کا اظہار فرمایا۔ یعنی یہ حکم ان چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے یا یہ چھ چیزیں بطور مثال کے بیان ہوئی ہیں اور دوسری اشیاء اسی حکم میں داخل ہیں اور اگر دوسری اشیاء بھی اسی میں داخل ہیں تو ان کا ضابطہ کیا ہے؟

یہی وجہ ہے کہ آئمہ مجتہدین سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ امام شافعی و امام مالک و امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے اپنے اجتہاد سے ان چیزوں کا ضابطہ مقرر کیا اور دوسری اشیاء کو بھی اسی ضابطہ کے ماتحت اس حکم میں داخل قرار دیا۔

ربا کی قسم اول جسے قرآن نے بیان کیا ہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ کا مذکورہ بالا بیان اس کے متعلق ہرگز نہیں ہے کیونکہ قرض پر نفع لینا تو ربوا کا ایسا مفہوم ہے، جو آیت ربوا کے نزول سے قبل ہی مشہور و معلوم تھا۔ اور قرآن نے اس کو حرام قطعی قرار دیا۔ پس قسم اول کے ربوا کا حرام قطعی ہونا قرآنِ مجید و حدیث رسولؐ اور اجماعِ امت سے ثابت ہے۔

سودی لین دین مفلسی و ناداری کی وجہ سے ہو یا تجارت کی غرض سے بہرحال حرام و ناجائز و ممنوع ہے

واضح ہو کہ قرآن نے مطلقاً سود کو حرام قرار دیا ہے۔ یعنی قرض پر نفع لینا خواہ کسی بھی وجہ سے ہو بہرحال حرام ہے۔ سودی لین دین اپنی کسی مصیبت، مفلسی و ناداری کی بنا پر کیا جائے یا سرمایہ دار متمول تاجر اپنی تجارت کے لیے سودی معاملہ کرے۔ آیۃ حرم الربوا کے عموم و اطلاق کی بنا پر حرام قطعی ہے۔ کچھ لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ غریب و مصیبت زدہ شخص کو قرض دے کر اس پر سود لینا حرام ہے۔ لیکن سرمایہ دار متمول تاجر کو قرض دے کر سود لینا جائز ہے۔ ایسا خیال قرآنِ مجید کی کھلی ہوئی تحریف ہے۔ قرآنِ مجید کی مختلف سورتوں کی تقریباً آٹھ سو آیات سے اور متعدد احادیث میں سود کی ممانعت کا ذکر ہے مگر ان آیات و احادیث میں مذکورہ بالا خیال کا اشارہ تک نہیں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ربا کے معاملہ میں

اس فرق کو بیان نہیں فرمایا اور مطلقاً ربا کو حرام قرار دیا ہے تو ایسی صورت میں کسی کو یہ حق کیسے پہنچتا ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے مطلق حکم کو بلا دلیلِ شرعی اپنی رائے سے مقید کر دے۔ اس لیے حق یہ ہی ہے۔ غریب و مصیبت زدہ کو قرض دے کر اس پر نفع لینا یا سرمایہ دار متمول شخص اپنی تجارتی ضرورت کی بنا پر قرض لے اور اس پر نفع لیا جائے۔ آیت حرم الربوا کے عموم و اطلاق کی بنا پر حرام قطعی ہے۔

چنانچہ یہ ایک حقیقت ہے اور آیاتِ ربوا کے شان نزول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ آیاتِ ربا کے نزول سے پہلے عرب اور بالخصوص قریش کے تجارت پیشہ تجارتی اغراض کے لیے قرض لیتے تھے اور اس پر سُود دیتے تھے۔ (عینی)

عرب کے لوگ قرض پر نفع لینے کو خواہ وہ کسی بھی وجہ سے ہو بیع کی طرح حلال سمجھتے تھے۔ قرآنِ مجید نے ان کے اس قول کی تردید فرمائی اور واضح لفظوں میں یہ فیصلہ فرمادیا۔ بیع و ربوا کو یکساں سمجھنا غلط ہے۔ اللہ تعالےٰ نے بیع کو حلال اور ربا کو حرام قرار دیا ہے۔

ربا کی دُوسری قسم

ربا کی ایک قسم، یعنی قرض پر نفع لینا، خواہ کسی وجہ اور غرض سے ہو کو آیت حرم الربوا نے حرام و ممنوع قرار دیا اور حضور سرورِ عالم نورِ مجسم صلے اللہ علیہ وسلم چونکہ شارع بھی ہیں اللہ تعالےٰ نے آپ کو تشریعی اختیارات بھی دیئے ہیں تو حضورؐ نے اپنے اس منصبِ خاص کی بُنیاد پر بیع و شراء کی خاص صورتوں کو ربوا قرار دے کر حرام فرمادیا۔ آپ نے فرمایا۔

سونا چاندی، گندم، جو، کھجور، نمک کا لین دین برابر سرابر ہونا چاہیئے۔ ان چھ چیزوں کے باہمی تبادلہ و بیع میں کمی بیشی کرنا ربوا ہے اور ادھار کا معاملہ کرنا اگرچہ برابر سرابر ہو، یہ بھی ربوا ہے۔ (بخاری)

چونکہ ربا کی یہ قسم پہلے سے عرب میں رائج و مشہور نہ تھی اور عام لوگ قرض پر نفع لینے کو ہی ربوا سمجھتے تھے۔ اس لیے بعض وہ لوگ جنہیں اس حدیث کا علم نہ ہوا۔ اس قسم کے ربوا کی حُرمت کے قائل نہ تھے۔ حتیٰ کہ امام فقہ و تفسیر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما جیسے عظیم و جلیل صحابی بھی اس قسم کے ربوا کو حرام نہیں سمجھتے تھے۔ (مسلم) لیکن جب حضرت ابوسعید صحابی نے حضرت ابن عباس کو مذکورہ بالا حدیث سُنائی تو انھوں نے اپنے سابقہ فتویٰ و عمل سے رجوع کیا اور اپنی غلطی پر استغفار فرمایا۔

پس سود کی ایک قسم تو وہ ہے جسے آیت حرم الربوا نے حرام قطعی قرار دیا اور سود کی دوسری قسم وہ ہے جسے سیدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے تشریعی اختیارات کی بنا پر حرام قرار دیا یعنی بیع و شراء کی وہ مخصوص صورتیں جن کا بیان احادیثِ صحیحہ میں آیا ہے اور جن کی توضیح و تشریح آئندہ صفحات میں بیان کی جائے گی (انشاء اللہ)

حضور علیہ السلام کا تشریعی منصب

واضح ہو۔ حضور علیہ السلام قرآن کے شارح بھی ہیں، سورہ نحل کی آیت لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْہِمْ میں حضور کے اسی منصب کا ذکر ہے کہ قرآن کے شارح ہونے کی حیثیت سے حضور قرآن کے اجمال کی توضیح۔ اس کے جزئیات کی تعیین اور اس کے ابہام کی تبیین فرماتے ہیں۔ اور حضورؐ شارع بھی ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو تشریعی اختیارات بھی دیئے ہیں۔ شارع ہونے کی حیثیت سے حضورؐ کسی چیز کو حرام یا حلال فرماتے ہیں گو اس کا ذکر قرآنِ مجید میں نہ ہو۔

سورہ اعراف کی آیت یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ سے واضح ہے کہ حضورؐ کو تشریعی اختیارات عطا ہوئے ہیں یعنی حلال و حرام وامر و نہی صرف وحی نہیں

ہے جو قرآن میں بیان ہوا ہے۔ بلکہ جو کچھ حضورؐ نے حرام یا حلال قرار دیا ہے یا جس چیز کا حضورؐ نے حکم فرمایا یا جس چیز سے منع فرمایا وہ بھی اللہ کے دیئے ہوئے اختیارات سے ہے اور وہ بھی قانونِ خداوندی کا ایک حصہ ہے اور یہی بات سورہ حشر کی آیت مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ سے ثابت ہے۔ اس آیت میں امر و نہی اور تحلیل و تحریم کو حضورؐ کا فعل قرار دیا ہے نہ کہ قرآن کا مثلاً سورہ نساء میں قرآن نے دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اب دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنا حرام قطعی ہے اور حضور علیہ السلام نے اپنے تشریعی اختیارات کی بنیاد پر پھوپھی بھتیجی، خالہ بھانجی کو بھی جمع کرنا حرام قرار دیا ہے۔ تو اسی طرح آیت حرم الربوٰا نے قرض پر سود لینے کو حرام قطعی قرار دیا اور حضور علیہ السلام نے اپنے تشریعی منصب کی بنیاد پر ربا کی دوسری قسم بیان فرمائی اور آپ نے بیع و شراء کی چند مخصوص صورتوں کو ناجائز و ممنوع قرار دیا اور جن چیزوں کو حضورؐ نے حلال یا حرام قرار دیا ہے۔ وہ بھی قانونِ خداوندی کا ایک حصہ

ربوا کی قسمیں

فقہاء کرام ربوا کی قسم اول جس کی حرمت قرآنِ مجید سے غیر مبہم طریقہ سے ثابت ہے یعنی قرض پر نفع لینا، اس کو ربا القرآن ربا النسیئہ اور ربا الجاہلیہ سے موسوم کرتے ہیں واضح رہے کہ فقہاء اسلام میں سے ربائے نسیئہ (سودی قرض) کے حرام قطعی ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی نزاع ہے۔ یہ بات قرآن و سنت و اجماعِ اُمت سے ثابت ہے۔ قرآنِ مجید نے بڑی سختی کے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔ اس سے زیادہ تنبیہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ سُود کو اللہ تعالٰے نے اپنی ذات اور اپنے رسول سے برسرِ جنگ قرار دیا ہے۔ فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ غور کیجئے اس انسان ضعیف البنیان کا کیا حشر ہوگا۔ جو ایک زبردست طاقت والے اللہ رب العلمین سے برسرِ پیکار ہو۔ بلاشبہ ایسا شخص خود کو ہلاکت و بربادی میں ڈال رہا ہے۔ بلا ربا کی دوسری قسم جو قرآن کے الفاظ سے نہیں سمجھی جاتی بلکہ بیانِ رسولؐ (حدیث) سے معلوم ہوئی ہے۔ اس کو ربا الحدیث، ربا النقد، ربا البیع، ربا الفضل سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یعنی ربا کی وہ صورتیں جو حضور علیہ السلام نے بیان فرمائیں، واضح رہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے، گندم گندم کے بدلے، جو جو کے بدلے، کھجور کھجور کے بدلے، نمک نمک کے بدلے میں اگر لیا دیا جائے تو ان کا لین دین برابر سرابر دست بدست ہونا چاہیئے۔ اس میں کمی بیشی (یا ادھار) ربوا کے حکم میں ہے (بخاری) تو یہ چھ چیزیں جن میں کمی بیشی ادھار کو حضورؐ نے ربوا قرار دیا ہے۔ اس کے ربوا ہونے میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ان چھ متجانس چیزوں کی کمی بیشی اور ادھار کا معاملہ کرنا۔ تمام صحابہ کرام ائمہ دین و ائمہ اربعہ کے نزدیک ربا ہے اور حرام ہے۔

البتہ یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ حدیث میں جن چھ چیزوں میں کمی بیشی و اُدھار کو ربوا قرار دے کر حرام قرار دیا گیا ہے تو یہ حکم ان چھ چیزوں ہی کے ساتھ خاص ہے[1]؛ یا دوسری اجناس بھی اس میں داخل ہیں اگر داخل ہیں تو ان کا ضابطہ کیا ہے؛ حضور علیہ السلام نے واضح طور پر خاص اس امر میں ضابطہ کلی بیان نہیں فرمایا اور حضرت عمرؓ نے بھی اس خاص امر کے متعلق فرمایا کہ حضورؐ نے اس کے متعلق پوری تشریح نہیں فرمائی۔

یہی وجہ ہے کہ فقہاء امت و ائمہ مجتہدین نے اپنے اجتہاد سے ضابطہ مقرر کیا اور حق یہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم

---

[1] چنانچہ علماء ظواہر کا خیال یہ ہی ہے۔ یہ حکم صرف ان اشیاء کے اندر منحصر ہے، جو حدیث میں مذکور ہوئیں۔ منہ =

کا اس معاملہ میں توضیح وتشریح نہ فرمانا بھی اللہ ہی کی مرضی اور اس کے حکم کے مطابق تھا۔ مرضی الٰہی یہ ہی تھی کہ خاص معاملہ مجمل ومبہم ہی رہے اور آئمہ مجتہدین اپنے اجتہاد سے اسے طے کریں اور اس طرح امتِ محمدیہ کے مجتہدین صواب کی صورت میں دو اجر اور خطأ کی صورت میں ایک اجر کے مستحق ہو جائیں۔

شرح سود کچھ بھی ہو بہرحال حرام ہے | يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَوا أَضْعَافًا مُّضَعَفَةً وَاتَّقُوا اللهَ۔ ترجمہ:۔ اے ایمان والو سود دونا۔ دون نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو۔

زمانۂ جاہلیت میں۔ سود خواری کا عام رواج یہ تھا کہ ایک خاص میعاد معین کے لیے ادھار پر سود کا معاملہ ہوتا اور جب وہ میعاد سر پر آجاتی اور قرضدار اس کی ادائیگی پر قادر نہ ہوتا تو اس کو مزید مہلت اس شرط پر دی جاتی کہ شرح سود بڑھا دی جاتی۔ اس طرح دوسری میعاد پر بھی ادائیگی نہ ہوتی تو مزید مہلت کے لیے سود کی مقدار اور زیادہ کردی جاتی اور ایسا بار بار کیا جاتا جیسا کہ آج کل بھی سود خور کرتے ہیں اور اسے سود در سود کہتے ہیں۔ آیت مذکورہ میں جاہلیت عرب کے اس ظالمانہ طریقہ کی مذمت کی گئی اور اس کو ممنوع وحرام قرار دیا گیا۔ لہٰذا آیت کے یہ معنی کرنا کہ سود اضعاف ومضاعف نہ ہو تو حرام نہیں ؛ قرآنِ مجید کی تحریف معنوی ہے کیونکہ حرمتِ سود کی آیت حرم الربوا میں سود کو واضح طور پر حرام قرار دیا گیا ہے۔ خواہ وہ اضعاف مضاعف ہو یا نہ ہو اور اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے قرآنِ مجید میں فرمایا۔

لَا تَشْتَرُوا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا | میری آیتوں کے بدلے تھوڑی سی قیمت مت لو۔

تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ قرآنِ مجید کی آیات اور اس کے احکامات میں تغیر وتبدل بہت زیادہ قیمت کے عوض کرنا جائز ہے (معاذ اللہ) تو ایسے ہی اس آیت میں اضعافا مضاعفۃ کے الفاظ عرب جاہلیت کے سود در سود لینے کے طریقہ پر نکیر کرنے اور اسے انتہائی درجہ کا ظالمانہ فعل قرار دینے کے لیے ہے یہ الفاظ سود کی حرمت کے لیے شرط یا قید ہرگز نہیں ہیں۔ اس لیے شرح سود خواہ کچھ بھی ہو سودی لین دین بہرحال حرام وناجائز ہی ہے۔

سابقہ سود کا مطالبہ بھی حرام ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَوا إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللهِ وَرَسُولِهِ۔ | اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود اگر مسلمان ہو پھر اگر ایسا نہ کرو تو یقین کر لو اللہ اور اللہ کے رسول سے لڑائی کا۔

یہ آیت ان اصحاب کے حق میں نازل ہوئی جو سود کی حرمت نازل ہونے سے قبل سودی لین دین کرتے تھے اور ان کی گرانقدر سودی رقمیں دوسروں کے ذمہ باقی تھیں۔ اس آیت میں حکم دیا گیا کہ سود کی حرمت نازل ہو جانے کے بعد سابق کا مطالبہ بھی واجب الترک ہے اور پہلا مقرر کیا ہوا سود بھی اب لینا جائز نہیں ہے۔ اس کے بعد اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سخت وشدید وعید سنائی گئی کہ اگر تم نے سود نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔ یہ وعید شدید ایسی ہے کہ کفر کے سوا کسی بڑے سے بڑے جرم پر ایسی وعید کتاب وسنت میں نہیں ہے جس سے سود خوری کے گناہ کی شدت کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا۔

وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَاتَظْلِمُوْنَ وَلَاتُظْلَمُوْنَ (بقرۃ)

اگر تم توبہ کرو۔ تو اپنا اصل مال لے لو۔ نہ تم کسی کو نقصان پہنچاؤ، نہ تمہیں نقصان ہو۔

یعنی سود کی رقم خواہ کتنی ہی ہو جائے اور وہ اضعافاً مضاعفہ کی شکل ہی کیوں نہ اختیار کر جائے صرف (رأس المال) اصل رقم ہی کے لینے کے حق دار ہو گے اور اصل رقم پر سود کا لینا بہر حال حرام و گناہ قرار پائے گا۔

شانِ نزول

آئمہ تفسیر نے وذروا مابقی من الربو کا شانِ نزول یہ بیان فرمایا ہے۔ قبیلہ بنو ثقیف کے خاندان۔ بنی عمرو بن عمیر اور قبیلہ بنی مخزوم کے ایک خاندان بنو مغیرہ کے درمیان زمانۂ جاہلیت کے سود کا لین دین چلا آتا تھا۔ ان میں سے بنو مغیرہ مسلمان ہو گئے اور ۹ھ میں قبیلہ ثقیف جو طائف کے رہنے والے ہیں۔ ان کا ایک وفد عمرو بن عمیر کی قیادت میں حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں (مدینہ منورہ میں) حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گیا (البدایہ والنہایہ لابن کثیر)

مسلمان ہونے کے بعد ان لوگوں نے آیندہ کے لیے سودی کاروبار سے توبہ کر لی لیکن پچھلے معاملات کے سلسلہ میں بنو ثقیف کی ایک بڑی سودی رقم بنو مغیرہ کے ذمہ واجب الادا تھی۔ جب انھوں نے اس کا مطالبہ کیا تو بنو مغیرہ نے جواب دیا۔ مسلمان ہونے کے بعد اب ہم سود ادا نہیں کریں گے کیونکہ جیسے سود کا لینا حرام ہے۔ اسی طرح اس کا دینا بھی حرام ہے۔ اس جھگڑے کا مقدمہ حضرت عتابؓ بن اسید کی عدالت میں مکہ میں پیش ہوا۔

حضرت عتاب یا حضرت معاذ نے بحضور نبویؐ اس معاملہ کے متعلق عریضہ پیش کیا کہ اس مقدمہ کا کیا فیصلہ کیا جائے۔ حضور علیہ السلام کی خدمت میں جب یہ عریضہ پہنچا تو سورہ بقرہ کی مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی۔

وَذَرُوْا مَا بَقِىَ مِنَ الرِّبٰوا | اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود

اس آیت میں واضح طور پر حکم دیا گیا کہ حرمتِ سود کی آیات کے نزول کے بعد جس کسی کے بھی ذمہ سود کی رقم واجب الادا ہے اب اس کا لینا اور دینا جائز نہیں ہے۔ حضور علیہ السلام نے حضرت عتاب بن اسید کو یہی جواب بھجوا دیا۔ چنانچہ آیتِ قرآنی سن کر بنو ثقیف و بنو مغیرہ نے بالاتفاق توبہ کی اور یہ عہد کیا کہ اب ہم سود کی رقم کا مطالبہ نہیں کریں گے[۲]

سود کے متعلق حضورؐ کا ایک اہم خطبہ

چنانچہ ۱۰ھ حجۃ الوداع کے موقع پر بمقام منیٰ حضور علیہ السلام نے اپنے مقدس خطبہ میں اعلان فرمایا۔

خوب سمجھ لو جاہلیت کی تمام رسمیں میرے قدموں کے نیچے مسل دی گئیں اور زمانہ جاہلیت کے باہمی قتل و خون کے انتقام آیندہ کے لیے ختم کر دیئے گئے اور سب سے پہلا انتقام میں ساقط کرتا ہوں۔ ربیعہ بن حارث کا جو قبیلہ بنی سعد میں رضاعت کے لیے دیئے گئے اور ان کو ہذیل نے قتل کر دیا تھا۔ (اسی طرح)

---

[۱] حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو حضور نے فتح مکہ کے بعد مکہ کا امیر مقرر فرمایا تھا اور حضرت معاذ ابن جبل کو ان کے ساتھ تعلیم قرآن و سنت کے لیے مقرر فرمایا تھا۔

[۲] عینی شرح بخاری ج ۱۱ صہ ۲۰۱ روح والمعانی، تفسیر بحر محیط، تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن کثیر، البدایہ والنہایہ۔

وَرِبَاءُ الجَاهِلِيَّةِ مَوضُوعَةٌ وَاَوَّلُ رِبًا اَضَعُ رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَاِنَّهُ مَوضُوعٌ كُلُّهُ ۔ مسلم بروایت جابر فی حجۃ الوداع۔

زمانۂ جاہلیت کا سود چھوڑ دیا گیا اور سب سے پہلا سود جو میں ساقط کرتا ہوں وہ عباس بن عبد المطلب کا سود ہے وہ سب کا سب ختم کر دیا گیا۔

حضور سید المرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا یہ عظیم وجلیل خطبہ اسلام میں دستور واصول کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضورؐ نے (زمانۂ جاہلیت) کے قتل وخون کے انتقام ساقط کر دیئے۔ اسی طرح گذشتہ زمانہ کے سود کو بھی ختم کر دیا اور اس کی ابتداء سب سے پہلے اپنے خاندان سے فرمائی۔

۱۔ حضرت عباس اور خالد بن ولید رضی اللہ تعالےٰ عنہما کا شرکت میں کاروبار تھا اور ان کا طائف کے بنی ثقیف کے ساتھ لین دین تھا۔ حضرت عباس کی ایک بھاری رقم بحساب سود، بنی ثقیف کے ذمہ واجب الادا تھی۔ جب حضرت عباس نے بنی ثقیف سے اپنی سودی رقم کا مطالبہ کیا تو حضور علیہ السلام نے حضرت عباس کو اپنی سودی رقم کے چھوڑ دینے کا حکم دیا۔

سودی لین دین گناہ عظیم ہے

سودی کاروبار کرنے والوں کے متعلق، حدیث میں سخت وشدید وعید آئی ہے ذیل میں چند احادیث نبویہ پیش کی جاتی ہیں۔ اللہ سے ڈرنے والوں اور آخرت پر پختہ عقیدہ رکھنے والوں کے لیے تو یہی چند احادیث کافی ہیں۔

۱۔ الرِّبَاءُ اثْنَانِ وَسِتُّونَ بَابًا اَدْنَاهَا مِثْلُ اِتْيَانِ الرَّجُلِ اُمَّهُ (مسلم، بیہقی۔ ابن ماجہ وابن جریر)

حضور سید عالم نور مجسم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سود کا (گناہ) باسٹھ حصے ہے۔ ان میں سب سے کم درجہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں سے زنا کرے۔

۲۔ حضور سید المرسلین خاتم النبیین علیہ السلام نے سود لینے والے اور سود دینے والے سود کا کاغذ لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی (بخاری)

مَلْعُونُونَ عَلٰى لِسَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللہ علیہ وسلم يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (ترمذی)

۳۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا۔ سود کا ایک درہم جس کو جان کر کوئی کھائے۔ وہ

درھم ربا یاکلہ الرجل وھو یعلم اشد من ست وثلاثین زنیۃ (احمد)

چھتیس مرتبہ زنا سے بھی سخت ہے۔

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ شب معراج ساتویں آسمان پر پہنچ کر جب میں نے اوپر نظر اٹھائی تو چمک کڑک اور گرج دیکھی۔ پھر مرا گذر ایک ایسی قوم پر ہوا۔

فَاَتَيْتُ عَلٰى قَوْمٍ بُطُوْنُهُمْ كَالْبُيُوتِ فِيهَا الحيات تُرٰى مَنْ مِنْ خَارِجِ بُطُونِهِمْ قُلْتُ يَا جبرائيلُ مَنْ هٰؤُلَاءِ قَالَ هٰؤُلَاءِ اَكَلَةُ الرِّبَا (احمد ابن ماجہ)

جن کے پیٹ کروں کی طرح (بڑے بڑے) تھے۔ ان میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو باہر سے نظر آتے تھے۔ میں نے جبرئیل سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل نے جواب دیا یہ سود خوار ہیں۔

نیز حضورؐ نے فرمایا کہ میں نے سُود خوار کو خون کی نہر میں دیکھا۔ جب وہ اس نہر سے نکلنا چاہتا تو کنارے پر کھڑا ایک شخص اس کے منہ پر اس زور سے تھپڑ مارتا کہ وہ پھر اس خون کی نہر میں گر جاتا۔ میں نے پوچھا کہ خون کی نہر میں کون تھا؟ کہا اٰکِلُ الرِّبٰو سود خور (بخاری)

(۲) اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ (بخاری)

مگر یہ کہ کوئی سردست کا سودا دست بدست ہو تو اس کے نہ لکھنے کا تم پر گناہ نہیں۔

یہ سورہ بقرہ کی ایک طویل آیت کا ایک حصہ ہے، جس کی ابتدا یاایھا الذین امنوا اذا تداینتم بدین سے ہوتی ہے۔ ان آیات کا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ جب لین دین کا کوئی معاملہ کرو تو پوری دیانتداری سے اسے لکھ لو تاکہ بھول چوک اور مدیون کے انکار کا اندیشہ نہ رہے اور جسے اللہ تعالےٰ نے وثیقہ نویسی کا علم دیا ہے اسے چاہیئے کہ بلا کسی کمی بیشی کے جو طے ہوا ہے وہ پوری ایمانداری سے لکھ دے اور اگر دست بدست سودا ہوا ہے تو اسے نہ لکھنے کی اجازت ہے کیونکہ اس صورت میں لین دین ہو کر معاملہ ختم ہو گیا اور کوئی اندیشہ باقی نہ رہا نیز دست بدست خرید و فروخت (جیسے بازاروں میں ہوتی ہے) بکثرت جاری رہتی ہے اس میں کتابت اور شہادت کی پابندی لوگوں پر شاق و گراں ہوگی۔ اس بنا پر اگر ایسی خرید و فروخت نہ لکھی جائے چنداں حرج نہیں۔

فائدہ سیدنا امام بخاری علیہ الرحمۃ کی یہ عادت کریمہ ہے کہ عنوان کے مناسب آیاتِ قرآنیہ لکھ دیتے ہیں۔ چنانچہ کتاب البیوع کے ابتداء میں آپ نے چند ایسی آیاتِ قرآنیہ تحریر فرما دیں جن میں تجارت اور اس کے متعلقوں کا بیان ہے۔

باب مَا جَآءَ فِيْ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوًا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝

پھر جب نماز ہو چکے۔ تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو بہت یاد کرو۔ اس امید پر کہ فلاح پاؤ اور جب انھوں نے کوئی تجارت یا کھیل دیکھا اس کی طرف چل دیئے اور تمھیں خطبہ میں چھوڑ گئے۔ تم فرماؤ وہ جو اللہ کے پاس ہے کھیل اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ کا رزق سب سے اچھا۔ (سورہ جمعہ)

۱۔ یہ آیات سورہ جمعہ کی ہیں۔ جمعہ کا نام عربی زبان میں عروبہ تھا۔ سب سے پہلے جس شخص نے اس کا نام جمعہ رکھا وہ کعب بن لوئی ہیں۔ جمعہ کو جمعہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس دن نماز کے لیے جماعتوں کا اجتماع ہوتا ہے ۲۔ پہلا جمعہ جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کے ساتھ پڑھا اس کے متعلق اصحابِ سیر کا بیان ہے کہ حضور علیہ السلام جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے، تو بارھویں ربیع الاول بروز پیر، چاشت کے وقت مقام قبا میں اقامت فرمائی۔ پیر، منگل، بدھ، جمعرات تک یہاں قیام فرمایا اور مسجد کی بنیاد رکھی۔ روزِ جمعہ مدینہ طیبہ کا عزم فرمایا۔ بنی سالم بن عوف کے بطنِ وادی جمعہ کا وقت آیا۔ اس جگہ لوگوں نے مسجد بنائی حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے وہاں خطبہ دیا اور جمعہ پڑھایا۔ ۳۔ جمعہ کا دن سید الایام ہے جو مسلمان اس روز انتقال کرے حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالےٰ اسے شہید کا ثواب عطا فرماتا ہے اور فتنۂ قبر سے محفوظ رکھتا ہے۔ قرآنِ مجید میں فرمایا۔ اِذَا نُوْدِيَ

لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ الخ کہ ایمان والو۔ جب نماز کی اذان ہو جمعہ کے دن تو تمام مشاغل جو ذکر الٰہی سے غفلت کا سبب ہوں سب کو ترک کر دو اور جب نماز جمعہ ختم ہو جائے تو اب معاش کے کاموں میں مشغول ہونا جائز و مباح ہے ۴۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں روز جمعہ خطبہ فرما رہے تھے۔ اس حال میں تاجروں کا ایک قافلہ آیا اور حسب دستور اس قافلہ کی آمد کی اطلاع کے لیے طبل بجایا گیا۔ یہ زمانہ بہت تنگی و گرانی کا تھا لوگ بایں خیال اس قافلہ کی طرف چلے گئے کہ ایسا نہ ہو کہ دیر کرنے سے (اجناس) مال تجارت ختم ہو جائے اور ہم نہ پا سکیں اور مسجد شریف میں صرف بارہ آدمی رہ گئے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی

لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ۔

اے ایمان والو۔ تم آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریق سے مت کھاؤ مگر یہ کہ لین دین ہو آپس میں خوشی سے۔

۱۔ یہ آیت لین دین کے متعلق ایک اصول و بنیاد مہیا کرتی ہے اس آیت نے ان تمام طریقوں کو حرام و ممنوع قرار دیا ہے جو باطل ہیں لفظ باطل ایک جامع لفظ ہے جس کے دائرہ میں ہر وہ چیز آجاتی ہے جو از روئے شرع حلال نہیں۔ جیسے سود، رشوت، خیانت، ایذا، غصب، دھوکا، فریب۔ ایسے جس قدر حرام طریقے ہیں سب باطل ہیں اور سب کی ممانعت ہے۔

۲۔ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ کے جملہ سے خصوصی طور پر اس امر کو بیان کیا گیا ہے کہ جو معاملہ لین دین تجارت باہمی رضامندی سے ہو جائز ہے اور جس میں جبر و اکراہ کو دخل ہو۔ جانبین کی رضامندی نہ ہو وہ حرام اور باطل ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ کسی کے مال یا جائداد پر زبردستی قبضہ کر لینا خواہ قبضہ کرنے والا کوئی ہو اور خواہ وہ کیسے ہی اچھے اور نیک کام کے لیے ایسا کرے اسلام کی رو سے ناجائز و حرام اور ظلم عظیم ہے۔ حضور سید عالم نور مجسم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلَا لَا تَظْلِمُوْا اَلَا لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ اِلَّا بِطِيْبِ نَفْسٍ مِّنْهُ (بیہقی، دار قطنی، (مشکوٰۃ)

خبردار ظلم نہ کرنا، خبردار کسی شخص کا مال دوسرے کو حلال نہیں مگر اس کی رضا و اجازت سے۔

نیز حضورؐ نے فرمایا جو کوئی کسی کی ایک بالشت بھر زمین ناحق حاصل کرے گا تو اس کے گلے میں

طُوِّقَهٗ فِيْ سَبْعِ اَرَضِيْنَ (مسلم)

(قیامت کے دن) زمین کے یہ ساتوں طبق ہار کی طرح ڈالے جائیں گے۔

اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ اِنَّكُمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ يُكْثِرُ الْحَدِيْثَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقُوْلُوْنَ مَا بَالُ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ لَا يُحَدِّثُوْنَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيْثِ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَاِنَّ اِخْوَتِيْ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ يَشْغَلُهُمْ صَفْقٌ بِالْاَسْوَاقِ وَكُنْتُ اَلْزَمُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى مِلْءِ بَطْنِيْ فَاَشْهَدُ اِذَا غَابُوْا وَاَحْفَظُ اِذَا نَسُوْا وَكَانَ يَشْغَلُ اِخْوَتِيْ مِنَ الْاَنْصَارِ

حضرت ابوہریرہ نے فرمایا کہ تم کہتے ہو کہ ابوہریرہؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بہت حدیثیں بیان کرتا ہے اور یہ بھی کہتے ہو کہ مہاجرین و انصار ابوہریرہ کے برابر کیوں حدیثیں بیان نہیں کرتے۔ اور بات یہ ہے کہ میرے بھائی مہاجرین بازار میں خرید و فروخت میں رہتے ہیں اور میں تو جہاں پیٹ بھر گیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہی رہتا۔ وہ غائب ہوتے ہیں میں آپ کے پاس حاضر رہتا۔ وہ بھول جاتے میں یاد رکھتا اور انصاری بھائی اپنی زمین کے کاموں میں

عَمَلُ اَمْوَالِهِمْ وَكُنْتُ امْرَأً مِّسْكِيْنًا مِّنْ مَّسَاكِيْنِ الصُّفَّةِ اَعِيْ حِيْنَ يَنْسَوْنَ وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَدِيْثٍ يُحَدِّثُهُ اِنَّهُ لَنْ يَّبْسُطَ اَحَدٌ ثَوْبَهُ حَتّٰى اَقْضِيَ مَقَالَتِيْ هٰذِهِ ثُمَّ يَجْمَعُ اِلَيْهِ ثَوْبَهُ اِلَّا وَعٰى مَا اَقُوْلُ فَبَسَطْتُ نَمِرَةً عَلَيَّ حَتّٰى اِذَا قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَالَتَهُ جَمَعْتُهَا اِلٰى صَدْرِيْ فَمَا نَسِيْتُ مِنْ مَّقَالَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ مِنْ شَيْءٍ (بخاری)

رہتے۔ میں ایک فقیر آدمی تھا۔ صفہ کے مساکین سے یہ بھول جاتے میں یاد رکھتا تھا اور ایسا ہوا کہ ایک بار رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حدیث بیان فرما رہے تھے۔ اتنے میں آپ نے فرمایا جو کوئی میری گفتگو پوری ہونے تک اپنا کپڑا پھیلا دے۔ پھر سمیٹ لے تو اُس کو میری باتیں یاد رہیں گی۔ میں نے ایک کملی جو اوڑھے تھا بچھا دی اور جب آپ گفتگو ختم فرما چکے میں نے اس کو سمیٹ کر اپنے سینے سے لگا لیا پھر جو آپ نے فرمایا میں اس میں سے کوئی بات نہ بھولا۔

فوائد و مسائل

۱۔ اس حدیث میں صفق بالاسواق ترجمۃ الباب ہے یعنی وہ تجارت جو جانبین کی رضا سے ہو حلال ہے اور جو جانبین کی رضا سے نہ ہو حرام ہے۔ غور فرمائیے کہ جبر و اکراہ اور زبردستی سے کسی کی چیز کو خرید لینا ممنوع ہے حالانکہ جو چیز لی جا رہی ہے اس کی قیمت ادا کی جا رہی ہے تو جب یہ ممنوع ہے تو بلا عوض جبر و اکراہ کر کے کسی کی ذاتی جائداد یا زمین وغیرہ کو حاصل کرنا بطریق اولیٰ حرام و ناجائز قرار پائے گا۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے تصریح فرمائی ہے۔

التجارة الحاصلة بالتراضى وهى حلال والاخر التجارة الحاصلة بغير التراضى وهى حرام دل عليه قوله عزوجل لا تاكلوا اموالكم بينكم بالباطل۔

خرید و فروخت جانبین کی مرضی سے ہو تو حلال ہے اور اگر جانبین کی مرضی سے نہ ہو تو حرام ہے۔ قرآنِ مجید کی اس آیت کا بھی یہی معنی ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کا مال، باطل طریقہ پر نہ کھاؤ۔

۲۔ اس حدیث کو امام مسلم نے فضائل میں۔ نسائی نے علم۔ میں ذکر کیا ہے۔

۳۔ حضرت ابوہریرہؓ پر لوگ اعتراض کرتے تھے کہ آپ کثرت سے حدیثیں بیان کرتے ہیں۔ اس حدیث میں انھوں نے اس کی وجہ بیان کر دی کہ مہاجرین و انصار تو کھیتی باڑی اور خرید و فروخت میں مشغول رہتے تھے۔ لیکن ابوہریرہ تو ایک، ایسا مسکین و فقیر شخص ہے جو دنیاوی مشاغل سے بے نیاز در نبیؐ پر پڑا رہتا تھا۔ دوسری وجہ کثرتِ حدیث کی یہ ہے کہ میں نے حضورؐ کے ارشاد کے مطابق چادر پھیلائی اور پھر سمیٹ کر سینے سے لگائی۔ اب حضورؐ سے جو کچھ سنتا ہوں وہ مجھے یاد رہتا ہے۔ یہ حضور کا معجزہ ہے کہ آپ نے حضرت ابوہریرہؓ کو قوتِ حافظہ عطا فرمائی۔ اسی مضمون کی دوسری حدیث کے آخری جملے یہ ہیں۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں۔

فَمَا نَسِيْتُ شَيْئًا بَعْدُ (بخاری)

اس کے بعد میں کوئی بات نہیں بھولا۔

قَالَ قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ لَّمَّا قَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ اٰخٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ فَقَالَ سَعْدُ بْنُ

عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا جب ہم (ہجرت کر کے مدینہ میں) آئے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اور سعد بن ربیع انصاری کو بھائی بھائی بنا دیا۔ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ

الرَّبِيعِ إِنِّيْ أَكْثَرُ الْاَنْصَارِ مَالًا فَاَقْسِمُ لَكَ نِصْفَ مَالِيْ وَانْظُرْ اَيَّ زَوْجَتِيْ هَوِيْتَ نَزَلْتُ لَكَ عَنْهَا فَاِذَا حَلَّتْ فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ لَاحَاجَةَ لِيْ فِيْ ذٰلِكَ هَلْ مِنْ سُوْقٍ فِيْهِ تِجَارَةٌ قَالَ سُوْقُ قَيْنُقَاعٍ قَالَ فَغَدَا فَاَتٰى بِاَقِطٍ وَّسَمْنٍ قَالَ ثُمَّ تَابَعَ الْغُدُوَّ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَاءَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ عَلَيْهِ اَثَرُ صُفْرَةٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجْتَ قَالَ نَعَمْ قَالَ وَمَنْ قَالَ امْرَاَةً مِّنَ الْاَنْصَارِ قَالَ كَمْ سُقْتَ قَالَ زِنَةَ نَوَاةٍ اَوْ نَوَاةً مِّنْ ذَهَبٍ مِّنْ ذَهَبٍ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ (بخاری)

نے کہا کہ میں انصار کے زیادہ مالدار افراد میں ہوں۔ اس لیے اپنا آدھا مال میں آپ کو دیتا ہوں اور آپ خود دیکھ لیں کہ میری دو بیویوں میں سے آپ کو کون زیادہ پسند ہے۔ میں آپ کے لیے انھیں اپنے سے جدا کر دوں گا۔ جب ان کی عدت پوری ہو جائے گی تو آپ ان سے شادی کر لیں۔ اس پر عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالےٰ نے فرمایا، مجھے ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے۔ (یہ بتائیے کہ) کیا یہاں کوئی بازار بھی ہے جہاں کاروبار ہوتا ہو؟ سعد رضی اللہ عنہ نے سوق قینقاع" کا نام لیا۔ جب صبح ہوئی تو عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ پنیر اور گھی لائے (بیچنے کے لیے) پھر وہ برابر (خرید و فروخت کے لیے بازار) جانے لگے۔ کچھ دنوں بعد، آپ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو زرد رنگ کا نشان (کپڑے یا جسم پر) لگا ہوا تھا رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا، کیا شادی کر لی؟ انھوں نے کہا کہ ہاں۔ آنحضورؐ نے دریافت فرمایا کہ کس سے؟ عرض کیا کہ ایک انصاری خاتون سے، دریافت فرمایا۔ اور مہر کتنا دیا؟ عرض کیا کہ ایک گٹھلی برابر سونا دیا یا (یہ کہا کہ) سونے کی ایک گٹھلی دی۔ پھر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے نے فرمایا۔ اچھا تو پھر ولیمہ کرو، خواہ ایک بکری ہی کا ہو۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَدِمَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ نِ الْمَدِيْنَةَ فَاٰخَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ الْاَنْصَارِيِّ وَكَانَ سَعْدٌ ذَا غِنًى فَقَالَ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ اُقَاسِمُكَ مَالِيْ نِصْفَيْنِ وَاُزَوِّجُكَ قَالَ بَارَكَ اللهُ لَكَ فِيْ اَهْلِكَ وَمَالِكَ دُلُّوْنِيْ عَلَى السُّوْقِ فَمَا رَجَعَ حَتّٰى اسْتَفْضَلَ اَقِطًا وَّسَمْنًا فَاَتٰى بِهٖ اَهْلَ مَنْزِلِهٖ فَمَكَثْنَا يَسِيْرًا اَوْ مَا شَآءَ اللهُ فَجَآءَ وَعَلَيْهِ وَضَرٌ مِّنْ صُفْرَةٍ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَهْيَمْ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ تَزَوَّجْتُ امْرَاَةً مِّنَ الْاَنْصَارِ قَالَ مَا سُقْتَ اِلَيْهَا قَالَ نَوَاةً مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ وَزْنَ نَوَاةٍ مِّنْ ذَهَبٍ قَالَ اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ

(بخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ (ہجرت کر کے) مدینہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مواخات سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ سے کرا دی۔ سعد رضی اللہ عنہ مالدار تھے۔ انھوں نے عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔ میں اور آپ میرے مال سے آدھا آدھا لے لیں اور میں (اپنی ایک بیوی سے) آپ کی شادی کرا دوں۔ عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اہل اور آپ کے مال میں برکت عطا فرمائے۔ مجھے تو آپ بازار کا راستہ بتا دیجئے۔ پھر وہ بازار سے اس وقت تک واپس نہ ہوئے۔ جب تک پنیر اور گھی نہ بچا لیا (نفع کا)۔ اب وہ اپنے گھر والوں کے یہاں آئے، کچھ دن گذرے ہوں گے یا اللہ نے جتنا چاہا اس کے بعد وہ آئے، ان پر زردی کا دھبہ لگا ہوا تھا۔ اس لیے آنحضور نے دریافت فرمایا۔ کوئی نئی خبر ہے کیا؟ عرض کیا، یا رسول اللہ! میں نے ایک انصاری خاتون سے شادی کر لی ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ انھیں کیا دیا ہے؟ عرض کیا۔ "سونے کی ایک گٹھلی" یا (یہ کہا کہ) "ایک گٹھلی برابر سونا"۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا اب ولیمہ کر لو، خواہ ایک بکری ہی کا کیوں نہ ہو۔

فوائد و مسائل

ان دونوں حدیثوں میں ھل من سوق فیہ تجارۃ اور دلونی علی السوق کے الفاظ ترجمۃ الباب میں ہیں۔ یعنی حضرت عبدالرحمن نے فرمایا کہ مجھے تو بازار کا راستہ بتا دیجئے۔ یہاں کوئی بازار ہے جہاں تجارت ہوتی ہو۔ اثر صفرۃ یعنی حضرت عبدالرحمن کے بدن پر اس خوشبو کا (زرد) نشان تھا۔ جو عرب شب زفاف استعمال کرتے تھے۔ بعض روایات میں زعفران کا لفظ آیا ہے کہ ان کے بدن پر زعفران کے رنگ کا اثر تھا۔ حضور نے مرد کے لیے زعفران کے رنگ کے استعمال کو ممنوع فرمایا ہے۔ عبدالرحمن کے بدن پر اس رنگ کو دیکھ کر حضور نے کیوں اعتراض نہ فرمایا۔ شارحین نے اس کے متعدد جواب دیئے ہیں۔ اول یہ کہ یہ رنگ نہایت معمولی تھا۔ دوم یہ کہ رنگ تو ان کی بیوی کے کپڑوں پر تھا۔ مگر ان کے کپڑوں پر بلا قصد اس کا کچھ اثر آگیا تھا۔ سوم یہ کہ اول اسلام میں شادی کے موقع پر اس کی اجازت تھی۔ اس لیے حضور نے اعتراض نہ فرمایا۔ سیدنا امام مالک کے مذہب میں مرد کے لیے بھی جائز ہے۔ امام شافعی و امام اعظم کے نزدیک مرد کے لیے جائز نہیں۔ کم سقت ای کم اعطیت۔ حضور نے فرمایا مہر کتنا دیا۔ عرض کی۔ وزن نواۃ ابوعبید کہتے ہیں۔ نواۃ پانچ درہم وزن کا ہوتا ہے۔ امام احمد ابن حنبل فرماتے ہیں۔ نواۃ تین درہم وزن کا ہوتا ہے۔ کسی نے کہا نواۃ کا وزن کھجور ربع سونے کے برابر ہے اور ترمذی میں امام احمد سے تین درہم اور ثلث مروی ہے۔ احناف کے نزدیک مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے۔ اگر اس سے کم مہر باندھا گیا تو دس درہم مہر ہی واجب ہوگا۔ اولم حضور نے فرمایا۔ ولیمہ کرو۔ اکثر علما کے

[ایک] ولیمہ مستحب ہے۔ و فی التلویح الولیمۃ فی العرس مستحبۃ - امام شافعی بھی استحباب کے قائل ہیں [ا]ور داؤد وجوب کے۔ قاضی عیاض نے فرمایا - اس پر اجماع ہے کہ ولیمہ کے لیے کوئی مقدار معین نہیں - علامہ خطابی نے فرمایا [ک]م ازکم ایک بکری سے ولیمہ کیا جائے۔

ولیمہ کے چند مسائل دعوتِ ولیمہ سنت ہے۔ شبِ زفاف کی صبح کو جو ضیافت کی جائے اسے ولیمہ کہتے ہیں۔ عزیزو اقارب، دوست اور محلہ کے لوگوں کو اس میں شرکت کی دعوت دی جائے۔ ولیمہ کی دعوت میں [ف]قراء کو بھی بلایا جائے۔ حضور نے فرمایا۔ بُرا ولیمہ وہ ہے جس میں مالدار بلائے جائیں اور غربا و فقراء کو نہ بلایا جائے (مسلم) ولیمہ کی دعوت [ک]و قبول کرنا کم ازکم سنت مؤکدہ ہے۔ بعض وجوب کے قائل ہیں۔ کیونکہ حضور نے فرمایا جس نے ولیمہ کی دعوت قبول نہ کی اس نے اللہ [ا]ور رسول کی نافرمانی کی۔ ولیمہ اگر ادائے سنت کی نیت سے کیا جائے تو باعثِ ثواب و برکت ہے۔ حضور نے سب سے بڑا ولیمہ حضرت [ز]ینب بنت جحش کے نکاح پر کیا۔ جس میں ایک پوری بکری کا گوشت پکایا گیا تھا۔ (مسلم) اس ولیمہ میں حضور نے حاضرین کو پیٹ بھر [گو]شت روٹی کھلایا۔ (بخاری) حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ولیمہ میں کھجوریں، پنیر اور گھی (بخاری) یا ستو اور کھجوریں تھیں (ترمذی) [ب]ہر حال ولیمہ کی ضیافت حسبِ استطاعت کرنا سنت اور باعثِ برکت ہے۔ حسبِ استطاعت ہی ولیمہ کی ضیافت کرنی چاہیئے۔ [ا]س کے لیے قرض لینا مناسب نہیں۔ جو چیز میسر ہے اسی سے دعوت کر دی جائے۔

[ق]الَ كَانَتْ عُكَاظُ وَمَجَنَّةُ وَذُو الْمَجَازِ اَسْوَاقًا [فِي] الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا كَانَ الْاِسْلَامُ فَكَاَنَّهُمْ [تَاَثَّ]مُوا فِيهِ فَنَزَلَتْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ فِي مَوَاسِمِ الْحَجِّ قَرَاَهَا ابْنُ عَبَّاسٍ (بخاری)

حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ عکاظ اور مجنہ اور ذوالمجاز جاہلیت کے زمانہ کے بازار تھے۔ جب اسلام کا زمانہ آیا تو مسلمانوں نے ان بازاروں میں خرید و فروخت کو برا سمجھا۔ اس پر (سورہ بقرہ) کی یہ آیت نازل ہوئی کہ حج کے موسموں میں تم کو اپنے رب کا فضل (روزی) تلاش کرنا گناہ نہیں۔ جناب ابن عباس کی قرأت میں یونہی ہے۔

بَابُ الْحَلَالُ بَيِّنٌ وَّالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَّبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ

باب حلال بھی واضح ہے اور حرام (چیزیں) بھی ظاہر ہیں اور اس کے درمیان شبہ کی چیزیں ہیں

[عَ]نِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَلَالُ بَيِّنٌ وَّالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَّبَيْنَهُمَا اُمُوْرٌ مُّشْتَبِهَةٌ فَمَنْ [تَ]رَكَ مَا شُبِّهَ عَلَيْهِ مِنَ الْاِثْمِ كَانَ لِمَا اسْتَبَانَ اَتْرَكَ وَمَنِ اجْتَرَاَ عَلٰى مَا يَشُكُّ فِيْهِ مِنَ الْاِثْمِ اَوْشَكَ اَنْ يُّوَاقِعَ مَا اسْتَبَانَ [وَ]الْمَعَاصِي حِمَى اللّٰهِ مَنْ يَّرْتَعْ حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ اَنْ يُّوَاقِعَهُ (بخاری)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حلال (صاف صاف) کھلا ہوا ہے اور حرام بھی (صاف صاف) کھلا ہوا ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان مشتبہ امور ہیں۔ پس جس نے اس چیز کو چھوڑا جس کے گناہ ہونے میں شبہ ہے تو وہ ان چیزوں کو تو ضرور ہی چھوڑ دے گا۔ جن کا گناہ ہونا واضح ہے۔ لیکن جو شخص ان چیزوں کے کرنے کی جرأت کرے گا۔ جن کے گناہ ہونے کا شبہ ہے۔

تو یہ غیر متوقع نہیں کہ وہ ان گناہوں میں مبتلا ہو جائے جو بالکل واضح اور یقینی ہیں۔ گناہ اللہ تعالیٰ کی حمیٰ ہے جو اس کے اردگرد چرے گا۔ اس کا اس حمیٰ کے اندر چلا جانا غیر متوقع نہیں ہے۔ (بخاری)

فوائد و مسائل یہ حدیث مغز دین اور روح اسلام ہے۔ "اَلْحَلَالُ بَیِّنٌ" کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کا حلال ہونا منصوص ہے۔ یعنی کتاب و سنت و اجماع امت سے ان چیزوں کا حلال ہونا بالکل واضح و ثابت ہے۔ والحرام بَیِّنٌ اور کچھ اشیاء اور امور ایسے ہیں جن کی حرمت منصوص ہے یعنی ان کا حرام یا ناجائز ہونا کتاب و سنت سے ثابت اور بالکل واضح ہے ——— تو جن امور اور چیزوں کا دلائلِ شرعیہ سے حلال ہونا یا حرام یا ناجائز ہونا واضح طور پر ثابت ہے۔ ان میں نہ تو کوئی الجھاؤ اور نہ کوئی شک و شبہ کی گنجائش، جیسے بکری یا گائے کا گوشت حلال ہونا اور شراب اور خنزیر کا حرام ہونا ——— ان کے علاوہ ایک تیسری قسم مشتبہات کی ہے۔ مشتبہ وہ چیزیں ہیں۔ جن کے حلال یا حرام ہونے کے متعلق دلائل متعارض ہوں۔ ایسے مشتبہات سے احتیاطاً پرہیز کی جائے کیونکہ ان سے پرہیز نہ کرنے والا ممکن ہے محرمات میں پھنس جائے۔ حضور علیہ السلام نے اس نکتہ کو ایک مثال سے ذہن نشین کرایا ہے۔ حمیٰ۔ شاہی چراگاہ میں جانور چرانا جرم ہے۔ ہوشیار اور سمجھدار چرواہے جانوروں کو شاہی چراگاہ سے دُور رکھتے ہیں۔ تاکہ کوئی جانور بے قابو ہو کر اس میں نہ گھس جائے اور وہ مجرم قرار پائیں۔ مگر بے احتیاط چرواہے شاہی چراگاہ کے قریب اپنے جانور لے جاتے اور اس بے احتیاطی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے جانور وہاں گھس جاتے ہیں اور چرواہے مجرم قرار پاتے ہیں۔ تو ایسے ہی مشتبہات کو اختیار کرنے والے کے لیے یہ امکان ہے کہ وہ کبھی واضح حرام فعل کا ارتکاب کرے۔ اس لیے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ مشتبہات سے پرہیز کیا جائے۔

فائدہ حمیٰ اس زمین کو کہتے ہیں۔ جسے شاہانِ عرب اپنے جانوروں کے لیے مخصوص کر لیتے تھے اور اس کی حد مقرر و متعین کر دیتے تھے۔ اس مخصوص زمین (شاہی چراگاہ) میں عام لوگوں کو اپنے جانور چرانا ممنوع تھا۔ تو اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بہت سی اشیاء کو حرام قرار دیا ہے اور یہ حرام چیزیں اللہ تعالیٰ کی مخصوص چراگاہیں ہیں۔ جن کی حرمت کو توڑنا گناہ ہے۔ تو حلال و حرام کے درمیان ایک گھاٹی ہے جسے مشتبہات سے تعبیر کرتے ہیں۔ لہٰذا اس گھاٹی (مشتبہ) پر نہ چلنا زیادہ بہتر و انسب ہے۔

بَابُ تَفْسِیْرِ الْمُشَبَّهَاتِ

باب شبہات کی تفسیر کے متعلق

امام بخاری علیہ الرحمہ نے اس عنوان کے ماتحت چند ایسی حدیثیں لکھی ہیں۔ جن سے امورِ مشتبہ کے معنیٰ و مفہوم کی وضاحت ہوتی ہے۔ ان حدیثوں میں حضور علیہ السلام نے اشتباہ کی بنا پر احتیاطی حکم دیئے ہیں۔ تعلیمِ اُمت کے لیے ورنہ حضور علیہ السلام پر مسئلہ کی اصل و غایت و حقیقت منکشف تھی۔

قَالَ حَسَّانُ بْنُ اَبِیْ سِنَانٍ مَارَاَیْتُ شَیْئًا اَهْوَنَ مِنَ الْوَرَعِ دَعْ مَا یُرِیْبُكَ اِلٰی مَا لَا یُرِیْبُكَ (بخاری)

حضرت حسان بن ابی سنان نے فرمایا کہ ورع سے زیادہ آسان چیز میں نے نہیں دیکھی۔ شبہ کی چیزوں کو چھوڑ کر وہ راستہ اختیار کرو، جس میں کوئی شبہ نہ ہو۔

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ اَنَّ امْرَاَةً سَوْدَاءَ جَاءَتْ فَزَعَمَتْ اَنَّهَا اَرْضَعَتْهُمَا فَذَكَرَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَعْرَضَ عَنْهُ

عقبہ بن حارث سے روایت ہے کہ ایک سیاہ فام عورت آئی اور دعویٰ کیا کہ میں نے عقبہ اور ان کی بیوی کو دودھ پلایا ہے۔ چنانچہ انھوں نے اس کا ذکر حضور علیہ السلام سے کیا۔ حضور

وَتَبَسَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَيْفَ وَقَدْ قِيلَ وَقَدْ كَانَتْ تَحْتَهُ ابْنَةُ أَبِي إِهَابٍ التَّمِيمِيِّ (بخاری)

نے اعراض فرمایا اور مسکرا کر فرمایا۔ اب جب کہ ایک بات کہہ دی گئی ہے تو اب تم دونوں (میاں بیوی) کس حیثیت میں کیسے رہ سکتے ہو۔ ان کے نکاح میں ابواھاب تیمی کی صاحبزادی تھیں۔

یہ بھی شبہات کی ایک مثال ہے۔ اگرچہ محض دودھ پلانے والی عورت کی بات پر نکاح فسخ نہیں ہوتا۔ تو خواہ قانونی حیثیت ناقابل قبول ہی سہی مگر جب اس عورت نے دونوں کو دودھ پلانے کا دعویٰ کیا تو ایک شبہ ضرور پیدا ہوگیا کہ ممکن ہے اس عورت نے ان دونو میاں بیوی کو دودھ پلایا ہو اور دونوں کو معلوم نہ ہو کہ ہم نے ایک ساتھ دودھ پیا ہے۔ تو اس شبہ کی بناء پر حضور نے فرمایا کہ اب تم دونو میاں بیوی کس صورت میں کیسے رہ سکتے ہو۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ عُتْبَةُ ابْنُ أَبِي وَقَّاصٍ عَهِدَ إِلَى أَخِيهِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ أَنَّ ابْنَ وَلِيدَةِ زَمْعَةَ مِنِّي فَاقْبِضْهُ قَالَتْ فَلَمَّا كَانَ عَامَ الْفَتْحِ أَخَذَهُ سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ وَقَالَ ابْنُ أَخِي عَهِدَ إِلَيَّ فِيهِ فَقَامَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ فَقَالَ أَخِي وَابْنُ وَلِيدَةِ أَبِي وُلِدَ عَلَى فِرَاشِهِ فَتَسَاوَقَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ سَعْدٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ابْنُ أَخِي كَانَ قَدْ عَهِدَ إِلَيَّ فِيهِ فَقَالَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ أَخِي وَابْنُ وَلِيدَةِ أَبِي وُلِدَ عَلَى فِرَاشِهِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ لَكَ يَا عَبْدُ بْنَ زَمْعَةَ ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ ثُمَّ قَالَ لِسَوْدَةَ بِنْتِ زَمْعَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجِبِي مِنْهُ لِمَا رَأَى مِنْ شَبَهِهِ بِعُتْبَةَ فَمَا رَآهَا حَتَّى لَقِيَ اللّٰهَ (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ عتبہ بن ابی وقاص نے اپنے بھائی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو (مرتے وقت) وصیت کی تھی کہ زمعہ کی باندی کا لڑکا میرا ہے۔ اس لیے اسے تم اپنی زیر پرورش لے لینا۔ انھوں نے بیان کیا کہ فتح مکہ کے موقعہ پر سعد بن ابی وقاص نے اسے لے لیا اور کہا کہ میرے بھائی کا لڑکا ہے اور وہ اسکے متعلق مجھے وصیت کر گئے تھے۔ لیکن عبد بن زمعہ نے اٹھ کر کہا کہ یہ میرا بھائی ہے اور میرے باپ کی باندی کا لڑکا ہے انھیں کے "فراش" میں اس کی ولادت ہوئی ہے۔ آخر دونوں حضرات یہ مقدمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے۔ سعد نے عرض کیا، یارسول اللہ! میرے بھائی کا لڑکا ہے، مجھے اس کی انھوں نے وصیت کی تھی اور عبد بن زمعہ نے عرض کیا۔ یہ میرا بھائی ہے اور میرے باپ کی باندی کا لڑکا ہے۔ انھیں کے فراش میں اس کی ولادت ہوئی ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عبد بن زمعہ! لڑکا تو تمہارے ہی ساتھ رہے گا۔ اس کے بعد فرمایا۔ لڑکا فراش کے تحت ہوتا ہے اور زانی کے حصہ میں پتھر ہے۔ پھر سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے جو آنحضور کی بیوی تھیں، فرمایا کہ اس لڑکے سے پردہ کیا کرو، کیونکہ آپ نے عتبہ کی مشابہت اس لڑکے میں محسوس کر لی تھی۔ اس کے بعد اس لڑکے نے سودہ رضی اللہ عنہا کو کبھی نہ دیکھا۔ تا آنکہ اللہ تعالیٰ سے جا ملا۔

فوائد و مسائل

حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ نے اس حدیث کو بھی شبہات کے متعلق بطور مثال کے پیش کیا ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ حضور نے حضرت سودہ کو پردہ کا حکم احتیاطی طور پر شبہ کی بناء پر دیا تھا۔ تفصیل اس اجمال کی یوں ہے قبل اسلام عرب میں یہ ہوتا تھا کہ کئی اشخاص کا کسی ایک عورت سے جو عام طور پر لونڈی ہوا کرتی تھی۔ ناجائز تعلق رہتا۔ پھر جب اس

کے بچہ پیدا ہوتا۔ تو اس سے تعلق رکھنے والوں سے جو شخص اس بچہ کا دعویدار ہو جاتا۔ جاہلانہ رسم و رواج کے مطابق بچہ کا نسب اسی سے قائم کر دیا جاتا اور بچہ اسی کے زیرِ پرورش آجاتا۔ حدیثِ ہذا میں جس واقعہ کا ذکر ہے وہ اسی نوعیت کا ہے۔ عتبہ کی موت کفر پر ہوئی وہ اسلام کا بدترین دشمن تھا۔ لیکن عتبہ کے بھائی حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجلّہ صحابہ کرام سے ہیں۔ زمعہ کی ایک باندی تھی جس کے ساتھ عتبہ نے زنا کیا تھا۔ جب مرنے لگا تو حضرت سعد کو وصیت کر گیا کہ اس باندی کے جب بچہ ہو تو اسے اپنی زیرِ پرورش لے لینا کیونکہ وہ میرا بچہ ہے۔ پھر حالات بدلے۔ حضرت سعد مکہ سے مدینہ آگئے اور مکہ والوں سے تعلقات منقطع ہو گئے۔ اس لونڈی کے بچہ پیدا ہوا۔ حضرت سعد اس کی پرورش نہ کر سکے۔ جب مکہ فتح ہوا تو حضرت سعد نے بھائی کی وصیت پوری کرنی اور اس بچہ کو اپنی زیرِ کفالت لینا چاہا۔ لیکن زمعہ کے صاحبزادے عبد بن زمعہ آڑے آئے اور کہا کہ یہ میرے والد زمعہ کی لونڈی کا بچہ ہے۔ اس لیے اس کا جائز مستحق میں ہوں۔ حضور علیہ السلام نے بچہ کو عبد بن زمعہ کو دے دیا۔ (الولد للفراش) اور حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس بچہ سے پردہ کا حکم دیا۔ امام بخاری نے اس واقعہ کو مشتبہات کی تفسیر کے لیے درج کیا کہ حضور علیہ السلام نے حضرت سودہ کو اس بچہ سے پردہ کا حکم دیا اور اس کے ساتھ ساتھ اس بچہ کو عبد بن زمعہ کی تحویل میں دے دیا تو اگر بچہ کا نسب زمعہ سے ثابت نہ تھا تو عبد بن زمعہ کو بچہ نہ ملنا چاہیئے تھا اور اگر بچہ کا نسب واقعی زمعہ سے ثابت تھا تو حضرت سودہ کو اس بچہ سے پردہ کا حکم نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ حضرت سودہ زمعہ ہی کی بیٹی تھیں اور اس طرح وہ بچہ حضرت سودہ کا بھائی قرار پاتا تھا۔ تو امام بخاری علیہ الرحمۃ کے نزدیک حضرت سودہ کو پردہ کا حکم اسی اشتباہ کی وجہ سے احتیاطاً دیا گیا تھا کہ لونڈی کے ناجائز تعلقات عتبہ سے تھے اور بچہ میں اس کی شباہت آتی تھی۔
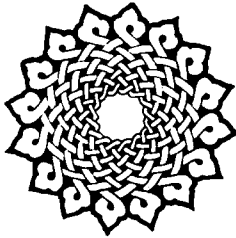
الولد للفراش ۔ میں ثبوتِ نسب کے متعلق ۔ آئمہ کا اختلاف ہے چونکہ یہ امور کتاب النکاح سے تعلق رکھتے ہیں ۔ اس لئے مفصل بحث کتاب النکاح میں ہوگی ۔

عَنْ عَدِيِّ ابْنِ حَاتِمٍ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمِعْرَاضِ فَقَالَ إِذَا أَصَابَ بِحَدِّهِ فَكُلْ وَإِذَا أَصَابَ بِعَرْضِهِ فَلَا تَأْكُلْ فَإِنَّهُ وَقِيْذٌ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ ۔ أُرْسِلُ كَلْبِيْ وَأُسَمِّيْ فَأَجِدُ مَعَهُ عَلَى الصَّيْدِ كَلْبًا آخَرَ لَمْ أُسَمِّ عَلَيْهِ وَلَا أَدْرِيْ أَيُّهُمَا أَخَذَ قَالَ لَا تَأْكُلْ إِنَّمَا سَمَّيْتَ عَلَى كَلْبِكَ وَلَمْ تُسَمِّ عَلَى الْآخَرِ ۔

(بخاری)

عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے "معراض" (تیر سے شکار) کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اگر اس کی دھار کی طرف سے لگے تو کھا سکتے ہو اور اگر اسکے عرض کی طرف سے لگے تو نہیں کھا سکتے کیونکہ وہ مردار ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنا کتا چھوڑتا ہوں (شکار کے لئے) اور بسم اللہ پڑھ لیتا ہوں پھر اس کے ساتھ مجھے ایک ایسا کتا ملتا ہے جس پر میں نے بسم اللہ نہیں پڑھی تھی میں یہ فیصلہ نہیں کر پاتا کہ دونوں کتوں میں سے کس نے شکار پکڑا تھا ۔ آپ نے فرمایا کہ ایسے شکار کا گوشت نہ کھاؤ ۔ کیونکہ تم نے بسم اللہ تو اپنے کتے کے لئے پڑھی تھی ۔ دوسرے کے لئے نہیں پڑھی تھی ۔

فوائد و مسائل حضرت امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اس حدیث کو ذکر کر کے امورِ مشتبہ کی ایک مثال دی ہے کہ شریعت میں کتے سے شکار کرنا جائز ہے جبکہ سدھایا ہوا کتا ۔ بسم اللہ پڑھ کر شکار پر چھوڑا جائے ۔ ایسی صورت میں اگر جانور زندہ مل جائے تو اس کو ذبح کر لیا جائے اور اگر جانور کتے کے حملے کی تاب نہ لا کر مر جائے تو بھی حلال ہے لیکن مذکورہ فی الحدیث واقعہ میں جب اس سدھائے ہوئے کتے کے ساتھ ایک اور کتا پایا گیا تو شبہ پیدا ہوا کہ شاید شکار کی موت اس دوسرے کتے کے حملے کی وجہ سے ہوئی ہو تو دوسرے کتے کی شرکت نے شبہ پیدا کر دیا اس بنا پر حضور علیہ السلام نے احتیاطاً اس شکار کے کھانے سے منع فرمایا ۔

بَابُ مَا يُتَنَزَّهُ مِنَ الشُّبُهَاتِ

باب شبہ کی چیزوں سے پرہیز کئے جانے سے متعلق

عَنْ أَنَسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَمْرَةٍ مَسْقُوْطَةٍ فَقَالَ لَوْلَا أَنْ تَكُوْنَ صَدَقَةً لَأَكَلْتُهَا وَقَالَ هَمَّامٌ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ گذرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر گری ہوئی کھجور پر پڑی تو آپ نے فرمایا کہ اگر اس کے صدقہ ہونے

النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ قَالَ اَجِدُ تَمْرَةً سَاقِطَةً عَلٰى فِرَاشِيْ (بخاری)

کا احتمال نہ ہوتا تو میں اسے کھا لیتا۔ روایت ہے ہمام نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں اپنے بستر پر پڑی ہوئی کھجور پاتا ہوں (لیکن صدقہ ہونے کے احتمال سے نہیں کھاتا۔)

فائدہ واضح ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل ورع و تقویٰ پر محمول ہے ویسے شریعت کا ضابطہ یہ ہے کہ کسی چیز کو حرام و مکروہ قرار دینے کے لئے واضح اور یقینی دلیل کی ضرورت ہے۔ فیض البخاری ۵ صفحہ ۳۰۲ دیکھئے۔

بَابُ مَنْ لَّمْ يَرَ الْوَسَاوِسَ وَنَحْوَهَا مِنَ الْمُشَبَّهَاتِ

باب جن کے نزدیک وسوسہ وغیرہ مشبہات میں سے نہیں

عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيْمٍ عَنْ عَمِّهٖ قَالَ شُكِيَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّجُلُ يَجِدُ فِي الصَّلٰوةِ شَيْئًا اَيَقْطَعُ الصَّلٰوةَ قَالَ لَا حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتًا اَوْ يَجِدَ رِيْحًا وَقَالَ ابْنُ حَفْصَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ لَا وُضُوْءَ اِلَّا فِيْمَا وَجَدْتَ الرِّيْحَ اَوْ سَمِعْتَ الصَّوْتَ

(بخاری)

حضرت عباد بن تمیم نے اور ان سے ان کے چچا نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ایک شخص کا ذکر کیا گیا جسے نماز میں کچھ شبہ (خروج ریاح کا) ہو جاتا ہے آیا اسے نماز توڑ دینی چاہیئے؟ فرمایا کہ نہیں، جب تک آواز نہ سن لے یا بدبو نہ محسوس کر لے اس وقت تک نماز نہ توڑنی چاہیئے۔ ابن حفصہ نے زہری کے واسطہ سے بیان کیا کہ (ایسے شخص پر) وضو واجب نہیں ہوتی، البتہ وہ صورت مستثنیٰ ہے جس میں بدبو محسوس کرے یا آواز خروج ریاح کی سن لے

ان دونوں حدیثوں سے واضح ہوا کہ محض وسوسے اور شک و شبہ پر احکام مرتب نہیں ہوتے اور نہ اس کو شبہات کا حکم دیا جا سکتا ہے۔ امام بخاری نے ان دونوں حدیثوں کو کتاب الوضو میں ذکر کیا ہے۔ فیوض الباری حصہ اول میں ان دونوں حدیثوں پر مکمل بحث ہو چکی ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ قَوْمًا قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ قَوْمًا يَاْتُوْنَنَا بِاللَّحْمِ لَا نَدْرِيْ اَذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اَمْ لَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمُّوا اللّٰهَ عَلَيْهِ وَكُلُوْهُ۔

(بخاری)

جناب ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کچھ لوگوں نے بحضور نبوی عرض کی یا رسول اللہ بہت سے لوگ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں ہمیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ انہوں نے بوقت ذبح اللہ کا نام لیا یا نہیں، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم بسم اللہ پڑھ کر

اسے کھالو (بخاری)

مطلب حدیث یہ ہے کہ مسلمان سے حسن ظن رکھنا چاہیئے محض شک و شبہ کی بنیاد پر حکم نہیں لگانا چاہیئے کیونکہ مسلمان کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ بوقت ذبح اللہ کا نام نہ لے ــــ اور یہ جو فرمایا کہ سموا اللہ و کلوا تم بسم اللہ پڑھ کر کھالو تو اس سے مقصود یہ بتانا ہے کہ سنت یہ ہے کہ کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھ لی جائے ۔ یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ جس ذبیحہ کے متعلق یقینی طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ اسے قصداً بسم اللہ پڑھ کر ذبح نہیں کیا گیا تو اسے بھی بسم اللہ پڑھ کر کھا لیا کرو ، قرآن مجید میں تصریح ہے ۔ یہ حکم ہر اس ذبیحہ کے لئے عام ہے جس پر بوقت ذبح بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو البتہ سہواً یا بھول کر بوقت ذبح بسم اللہ نہ پڑھی تو ایسا ذبیحہ بالاجماع حلال ہے لان متروک التسمیۃ صار امتثنیٰ بالاجماع فبقی الباقی تحت العموم فافھم ۔ قال ابن الجوزی لیس المراد یعنی انہ یجزئ عمالم یسم علیہ ولکن لان التسمیۃ علی الطعام سنۃ ۔ قال فی الفتح وھو اصل فی تحسین الظن بالمسلم وان امورہ محمولۃ علی الکمال لا سیما اھل ذالک العصر ۔ حاشیہ بخاری ج ۱ ص ۲۷۶ ۔

فائدہ اس حدیث پر علامہ کرمانی اور دیگر شارحین نے بھی گفتگو کی ہے مگر وہ سب رطب و یابس ہے قابل غور و فکر نہیں ہے ۔ دیکھو عینی ج ۱۱ ص ۱۷۲ ۔

باب قول اللہ تعالیٰ وَاِذَا رَاَوْ تِجَارَةً اَوْ لَهْوَ نِ انْفَضُّوٓا اِلَيْهَا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ جب تجارت یا تماشا دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں ۔

عَنْ سالم قال حدثنی جابرؓ قال بینما نحن نصلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقبلت مِنَ الشام عیر تحمل طعاماً فالتفتوآ الیھا حتی ما بقی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا اثنا عشر رجلا فنزلت وَ اذا رَاَوْ تجارۃ اَوْ لَهْوَ انفضوآ الیھا ۔

(بخاری)

سالم نے بیان کیا کہ مجھ سے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث بیان کی کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ شام سے کچھ اونٹ کھانے کا سامان لیکر آئے سب لوگ اس طرف متوجہ ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بارہ آدمیوں کے سوا اور کوئی نہ رہا ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ جب تجارت یا تماشا دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں ۔

فائدہ اول کتاب البیوع میں اس آیت پر گفتگو ہو چکی ہے ۔ امام بخاری نے اس آیت کو مکرر ذکر کر کے یہ واضح کیا ہے کہ اگرچہ تجارت کسب حلال ہونے کی وجہ سے ایک اچھا کام ہے مگر نماز بہر حال تجارت پر مقدم ہے فنزلت اذا [illegible] و تجارۃ کے الفاظ میں ۔

★

مَنْ لَمْ یُبَالِ مِنْ حَیْثُ کَسَبَ الْمَالَ

جس نے کمائی کے ذرائع کو اہمیت نہ دی

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال یأتی علی الناس زمان لا یبالی المرءُ ما اخذ منہُ أمن الحلال ام من الحرام ۔
(بخاری)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر ایسا وقت آئے گا کہ انسان اپنے ذرائع آمدنی کی کوئی پرواہ نہیں کرے گا کہ حلال ہے یا حرام ۔

مطلب حدیث یہ نہیں ہے کہ جب حضور کی پیش گوئی کے مطابق ایسا زمانہ آنا ہی ہے کہ لوگ حلال وحرام کی پرواہ نہیں کریں گے تو پھر اس سے بچنے کی کیوں کوشش کی جائے بلکہ مطلب حدیث یہ ہے کہ جب ایسا وقت آجائے کہ لوگ مال کی حرص وطمع میں ذرائع آمدنی کی پاکی وطہارت کا خیال نہ رکھیں تو بھی حلال روزی کمانے کے لئے ہر ممکن کوشش ضروری ہے ۔(۲) **لا یبالی المرء ما اخذ منہ** ترجمۃ الباب ہے ۔

رزق حلال کی اہمیت روزی کے متعلق سب سے پہلے اسلام نے اپنے پیروؤں کو خوب اچھی طرح یقین دلایا ہے کہ دنیا اور اس کی تمام اشیاء کا مالک ایک اللہ ہے ۔ یہ مال و دولت حقیقت میں میرا تیرا کسی کا نہیں صرف خدا کا ہے ۔ رزق کی کشائش اور تنگی دونوں کام خدا کے ہیں اور حکمت سے ہیں ۔ دولت مند انسان یہ سمجھتا ہے کہ مجھ ہی میں کوئی ایسی بات ہے یا مجھے ایسا ہنر یا طریقہ معلوم ہے جس سے یہ ساری دولت میرے چاروں طرف سمٹی چلی آرہی ہے لیکن مذہبی تعلیم کے علاوہ دنیا کے واقعات پر گہری نظر اس یقین کو مٹانے کے لئے کافی ہے ۔

وَمَا من دابۃ فی الارض الا علی اللہِ رزقھا
(ہود-۱)

اور زمین میں کوئی چلنے والا نہیں، مگر یہ کہ اس کی روزی خدا کے ذمہ ہے ۔

لہٗ مقالید السمٰوات والارض، یبسط الرزق لمن یشآءُ ویقدر انہ بکل شیئٍ علیمٌ
(شوریٰ)

اسی کے ہاتھ میں ہیں آسمانوں اور زمین کی کنجیاں وہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق پھیلا دیتا ہے اور جس کے لئے چاہے ناپ دیتا ہے ۔ وہ ہر ایک چیز کی خبر رکھتا ہے ۔

للہ خزائن السمٰوات والارض ۔ للہ ما فی السمٰوات والارض ۔ لہٗ ملکُ السمٰوات والارض ۔

زمین اور آسمان کے خزانے اسی کے ہیں ۔ خدا ہی کا ہے جو کچھ آسمان میں ہے اور زمین میں ہے ۔ آسمان وزمین کی ملکیت یا بادشاہی اسی ایک اللہ کی ہے ۔

قرآن مجید نے ان یقینیات کو بار بار بیان کرکے مسلمانوں کے ریشہ ریشہ میں اسی لئے رچایا ہے تاکہ ان میں فیاضی ایثار، شکر، قناعت پسندی اور بے طمعی کے جوہر پیدا ہوجائیں ۔

حصولِ رزق کی کوشش کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے

روزی کمانا در اصل انسانی زندگی کی ضروریات سے ہے اور شرعاً وعقلاً ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اپنی زندگی کی ضروریات کی تکمیل اور اصلاح کے لئے حصولِ رزق کی کوشش کرے، خواہ وہ تجارت وزراعت کی شکل میں ہو یا ملازمت و نوکری کی صورت میں۔ کتاب مجید میں فرمایا۔

خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا — زمین کی تمام چیزیں اللہ نے تمہارے لئے پیدا کی ہیں

رزقِ حلال خدا کا فضل ہے

اور سورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّن رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا (مائدہ ۱) — اپنے رب کا فضل اور خوشنودی تلاش کرتے ہیں۔

فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ۔ (جمعہ) — زمین پر پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔

قرآن پاک کے محاورہ میں "خدا کا فضل تلاش کرنے" سے مقصود تجارت اور روزی کا کمانا ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ حصول رزق کی تلاش کرنا رزاقِ کائنات کا فضل ہے اور یہ زمین اس کے لئے بمنزلہ میدان کے ہے اور اس میدان کی تمام اشیاء انسان کے نفع کے لئے پیدا کی گئی ہیں لہٰذا ضروری ہوا کہ ایسے قواعد وضوابط مقرر کر دیے جائیں جن کے ماتحت فضلِ الٰہی کی تلاش کی جائے کیونکہ رزق اور اس کے حصول کے لئے اگر کوئی قاعدہ اور ضابطہ نہ ہو اور اسے بے قید چھوڑ دیا جائے تو ظاہر ہے اس طرح عدل اور ظلم، امانت اور خیانت پاک اور ناپاک۔ جائز اور ناجائز کی تمیز اٹھ جائے گی اور یہ بات نظامِ ملکی کی تباہی و بربادی کا باعث ہوگی۔ چنانچہ اسلام سے قبل دنیا کی کچھ ایسی ہی حالت تھی جس کے جی میں جو آتا اور جیسے آتا کماتا تھا حتیٰ کہ ظلم وجور سے کمائی ہوئی دولت پر فخر کیا جاتا تھا۔ اسلام نے تو اس نے حصولِ رزق کے حدود مقرر کر دیے۔ جائز و ناجائز کی تفریق پیدا کی۔ حلال وحرام کا ضابطہ مقرر کیا، پاک روزی ڈھونڈنے اور اسی سے ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے کی تاکید فرمائی۔ چنانچہ سورۂ بقرہ میں فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ (بقرہ ع ۲۱)

اس آیت میں "اِيَّاهُ تَعْبُدُونَ" کے جملہ سے رزقِ حلال کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے گویا یہ بتایا گیا ہے کہ انسان کا اپنے رب کے ساتھ بندگی اور نیازمندی کا تعلق ہے اور اس تعلق کا اہم تقاضا یہ ہے کہ اللہ کے بندے رزق حلال کی کوشش کریں اور ذرائع آمدنی کی صحت و پاکی کا خیال رکھیں۔

رزقِ حلال کی اہمیت کا ایک اہم پہلو

آج کل کے بہت سے اچھے خاصے دیندار حلقوں میں بھی معاملات یعنی خرید و فروخت، امانت، قرض، نوکری اور مزدوری کی اصلاح کا اتنا اہتمام نہیں جتنا کہ ہونا چاہیئے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت لوگ جن کی حالت نماز روزہ وغیرہ عبادات کے لحاظ سے کچھ غنیمت بھی ہے۔ کاروبار ان کے بھی پاک نہیں ہیں حالانکہ کاروبار کی پاکی اور معاملات کی صحت کے شعبہ کی اہمیت کا یہ عالم ہے اس کا تعلق بیک وقت اللہ کے حق سے بھی ہے اور بندوں کے حقوق سے بھی۔ نماز۔ روزہ وغیرہ عبادات اگرچہ رکن دین ہیں اور اس حیثیت ایمان کے بعد انہیں کا درجہ ہے مگر

اگر شخص ان میں کوتاہی کرتا ہے تو صرف خدا کا مجرم ہوتا ہے۔ پھر اگر سچے دل سے توبہ و استغفار کی جائے تو بارگاہِ خداوندی سے اس جرم کی معافی ہی کی امید ہے لیکن اگر لین دین میں خیانت واقع ہو جائے اور حصولِ رزق کے لئے ناجائز ذرائع کو اختیار کیا جائے تو اس طرح اللہ عزوجل کی نافرمانی بھی ہو گی اور کسی نہ کسی بندے کی حق تلفی بھی اور یہ بات ڈبل جرم قرار پائے گی۔

رہا یہ خیال جیسے اللہ تعالیٰ کے کرم سے معافی کی ہی امید ہے۔ قیامت کے دن جس بندہ کی حق تلفی ہوئی ہے اس سے معافی حاصل کر لی جائے گی، تو اگرچہ اس کا امکان ضرور ہے مگر کون کہہ سکتا ہے جو بندے ہم جیسے کم حوصلہ ہیں وہ قیامت کے دن ضرور ہی معاف کر دیں گے۔ پھر اگر وہ معاف نہ کریں تو؟

عرصاتِ محشر میں حقدار مدعی بن کر انصاف کے طالب ہوں گے

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب وہ لوگ عرصاتِ محشر میں مقامِ حساب پر پہنچیں گے جن کی دنیا میں حق تلفی کی گئی ہے جن کے حقوق مارے گئے ہیں تو وہ مدعی بن کر انصاف کے طالب ہوں گے پھر اللہ تعالیٰ انصاف اور فیصلہ فرمائے گا اور نتیجہ یہ ہو گا کہ نماز، روزہ، صدقہ و خیرات کی قسم کی ان لوگوں کی ساری نیکیاں ان مدعیوں کو دلوادی جائیں گی اور جب ان نیکیوں سے بھی ان لوگوں کے حقوق پورے نہ ہوں گے تو ان مدعیوں کے کچھ گناہ ان لوگوں پر لاد دیئے جائیں گے اور بالآخر یہ لوگ جہنم میں ڈلوا دیئے جائیں گے۔

غالباً اسی حیثیت سے ایک حدیث میں معاملات کی اصلاح کو صراحتہً نماز روزہ اور صدقہ و خیرات سے افضل بتایا گیا ہے۔ یہ حدیث ترمذی و ابوداؤد میں حضرت ابو الدرداء سے مروی ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا۔

اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَفْضَلَ مِنْ دَرَجَۃِ الصِّیَامِ وَالصَّدَقَۃِ۔ الصلوٰۃ	میں تم کو وہ چیز نہ بتاؤں جو روزہ، صدقہ اور نماز سے بھی افضل ہے۔

حاضرین نے عرض کی یا رسول اللہ ضرور بتایئے۔ آپ نے فرمایا۔

اِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَیْنِ وَ فَسَادُ ذَاتِ الْبَیْنِ ھِیَ الْحَالِقَۃُ (ترمذی)	وہ چیز آپ کے معاملات کی اصلاح ہے اور ان معاملات کی خرابی مونڈ دینے والا استرا ہے۔

بال مونڈنے والا استرا نہیں بلکہ ثوابِ آخرت کا صفایا کر دینے والا استرا۔

رزقِ حلال کی اہمیت کا ایک اہم پہلو

معاملات کو دین کے دوسرے شعبوں کے مقابل یہ خاص امتیاز بھی حاصل ہے اس میں اپنی ذاتی منفعت و مصلحت اور اپنی خواہش نفس کی اور اللہ عزوجل کے احکام کی کش مکش بہ نسبت دوسرے تمام شعبوں سے زیادہ رہتی ہے۔ نفس کی خواہش عموماً یہی ہوتی ہے کہ جھوٹ سچ اور جائز ناجائز کا لحاظ کئے بغیر جیسا موقع ہو اور جس طرح بھی نفع کی زیادہ امید ہو کر گزرا جائے۔

یہ اشیاء خوردنی میں ملاوٹ، دھوکہ، فریب حتیٰ کہ بچوں کے استعمال کی معمولی دوائی تک کی بوتلوں میں جعلی لیبل لگا کر فروخت کرنا خواہش نفس ہی کے محرکات ہیں اور اللہ کا دین یہ کہتا ہے کہ نفع کم ہو یا زیادہ، تجارت میں فائدہ ہو یا نقصان، جھوٹ، فریب اور دھوکے کے ذریعہ حصولِ رزق حرام و ممنوع ہے۔ لہٰذا بندے کی بندگی اور فرمانبرداری کا سب سے سخت امتحان معاملات کے متعلق ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں فرمایا۔

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (حشر ۱۱)

اور جو اپنے جی کی لالچ سے بچائے گئے وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

سورۂ شمس میں فرمایا

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا۔ (شمس)

مراد پاگیا وہ جس نے اپنے نفس کو پاک کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو میلا اور گندہ کیا۔

مطلب یہ کہ یہ حرص وطمع کا جذبہ ہی ہے جو انسان کو برائی اختیار کرنے حتیٰ کہ ایک دوسرے کی جان لے لینے تک پر ابھارتا ہے ——— ان آیات کی توضیح میں حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

"ایمان اور حرص ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتے۔" (نسائی)

سبب ظاہر ہے کہ ایمان کامل کا نتیجہ صبر، توکل اور قناعت ہے اور حرص کا نتیجہ بے اطمینانی بے صبری اور ہوس ہے جو تمام برائیوں کا سرچشمہ ہے ——— ایک اور حدیث میں فرمایا۔

"انسان بوڑھا ہوتا ہے مگر اس کی دو چیزیں جوان رہتی ہیں۔ جینے کی خواہش اور مال کی حرص" (ترمذی)

کئی صحابہ کا بیان ہے کہ آپ نے فرمایا۔

"بھیڑیے جو بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیے جائیں وہ ان کو اتنا برباد نہیں کرتے جتنی کہ مال وجاہ کی حرص انسان کے دین و ایمان کو برباد کر دیتی ہے۔" (ترمذی)

غرضیکہ دینی و اُخروی فلاح و فوز انہیں کا حصہ ہے جو اپنی خواہش نفس پر قابو رکھتے ہیں اور نفس کی بڑی سے بڑی تحریک انہیں جادۂ حق سے منحرف نہیں کرتی ہے۔ لہٰذا جب تک انسان اپنی حرص طمع کو روک کر حصولِ رزق کے جائز طریقے اختیار نہیں کرے گا وہ کامیابی حاصل نہیں کرسکتا خواہ یہ کامیابی دین کی ہو یا دنیا کی۔

حصولِ رزق کا ایک اور مرکزی اصول

اسلام نے حصول رزق سے متعلق عدل و انصاف پر مبنی جو اصول مقرر کیا ہے وہ ایک ایسی مرکزی حیثیت کا ہے کہ جس کو پیش نظر رکھ کر ہم یہ فیصلہ کرسکتے ہیں کہ حصول رزق کے ذرائع میں سے کون سا ذریعہ حلال اور جائز ہے اور کون سا ناجائز اور حرام ہے۔ سورہ نساء میں فرمایا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۝

اے ایمان والو تم آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریق سے مت کھاؤ۔ لیکن یہ کہ لین دین ہو آپس کی خوشی سے،

یہ آیت لین دین کے متعلق ایک اصولی حیثیت رکھتی ہے اور اس نے لین دین کے ان طریقوں کو جو ایمانداری کے خلاف ہیں اور جن کی کوئی حد نہیں ہے۔ ایک لفظ باطل سے بیان کردیا یعنی کسی کی چیز خواہ دھوکہ و فریب، ظلم و جبر سے لی جائے یا چوری اور غصب، رشوت اور خیانت اور سود کے ذریعہ حاصل کی جائے غرضیکہ جس ناجائز طریقہ سے بھی دوسرے کا مال لیا جائے، اس آیت کے عموم و اطلاق کے اندر داخل ہے۔

پھر اس سلسلہ میں اسلام کی تکمیلی تعلیم کا یہ عالم ہے کہ اس نے ان نازک سے نازک ناجائز معاملوں اور وسیلوں کی بھی جنہیں عام طور پر باطل نہیں سمجھا جاتا یا انہیں بہت ہی کم درجہ کا جرم خیال کیا جاتا ہے نشان دہی کی ہے اور ان کی بے پناہ معنوی برائیوں کی تشہیر کر کے ان کی اہمیت کو ظاہر کیا ہے اور اپنے پیروؤں کو اس سے بچنے کی تاکید کی ہے۔

معاملہ کا راستبازی آخرت کی کامیابی کا مستحق ہے

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کے لئے اپنی مغفرت اور اجر عظیم کے وعدے کئے ہیں۔ ان میں اسلام وایمان اور خدا کی فرمانبرداری کے بعد پہلا درجہ سچوں اور ہر قسم کے معاملات میں راست بازوں ہی کا ہے۔ سورۂ احزاب میں فرمایا ہے۔

وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا

اور سچے مرد اور سچی عورتیں خدا نے ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر رکھا ہے۔ (احزاب ۵)

آخرت میں بھی یہ سچائی ہی کام آئے گی اور وہاں کی کامیابی کا ذریعہ بنے گی۔ قیامت کی نسبت فرمایا۔

هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ۔

یہ دن ہے کہ سچے بندوں کو ان کا سچ کام آئے گا۔ (مائدہ ۱۶)

اس سچائی کے مطابق آخرت میں اللہ عزوجل ثواب عطا فرمائے گا۔

لِیَجْزِیَ اللّٰهُ الصّٰدِقِیْنَ بِصِدْقِهِمْ۔

تاکہ اللہ سچے اترنے والوں کو ان کی سچائی کا عوض عطا فرمائے

پھر یہی نہیں کہ سچائی اختیار کرنے کا ہی حکم دیا گیا بلکہ اس کی اہمیت اسلام میں اتنی بڑھا دی گئی کہ ہمیشہ سچوں کا ساتھ دینے، سچوں ہی سے رابطہ وعلاقہ رکھنے اور انہیں کی صحبت ومعیت میں رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔

اِتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (توبہ ۱۵)

اے ایمان والو! خدا سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔

رزق حلال کی بنیاد صداقت وامانت پر ہے

یوں بھی صداقت ودیانت کو معاملات میں مرکزی حیثیت حاصل ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے کاروبار میں ایماندار رہو۔

سورۂ نساء میں فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا۔

بے شک اللہ عزوجل تم کو حکم دیتا ہے امانتوں کو ان کے مالکوں کے حوالے کر دو۔

اگرچہ اس آیت کا شان نزول خاص ہے لیکن معنی کے لحاظ سے امانت کے ہر جزو پر اس کا اطلاق یکساں ہوگا اسی لئے صاحب تفسیر کشاف وابن جریر نے تصریح کی کہ اس کی وسعت میں وہ امانت الٰہی بھی داخل ہے جسے عدل وانصاف سے موسوم کیا جاتا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ امانت کا دائرہ صرف روپے پیسے جائداد اور مالی اشیاء تک محدود نہیں بلکہ مالی، قانونی اور اخلاقی امانت تک وسیع ہے کسی کا بھید آپ کو معلوم ہے تو اس کو چھپانا بھی امانت ہے۔ کسی مجلس میں آپ ہوں اور وہاں آپ دوسروں کے متعلق کچھ باتیں سن لیں تو ان کو اسی مجلس تک محدود رکھنا اور دوسروں تک پہنچا کر فتنہ وہنگامہ اور ملک کے وقار کو نقصان پہنچانے کا باعث نہ بننا بھی امانت ہے اگر کوئی شخص کسی کا ملازم ہے تو اس کو اس نوکری کی شرائط کے مطابق اپنی ذمہ داری کو محسوس کر کے انجام دینا بھی امانت ہے اگر کوئی کسی کا، گھنٹہ کا ملازم ہے اور وہ اس کی اجازت کے بغیر کچھ وقت چرا لیتا ہے یا بے سبب سستی

کتا یا دیسے آتا یا وقت سے پہلے چلا جاتا ہے تو یہ بھی امانت کے خلاف ہے۔ یونہی ناپ تول میں کمی بیشی کرنا، خرید و فروخت کے وقت مبیع کے عیب کو چھپانا، جھوٹ اور فریب سے کام لینا یہ بھی امانت و دیانت کے خلاف ہے۔

اشیاءِ خوردنی میں ملاوٹ بدترین قسم کا گناہ ہے

اشیاءِ خوردنی میں ملاوٹ کرنا تو ایک بدترین قسم کی خیانت اور بے ایمانی ہے۔ کیونکہ اس سے صرف ایک شخص کی حق تلفی نہیں ہوتی بلکہ پورے معاشرہ کی حق تلفی ہوتی ہے ـــــــ ایک حدیث میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے اپنی بیزاری، بے تعلقی کا اعلان فرمایا ہے جو کاروبار میں ایمانداری اور دیانت داری کے اصول کی پابندی نہ کریں۔ ایک دن آپ غلّہ کے ایک ڈھیر کے پاس سے گذرے آپ نے اپنا ہاتھ اس ڈھیر کے اندر داخل کر دیا تو اندر کچھ نمی و تری محسوس ہوئی۔ آپ نے دکاندار سے دریافت فرمایا کہ یہ کیا قصہ ہے اُوپر سے تمہارا غلہ خشک ہے اور اندر سے گیلا ہے۔ اس نے عرض کی کہ کچھ بوندیں پڑ گئی تھیں جس سے غلہ تر ہو گیا تھا۔ آپ نے فرمایا پھر تم نے اس بھیگے ہوئے غلہ کے اوپر کیوں نہیں ڈالا کہ خریدار تمہارے غلہ کے گیلے پن کو دیکھ سکتا۔ اس کے بعد فرمایا:۔

مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّيْ (مسلم) جو کوئی کاروبار میں ایسا) دھوکا کرے وہ میرا نہیں۔

وہ مال اور دولت جو ناجائز طریقہ سے حاصل کیا جائے گا وہ برکت سے خالی ہوگا۔ دنیا میں تو یوں کہ ایسی دولت معاشرہ میں توازن ختم کر دے گی اور آخرت میں یوں کہ:۔

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ وَكُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ كَانَتِ النَّارُ اَوْلٰى بِهٖ۔ وہ جسم جس کی نشو و نما حرام روزی سے ہوگی وہ جنت میں نہیں جائے گا اور جو جسم حرام سے پلا ہو اس کے لئے آگ ہی بہتر ہے

غور کیجیئے کہ اسلام میں رزقِ حلال کی کچھ ایسی اہمیت ہے اور معاملات میں اسلام ہم سے کس قدر احتیاط کا طالب ہے۔ الغرض جو مال و دولت ناجائز طریقہ سے حاصل کی جائے گی وہ برکت سے خالی ہوگی اور اس کے بد اثرات اس دنیا میں بھی ظاہر ہوتے ہیں چنانچہ بیماری پریشانی، ناگہانی آفتیں، بے اطمینانی اور نالائق اولاد اسی کا نتیجہ ہوتے ہیں ـــــــ غور کیجیئے! جو دولت سکونِ قلب سے انسان کو محروم کر دے وہ کس کام کی؟ واضح رہے کہ آدمی کے بُرے عملوں کا نتیجہ اس دنیا میں بھی ظاہر ہوتا ہے مگر ہم غفلت کی وجہ سے اس بات کو محسوس نہیں کرتے۔

رشوت دینے والے اور لینے والے دونوں پر حضورؐ نے لعنت فرمائی

اسی طرح کسی معاملہ میں رشوت دینا اور لینا بھی امانت و دیانت کے خلاف ہے۔ رشوت کا مطلب یہ ہے کہ اپنی باطل غرض اور ناحق مطالبہ کی تکمیل کے لئے کسی ذی اختیار یا کارپرداز شخص کو کچھ دے کر اپنے موافق کرے۔ قرآن نے اغراضِ باطلہ فاسدہ کے حصول کے لئے رشوت دینے کو یہودیوں کے جرائم میں سے ایک جرم شمار کیا ہے۔ وہ اپنے پیٹ کی خاطر اپنے علماء کو اس لئے رشوتیں دیتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اوصاف تورات میں ہیں وہ عام لوگوں کو نہ بتائیں۔ قرآن مجید میں ان لوگوں کے بارے میں فرمایا۔

اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ۔ یہ یہود اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں

اس کے بعد قرآن نے مسلمانوں کو ہدایت دی کہ وہ یہود کی اس خصلت نہ اپنائیں۔

سورہ بقرہ میں فرمایا:۔

وَ تُدْلُوْا بِهَا اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ ۔

اے ایمان والو۔ آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے مت کھاؤ اور نہ مال کو حاکموں تک پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ سے کھا جاؤ۔

یہ آیت اپنے ترجمہ کے ساتھ جس کو بعض مفسرین نے اختیار کیا ہے۔ رشوت کی ممانعت و حرمت میں صاف صریح ہے۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"رشوت دینے والے اور لینے والے دونوں پر لعنت ہے۔" (ابو داؤد)

رشوت لینے والے پر لعنت اس لئے ہے کہ وہ جرم کی اعانت کرتا ہے اور جرم کی اعانت بھی تو قانون و اخلاق کی رو سے جرم ہی ہے۔ اسلام نے رشوت کا دروازہ بند کرنے کے لئے اس قدر احتیاط کا حکم دیا ہے کہ جج و مجسٹریٹ صاحبان ہدیہ و تحفہ بھی قبول نہ کریں کیونکہ اس طرح جج و مجسٹریٹ کے وقار اور لوگوں کے اعتماد میں فرق پیدا ہوگا۔ (موطا امام مالک، کتاب المساواۃ)

مگر آج حالت یہ ہے کہ اللہ کے بندے خوب خوب رشوت لیتے بھی ہیں اور دیتے بھی ہیں اور خدا سے ذرا نہیں ڈرتے اور پھر لطف یہ ہے کہ حرام کی کمائی ہوئی دولت سے جب عظیم الشان محل بناتے ہیں تو اس کے سر ورق پر انتہائی ڈھٹائی اور بے شرمی کے ساتھ یہ بھی لکھ دیتے ہیں "هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ" ایسے ہی افراد کے لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غُذِيَ بِالْحَرَامِ ۔

جو جسم حرام غذا اور ناجائز آمدنی سے پلا ہو وہ جنت میں نہ جاسکے گا۔

ایک دوسری حدیث میں فرمایا:۔

يُطِيْلُ السَّفَرَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ اِلَى السَّمَآءِ يَا رَبِّ وَمَطْعَمُهٗ حَرَامٌ وَ مَشْرَبُهٗ حَرَامٌ غُذِيَ بِالْحَرَامِ فَاَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذَالِكَ ۔

(مسلم شریف)

دور دراز کا سفر کر کے اس حال میں آئے کہ بال پراگندہ ہوں سر سے پاؤں تک غبار میں اٹا ہوا آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کرے کہ اے رب! اے میرے رب! لیکن اس کا کھانا، پینا حرام مال سے ہو اور حرام مال ہی سے اس کی پرورش ہو تو اس حالت میں اس کی دعا کیونکر قبول ہوگی۔

یہ ہے حرام روزی کمانے اور اس کو استعمال کرنے کا انجام کہ وہ ارحم الراحمین جو رب العالمین ہے اس کی بارگاہ قدس میں ایسے شخص کے الحاح و زاری کے ساتھ اٹھے ہوئے ہاتھ بھی باریاب نہیں ہوتے۔

ناپ تول میں درستی اور صحت کی اہمیت

خرید و فروخت کے سلسلہ میں ناپ تول کی درستی کی بھی دین میں بڑی اہمیت ہے اور قرآن مجید میں اس کی صحت و درستی پر بڑا زور دیا گیا ہے اور ناپ تول میں کمی بیشی کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ

اور ناپ اور تول کو پورا کرو۔

یہ ہی ہدایت حضرت شعیب علیہ السلام نے اہل مدین کو دی تھی جو مشرق و مغرب کے تجارتی قافلوں کے رہگزر پر آباد تھے۔

وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّیْ اَرٰکُمْ بِخَیْرٍ وَّ اِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ
اور ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ میں تم کو آسودہ دیکھتا ہوں اور مجھے تم پر گھیر لینے والے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔

ناپ تول میں کمی بیشی کے مرض میں خاص طور پر تاجر اور بیوپاری مبتلا رہتے ہیں اور چاہتے تو ہیں کہ اس بے ایمانی سے کچھ اپنا سرمایہ اور نفع بڑھالیں گے مگر یہ آیت بتاتی ہے کہ یہ خیال غلط ہے جو لوگ اس جرم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ دنیا میں تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان کی ساکھ جاتی رہتی ہے جو بالآخر بیوپار کی تباہی کا باعث بن جاتی ہے اور آخرت میں اس کی سزا جہنم ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ وَاِذَا کَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ یُخْسِرُوْنَ
خرابی ہے ان گھٹا کر دینے والوں کی جو اوروں سے جب ناپ کرلیں تو پورا کرلیں اور جب ان کو ناپ یا تول کر دیں تو گھٹا دیں۔

اور سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا۔

وَ اَوْفُوا الْکَیْلَ اِذَا کِلْتُمْ وَ زِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا
اور جب تم ناپو تو ناپ پورا دو۔ سیدھی ترازو سے تولو تو یہ بہتر ہے اور اس کا انجام اچھا ہے۔

آیت کا اخیر کا ٹکڑا بتاتا ہے کہ بے ایمانی کی ناپ تول سے خیر و برکت جاتی رہتی ہے اور گو شروع میں کتنا ہی فائدہ ہو مگر آخر میں یہ برائی کاروبار کی تباہی کا باعث بنتی ہے پھر اس جرم کی سنگینی اس وقت تو بہت ہی بڑھ جاتی ہے جبکہ یہ بد دیانتی کسی غریب و نادار سے کی جائے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مظلوم کی بد دعا سے بچتے رہنا کیونکہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔ (بخاری)

جھوٹی قسم سے اللہ عزوجل کے مقدس نام کی بے حرمتی ہوتی ہے

اپنی بات میں قوت و صداقت پیدا کرکے اس کو منوانے کا جذبہ ہر شخص میں ہوتا۔ بات اگر سچی ہو اور جہاں تک انسان کے علم تعلق ہے واقع کے خلاف بھی نہ ہو تو بوقت ضرورت نفس قسم کھانا بھی ٹھیک نہیں پھر جھوٹی قسم کھانا اور بھی اللہ عزوجل کے مقدس نام پر یہ تو اور بھی بری بات ہے جھوٹی قسم دراصل جھوٹ کی ایک بدترین قسم ہے کیونکہ اس میں جھوٹ بولنے والا اپنے ساتھ خدا کے نام کو بھی شریک کر لیتا ہے۔ قرآن کریم نے اسی لئے اس کو اہل نفاق کی حالت قرار دیا ہے۔

یَحْلِفُوْنَ عَلَی الْکَذِبِ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۔ (مجادلہ ۳)
منافقوں کی حالت یہ ہے کہ وہ جان بوجھ کر جھوٹی باتوں پر قسمیں کھاتے ہیں۔

اِتَّخَذُوْا اَیْمَانَهُمْ جُنَّةً (مجادلہ ۳)
انھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے۔

عموماً تاجر اور سوداگر چیزوں کی قیمت اور مال کی اصل حقیقت بتانے میں جھوٹ کے مرتکب ہوتے ہیں اور جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اسلام نے اس سے بچنے کی ہدایت کی ہے۔ ایک دفعہ ایک معاملہ میں ایک شخص نے اسی طرح کی قسم کھانا چاہی تو آپ نے فرمایا۔

"اگر اس نے قسم کھائی تاکہ وہ ظلم سے مال لے لے تو خدا سے جب ملے گا تو خدا اس پر نظر رحمت نہ فرمائے گا (مسلم) لہٰذا معاملات میں جھوٹی قسموں سے بچنا بھی ضروری ہے۔

ان گذارشات سے اس امر کی کافی وضاحت ہو جاتی ہے کہ معاملات میں اسلام ہم سے کیا چاہتا ہے اور کن امور کی پابندی کو لازم قرار دیتا ہے۔

کتاب وسنت کی ان ہدایات سے یہ بھی واضح ہوا کہ اللہ عزوجل کی رضا و رحمت حاصل کرنے اور سچا مسلمان بننے اور دین و دنیا میں کامیاب وکامران رہنے کے لئے جیسے نماز روزہ روزہ کی پابندی ضروری ہے' ایسے ہی معاملات کی درستی اور ذرائع آمدنی کی صحت و پاکی بھی نہایت ضروری ہے۔

بَابُ التِّجَارَةِ فِي الْبَرِّ

باب خشکی میں تجارت کرنا

وَقَوْلُهُ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَقَالَ قَتَادَةُ كَانَ الْقَوْمُ يَتَبَايَعُونَ وَيَتَّجِرُونَ وَلٰكِنَّهُمْ اِذَا نَابَهُمْ حَقٌّ مِّنْ حُقُوقِ اللهِ لَمْ تُلْهِهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ حَتّٰى يُؤَدُّوهُ اِلَى اللهِ۔ (بخاری)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔ قتادہ نے فرمایا کہ کچھ لوگ ایسے تھے جو خرید و فروخت اور تجارت کرتے تھے مگر اللہ کے حقوق میں سے کوئی حق سامنے آجاتا تو ان کی تجارت اور خرید و فروخت انہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہیں رکھ سکتی تھی تا آنکہ وہ اللہ کے حق کو ادا نہ کرلیں۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اگرچہ حلال طریقہ سے روزی کمانا فی نفسہ ایک اچھا کام ہے لیکن اس سے بھی اہم جو فرائض ہیں انہیں پہلے ادا کرنا ضروری ہے۔ بیع و شراء میں ایسا انہماک جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق تلف ہوجائیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا طریق کار یہی تھا۔ کہ انہیں تجارت ذکر الٰہی سے غافل نہیں کرتی تھی۔ جب وہ بحالت بیع و شراء نماز کی اقامت سنتے تو اللہ تعالیٰ کے حق کو ادا کرنے کے لئے دوڑ پڑتے۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا یہ آیت ان مسلمانوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو نماز کے وقت اپنی دکانیں بند کر دیتے تھے اور نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں چلے جاتے تھے۔

فائدہ تجارۃ کا لفظ بیع و شراء دونوں پر بولا جاتا ہے۔ پھر آیت میں بیع کا لفظ کیوں ہے؟ بعض نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ تجارت سفر میں ہوتی ہے اور بیع حضر میں (عینی)

بَابُ الْخُرُوجِ فِي التِّجَارَةِ

باب تجارت کے لئے نکلنا

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالٰى فَانْتَشِرُوا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللهِ۔ (بخاری)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (جمعہ کی نماز ادا کر چکو تو) زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل ڈھونڈو۔

فانتشروا یعنی جمعہ کی نماز کے بعد معاش کے کاموں میں مشغول ہو جانا جائز ہے ۔ یہاں امر اباحت کے لیے ہے ۔ جیسے آیت واذا حللتم فاصطادوا میں امر کا صیغہ اباحت کے لیے ہے ۔ واضح ہو کہ جمعہ کی اذان ہوتے ہی خرید و فروخت اور وہ تمام مشاغل دنیویہ جو ذکر الٰہی (نماز جمعہ) سے غفلت کا سبب ہوں ممنوع ہو جاتے ہیں ۔ مزید تفصیل کے لیے فیض الباری حصہ کتاب الجمعہ صہ پر ملاحظہ فرمائیں ۔

قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ اَخْبَرَنِیْ عَمْرُوبْنُ دِيْنَارٍ وَّعَامِرُ بْنُ مُصْعَبٍ اَنَّهُمَا سَمِعَا اَبَا الْمِنْهَالِ يَقُوْلُ سَاَلْتُ الْبَرَآءَ بْنَ عَازِبٍ وَّزَيْدَا بْنَ اَرْقَمَ عَنِ الصَّرْفِ فَقَالَا كُنَّا تَاجِرَيْنِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّرْفِ فَقَالَ اِنْ كَانَ يَدًا بِيَدٍ فَلَا بَاْسَ وَاِنْ كَانَ نَسَآءً فَلَا يَصْلُحُ (بخاری)

ابن جریج نے بیان کیا کہ مجھے عمرو بن دینار اور عامر بن مصعب نے خبر دی ۔ ان دونوں حضرات نے ابوالمنہال سے سُنا، انھوں نے بیان کیا تھا کہ میں نے براء بن عازب اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہما سے سونے چاندی کی خرید و فروخت کے متعلق پوچھا تو ان دونوں حضرات نے فرمایا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تاجر تھے ۔ اس لیے ہم نے آپ سے سونے چاندی کی خرید و فروخت کے متعلق پوچھا تھا، آپ نے جواب دیا تھا کہ (لین دین) ہاتھوں ہاتھ ہو تو حرج نہیں لیکن ادھار کی صورت میں درست نہیں ۔

فوائد و مسائل کنا تاجرین کے الفاظ ترجمۃ الباب ہیں (۲) بیع صرف ۔ یعنی ثمن کو ثمن سے بیچنا ۔ پس اگر چاندی سے چاندی کی ۔ یا سونے سے سونے کی بیع ہوئی ۔ (یعنی دونوں طرف ایک ہی جنس ہے) تو اس کے جائز ہونے کی شرط یہ ہے کہ دونوں وزن میں برابر ہوں اور اسی مجلس میں دست بدست قبضہ ہو اور سونے چاندی کی میں اگر کسی طرف سے اُدھار ہو تو یہ بیع فاسد ہے ۔

اِنَّ اَبَا مُوْسَى الْاَشْعَرِیَّ اسْتَاْذَنَ عَلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَلَمْ يُؤْذَنْ لَهٗ وَكَاَنَّهٗ كَانَ مَشْغُوْلًا فَرَجَعَ اَبُوْ مُوْسٰى فَفَرَغَ عُمَرُ فَقَالَ اَلَمْ اَسْمَعْ صَوْتَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قَيْسٍ ائْذَنُوْا لَهٗ قِيْلَ قَدْ رَجَعَ فَدَعَاهُ فَقَالَ كُنَّا نُؤْمَرُ بِذٰلِكَ فَقَالَ تَاْتِيْنِیْ عَلٰى ذٰلِكَ بِالْبَيِّنَةِ فَانْطَلَقَ اِلٰى مَجَالِسِ الْاَنْصَارِ فَسَاَلَهُمْ فَقَالُوْا لَا يَشْهَدُ لَكَ عَلٰى هٰذَا اِلَّا اَصْغَرُنَا اَبُوْ سَعِيْدِ الْخُدْرِیُّ فَذَهَبَ بِاَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِیِّ فَقَالَ عُمَرُ خَفِیَ عَلَیَّ مِنْ اَمْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے اجازت چاہی (ملنے کی) لیکن اجازت نہیں ملی، غالباً آپ اس وقت مشغول تھے ۔ اس لیے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ واپس آ گئے ۔ پھر عمر رضی اللہ فارغ ہوئے تو فرمایا، کیا عبداللہ بن قیس (ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ) نے آواز دی تھی انھیں اجازت دے دو ۔ بیان کیا گیا ہے کہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ پھر آئے تو عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں بلا لیا ۔ (واپس بُلانے کی وجہ دریافت کرنے پر) ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہمیں اسی کا حکم (آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم سے) تھا کہ تین مرتبہ اجازت چاہی جائے ۔ اگر اجازت نہ ملے تو واپس

اَلْهَانِيْ الصَّفْقُ بِالْاَسْوَاقِ يَعْنِي الْخُرُوْجَ اِلٰى تِجَارَةٍ (بخاری)

چلے جانا چاہیئے)۔ اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، کوئی گواہ لاؤ، ابو موسیٰ، انصار کی مجلس میں گئے اور ان سے اس حدیث کے متعلق پوچھا کہ کیا کسی نے آنحضور سے سنا ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ اس کی گواہی ہم میں سب سے چھوٹے ابو سعید خدری کے سوا اور کوئی نہیں دے گا۔ چنانچہ وہ ابو سعید رضی اللہ عنہ کو ساتھ لائے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پھر فرمایا کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک حکم مجھے معلوم نہ ہو سکا افسوس کہ مجھے بازاروں کی خرید و فروخت نے مشغول رکھا آپ کی مراد تجارت سے تھی۔

فوائد و مسائل الھانی الصفق کے الفاظ ترجمۃ الباب ہیں۔ یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے کسی کے گھر جانے سے قبل اجازت لینی چاہیئے۔ قرآن مجید میں فرمایا۔

غیر کے مکان میں داخل ہونے سے قبل اجازت طلب کرنا ضروری ہے

لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں نہ جاؤ جب تک اجازت نہ لے لو اور ان کے ساکنوں پر سلام نہ کر لو۔

اس آیت سے واضح ہوا کہ غیر کے گھر میں بے اجازت داخل نہ ہو اور اجازت لینے کا طریقہ یہ بھی ہے کہ بلند آواز سے سبحان اللہ یا اللہ اکبر کہے یا کھنکارے یا دروازہ پر نصب گھنٹی بجائے یا چوکیدار کے ذریعے رابطہ پیدا کرے تاکہ مکان والے کو معلوم ہو کہ کوئی آنا چاہتا ہے یا یہ کہے کہ مجھے اندر آنے کی اجازت ہے؟ ۳۔ غیر کے گھر سے وہ گھر مراد ہے جس میں غیر سکونت رکھتا ہو خواہ اس کا مالک ہو یا نہ ہو (مثلاً کرایہ دار ہو) ۔ اگر اجازت مل جائے فبہا اور اگر اجازت نہ ملے تو واپس ہو جائے ۴۔ غیر کے گھر جانے والے کی اگر صاحب مکان سے پہلے ہی ملاقات ہو جائے تو اول سلام کرے پھر اجازت مانگے اور وہ مکان کے اندر ہو تو سلام کے ساتھ اجازت چاہے۔ اس طرح کہے السلام علیکم مجھے اندر آنے کی اجازت ہے؟ حدیث میں فرمایا کہ سلام کو کلام پر مقدم کرو ۵۔ اگر سامنے کھڑے ہونے میں بے پردگی کا اندیشہ ہو تو دائیں بائیں جانب کھڑے ہو کر اجازت طلب کرے۔ اجازت مانگنے میں جبر یا اصرار و الحاح نہ کرے۔ ۶۔ حضرت ابو موسیٰ نے جب حدیث سنائی تو جناب عمر نے اس پر جو گواہ مانگا تو اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ آپ کے نزدیک خبر واحد حجت نہیں ہے بلکہ آپ نے گواہ محض احتیاط کے طور پر طلب کیا تھا۔ چنانچہ موطا کی حدیث میں ہے کہ حضرت عمر نے ابو موسیٰ سے فرمایا۔ لم اتھمک

۷۔ یہ جو حضرت عمر نے فرمایا کہ تجارت میں مصروفیت کی وجہ سے حضور کی مذکورہ حدیث مجھ پر مخفی رہی تو یہ جملے آپ نے بطور

تواضع و انکسار فرماتے تھے ورنہ حضور کی حضوری و ملازمت تو آپ کو بہت حاصل تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ اگر اہلِ زمین کے زندہ افراد کے علم کو ایک پلڑے میں اور ترازو کے دوسرے پلڑے میں حضرت عمر کا علم رکھ دیا جائے تو جمع علوم عمر تو عمر کے علم کا پلڑا جھک جائے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ حضرت عمر بڑے زاہد تھے۔ وہ تجارت تو کرتے تھے لیکن بقدرِ کفاف حاصل ہو جانے کے بعد رک جاتے تھے۔ وہ تمام تاجروں کی طرح تجارت میں منہمک نہیں رہتے تھے۔ اس لیے حضور کی بارگاہِ اقدس میں ان کی غیر معمولی حاضری رہتی تھی۔

بَابُ التِّجَارَةِ فِي الْبَحْرِ

وَقَالَ مَطَرٌ لَا بَأْسَ بِهِ وَمَا ذَكَرَهُ اللّٰهُ فِي الْقُرْاٰنِ اِلَّا بِحَقٍّ ثُمَّ تَلَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَالْفُلْكُ السُّفُنُ الْوَاحِدُ وَالْجَمْعُ سَوَاءٌ وَقَالَ مُجَاهِدٌ تَمْخَرُ السُّفُنُ الرِّيحَ وَلَا تَمْخَرُ الرِّيحَ مِنَ السُّفُنِ اِلَّا الْفُلْكُ الْعِظَامُ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ ذَكَرَ رَجُلًا مِنْ بَنِي اِسْرَآئِيلَ خَرَجَ فِي الْبَحْرِ فَقَضَى حَاجَتَهُ وَسَاقَ الْحَدِيثَ

ترجمہ اور مطر نے کہا۔ اس میں حرج نہیں اور قرآن میں جو بیان ہوا ہے وہ حق ہے۔ پھر یہ آیت تلاوت کی۔ تم دیکھتے ہو کشتیوں کو کہ پانی کو چیرتی ہیں اور مجاہد نے کہا۔ کشتیاں ہوا کو چیرتی ہیں اور ہوا کو وہی کشتیاں چیرتی ہیں جو بڑی ہو اور لیث نے کہا۔ مجھ سے جعفر بن ربیعہ نے بواسطہ عبدالرحمٰن بن ہرمز۔ حضرت ابوہریرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا واقعہ بیان فرمایا جو دریا کے سفر کو نکلا اور اپنی ضرورت پوری کی اور پوری حدیث بیان

مطلب عنوان و آیت یہ ہے کہ تجارت یعنی رزقِ حلال کے حصول کے لیے سمندر میں سفر کرنا جائز ہے۔ خرج فی البحر کے الفاظ ترجمۃ الباب ہیں۔ پوری حدیث باب الکفالہ میں ذکر ہوگی۔ ویسے یہ حدیث کتاب الزکوٰۃ باب ما یخرج من البحر میں مع تشریح کے گذر چکی ہے۔ دیکھیئے فیوض الباری پارہ ششم ص۳۰ خرج فی البحر سے واضح ہوا کہ رکوب فی البحر ابتداء ہی سے معروف و متعارف ہے اور یہ کہ گذشتہ انبیاء کی شریعت (جب تک اللہ و رسول کی طرف سے اس کی ممانعت نہ ہو) ہمارے لیے بھی مشروع ہے (عینی)

بَابُ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوًا انْفَضُّوْا اِلَيْهَا

اور جب تجارت یا کھیل دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑتے ہیں۔

وَقَوْلُهُ جَلَّ ذِكْرُهُ رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَقَالَ قَتَادَةُ كَانَ الْقَوْمُ يَتَّجِرُوْنَ وَلٰكِنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا نَابَهُمْ حَقٌّ مِنْ حُقُوْقِ اللّٰهِ لَمْ تُلْهِهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ حَتّٰى

اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ "وہ لوگ جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی" اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ کچھ لوگ کاروبار کیا کرتے تھے لیکن ان کے سامنے اللہ کے حق میں سے جب کوئی حق آتا تو کاروبار انھیں یادِ خدا سے غافل نہیں کرتا جب

يُؤْذُوْهُ اِلَى اللّٰهِ

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اَقْبَلَتْ عِيْرٌ وَّ نَحْنُ نُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجُمُعَةَ فَانْفَضَّ النَّاسُ اِلَّا اثْنَيْ عَشَرَ رَجُلًا فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا نِ انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا ٥

تک کہ وہ اس حق کو ادا نہ کر پاتے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں۔ ایک تجارتی قافلہ اس وقت آیا جب کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز جمعہ پڑھ رہے تھے تو اس وقت بارہ صحابہ کرام کے سوا باقی تمام قافلہ کی طرف چل پڑے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اور جب سوداگری یا تماشہ کی کوئی شے دیکھتے ہیں تو آپ کو تنہا چھوڑ کر ادھر دوڑ

نوٹ:۔ اس آیت اور حدیث پر گذشتہ اوراق میں گفتگو ہو چکی ہے۔

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ (بخاری)

اس بیان کا باب کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد اپنی پاک (حلال) کمائی سے خرچ کرو۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَنْفَقَتِ الْمَرْاَةُ مِنْ طَعَامِ بَيْتِهَا غَيْرَ مُفْسِدَةٍ كَانَ لَهَا اَجْرُهَا بِمَا اَنْفَقَتْ وَلِزَوْجِهَا بِمَا كَسَبَ وَلِلْخَازِنِ مِثْلُ ذٰلِكَ لَا يَنْقُصُ بَعْضُهُمْ اَجْرَ بَعْضٍ شَيْئًا (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ فرماتی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی عورت اپنے گھر کا کھانا بغیر اسراف کے خرچ کرتی ہے تو اسے اس خرچ کرنے پر اور اس کے شوہر کو کمانے پر اجر و ثواب ملتا ہے اور خزانچی کو بھی ایسے ہی ثواب ملتا ہے۔ ایک کا ثواب دوسرے کے ثواب سے کسی شے کو کم نہیں کرتا۔

عَنْ هَمَّامٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَنْفَقَتِ الْمَرْاَةُ مِنْ كَسْبِ زَوْجِهَا مِنْ غَيْرِ اَمْرِهٖ فَلَهُ نِصْفُ اَجْرِهٖ (بخاری)

حضرت ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب عورت اپنے خاوند کی کمائی سے اس کی بلا اجازت بھی خرچ کر دے تو اس کے شوہر کو آدھا ثواب ملتا ہے۔

اس مضمون کی احادیث امام نے کتاب الزکوٰۃ میں بھی ذکر کیں اور فیوض الباری پارہ ششم صہ۳۲ پر ان احادیث پر گفتگو ہو چکی ہے۔

بَابُ مَنْ اَحَبَّ الْبَسْطَ فِي الرِّزْقِ

باب جو شخص اپنے رزق میں فراخی و وسعت چاہتا ہو تو کیا کرے۔

عَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يُّبْسَطَ لَهٗ رِزْقُهٗ اَوْ يُنْسَاَ فِيْ اَثَرِهٖ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص رزق کی فراخی یا درازی عمر کی مہلت چاہتا ہو تو اسے چاہیئے کہ اپنے قرابت داروں سے اچھا

صلۂ رحمی واجب ہے

اس حدیث سے واضح ہوا کہ قرابت داروں کے ساتھ حتی المقدور نیک سلوک کرنے سے رزق میں برکت اور فراخی ہوتی ہے۔ اس سلسلہ کی جن احادیث میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلۂ رحمی کی اہمیت کو بیان فرمایا ہے۔ ان میں سے چند کا خلاصہ مفہوم یہ ہے۔ صلہ رحمی رشتہ داروں سے نیک سلوک کرنے سے عمر میں برکت، رزق میں وسعت، بُری موت سے نجات حاصل ہوتی ہے (حاکم و مستدرک) رشتہ عرشِ الٰہی سے پیٹ کر یہ کہتا ہے جو مجھے ملائیگا اللہ اس کو ملائیگا اور جو مجھے کاٹے گا اللہ اسے کاٹے گا (بخاری) اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے۔ میں اللہ ہوں اور میں رحمٰن ہوں۔ رحم یعنی رشتہ کو میں نے پیدا کیا اور اس کا نام میں نے اپنے نام سے مشتق کیا۔ لہٰذا جو اسے ملائے گا میں اسے ملاؤں گا اور جو اسے کاٹے گا میں اسے کاٹوں گا۔ (ابوداؤد) رشتہ کاٹنے والا۔ جنت سے محروم رہے گا (بخاری) صلہ رحمی اس کا نام نہیں کہ بدلہ دیا جائے یعنی ایک نے احسان کیا دوسرے نے اس کے ساتھ احسان کر دیا۔ بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ ادھر سے کاٹا جائے اور یہ جوڑتا ہے (بخاری) ایک شخص نے عرض کی۔ یا رسول اللہ میں اپنے عزیز و اقارب کو ملاتا ہوں۔ ان پر احسان کرتا ہوں اور حلم و بردباری سے پیش آتا ہوں مگر وہ کاٹتے ہیں بُرائی کرتے اور جہالت سے پیش آتے ہیں۔ حضور نے جواب دیا۔ اگر ایسا ہے تو ان کو گرم راکھ پھنکاتے رہو اور جب تک تمہاری یہ کیفیت ہے اللہ کی طرف سے تمہارے ساتھ ایک مددگار رہے (مسلم) حضور نے فرمایا۔ اے عقبہ بن عامر دنیا و آخرت کے افضل اخلاق یہ ہیں کہ تم اس کو ملاؤ۔ جو تمھیں جُدا کرنے اور جو تم پر ظلم کرے اسے معاف کر دو اور جو یہ چاہے کہ اس کی عمر میں درازی ہو، رزق میں وسعت ہو، وہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ (نیک سلوک) کرے۔ (حاکم و مستدرک)

واضح ہو کہ صلۂ رحم کے معنیٰ رشتہ کو جوڑنا رشتہ والوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کے ہیں۔ اُمت کا اس پر اجماع ہے۔ صلہ رحم واجب ہے اور قطعِ رحم حرام ہے۔ احادیث میں مطلقاً رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآنِ مجید میں بھی مطلقاً ذی القربیٰ فرمایا گیا ہے مگر یہ بات ضرور ہے کہ رشتہ کے مختلف درجات ہیں۔ اس لیے صلۂ رحم کے درجات میں بھی تفاوت ہے۔ والدین کا مرتبہ سب سے بڑھ کر ہے۔ سب سے پہلے والدین[۱] کے ساتھ صلۂ رحم واجب ہے۔ پھر ذو رحم محرم اس کے بعد بقیہ رشتہ دار علی قدرِ مراتب صلہ رحم کے مستحق ہیں —— یہ جو حضور نے فرمایا صلہ رحمی سے عمر میں زیادتی ہوتی ہے یا حضور نے فرمایا۔ تقدیر کو کوئی چیز رد نہیں کر سکتی مگر دعا اور احسان کرنے سے عمر میں زیادتی ہوتی ہے تو اس سے قضاءِ معلق مراد ہے کیونکہ قضاءِ مبرم ٹل نہیں سکتی۔ قرآنِ مجید میں فرمایا۔ اِذَا جَاءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ۔

صلہ رحمی کی مختلف صورتیں ہیں مثلاً ان کو ہدیہ و تحفہ دینا۔ ان کی امداد و اعانت کرنا۔ ان کے ساتھ لطف و مہربانی

---

[۱] باپ کے بعد دادا اور بڑا بھائی بمنزلہ باپ کے ہے۔ حدیث عم الرجل صنو ابیہ سے استدلال کرتے ہوئے بعض علماء نے چچا کو بھی باپ کی مثل قرار دیا ہے اور خالہ ماں کی جگہ ہے۔

سے پیش آنا۔ انھیں سلام کرنا۔ ان کے ساتھ ملاقات کرنا۔ ان کے پاس اٹھنا بیٹھنا۔ ان کے ساتھ خط و کتابت رکھنا۔ غرضکہ ہر وہ اچھا فعل جس سے جانبین میں محبت و اُلفت پیدا ہو صلہ رحم ہے۔ بہتر یہ ہے ملاقات میں ناغہ کرے۔ ایک دن ملے تو دوسرے دن نہ جائے کہ اس طرح محبت و اُلفت زیادہ ہوتی ہے۔

صلہ رحمی اس کا نام نہیں کہ اس نے سلوک کیا۔ تم نے بھی کر دیا۔ وہ تم سے ملنے آیا۔ تم بھی اس کے ہاں چلے گئے۔ یہ تو ادلا بدلا ہے یعنی مکافات۔ بلکہ صلہ رحم یہ ہے کہ وہ کاٹے تم جوڑو۔ وہ بے اعتنائی برتے اور تم رشتہ کے حقوق کی مراعات کرو۔ وہ سختی کرے تم نرمی برتو۔ وہ جہالت کا برتاؤ کرے اور تم حلم و بردباری سے پیش آؤ۔

فی زمانہ اگرچہ اس کردار کا مظاہرہ کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ نیکی کرنا کنویں میں ڈھلنے کے مترادف ہے۔ محسن کشی، احسان فراموشی لوگوں کی طبیعت ثانیہ بن چکی ہے (الا ماشاء اللہ) جو نیکی کرنا بھی چاہتے ہیں وہ اس کے انجام سے خوف کھا کر ہاتھ روک لیتے ہیں۔ یہ سب کچھ اسلامی تعلیم سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔ لیکن بایں ہمہ ہمیں ہمارے رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت یہی ہے کہ اندھیروں میں چراغ جلاؤ۔ نیکی کا کوئی کیا بدلہ دیتا ہے اس سے بے نیاز ہو کر نیکی کرو اور حق یہ ہے کہ ایسے پُرآشوب دَور میں محض رضائے الٰہی کے لیے اور کسی کے غلط برتاؤ سے بے نیاز ہو کر نیکی کرنا نیکی کا بہت ہی اونچا درجہ ہے اور ایسی پُرخلوص نیکی بارگاہِ الٰہی میں مقبول و محمود ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیقِ عمل عطا فرمائے آمین۔

بَابُ شِرَآءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّسِيْئَةِ

نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا اُدھار خرید و فروخت کرنا

حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ ذَكَرْنَا عِنْدَ إِبْرَاهِيْمَ الرَّهْنَ فِي السَّلَمِ فَقَالَ حَدَّثَنِي الْأَسْوَدُ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْتَرَى طَعَامًا مِنْ يَهُوْدِيٍّ إِلَى أَجَلٍ وَّرَهَنَهُ دِرْعًا مِنْ حَدِيْدٍ

ہمیں حضرت اعمش علیہ الرحمۃ نے حدیث بیان کی کہ ہم نے حضرت ابراہیم کی مجلس میں گروی خرید و فروخت کا ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا۔ مجھے اسود نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث بیان فرمائی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ غلہ ایک مقررہ مدت تک کے لیے ایک یہودی سے خریدا اور پھر اپنی لوہے کی ایک زرہ اس کے ہاں رہن رکھی۔

عَنْ أَنَسٍ أَنَّهُ مَشَى إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخُبْزِ شَعِيْرٍ وَّإِهَالَةٍ سَنِخَةٍ وَّلَقَدْ رَهَنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِرْعًا بِالْمَدِيْنَةِ عِنْدَ يَهُوْدِيٍّ وَّأَخَذَ مِنْهُ شَعِيْرًا لِّأَهْلِهِ وَلَقَدْ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ مَا أَمْسَى

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پُرانا روغن اور جو کی روٹی لے کر حاضر ہوئے جب کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی زرہ مدینہ کے ایک یہودی کے پاس رہن رکھ کر اس سے اپنی اہل کے لیے جو لیے اور میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ آلِ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے

عِنْدَ آلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاعُ بُرٍّ وَّلَا صَاعُ حَبٍّ وَّاِنَّ عِنْدَهٗ لَتِسْعَ نِسْوَةٍ ۝	یہاں کوئی شام ایسی نہ آئی جس میں ان کے پاس ایک صاع بھر گندم یا کوئی اور غلہ موجود رہا ہو حالانکہ آپ کی ازواج مطہرات نو تھیں (علاوہ دیگر عیال اور مہمانوں کے)

فوائد و مسائل یہ حدیث مسائلِ ذیل پر مشتمل ہے ۱۔ ادھار بیع جائز ہے۔ حضور علیہ السلام کی متعدد زرہ تھیں۔ جو زرہ آپ نے رہن (گروی) رکھی اس کا نام ذات الفضول تھا۔ جس یہودی کے پاس رکھی اس کا نام ابوشحم تھا۔ یہ قبیلہ بنی ظفر سے تھا۔ یہ زرہ حضور کی وفات تک گروی رہی۔ حضور کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر نے چھڑائی اور حضرت علی کو دے دی۔ (عینی و اشعۃ و مرقات) شارحین نے اس حدیث پر مختلف انداز میں بحث کی ہے۔ تفصیل کے لیے عینی، فتح الباری دیکھئے۔ لیکن بات سیدھی سی ہے اور وہ یہ کہ اس حدیث سے واضح ہوا کہ کافر سے خرید و فروخت اور قرض کا معاملہ جائز ہے۔ گو کہ یہ معلوم ہو کہ اس کی آمدنی، خالص حلال کی کمائی سے نہیں ہے اور یہ کہ بوقتِ ضرورت، ہتھیار کافر کے پاس رہن رکھنے جائز ہیں۔

۲۔ علامہ عینی نے فرمایا۔ حدیث مذکورہ میں حضور کی جو معاشی کیفیت بیان ہوئی ہے اس کی وجہ یہ نہ تھی حضور غریب مسکین تھے بلکہ حضور کی یہ سادگی اور فقر اختیاری تھا۔ مال و زر کی فراوانی تھی مگر حضور اسے غربا میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ اپنے پاس کچھ جمع نہ رکھتے تھے۔ حضور کی شان تو یہ تھی ؎

مالکِ کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں ۔۔۔ دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ ہیں

۳۔ امام بخاری نے اس حدیث کو گیارہ مقامات پر ذکر کیا ہے۔ بیوع، جہاد، استقراض، سلم، شرکت مغازی میں اور امام مسلم و نسائی نے بیوع میں اور ابن ماجہ نے احکام میں ذکر کیا ہے۔

رہن کے لغوی و شرعی معنیٰ از روئے لغت رہن کے معنیٰ ثابت رہنے، قائم رہنے، پابند ہو جانے کے ہیں۔ جیسے بولتے ہیں۔ مَاءٌ رَاهِنٌ، ٹھہرا ہوا پانی۔ نعمۃ راھنۃ پائیدار نعمت۔ قرآنِ مجید میں فرمایا۔ کل نفس بما کسبت رھینۃ۔ ہر شخص اپنے کئے ہوئے میں گروی ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ مومن کی جان قبر میں اس کے قرض کے باعث

نفس المومن رھونۃ بدینۃ حتیٰ یقضی عنہ	قید رہے گی۔ حتیٰ کہ اسے ادا کر دیا جائے۔

یہاں رہن کے معنی پابندی اور قید کے ہیں۔

---

[۱] علامہ عینی کے الفاظ یہ ہیں۔ لِتِسعَ۔ بالنصب لانہ اسم ان۔ واللام فیہ للتاکید و فیہ بیان ما کان علیہ صلی اللہ علیہ وسلم من التقلل من الدنیا و ذالک کلہ باختیارہ والا فقد اتاہ اللہ مفاتیح خزائن الارض فردھا تواضعا و رضی بزی المساکین لیکون ارفع لدرجۃ عینی ج ۱۱ صـ۱۴۲

رہن کا جواز کتاب وسُنّت واجماعِ اُمّت سے ثابت ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا۔

وان کنتم علی سفر ولم تجدوا کاتبا، فرھان مقبوضہ۔

اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ۔ تو گروی ہو قبضہ دیا ہوا۔

یعنی حالتِ سفر میں قرض کی ضرورت پیش آئے اور تحریر کا موقع نہ ملے تو اطمینان کے لیے کوئی چیز۔ دائن (قرض دینے والے) کے پاس گروی رکھ دی جائے۔ اس آیت میں سفر کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں ہے اور حدیث سے بھی رہن کا جواز واضح ہے۔ حضور علیہ السلام نے ایک یہودی کے پاس اپنی زرہ گروی رکھ کر بیس صاع جو قرض لیے تھے۔ اسی طرح تمام آئمہ اسلام رہن کے جائز ہونے پر متفق ہیں۔

واضح ہو کہ رہن کرنے والے کو راہن۔ رہن رکھنے والے کو مرتہن اور جس چیز کو رہن رکھا جائے اسے مرہون کہتے ہیں۔ مثلاً زید نے ایک ہزار روپے عمر سے قرض لیے اور اپنا ملکیتی مکان عمر کے پاس رہن رکھ دیا تو زید کو راہن اور عمر کو مرتہن اور مکان کو مرہون کہیں گے

۲۔ اپنے کسی حق مثلاً قرض کی وصول کے لئے قرضدار کی کسی ایسی چیز کو روک لینے کو رہن کہتے ہیں جس کے ذریعے وہ اپنا قرض وصول کر سکے۔ جب راہن و مرتہن کے درمیان ایجاب وقبول ہو جائے اور شی مرہونہ مرتہن کے قبضہ میں آجائے تو رہن لازم آجاتا ہے۔

۳۔ راہن جب قرضہ ادا کر دے تو مرتہن کے لیے لازم ہے کہ وہ شی مرہونہ، راہن کو واپس کرے۔

۴۔ مرتہن کو شی مرہونہ سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں۔ اگرچہ راہن اس بات کی اجازت بھی دے دے۔ مثلاً رہن شدہ مکان میں رہائش رکھنا یا رہن شدہ مشینری کو اپنے استعمال میں لانا۔

بَابُ کَسْبِ الرَّجُلِ وَعَمَلِهٖ بِيَدِهٖ

انسان کا اپنے ہاتھ سے کمانا اور محنت کرنا

قَالَتْ لَمَّا اسْتُخْلِفَ اَبُوْ بَكْرِ نِ الصِّدِّيْقُ قَالَ لَقَدْ عَلِمَ قَوْمِيْ اَنَّ حِرْفَتِيْ لَمْ تَكُنْ تَعْجِزُ عَنْ مَؤُنَةِ اَهْلِيْ وَ شُغِلْتُ بِاَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَسَيَاْكُلُ اٰلُ اَبِيْ بَكْرٍ مِنْ هٰذَا الْمَالِ وَيَحْتَرِفُ لِلْمُسْلِمِيْنَ فِيْهِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ خلیفہ منتخب ہوئے تو آپ نے فرمایا میرے ہم قوم یہ (بخوبی) جانتے ہیں کہ میرا کاروبار میرے اہل وعیال کی کفالت کے لیے ناکافی نہ تھا اور اب میں مسلمانوں کے لیے (امور سلطنت) میں مشغول ہو گیا ہوں۔ لہٰذا ابوبکر کی اولاد اب انہی کے مال سے کھائیگی اور انہی کے کاروبار میں رہے گی۔

عَنْ عُرْوَةَ قَالَ قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت عروہ نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ خود مزدوری

وَسَلَّمَ عُمَّالَ اَنْفُسِهِمْ وَكَانَ لَهُمْ اَرْوَاحٌ فَقِيْلَ لَهُمْ لَوِاغْتَسَلْتُمْ رواهُ هَمَّامٌ عَنْ هِشَامٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا

عَنِ الْمِقْدَامِ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اَكَلَ اَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ اَنْ يَّاكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهٖ وَاِنَّ نَبِيَّ اللهِ دَاوٗدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَاكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهٖ (بخاری)

عَنْ هَمَّامِ ابْنِ مُنَبِّهٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ دَاوٗدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ لَا يَاكُلُ اِلَّا مِنْ عَمَلِ يَدِهٖ (بخاری)

عَنْ اَبِيْ عُبَيْدٍ مَوْلٰى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ عَوْفٍ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْ يَّحْتَطِبَ اَحَدُكُمْ حُزْمَةً عَلٰى ظَهْرِهٖ خَيْرٌ مِنْ اَنْ يَّسْاَلَ اَحَدًا فَيُعْطِيَهٗ اَوْ يَمْنَعَهٗ

عَنِ الزُّبَيْرِ ابْنِ الْعَوَّامِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْ يَّاْخُذَ اَحَدُكُمْ اَحْبُلَهٗ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ يَّسْاَلَ النَّاسَ (بخاری)

کیا کرتے تھے۔ اس لیے ان کے جسموں سے بُو آیا کرتی تھی تو ان سے کہا گیا کہ کاش وہ غسل کر لیا کرتے۔ اس حدیث کو ہمام نے ہشام سے اور انھوں نے اپنے والد صاحب سے اور انھوں نے حضرت عائشہ سے روایت کیا

حضرت مقدام رضی اللہ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ جس شخص نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھایا۔ اس سے بہتر کسی آدمی نے روزی نہیں کھائی ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے نبی حضرت داؤد علیٰ نبینا وعلیہ السلام اپنی دستکاری سے کھاتے تھے۔

حضرت ہمام ابن منبہ سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، نے حدیث بیان فرمائی اور ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السّلام اپنی دستکاری سے کھاتے تھے۔

حضرت عبد الرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ، کے غلام ابوعبید نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، کو یوں فرماتے ہوئے سُنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو اپنی پیٹھ پر لکڑیوں کا گٹھا لاد کر لاتا ہے تا کہ انھیں فروخت کر کے اپنی روزی کمائے (تو ایسا شخص) اس آدمی سے بہتر ہے جو (روزی) کے لیے کسی کے آگے سوال کرتا ہے وہ اسے کچھ دے یا نہ دے۔

حضرت زبیر ابن عوام سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم سے اگر کوئی اپنی رسیوں کو لیتا ہے (تا کہ ان میں لکڑیاں یا گھاس وغیرہ باندھ کر بیچے) تو ایسا آدمی گداگر سے بہتر ہے۔

ان احادیث سے واضح ہوا کہ محنت مزدوری زراعت اور صنعت و حرفت کے ذریعہ اپنی گذر بسر کے لیے سعی و کوشش کرنی چاہیئے ۲۔ جناب امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد سے واضح ہوا کہ جو شخص دینی و ملی

امور کی انجام دہی میں مشغول ہو جائے اسے بیت المال سے مناسب تنخواہ لینی جائز ہے۔

فائدہ ۱۔ اپنی ذات اور اپنے اہل اور جن کا نفقہ اس کے ذمہ واجب ہے کی ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے کے لیے (کسب) کمانا فرض ہے۔ اسی طرح قرض ادا کرنے کے لیے کمانا بھی فرض ہے۔ اور ماں باپ محتاج و تنگدست ہوں تو فرض ہے کہ کما کر انھیں بقدرِ کفالت دے (عالمگیری) ۲۔ جس کے پاس اس دن کے کھانے کے لیے موجود ہو اسے سوال کرنا ممنوع ہے سائل اور گداگر اس طرح جو مال حاصل کرکے جمع کرتے ہیں۔ وہ خبیث مال ہے (عالمگیری)

بَابُ السُّهُوْلَةِ وَالسَّمَاحَةِ فِي الشِّرَاءِ وَالْبَيْعِ وَمَنْ طَلَبَ حَقًّا فَلْيَطْلُبْهُ فِي عَفَافٍ

(بخاری)

یہ باب ہے خرید و فروخت میں نرمی و کشادگی (میں) جو اپنا حق کسی سے مانگے تو اسے چاہیئے کہ (مقروض یا مشتری) اس کی عزتِ نفس کا لحاظ رکھے۔

بَابُ مَنْ اَنْظَرَ مُوْسِرًا

یہ باب اس بیان میں ہے کہ جس نے دولت مند مقروض کو مہلت دی۔

حَدَّثَنَا مَنْصُوْرٌ اَنَّ رِبْعِيَّ ابْنَ حِرَاشٍ حَدَّثَهُ اَنَّ حُذَيْفَةَ حَدَّثَهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلَقَّتِ الْمَلٰئِكَةُ رُوْحَ رَجُلٍ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ قَالُوْا اَعَمِلْتَ مِنَ الْخَيْرِ شَيْئًا قَالَ كُنْتُ اٰمُرُ فِتْيَانِيْ اَنْ يُنْظِرُوْا وَيَتَجَاوَزُوْا عَنِ الْمُوْسِرِ قَالَ قَالَ فَتَجَاوَزُوْا عَنْهُ وَقَالَ اَبُوْ مَالِكٍ عَنْ رِبْعِيٍّ كُنْتُ اُيَسِّرُ عَلَى الْمُوْسِرِ وَاُنْظِرُ الْمُعْسِرَ وَتَابَعَهُ شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ رِبْعِيٍّ وَقَالَ اَبُوْ عَوَانَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ رِبْعِيٍّ اُنْظِرُ الْمُوْسِرَ وَاَتَجَاوَزُ عَنِ الْمُعْسِرِ وَقَالَ نُعَيْمُ ابْنُ اَبِيْ هِنْدٍ عَنْ رِبْعِيٍّ فَاَقْبَلُ مِنَ الْمُوْسِرِ وَاَتَجَاوَزُ عَنِ الْمُعْسِرِ (بخاری)

ہمیں منصور نے حدیث بیان کی ربعی ابن حراش سے وہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہٗ سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پہلی امتوں کے ایک آدمی کی رُوح کے پاس فرشتے آئے اور کہنے لگے۔ کیا تو نے کوئی اچھا کام بھی کیا ہے تو اس شخص کی رُوح بول کر میں اپنے ملازموں سے (اکثر) کہا کرتا تھا۔ فراخ دست (مقروض) سے درگذر کیا کرو اور سختی نہ کیا کرو۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا کہ بعدہٗ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پھر فرشتوں نے بھی اس شخص کی رُوح سے درگذر کیا اور عذاب نہ کیا۔ اور ابو مالک نے ربعی سے بایں الفاظ روایت کیا۔" میں فراخ دست کو مہلت دیتا تھا اور اور تنگ دست سے درگذر کرتا تھا" اور ابو مالک کی متابعت (انہی الفاظ میں) شعبہ نے عبدالملک سے کی اور انھوں نے ربعی سے اور ابو عوانہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے، عبدالملک نے ربعی سے (ان الفاظ) میں حدیث بیان کی کہ" میں فراخ دست کو ڈھیل دیتا تھا اور تنگدست سے درگذر کرتا تھا" اور نعیم ابن ابی ہند نے فرمایا کہ مجھے ربعی

نے ان الفاظ میں حدیث بیان کی "کہ میں فراخ دست کا عذر قبول کیا کرتا تھا اور تنگدست سے درگذر کیا کرتا تھا۔

بَابُ مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِراً

باب، جس نے کسی تنگدست کو ڈھیل دی۔

عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ تَاجِرٌ يُدَايِنُ النَّاسَ فَاِذَا رَاٰى مُعْسِراً قَالَ لِفِتْيَانِهِ تَجَاوَزُوْا عَنْهُ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يَتَجَاوَزَ عَنَّا فَتَجَاوَزَ اللّٰهُ عَنْهُ (بخاری)

عبید اللہ ابن عبد اللہ سے مروی ہے کہ انھوں نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تاجر (امم سابقہ میں) لوگوں کو کچھ قرض دیا کرتا تھا۔ پھر جب کسی تنگدست کو دیکھتا تو اپنے ملازموں سے کہہ دیتا کہ ان سے درگذر کرنا شاید اللہ تعالیٰ ہم سے (اسی طرح) درگزر فرماتے تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے درگزر فرمایا۔

ان احادیث میں بیع وشراء۔ لین دین کے معاملات میں دیانت وامانت، نرمی اور درگذر کی ہدایت دی گئی ہے اور تنگدست کو مہلت دینے کی ترغیب۔ اور یہ بھی کہ دنیا میں نرمی اور درگزر کرنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بھی آخرت میں نرمی و درگزر فرماتے گا۔

قرض دار کو مہلت دینا کارِ ثواب ہے

قرض دار اگر تنگدست یا نادار ہو تو اس کو مہلت دینا یا قرض کا جز یا کل معاف کر دینا سببِ اجرِ عظیم ہے۔ قرآنِ مجید میں فرمایا۔ اگر قرض دار

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ

تنگی والا ہے تو اسے مہلت دو آسانی تک اور قرض اس پر بالکل چھوڑ دینا تمہارے لیے اور بھلا ہے۔

حضور سیدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے تنگدست کو مہلت دی یا اس کا قرضہ معاف کر دیا اللہ تعالیٰ اس کو اپنا سایۂ رحمت عطا فرمائے گا۔ جس روز اس کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ (مسلم شریف)

نیز حضور نے فرمایا جس کو یہ بات پسند ہو کہ قیامت کی سختیوں سے اللہ تعالیٰ اسے محفوظ رکھے تو وہ تنگدست کو مہلت دے یا معاف کر دے (مسلم) —— بہر حال یہ بات تو واضح ہے کہ تنگدست کو مہلت دینا یا معاف کر دینا کارِ ثواب ہے حضور کی ہدایت یہ ہے کہ معاملات میں آدمی نرمی، تواضع اور خوش خلقی کا مظاہرہ کرے اور انصاف و دیانت کا دامن تھامے رکھے —— لیکن یہ تصویر کا ایک رُخ ہے۔ اس کا دُوسرا رُخ جسے مسلمانوں نے بالکل نظر انداز کر دیا ہے (الا ماشاء اللہ) اس کی اہمیت کا ذیل کی احادیث سے اندازہ کیجئے۔

قرض لے کر ادا نہ کرنا سخت گناہ ہے

۱۔ امام احمد نے حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ کہتے ہیں ہم صحن مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی۔ پھر پیشانی پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ سبحان اللہ کتنی سختی اتاری گئی ہے۔ صبح کو

ہم نے عرض کیا وہ سختی کیا ہے؟ جو نازل ہوئی۔ حضور نے فرمایا قرض کے متعلق ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے۔ پھر زندہ ہو، پھر قتل کیا جائے۔ پھر زندہ ہو پھر قتل کیا جائے پھر زندہ ہو اور اس پر قرض ہو تو جنت میں داخل نہ ہو گا۔ جب تک کہ ادا نہ کر دیا جائے (امام احمد)

۲۔ کبیرہ گناہ جن کی اللہ تعالے نے ممانعت فرمائی ہے ان کے بعد اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب گناہوں سے بڑا یہ ہے کہ آدمی اپنے اوپر قرض چھوڑ کر مرے اور اس کی ادائیگی کے لیے کچھ نہ چھوڑا ہو (ابوداؤد)

۳۔ قرض کے علاوہ شہید کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ (مسلم)

۴۔ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم اس شخص کا نمازِ جنازہ نہیں پڑھاتے تھے جس پر کسی کا قرض ہوتا تھا۔ (بخاری)

حضور کی ان ہدایات کے برعکس ہماری حالت یہ ہے کہ قرض کی ادائیگی کی فکر نہیں کرتے۔ حق داروں کا حق ادا کرنے میں ٹال مٹول، سستی و کاہلی تو ایک عام مرض ہے۔ خراب تو سرے سے حق کا ہی انکار کر دیا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ کسی مسلمان کی حاجت پوری کر دینے کا جو جذبہ مسلمانوں میں ہونا چاہیئے وہ مضمحل ہو رہا ہے اور جو لوگ کسی مسلمان کی حاجت پوری کرنے کی بطور قرض وسعت رکھتے ہیں وہ بھی اس کارِ خیر سے ہاتھ روک لیتے ہیں۔ کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ قرض کی وصولی تو جب ہو گی مگر قرض دے کر ذہنی پریشانی اور بلاوجہ کی دشمنی سے دوچار ہونا پڑے گا۔

بَابٌ ۱۰ اِذَا بَیَّنَ الْبَیِّعَانِ وَلَمْ یَکْتُمَا وَ نَصَحَا

جب خرید و فروخت کرنیوالوں نے مبیع کی پوری حقیقت واضح کر دی اور عیب نہ چھپایا بلکہ ایک دوسرے کی خیر خواہی کی۔

عرب کے کسی شیخ کے پاس نہایت عمدہ نسل کا ایک برق رفتار گھوڑا تھا لوگ اسے منہ مانگی قیمت پر خریدنے کے لیے تیار تھے مگر شیخ انکار کر دیتا۔ ایک روز عرب کا ایک نامی گرامی شہسوار شیخ کے پاس آیا اور ایک خطیر رقم کے عوض گھوڑا خریدنے کی پیشکش کی اور کہا کہ اتنے اچھے گھوڑے کا مستحق مجھ جیسا شہسوار ہی ہو سکتا ہے۔ شیخ نے مسکرا کر جواب دیا۔ میں تمہاری شہسواری کا معترف ہوں مگر یہ گھوڑا مجھے بیحد عزیز ہے۔ میں اسے کسی قیمت پر فروخت نہیں کر سکتا۔ شہسوار نے مایوس ہو کر جواب دیا۔ اچھا شیخ میں چلتا ہوں مگر یہ بات یاد رکھنا۔ مجھے جو چیز پسند آجاتی ہے اسے حاصل کئے بغیر نہیں چھوڑتا۔

ایک عرصے کے بعد ایک روز شیخ اپنے گھوڑے پر سوار جنگل میں جا رہا تھا کہ راستہ میں اس نے ایک بیمار آدمی دیکھا جو منزل پر پہنچنے کے لیے سواری کا محتاج تھا۔ شیخ کو اس پر ترس آگیا۔ گھوڑے سے اترا اور اس بیمار شخص کو گھوڑے پر سوار کر دیا۔ سوار ہوتے ہی اس شخص نے گھوڑے کی باگیں تھامیں اور کہا۔ میں وہی شخص ہوں جو تم سے یہ گھوڑا خریدنا چاہتا تھا اور تم نے انکار کر دیا تھا۔ آج اس حیلہ سے میں نے یہ گھوڑا حاصل کر لیا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے گھوڑے کو ایڑھ لگائی تو شیخ نے کہا۔ ذرا ٹھہرو۔ ایک بات سنتے جاؤ۔ میری التجا ہے کہ اگر لوگ تم سے اس گھوڑے کے حصول کی بابت دریافت کریں تو ان سے یہ کہنا کہ یہ گھوڑا شیخ نے مجھے تحفۃً دیا ہے کیونکہ اگر تم نے یہ کہا کہ میں نے شیخ کو بیوقوف بنا کر مکر و فریب سے یہ گھوڑا حاصل کیا ہے تو لوگ ضرورت مندوں پر بھروسہ کرنا چھوڑ دیں گے اور کوئی کسی کی مدد کے لیے تیار نہ ہو گا۔

بیعان سے بائع و مشتری مراد ہیں۔ مطلب عنوان یہ ہے کہ جب بائع اور مشتری نے ایک دوسرے کی خیر خواہی کی اور مبیع کی پوری حقیقت بتا دی۔ کسی بھی عیب کو چھپایا نہیں تو اللہ تعالےٰ اس خرید و فروخت میں برکت عطا فرماتا ہے۔

وَيُذْكَرُ عَنِ الْعَدَّاءِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ كَتَبَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا مَا اشْتَرَى مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْعَدَّاءِ ابْنِ خَالِدٍ بَيْعَ الْمُسْلِمِ الْمُسْلِمَ لَادَاءَ وَلَا خِبْثَةَ وَلَا غَائِلَةَ وَقَالَ قَتَادَةُ اَلْغَائِلَةُ الزِّنَا وَالسَّرِقَةُ وَالْاِبَاقُ وَقِيْلَ لِاِبْرَاهِيْمَ اِنَّ بَعْضَ النَّخَّاسِيْنَ يُسَمِّيْ آرِيَّ خُرَاسَانَ وَسَجِسْتَانَ فَيَقُوْلُ جَاءَ اَمْسِ مِنْ خُرَاسَانَ جَاءَ الْيَوْمَ مِنْ سَجِسْتَانَ فَكَرِهَهٗ كَرَاهِيَةً شَدِيْدَةً وَقَالَ عُقْبَةُ بْنُ عَامِرٍ لَا يَحِلُّ لِامْرِءٍ يَبِيْعُ سِلْعَةً يَعْلَمُ اَنَّ بِهَا دَاءً اِلَّا اَخْبَرَهٗ

(بخاری)

اور حضرت عدا ابن خالد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ نے یہ مکتوب دیا تھا کہ یہ وہ چیز ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عداء بن خالد کو فروخت کی جیسے ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو کوئی چیز بیچتا ہے کہ نہ اس میں کوئی نقص ہے اور نہ کوئی بد باطنی ہے اور نہ ہی غائلہ ہے۔ اور حضرت قتادہؓ غائلہ کا یوں معنی کیا ہے کہ غائلہ زنا، چوری اور بھاگنے کی عادت کو کہتے ہیں اور حضرت ابراہیم سے کہا گیا کہ بعض (جانوروں کے) دلال (دھوکہ دہی کے طور) (جانوروں کے اصطبل کے نام) یوں نام رکھتے ہیں۔ یہ خراسانی اصطبل ہے اور یہ سجستانی اصطبل ہے اور یوں کہتے ہیں (لیجئے صاحب) یہ کل ہی خراسان سے آیا ہے اور یہ آج ہی سجستان سے منگوایا ہے تو اس کہنے پر حضرت ابراہیم نخعی علیہ الرحمۃ نے سخت ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور حضرت عقبہ ابن عامر نے فرمایا کہ کسی بھی آدمی کے لیے یہ جائز نہیں کہ سامان میں نقص کو جانتے ہوئے بھی خریدار کو عیب و نقص نہ بتائے۔

مطلب حدیث یہ ہے کہ خرید و فروخت میں عدل و انصاف، دیانت و امانت کا دامن تھامے رہنا ضروری ہے اور یہ جائز نہیں ہے کہ ایک چیز پاکستان کی بنی ہوئی ہے اور اسے جرمن کی بنی ہوئی کہہ کر بیچا جائے۔ یا مبیع میں عیب ہو اور اس کو خریدار پر ظاہر نہ کیا جائے جو جھوٹی قسم کھائی جائے اور دھوکہ اور فریب سے کام لیا جائے۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ جو شخص جھوٹی قسم کے ذریعے مال بیچتا ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ اس کی طرف نظر رحمت فرمائے گا اور نہ اس کے گناہ معاف فرمائے گا (مسلم)

جھوٹی قسم سے سامان بک جاتا ہے مگر برکت مٹ جاتی ہے (مسلم) اور وہ لوگ جو تجارت میں سچائی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا۔

سچا اور دیانت دار تاجر قیامت کے دن پیغمبروں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا (ترمذی)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ الْحَارِثِ رَفَعَهُ اِلٰی حَکِیْمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْبَیِّعَانِ بِالْخِیَارِ مَا لَمْ یَتَفَرَّقَا اَوْ قَالَ حَتّٰی یَتَفَرَّقَا فَاِنْ صَدَقَا وَ بَیَّنَا بُوْرِكَ لَهُمَا فِیْ بَیْعِهِمَا وَاِنْ کَتَمَا وَ کَذَبَا مُحِقَتْ بَرَکَةُ بَیْعِهِمَا

(بخاری)

عبداللہ ابن حارث حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کی طرف سے راوی ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ خرید و فروخت کرنے والوں کو اس وقت تک (سودا فسخ کر دینے کا) اختیار رہتا ہے جب تک دونوں جُدا نہ ہوں یا آپ نے "مالم یتفرقا" کے بجائے "حتیٰ یتفرقا" فرمایا۔ پس اگر دونوں نے صداقت سے کام لیا اور سامان کی تمام صورت حال واضح کر دی تو دونوں کی خرید و فروخت میں برکت ہوتی ہے لیکن اگر کوئی عیب چھپا رکھا یا غلط بیانی سے کام لیا تو ان کی برکت ختم ہو جاتی ہے۔

فوائد و مسائل

اس حدیث میں بالخیار مالم یتفرقا کے الفاظ خصوصی طور پر قابل توضیح ہیں (۱) اختیار خیر سے مشتق ہے۔ اس کے لغوی معنیٰ بھلائی کی طلب و تلاش، چُننے، پسند کرنے کے ہیں۔ بیع میں چار اختیار ہیں۔ خیارِ عقد۔ خیارِ رویت۔ خیارِ عیب، خیارِ شرط اور سیدنا امام شافعی علیہ الرحمۃ پانچ اختیار کے قائل ہیں۔ چار یہ اور پانچواں خیارِ مجلس۔ یعنی ایجاب و قبول کے بعد بھی فریقین جب تک مجلس سے ہٹ نہ جائیں انھیں اختیار رہتا ہے کہ بیع کو قائم رکھیں یا ختم کر دیں۔ حضرت سعید بن المسیب، زہری، ہشام بن یوسف، حضرت امام شافعی و احمد و اسحٰق و ابوثور محمد بن جریر الطبری اور اہل الظاہر کا بھی یہ ہی مسلک ہے۔ یہ حضرات حدیث زیر بحث کے الفاظ مالم یتفرقا سے تفرق بالابدان مراد لیتے ہوئے خیارِ مجلس کا قول کرتے ہیں۔ لیکن سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ امام نخعی و ثوری مالم یتفرقا سے تفرق بالاقوال مراد لیتے ہیں۔ یعنی عاقدین میں سے جب ایک نے ایجاب کیا مثلاً کہا "میں نے بیچی" تو دوسرے کو اختیار رہے کہ اسی مجلس میں قبول کر لے یا رَد کر دے (اسی کو خیارِ عقد یا خیارِ قبول کہتے ہیں) لیکن جب ایجاب و قبول دونوں ہو چکے تو بیع لازم و تمام ہو گئی۔ خواہ فریقین اسی مجلس میں [illegible] یا چلے جائیں۔ مطلب یہ کہ احناف کے نزدیک جب مجلس میں ایک نے کہا۔ میں نے بیچی۔ دوسرے نے کہا میں نے خریدی تو ایجاب و قبول کے بعد بیع لازم و تمام ہو گئی۔ اب دونوں میں سے کسی کو اس بیع کو فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہے —— سیدنا امام اعظم علیہ الرحمۃ کا موقف بہت قوی ہے۔ متعدد آیات و احادیث سے بھی امام اعظم علیہ الرحمۃ کے موقف کی تائید ہوتی ہے۔

۱۔ قرآنِ مجید میں ہے وَاِنْ یَّتَفَرَّقَا یُغْنِ اللّٰهُ کُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ۔ اگر میاں بیوی علیحدہ ہو جائیں تو اللہ تعالےٰ انھیں اپنے فضل سے ایک دوسرے سے بے نیاز کر دے گا۔ اس آیت میں ان یتفرقا سے جسمانی علیحدگی مراد نہیں بلکہ طلاق کے ذریعہ میاں بیوی کا علیحدہ ہونا مراد ہے۔

۲۔ عقد، ایجاب و قبول سے پورا ہو جاتا ہے۔ بیع بھی ایک عقد ہے جب ایک نے کہا۔ میں نے بیچا۔ دوسرے نے کہا۔ میں نے فروخت کیا تو عقد پورا ہو گیا۔ بیع لازم ہو گئی اور مبیع مشتری کی ملک میں آ گئی۔ اب اگر ایجاب و قبول کے

بعد بھی خیارِ مجلس دیا جائے (جیسا کہ امام شافعی کی رائے ہے)
تو یہ بات دوسرے کے حق میں باطل کرنے کو مستلزم ہوگی حالانکہ قرآنِ مجید میں حکم ہے کہ لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل۔
۳۔ایجاب و قبول ہوگیا تو اب اس کی وفا لازم و ضروری ہے۔قرآنِ مجید میں فرمایا اوفوا بالعقود
۴۔خیارِ مجلس کے قول سے دوسرے کو نقصان لازم آئے گا۔حضور علیہ السلام نے فرمایا لاضرر ولاضرار فی الاسلام

بَابُ بَیعِ الْخِلْطِ مِنَ التَّمَرِ
عَنْ اَبِی سَعِیدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ كُنَّا نُرْزَقُ تَمْرَ الْجَمْعِ وَ ھُوَ الْخِلْطُ مِنَ التَّمْرِ وَكُنَّا نَبِیعُ صَاعَیْنِ بِصَاعٍ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا صَاعَیْنِ بِصَاعٍ وَلَا دِرْھَمَیْنِ بِدِرْھَمٍ

باب مختلف قسم کی کھجوریں بیچنا
حضرت ابو سعید خدری نے بیان کیا۔ہمیں مختلف طرح کی کھجوریں ملتی تھیں۔اچھی اور بُری اور ہم دو صاع کھجور (خراب) کھجور ایک صاع (اچھی کھجور) کے عوض بیچتے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔دو صاع کھجور ایک صاع کھجور کے عوض نہ بیچی جائے اور نہ دو درہم ایک درہم کے عوض بیچا جائے۔
(بخاری)

فوائد و مسائل اس حدیث میں كنا نبیع الصاعین بصاع ترجمۃ الباب ہے۔مطلب حدیث یہ ہے کہ کھجور خواہ کسی بھی قسم کی ہو اعلیٰ ہو یا ادنیٰ تر ہو یا خشک بہرحال جنسِ واحد (کھجور) ہی ہے۔لہٰذا کھجور کی بیع میں تفاضل اور ادھار جائز نہیں ہے۔فروخت کرنی ہو تو برابر برابر فروخت کی جائے۔جیسے ایک درہم دو درہم کے عوض بیچنا ممنوع ہے اسی طرح ایک صاع کھجور دو صاع میں بیچنا ممنوع ہے۔اس حدیث کے مسائل آئندہ صفحات میں انشاء اللہ العزیز تفصیل کے ساتھ آرہے ہیں۔

بَابُ مَا قِیلَ فِی اللَّحَّامِ وَالْجَزَّارِ
باب لحام و جزار کے متعلق
عام طور پر لَحَّام گوشت بیچنے والے جَزَّار اونٹ ذبح کرنے والے اور قصّاب بھیڑ بکری ذبح کرنے والے کو کہتے ہیں۔حدیث کے الفاظ لغلام لہ قصاب ترجمۃ الباب ہیں۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ یُكْنٰی اَبَا شُعَیْبٍ فَقَالَ لِغُلَامٍ لَہٗ قَصَّابٍ اِجْعَلْ لِی طَعَامًا یَكْفِی خَمْسَةً فَاِنِّی اُرِیدُ اَنْ اَدْعُوَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَامِسَ خَمْسَةٍ فَاِنِّی قَدْ عَرَفْتُ

حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ ایک انصاری جس کی کنیت ابو شعیب تھی اس نے اپنے غلام سے کہا جو کہ قصائی تھا مجھے اتنا کھانا تیار کر دے جو پانچ افراد کو کافی ہو کیونکہ میں حضور سمیت پانچ افراد کی دعوت کرنا چاہتا ہوں۔میں نے حضور کے چہرہ اقدس میں بھوک کے آثار دیکھے ہیں۔پھر اس نے

فِیْ وَجْهِهِ الْجُوْعَ فَدَعَاهُمْ فَجَآءَ مَعَهُمْ رَجُلٌ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذَا قَدْ تَبِعَنَا فَاِنْ شِئْتَ اَنْ تَاْذَنَ لَهٗ فَاْذَنْ لَهٗ وَاِنْ شِئْتَ اَنْ یَّرْجِعَ رَجَعَ فَقَالَ لَا بَلْ قَدْ اَذِنْتُ لَهٗ (بخاری)

حضور کو بلایا۔ ایک شخص زیادہ آگیا۔ حضور نے فرمایا۔ یہ شخص ہمارے ساتھ بن بلائے آگیا ہے۔ تمہیں اختیار ہے کہ اس کو اجازت دو یا نہ دو اور اگر تم چاہو تو وہ لوٹ جائے۔ انصاری نے عرض کی۔ میں نے اس کو اجازت دی۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ قصاب کا پیشہ اختیار کرنا جائز ہے اور قصاب ہونا کوئی طعن کی بات نہیں۔ ۲۔ دعوت کا قبول کرنا سنت ہے ۳۔ بلا اجازت صاحب خانہ دعوت میں شریک ہونا جائز نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور کے ساتھ جو صاحب بن بلائے آگئے تھے حضور نے ان کے لیے صاحب خانہ سے اجازت طلب فرمائی۔ ۴۔ واضح رہے کہ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا اجازت طلب فرمانا صرف تعلیم امت کے لیے اور صاحب خانہ کی تطییب نفس کے لیے تھا۔ ورنہ حضور کو اپنی امت کے مال میں بہرحال ہر قسم کے تصرف کا اختیار کامل حاصل ہے۔ خواہ مالک حاضر ہو یا غائب، راضی ہو یا ناراض۔ ہر صورت میں حضور کو اختیار ہے۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں۔ مع کونہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یتصرف فی مال کل من الامۃ بغیر حضورہ و بغیر رضاء ولکن لم یفعل ذٰلک الا بالاذن تطییبا لقلوبھم (عینی ج ۱۱ صہ ۱۹۸ مطبوعہ بیروت)

بَابُ مَا یَمْحَقُ الْکَذِبُ وَالْکِتْمَانُ فِی الْبَیْعِ

باب۔ بیع میں جھوٹ بولنے اور عیب چھپانے سے برکت جاتی رہتی ہے۔

عَنْ حَکِیْمِ بْنِ حِزَامٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَیِّعَانِ بِالْخِیَارِ مَا لَمْ یَتَفَرَّقَا اَوْ قَالَ حَتّٰی یَتَفَرَّقَا فَاِنْ صَدَقَا وَبَیَّنَا بُوْرِکَ لَهُمَا فِیْ بَیْعِهِمَا وَاِنْ کَتَمَا وَکَذَبَا مُحِقَتْ بَرَکَةُ بَیْعِهِمَا (بخاری)

حضرت حکیم بن حزام سے مروی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بائع اور مشتری دونوں کو اس وقت تک اختیار ہے جب تک جُدا نہ ہوں۔ پھر اگر دونوں سچ بولیں گے اور اگر عیب ہے تو اس کو ظاہر کر دیں گے تو اس بیع میں برکت ہوگی اور عیب چھپائیں گے جھوٹ بولیں گے تو بیع کی برکت جاتی رہے گی۔

یہ حدیث سابقہ صفحات میں مع ترجمانی کے گذر چکی ہے۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ معاملات میں دیانت وامانت و صداقت باعث خیر و برکت ہے اور جھوٹ۔ فریب بے برکتی کے موجب ہیں۔

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اے ایمان والو سود دونا دون نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو اس امید پر کہ تمہیں فلاح ملے

زمانۂ جاہلیت میں سود خواری کا عام طریقہ یہ تھا کہ ایک خاص میعاد مقرر کر کے ادھار سود پر دیا جاتا اور جب وہ میعاد آگئی اور قرض دار اس کی ادائیگی پر قادر نہ ہوا تو اس کو مزید مہلت اس شرط پر دی جاتی کہ سود کی مقدار بڑھا دی جاتی۔ اس

آیت میں سود در سود کے اس طریقہ کو ممنوع قرار دیا گیا۔ آیت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اضعاف و مضاعف (دونا دون سود) نہ ہو تو حرام نہیں۔ کیونکہ سورہ بقر اور نساء کی آیات میں ربوٰ کو مطلقاً حرام قرار دیا گیا ہے خواہ شرح سود کچھ بھی ہو۔ علاوہ ازیں یہ ظاہر ہے کہ جب سودی کاروبار میں اصل قرض بدستور باقی ہے تو ایک زمانہ کے بعد ہر سود اصل قرض کا اضعاف و مضاعف ہی ہو جائے گا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَیَاتِیَنَّ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَّا یُبَالِی الْمَرْءُ بِمَا اَخَذَ الْمَالَ اَمِنْ حَلَالٍ اَمْ مِّنْ حَرَامٍ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایک ایسا وقت آئیگا کہ انسان اس کی پرواہ نہیں کرے گا کہ اس نے کہاں سے حاصل کیا ہے۔ حلال طریقہ سے یا حرام طریقہ سے۔

عنوان جو کہ آیت ہے اس حدیث کی مطابقت یہ ہو سکتی ہے کہ سُود خور جو سود در سود حاصل کر رہا ہے اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ یہ حلال طریقہ سے آرہا ہے یا حرام سے۔ یہ ہی بات ہے جو حدیث میں ذکر کی گئی ہے۔ بہرحال آیت میں سود کھانے کی ممانعت اور تقویٰ اختیار کرنے کا حکم ہے اور حدیث میں فسادِ زمانہ کا ذکر ہے۔ نسائی کی حدیث جو حضرت ابوہریرہ ہی سے مرفوعاً مروی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

یاتی علی الناس زمان یاکلون الربا فمن لم یاکلہ اصابہ غبار

لوگوں پر ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ وہ سود کھائیں گے اور جو نہ کھائیں گے تو سود کا غبار ان کو بھی پہنچ جائے گا۔

بَابُ اٰکِلِ الرِّبَا وَشَاهِدِهٖ وَکَاتِبِهٖ

باب سُود خور، گواہ اور سود لکھنے والے کے متعلق

وَقَوْلِهٖ تَعَالٰی اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وہ جو کھاتے ہیں سود قیامت کے دن نہ کھڑے ہوں گے مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ جسے آسیب نے چھو کر مخبوط بنا دیا ہے۔ یہ اس لیے کہ انھوں نے کہا۔ بیع بھی تو سود ہی کی مانند ہے اور اللہ تعالیٰ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سُود۔ تو جسے اس کے رب کے پاس سے نصیحت آئی اور وہ باز رہا تو اسے حلال ہے جو پہلے لے چکا اور اس کا کام خدا کے سُپرد ہے اور جو اب ایسی حرکت کرے گا تو وہ دوزخی ہے وہ اس میں مدتوں رہیں گے۔

قیامت کے دن سُود خور مخبوط الحواس اُٹھے گا

۱۔ اس آیت میں سُود کی حُرمت اور سُود خور کی شامت کا بیان ہے۔ جیسے آسیب زدہ سیدھا کھڑا نہیں ہو سکتا گرتا پڑتا رہتا ہے۔ قیامت کے دن سود خور کا ایسا ہی حال ہوگا۔ سود سے اس کا پیٹ بہت بھاری اور بوجھل ہو جائے

اور وہ اس کے بوجھ سے گر گر پڑے گا۔

چونکہ اعمال کی سزا یا جزا اس کے مناسب ہوا کرتی ہے۔ دنیا میں سود خور کی کیفیت یہی ہوتی ہے کہ وہ روپے کے پیچھے دیوانہ وار دوڑتا ہے۔ مال کے طمع میں بدمست و مدہوش رہتا ہے۔ لہٰذا قیامت کے دن وہ ایک مجنوں اور مخبوط الحواس انسان کی صورت میں اُٹھے گا۔

۲۔ ذالك بانهم الخ آیت کے اس جملہ میں سود خواروں کی مذکورہ بالا سزا کا سبب یہ بتایا گیا کہ ایک تو انھوں نے یہ جرم کیا کہ سود جس کو اللہ تعالےٰ نے حرام قرار دیا اس میں مبتلا ہوگئے۔ دوسرا اس حرام کو حلال بنانے کے لیے انھوں نے یہ کہنا شروع کر دیا۔ بیع و ربا میں فرق ہی کیا ہے؛ بیع بھی تو سود ہی کی مانند ہے۔ کتاب مجید نے ان کے اس نظریہ کی تردید کی اور فرمایا کہ اللہ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام۔ اگرچہ اس موقع پر مفسرین کرام اور حکماء اسلام نے بیع و ربا میں جو فرق ہے اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے لیکن قرآن نے وجوہ فرق کو بیان نہیں کیا۔ بلکہ حاکمانہ انداز میں فیصلہ کر دیا کہ بیع حلال ہے اور ربوا حرام ہے۔ یعنی وہ حاکم مطلق ہے۔ خالق و مالک ہے جو چاہے حکم دے اور جسے چاہے حرام قرار دے۔ بندے پر تو اس کی اطاعت لازم و واجب ہے۔ اس لیے بیع کو ربوا کے مانند کہنا غلط ہے بیع حلال ہے اور ربوا حرام ہے۔

۳۔ ایک سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ جب سود کھانا یعنی سود سے نفع اٹھانا خواہ کسی بھی شکل میں ہو حرام و ممنوع ہے تو حرمت سے قبل جن لوگوں نے سودی لین دین سے مال و دولت حاصل کی، جائداد وغیرہ بنائی اس کا کیا حکم ہے؟ فله ما سلف سے یہ بتایا گیا کہ حرمت سود سے قبل جو کچھ سودی لین دین سے مال و دولت حاصل کی، جائداد وغیرہ بنائی اس پر اس حرمت کا اطلاق نہ ہوگا۔ وہ سب مال و جائداد ان کی جائز ملکیت قرار پائے گی مگر ایسے افراد کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ دل سے توبہ کریں اور آئندہ کے لیے سودی لین دین سے مکمل پرہیز کریں۔

۴۔ فمن عاد آیت کے اس جملہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو اس حکم قرآنی کے بعد بھی سودی لین دین جاری رکھیں وہ جہنمی ہیں۔ یعنی جو سود کو حلال جانے وہ کافر ہے ہمیشہ جہنم میں رہے گا کیونکہ ہر حرام قطعی کو حلال جاننے والا کافر ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا نَزَلَتْ اٰخِرُ الْبَقَرَةِ قَرَاهُنَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ حَرَّمَ التِّجَارَةَ فِي الْخَمْرِ (بخاری)	حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جب سورہ بقرہ کی آخری آیات نازل ہوئیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں لوگوں کو سنائیں۔ پھر خمر کی تجارت حرام قرار دی

عنوان (جو کہ آیت ہے) سے اس حدیث کی مطابقت یہی ہے کہ سورہ بقرہ کی آخری سورہ میں سود کے احکام اور اس کی حرمت و مذمت کا ذکر ہے۔ اگرچہ حدیث میں کاتب و شاہد کا ذکر نہیں ہے۔ مگر کاتب و شاہد معاون ہیں اور حرام کے ساتھ رضا بھی حرام ہے۔ مسلم کی حدیث میں ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود خور، اس کا پرداز، سودی دستاویز کے کاتب اور اس کے گواہوں پر لعنت کی اور فرمایا۔ وہ سب گناہ میں برابر ہیں۔

سوال خمر کی حرمت سورہ مائدہ میں آئی ہے جو ربا کی ممانعت والی آیات سے بہت پہلے نازل ہو چکی تھی۔

جواب ۔ تحریم خمر کا اعلان حضور نے اس وقت بھی فرما دیا تھا جب سورہ مائدہ نازل ہوئی تھی اور اب جب کہ ربوٰا کی حرمت کی آیات نازل ہوئیں تو حضور نے بطور مبالغہ خمر کی تجارت کی حرمت کو مکرر بیان فرما دیا۔

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ رَجُلَيْنِ أَتَيَانِي فَأَخْرَجَانِي إِلَى أَرْضٍ مُقَدَّسَةٍ فَانْطَلَقَا حَتَّى أَتَيْنَا عَلَى نَهَرٍ مِنْ دَمٍ فِيهِ رَجُلٌ قَائِمٌ وَعَلَى وَسَطِ النَّهَرِ رَجُلٌ بَيْنَ يَدَيْهِ حِجَارَةٌ فَأَقْبَلَ الرَّجُلُ الَّذِي فِي النَّهَرِ فَإِذَا أَرَادَ الرَّجُلُ أَنْ يَخْرُجَ رَمَى الرَّجُلُ بِحَجَرٍ فِي فِيهِ فَرَدَّهُ حَيْثُ كَانَ فَجَعَلَ كُلَّمَا جَاءَ لِيَخْرُجَ رَمَى فِي فِيهِ بِحَجَرٍ فَيَرْجِعُ كَمَا كَانَ فَقُلْتُ مَا هٰذَا فَقَالَ الَّذِي رَأَيْتَهُ فِي النَّهَرِ آكِلُ الرِّبَا

(بخاری)

حضرت سمرہ بن جندب نے بیان کیا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، رات میں نے دو شخص دیکھے۔ وہ دونوں میرے پاس آئے اور مجھے بیت المقدس لے گئے۔ پھر وہ دونوں چلے یہاں تک کہ ہم ایک خون کی نہر پر آئے، وہاں (نہر کے کنارے) ایک شخص کھڑا تھا اور نہر میں بھی ایک شخص کھڑا تھا۔ (نہر کے کنارے پر) کھڑے ہونے والے کے سامنے پتھر تھے، بیچ نہر والا آدمی آتا اور جوں ہی وہ چاہتا کہ باہر نکل جائے فوراً باہر والا شخص اس کے منہ پر پتھر کھینچ مارتا جو اسے وہیں لوٹا دیتا تھا جہاں وہ پہلے تھا، اسی طرح جب بھی وہ نکلنا چاہتا کنارے پر کھڑا ہوا شخص اس کے منہ پر پتھر مارتا اور وہ جہاں تھا وہیں پھر لوٹ آتا تھا۔ میں نے (اپنے ساتھیوں سے جو فرشتے تھے) پوچھا یہ کیا ہے تو انھوں نے جواب دیا کہ نہر میں آپ نے جس شخص کو دیکھا وہ سود کھاتا تھا۔

یہ اس طویل حدیث کا حصہ ہے جس میں مختلف قسم کے گناہوں کی سزاؤں کا حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو مشاہدہ کرایا گیا۔ مکمل حدیث فیوض الباری پارہ ششم ص۴ پر گذر چکی ہے۔ امام بخاری نے متعدد ابواب میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ امام بخاری علیہ الرحمہ نے یہاں حدیث کا وہ حصہ ذکر فرمایا ہے۔ جس میں سود خور کی سزا دکھائی گئی ہے کہ وہ خون کے دریا میں پتھر کھاتا رہے گا ــــــــ رب العزت جل مجدہٗ معاف فرمائے وہ غفور الرحیم ہے مگر ہم عبرت نہیں حاصل کرتے۔ گناہوں پر دلیر ہو گئے ہیں ؎

شرم نبی خوف خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

بَاب مُوْكِلِ الرِّبَا

باب سود دینے والا

لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ

اے ایمان والو، اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود اگر مسلمان ہو۔ پھر اگر ایسا نہ کرو تو یقین کر لو، اللہ اور اللہ کے رسول سے لڑائی کا اور اگر تم توبہ کرو تو اپنا اصل مال لے لو۔ نہ تم کسی کو نقصان پہنچاؤ۔ نہ تمھیں

اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝ وَ اِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَّاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝

نقصان ہو اور اگر قرضدار تنگی والا ہے تو اسے مہلت دو آسانی تک اور قرض اس پر بالکل چھوڑ دینا تمہارے لیے اور بھلا ہے اگر جانو اور ڈرو اس دن سے جس میں اللہ کی طرف پھروگے اور ہر جان کو اس کی کمائی پوری بھر دی جائے گی اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔

۱۔ یہ آیت ان اصحاب کے حق میں نازل ہوئی جو سود کی حرمت نازل ہونے سے قبل سودی لین دین کرتے تھے اور ان کی گراں قدر رقمیں دوسروں کے ذمہ باقی تھیں۔

۲۔ انھیں حکم دیا گیا کہ سود کی حرمت نازل ہونے کے بعد سابق کے مطالبے بھی واجب الترک ہیں۔ اور پہلا مقرر کیا ہوا سود بھی اب لینا جائز نہیں ہے ——— یہ حکم دینے سے پہلے اتقوا اللہ (اللہ سے ڈرو) فرمایا گیا۔ کیونکہ خوفِ خدا کے بغیر۔ راہِ حق پر چلنا ناممکن ہے۔

۳۔ پھر اس حکم کی مخالفت کرنے والوں کو سخت و شدید وعید سنائی گئی کہ اگر تم نے سود کو نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ سُن لو۔ یہ وعید ایسی شدید ہے کہ کفر کے سوا کسی بڑے سے بڑے جرم و گناہ پر قرآنِ مجید میں ایسی وعید کہیں نہیں آئی جس سے سودی لین دین کا سخت و شدید گناہ ہونا واضح ہے۔ پھر کس کی مجال کہ اللہ و رسول سے جنگ کا تصور بھی کر سکے۔ چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد ان اصحاب نے اپنے سودی مطالبے ترک کر دیئے اور یہ کہتے ہوئے تائب ہو گئے کہ

اللہ و رسول سے لڑائی کی ہمیں کیا تاب

۴۔ وَاِنْ تُبْتُمْ یعنی اگر سود سے توبہ کرو اور آئندہ کے لیے سود کی بقایا رقم چھوڑنے کا عزم کر لو تو قرضدار سے صرف قرض کی اصل رقم (راس المال) لینے کے حقدار ہو۔

۵۔ لَا تَظْلِمُوْنَ یعنی راس المال سے زائد لینا ظلم ہے۔ اس آیت میں راس المال قرض کی اصل رقم سے زائد رقم (سود) لینے کو ظلم قرار دے کر حرمتِ سود کی علت کی طرف اشارہ فرما دیا کہ قرض دے کر اس پر نفع لینا ظلم ہے

۶۔ وَلَا تُظْلَمُوْنَ۔ اسی طرح قرض دار کا قرض کی ادائیگی میں دیر کرنا یا کمی کرنا بھی ظلم ہے۔ لوگ قرض لے کر وعدہ پر نہیں دیتے۔ ٹال مٹول حیلے بہانے بناتے رہتے ہیں۔ قرآن نے قرض لینے والوں کی اس روش کو بھی ظلم قرار دیا ہے۔

۷۔ اگر قرض دار تنگدست یا نادار ہے تو اسے مہلت دینا یا قرض کا کچھ حصہ یا تمام قرض معاف کر دینا سببِ اجرِ عظیم ہے۔ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے تنگدست کو مہلت دی یا اس کا قرض معاف کر دیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنا سایۂ رحمت عطا فرمائے گا۔ جس روز اس کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔

۸۔ وَاتَّقُوْا الخ اس دن سے ڈرنا چاہیئے جس دن اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا پڑے گا۔ نہ نیکیاں گھٹائی جائینگی

اور نہ بدیاں بڑھائی جائیں گی۔ آخرت میں حق و انصاف سے کام لیا جائیگا۔ کسی پر ظلم و زیادتی نہیں ہوگی۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ هٰذِهٖۤ اٰخِرُ اٰيَةٍ نُزِلَتْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری)

حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ آخری آیت ہے جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔

اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اکیس روز دنیا میں جلوہ افروز رہے اور ایک قول میں نو شب اور ایک میں سات ——— شعبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ سب سے آخر آیت ربوا نازل ہوئی۔ واللہ اعلم

عَنْ عَوْنِ بْنِ اَبِيْ جُحَيْفَةَ قَالَ رَاَيْتُ اَبِيْ اشْتَرٰى عَبْدًا حَجَّامًا فَسَاَلْتُهٗ فَقَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَثَمَنِ الدَّمِ وَنَهٰى عَنِ الْوَاشِمَةِ وَالْمَوْشُوْمَةِ وَاٰكِلِ الرِّبَا وَمُوْكِلِهٖ وَلَعَنَ الْمُصَوِّرَ

حضرت عون بن ابی جُحَیفہ کہتے ہیں۔ میں نے اپنے والد کو پچھنا لگانے والا غلام خریدتے دیکھا۔ یہ دیکھ کر میں نے ان سے اس کے متعلق پوچھا (کیونکہ انھوں نے غلام کے پاس جو پچھنا لگانے کا سامان تھا اسے تڑوا دیا تھا) تو انھوں نے جواب دیا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت پچھنا لگانے کی اُجرت لینے سے منع فرمایا۔ آپ نے گودنے اور گدوانے والی سود لینے اور سود دینے والی کو (سود لینے یا دینے سے) منع فرمایا اور جاندار کی تصویر بنانے والے پر لعنت فرمائی۔

فوائد و مسائل عنوان سے مناسب اس حدیث کے الفاظ اٰکلہ و موکلہ ہیں۔ محجم اس آلہ کو کہتے ہیں جس سے فصد کی جاتی ہے۔ وشم کے معنی جسم کے کسی حصہ کو سوئی سے گود کر اس میں نیل یا سُرمہ بھرتے ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں اور فی زمانہ ہندو سکھ عیسائی، قبائل ہند کے بعض گروہ کے مرد اور خصوصاً مستورات کے اعضاء پر اس عمل کا رواج ہے۔ یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔

۱۔ ایسا غلام جو فصد لگانے کا کام کرتا ہو کو خریدنا جائز ہے ۲۔ کتے کی خرید و فروخت کے متعلق ائمہ میں اختلاف ہے۔ حضرت حسن، ربیعہ حماد بن سلیمان، اوزاعی داؤد امام احمد و امام شافعی کتے کی خرید و فروخت کو ممنوع اور اس کی قیمت کو حرام قرار دیتے ہیں اور حضرت عطاء بن ابی رباح، ابراہیم نخعی امام اعظم ابوحنیفہ، ابو یوسف و محمد و ابن کنانہ کا مسلک یہ ہے کہ وہ کتا جس سے نفع اٹھایا جائے جیسے شکاری کتا یا جس سے رکھوالی کا کام لیا جائے کی خرید و فروخت جائز ہے اور اس کی قیمت حلال و مباح ہے۔ احناف کے نزدیک سوا خنزیر کے تمام جانوروں مثلاً شیر، چیتا، بھیڑیا، ریچھ، گوہ، بلی وغیرہ کی خرید و فروخت جائز ہے (عینی بدائع) علامہ عینی حنفی علیہ الرحمہ نے یہ تصریح کی ہے کہ ثم عندنا لا فرق بین المعلم وغیرہ۔ وفی روایۃ الاصیلی فیجوز بیعہ کیف ما کان۔ البتہ امام اعظم کے نزدیک کلب عقور کی بیع جائز نہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کا موقف یہ ہے۔ حدیث ہذا میں کتے کی قیمت کی جو ممانعت آئی ہے یا تو یہ مکروہ تنزیہی ہے (اور مکروہ تنزیہہ جائز ہوتا ہے) یا یہ ممانعت اس وقت تک کے لیے تھی جب کتا پالنا مطلقاً

ممنوع تھا۔ لیکن جب شکار و حفاظت کے لیے کتا رکھنے کی اجازت دی گئی تو یہ ممانعت بھی منسوخ ہو گئی صلہ

۳۔ثمن الدم سے مراد حجام کی اُجرت ہے۔ پچھنے کی اُجرت کی جو ممانعت اس حدیث میں ہے۔ اس سے کراہت تنزیہی مراد ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے خود پچھنے لگوائے اور حجام کو اس کی اُجرت عطا فرمائی تھی۔ تو اگر یہ حرام ہوتی تو حضور حجام کو اس کی اُجرت عطا نہ فرماتے۔

۴۔ واشمہ گودنے اور گدوانے کی بھی حضور نے ممانعت فرمائی۔

۵۔ سود کھانے اور کھلانے والے (لینے اور دینے) کی ممانعت فرمائی اور ان پر حضور نے لعنت فرمائی ہے۔

۶۔ جاندار کی تصویر بنانے والے پر لعنت فرمائی۔ اگرچہ ظاہر حدیث میں عموم ہے مگر مراد اس سے جاندار کی تصویر ہے۔ علامہ عینی علیہ الرحمہ نے تصریح کی ہے کہ جاندار کی تصویر بنانا بالاجماع حرام ہے اور اس کے فاعل پر لعنت آئی ہے نیز حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ قیامت کے دن مصوروں سے کہا جائیگا کہ جو تصویر تم نے بنائی ہے اس میں جان ڈالو (اور وہ ایسا نہ کر سکیں گے)

عن ابن عمر قال احتجم رسول الله صلی الله علیه وسلم وهو محرم صائم واعطی الحجام اجره (ابن عدی فی الکامل) عینی ج ۵ ص ۹۶

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے بحالت احرام و روزہ پچھنے لگوائے اور حجام کو اس کی اُجرت عطا فرمائی۔

بَابُ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ

اور ہلاک کر دیتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو اور اللہ کو پسند نہیں آتا کوئی ناشکرا بڑا گنہگار

صدقہ اور سود کی حقیقت میں بھی تضاد ہے اور غرض و غایت اور نتیجہ بھی مختلف ہے۔ سود خوار اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بے پرواہ ہو کر اپنے مال پر ناجائز زیادتی کا طالب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو برکت سے محروم کر دیتا ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ سود خوار سے اللہ تعالیٰ نہ صدقہ قبول کرے گا نہ حج نہ جہاد نہ صلہ۔

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ الرِّبَا وَاِنْ كَثُرَ فَاِنَّ عَاقِبَتَهٗ تَصِيْرُ اِلٰى قُلٍّ

سود اگرچہ کتنا ہی زیادہ ہو جائے مگر انجام کار اس کا نتیجہ قلت ہے۔ (مسند احمد و ابن ماجہ)

۲۔ جو شخص رضائے الٰہی کے لیے صدقہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے مال یا اس کے ثمرات و فوائد بڑھا دیتا ہے دُنیا

صلہ واجاب الطحاوی عن النهی فی هذا الحدیث وغیره انه کان حین حکم الکلاب ان تقتل وکان لا یحل امساکها وقد وردت فیه احادیث کثیرة فما کان علی هذا الحکم فثمنه حرام ثم لما ابیح الانتفاع بالکلاب للاصطیاد ونحوه ونهی عن قتلها نسخ ما کان من النهی عن بیعها وتناول ثمنها (طحاوی) عینی ج ۱۱ ص ۲۰۲

آخرت میں اس کا اجر عطا فرماتا ہے۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو ایک کھجور راہِ خدا میں صدقہ کرتا ہے۔

ثُمَّ یربیھا لِصَاحبہ کما یربی احد کم فلوہ حتیٰ مثل الجبل (عینی) ج ۱۱ ص ۲۰۶

تو اللہ تعالیٰ صدقہ دینے والے کے لیے اس کو بڑھاتا ہے جیسے کوئی اپنے بچھڑے کو پالتا پوستا ہے پھر وہ صدقہ پہاڑ کی مانند ہو جاتا ہے۔

یہ مثال سمجھانے کیلئے ہے بتانا یہ مقصود ہے کہ اگر کھجور بھی خلوصِ قلب اور محض رضائے الٰہی کے لیے راہِ خدا میں دی جائے تو رب تعالیٰ اس کو قبول فرماتا ہے اور اس میں برکت عطا فرماتا ہے۔ دنیا و آخرت میں اس کا اجر و ثواب عطا فرماتا ہے۔

۳۔ صدقہ کرنے والا محض رضاء الٰہی کے لیے اپنا مال بغیر کسی معاوضہ کے دوسرے کو دیتا ہے اس لیے صدقہ و خیرات کرنے والوں کا مال آخرت میں ان کے لیے ابدی نعمتوں اور راحتوں کا ذریعہ بنے گا۔ یربی الصدقات کا یہی مطلب ہے

۴۔ واللہ لا یحب کل کفار اثیم ان جملوں پر آیت کو ختم کرنے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ سودی لین دین کرنے والا اللہ کی طرف سے حلال روزی پر راضی نہیں ہوتا۔ کسبِ مباح کو اختیار نہیں کرتا اور باطل طریقہ سے مال و دولت حاصل کرتا ہے تو ایسا شخص کفور بھی اثیم بھی۔ ناشکرا اور گنہگار ہے مطلب آیت یہ ہے جو لوگ سود کو حرام سمجھنے کے باوجود عملاً اس میں مبتلا ہیں۔ وہ گناہِ کبیرہ کے مرتکب ہیں اور جو سود کو حرام ہی نہ سمجھیں وہ کفر میں مبتلا ہیں —— اور اللہ تعالیٰ گناہ کا کام کرنے والے اور کفر کرنے والے کو پسند نہیں فرماتا۔

اَنَّ اَبَا هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَلْحَلْفُ مُنَفِّقَةٌ لِلسِّلْعَةِ مُمْحِقَةٌ لِلْبَرَكَةِ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ قسم سے سامان جلدی بک جاتا ہے مگر برکت جاتی رہتی ہے۔

فوائد و مسائل

یہ حدیث گویا باب کی تفسیر ہے۔ کیونکہ ربا زیادتی کو کہتے ہیں اور محق نقصان کو تو یہ دونوں جمع کیسے ہو سکتے ہیں؟ تو حدیث نے وضاحت کر دی کہ جھوٹی قسم کھانے والا اگرچہ سودے کو بیچ کر مال میں زیادتی کر لیتا ہے لیکن ایسے مال کی برکت جاتی رہتی ہے۔

۲۔ اَلْحَلِفُ حَا کے زبر اور لام کے زیر کے ساتھ۔ اس سے یمینِ کاذب جھوٹی قسم مراد ہے۔ مَنْفَقَة مفعلہ کے وزن پر۔ اسی طرح مَمْحَقَة اسم مکان ہے۔ مبالغہ کے لیے دراصل یہ مصدر میمی ہے۔ جو کہ مبالغہ کے لیے آتا ہے۔

سوال۔ الحلف مبتدا ہے۔ منفقہ اس کی خبر ہے۔ مبتدا و خبر میں تذکیر و تانیث میں مطابقت ضروری ہے۔ جواب یہ ہے منفقہ و ممحقہ میں تا۔ تانیث کی نہیں بلکہ مبالغہ کے لیے ہے اور ممحقہ خبر بعد خبر ہے۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ جھوٹی قسم کھا کر خرید و فروخت کرنا گناہ ہے۔ منع ہے اور جھوٹی قسم کے ذریعہ جو

مال و دولت حاصل کیا جائے وہ بے برکت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس برے فعل سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ الْحَلِفِ فِي الْبَيْعِ

باب خرید و فروخت میں قسم کھانا مکروہ ہے

یعنی بیع و شرا میں قسم کھانا خواہ سچی ہو یا جھوٹی بہرحال مکروہ ہے۔ پھر اگر قسم سچی ہے تو کراہت تنزیہی ہے اور اگر جھوٹی ہے تو کراہتِ تحریمی ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ اَوْفٰى اَنَّ رَجُلًا اَقَامَ سِلْعَةً وَّهُوَ فِي السُّوْقِ فَحَلَفَ بِاللّٰهِ لَقَدْ اُعْطِيَ بِهَا مَا لَمْ يُعْطَ لِيُوْقِعَ فِيْهَا رَجُلًا مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَنَزَلَتْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

حضرت عبد اللہ ابی اوفیٰ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنا سامان بازار میں لگایا اور لگا اللہ کی قسم کھانے۔ مجھے اس کی اتنی قیمت مل رہی تھی اور میں نے نہیں دی۔ وہ چاہتا تھا کہ ایک مسلمان کو دھوکہ دے۔ اس وقت سورہ آلِ عمران کی یہ آیت نازل ہوئی ـــــ وہ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے ذلیل دام لیتے ہیں۔ آخرت میں ان کا کچھ حصہ نہیں اور اللہ نہ ان سے بات کرے نہ ان کی طرف نظر فرمائے قیامت کے دن اور نہ انھیں پاک کرے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

فوائد و مسائل حضرت ابی اوفیٰ کا نام علقمہ اسلمی ہے۔ یہ وہ ہیں جو کوفہ میں صحابہ کرام میں سب سے آخر میں فوت ہوئے۔ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ نے جن صحابہ کرام کو دیکھا ان میں سے آپ بھی ہیں ـــــ یہ آیت یہود کے احبار اور ان کے رؤسا ابو رافع و کنانہ بن ابی الحقیق و کعب بن اشرف و حیّ بن اخطب و ابن صوریا کے حق میں نازل ہوئی۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا وہ عہد چھپایا تھا۔ جو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ان سے توریت میں لیا گیا۔ انھوں نے اس کو بدل دیا اور اس کی جگہ اپنے ہاتھوں سے کچھ کا کچھ لکھ دیا اور جھوٹی قسم کھائی کہ یہی اللہ کی طرف سے ہے اور یہ سب کچھ انہوں نے اپنی جماعت کے جاہلوں سے رشوتیں اور زر حاصل کرنے کے لیے کیا۔

حضور سید عالم نورِ مجسم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تین لوگ ایسے ہیں کہ روزِ قیامت اللہ تعالیٰ نہ ان سے کلام فرمائے اور نہ ان کی طرف نظرِ رحمت کرے نہ انھیں گناہوں سے پاک کرے اور انھیں دردناک عذاب ہے۔ اس کے بعد حضور نے آیتِ بالا کو تین مرتبہ پڑھا۔ حضرت ابوذر (جو اس حدیث کے راوی ہیں) نے کہا۔ وہ لوگ ٹوٹے اور نقصان میں رہے۔ یارسول اللہ وہ کون لوگ ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ تہمند کو (از راہِ تکبر) ٹخنوں سے نیچا لٹکانے والا۔ اور اپنے تجارتی مال کو جھوٹی قسم سے رواج دینے والا (مسلم)

حضرت ابو امامہ کی حدیث میں ہے کہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو کسی مسلمان کا حق مارنے کے لیے قسم

کھائے اور اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کرتا ہے اور دوزخ لازم کرتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا۔ یارسول اللہ اگرچہ تھوڑی ہی چیز ہو۔ حضور نے فرمایا۔ اگرچہ ببول کی شاخ ہی کیوں نہ ہو۔ نیز حضور نے فرمایا۔

مَنْ اقتطع مال امرئ مسلم بغیر حق لقی اللہ وھو غضبان ۔ احمد

جس نے کسی مسلمان کا ناحق مال لیا۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے بحالتِ ناراضگی اس کی ملاقات ہوگی۔

ثلاثۃ یشنا ھم اللہ التاجر الحلاف والفقیر المختال والبخیل المنان (مسلم و احمد)

بَابُ مَاقِیْلَ فِی الصَّوَّاغِ

باب سنار کے پیشہ کے متعلق

صَوَّاغ صاد کے زبر کے ساتھ فعال کے وزن پر تشدید کے ساتھ ۔ صواغ صائغ کی جمع ہے اس کے معنیٰ سنار کے ہیں ۔ اس عنوان اور اس کے بعد کے عنوانات سے امام بخاری علیہ الرحمہ نے یہ واضح کیا ہے ۔ لوہار سنار وغیرہ حضور کے زمانہ میں بھی تھے اور حضور نے ان کی ممانعت نہ فرمائی ۔ جس سے ان صنعتوں کا جائز و مباح ہونا ثابت ہوا اور جن صنعتوں کا احادیث میں ذکر نہیں ہے اور جن کی ممانعت پر کوئی دلیلِ شرعی نہیں ہے ان کو انہی پر قیاس کرتے ہوئے جواز کا قول کیا جائے گا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَایُخْتَلٰی خَلَاھَا وَ قَالَ الْعَبَّاسُ اِلَّا الْاِذْخِرَ فَاِنَّہٗ لِقَیْنِھِمْ وَبُیُوْتِھِمْ اِلَّا الْاِذْخِرَ

حضرت ابن عباس سے مروی ہے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ کی گھاس نہ کاٹی جائے۔ حضرت عباس نے عرض کیا مگر اذخر (یعنی حضور اس کی اجازت عطا فرمائی جائے) کیونکہ وہ سناروں کے اور گھروں کے کام آتی ہے۔ (حضور نے فرمایا) اذخر کی اجازت ہے۔

۱۔ یہ حدیث کتاب الحج باب لا ینفر صید الحرم میں گذر چکی ہے۔ دیکھئے فیوض الباری پارہ ہفتم صـ ۱۸،

۲۔ عنوان کے مطابق اس حدیث میں لِقَیْنِھِمْ کا لفظ ہے کیونکہ قین کے معنیٰ لوہار و سنار کے آتے ہیں۔

اَنَّ حُسَیْنَ بْنَ عَلِیٍّ اَخْبَرَہٗ اَنَّ عَلِیًّا عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ کَانَتْ لِیْ شَارِفٌ مِّنْ نَّصِیْبِیْ مِنَ الْمَغْنَمِ وَکَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَعْطَانِیْ شَارِفًا مِّنَ الْخُمُسِ فَلَمَّا اَرَدْتُّ اَنْ اَبْتَنِیَ بِفَاطِمَۃَ عَلَیْھَا السَّلَامُ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاعَدْتُّ رَجُلًا

حضرت حسین بن علی کہتے ہیں ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے فرمایا، غنیمت کے مال سے میرے حصے میں ایک اونٹ آیا تھا اور ایک دوسرا اونٹ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس سے دیا تھا۔ پھر جب میرا ارادہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کرا کے لانے کا ہوا تو میں نے بنی قینقاع

صَوَّاغًا مِّنْ بَنِیْ قَیْنُقَاعَ اَنْ یَّرْتَحِلَ مَعِیَ فَنَاتِیَ بِاِذْخِرٍ اَرَدْتُّ اَنْ اَبِیْعَہٗ مِنَ الصَّوَّاغِیْنَ وَاسْتَعِیْنُ بِہٖ وَلِیْمَۃَ عُرُسِیْ (بخاری)

کے ایک سنار سے طے کیا کہ وہ میرے ساتھ چلے اور ہم اذخر گھاس (جمع کر کے) لائیں، کیونکہ میرا ارادہ یہ تھا کہ اسے سناروں کے ہاتھوں بیچ کر، اپنی شادی کے ولیمہ میں اس کی قیمت کو لگاؤں۔

فوائد و مسائل

۱۔ شارف فاعل کے وزن پر اونٹ کے اس بچہ کو کہتے ہیں جس کی عمر دو سال ہو۔ اس کی جمع شرف ہے نر کے لیے شارف نہ مادہ کے لیے بولتے ہیں۔ مغنم اسم مفعول غنم سے جہادِ اسلامی میں جو مالِ غنیمت حاصل ہوتا ہے وہ بھی اسی سے ماخوذ ہے۔ حضرت علی کو جو اونٹ مالِ غنیمت میں ملا وہ بدر کی غنیمت سے تھا۔ خمس سے جو اونٹ ملا۔ وہ غزوۂ بدر سے پہلے غنیمۃ ابن جحش سے تھا۔ من بنی قینقاع یہودِ مدینہ کا وہ گروہ تھا جس نے مسلمانوں سے کیا ہوا عہد توڑ دیا تھا اور بدر و احد میں مسلمانوں سے لڑتے تھے۔ حضور نے ان کا محاصرہ فرمایا۔ حتیٰ کہ وہ مطیع ہو گئے۔ اِذخر ایک خوشبودار گھاس کپڑے دھونے اور سناروں کے کام آتی ہے اس زمانہ میں مکان کی چھتوں میں بھی استعمال کرتے اور قبروں کو پاٹنے کے لیے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ کی گھاس اکھاڑنے سے منع فرمایا تو جناب عباس نے عرض کیا۔ حضور یہ سناروں اور مکانوں کے کام آتی ہے اس کی ممانعت نہ فرمائی جائے۔ حضور نے اذخر گھاس کو کاٹنے کی اجازت عطا فرما دی جس سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے حضور کو کسی ممنوع کو مباح کر دینے کا بھی اختیار عطا فرمایا ہے۔ فی ولیمۃ عرسی ولیمہ مطلق طعام کو بھی کہتے ہیں اور اس کو بھی جو شادی کے دوسرے دن کھلایا جاتا ہے۔ (ولیمہ کے مسائل گذشتہ صفحات میں گذر چکے ہیں، دیکھئے صہ) عرس خوشی کو کہتے ہیں۔ اگر اس کی نسبت زندہ کی طرف ہو تو اس سے عموماً شادی کا کھانا مراد ہوتا ہے اور اگر وفات شدہ کی طرف اس کی نسبت ہو تو اس سے وہ کھانا وغیرہ مراد ہوتا ہے جو ان کے ایصالِ ثواب کے لیے ہو۔ بزرگوں کے یومِ وفات کو بھی عرس کہتے ہیں کیونکہ قبر میں انھیں ان کے نیک اعمال کی بنا پر جنت کا مشاہدہ کرایا جاتا ہے۔ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہوتے ہیں اور انھیں کہا جاتا ہے نَمْ کَنَوْمَۃِ الْعَرُوْس۔ اب ایسے سو جا جیسے دلہن سوتی ہے۔ گویا یہ بھی ان کی خوشی کا دن ہوتا ہے کہ نکیرین ان کو عروس کہتے ہیں اور وہ قبر کے امتحان میں پاس ہو جاتے ہیں۔

عرس کی حقیقت اس قدر ہے کہ بزرگ کی تاریخِ وفات پر قرآن خوانی صدقہ خیرات کے ذریعے ان کی روح کو ایصالِ ثواب کرتے ہیں۔ شامی جلد اول باب زیارۃ القبور میں ہے۔

رَوَی ابْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَاتِیْ قُبُوْرَ الشُّہَدَاءِ بِاُحُدٍ عَلٰی رَاْسِ کُلِّ حَوْلٍ

ابن ابی شیبہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام ہر سال شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے۔

تفسیرِ کبیر و درِ منثور میں اتنے لفظ اور ہیں کہ وَالْخُلَفَاءُ الْاَرْبَعَۃُ ھٰکَذَا یَفْعَلُوْنَ اور خلفاء اربعہ بھی

ایسا ہی کرتے تھے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ مَکَّۃَ وَلَمْ تَحِلَّ لِاَحَدٍ قَبْلِیْ وَلَا لِاَحَدٍ بَعْدِیْ وَاِنَّمَا حَلَّتْ لِیْ سَاعَۃً مِّنْ نَّہَارٍ لَا یُخْتَلٰی خَلَاھَا وَلَا یُعْضَدُ شَجَرُھَا وَلَا یُنَفَّرُ صَیْدُھَا وَلَا یُلْتَقَطُ لُقْطَتُھَا اِلَّا لِمُعَرِّفٍ وَّقَالَ عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اِلَّا الْاِذْخِرَ لِصَاغَتِنَا وَلِسُقُفِ بُیُوْتِنَا فَقَالَ اِلَّا الْاِذْخِرَ فَقَالَ عِکْرِمَۃُ ھَلْ تَدْرِیْ مَا یُنَفَّرُ صَیْدُھَا ھُوَ اَنْ تُنَحِّیَہٗ مِنَ الظِّلِّ وَتَنْزِلَ مَکَانَہٗ قَالَ عَبْدُ الْوَھَّابِ عَنْ خَالِدٍ لِصَاغَتِنَا وَقُبُوْرِنَا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے مکہ کو حرمت والا شہر قرار دیا، یہ نہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال ہوا تھا اور نہ میرے بعد کسی کے لیے حلال ہوگا۔ میرے لیے بھی ایک دن چند لمحے کے لیے حلال ہوا تھا۔ اس کی گھاس نہ کاٹی جائے اس کے درخت نہ کاٹے جائیں۔ اس کے شکار کو نہ چھیڑا جائے اور اس میں گری ہوئی چیز نہ اٹھائی جائے صرف معرّف (گمشدہ چیز کو اصل مالک تک اعلان کے ذریعہ پہنچانے والا) کو اس کی اجازت ہے۔ عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ (یا رسول اللہ گھاس سے) اذخر کا استثنا کر دیجئے کہ یہ ہمارے سناروں اور ہمارے گھر کی چھتوں کے کام آتی ہے تو آپ نے اذخر کا استثنا کر دیا۔ عکرمہ نے فرمایا۔ یہ بھی معلوم ہے کہ حرم کو چھیڑنے کا مطلب کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جانور سایہ میں بیٹھا ہو اور تم اسے ہٹا کر خود وہاں بیٹھ جاؤ۔ عبد الوہاب نے خالد کے واسطہ سے اپنی روایت میں یہ الفاظ بیان کئے کہ (اذخر) ہمارے سناروں اور ہماری قبروں کے کام کی چیز ہے۔

اس حدیث کی شرح سابقہ اوراق اور فیوض الباری جلد ہفتم صہ ۸۲/۸۱ گذر چکی ہے۔ عنوان کے مطابق حدیث میں لِصَاغَتِنَا کا لفظ ہے۔

بَابُ ذِکْرِ الْقَیْنِ وَالْحَدَّادِ

باب کاریگر اور لوہار کے متعلق

قَیْن کے اصل معنیٰ لوہار کے ہیں۔ پھر ہر قسم کے کاریگر کو قَین کہنے لگے۔

ا۔ امام بخاری نے قین کے ساتھ حداد کا ذکر کر کے یہ بتایا ہے کہ اس سے مراد حداد لوہار ہے۔ کیونکہ قین کا لفظ متعدد معنوں میں استعمال ہوتا ہے غلام، لونڈی، گانے والی لونڈی کو بھی علی الترتیب قین و قینہ کہتے ہیں۔ قرآن مجید کی اس آیت (انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ) اور حدیث لیلنی منکم ذوو الاحلام والنہی میں عطف الشیئ علی مرادفہ ہے۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے بھی عنوان میں یہی طریقہ اختیار فرمایا ہے

(۲) حدیث زیرِ عنوان میں قین کا ذکر ہے۔ جس سے واضح ہوا کہ لوہار کا پیشہ جائز و مباح ہے۔ اگر ناجائز ہوتا تو حضور منع فرما دیتے۔

عَنْ خَبَّابٍ قَالَ كُنْتُ قَيْنًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَ لِي عَلَى الْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ دَيْنٌ فَأَتَيْتُهُ أَتَقَاضَاهُ قَالَ لَا أُعْطِيكَ حَتَّى تَكْفُرَ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ لَا أَكْفُرُ حَتَّى يُمِيتَكَ اللهُ ثُمَّ تُبْعَثَ قَالَ دَعْنِي حَتَّى أَمُوتَ وَأُبْعَثَ فَسَأُوتَى مَالًا وَّوَلَدًا فَأَقْضِيكَ فَنَزَلَتْ أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں دورِ جاہلیت میں لوہار کا کام کرتا تھا۔ عاص بن وائل پر میرا قرض تھا۔ ایک دن تقاضا کرنے گیا تو اس نے کہا۔ جب تک تم حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم (کی نبوت) کا انکار نہیں کرو گے تمہارا قرض نہیں دوں گا۔ میں نے جواب دیا۔ میں اس وقت تک حضور کا انکار نہیں کروں گا جب تک اللہ تعالیٰ تیری جان نہ لے لے اور پھر تو دوبارہ اٹھایا جائے۔ عاص نے جواب دیا تو پھر مجھے مہلت دو کہ میں مرجاؤں، دوبارہ اٹھایا جاؤں اور مجھے مال و اولاد ملے۔

اس پر سورہ مریم کی یہ آیت نازل ہوئی۔ تو کیا تم نے اسے دیکھا جو ہماری آیتوں سے مُنکر ہوا اور کہتا ہے مجھے ضرور مال و اولاد ملیں گے۔ کیا غیب کو جھانک آیا ہے یا رحمٰن کے پاس کوئی قرار رکھا ہے۔ ہرگز نہیں ہم لکھ رکھیں گے جو وہ کہتا ہے اور اسے خوب لمبا عذاب دیں گے اور جو چیزیں کہہ رہا ہے ان کے ہمیں وارث ہوں گے اور ہمارے پاس اکیلا آئے گا۔

آیت کا شانِ نزول تو یہی ہے جو حدیثِ بالا میں ذکر ہوا ہے۔ ان آیات میں عاصی بن وائل کے دعویٰ کی تردید کی گئی اور یہ بتایا گیا جو وہ دعویٰ کرتا غلط ہے۔ وہ تو عذابِ شدید کا مستحق ہے۔ قیامت کے دن بے یار و مددگار اکیلا ہی اٹھے گا۔

فوائد و مسائل

(۱) اس حدیث کو امام بخاری نے تفسیر، مظالم، اجارہ میں بھی ذکر کیا ہے۔ ترمذی و نسائی نے تفسیر میں اور مسلم نے ذکر المنافقین میں ذکر کیا ہے۔ ۲۔ عنوان سے مناسب کنت قینا فی الجاھلیه کے الفاظ ہیں۔ حضرت خباب زمانہ نبوی میں بھی لوہار کا کام کرتے تھے۔ جس سے واضح ہوا کہ لوہار کا پیشہ اختیار کرنا جائز ہے ۳۔ عاص بن وائل، عقبہ بن ابی معیط، ولید بن مغیرہ، ابی بن خلف، زمانۂ جاہلیت کے زنادقہ میں سے تھے۔

مقاتل کہتے ہیں کہ حضرت خباب نے عاص بن وائل کو زیور بنا کر دیا اور اُجرت مانگی تو کہنے لگا۔ تم مسلمان اس بات کے قائل ہو کہ جنت میں چاندی، سونا، ریشم، حور و غلمان ملیں گے تو اُجرت بھی جنت میں لے لینا۔ یہ بات عاص بن وائل نے مسلمانوں کے عقیدہ کا مذاق اُڑاتے ہوئے کہی تھی۔ کیونکہ وہ حشر و نشر کا قائل نہ تھا ـــــ حضرت خباب

جو یہ کہا کہ میں اس وقت تک حضور کا انکار نہیں کرونگا جب تک اللہ تعالیٰ تمہاری جان نہ لے لے اور تم دوبارہ اٹھائے جاؤ تو یہ بات حضرت خباب نے عاص بن وائل کے عقیدہ کے مطابق کہی تھی کیونکہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے (البعث) کا قائل نہ تھا۔ لہٰذا حضرت خباب کے مذکورہ بالا جملوں کا مطلب یہ ہوا کہ میں کبھی بھی حضور کا انکار نہیں کر سکتا۔ علامہ ابوالفرج علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ لما کان اعتقاد ھذا المخاطب انه لا یبعث فاطبه علی اعتقاده فکانه قال لا اکفر ابدا (عینی ج ۱۱ ص ۲۰۹)

بَابُ ذِکْرِ الْخَیَّاطِ

باب درزی کے متعلق

مقصود عنوان یہ ہے کہ درزی کا کام کرنا جائز ہے۔ حدیث میں درزی کا ذکر ہے۔ یہ ہی عنوان سے مطابقت ہے۔

اِنَّهٗ سَمِعَ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَّقُوْلُ اِنَّ خَيَّاطًا دَعَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِطَعَامٍ صَنَعَهٗ قَالَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ فَذَهَبْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى ذٰلِكَ الطَّعَامِ فَقَرَّبَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُبْزًا وَّمَرَقًا فِيْهِ دُبَّاءٌ وَّقَدِيْدٌ فَرَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَتَبَّعُ الدُّبَّاءَ مِنْ حَوَالِي الْقَصْعَةِ قَالَ فَلَمْ اَزَلْ اُحِبُّ الدُّبَّاءَ مِنْ يَّوْمِئِذٍ

اسحٰق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک سے سُنا۔ وہ کہتے تھے۔ ایک درزی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کھانا تیار کیا اور آپ کو بلایا۔ انس نے کہا۔ میں بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گیا۔ اس نے آپ کے سامنے روٹی رکھی اور کدو کا شوربا اور بھُنا ہوا گوشت۔ میں نے دیکھا۔ آپ پیالے کے کناروں سے کدو کے قتلے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر کھاتے تھے۔ اس دن سے میں برابر کدو کو پسند کرتا ہوں۔

فوائد و مسائل ۱۔ اس حدیث کو امام بخاری و مسلم نے اطعمہ میں۔ ترمذی نے ولیمہ و شمائل میں اور نسائی نے ولیمہ میں ذکر کیا ہے ۲۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دعوت قبول کرنا سنت ہے۔ بعض نے وجوب اور بعض نے مستحب کا قول کیا ہے ۳۔ حضور بہت متواضع اور کریم تھے۔ آپ نے درزی کی دعوت قبول فرمائی ۴۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ کی فضیلت یہ ہے کہ وہ حضور سے والہانہ عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ ان کی حضور سے محبت کا یہ عالم تھا کہ جو چیز حضور نے پسند فرمائی وہ ان کی محبوب بن گئی۔ غالباً حضرت انس ہی کے متعلق ہے کہ ان کے صاحبزادے کی زبان سے یہ بات نکل گئی کہ مجھے کدو پسند نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا تو پھر مجھے تو پسند نہیں ہے۔ کدو تو میرے مقدس رسول کو پسند تھا ۳۔ اصحاب حنفیہ نے تصریح کی ہے۔

و ذکروا اصحابنا ان من قال ان النبی صلی الله علیه وسلم یحب القرع فقال آخر لا احب القرع یخشی علیه عن الکفر (عینی ج ۱۱ ص ۲۱۹)

اگر کسی نے کہا کہ حضور کدو پسند فرماتے تھے۔ جواباً اس نے یہ کہہ دیا کہ مجھے کدو پسند نہیں تو اس پر خوف کفر ہے۔

معلوم ہوا کہ ایمان کی نشانی یہ ہے کہ ہر اس چیز سے محبت وعقیدت رکھے جس کو حضور سے نسبت ہو۔ خواہ انسان ہو یا حیوان، جمادات ہوں یا نباتات۔ خود حضور سرورِ عالم علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے محبت رکھنے کے متعلق جو الفاظ ارشاد فرمائے وہ یہ ہیں۔

فَمَن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فبِبُغْضِی ابغضھم (ترمذی)

جس نے صحابہ سے محبت کی تو میری محبت کی وجہ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے بغض رکھا۔

گویا اسلام میں کسی سے عقیدت ومحبت کا معیار حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذاتِ اقدس ہے۔ اگر کسی سے محبت ہے تو حضور کی وجہ سے اور اگر بغض ہے تو حضور کی وجہ سے۔ آج "بلالِ حبشی" کو حضرتِ بلال رضی اللہ تعالےٰ عنہ کہتے اور مانتے ہیں اور "ابوجہل" کا نام لینا گوارا نہیں کرتے کیوں ؎

اقبالؔ کس کے عشق کا یہ فیض عام ہے
رومی فنا ہوا حبشی کو دوام ہے

بَابُ ذِکْرِ النَّسَّاج

باب جولاہے کے متعلق

عَنْ اَبِی حَازِمٍ قَالَ سَمِعْتُ سَھْلَ بْنَ سَعْدٍ قَالَ جَاءَتِ امْرَاَۃٌ بِبُرْدَۃٍ قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا الْبُرْدَۃُ فَقِیْلَ لَہٗ نَعَمْ ھِیَ الشَّمْلَۃُ مَنْسُوْجٌ فِیْ حَاشِیَتِھَا قَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ نَسَجْتُ ھٰذِہٖ بِیَدِیْ اَکْسُوْکَھَا فَاَخَذَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُحْتَاجًا اِلَیْھَا فَخَرَجَ اِلَیْنَا وَاِنَّھَا اِزَارٌ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اُکْسُنِیْھَا فَقَالَ نَعَمْ فَجَلَسَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْمَجْلِسِ ثُمَّ رَجَعَ فَطَوَاھَا ثُمَّ اَرْسَلَ بِھَآ اِلَیْہِ فَقَالَ لَہُ الْقَوْمُ مَا اَحْسَنْتَ سَاَلْتَھَا اِیَّاہُ لَقَدْ عَلِمْتَ اَنَّہٗ لَا یَرُدُّ سَآئِلًا فَقَالَ الرَّجُلُ وَاللّٰہِ مَا سَاَلْتُہٗ اِلَّا لِتَکُوْنَ کَفَنِیْ یَوْمَ اَمُوْتُ قَالَ سَھْلٌ فَکَانَتْ کَفَنَہٗ (بخاری)

حضرت ابوحازم نے کہا کہ میں نے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے سُنا۔ انھوں نے فرمایا کہ ایک عورت "بردہ" لے کر آئی۔ سہل رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ تمہیں معلوم ہے کہ بردہ کسے کہتے ہیں۔ کہا گیا کہ جی ہاں۔ چادر کو کہتے ہیں جس کے حاشیے بٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ تو اس عورت نے کہا یارسول اللہ! میں نے یہ چادر خود اپنے ہاتھ سے بُنی ہے آپ کو پہنانے کے لئے۔ آنحضور نے اسے لے لیا جیسے آپ کو اس کی ضرورت رہی ہو۔ پھر آپ باہر تشریف لائے تو آپ اس چادر کو ازار کے طور پر پہنے ہوئے تھے۔ حاضرین میں سے ایک صاحب بولے۔ یارسول اللہ! یہ مجھے دیدیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ لے لینا۔ اس کے بعد آنحضور مجلس میں تھوڑی دیر تک بیٹھے اور واپس تشریف لے گئے۔ پھر ازار کو طے کرکے ان کے پاس بھجوا دیا۔ حاضرین نے کہا کہ تم نے آنحضور سے یہ ازار مانگ کر اچھا نہیں کیا۔ کیونکہ تمہیں پہلے سے معلوم ہے کہ آنحضور کسی سائل کے سوال کو رَد نہیں کرتے

اس پر ان صحابی نے کہا کہ میں نے تو صرف یہ چادر اس لئے مانگی تھی کہ جب میں مروں تو یہ میرا کفن بنے۔ سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ چادر ان کا کفن ہی بنی۔

فوائد و مسائل عنوان کے مطابق حدیث کے منسوج - اتی نسجتھا کے کلمے ہیں۔ یہ حدیث کتاب فیوض پارہ پنجم ص۹۰ پر مع تفہیم و ترجمانی کے گذر چکی ہے۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ کپڑا بُننے کا کام کرنا جائز ہے۔ حضور علیہ السلام صاحبِ خلقِ عظیم ہیں، سخی وجواد ہیں۔ آپ نے سائل کو کبھی نفی میں جواب نہیں دیا۔ آثارِ صالحین سے تبرک حاصل کرنا جائز و مباح ہے۔ صحابی نے چادر اپنے کفن کے لیے مانگی تھی اور وہ چادر ان کا کفن ہی بنی۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کا یہ عقیدہ تھا کہ حضور کی چادرِ مبارک بھی متبرک اور باعثِ خیر و برکت ہے (۲) مرنے سے پہلے کفن وغیرہ تیار رکھنا جائز ہے۔ کیونکہ حضور نے جن کو چادر عطا فرمائی۔ یہ نہیں فرمایا کہ ابھی سے کفن کی کیا ضرورت؟ لہٰذا جو لوگ کسی بزرگ کی استعمال شدہ چادر یا آبِ زمزم میں تر کیا ہوا کپڑا پہلے سے اپنے کفن کے لئے رکھ لیتے ہیں جائز ہے۔

بابُ النَّجَّارِ

باب بڑھئی کے متعلق

عَنْ اَبِیْ حَازِمٍ قَالَ اَتٰی رِجَالٌ اِلٰی سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ يَسْاَلُوْنَهٗ عَنِ الْمِنْبَرِ فَقَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰی فُلَانَةَ امْرَاَةٍ قَدْ سَمَّاهَا سَهْلٌ اَنْ مُرِیْ غُلَامَكِ النَّجَّارَ يَعْمَلُ لِیْ اَعْوَادًا اَجْلِسُ عَلَيْهِنَّ اِذَا كَلَّمْتُ النَّاسَ فَاَمَرَتْهُ يَعْمَلُهَا مِنْ طَرْفَاءِ الْغَابَةِ ثُمَّ جَاءَ بِهَا فَاَرْسَلَتْ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَا فَاَمَرَ بِهَا فَوُضِعَتْ فَجَلَسَ عَلَيْهِ

ابو حازم نے یہاں کہا کہ کچھ لوگ سہل بن سعد کے پاس منبر کے متعلق پوچھنے آئے تو انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فلاں خاتون کے یہاں جن کا نام سہل نے لیا تھا ایک شخص کے ذریعے یہ پیغام بھیجا کہ وہ اپنے بڑھئی غلام سے کہیں کہ میرے لیے کچھ لکڑیوں کو جوڑ کر منبر تیار کر دے تاکہ لوگوں کو خطاب کرنے کے لئے میں اس پر جلوہ افروز ہوں چنانچہ اس خاتون نے اپنے غلام سے غابہ کے جھاؤں کی لکڑی کا منبر بنانے کو کہا۔ پھر اسے انھوں نے حضور کی خدمت میں بھیجا وہ حضور کے حکم سے رکھا گیا اور آپ اس پر جلوہ فرما ہوئے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ ایک انصاری عورت نے بحضورِ نبوی عرض کی۔ حضور اگر چاہیں تو میں اپنے غلام سے جو بڑھئی ہے۔ آپ کے لیے منبر بنوا دوں۔ جس پر آپ جلوہ فرما ہوں۔ حضور نے فرمایا۔ تمہاری مرضی۔ تو اس خاتون نے حضور کے لئے منبر بنوایا۔ جمعہ کے دن حضور اسی منبر پر جلوہ فرما ہوتے۔

فَاِنَّ لِیْ غُلَامًا نَجَّارًا قَالَ اِنْ شِئْتِ قَالَ فَعَمِلَتْ لَهُ الْمِنْبَرَ فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ قَعَدَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ الَّذِیْ

کیونکہ میرا ایک غلام بڑھئی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا تیری خوشی۔ خیر اس نے منبر تیار کیا۔ جب جمعہ کا دن ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی منبر پر جو

صُنِعَ فَصَاحَتِ النَّخْلَةُ الَّتِیْ کَانَ یَخْطُبُ عِنْدَهَا حَتّٰی کَادَتْ اَنْ تَنْشَقَّ فَنَزَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی اَخَذَهَا فَضَمَّهَا اِلَیْهِ فَجَعَلَتْ تَئِنُّ اَنِیْنَ الصَّبِیِّ الَّذِیْ یُسَکَّتُ حَتّٰی اسْتَقَرَّتْ قَالَ بَکَتْ عَلٰی مَا کَانَتْ تَسْمَعُ مِنَ الذِّکْرِ (بخاری)

تیار ہوا تھا۔ جلوہ فرما ہوئے تو ناگاہ اس کھجور کے تنے سے جس سے حضور (تکیہ) لگاکر خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ رونے کی آواز آنے لگی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پھٹ جائے گا۔ یہ دیکھ کر حضور منبر سے اُترے۔ کھجور کے تنے کو گلے سے لگایا۔ اس وقت وہ تنہ اس بچہ کی طرح سسکیاں بھرتا معلوم ہوتا تھا جسے چُپ کرانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ خاموش ہوگیا۔ حضرت جابر کہتے ہیں کہ اس کے رونے کی وجہ یہ تھی کہ اس کے قریب اللہ کا ذکر ہوتا تھا جسے وہ سُنتا تھا۔

فوائد و مسائل دونوں حدیثوں میں غلام النجار، غلام انجار کے کلمے عنوان کے مطابق ہیں جس سے یہ واضح ہوا کہ بڑھئی کا پیشہ اختیار کرنا جائز ہے۔ یہ احادیث کتاب الجمعہ باب الخطبۃ علی المنبر فیض پارہ چہارم ص ۶۴-۶۵ پر مع تفہیم و ترجمانی کے گذر چکی ہیں۔ واضح ہوا کہ جمعہ کے دن منبر پر خطبہ دینا مسنون ہے۔ یہ حضور سیدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا عظیم و جلیل معجزہ ہے کہ کھجور کے خشک تنہ میں آپ کے تکیہ لگانے کی برکت سے زندگی آگئی۔ نہ صرف یہ بلکہ اس میں حزن و ملال، وصل و فراق جیسی انسانی صفات پیدا ہوگئیں۔ فیہ فضیلۃ الذکر ومعجزۃ ظاہرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (عینی ج ۱۱ ص ۲۱۳)

(۲) غابہ مدینہ شریف سے شام کی جانب ایک جگہ ہے جہاں جھاؤ کے بڑے بڑے درخت تھے۔ اس غلام کے نام سے اختلاف ہے۔ یاقوم، قبیصہ، میمون، مینا، ابراہیم کلاب۔ بعض شارحین نے یہ تصریح کی ہے کہ منبر حضرت تمیم داری نے بنایا تھا۔

بَابُ شِرَاءِ الْحَوَائِجِ بِنَفْسِهٖ

باب امام کا خود ضرورت کی اشیاء خریدنا

قَالَ ابْنُ عُمَرَ اشْتَرَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

(۱) ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

وَسَلَّمَ جَمَلًا مِّنْ عُمَرَ وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِیْ بَكْرٍ جَآءَ مُشْرِكٌ بِغَنَمٍ فَاشْتَرَى النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُ شَاةً وَاشْتَرٰى مِنْ جَابِرٍ بَعِيْرًا عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتِ اشْتَرٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ بِنَسِيْئَةٍ وَّرَهَنَهُ دِرْعَهُ

(بخاری)

نے عمر رضی اللہ عنہ سے ایک اونٹ خریدا تھا۔ ۲۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک مشرک بکریاں (بیچنے کے لیے) لایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ایک بکری خریدی۔ ۳۔ آپ نے جابر رضی اللہ عنہ سے بھی ایک اونٹ خریدا تھا۔ ۴۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک کچھ غلہ ادھار خریدا اور اپنی زرہ اس کے پاس گروی رکھی۔

فوائد و مسائل تعلیق ۱ کو امام بخاری نے کتاب الہبہ میں ۲ کو باب شراء الابل الہیم میں ۳ کو آخر بیوع میں وصل کیا ۴ جو کہ جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی ہے کہ اوائل بیوع باب شراء النبی بالنسیئۃ میں ذکر کیا ہے۔ جس کی تفہیم و ترجمانی صہ پر گذر چکی ہے —— ان سب روایات سے یہ بتانا مقصود ہے کہ حاکم وامام اور بزرگ و معزز ترین شخصیت اپنی ضرورت کی چیزیں خود خرید سکتا ہے۔ یہ بات اس کے وقار کے خلاف نہیں ہے۔ بلکہ اپنا کام اپنے ہاتھ سے انجام دینا سنت ہے۔

بَابُ شِرَآءِ الدَّوَآبِّ وَالْحَمِيْرِ

باب گھوڑوں اور گدھوں کی خرید و فروخت

دواب جمع ہے دابہ کی۔ ہر وہ جانور جو زمین پر چلے اسے دابہ کہتے ہیں۔ پھر عرف میں ہر چار پاؤں والے حیوان کو دابہ کہنے لگے۔

اِذَا اشْتَرٰى دَابَّةً اَوْ جَمَلًا وَّهُوَ عَلَيْهِ هَلْ يَكُوْنُ ذٰلِكَ قَبْضًا قَبْلَ اَنْ يَّنْزِلَ

جب گھوڑا یا گدھا خریدا اور بیچنے والا اس پر سوار تھا تو کیا اُترنے سے پہلے خریدار کا اس پر قبضہ تصور کیا جائیگا؟

امام بخاری نے اس سوال کا جواب ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک بیع میں ایسی شرط لگانا کہ خود عقد اس کا مقتضی ہے جائز ہے اور ایسی شرط لگانا کہ اس کا مقتضی نہیں ہے، ممنوع ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعُمَرَ بِعْنِيْهِ يَعْنِیْ جَمَلًا صَعْبًا

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا۔ اسے بیچ دو۔ یعنی اس سرکش اونٹ کو۔

یہ تعلیق بھی کتاب الہبہ میں آرہی ہے۔ واضح رہے کہ زیر عنوان کسی بھی حدیث میں گدھے کی خرید و فروخت کا ذکر نہیں ہے۔ حالانکہ عنوان حمیر گدھے کی فروخت کا ہے۔ تو غالباً امام بخاری نے گدھے کو اونٹ پر اس لئے قیاس کیا کہ دونوں چوپائے ہیں اور سواری کے کام آتے ہیں۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ غَزَاةٍ فَاَبْطَاَ بِیْ

حضرت جابر ابن عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک غزوہ میں حضور علیہ السلام کے ہمراہ تھا۔ میرا

جَمَلِی وَاَعْیَا فَاَتٰی عَلَیَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ جَابِرٌ فَقُلْتُ نَعَمْ قَالَ مَا شَأْنُكَ قُلْتُ اَبْطَأَ عَلَیَّ جَمَلِی وَاَعْیَا فَتَخَلَّفْتُ فَنَزَلَ یَحْجُنُہٗ بِمِحْجَنِہٖ ثُمَّ قَالَ ارْکَبْ فَرَکِبْتُ فَلَقَدْ رَاَیْتُہٗ اَکُفُّہٗ عَنْ رَّسُوْلِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ تَزَوَّجْتَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ بِکْرًا اَمْ ثَیِّبًا قُلْتُ بَلْ ثَیِّبًا قَالَ اَفَلَا جَارِیَۃً تُلَاعِبُھَا وَتُلَاعِبُكَ قُلْتُ اِنَّ لِی اَخَوَاتٍ فَاَحْبَبْتُ اَنْ اَتَزَوَّجَ امْرَاَۃً تَجْمَعُھُنَّ وَتَمْشُطُھُنَّ وَتَقُوْمُ عَلَیْھِنَّ قَالَ اَمَّا اِنَّكَ قَادِمٌ فَاِذَا قَدِمْتَ فَالْکَیْسَ الْکَیْسَ ثُمَّ قَالَ اَتَبِیْعُ جَمَلَكَ قُلْتُ نَعَمْ فَاشْتَرَاہُ مِنِّی بِاُوْقِیَۃٍ ثُمَّ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَبْلِی وَقَدِمْتُ بِالْغَدَاۃِ فَجِئْنَا اِلَی الْمَسْجِدِ فَوَجَدْتُہٗ عَلٰی بَابِ الْمَسْجِدِ قَالَ اَلْاٰنَ قَدِمْتَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَدَعْ جَمَلَكَ فَادْخُلْ فَصَلِّ رَکْعَتَیْنِ فَدَخَلْتُ فَصَلَّیْتُ فَاَمَرَ بِلَالًا اَنْ یَّزِنَ لَہٗ اُوْقِیَۃً فَوَزَنَ لِی بِلَالٌ فَاَرْجَحَ فِی الْمِیْزَانِ فَانْطَلَقْتُ حَتّٰی وَلَّیْتُ فَقَالَ ادْعُ جَابِرًا قُلْتُ الْاٰنَ یَرُدُّ عَلَیَّ الْجَمَلَ وَلَمْ یَکُنْ شَیْءٌ اَبْغَضَ اِلَیَّ مِنْہُ قَالَ خُذْ جَمَلَكَ وَلَكَ ثَمَنُہٗ

اونٹ تھک کر سُست ہوگیا۔ حضور میرے قریب تشریف لائے۔ فرمایا کیا ہوا؟ میں نے عرض کی۔ میرا اونٹ تھک کر سُست پڑگیا۔ اس لئے میں پیچھے رہ گیا۔ پھر آپ اپنی سواری سے اُترے اور میرے اونٹ کو چھڑی سے کچو کے لگائے۔ فرمایا۔ اب سوار ہو جا۔ اب اس اونٹ کی تیز رفتاری کا یہ عالم ہوا کہ مجھے اس کو حضور کے برابر پہنچنے کے لئے روکنا پڑتا تھا۔ راستے میں آپ نے فرمایا۔ شادی کرلی کنواری سے یا بیاہتا سے۔ میں نے عرض کی۔ بیاہتا سے کی ہے۔ فرمایا کنواری سے کیوں نہ کی کہ وہ تم سے اور تم اس کے ساتھ شگفتی کے ساتھ ہنستے کھیلتے۔ میں نے عرض کیا۔ میری کئی بہنیں ہیں۔ اس لئے میں نے یہ پسند کیا کہ ایسی عورت کے ساتھ شادی کروں جو انھیں جمع رکھ سکے۔ ان کے کنگھا کرے اور ان کی نگران ہو۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا اب تم پہنچنے والے ہو۔ جب گھر پہنچو تو خوب احتیاط سے کام لینا۔ اس کے بعد فرمایا۔ اپنا اونٹ بیچو گے؟ میں نے عرض کیا جی۔ چنانچہ آپ نے ایک اوقیہ میں خرید لیا۔ حضور مجھ سے مدینہ پہلے ہی پہنچ گئے اور میں دوسرے دن صبح کو پہنچا۔ جب مسجد میں آیا تو حضور کو مسجد کے دروازہ پر پایا۔ آپ نے دریافت فرمایا۔ کیا ابھی آئے ہو؟ عرض کی۔ جی۔ فرمایا۔ اپنا اونٹ چھوڑ دو اور مسجد میں دو رکعت نفل پڑھو۔ میں مسجد کے اندر گیا۔ دو رکعت نفل پڑھی۔ پھر آپ نے بلال کو حکم دیا کہ وہ میرے لیے ایک اوقیہ چاندی تول دیں۔ انھوں نے تول دی؛ ور پلڑا (جس میں چاندی تھی) کو جھکا ہوا رکھا۔ میں اوقیہ چاندی لے کر چلا تو حضور نے فرمایا۔ جابر کو بلانا۔ میں نے سوچا۔ حضور اونٹ واپس کردیں گے حالانکہ اس سے زیادہ ناگوار میرے لئے (اس موقع پر) اور کوئی چیز نہ تھی۔ آپ نے فرمایا۔ اپنا اونٹ سنبھالو اور اس کی قیمت بھی تمہاری ہے۔

فوائد و مسائل امام بخاری علیہ الرحمۃ نے تقریباً بیس مقامات پر مختلف عنوانوں کے ماتحت اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور مسلم وابوداؤد و ترمذی و نسائی نے بھی مختلف الفاظ و سند کے ساتھ ذکر

کیا ہے۔ محجن ایسے عصا کو کہتے ہیں کہ اس کے سرے پر پھل لگا ہوتا ہے۔ جس سے گری ہوئی چیز اٹکا کر اٹھائی جا سکتی ہے۔ (۲) حضرت جابر کی اونٹنی ایسی لاغر ہوگئی تھی کہ مدینہ پہنچنا اس کا مشکل تھا۔ (عینی) ای عجز عن الذهاب الی المقصد (عینی) مسلم کی روایت میں ہے۔ حضور نے اس اونٹنی کو ٹھوکر ماری اور دعا فرمائی فسار سیرا لم یسر مثله۔ اور بخاری کی دوسری روایت میں ہے۔ فسار سیرا لیس یسیر مثله۔ طحاوی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ فسار مسیرة لم یکن یسیر مثلها۔ بہر حال یہ حضور نبی کریم رؤف الرحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا معجزہ تھا۔ حضور نے جب اس اونٹنی کے چوکا دیا یا ٹھوکر لگائی۔ تو اب اس کی رفتار کا یہ عالم ہوا کہ سب سے آگے نکلنے لگی۔ حتیٰ کہ حضور کی سواری سے بھی آگے نکلنے کی نوبت آگئی۔ لیکن حضرت جابر کا ادب واحترام دیکھئے کہ فرماتے ہیں۔ اَكُفُّهُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ میں حضور کی سواری سے آگے اس کو جانے سے روک رکھتا تھا۔ اللہ اکبر صحابہ کرام حضور کا اس درجہ احترام کرتے تھے کہ اپنی سواری کو بھی حضور کی سواری سے آگے نہ ہونے دیتے تھے اور آج کچھ بدنصیب ایسے ہیں کہ حضور سے ہمسری کا دعویٰ کر رہے ہیں۔

۳۔ ظاہر ہے کہ کنواری عورت شوخ وشنگ اور شگفتہ مزاج ہوتی ہے اور بیاہتا عورت میں بہر حال وہ شوخی نہیں رہتی۔ حضرت جابر جوان تھے۔ اس لئے حضور نے ان کو کنواری عورت سے شادی نہ کرنے کی وجہ پوچھی۔ معلوم ہوا کہ ایک کنوارے مرد کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ کنواری عورت سے شادی کرے۔ حضرت جابر کے والد جب شہید ہوئے تو انہوں نے نو لڑکیاں چھوڑی تھیں۔ جن کی تربیت کی ذمہ داری حضرت جابر پر آپڑی تھی۔ اس بنا پر حضرت جابر نے بیوہ عورت سے شادی کی تاکہ وہ نوخیز بچیوں کی تربیت ونگرانی سنجیدگی سے کرسکے۔

کَیْس کے متعدد معنیٰ ہیں۔ جماع، حفاظت، پرہیز، عقل والکیس شدة المحافظه علی الشیء۔

یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے (۴) امام وقائدِ قوم کو اپنی قوم کے حالات سے باخبر رہنا چاہیئے اور حالات کے مطابق انہیں صحیح مشورہ دینا چاہیئے۔ سفر سے واپسی پر دو رکعت نفل پڑھنا مستحب ہے اور یہ کہ بوقت ضرورت گاہک کے لئے پلڑا جھکا کر دینا مستحب ہے ——— اس حدیث میں ہے کہ حضور نے حضرت جابر سے اونٹ خریدا پھر انہیں کو ہبہ فرما دیا۔ حدیث کے الفاظ فدع جملک وانطلقت سے واضح ہے کہ حضور نے اونٹ پر قبضہ کر لیا تھا اور حدیث میں یہ تصریح بھی ہے کہ آپ نے اس کی قیمت بھی ادا فرما دی تھی۔ جس سے واضح ہوا کہ مشتری مبیع پر قبضہ کے بعد بائع کو ہبہ کر دے تو جائز ہے۔ جیسا کہ حضور نے کیا۔ لیکن قبضہ سے پہلے خریدی ہوئی چیز کو مشتری بائع کو ہبہ نہیں کر سکتا۔ البتہ غیر بائع کو منقولہ اشیاء مشتری قبضہ سے پہلے بھی ہبہ یا صدقہ یا بطور عاریۃً یا قرض دے سکتا ہے۔

باب الاسواق

اَلَّتِیْ کَانَتْ فِی الْجَاهِلِیَّةِ فَتَبَایَعَ بِهَا النَّاسُ	باب دورِ جاہلیت کے بازار جن میں اسلام کے بعد

فِی الْاِسْلَامِ

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کَانَتْ عُکَاظُ وَّ مَجَنَّۃُ وَ ذُوالْمَجَازِ اَسْوَاقًا فِی الْجَاهِلِیَّۃِ فَلَمَّا کَانَ الْاِسْلَامُ تَاَثَّمُوا مِنَ التِّجَارَۃِ فِیْهَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ فِی مَوَاسِمِ الْحَجِّ قَرَأَ ابْنُ عَبَّاسٍ کَذَا

بھی مسلمانوں نے خرید و فروخت کی۔
حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔ عکاظ اور مجنہ اور ذو المجاز یہ سب جاہلیت کے بازار تھے۔ جب اسلام کا زمانہ آیا تو مسلمانوں نے وہاں کاروبار بُرا سمجھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ تم پر کچھ گناہ نہیں الخ۔ حضرت ابن عباس کی قرأت ایسے ہی ہے۔

گذشتہ صفحات صہ پر حدیث بالا گزر چکی ہے۔ امام بخاری نے کتاب الحج باب التجارۃ ایام الموسم میں بھی ذکر کیا ہے دیکھئے۔ فیوض پارہ ششم صہ بتانا یہ مقصود ہے کہ وہ بازار جن میں جاہلیت کے زمانہ میں ہر طرح کا جائز و ناجائز کاروبار ہوتا تھا۔ وہاں جائز طریقہ سے تجارت کرنا جائز و مباح ہے۔ ان مواضع المعاصی وافعال الجاهلیہ لا یمنع من فعل الطاعة

فی مواسم الحج مجاہد اور سعید بن جبیر، عکرمہ، منصور بن معتمر، قتادہ، ابراہیم نخعی سے بھی یہ ہی قرأت منقول ہے

بَابُ شِرَاءِ الْاِبِلِ الْهِیْمِ اَوِ الْاَجْرَبِ الْهَائِمُ الْمُخَالِفُ لِلْقَصْدِ فِی کُلِّ شَیْءٍ

استسقاء کا مریض یا خارش زدہ اونٹ خریدنا "ھائم" جو صحیح راستہ سے ہمیشہ بھٹکتا پھرے

حَدَّثَنَا عَلِیٌّ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ قَالَ قَالَ عَمْرٌو وَ کَانَ هٰهُنَا رَجُلٌ اِسْمُهٗ نَوَّاسٌ وَّ کَانَتْ عِنْدَهٗ اِبِلٌ هِیْمٌ فَذَهَبَ ابْنُ عُمَرَ فَاشْتَرٰی تِلْکَ الْاِبِلَ مِنْ شَرِیْکٍ لَّهٗ فَجَاءَ اِلَیْهِ شَرِیْکُهٗ فَقَالَ بِعْنَا تِلْکَ الْاِبِلَ فَقَالَ مِمَّنْ بِعْتَهَا قَالَ مِنْ شَیْخٍ کَذَا وَکَذَا فَقَالَ وَیْحَکَ ذَاکَ وَاللّٰهِ ابْنُ عُمَرَ فَجَاءَهٗ فَقَالَ اِنَّ شَرِیْکِی بَاعَکَ اِبِلًا هِیْمًا وَّلَمْ یُعَرِّفْکَ قَالَ فَاسْتَقْهَا قَالَ فَلَمَّا ذَهَبَ یَسْتَاقُهَا فَقَالَ دَعْهَا رَضِیْنَا بِقَضَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا عَدْوٰی سَمِعَ سُفْیَانُ عَمْرًوا۔

حضرت سفیان نے بیان کیا کہ عمرو نے کہا۔ یہاں (مکہ میں) ایک شخص نواس نامی تھا۔ اس کے پاس اونٹ تھا، استسقاء کا مریض۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے شریک سے وہی اونٹ خرید لیا۔ وہ شخص آیا تو اس کے شریک نے کہا کہ ہم نے وہ اونٹ بیچ دیا۔ اس نے پوچھا کہ کسے بیچا؟ شریک نے کہا کہ ایک شیخ کے ہاتھوں جو اس طرح کے تھے۔ اس نے کہا۔ افسوس! وہ تو ابن عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے شریک نے آپ کو ایک استسقاء کا مریض اونٹ بیچ دیا ہے اور آپ سے اس مرض کی وضاحت نہیں کی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پھر اسے واپس لے جاؤ۔ جب وہ اسے لے جانے لگا تو ابن عمر نے فرمایا۔ اچھا۔ یہیں رہنے دو۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی ہیں۔ (آپ نے فرمایا تھا کہ) "لا عدوی" (یعنی امراض متعدی نہیں ہوتے یا کسی پر ظلم و زیادتی نہ ہونی چاہیئے۔ یہ سفیان نے عمرو

سے سنا تھا۔

فوائد و مسائل هِیۡم جمع ہے اھیم کی۔ مونث ھیماء ہے۔ اس جانور کو کہتے ہیں۔ جسے استسقاء کا مرض ہو۔ بعض نے ھیم کو ھائم کی جمع بتایا ہے۔ جیسے باذل کی جمع بذل آتی ہے۔
ھیام۔ ایک بیماری ہے۔ جو اونٹ کو ہو جاتی ہے۔ اسے پانی کا ہوکا ہو جاتا ہے۔ پیتا ہی چلا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ مرجاتا ہے۔ اس بیماری کے ساتھ خارش بھی ہو تو پھر اس کو ھیام کہتے ہیں۔ امام بخاری نے الاجرب کا لفظ اسی لئے استعمال فرمایا۔ قرآن مجید میں ہے۔ فشاربون شرب الھیم۔

(۲) یہ حدیث افرادِ بخاری سے ہے۔ عمرو سے ابن دینار المکی مراد ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عیب دار چیز کو فریدنا جائز ہے۔ اگر مبیع میں عیب ہو تو مشتری پر اس کو ظاہر کر دینا بائع پر واجب ہے۔ چھپانا حرام و گناہ کبیرہ ہے۔ اگر بغیر عیب ظاہر کئے چیز بیچ دی تو معلوم ہونے کے بعد مشتری واپس کر سکتا ہے۔ اسی کو خیارِ عیب کہتے ہیں۔ عرف شرع میں عیب جس کی وجہ سے مبیع کو واپس کر سکتے ہیں۔ وہ ہے جس سے تاجروں کی نظر میں چیز کی قیمت کم ہو جائے۔ اگر مشتری عیب دار چیز کے خریدنے پر آمادہ ہو جائے تو یہ دھوکہ میں شمار نہ ہوگا۔ (حضرت ابن عمر عیب دار اونٹ کی بیع پر راضی ہو گئے تھے) تو اس صورت میں بیع لازم و تمام ہو جاتی ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ کسی بھی مسلمان سے دھوکہ و فریب کرنا یا بیچتے وقت چیز کے عیب کو ظاہر نہ کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ مگر کسی نیک و صالح مسلمان سے دھوکہ کرنا اور زیادہ گناہ کی بات ہے۔ وفیہ تجنب ظلم الصالح لقولہ ویحك ذاك ابن عمر۔ یہی وجہ ہے کہ اس اونٹ کے مالک نے اپنے غلام سے کہا۔ تیرے لئے برائی ہو تو نے عیب دار اونٹ صحابی جلیل حضرت ابن عمر کو بیچ دیا اور عیب ان کو نہیں بتایا۔ وہ تاجر بھی کیسا دیانت دار تھا کہ فوراً حضرت ابن عمر کے پاس آیا اور انہیں مبیع کے عیب پر مطلع کر دیا (۲) حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ جس نے عیب والی چیز فروخت کی اور اس کو ظاہر نہ کیا۔ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں ہے یا فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں (ابن ماجہ) ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ جب مسلمان اپنے بھائی کے ہاتھ ایسی چیز بیچے جس میں عیب ہو تو جب تک اسے بیان نہ کر دے۔ بیچنا حلال نہیں۔ (احمد ابن ماجہ و حاکم)

کیا امراض متعدی ہوتے ہیں لاعدویٰ اور فمن اعدی بعیرا الاوّل سب سے پہلے اونٹ کو کس نے یہ مرض دیا؟ کے حدیثی الفاظ سے یہ استدلال درست نہیں ہے کہ کوئی بیماری ایک سے دوسرے کو نہیں لگ سکتی۔ کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض امراض میں یہ تاثیر رکھی ہے کہ ان کے جراثیم ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہو کر دوسرے کو بھی بیمار کر دیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں جو بات سمجھنے کی ہے وہ یہ ہے اسلام کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ خالق مالک اور موثرِ حقیقی ایک اللہ ہے۔ نفع و نقصان پہنچانے کی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی میں کوئی قوت و طاقت نہیں ہے۔ اس کے اذن اور ارادہ کے بغیر ایک تنکا ادھر سے ادھر نہیں ہو سکتا۔ یہ تو ہے اسلام کا بنیادی اور ضروری عقیدہ جس پر ایمان لانا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ

اشیاء میں اللہ تعالیٰ نے جو تاثیر رکھی ہے۔ اس کو ماننے کی اسلام نے ممانعت فرمائی ہے۔ پانی میں پیاس بجھانے کی تاثیر ہے۔ فقہاء اسلام تصریح کرتے ہیں کہ پانی کی تاثیر یقینی حتمی ہے[1]۔ جس کا انکار ایک حقیقت کا انکار ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ ہر مسلمان پانی کی اس تاثیر پر یقین تو رکھتا ہے۔ مگر اس کو موثرِ حقیقی نہیں جانتا۔ اس کا عقیدہ یہی ہوتا ہے کہ پانی میں جو تاثیر ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے۔ خود بخود پانی میں پیاس بجھانے کی تاثیر ہرگز نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ فقہاء اسلام یہ تصریح کرتے ہیں کہ علاج معالجہ بھی اس صورت میں حرام و ناجائز ہے۔ جب کہ آدمی دواء ہی کو موثرِ حقیقی سمجھے اور علاج معالجہ اس صورت میں جائز ہے۔ جب کہ یہ عقیدہ ہو کہ شافیِ حقیقی اور شافی مطلق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی نے دواء میں شفاء رکھی ہے۔ عالمگیری[2] خلاصہ یہ کہ عقیدہ کی درستگی کے ساتھ اشیاء میں تاثیر کو ماننے اور تسلیم کرنے سے اسلام نہیں روکتا۔ عام طور پر بولتے ہیں کہ ربیع نے فصل کو اُگایا۔ گویا ربیع کی تاثیر کا اقرار ہر موحد مسلمان بھی کرتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے۔ ربیع تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے محض ایک سبب ہے۔ اصل میں موثرِ حقیقی اور دانہ کو اُگانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

سینکڑوں ہزاروں اشیاء ہیں جن کی تاثیر کو مانا اور تسلیم کیا جاتا ہے اور اسلام اس سے ہرگز منع نہیں کرتا جب کہ اصل بنیادی عقیدہ پر آدمی قائم و دائم رہے تو اسی طرح اگر کسی مرض میں ایسی تاثیر ہو یا ایسے جراثیم ہوں جو دوسرے جسم میں منتقل ہو کر دوسرے کو بھی اسی بیماری میں مبتلاء کر دیں۔ تو یہ ممکن بھی ہے اور مرض کی اس تاثیر کو ماننے سے اسلام منع بھی نہیں کرتا ہے۔

دورِ جاہلیت میں لوگوں کا عموماً یہ عقیدہ تھا کہ بیماریاں خود بخود متعدی ہوتی ہیں۔ یعنی بیماری میں دوسرے کو بیمار کر دینے کی جو تاثیر ہے وہ ذاتی ہے۔ خود بخود ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے یا نہ چاہے۔ بہرحال و بہرصورت اس بیمار کے پاس بیٹھنے والا۔ یا اس بیمار سے مصاحبت رکھنے والا بھی اسی بیماری میں مبتلا ہو جائے گا۔ بیماری ہی کیا، کسی بھی چیز میں جو تاثیر ہے۔ اس کو اس کی ذاتی تاثیر ماننا اسلام کی تعلیم کے خلاف ہے۔ اس لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لا عدوی کہ مرض کے متعدی ہونے کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ تو اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ کسی بھی بیماری میں دوسرے کو بیمار کر دینے کی تاثیر ذاتی اور حقیقی خود بخود نہیں ہے۔ ایسا عقیدہ خلافِ اسلام ہے۔ ہاں اگر موثرِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہی کو مانا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ مرض میں جو دوسرے تک پہنچ جانے کی تاثیر ہے وہ خود بخود نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے اور اس طرح مرض کو متعدی مانا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور نہ یہ بات حدیث لا عدویٰ کے مخالف ہے۔ یہاں امر بھی قابلِ ذکر

---

[1] امتنع عن الاکل حتیٰ مات جوعاً اثم وان عن التداوی حتیٰ تلف مرضاً لا لان عدم الهلاك بالاكل مقطوع والشفاء بالمعالجة مظنون بزازیہ ص ۳۶۶ ج ۳

[2] الاشتغال بالتداوی لا باس به اذا اعتقد ان الشافی هو الله تعالیٰ وانه جعل الدواء سببا اما اذا اعتقد ان الشافی هو الدواء فلا كذا فی الظهيريه عالمگیری ج ۵ ص ۳۹۰

ہے کہ حدیث لاعدوی حدیث مرفوع نہیں بلکہ حدیث موقوف ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔
الحدیث یکون موقوفا (عینی ج ۱۱ ص ۲۱۹)
چنانچہ شارحین حدیث خصوصاً علامہ بدر عینی حنفی قدس سرہٗ العزیز نے بھی اس مضمون کی احادیث کا یہی مفہوم لیا ہے
ابونعیم و امام بخاری علیہ الرحمۃ نے حدیث ابوہریرہ ذکر کی

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اتقوا المجزوم کما یتقی الاسد

کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا۔ مجزوم (کوڑھی) سے ایسے بچو جیسے شیر سے بچا جاتا ہے۔

علامہ بدر عینی اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔

(۱) اعلم ان اللہ تعالیٰ جعل ذالك سببا فحذر من الضرر الذی یغلب وجودہ عند وجودہ بفعل اللہ عز وجل
عینی ج ۲۱ ص ۲۴۷

جان لو اللہ تعالیٰ نے جزامی کے ساتھ میل جول جزام کا سبب غالب بنا دیا ہے۔ اس لئے حضور نے اس ضرر سے خبردار فرمایا جو جزامی سے اختلاط کے وقت بحکم الٰہی ظہور میں آئے گا۔

(۲) ان ھٰذہ الامراض لا تعدی بطبعھا ولکن اللہ تعالیٰ جعل مخالطۃ المریض بھا للصحیح سببا لاعداء مرضہ

یہ بیماریاں خود بخود متعدی نہیں ہوتیں لیکن اللہ تعالیٰ نے بیمار کے ساتھ تندرست کے اختلاط کو تعدی مرض کا سبب بنا دیا ہے۔ عینی ج ۲۱ ص ۲۴۷

(۳) فقہاء اسلام فرماتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی بچہ کو اغوا کر کے ایسی جگہ لے جائے جہاں وبائی مرض پھیلا ہوا ہو اور اس بیماری سے بچہ مرجائے تو اسے تاوان دینا ہوگا۔ کیونکہ وبا سے متکیف ہوائیں بھی انسانی جسم میں غذا کی طرح اثر کرتی ہیں۔ شامی جلد ۵ ص ۵۴۷ بزازیہ علی ہامش ہندیہ ج ۶ ص ۳۸۶

حدیث لاعدوی کا مطلب

(۴) حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے۔ حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مرض کی

لاعدوی ولا صفر ولا ھامہ

تعدی اُلّو کی نحوست اور ماہِ صفر کی کوئی حقیقت نہیں۔

ایک اعرابی نے عرض کیا۔ حضور پھر کیا وجہ ہے کہ ایک خارش زدہ اونٹ دُرست اونٹوں سے ملتا ہے تو انھیں بھی خارش ہو جاتی ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

قال فمن عادی البعیر الاول (مسلم)

تو پھر پہلے اونٹ میں خارش کس نے پیدا کی؟

ص۱ ظاہر ہے اگر حدیث لاعدوی کا یہ مفہوم لیا جائے تو جمع بین الاحادیث ناممکن ہی ہے۔ فافہم
ص۲ واضح رہے کہ جب حضرت ابوہریرہ پر یہ حدیث پیش کی گئی تو انھوں نے اس کی روایت سے انکار فرمایا اور اس کے برعکس یہ حدیث روایت کی لا ا لممرض علی الصحیح۔ بیمار کرنے والے شخص کو تندرست کے قریب مت لاؤ۔
نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۲۳

اس حدیث کی شرح میں علامہ بدر عینی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

كانوا يظنون ان المرض بنفسه يعدى فاعلمهم النبى صلى الله عليه وسلم ان الامر ليس كذالك وانما الله عز وجل هو الذى يمرض و ينزل الداء ولهذا قال فمن اعدى الاول اى من اين صار فيه الجرب ج ۲۱ صـ ۲۴۷

عرب یہ گمان کرتے تھے کہ بیماریاں خود بخود متعدی ہوتی ہیں تو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بتایا کہ بات یہ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی بیماری پیدا کرتا ہے اس لئے آپ نے فرمایا کہ پہلے اونٹ میں (جو کہ بالکل تندرست تھا) خارش کہاں سے آگئی؟

الغرض لاعدوی کے الفاظ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عقیدہ کو درست کرنے کے لئے فرمائے کہ کوئی بیماری خود بخود بالذات متعدی نہیں ہوتی۔ ایسا عقیدہ غلط ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ کوئی مرض صحت مند کے مرض میں مبتلا ہو جانے کا سببِ غالب بن جائے۔ چنانچہ جذامی سے دُور رہنے والی حدیث میں سببِ غالب ہونے کا اثبات فرمایا ہے۔

بَابُ بَيْعِ السِّلَاحِ فِى الْفِتْنَةِ وَغَيْرِهَا

باب فتنہ و فساد کے زمانہ میں اسلحہ کی فروخت کے متعلق

وَكَرِهَ عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ بَيْعَهُ فِى الْفِتْنَةِ

اور عمران بن حصین نے فتنہ کے زمانہ میں اسلحہ کی فروخت کو مکروہ قرار دیا ہے۔

عام حالات میں جب کہ کفار سے جہاد جاری نہ ہو تو اسلحہ کی فروخت جائز ہے۔ لیکن جب کفار سے جنگ ہو رہی ہو تو ایسی صورت میں اسلحہ فروخت کرنا ممنوع ہے۔ حدیث زیر بحث سے واضح ہے کہ حالتِ امن میں اسلحہ فروخت کرنے میں حرج نہیں۔

عَنْ اَبِى قَتَادَةَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ حُنَيْنٍ فَاَعْطَاهُ يَعْنِى دِرْعًا فَبِعْتُ الدِّرْعَ فَابْتَعْتُ بِهٖ مَخْرَفًا فِى بَنِى سَلِمَةَ فَاِنَّهُ لَاَوَّلُ مَالٍ تَاَثَّلْتُهُ فِى الْاِسْلَامِ۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم غزوۂ حنین کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے ساتھ نکلے۔ پھر حضور نے مجھے زرہ عطا فرمائی اور میں نے اسے بیچ دیا اور اس رقم سے قبیلہ بنی سلمہ میں ایک باغ خریدا۔ یہ پہلا مال تھا جسے میں نے اسلام لانے کے بعد حاصل کیا۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام بخاری نے خمس، مغازی، احکام میں مسلم نے مغازی میں ابن ماجہ و ابو داؤد نے جہاد میں اور ترمذی نے سیر میں ذکر کیا ہے۔ یہ حدیث عنوان کے ایک جزء غیرہا کے مطابق ہے۔ کیونکہ حضرت قتادہ نے درع امن کے زمانہ میں فروخت کی تھی۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ بحالت امن اسلحہ کی فروخت میں حرج نہیں۔ مخرف کے معنی باغ ہیں۔ تاثلتہ باب تفعل سے اس کے معنی جمع کرنے کے ہیں۔

(۲) حنین طائف کے قریب مکہ معظمہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک وادی ہے ۔ یہاں فتح مکہ کے چند روز بعد ہی قبیلہ ہوازن و ثقیف سے جنگ ہوئی۔ شوال ۸ھ اسلامی فوج جن کی تعداد چودہ ہزار تھی ۔ اس سروسامان سے حنین کی طرف بڑھی کہ صحابہ کرام کی زبان سے بے اختیار یہ لفظ نکل گیا۔ "آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے"۔

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ جملے سخت شاق گزرے ۔ کیونکہ حضور ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر توکل فرماتے تھے ۔ تعداد کی قلت و کثرت پر نظر نہ رکھتے تھے اور بارگاہِ خداوندی میں یہ نازش پسند نہ آئی ۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فتح کی بجائے اول ہی وہلہ میں مسلمانوں کے قدم اُکھڑ گئے ۔ حضور نے نظر اٹھا کر دیکھا تو رفقاء خاص میں چند کے سوا کوئی اور پہلو میں نہ تھا ۔ قرآن مجید میں فرمایا ۔

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ اذا اعجبتكم كثرتكم فلم تغن عنكم شيئاً وضاقت عليكم الارض بما رَحُبَتْ الخ

(توبہ)

اور حنین کے دن جب تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے تو وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اتنی وسیع ہو کر تم پر تنگ ہو گئی ۔ پھر تم پیٹھ دیکر پھر گئے ۔ پھر اللہ نے اپنی تسکین اُتاری اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر اور وہ لشکر اُتارے جو تم نے نہ دیکھے اور کافروں کو عذاب دیا ۔

حضرت ابوقتادہ بھی غزوہ حنین میں شریک تھے ۔ ان کا بیان ہے کہ جب لوگ بھاگ نکلے تو میں نے ایک کافر کو دیکھا کہ ایک مسلمان کے سینے پر سوار ہے ۔ میں نے عقب سے اس کے شانے پر تلوار ماری جو زرہ کو کاٹ کر اندر اُتر گئی ۔ اس نے مڑ کر مجھ کو اس زور سے دبوچا کہ میری جان پر بن گئی ۔ لیکن وہ ٹھنڈا ہو کر گر پڑا (بخاری غزوہ حنین) ۔ حضور نے ابوقتادہ کو جو درع عطا فرمائی ۔ وہ اسی کافر کی تھی جسے ابوقتادہ نے قتل کیا تھا ۔

بَابٌ فِي الْعَطَّارِ وَ بَيْعِ الْمِسْكِ

باب عطا اور مشک کی بیع کے متعلق

سَمِعْتُ اَبَا بُرْدَةَ بْنَ اَبِي مُوسٰى عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْجَلِيْسِ الصَّالِحِ وَالْجَلِيْسِ السُّوْءِ كَمَثَلِ صَاحِبِ الْمِسْكِ وَكِيْرِ الْحَدَّادِ لَا يَعْدَمُكَ مِنْ صَاحِبِ الْمِسْكِ اِمَّا تَشْتَرِيْهِ اَوْ تَجِدُ رِيْحَهٗ وَكِيْرُ الْحَدَّادِ يُحْرِقُ بَدَنَكَ اَوْ ثَوْبَكَ اَوْ تَجِدُ مِنْهُ رِيْحًا خَبِيْثَةً

(بخاری)

ابو بردہ بن ابی موسیٰ کے والد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ صالح اور نیک ہمنشیں اور غیر صالح اور بُرے ہمنشیں کی مثال، بیچنے والے اور لوہار کی بھٹی کی سی ہے ۔ مشک بیچنے والے کے پاس سے تم دو اچھائیوں میں سے ایک نہ ایک ضرور حاصل کرو گے، یا مشک ہی خرید لو گے ۔ ورنہ کم از کم اس کی خوشبو سے تو ضرور ہی محفوظ ہو سکو گے ۔ لیکن لوہار کی بھٹی، یا تمہارے بدن اور کپڑے کو جھلسا دے گی ۔ ورنہ اس سے ایک بدبو تو تمہیں ضرور ملے گی ۔

فوائد و مسائل اس حدیث سے واضح ہوا۔ نیک اور صالح صحیح العقیدہ کی ہم نشینی اور دوستی باعثِ خیر و برکت ہے اور بد مذہب، بے دین، گمراہ اور فاسق و فاجر سے دوستی و ہم نشینی باعثِ فساد ہے اور ممنوع۔ ۲۔ ضرب الامثال مثال دیکر سمجھانا جائز بلکہ سنّت ہے۔ عطاری کا پیشہ جائز و مباح ہے۔ مشک کی خرید و فروخت جائز ہے۔ ائمہ احناف نے فرمایا۔ مشک کی تجارت اور طہارت پر اجماع ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا المسك اطيب الطيب مشک بہترین خوشبو ہے (مسلم)

بَابُ ذِكْرِ الْحَجَّامِ

باب پچھنا لگانے والے کے متعلق

باب موکل الربا میں امام بخاری نے جو حدیث ذکر کی اس میں ثمن الدم کے الفاظ سے جس کا ظاہر یہی تھا کہ پچھنے لگانے کی اُجرت لینا جائز نہیں ہے۔ اس باب میں امام نے دو حدیثیں ذکر کیں۔ جن میں پچھنے لگانے اور اس کی اُجرت لینے دینے کا جواز واضح ہے اور انہی دو حدیثوں کی بنیاد پر نھی ثمن ثمن الدم (کہ حضور نے پچھنے لگانے کی اُجرت لینے سے منع فرمایا)۔ میں ممانعت سے ممانعتِ تنزیہی ہونا واضح ہوتا ہے۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ حَجَمَ اَبُوْ طَيْبَةَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَ لَهٗ بِصَاعٍ مِّنْ تَمْرٍ وَّاَمَرَ اَهْلَهٗ اَنْ يُّخَفِّفُوْا مِنْ خَرَاجِهٖ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ابوطیبہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پچھنا لگایا تو آنحضور نے ایک صاع کھجور (بطورِ اُجرت) انھیں دینے کے لئے کہا اور ان کے مالک سے کہا کہ ان کے خراج میں کمی کردو۔

فوائد و مسائل اس حدیث سے پچھنے لگانے اور اس کی اُجرت دینے کا جائز ہونا ثابت ہوا (۲) خراج سے یہاں زمین کا خراج مراد نہیں ہے۔ بلکہ کسی غلام سے روزانہ جو مالک وصول کرتا ہے۔ وہ مراد ہے۔ اس کی مثال یہ ہوتی تھی کہ غلام اپنا آزادانہ کاروبار کرتے تھے۔ لیکن اپنے مالکوں کو روزانہ یا ماہانہ انھیں کچھ دینا پڑتا تھا۔ حضور نے غلام کے مالک کو اسی میں کمی کرنے کا حکم دیا تھا۔ —— معلوم ہوا کہ ایسی سفارش جس سے کسی کا حق نہ مارا جائے جائز ہے مثلاً مزدور اگر کمزور ہے تو مالک سے یہ سفارش کی جائے کہ اس کے کام میں کمی کردو اور اجرت پوری دو۔

عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ احْتَجَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَعْطَى الَّذِيْ حَجَمَهٗ وَلَوْ كَانَ حَرَامًا لَّمْ يُعْطِهٖ

حضرت عکرمہ سے روایت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ نبی علیہ السلام نے پچھنے لگوائے۔ پچھنے لگانے والے کو اجرت دی تو اگر یہ بات حرام ہوتی تو حضور نہ دیتے۔

یہ اور اسی مضمون کی دیگر احادیث حجام کی اُجرت کے جائز ہونے میں نص ہیں۔ لہٰذا جن احادیث میں ممانعت آئی ہے یا تو وہ منسوخ قرار پائیں گی یا نہی سے نہی تنزیہی مراد لی جائیں گی۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ امام ابو یوسف و محمد رحمہم اللہ کا بھی یہی مسلک ہے اور یہ احادیث حنفی مذہب کی مؤید ہیں۔

بَابُ التِّجَارَةِ فِيمَا يُكْرَهُ لُبْسُهُ لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ

باب مرد اور عورت کو جن چیزوں کا پہننا مکروہ ہے ان کی تجارت کے متعلق

واضح ہو۔ بعض اشیاء ایسی ہیں جو فی نفسہٖ تو حلال و مباح ہیں۔ مگر ان کا استعمال مرد و عورت دونوں کے لئے ممنوع ہے یا مستورات کے لئے جائز ہے۔ مگر مردوں کو ناجائز ہے۔ جیسے سونے چاندی کے زیورات مستورات کو جائز اور مردوں کو حرام مگر سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا مرد و عورت دونوں کو ممنوع ہے۔ اسی طرح مرد کو خالص ریشم پہننا ممنوع اور عورتوں کو جائز ہے۔

تو اگر کوئی ایسی چیز خریدے یا بیچے تو اس کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ جب ایجاب و قبول ہو گیا تو بیع لازم و تمام ہو گئی۔ خریدار اس چیز کا مالک ہو گیا۔ رہی یہ بات کہ خریدنے والے کے لئے اس چیز کا استعمال جائز بھی ہے؟ تو یہ بات خرید و فروخت کی حد و بحث سے خارج ہے۔ یہ تو خریدنے والے کو چاہیئے کہ وہ یہ دیکھے جو چیز میں خرید رہا ہوں اس کا حکم شرعی کیا ہے۔ تو اس باب کی احادیث سے یہ بتانا مقصود ہے۔ اگر کسی نے ایسی چیز خریدی یا بطور ہدیہ دی۔ جس کا خود اس کو استعمال یا پہننا شرعاً ممنوع ہے تو یہ خرید و فروخت و ہدیہ جائز ہے۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنْ اَبِيهِ قَالَ اَرْسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى عُمَرَ بِحُلَّةِ حَرِيْرٍ اَوْ سِيَرَاءَ فَرَاٰهَا عَلَيْهِ فَقَالَ اِنِّي لَمْ اُرْسِلْ بِهَا اِلَيْكَ لِتَلْبَسَهَا اِنَّمَا يَلْبَسُهَا مَنْ لَا خَلَاقَ لَهٗ اِنَّمَا بَعَثْتُ اِلَيْكَ لِتَسْتَمْتِعَ بِهَا يَعْنِي تَبِيْعُهَا

حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام نے حضرت عمر کو ایک ریشمی جوڑا یا دھاری دار ریشمی جوڑا عطا فرمایا۔ پھر آپ نے دیکھا کہ حضرت عمر اس کو پہنے ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ یہ ریشمی جوڑا ہم نے تمہیں اس لیے نہیں دیا تھا کہ تم اس کو پہنو۔ (کیونکہ) اس کو تو وہ پہنتا ہے۔ جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ ہم نے یہ جوڑا تمہیں اسلئے دیا تھا کہ تم اس کو فروخت کر کے اپنے کام میں لاؤ۔

فوائد و مسائل حلہ یعنی چادر سیراء دھاری دار۔ اس حدیث سے واضح ہوا۔ ایسی چیز کا کسی کو ہدیہ دینا یا خریدنا یا فروخت کرنا جائز ہے جس کا استعمال یا پہننا خود اس کے لئے شرعاً ممنوع ہو۔ جیسے مرد کا سونا چاندی یا ریشم خریدنا جائز ہے مگر اس کو پہننا مرد کے لئے حرام ہے۔ مگر اس کا رکھنا جائز ہے اور مستورات کو ریشمی کپڑے اور چاندی سونے کا زیور پہننا جائز ہے۔ لا خلاق لہ یعنی جو ریشم پہنتا ہے۔ اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ تو یہ جملہ مردوں کے لیے ہے۔ مستورات کے لیے نہیں۔ کیونکہ مستورات کو ریشم پہننے کی حضور نے اجازت عطا فرمائی ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنَّهَا اَخْبَرَتْهُ اَنَّهَا اشْتَرَتْ نُمْرُقَةً فِيْهَا تَصَاوِيْرُ فَلَمَّا رَاٰهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ

حضرت عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ انھوں نے ایک غالیچہ خریدا جس میں تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ جب حضور کی اس پر نظر پڑی تو آپ

عَلَى الْبَابِ فَلَمْ يَدْخُلْهُ فَعَرَفْتُ فِي وَجْهِهِ الْكَرَاهِيَةَ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ اَتُوْبُ اِلَى اللهِ وَاِلٰى رَسُوْلِهٖ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَآ اَذْنَبْتُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ اَتُوْبُ اِلَى اللهِ وَ اِلٰى رَسُوْلِهٖ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَابَالُ هٰذِهِ النُّمْرُقَةِ قُلْتُ اشْتَرَيْتُهَا لَكَ لِتَقْعُدَ عَلَيْهَا وَتَوَسَّدَهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَصْحَابَ هٰذِهِ الصُّوَرِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُعَذَّبُوْنَ فَيُقَالُ لَهُمْ اَحْيُوْا مَاخَلَقْتُمْ وَقَالَ اِنَّ الْبَيْتَ الَّذِيْ فِيْهِ الصُّوَرُ لَاتَدْخُلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔

دروازہ پر ہی کھڑے ہو گئے۔ اندر تشریف نہ لائے۔ تو میں نے حضور کے چہرہ اقدس میں ناپسندیدگی کے آثار دیکھے تو عرض کیا یارسول اللہ میں بارگاہِ الٰہی میں توبہ کرتی ہوں اور بارگاہِ رسول میں معافی مانگتی ہوں۔ حضور مجھ سے کیا قصور ہوا۔ اس پر آپ نے فرمایا یہ غالیچہ کیسا ہے؟ میں نے عرض کی یہ تو میں نے آپ ہی کے لئے خریدا ہے کہ آپ اس پر جلوہ فرما ہوں اور اس سے تکیہ لگائیں۔ حضور نے فرمایا۔ اس طرح کی تصاویر بنانے والوں کو عذاب دیا جائے گا۔ ان سے یہ بھی کہا جائے گا۔ تم نے جس کی تخلیق کی۔ ذرا اسے بھی زندہ کرکے دکھاؤ۔ آپ نے یہ بھی فرمایا جس گھر میں تصویریں ہوں وہاں ملائکہ (رحمت) اس میں نہیں آتے۔

فوائد و مسائل

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسی چیز خریدنا جس کا استعمال مرد و عورت کے لئے شرعاً ممنوع ہو جائز ہے۔ تصویر دار غالیچہ کا استعمال ممنوع تھا مگر اس کے باوجود حضور نے اس کی بیع کو فسخ کرنے کا حکم نہیں دیا۔ علامہ بدر عینی علیہ الرحمۃ نے اس موقع پر یہ بھی لکھا ہے۔

جاندار کی تصویر کے متعلق بحث

کہ ظاہر حدیث اس امر کا متقاضی ہے کہ جس کپڑے پر جاندار کی تصویر ہو اس کی بیع ناجائز ہے مگر متعدد آثار مرفوعہ سے جواز واضح ہے کہ جناب عائشہ نے تصویر دار پردہ خریدا تھا اور حضور نے تصویر کو مٹانے کے لئے اس کے دو ٹکڑے کرکے استعمال فرمایا تھا۔

فاذا تعارضت الآثار فالاصل الاباحۃ حتی یرد الحظر ویحتمل ان یکون معنی حدیث عائشۃ فی النمرقۃ لو لم یعارضہ غیرہ محمولا علی الکراھۃ۔ دون التحریم بدلیل انہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یفسخ البیع فی النمرقۃ التی اشترتہا عائشۃ۔ (عینی)

(۲) جاندار کی تصویر بنانا ممنوع ہے۔ البتہ جس چیز میں روحِ حیوانی نہیں ہے۔ جیسے مکان، باغ باغیچہ، عمارات و مساجد مقابر، درخت وغیرہ کی تصاویر بنانا، بیچنا جائز و مباح ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام طحاوی علیہ الرحمۃ نے ذکر کیا۔ حضرت جبرئیل امین نے بحضور نبوی حاضری کی اجازت چاہی۔ حضور نے اجازت دیدی۔ اس پر جبرئیل نے عرض کیا۔

کیف ادخل وفی بیتک ستر فیہ تماثیل خیل ورجال واما ان تقطع رؤسہا واما ان تجعلہا بساطا فانا معشر الملائکۃ

حضور کیسے داخل ہوں آپ کے گھر میں پردہ ہے جس پر آدمیوں اور گھوڑوں کی تصویریں ہیں تو یا تو ان کے سر کاٹ دیجئے یا پھر اس کو بچھونا بنا لیجئے۔ ہم ملائکہ کے

گروہ سے ہیں۔ اس گھر میں داخل نہیں ہوتے۔ جس میں (جاندار) کی تصاویر ہوں۔	لا تدخل بيتا فيه تماثيل

علامہ طحاوی فرماتے ہیں کہ اگر کسی ذی روح کا سر علیحدہ کر دیا جائے تو وہ زندہ نہیں رہتا اور حدیث ہذا میں یہ ہے کہ جاندار کی تصویر کا سر کاٹ دیا جائے تو وہ جائز و مباح ہو جاتی ہے تو اس سے واضح ہوا۔ جن چیزوں میں روح نہیں ہے۔ ان کی تصویر بنانا جائز ہے۔

اسی حدیث سے حدیث کل مصوّر فی النار (ہر مصور دوزخی ہے) کا مطلب بھی واضح ہو گیا کہ مصوّر سے مراد جاندار کی تصویر بنانے والا ہے۔

اس کی دلیل حدیث ابن عباس ہے۔ ان کی خدمت میں ایک مصوّر آیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر تو مصوری ہی

کے پیشہ کو اختیار کرنا چاہتا ہے تو درخت اور ان اشیاء کی تصاویر بنایا کر۔ جن میں جان نہیں ہے۔	فان كنت لابد فاعلا فاضع الشجر و لا نفس له (بخاری و مسلم)
مگر (یہ جائز ہے) کہ تو درختوں اور ہر اس چیز کی تصویر بنا جس میں جان نہ ہو۔	الا ان تصنع فعليك بهذا الشجر و كل شئ ليس فيه روح (بخاری و مسلم)

اور اہل الظاہر کے جس طائفہ نے کل مصوّر فی النار مصوّر کو عام قرار دے کر غیر ذی روح کی تصاویر بنانے کی حرمت کا قول کیا ہے۔ ان کا یہ استدلال درست نہیں ہے۔

(۳) جس گھر میں جاندار کی تصویر ہو۔ وہاں ملائکہ نہیں آتے تو اس سے وہ ملائکہ مراد نہیں ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ[1] کی طرف سے ہر انسان کے لئے مقرر ہیں۔ جیسے حفظ یا کراماً کاتبین وغیرہ۔ بلکہ اس سے ملائکہ رحمت و استغفار مراد ہیں۔

(۴) علامہ خطابی کہتے ہیں۔ وہ کتا جو شکار کے لئے یا حفاظت کے لئے ہو۔ یا ایسی تصاویر جن کے سر مٹا دیئے گئے ہوں یا وہ ذلّت کی جگہ پر ہو تو ایسی تصاویر دخولِ ملائکہ کے لئے رکاوٹ نہیں بنتی اور یہ کہ تصویر دار چیز کا خریدنا جائز ہے۔ الغرض غیر جاندار کی تصویر بنانا یا چہرہ کے بغیر جسم انسانی کی تصویر بنانا یا انسان کے کسی ایک عضو، ہاتھ پاؤں ناک یا آنکھ کی تصویر بنانا جائز ہے۔ لیکن جاندار کی تصویر بنانا ممنوع ہے البتہ اگر تصویر موضع اہانت میں ہو مثلاً فرش، دری قالین، پائدان میں کہ اس پر بیٹھیں، چلیں پاؤں رکھیں تو یہ جائز ہے اور مانع ملائکہ بھی نہیں۔ اسی طرح کپڑے پر تصویر منقش ہو یا بناوٹ۔ میں ہوں۔ اس کپڑے کو کاٹ کر مسندیں بنالیں کہ زمیں پر ڈالی اور پاؤں سے روندی

---

[1] ان المراد من الملائكة غير الحفظة قال النووي اما الملائكة الذين لا يدخلون بيتا فيه كلب او صورة فهم ملائكة يطوفون بالرحمة والاستغفار۔ وقال الخطابي فاما ما ليس بحرام من كلب الصيد والزرع والماشية والصورة التى تمتهن فى البساط والوسادة وغيرهما فلا يمنع دخول الملائكة بسببه عینی ج ۱۱ ص ۲۲۴

جائیں یہ بھی ناجائز اور مانع ملائکہ نہیں۔ جیسا کہ حدیث ابوہریرہ میں ہے کہ حضرت جبرئیل نے اپنے حاضر نہ ہونے کی وجہ یہ عرض کی کہ پردہ پر تصویریں منقش تھیں اور اس کا علاج یہ گزارش کیا کہ اُسے کاٹ کر دو مسندیں بنالی جائیں تو اگر اس کے بعد بھی امتناع باقی رہے تو علاج کیا ہوا۔

نوٹ :۔ روپیہ سکہ وغیرہ پر جو تصویر ہو اس کا رکھنا جائز ہے کیونکہ انہیں بطور تعظیم نہیں بلکہ بطور مال سنبھال کر رکھتے ہیں۔ یہ ہی حال اسٹام وغیرہ کا ہے کہ اس کا رکھنا بھی بضرورت جائز ہے۔ جس تصویر کا خواہ وہ کسی بھی چیز پر ہو سر کاٹ دیا جاتے یا مٹا دیا جائے یا اس طرح چہرہ پر سیاہی مل دی جاتے کہ صورت محو ہو جائے۔ اس کا رکھنا جائز ہے اور مانع ملائکہ بھی نہیں ہے۔

بَابُ صَاحِبُ السِّلْعَةِ اَحَقُّ بِالسَّوْمِ

سامان کے مالک کو قیمت متعین کرنے کا زیادہ حق ہے

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بَنِي النَّجَّارِ ثَامِنُوْنِي بِحَائِطِكُمْ وَفِيْهِ خَرِبٌ وَّنَخْلٌ ۔ (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اے بنو نجار! اپنے باغ کی قیمت مقرر کر دو۔ اس باغ میں کچھ تو ویرانہ تھا اور کچھ حصے میں کھجور کے درخت تھے۔

فوائد و مسائل

اس حدیث کو امام بخاری علیہ الرحمۃ نے کتاب الصلوٰۃ، ہجرۃ النبی، حج، بیوع میں ذکر کیا ہے۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے بھی صلوٰۃ میں ذکر کیا ہے۔ سلعۃ سامان خواہ کسی قسم کا ہو۔ سوم قیمت مقرر کرنا۔ ثامنونی کے حاصل معنیٰ یہ ہیں۔ قیمت مقرر کر کے فروخت کر دو۔ بنی نجار انصار کا ایک قبیلہ۔ حائط باغ خربۃ خراب نخل کھجور ——— حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو آپ نے مسجد کی تعمیر کے لئے ایک جگہ منتخب فرمائی (یہ سب سے پہلی مسجد تھی جو مدینہ میں تعمیر کی گئی اور جسے آج مسجد نبوی سے موسوم کرتے ہیں۔ انصار کا ایک باغ تھا۔ جس کی زمین کا کچھ حصہ یونہی بیکار پڑا تھا۔ ایک حصہ

ل البتہ درمختار میں ہے کہ جب تصویر سے وہ عضو محو کر دیا جائے جس کے بغیر آدمی زندہ نہ رہ سکے تو وہ ممانعت سے مستثنیٰ ہے لو كانت صغيرة لا تتبين تفاصيل اعضاءها للناظر قائما وهي على الارض ذكره الحلبي۔ او مقطوعة الراس او الوجه او ممحوة عضو لا تعيش بدونه (او بغير ذي روح لا) يكره۔

حاشیہ در میں ہے۔ مقطوعۃ الراس والمراد ممحوۃ عضوه تعيش بدونه۔ فتح القدیر میں ہے۔ لو قطع يديها ورجليها۔ لا ترتفع الكراهة لان الانسان قد تقطع اطرافه وهو حي ——— علامہ طحاوی علیہ الرحمۃ نے اس سے استنباط فرماتے ہوئے حاشیہ مراقی الفلاح میں تحریر فرمایا۔ افاد بهذا التعليل ان قطع الراس ليس بقيد بل المراد جعلها على حالة لا تعيش معها مطلقاً۔ فافهم وتدبر)

میں کھجور کا باغ تھا اور مشرکین کی قبریں تھیں۔ حضور نے انصار سے فرمایا۔ قیمت کا تعین کرکے میرے ہاتھ یہ باغ فروخت کرو۔ انہوں نے عرض کی لا واللہ لا نطلب ثمنہ الا الی اللہ عزوجل (بخاری) ہم اس کی قیمت نہیں لیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب پائیں گے۔ چنانچہ جب مسجد کے لئے زمین بلا قیمت مل گئی تو حضور نے خراب زمین کو ہموار اور مشرکین کی قبور کو مسمار کرایا اور کھجور کے درخت کٹوا کر سائبان و ستون کا کام لیا۔ یہ مسجد اس شان سے تعمیر ہوئی کہ مسلمانوں کے ساتھ خود حضور بھی پتھر اٹھاتے اور دیواریں استوار فرماتے اور انصار کے ساتھ حضور بھی یہ رجز پڑھتے جاتے تھے۔ اللھم لا خیر الا خیر الاخرۃ ۔ فاغفر لانصار و المھاجرہ

۲۔ اگرچہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے مال میں ہر قسم کے تصرف کا کامل اختیار ہے۔ تاہم حضور نے تعلیم امت کے لئے انہیں قیمت لے کر زمین دینے کا ارشاد فرمایا۔ جس سے واضح ہوا کہ کسی کی ملکیت میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا یا کسی کی زمین میں مالک کی اجازت کے بغیر مسجد بنانا جائز نہیں ہے۔ نیز خریدنے والے کو یہ حق بھی نہیں ہے کہ خود ہی قیمت مقرر کرکے مالک کو بالجبر اپنی مقرر کردہ قیمت لینے پر مجبور کرے۔

۳۔ یہ کہ قیمت مقرر کرنے کا حق مالک کو ہے۔ الّا یہ کہ خریدار کی مقرر کردہ قیمت پر مالک راضی ہو جائے۔

۴۔ مشرکین کی قبور واجب الاحترام نہیں ہیں۔

۵۔ پھل دار درخت کو کسی مصلحت یا ضرورت کی بنا پر کاٹنا جائز ہے۔

بَابُ کَمْ یَجُوْزُ الْخِیَارُ

باب اختیار کب تک صحیح ہوگا

خیار، اختیار، تخییر کے معنیٰ دو باتوں میں سے ایک کو اختیار کرنے کے ہیں۔ امام بخاری نے لفظ کم جو استفہامیہ استعمال کیا ہے۔ اس کے معنیٰ عدد کے ہیں۔ یعنی بائع و مشتری کو کتنے دن تک بیع کو فسخ کرنے کا اختیار رہتا ہے۔ لیکن احادیث زیرِ عنوان میں خیار کا ثبوت تو ہے لیکن مدتِ خیار کا ذکر نہیں ہے بلکہ خیارِ شرط کا ذکر ہے۔ اس لئے شارحین نے فرمایا۔ زیرِ عنوان احادیث عنوان کے مطابق نہیں ہیں۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْمُتَبَایِعَیْنِ بِالْخِیَارِ فِیْ بَیْعِہِمَا مَالَمْ یَتَفَرَّقَا اَوْ یَکُوْنُ الْبَیْعُ خِیَارًا قَالَ نَافِعٌ وَّ کَانَ ابْنُ عُمَرَ اِذَا اشْتَرٰی شَیْئًا یُعْجِبُہٗ فَارَقَ صَاحِبَہٗ (بخاری)

حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خرید و فروخت کرنے والوں کو، جب تک وہ جدا نہ ہوں اختیار ہوتا ہے یا بیع میں اختیار کی شرط ہو (تو شرط کے مطابق اختیار رہتا ہے) نافع نے بیان کیا کہ جب ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ کوئی ایسی چیز خریدتے جو انہیں پسند ہوتی تو بائع سے جدا ہو جاتے۔

عَنْ حَکِیْمِ بْنِ حِزَامٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَیِّعَانِ بِالْخِیَارِ مَالَمْ

حکیم ابن حزام سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بائع اور مشتری دونوں کو اختیار ہے جب تک

يَتَفَرَّقَا (بخاری) | جُدا نہ ہوں۔

چونکہ ہمام کی روایت میں ثلاث مراد کے الفاظ ہیں۔ یہ الفاظ امام بخاری کے نزدیک ثابت نہ تھے۔ اس کے عنوان میں انہوں نے حسبِ عادت کو استفہامیہ کے ساتھ ہمام کی زیادت کی طرف اشارہ کر دیا۔

خیارِ مجلس ان دونوں حدیثوں اور اس کے بعد کے ابواب کی حدیثوں میں لفظ مالم یتفرقا سے امام شافعی یہ استدلال فرماتے ہیں کہ ایجاب وقبول کے بعد ایک اور اختیار رہتا ہے۔ جسے وہ خیارِ مجلس سے موسوم کرتے ہیں۔ یعنی بیع کے مکمل طور پر نفاذ کے لئے ان کے نزدیک ایجاب وقبول کے بعد ایک دوسرے سے جُدا ہو جانا بھی ضروری ہے ورنہ جب تک دونوں اسی جگہ (مجلس) میں موجود ہیں۔ جہاں خرید وفروخت ہوئی تو فریقین کو بیع کے فسخ کر دینے کا ابھی اختیار رہے۔ گویا حدیث کے لفظ مالم یتفرقا میں امام شافعی تفرق بالابدان مراد لیتے ہیں۔ یعنی جب تک بائع ومشتری ایجاب وقبول کے بعد مجلس میں رہیں فریقین کو بیع کے فسخ کرنے کا اختیار ہے اور جب مجلس سے جُدا ہو جائیں تو اب فسخ کا اختیار نہیں رہتا ——— اور سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں۔ حدیث مالم یتفرقا میں تفرق بالابدان مراد نہیں تفرق بالکلام مراد ہے۔ یعنی یہاں تفرق سے ایجاب وقبول کے الفاظ کا ختم ہو جانا مراد ہے۔ جب ایجاب وقبول ہو گیا تو بائع ومشتری ایک دوسرے سے کلام کے اعتبار سے جُدا ہو گئے اور بیع لازم وواجب ہو گئی۔ دونوں میں سے کسی کو فسخ بیع کا اختیار نہ رہا۔ امام اعظم کے موقف کی تائید وتوثیق کلامِ عرب اور قرآنِ مجید سے بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ قرآنِ مجید وکلامِ عرب میں یہ لفظ تفرق بالکلام کیلئے استعمال ہوا ہے جیسا کہ گزشتہ صفحات میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔

۲- او یکونَ البیعُ خیارا۔ مگر یہ کہ بیع میں اختیار کی شرط ہو۔ یعنی اگر بیع میں اختیار کی شرط رکھی ہے مثلاً یہ کہا کہ مجھے دو یا تین دن تک بیع کو قائم یا فسخ کرنے کا اختیار ہے تو ایسی صورت میں فریقین کے مجلس سے اٹھ جانے کے باوجود اختیار باقی رہے گا۔ وهذا التوجيه جارعلى المذهبين فافهم (او بمعنى الا ے)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے لمعات میں خط کشیدہ جملہ کے مندرجہ مطلب بیان کئے ہیں۔ اول یہ جملہ مفہوم غایت سے استثنیٰ ہے۔ کیونکہ غایت کا مفہوم یہ ہے کہ جب مجلس سے جُدا ہوئے تو خیار جاتا رہا اور بیع لازم ہو گئی۔ مگر بیع خیار میں جب کہ اختیار کی شرط کر لی تو اجل میعاد کے پورا ہونے تک خیار باقی رہے گا۔

دوم۔ یہ جملہ اصل حکم سے مستثنیٰ ہے اور مضاف محذوف ہو عبارت یوں ہوگی۔ بیع الخیار ای بیع اسقاط الخیار و نفیہ۔ مطلب یہ ہوا۔ خیار ثابت ہے مگر جب کہ عدم خیار کی شرط لگا دی تو خیار ثابت نہ رہے گا۔

سوم۔ اس جملہ کے معنیٰ یہ ہیں۔ ایجاب وقبول کے بعد فریقین میں سے کوئی یہ نہ کہہ دے کہ اختر پسند کر لو اور دوسرا کہے اخترتُ پسند کر لیا (تو اگر فریقین میں سے کسی نے ایسا نہ کیا تو خیار باقی رہے گا اور اگر کہہ دیا تو اگرچہ مجلس سے جُدا نہ ہوں خیار باقی نہ رہے گا۔ امام ترمذی نے بھی اس جملہ کا یہی مفہوم بیان کر کے کہا ہے هكذا فسره الشافعی وغیرہ بلکہ نووی اوزاعی۔ سفیان بن عیینہ اسحٰق بن راہویہ نے بھی یہی مفہوم لیا ہے۔

۳- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ خیارِ مجلس کے قائل تھے۔ اس لئے ایجاب وقبول کے فوراً بعد مجلس سے اٹھ

[cropped] جاتے تھے تاکہ دوسرے فریق کو بیع فسخ کرنے کا اختیار نہ رہے۔ حدیث نمبر ۱ کے آخری جملے وکان ابن عُمَرَ اِذَا اشْتَرٰی الخ [cropped] یہی مطلب ہے۔

[cropped]بیع میں خیار کی متعدد صورتیں | واضح ہو کہ بیع میں مختلف نوعیت کے خیار[1] ہوتے ہیں۔

۱۔ خیارِ قبول[2]۔ یعنی عاقدین میں سے جب ایک نے ایجاب کیا (مثلاً کہا میں نے [cropped]) تو دوسرے کو اختیار ہے کہ مجلس میں قبول کرے یا رد کر دے۔ اس کا نام خیارِ قبول ہے۔ خیارِ قبول آخر مجلس تک رہتا ہے۔ [cropped]س بدل جانے کے بعد جاتا رہتا ہے۔ جب ایجاب وقبول دونوں ہو چکے تو بیع لازم وتمام ہو گئی۔ اب کسی کو دوسرے کی [cropped]مندی کے بغیر رَد کر دینے کا اختیار نہیں رہا۔ ہاں اگر مبیع میں عیب ہو یا مبیع کو مشتری نے نہیں دیکھا تو خیارِ عیب و [cropped]ارِ رویت حاصل ہوتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

۲۔ خیارِ شرط۔ بائع ومشتری کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قطعی طور پر بیع نہ کریں۔ بلکہ عقد میں یہ شرط رکھ دیں کہ اگر منظور ہوا [cropped]بیع باقی رہے گی ورنہ نہیں اسے خیارِ شرط کہتے ہیں۔ طرفین کو اس کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ کبھی بائع ناواقفی کی وجہ سے اپنی [cropped]یز کم داموں میں بیچ دیتا ہے یا مشتری اپنی نادانی سے زیادہ میں خرید لیتا ہے۔ اس لئے دوسرے سے مشورہ کر کے صحیح رائے قائم [cropped]ی ہوتی ہے۔ خیار کی مدت زیادہ سے زیادہ تین دن ہے۔ اس سے کم ہو سکتی ہے زیادہ نہیں۔

اب جو مدت مقرر کی ہے اور فریقین میں سے جس نے خیار کی شرط کی ہے اسے مدت کے اندر اندر بیع کو جائز یا فسخ کرنے [cropped]ختیار ہوتا ہے اور تین دن پورے ہو گئے تو بیع کو جائز نہ کیا تو بیع فاسد ہو گئی (درمختار عالمگیری بدائع۔ ہدایہ)

۳۔ خیارِ تعیین۔ چند چیزوں میں سے ایک غیر معین کو خریدا مثلاً یوں کہا کہ ان میں سے ایک خریدتا ہوں تو مشتری [cropped]میں سے جس کو چاہے متعین کر لے اس کو خیارِ تعیین کہتے ہیں۔ اس کی مدت بھی تین یوم تک ہے اور اس میں ایک شرط یہ [cropped]ہ کہ ان چیزوں میں سے صرف ایک کو خریدے۔ یہ اختیار نہیں کہ کہے میں نے سب کو خرید لیا ہے۔ دوم یہ کہ دو چیزوں سے [cropped] یا تین چیزوں میں سے ایک خریدے۔ چار میں سے ایک خریدی تو صحیح نہیں۔ سوم یہ کہ بائع کی طرف سے یہ تصریح ہو کہ [cropped]میں سے جو تو چاہے خرید لے۔ ردالمحتار

۴۔ خیارِ رویت۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ چیز کو بغیر دیکھے بھالے خرید لیتے ہیں اور دیکھنے کے بعد وہ چیز ناپسند ہوتی ہے۔ [cropped]ی صورت میں شرعِ مطہر نے مشتری کو یہ اختیار دیدیا ہے کہ اگر دیکھنے کے بعد چیز کو نہ لینا چاہے تو بیع کو فسخ کر دے (ہٰذا الحدیث [cropped]ہ الامام الاعظم ابوحنیفہ) خیارِ رویت کے لئے کسی مدت کی تحدید نہیں ہے کہ اس کے گذر جانے کے بعد خیار باقی نہ رہے۔ درمختار

---

[1] امام شافعی علیہ الرحمۃ ودیگر آئمہ کے ہاں۔ ایک خیار خیارِ مجلس بھی ہے یعنی جب فریقین نے ایجاب وقبول کر لیا تو ایجاب و [cropped]ل کے بعد بھی دونوں کو اس وقت تک بیع کو ختم کرنے کا اختیار ہے۔ جب تک مجلس سے دونوں علیحدہ نہ ہو جائیں۔

[2] یہاں صرف ضروری طور پر خیار کی صورتیں لکھ دی ہیں تاکہ اس موضوع کی احادیث کے معنیٰ ومطلب سمجھنے میں قارئین کرام [cropped]سانی ہو ورنہ ان تمام قسم کے خیار کی مکمل بحث اور مسائل ان کے مقام پر انشاء اللہ وضاحت کے ساتھ بیان ہوں گے۔

خیارِ عیب - مبیع میں عیب ہو تو اس کا ظاہر کر دینا بائع پر واجب ہے - چھپانا حرام و گناہِ کبیرہ ہے - اگر بغیر عیب ظاہر کئے چیز بیع کر دی تو معلوم ہونے کے بعد واپس کر سکتے ہیں - اس کو خیارِ عیب کہتے ہیں - خیارِ عیب کیلئے یہ شرط ہے -
۱- وہ عیب عقدِ بیع کے وقت موجود ہو یا بعد عقد مشتری کے قبضہ سے پہلے پیدا ہو - لہٰذا مشتری کے قبضہ کے بعد جو عیب پیدا ہوا اس کی وجہ سے خیار حاصل نہ ہوگا ۲- مشتری نے قبضہ کر لیا تو اس کے پاس بھی وہ عیب باقی رہے - تو اگر مشتری کے پاس وہ عیب باقی رہا تو اب خیار بھی نہیں ۳- مشتری عقد یا قبضہ کے وقت عیب پر مطلع نہ ہو تو عیب دار جان کر لیا یا قبضہ کیا تو خیار نہ رہا - ۴- بائع نے عیب سے برآت نہ کی ہو - اگر اس نے کہہ دیا کہ دیکھ لو میں اس کے کسی عیب کا ذمہ دار نہیں ہوں تو اب خیار نہ رہا (عالمگیری)

بَابُ اِذَا لَمْ یُوَقِّتْ فِی الْخِیَارِ هَلْ یَجُوْزُ الْبَیْعُ

باب اگر اختیار کے لئے کسی وقت کا تعین نہ کیا تو کیا بیع جائز ہو گئی؟

مطلب عنوان یہ ہے کہ بائع و مشتری نے خیار کی مدت متعین نہیں کی تو یہ بیع لازم یا جائز ہوگی - لازم کا مطلب یہ ہے فسخ کا اختیار نہ رہے اور جائز کا مطلب اس کی ضد ہے یعنی ناجائز - امام بخاری نے استفہام پر اکتفا کیا - جواب ذکر نہیں کیا کیونکہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے - اور وہ اختلاف وہی ہے کہ احناف کے نزدیک ایجاب و قبول کے بعد بھی خیارِ مجلس باقی رہتا ہے - جیسا کہ تفصیل سے اوپر بیان کیا جا چکا ہے -

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْبَیِّعَانِ بِالْخِیَارِ مَالَمْ یَتَفَرَّقَا اَوْ یَقُوْلُ اَحَدُهُمَا بِصَاحِبِهٖ اِخْتَرْ وَ رُبَّمَا قَالَ اَوْ یَکُوْنُ بَیْعَ خِیَارٍ -

(بخاری)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا - بائع اور مشتری دونوں اختیار ہے - جب تک جدا نہ ہوں یا فریقین میں کوئی دوسرے کو یہ کہہ دے کہ اختیار کر لو - اکثر حضور نے یہ فرمایا کہ اختیار کی شرط کے ساتھ بیع ہو -

فوائد و مسائل حدیث ہٰذا کی عنوان سے مناسبت یہ ہے کہ اس میں مجرد خیار کا ذکر ہے - وقت و میعاد کا ذکر نہیں ہے - مَالَمْ یَتَفَرَّقَا - یہاں جدا ہونے سے احناف کے یہاں مراد، فریقین کا ایجاب و قبول ہے - لیکن شوافع اس سے خیارِ مجلس کا قول کرتے ہیں - درحقیقت ہمارے یہاں مجلس کا کوئی اختیار ہی سرے سے نہیں ابتدائی مرحلہ تو ہے قبول کا، ایک فریق نے جب کہہ دیا کہ میں اپنی چیز اتنی قیمت پر دیتا ہوں یا تمہاری چیز اتنی قیمت پر لیتا ہوں، اب رہ جاتا ہے سوال فریق ثانی کا کہ وہ اسے قبول کرتا ہے یا نہیں - اگر اس نے قبول کر لیا تو پھر مجلس کے اختیار کو باقی رکھنے کا کوئی مفہوم سمجھ میں نہیں آتا - البتہ احناف کے یہاں اور دوسرے اختیارات ہیں - مثلاً کوئی شرط لگادی جو بیع کے خلاف نہیں تھی یا بے دیکھے کوئی چیز خرید لی تو دیکھنے کے بعد بیع کے فسخ کا اختیار ہوتا ہے - اسی طرح کوئی عیب نکل آیا - اس صورت میں بھی بیع فسخ کی جا سکتی ہے - جیسا کہ تفصیل سے بیان ہو چکا ہے -
اَوْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ الخ - اَوْ بمعنی اِلَّا ہے - مطلب یہ کہ اگر دونوں میں سے کوئی دوسرے کو ایجاب و قبول

کے بعد بھی یہ کہہ دے کہ پسند کرلو اور دوسرا اسکے پسند کرلی تو اب مجلس سے افتراق کے باوجود کو فسخ کرنے کا اختیار نہیں رہیگا۔
او یکون بیع خیار۔ مگر یہ کہ بیع میں اختیار کی شرط کرلی جائے تو مدت مقرر تک بیع کو فسخ کرنے کا اختیار رہے گا۔

بَابُ الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا وَبِهِ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَشُرَيْحٌ وَالشَّعْبِيُّ وَطَاؤُسٌ وَعَطَاءٌ وَابْنُ اَبِيْ مُلَيْكَةَ

باب بائع و مشتری جب تک جُدا نہ ہوجائیں۔ انھیں اختیار باقی رہتا ہے۔ حضرت ابن عمر شریح شعبی طاؤس عطاء وابن ابی ملیکہ نے بھی یہ ہی کہا۔

(۱) قَالَ الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا يَتَفَرَّقَا فَاِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا بُوْرِكَ لَهُمَا فِيْ بَيْعِهِمَا وَاِنْ كَذَبَا وَكَتَمَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا

(بخاری)

حکیم ابن حزام سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ بائع و مشتری دونوں کو اختیار ہے۔ جب تک جُدا ہوں۔ پس اگر فریقین نے سچائی اختیار کی۔ اصل حال بیان کردیا تو اس میں برکت ہوگی اور اگر انہوں نے کوئی بات چھپائی یا جھوٹ بولا تو ان کی بیع سے برکت ختم کردی جائے گی۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُتَبَايِعَانِ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا بِالْخِيَارِ عَلٰى صَاحِبِهٖ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا اِلَّا بَيْعَ الْخِيَارِ۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا بائع و مشتری کو اس وقت تک اختیار ہے جب تک جُدا نہ ہوں۔ مگر بیع خیار میں۔

فوائد و مسائل (۱) ان دونوں حدیثوں کی تفہیم و ترجمانی اوپر ہوچکی ہے (۲) حضرت عبداللہ بن عمر حضرت شریح۔ شعبی۔ طاؤس عطاء وابن ابی ملیکہ بھی مالم یتفرقا کا وہی مفہوم لیتے ہیں جو حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ نے سمجھا ہے۔ حضرت شُریح نے حضور کو پایا مگر ملاقات نہ ہوسکی۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں حضرت شریح کو کوفہ کا قاضی مقرر فرمایا۔ جناب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے بھی اپنے دورِ خلافت میں انھیں اسی عہدہ پر بحال رکھا۔ حضرت شُریح نے ساٹھ سال تک قاضی کے فرائض ادا فرمائے۔ ۷۸ھ یا ۸۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ ایکسو بیس برس عمر پائی۔ تعلیق شریح کو سعید ابن منصور نے وصل کیا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔ ایک آدمی نے ایک شخص سے اس کا مکان چار ہزار میں خریدا۔ ایجاب وقبول کے بعد مشتری نے واپس کرنا چاہا تو بائع نے کہا۔ بیع تمام ولازم ہوگئی۔ اب تم کو فسخ کا اختیار نہیں۔ یہ مقدمہ قاضی شریح کی خدمت میں پیش ہوا تو انہوں نے فرمایا۔ ھو بالخیار مالم یتفرقا۔ یعنی اسے خیارِ مجلس حاصل ہے۔ حضرت شعبی عامر بن شراحیل کی تعلیق کو ابن ابی شیبہ نے، حضرت طاؤس ابن کیسان الیمانی کی تعلیق کو امام شافعی نے۔ حضرت عطاء ابن ابی رباح المکی وابن ابی مُلیکہ (عبداللہ) ان دونوں کی تعلیق کو ابن ابی شیبہ نے وصل کیا۔ یہ تمام حضرات رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ خیارِ مجلس کے قائل تھے۔

بَابُ اِذَا خَیَّرَ اَحَدُ ھُمَا صَاحِبَهٗ بَعْدَ الْبَیْعِ فَقَدْ وَجَبَ الْبَیْعُ

باب اگر بیع کے بعد فریقین میں سے ایک نے دوسرے کو پسند کرنے کو کہا تو بیع نافذ ہوجائیگی

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ اِذَا تَبَایَعَ الرَّجُلَانِ فَکُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْخِیَارِ مَالَمْ یَتَفَرَّقَا وَکَانَا جَمِیْعًا اَوْ یُخَیِّرُ اَحَدُ ھُمَا الْاٰخَرَ فَتَبَایَعَا عَلٰی ذٰلِكَ فَقَدْ وَجَبَ الْبَیْعُ وَاِنْ تَفَرَّقَا بَعْدَ اَنْ یَّتَبَایَعَا وَلَمْ یَتْرُكْ وَاحِدٌ مِّنْهُمَا الْبَیْعَ فَقَدْ وَجَبَ الْبَیْعُ۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب دو شخصوں نے خرید وفروخت کی تو جب تک وہ دونوں جُدا نہ ہوجائیں۔ انہیں (بیع کو فسخ کر دینے کا) اختیار باقی رہتا ہے۔ یعنی یہ اسی صورت میں ہے کہ دونوں ایک ہی جگہ تھے۔ لیکن اگر ایک نے دوسرے کو پسند کرلینے کے لئے کہا اور اس شرط پر بیع ہوئی تو بیع اس وقت نافذ ہوجائے گی۔ (اور پھر اس مجلس میں بھی فسخ بیع کا اختیار نہ ہوگا)۔ اسی طرح اگر دونوں فریق بیع کے بعد ایک دوسرے سے جُدا ہوگئے اور بیع سے کسی فریق نے بھی انکار نہیں کیا تو بھی بیع نافذ ہوجائے گی۔

امام نووی علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ حدیث کے لفظ اَوْ یُخَیِّرُ اَحَدُ ھُمَا کا مطلب یہ ہے کہ ایجاب وقبول کے بعد اگر فریقین میں سے کوئی دوسرے سے اسی مجلس میں یہ کہہ دے کہ اب بات ختم کرلو۔ جو معاملہ ہوچکا اس پر مہر تصدیق ثبت کردو اور وہ اس بیع کو پسند کرے تو ایسی صورت میں بیع لازم وتمام ہوگئی اور خیارِ مجلس بھی ختم ہوگیا اور دوسرے نے سکوت اختیار کیا تو اس صورت میں ساکت کے لئے خیارِ مجلس باقی رہے گا۔ امام شافعی کا بھی اس صورت میں یہی مذہب ہے۔ علامہ خطابی نے فرمایا یہ حدیث خیارِ مجلس کے ثبوت کے لئے بہت ہی واضح ہے اور ظاہر حدیث کے خلاف جو تاویل کی جاتی ہے (جیسا کہ حنفی کرتے ہیں اور تفرق بالقول مراد لیتے ہیں) اس کو باطل کر رہی ہے اور حدیث کے آخر الفاظ وَاِن تفرقا بعد ان یتبایعا میں تو اس امر کا بیان واضح ہے کہ تفرق بالبدن ہی خیارِ مجلس کو ختم کرتا ہے اور اگر اس سے تفرق بالقول مراد لیا جائے۔ تو حدیث فائدہ سے خالی ہوجاتی ہے۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ واضح دلیل برائے خیارِ مجلس یہی ہے کہ جب عاقدین میں سے ایک نے ایجاب کیا تو دوسرے کو اختیار رہے۔ اگر چاہے تو قبول کرلے۔ چاہے تو رد کردے۔ لیکن جب ایجاب وقبول طرفین نے کرلیے تو بیع تمام ہوگئی۔ اب ایجاب وقبول کے بعد خیار باقی نہیں رہتا۔ مگر یہ کہ خیار شرط یا خیارِ عیب کی صورت ہو اور دلیل اس کی حدیث سمرہ ہے۔ جسے امام نسائی نے روایت کیا۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال البیعان بالخیار مَالم یتفرّقا و یاخذ کل واحد منہما من البیع مَاھَوٰی۔ و یتخیران ثلاث مرات۔ علامہ طحاوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حدیث ہذا میں یاخذ کل واحد منہما من البیع مَاھوی کے الفاظ اس امر پر دال ہیں کہ جو خیار متبایعین کو حاصل ہے وہ انعقادِ بیع سے قبل ہے اور عقد اس کے اور اس کے صاحب کے درمیان اسی میں ہوگا جس سے وہ راضی ہے نہ کہ اس کے ماسوا میں کیونکہ قائلین فی ہذا الباب کا بھی اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جس افتراق کا اس حدیث میں ذکر ہے وہ بیع کے بعد بدنی افتراق ہے اور مشتری کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ بیع کے جس حصہ سے راضی ہے

اس کو لے لے جو اس کو پسند نہیں اس کو چھوڑ دے بلکہ اسے تو یہ حق ہے کہ یا تو کُل کو لے لے یا کُل کو چھوڑ دے ——— اور یہ بات اس امر پر دال ہے کہ تفرق سے تفرق بالقول ہی مراد ہے نہ کہ بالابدان ——— نیز قرآنِ مجید عرف اور کلامِ عرب سے اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ تفرق سے حدیث میں تفرق بالکلام مراد لیا جاتے۔

(۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اوفوا بالعقود اور ایجاب وقبول (ایک نے کہا بیچی دوسرے نے کہا خریدی) عقد ہی ہے۔ لہٰذا عقد کو قائم رکھنے کا حکم قرآن نے دیا۔ اگر یہ کہا جائے۔ عقد تو انہوں نے کر لیا لیکن جب تک مجلس سے جُدا نہ ہوں۔ بیع کامل نہیں ہے۔ فریقین کو بیع کو فسخ کرنے کا اختیار ہے تو یہ بات اوفوا بالعقود کے خلاف ہی ہے۔

(۲) قرآنِ مجید میں فرمایا۔ ایک دوسرے کا مال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ۔ الا ان تکون تجارۃ ان تراض منکم مگر یہ کہ دونوں کی مرضی سے تجارت ہو۔ تو جب ایجاب وقبول ہوگیا تو اس پر تجارۃ ان تراض صادق آگیا۔ اور قرآن نے خیارِ مجلس پر تجارت کو موقوف نہیں کیا جیسا کہ جنابِ امام شافعی فرماتے ہیں۔

(۳) قرآنِ مجید میں فرمایا۔ واشہدوا۔ اذا تبایعتم۔ جب آپس میں بیع کرو تو گواہ بنا لو تاکہ بیع مضبوط ہو جائے۔ اور دوسرا بیع کا انکار نہ کرسکے۔ تو اگر ایجاب وقبول کے بعد بھی خیارِ مجلس پر بیع کو موقوف رکھا جاتے اور یہ کہا جائے کہ جب تک فریقین میں کوئی۔ مجلس سے جُدا نہ ہو بیع کامل ومکمل نہ ہوگی تو پھر گواہوں کا فائدہ ہی کیا؟ اس لیے تفرق سے تفرق بالقول مراد لینا صحیح وصواب ہے یعنی جب بائع ومشتری نے مجلس میں ایجاب وقبول کر لیا اور اس کلام سے فارغ ہوگئے تو اب کسی کو بیع فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ اب تو مبیع بائع کی ملک سے خارج ہوگئی اور مشتری کی ملک میں آگئی۔

(۴) یہ کہ اگر تفرق سے تفرق بالابدان مراد لیا جائے تو یہ مجہول ہے۔ اس کی غایت معروف نہیں۔ نہ وقت معلوم ہے۔ (حضرت سیدنا امام مالک کے ارشاد لیس لھذا الحدیث حد معروف کا یہی مطلب ہے) تو ایسی صورت میں یہ بیع۔ بیع منابذہ و ملامسہ کے مشابہ ہو جائے گی اور بیع منابذہ و ملامسہ ناجائز ہے۔ لہٰذا حدیث میں مالم یتفرقا سے تفرق بالاقوال مراد لینا ہی اولیٰ و اقویٰ ہے ——— یہاں شوافع علیہم الرحمہ کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے۔ اگر تفرق سے تفرق بالاقوال مراد لیا جائے۔ جیسا کہ حنفی کہتے ہیں تو اس سے محال لازم آتا ہے اور وہ یوں کہ تفرق عرض ہے۔ جوہر کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور حنفی تفرق کو کلام کے ساتھ قائم کر رہے ہیں۔ تو قیام عرض بالعرض لازم آگیا جو باتفاقِ اجماعِ متکلمین اہلسنت محال ہے۔ جواب یہ ہے بات تو ٹھیک ہے مگر کلامِ عرب اور خود قرآنِ مجید میں بھی تفرق کی نسبت غیر اعیان کی طرف شائع و ذائع ہے تو استعمال کی کثرت کی وجہ یہ بمنزلہ حقیقت کے ہوگیا۔

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا (۱) ما تفرق الذین اوتوا الکتاب الخ (۲) لا نفرق بین احد من رسلہ (۳) ان تفرقا یغنی اللہ کلا من فضلہ ——— پہلی دونو آیتوں میں تفرق سے تفرق اعتقاد مراد ہے۔ تیسری آیت میں تفرق بالکلام مراد ہے۔ اسی طرح حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تفترق امتی الخ۔ یا حضور نے فرمایا۔ افترقت بنی اسرائیل علی ثنتین و سبعین (فتح القدیر وغیرہ)

اِذَا كَانَ الْبَائِعُ بِالْخِيَارِ هَلْ يَجُوْزُ الْبَيْعُ

باب اگر بائع کے لیے خیار باقی رکھا گیا تو کیا بیع نافذ ہوگی ؟

عَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا قَالَ هَمَّامٌ وَّجَدْتُّ فِيْ كِتَابِيْ يَخْتَارُ ثَلٰثَ مِرَارٍ فَاِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا بُوْرِكَ لَهُمَا فِيْ بَيْعِهِمَا وَاِنْ كَذَبَا وَكَتَمَا فَعَسٰى اَنْ يَّرْبَحَا رِبْحًا وَّيُمْحَقَا بَرَكَةَ بَيْعِهِمَا

(بخاری)

حضرت حکیم بن حزام سے مروی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بائع و مشتری دونوں کو اختیار ہے جب تک جُدا نہ ہوں۔ حضرت ہمام کہتے ہیں۔ میں نے اپنی کتاب جس میں شیوخ سے سُنی ہوئی احادیث وہ نقل کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص مجلس میں تین بار اپنی پسندیدگی کا اظہار کر دے تو مجلسِ مذکورہ کا اختیار جاتا رہے گا۔ پھر اگر دونوں سچ بولیں۔ عیب ہو تو اس کو بیان کر دیں تو ان کی بیع میں برکت ہوگی اور اگر انہوں نے جھوٹ سے کام لیا یا عیب کو چھپایا تو فائدہ تو حاصل کرلیں گے۔ مگر ان کی بیع کی برکت نہ ہوگی۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ بَيِّعَيْنِ لَا بَيْعَ بَيْنَهُمَا حَتّٰى يَتَفَرَّقَا اِلَّا بَيْعَ الْخِيَارِ۔

حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی بھی خریدنے اور بیچنے والے میں اس وقت تک بیع نہیں ہوتی جب تک وہ جُدا نہ ہو جائیں۔ مگر بیعِ خیار (یعنی وہ بیع جس میں اختیار کی شرط لگا دی گئی ہو)۔

فوائد و مسائل ان احادیث پر اوپر تفصیل کے ساتھ گفتگو ہو چکی ہے۔ مطلب عنوان یہ ہے کہ اگر بائع کے لئے خیار ہو تو ایسی صورت میں کیا بیع لازم و جائز ہوگی۔ امام بخاری علیہ الرحمہ نے جواب ذکر نہ کیا اور حدیث کے الفاظ لَا بَيْعَ بَيْنَهُمَا پر اکتفا کیا ——— حدیث کے اس جملہ کا مطلب یہ ہے۔ بائع و مشتری میں اس وقت تک بیع نہیں ہوتی۔ جب تک وہ جُدا نہ ہو جائیں۔ یعنی ایجاب و قبول مکمل نہ کرلیں۔ البتہ وہ بیع جس میں اختیار کی شرط لگا دی گئی ہے تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ اختیار کی شرط کی صورت میں مدتِ مقررہ تک بیع کو فسخ کرنے یا جائز کر دینے کا اختیار رہے گا۔

بَابٌ اِذَا اشْتَرٰى شَيْئًا فَوَهَبَ مِنْ سَاعَتِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّتَفَرَّقَا وَلَمْ يُنْكِرِ الْبَائِعُ عَلَى الْمُشْتَرِيْ اَوِ اشْتَرٰى عَبْدًا فَاَعْتَقَهٗ

باب ایک شخص نے کوئی چیز خریدی اور جُدا ہونے سے پہلے ہبہ کر دی اور بائع نے اس پر اعتراض بھی نہ کیا یا غلام خریدا اور اسے بائع کی موجودگی میں ہی آزاد کر دیا۔

اس عنوان سے واضح ہوتا ہے کہ امام بخاری کے مسلک میں شوافع سے زیادہ توسیع ہے۔ شوافع کے ہاں خیارِ مجلس کو ختم کرنے کی دو ہی صورتیں ہیں یا فریقین ایک دوسرے سے جُدا ہو جائیں یا پسند کر لینے کی آخری بات کر لیں۔ ان کے

ہاں خیارِ مجلس کے ختم ہونے کی تیسری کوئی صورت نہیں۔ کیونکہ خیارِ شرط کا معاملہ تو پہلے ہی نص سے مستثنیٰ ہے۔ امام بخاری نے خیارِ مجلس کو ختم کرنے کی تیسری صورت بھی اختیار فرمائی اور وہ یہ ہے۔ بائع کی موجودگی میں مشتری نے اپنی خریدی ہوئی چیز میں تصرف کیا اور بائع نے اس پر اعتراض بھی نہ کیا اور وہ یہ ہے کہ خریدی ہوئی چیز ہبہ کر دی یا غلام تھا آزاد کر دیا تو اس سے خیارِ مجلس جاتا رہے گا۔

قَالَ طَاؤُسٌ فِيمَنْ يَّشْتَرِي السِّلْعَةَ عَلَى الرِّضَا ثُمَّ بَاعَهَا وَجَبَتْ لَهُ وَالرِّبْحُ لَهُ۔

طاؤس نے اس شخص کے متعلق کہا جو (فریق ثانی کی) رضامندی کے بعد کوئی سامان اس سے خریدے اور پھر اسے بیچ دے کہ یہ بیع نافذ ہو جائے گی اور اس کے نفع کا بھی وہی مستحق ہوگا۔ اس تعلیق کو سعید ابن منصور نے وصل کیا ہے۔ مفہومِ تعلیق واضح ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَكُنْتُ عَلَى بَكْرٍ صَعْبٍ لِعُمَرَ فَكَانَ يَغْلِبُنِي فَيَتَقَدَّمُ اَمَامَ الْقَوْمِ فَيَزْجُرُهُ عُمَرُ وَيَرُدُّهُ ثُمَّ يَتَقَدَّمُ فَيَزْجُرُهُ عُمَرُ وَيَرُدُّهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعُمَرَ بِعْنِيْهِ قَالَ هُوَ لَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ بِعْنِيْهِ فَبَاعَهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ لَكَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ تَصْنَعُ بِهِ مَا شِئْتَ (بخاری)

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ میں عمر رضی اللہ عنہ کے ایک نئے اور سرکش اونٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اکثر وہ مجھے مغلوب کر کے سب سے آگے نکل جاتا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے ڈانٹ کر پیچھے واپس [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یہ اونٹ [illegible] دو، عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول [illegible] ہی کا ہے۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ نہیں، مجھے یہ اونٹ بیچ دو۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ اونٹ بیچ دیا۔ اس کے بعد حضور نے فرمایا۔ عبداللہ بن عمر! اب یہ اونٹ تمہارا ہو گیا جس طرح چاہو اسے استعمال کرو۔

فوائد و مسائل

(۱) بکر نوجوان اونٹ کو کہتے ہیں۔ صعب کے معنی مشکل کے ہیں حاصلِ معنی یہ ہیں وہ اونٹ بہت تیز رو تھا (۲) صحابہ کرام حضور کی تعظیم و توقیر کا اس درجہ خیال رکھتے تھے کہ اپنی سواری کو بھی حضور کی سواری کے آگے نہ ہونے دیتے تھے (۳) سواری کے جانور کو زجر و توبیخ جائز ہے تاکہ وہ سواری کی حسبِ منشا چلے (۴) اس حدیث سے واضح ہوا کہ مبیع میں تصرف جائز ہے۔ اگرچہ اس کی قیمت ابھی بائع کو ادا نہ کی ہو۔ امام محمد علیہ الرحمہ نے اس حدیث سے یہ استدلال فرمایا کہ اگر مبیع کو قبل القبض ہبہ کر دیا یا صدقہ و خیرات کر دیا یا بائع کے علاوہ کسی اور کے پاس رہن رکھ دیا تو یہ جائز ہے۔ وھو الاصح خلافا لابی یوسف۔

فائدہ واضح ہو کہ ان دونوں تعلیقوں اور حدیث سے آفتابِ نیمروز کی طرح واضح ہو گیا کہ بیع ایجاب و قبول سے لازم و جائز ہو جاتی ہے۔ یعنی تفرق بالکلام سے بیع پوری ہو جاتی ہے۔ دیکھئے حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ

خریدنے کے فوراً بعد اسی ساعت میں قبل تفرق بالابدان وہ اونٹ حضرت ابن عمر کو ہبہ فرما دیا۔ تو اگر وہ اونٹ حضور کی ملک میں نہ آیا تھا اور بیع تام نہ ہوئی تھی تو حضور اس کو ہبہ کیسے فرما سکتے تھے۔ معلوم ہوا کہ بیع صرف ایجاب وقبول سے لازم و مکمل و جائز ہو جاتی ہے۔ فافہم۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ بِعْتُ مِنْ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عُثْمَانَ مَالًا بِالْوَادِیْ بِمَالٍ لَّهٗ بِخَيْبَرَ فَلَمَّا تَبَايَعْنَا رَجَعْتُ عَلٰی عَقِبِیْ حَتّٰی خَرَجْتُ مِنْ بَيْتِهٖ خَشْيَةَ اَنْ يُّرَادَّنِی الْبَيْعَ وَكَانَتِ السُّنَّةُ اَنَّ الْمُتَبَايِعَيْنِ بِالْخِيَارِ حَتّٰی يَتَفَرَّقَا قَالَ عَبْدُ اللهِ فَلَمَّا وَجَبَ بَيْعِیْ وَبَيْعُهٗ رَاَيْتُ اِنِّیْ قَدْ غَبَنْتُهٗ بِاَنِّیْ سُقْتُهٗ اِلٰی اَرْضِ ثَمُوْدَ بِثَلٰثِ لَيَالٍ وَّسَاقَنِیْ اِلَی الْمَدِيْنَةِ بِثَلٰثِ لَيَالٍ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی وادی قریٰ کی زمین، ان کی خیبر کی زمین کے بدلے میں بیچی تھی۔ پھر جب ہم نے بیع کرلی۔ تو میں اُلٹے پاؤں ان کے گھر سے، اس خیال سے باہر نکل آیا کہ کہیں وہ بیع فسخ نہ کردیں۔ کیونکہ اس وقت طریقہ یہ تھا کہ بیچنے اور خریدنے والے کو (بیع فسخ کرنے کا) اختیار اس وقت تک ہوتا تھا۔ جب تک وہ ایک دوسرے سے جُدا نہ ہو جاتے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب ہماری خرید وفروخت پوری ہوگئی اور میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ عثمان رضی اللہ عنہ نقصان میں رہے۔ کیونکہ (اس تبادلہ کے نتیجے میں، میں نے ان کی سابقہ زمین سے) انہیں تین دن کی مسافت پر ارضِ ثمود کی طرف کر دیا تھا اور انھوں نے مجھے (میری مسافت کم کرکے) مدینہ سے تین رات کی مسافت لا چھوڑا تھا۔

فوائد ومسائل

مَالًا بِالْوَادِی مال سے مراد زمین ہے۔ بالوادی میں اگر لام عہد خارجی ہو۔ تو وادیٔ معہود مراد ہوگی۔ یہ بھی کہا گیا ہے وادی القریٰ اعمال المدینہ سے تھی۔ بخیبر ایک مقام ہے مدینہ سے شمال ومشرق کی طرف۔ چھ مرحلہ پر اور یہود کے لغت میں خیبر کے معنی قلعہ کے ہیں۔ (۲) حضرت ابن عمر زمین کی فروخت کے بعد فوراً مجلس سے علیحدہ ہو گئے تاکہ حضرت عثمانِ غنی بیع فسخ نہ کرسکیں اور انھیں خیارِ مجلس نہ حاصل ہو۔ لیکن کانت السنۃ کا لفظ یہ بتا رہا ہے۔ تفرق بالبدن کا رواج اوّل دَور میں تھا۔ کیونکہ وہ زمانہ خلق ومروّت کے کمال کا زمانہ تھا اور حضرت ابن عمر نے جس وقت یہ بیع کی تھی اس زمانہ میں تفرق بالابدان متروک ہو چکا تھا۔ جناب ابن عمر سُنن ومستحبات پر بھی سختی سے عمل فرماتے تھے۔ اس لئے انھوں نے تفرق بالبدن پر عمل کیا۔ چنانچہ ابن تین نے کہا کہ عبد الملک نے یہ تصریح کی ہے کہ بعض روایات میں کانت السنۃ یومئیذ کے الفاظ آئے ہیں اور اگر تفرق بالابدان بیع کے لازم وتمام ہونے کے لئے ایک ضروری ولازمی چیز ہوتی تو آپ کانت السنۃ کے الفاظ نہ بولتے۔ نیز ابن رشد نے ذکر کیا ہے۔ ان عثمان قال لابن عمر لیست السنۃ بافتراق الابدان قد انتسخ ذالك۔ خلاصہ یہ کہ اس حدیث سے بھی یہ بات واضح ہوگئی کہ بیع ایجاب وقبول کے بعد تمام ولازم ہو جاتی ہے۔ خواہ فریقین مجلس میں رہیں یا جُدا ہو جائیں۔ (۲) اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ زمین کے عوض زمین فروخت کرنا جائز ہے۔

بَابُ مَا یُکْرَہُ مِنَ الْخِدَاعِ فِی الْبَیْعِ

باب خرید وفروخت میں دھوکہ دینا ممنوع ہے

مطلب عنوان یہ ہے کہ بیع وشراء میں دھوکہ وفریب ناجائز ہے۔ مگر اس کے باوجود بیع درست ہے — البتہ غبنِ فاحش کی صورت میں بیع کو رد کر سکتا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا ذَکَرَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ یُخْدَعُ فِی الْبُیُوْعِ فَقَالَ اِذَا بَایَعْتَ فَقُلْ لَاخِلَابَۃَ (بخاری)

حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور ایک شخص نے عرض کیا۔ وہ اکثر خرید وفروخت میں دھوکہ کھا جاتا ہے۔ حضور نے فرمایا تم کسی چیز کی خرید وفروخت کیا کرو تو یوں کہہ دیا کرو کہ دھوکہ کوئی نہ ہو۔

فوائد ومسائل رجلا سے مراد حضرت حبان بن منقذ صحابی انصاری مازنی مراد ہیں۔ یہ حضور کے ساتھ اُحد اور اس کے بعد کے معرکوں میں شریک ہوتے۔ جہاد کے کسی معرکہ میں ان کے سر پر پتھر سے چوٹ آئی۔ جس کی وجہ سے ان کی زبان میں لکنت اور عقل وشعور میں کمی آگئی تھی۔ جناب عثمانِ غنی کے دورِ خلافت میں ان کا وصال ہوا۔ انہوں نے بارگاہِ نبوت میں عرض کی تھی کہ میں عموماً بیع وشراء میں دھوکہ کھا جاتا ہوں۔ حضور نے فرمایا۔ تم بیع وشراء کے وقت یہ کہہ دیا کرو۔ لاخلابۃ دھوکہ نہ ہو۔ خلابہ کے معنی دھوکہ کے ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک اس جملہ سے خیارِ شرط مراد ہے۔ یعنی ان الفاظ کے کہہ دینے سے خیار حاصل ہو جاتا ہے کہ اگر انہیں کوئی نقصان کی بات نظر آئے تو بیع کو فسخ کر سکتے ہیں —— واضح ہو کہ کوئی چیز غبنِ فاحش کے ساتھ خریدی جائے تو اگر غبن کے ساتھ دھوکہ بھی ہے تو واپس کر سکتے ہیں۔ ورنہ نہیں۔ غبنِ فاحش کا مطلب یہ ہے کہ اتنا ٹوٹا ہو جو مقومین کے اندازہ سے باہر ہو۔ مثلاً دس کی چیز خریدی تو کوئی اس کی قیمت پانچ بتاتا ہے اور کوئی چھ۔ تو یہ غبنِ فاحش ہے۔ کبھی بائع مشتری کو دھوکہ دیتا ہے۔ پانچ کی چیز دس میں فروخت کرتا ہے۔ کبھی مشتری بائع کو دھوکہ دیتا ہے کہ دس کی چیز پانچ میں خرید لیتا ہے اور کبھی دلال دھوکہ دیتا ہے۔ ان تینوں صورتوں میں جس کو غبنِ فاحش کے ساتھ نقصان پہنچا ہے۔ بیع کو فسخ کر سکتا ہے (۲) مدتِ خیار میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ ابن ابی لیلٰے، حسن بن صالح، امام ابو یوسف، محمد، احمد، اسحٰق، ابو ثور، داؤد ابن المنذر کہتے ہیں۔ بیع میں خیارِ شرط جائز ہے اور شرط لازم ہے اس مدت پر جو ٹھہری ہے۔ لیث کا قول یہ ہے کہ خیار تین دن تک ہوگا۔ عبید اللہ بن حسن۔ مجھے خیارِ طویل پسند نہیں۔ البتہ مشتری کے لئے خیار کی مدت وہ ہوگی جس کو بائع منظور کرے۔ ابن شبرمہ اور ثوری کا نظریہ یہ ہے۔ ایسی بیع جائز ہی نہیں ہے۔ جس میں بائع یا مشتری یا دونوں کے لیے خیار کی شرط کی جائے۔ سفیان کہتے ہیں۔ اس صورت میں بیع فاسد ہے البتہ مشتری کو دس دن تک خیار رہتا ہے۔ حضرت امام مالک فرماتے ہیں۔ اگر کپڑا خریدا ہے تو اس میں ایک دن یا دو دن کا خیار ہوگا۔ لونڈی خریدی ہے تو پانچ دن اور جانور میں ایک دن کا خیار ہوگا تاکہ اس پر سوار ہو کر دیکھ لے۔ اگر مکان خریدا ہے تو اس میں ایک ماہ کا خیار ہوگا تاکہ ماہرین سے مشورہ کر سکے اور یہ کہ خیار بائع ومشتری یا دونوں کے لئے مشروع ہے۔ اوزاعی کا ارشاد ہے کہ جائز یہ ہے کہ ایک ماہ یا

اس سے زیادہ کی شرط کرے ـــــ اور سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ، امام شافعی و زفر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کا مذہب یہ ہے کہ بیع تین دن کا خیار شرط جائز ہے۔ اس سے زیادہ کا جائز نہیں۔ اگر تین دن سے زیادہ کی شرط کرلی تو بیع فاسد ہے۔ دلیل ان کی متعدد احادیث ہیں۔ جن میں ثلاث لیالی (ابن ماجہ)۔ انت بالخیار ثلاثا (رواہ البخاری فی تاریخہ) الخیار ثلاثۃ ایام (عبدالرزاق فی مصنف)۔ الخیار ثلاثۃ ایام (دارقطنی)۔ ان احادیث سے واضح ہوا کہ خیار کی مدت تین دن ہے اس سے زیادہ نہیں۔

بَابُ مَا ذُكِرَ فِي الْأَسْوَاقِ

باب بازاروں کے ذکر میں

وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ قُلْتُ هَلْ مِنْ سُوْقٍ فِيْهِ تِجَارَةٌ قَالَ سُوْقُ قَيْنُقَاعَ وَقَالَ اَنَسٌ قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ دُلُّوْنِيْ عَلَى السُّوْقِ۔
وَقَالَ عُمَرُ اَلْهَانِيْ الصَّفْقُ بِالْاَسْوَاقِ۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا۔ جب ہم مدینہ آئے تو میں نے کہا۔ یہاں بازار ہے جہاں تجارت ہوتی ہو۔ تو بولے بازار قینقاع ہے۔ حضرت انس نے کہا کہ عبدالرحمٰن نے کہا۔ مجھے بازار کا راستہ بتاؤ۔ حضرت عمر نے فرمایا۔ مجھے بازار کی خرید و فروخت نے غافل رکھا۔

فوائد و مسائل عنوان سے مناسب سوق بنی قینقاع کے لفظ ہیں۔ یہ حدیث انس کا ایک ٹکڑا ہے۔ جسے امام بخاری نے موصولا کتاب البیوع کے اوّل میں ذکر کیا ہے جس پر بحث ہو چکی ہے۔(۲) ابن بطال نے کہا۔ بازاروں کے ذکر سے یہ بتانا مقصود ہے کہ بازار میں تجارت مباح ہے اور یہ کہ بازار میں نیک صالح لوگ خرید و فروخت کے لئے جا سکتے ہیں۔ حدیث احمد و بزار و حاکم کا مضمون یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

احب البقاع الی اللہ تعالیٰ المساجد و ابغض البقاع الی اللہ تعالیٰ الاسواق

اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ جگہ مساجد ہیں اور سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز بازار ہیں۔

اس حدیث کے ظاہر سے یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ جب بازار اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہیں تو ایسی جگہ اشراف و فضلاء، علماء اور صالح افراد کو نہیں جانا چاہیئے۔

تو بات یہ ہے۔ بازار کو ناپسندیدہ اس بنا پر کہا گیا ہے کہ وہاں عموماً فسق و فجور اور لین دین میں دھوکہ و فریب کا بازار گرم ہوتا ہے۔ نہ اس لئے کہ وہ زمین ہی مبغوض ہے۔ لہٰذا ضرورت کے وقت وہاں جانا یا دیانت و امانت کے ساتھ وہاں خرید و فروخت کرنا جائز و مباح ہے ـــــ اور ظاہر ہے کہ جب آدمی خرید و فروخت میں مشغول ہوتا ہے تو پھر اس کی قلبی کیفیت وہ نہیں ہوتی جو مسجد میں ہوتی ہے۔ مسجد میں ذکر الٰہی، عبادت و ریاضت کی بنا پر بندہ اپنے رب کے قریب ہوتا ہے۔ اسی کیفیت کو جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے الہانی الصفق باسواق سے یہاں فرمایا ہے۔ امام بخاری علیہ الرحمہ نے اس تعلیق کو باب الخروج فی التجارۃ کتاب البیوع میں وصل کیا ہے۔

عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَغْزُوْا جَیْشٌ نِ الْکَعْبَۃَ فَاِذَا کَانُوْا بِبَیْدَآءَ مِنَ الْاَرْضِ یُخْسَفُ بِاَوَّلِہِمْ وَاٰخِرِہِمْ قَالَتْ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ یُخْسَفُ بِاَوَّلِہِمْ وَاٰخِرِہِمْ وَفِیْہِمْ اَسْوَاقُہُمْ وَمَنْ لَّیْسَ مِنْہُمْ قَالَ یُخْسَفُ بِاَوَّلِہِمْ وَاٰخِرِہِمْ ثُمَّ یُبْعَثُوْنَ عَلٰی نِیَّاتِہِمْ

علیہ وسلم نے فرمایا، ایک لشکر، کعبہ پر فوج کشی کرے گا۔ جب وہ مقام بیداء پر پہنچے گا تو انہیں شروع سے آخر تک زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے کہا، یا رسول اللہ! شروع سے آخر تک کیونکر دھنسایا جائے گا۔ جب کہ وہیں بازار بھی ہوں گے اور وہ وہ لوگ بھی جو ان لشکریوں میں سے نہیں ہوں گے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں، شروع سے آخر تک دھنسا دیا جائیگا۔ پھر اپنی نیتوں کے مطابق ان کا حشر ہوگا۔

فوائد و مسائل عنوان کے مناسب اس حدیث کے الفاظ **وفیھم اسواقھم** ہیں۔ بیداء مکہ و مدینہ کے درمیان ایک خاص مقام کا نام ہے۔ جناب عائشہ کے سوال کا مقصد یہ تھا۔ جو لوگ کعبہ پر چڑھائی کی نیت سے آئیں گے۔ وہ تو مجرم تھے مگر باقی لوگ جو بازار میں خرید و فروخت کرنے والے اور دوسرے وہ لوگ جو اس گروہ میں شامل نہ تھے۔ ان کو کیوں دھنسایا جائیگا۔ حضور نے فرمایا اول و آخر سب کو دھنسا دیا جائیگا۔ مطلب جواب یہ ہے کہ جب سیلاب آتا ہے تو اچھے اور برے کی تفریق کے بغیر سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے؟ البتہ ان کا حشر ان کی نیتوں کے مطابق ہوگا۔ معلوم ہوا کہ اعمال کا مدار نیت پر ہے۔ ظالم فاسق و فاجر کی مصاحبت سے بچنا چاہیئے۔ نہ معلوم گناہوں کی وجہ سے کب ان پر عذاب آجائے اور اس کی لپیٹ میں نیک و صالح بھی آجائیں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ سے ہر آن ڈرنا چاہیئے۔ اس کی حکمتیں وہی جانتا ہے۔ عاجزی انکساری ہی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ اپنے نیک اعمال پر غرور و تکبر نہیں کرنا چاہیئے۔ وہ قادر قدیر خدا ہے۔ جو چاہتا کرتا ہے۔ اس کے چاہنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈال سکتا۔

اس حدیث سے یہ بھی واضح ہے کہ کعبہ شریف کی بے حرمتی کرنا عذاب الٰہی کو دعوت دینا ہے۔ کعبہ کی تعظیم و توقیر واجب و لازم ہے۔ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ سے قبل ابرہہ نے اپنے لشکرِ جرار اور سفید ہاتھیوں کی مدد سے کعبۂ مقدسہ کی بے حرمتی کی نیت سے مکہ پر چڑھائی کی تھی۔ لیکن عذابِ الٰہی کی گرفت میں آکر تباہ و برباد ہوگیا۔ اللہ عزوجل نے ابابیلیں بھیجیں جو مسور کی دال کے برابر تین تین کنکریاں لائیں اور لشکر ابرہہ کو تہہ و بالا کرگئیں۔ قرآن نے اسی واقعہ کے متعلق فرمایا۔ **الم ترکیف فعل ربك باصحاب الفیل** الخ اس لیے آج اسلام دشمن طاقتیں خصوصاً یہود مقاماتِ مقدسہ کی بے حرمتی اور ان پر قبضہ کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ انشاءاللہ خائب و خاسر و نامراد ہی رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ نہ سکیں گے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوۃُ اَحَدِکُمْ فِیْ جَمَاعَۃٍ تَزِیْدُ عَلٰی صَلٰوتِہٖ فِیْ سُوْقِہٖ وَبَیْتِہٖ بِضْعًا وَّعِشْرِیْنَ دَرَجَۃً وَّ ذٰلِكَ بِاَنَّہٗ اِذَا تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جماعت کے ساتھ کسی کی نماز، بازار میں یا اپنے گھر میں تنہا نماز پڑھنے سے تقریباً بیس گنا بڑھ کر ہے۔ (ثواب کے اعتبار سے)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ایک

ثُمَّ اَتَى الْمَسْجِدَ لَا يُرِيْدُ اِلَّا الصَّلٰوةَ لَا يَنْهَزُهُ اِلَّا الصَّلٰوةُ لَمْ يَخْطُ خُطْوَةً اِلَّا رُفِعَ بِهَا دَرَجَةً اَوْ حُطَّتْ عَنْهُ بِهَا خَطِيْئَةٌ وَالْمَلٰئِكَةُ تُصَلِّيْ عَلٰى اَحَدِكُمْ مَّادَامَ فِيْ مُصَلَّاهُ الَّذِيْ يُصَلِّيْ فِيْهِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ مَالَمْ يُحْدِثْ فِيْهِ مَالَمْ يُؤْذِ فِيْهِ وَقَالَ اَحَدُكُمْ فِيْ صَلٰوةٍ مَّا كَانَتِ الصَّلٰوةُ تَحْبِسُهُ

شخص وضو کرتا ہے، اس کے تمام حسن و آداب کی رعایت کے ساتھ اور پھر مسجد میں صرف نماز کے ارادہ سے آتا ہے، نماز کے سوا اور کوئی چیز اسے مسجد لے جانے کا باعث نہیں بنتی تو جو بھی قدم وہ اٹھاتا ہے۔ اس سے ایک درجہ اس کا بلند ہوتا ہے یا اس کی وجہ سے ایک گناہ اس کا معاف ہوتا ہے۔ جب تک ایک شخص اپنے اس مصلّی پر بیٹھا رہتا ہے جس پر اس نے نماز پڑھی تھی تو ملائکہ برابر اس کے لئے رحمت کی دُعا کرتے رہتے ہیں۔ "اے اللہ اس پر اپنی رحمتیں نازل کر، اے اللہ اس پر رحم فرما۔" یہ اس وقت تک ہوتا رہتا ہے۔ جب تک وہ وضو توڑ کر فرشتوں کو تکلیف نہ پہنچائے۔ جتنی دیر تک بھی آدمی نماز کی وجہ سے رُکا رہتا ہے وہ سب نماز ہی میں شمار ہوتا ہے۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے باب فضل الجماعۃ اور باب الحدث فی المسجد وغیرہ میں ذکر کیا ہے۔ دیکھو فیوض الباری ج۲ ص۱۷۱ عنوان سے مناسب فی سوقہ کے لفظ ہیں۔ یہ حدیث اپنے مفہوم میں واضح ہے اگرچہ نماز ہر جگہ پڑھی جا سکتی ہے تاہم مسجد میں نماز پڑھنے کا بہت ثواب ہے (۲) مصلاہ سے بعض نے مسجد میں جس جگہ نماز پڑھی ہے وہ مراد لیا ہے۔ بہرحال آدمی جب تک مسجد میں نماز کے انتظار میں رہتا ہے تو یہ سارا وقت عبادت ہی میں شمار ہوتا ہے اور ملائکہ رحمت باوضو شخص کے لئے نزولِ رحمت کی دُعائیں کرتے رہتے ہیں۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السُّوْقِ فَقَالَ رَجُلٌ يَّا اَبَا الْقَاسِمِ فَالْتَفَتَ اِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّمَا دَعَوْتُ هٰذَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمُّوْا بِاسْمِيْ وَلَا تَكْتَنُوْا بِكُنْيَتِيْ (بخاری)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ بازار میں تھے کہ ایک شخص نے کہا، یا ابا القاسم نبی کریم اس کی طرف متوجہ ہو گئے (کیونکہ آپ کی کنیت بھی ابوالقاسم ہی تھی) اس پر اس شخص نے کہا کہ میں نے تو اس کو بلایا تھا (ایک دوسرے شخص کو جو ابوالقاسم ہی کی کنیت رکھتا تھا) آنحضور نے فرمایا کہ تم لوگ مجھے میرا نام لے کر پکارا کرو، کنیت سے نہ پکارا کرو (کیونکہ آپ اپنے اسم مبارک میں منفرد تھے لیکن کنیت بہت سے لوگوں کی ابوالقاسم تھی)۔

عَنْ اَنَسٍ دَعَا رَجُلٌ بِالْبَقِيْعِ يَا اَبَا الْقَاسِمِ فَالْتَفَتَ اِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَمْ اَعْنِكَ قَالَ سَمُّوْا بِاسْمِيْ وَلَا تَكْتَنُوْا بِكُنْيَتِيْ (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے بقیع میں (جب کہ آنحضور بھی وہاں موجود تھے)، کسی کو پکارا۔ "اے ابوالقاسم! حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہو گئے تو اس شخص نے کہا کہ میں نے آپ کو نہیں پکارا تھا۔ آنحضور نے اس کے بعد فرمایا کہ میرا نام لے کر پکارا کرو۔ کنیت سے نہ پکارا کرو۔

فوائد و مسائل پہلی حدیث میں فی السوق کے الفاظ عنوان کے مطابق ہیں۔ دوسری میں عنوان کے مطابق کوئی لفظ نہیں ہے —— علامہ طحاوی علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ حضرت محمد بن حنفیہ، امام مالک امام احمد اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ حضور کے نام و کنیت دونوں کو اختیار کرنا جائز ہے[1]۔ یہ حضرات فرماتے ہیں۔ ممانعت کی حدیث میں ممانعت یا تو منسوخ ہے یا کراہت سے کراہت تنزیہی مراد ہے یا پھر ممانعت حضور کی ظاہری حیات کے ساتھ خاص تھی۔ وصال کے بعد نہیں۔ امام طحاوی نے فرمایا۔ صحابہ کرام کی ایک جماعت کے نام محمد اور کنیت ابوالقاسم تھی۔ جیسے محمد بن طلحہ، محمد بن اشعث، محمد بن ابی حذیفہ —— امام بدر عینی فرماتے ہیں۔ بیہقی نے اپنی سنن میں متعدد ایسے اشخاص کا ذکر کیا ہے۔ جن کی کنیت ابوالقاسم اور نام محمد ہے۔ جیسے محمد بن جعفر بن ابی طالب، محمد بن سعید بن ابی وقاص، محمد بن حاطب، محمد المنتشر اور محمد بن سیدین ابراہیم نخعی امام شافعی اور اہل ظاہر، ظاہر حدیث کو سند بناتے مطلقاً ممانعت کا قول کرتے ہیں۔ (کذا فی التہذیب) علامہ کرمانی کا ارشاد یہ ہے۔ سموا باسمی میں امر وجوب کے لیے ہے اور لا تکتنوا نہی تحریم کے لئے ہے۔

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ الدَّوْسِیِّ قَالَ خَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی طَآئِفَةِ النَّهَارِ لَا یُکَلِّمُنِی وَلَا اُکَلِّمُهٗ حَتّٰی اَتٰی سُوقَ بَنِی قَیْنُقَاعَ فَجَلَسَ بِفِنَآءِ بَیْتِ فَاطِمَةَ فَقَالَ اَثَمَّ لُکَعُ فَحَبَسَتْهُ شَیْئًا فَظَنَنْتُ اَنَّهَا تُلْبِسُهٗ سِخَابًا اَوْ تُغَسِّلُهٗ فَجَاءَ یَشْتَدُّ حَتّٰی عَانَقَهٗ وَقَبَّلَهٗ وَقَالَ اللّٰهُمَّ اَحْبِبْهُ وَاَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّهٗ قَالَ سُفْیٰنُ قَالَ عُبَیْدُ اللّٰهِ اَخْبَرَنِی اَنَّهٗ رَاٰی نَافِعَ ابْنَ جُبَیْرٍ اَوْتَرَ بِرَکْعَةٍ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ دوسی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دن کے ایک حصہ میں تشریف لے چلے، نہ آپ نے مجھ سے کوئی بات کہی اور نہ میں نے آپ سے، اسی طرح آپ بنی قینقاع کے بازار میں آئے۔ پھر (واپس ہوئے اور) فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے سامنے جلوہ فرما ہوئے اور فرمایا۔ چھوٹا بچہ (حسن) —— کہاں ہے۔ حضرت فاطمہ (کسی مشغولیت کی وجہ سے فوراً) آپ کی خدمت میں نہ آسکیں۔ میں نے خیال کیا۔ ممکن ہے۔ حسن کو کرتا پہنا رہی ہوں یا نہلا رہی ہوں۔ کچھ دیر بعد حسن دوڑے ہوئے آئے حضور نے انہیں سینے سے لگایا۔ پیار کیا اور فرمایا۔ اے اللہ اسے محبوب رکھ اور اس کو بھی محبوب رکھ جو اس سے محبت رکھتا ہے —— سفیان نے کہا۔ عبید اللہ کہتے ہیں کہ ہم نے نافع بن جبیر کو ایک رکعت وتر پڑھتے دیکھا۔

فوائد و مسائل (۱) عنوان سے مطابق سوق بنی قینقاع کے لفظ ہیں۔ امام بخاری نے اس حدیث کو باب وضع الماء فی الخلاء اور لباس میں بھی ذکر کیا ہے۔ مسلم نے فضائل میں۔ نسائی نے مناقب

---

[1] حضرت علی فرماتے ہیں۔ میں نے بحضور نبوی عرض کیا۔ اگر میرے فرزند تولد ہوا تو اس کا نام آپ کے نام پر اور اس کی کنیت آپ کی کنیت پر رکھ لوں۔ حضور نے فرمایا۔ قال نعم (طحاوی) ہاں اجازت ہے۔

ہیں اور ابن ماجہ نے سنۃ میں ذکر کیا ہے (۲) لا یکلمنی - جب حضور مراقبہ الٰہی میں مشغول ہوں یا خاموش تو صحابہ کرام کا طریقہ یہ ہی تھا کہ حضور سے گفتگو میں ابتدار نہیں کرتے تھے - جناب ابوہریرہ تعظیم و توقیر کی بنا پر خاموش رہے اور حضور مراقبہ الٰہی میں تھے (۳) اثم لکع کے الفاظ سے حضور نے حضرت حسن یا حسین علیہم السلام کو یاد فرمایا تھا - لکع کے معنیٰ صغر کے ہیں - سخابا چھوٹے ہار کو کہتے ہیں - جس میں چاندی سونا کے دانے نہ ہوں یا مزیوں کے ہار کو کہتے ہیں - معانقہ، مصافحہ اور ماتھے کو چومنا جائز ہے - حضرت فاروق اعظم، شعبی، ابومجلز، لاحق بن حمید، عمرو بن میمون، اسود بن ہلال، امام ابویوسف امام مالک ایک مرد کے ساتھ معانقہ کو جائز کو جائز قرار دیتے ہیں - امام طحاوی نے فرمایا - ایک جماعت صحابہ کی معانقہ کرتی تھی - کیونکہ نہی کی حدیث سے اباحت کی حدیثیں متاخر ہیں - صاحب ہدایہ نے تحریر فرمایا ہے - ممانعت اس صورت میں ہے جب کہ ایک ہی کپڑے میں معانقہ کریں - اگر معانق جبہ یا قمیص پہنے ہو تو اس میں حرج نہیں[۱] (۴) اس حدیث سے واضح ہوا - اپنے بیٹے یا پوتے یا نواسے کا ازراہِ شفقت و محبت بوسہ لینا، معانقہ کرنا جائز ہے (۵) جامع صغیر میں ابوالیث فقیہ فرماتے ہیں -

بوسہ پانچ قسم پر ہے بوسہ تحیت جیسے ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے ہاتھ کو بوسہ دے - بوسہ شفقت جیسے بیٹے کا اپنے والد کا بوسہ لینا - بوسہ رحمت جیسے باپ، دادا، نانا وغیرہ کا اپنے بیٹے پوتے نواسے کا منہ چوم لینا - بوسہ شہوہ جیسے میاں بیوی کا آپس میں بوس و کنار ہونا - بوسہ مودت جیسے بھائی کا بہن کو پیار کرنا ــــ بوسہ دیانت جیسے حجر اسود کو چومنا - بوسہ برکت حضور کے نام اقدس کو سن کر انگھوٹھے آنکھوں سے لگا کر چومنا - یہ سب جائز و مباح ہیں - وقد ورت احادیث واثار کثیرۃ فی جواز التقبیل ولکن محل ذالك اذا کان علی وجہ المبرۃ والاکرام واما اذا کان علی وجہ الشھوۃ فلا یجوز الا فی حق الزوجین (عینی ج ۱۱ ص ۲۴۱)

واضح ہو - بوسہ شہوت صرف میاں بیوی کے درمیان جائز ہے اور کسی کے لئے نہیں - نیز جواز اور چیز ہے - اپنے ملک کے رسم و رواج کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے - نوجوان بھائی اگر بہن کا شفقت اور محبت کی بنا پر نیک نیتی کے ساتھ بوسہ لے تو جائز ہے مگر ہمارے معاشرہ میں اس کا رواج نہیں ہے - اس لئے بچنا بہتر ہے - اسی طرح قریب البلوغ خوبصورت بچہ کا رحمت و شفقت کی بنا پر بوسہ لینا جائز ہے مگر بچنا بہت ضروری ہے کہ بلا وجہ بدگمانیاں پیدا ہوں گی یا پیدا کی جائیں گی - اس لئے جو چیز جائز ہے - یہ ضروری نہیں ہے کہ اس جائز چیز پر عمل بھی کیا جائے - عرب میں آج بھی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا ماتھا چومتا ہے - یہ ان کی تحیۃ ہے - ہمارے ہاں اس کا رواج نہیں -

مسئلہ تقبیل ابہامین حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے نامِ پاک کے سننے پر انگھوٹھوں کو آنکھوں سے لگانا چومنا جائز اور باعثِ برکت و موجبِ رحمت ہے - کچھ لوگ بدعت وغیرہ کا فتویٰ دیتے ہیں - یہ ان کی بیجا زیادتی

---

[۱] قال صاحب الھدایہ الخلاف فی المعانقہ فی ازار واحد اما اذا کان علی المعانق قمیص او جبۃ لا باس بالاتفاق عینی ج ۱۱ ص ۲۴۱

اور سختی ہے کیونکہ کسی عمل کو بدعت یا حرام وممنوع قرار دینے کے لیے بہرحال دلیلِ شرعی کی ضرورت ہے۔ بلا دلیلِ شرعی کسی بھی بات کو بدعت یا ممنوع قرار دے دینا نہ صرف یہ کہ شریعت پر افترا، بلکہ گناہِ عظیم ہے ——— ہمارے فقہاء احناف نے تقبیل ابہامین کو جائز و مستحب بلکہ سنّت تک قرار دیا ہے۔ دیگر ائمہ اسلام بھی جواز و استحباب کے قائل ہیں۔ چنانچہ علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح البیان میں فرماتے ہیں۔

وَفِي قَصَصِ الْأَنْبِيَآءِ وَغَيْرِهَا اَنَّ اٰدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اشْتَاقَ إِلٰى لِقَاءِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ كَانَ فِي الْجَنَّةِ فَاَوْحَى اللّٰهُ تَعَالٰى إِلَيْهِ هُوَ مِنْ صُلْبِكَ وَيَظْهَرُ فِي اٰخِرِ الزَّمَانِ فَسَأَلَ لِقَاءَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ كَانَ فِي الْجَنَّةِ فَاَوْحَى اللّٰهُ تَعَالٰى إِلَيْهِ فَجَعَلَ اللّٰهُ النُّوْرَ الْمُحَمَّدِيَّ فِي إِصْبَعِهِ الْمُسَبِّحَةِ مِنْ يَدِهِ الْيُمْنٰى فَسَبَّحَ ذٰلِكَ النُّوْرُ فَلِذٰلِكَ سُمِّيَتْ تِلْكَ الْاِصْبَعُ مُسَبِّحَةً كَمَا فِي الرَّوْضِ الْفَائِقِ وَ اَظْهَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى جَمَالَ حَبِيْبِهٖ فِي صِفَاءِ ظَفْرَيْ اِبْهَامَيْهِ مِثْلَ الْمِرْاٰةِ فَقَبَّلَ اٰدَمُ ظَفْرَيْ اِبْهَامَيْهِ وَ مَسَحَ عَلٰى عَيْنَيْهِ فَصَارَ اَصْلًا لِذُرِّيَّتِهٖ فَلَمَّا اَخْبَرَ جِبْرِيْلُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذِهِ الْقِصَّةِ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ سَمِعَ اِسْمِيْ فِي الْاَذَانِ فَقَبَّلَ ظَفْرَيْ اِبْهَامَيْهِ وَ مَسَحَ عَلٰى عَيْنَيْهِ لَمْ يَعْمَ اَبَدًا

قصص الانبیاء وغیرہ کتب میں ہے کہ جب حضرت آدمؑ کو جنت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کا اشتیاق ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی طرف وحی بھیجی کہ وہ تمہارے صلب سے آخر زمانے میں ظہور فرمائیں گے تو حضرت آدم نے آپ کی ملاقات کا سوال کیا تو اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام کے کلمے کی انگلی میں نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم چمکایا تو اس نور نے اللہ کی تسبیح پڑھی، اسی واسطے اس انگلی کا نام کلمے کی انگلی ہوا۔ جیسا کہ روض الفائق میں ہے اور اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب کے جمالِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت آدم کے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں میں مثلِ آئینہ ظاہر فرمایا تو حضرت آدم نے اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چوم کر آنکھوں پر پھیرا۔ پس یہ سنت ان کی اولاد میں جاری ہوئی۔ پھر جب جبریل امین نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی تو آپ نے فرمایا۔ جو شخص اذان میں میرا نام سُنے اور اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چُوم کر آنکھوں سے لگائے وہ کبھی اندھا نہ ہوگا۔

(روح البیان صـ ٦٤٩ ج ٤)

در محیط آوردہ کہ پیغمبر صلّی اللہ علیہ وسلم بمسجد درآمد و نزدیک ستون بنشست و صدیق رضی اللہ عنہ در برابر آنحضرت نشستہ بود بلال رضی اللہ عنہ برخاست و باذان اشتغال فرمود۔ چوں گفت اشہد ان محمد رسول اللہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہر دو ناخن ابہامین خود را بر ہر دو چشم خود نہادہ گفت قُرَّةُ عَيْنِيْ بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

محیط میں لایا ہے کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور ایک ستون کے قریب بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی آپ کے برابر بیٹھے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر اذان دینا شروع کی۔ جب انھوں نے اشہد ان محمد رسول اللہ کہا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں

چوں بلال رضی اللہ عنہ فارغ شد حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ کہ یا ابابکر ہر کہ بکند چنیں کہ تو کردی خدائے بیامرزد گناہانِ جدید و قدیم او را اگر بعمد بودہ باشد اگر بخطا۔

کو اپنی دونوں آنکھوں پر رکھا اور کہا۔ قرۃ عینی بک یا رسول اللہ۔ جب حضرت بلالؓ اذان دے چکے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے ابوبکر جو شخص ایسا کرے جیسا کہ تم نے کیا ہے۔ خدا تعالیٰ اس کے تمام گناہوں کو بخش دیگا۔

(۳) و حضرت شیخ امام ابوطالب محمد بن علی المکی رفع اللہ درجتہ در قوت القلوب روایت کردہ از ابن عیینہ رحمہ اللہ کہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام بمسجد در آمد در دہۂ محرم و بعد از انکہ نماز جمعہ ادا فرمودہ بود نزدیک اسطوانہ قرار گرفت و ابوبکر رضی اللہ عنہ، بظہرا بہامین چشم خود را مسح کرد و گفت قرۃ عینی بک یا رسول اللہ و چوں بلال رضی اللہ عنہ از اذان فراغتی روئے نمود حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرمودہ کہ اے ابابکر ہر کہ بگوید آنچہ تو گفتی از روئے شوق بلقائے من و بکند آنچہ تو کردی خدائے در گزارد گناہان ویرا انچہ باشد نو و کہنہ خطا و عمد و نہاں و آشکارا۔

(تفسیر روح البیان صفحہ ۶۴۸ ج ۲)

اور حضرت شیخ امام ابوطالب محمد بن علی المکی اللہ ان کے درجات بلند کرے۔ اپنی کتاب قوت القلوب میں ابن عیینہ سے روایت فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لئے محرم کی دسویں تاریخ کو مسجد میں تشریف لائے اور ایک ستون کے قریب بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے (اذان میں حضور کا نام سُن کر) اپنے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں کو اپنی آنکھوں پر پھیرا اور کہا قرۃ عینی بک یا رسول اللہ۔ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان سے فارغ ہوگئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے ابوبکر جو شخص تمہاری طرح میرا نام سُن کر انگوٹھے آنکھوں پر پھیرے اور جو تم نے کہا وہ کہے خدا تبارک و تعالیٰ اس کے تمام نئے و پرانے، ظاہر و باطن گناہوں سے در گزر فرمائے گا۔

(۴) علامہ امام شمس الدین سخاوی رحمۃ اللہ علیہ دیلمی کے حوالہ سے نقل فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے

لَمَّا سَمِعَ قَوْلَ الْمُؤَذِّنَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ هٰذَا وَ قَبَّلَ بَاطِنَ الْاَنْمُلَتَيْنِ السَّبَابَتَيْنِ وَمَسَحَ عَلٰى عَيْنَيْهِ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلَ خَلِيْلِيْ فَقَدْ حَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ۔

(المقاصد الحسنۃ فی الاحادیث الدائرۃ علی السنۃ)

جب مؤذن کو اشہد ان محمداً رسول اللہ کہتے سُنا تو یہ ہی کہا اور اپنی انگشتانِ شہادت کے پورے جانب زیریں سے چوم کر آنکھوں سے لگائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص میرے اس دوسرے دوست کی طرح کرے گا۔ میری شفاعت اس کے لئے حلال ہوگئی۔

(۵) یہی امام سخاوی حضرت ابوالعباس احمد بن ابی بکر الرداد الیمانی کی کتاب مُوجبات الرحمۃ وعزائم المغفرۃ سے نقل فرماتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا۔

مَنْ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ الْمُؤَذِّنَ يَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ مَرْحَبًا بِحَبِيْبِيْ وَقُرَّةِ

جو شخص مؤذن سے اشہد ان محمداً رسول اللہ سُن کر کہے مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبداللہ صلے اللہ علیہ وسلم

عَيْنِي مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يُقَبِّلُ إِبْهَامَيْهِ وَيَجْعَلُهُمَا عَلَى عَيْنَيْهِ لَمْ يَرْمُدْ أَبَدًا (المقاصد الحسنۃ)

پھر دونوں انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھے۔ اس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں گی۔

(۶) یہی امام سخاوی فقیہ محمد سعید خولانی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا حضرت امام حسن علیہ السلام نے فرمایا۔

مَنْ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ الْمُؤَذِّنَ يَقُوْلُ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ مَرْحَبًا بِحَبِيْبِيْ وَقُرَّةِ عَيْنِيْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُقَبِّلُ إِبْهَامَيْهِ وَيَجْعَلُهُمَا عَلَى عَيْنَيْهِ لَمْ يَعْمَ وَلَمْ يَرْمُدْ

جو شخص مؤذن سے اشہد ان محمد رسول اللہ سن کر کہے۔ مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبد اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پھر دونوں انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھے وہ کبھی اندھا نہ ہوگا۔ اور نہ اس کی آنکھیں کبھی دکھیں گی۔
(المقاصد الحسنۃ)

(۷) یہی امام سخاوی، شمس الدین امام محمد بن صالح مدنی کی تاریخ سے نقل فرماتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا۔ میں نے حضرت مجد مصری کو جو کاملین صالحین میں سے تھے فرماتے سُنا کہ

مَنْ صَلَّى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَمِعَ ذِكْرَهُ فِي الْأَذَانِ وَجَمَعَ إِصْبَعَيْهِ الْمُسَبِّحَةَ وَالْإِبْهَامَ وَقَبَّلَهُمَا وَمَسَحَ بِهِمَا عَلَى عَيْنَيْهِ لَمْ يَرْمُدْ أَبَدًا

جو شخص نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر پاک اذان میں سُن کر درود بھیجے اور کلمہ کی انگلیاں اور انگوٹھے ملا کر ان کو بوسہ دے اور آنکھوں پر پھیرے اُس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں گی۔

(۸) یہی امام سخاوی، اِن ہی امام محمد بن صالح کی تاریخ سے نقل فرماتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا عراق کے بہت سے مشائخ سے مروی ہے کہ جب انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر پھیرے تو یہ درود شریف پڑھے۔ صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ يَا سَيِّدِيْ يَا رَسُوْلَ اللهِ يَا حَبِيْبَ قَلْبِيْ وَيَا نُوْرَ بَصَرِيْ وَيَا قُرَّةَ عَيْنِيْ۔ انشاء اللہ کبھی آنکھیں نہ دکھیں گی اور یہ مجرب ہے۔ اس کے بعد امام مذکور فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے یہ سُنا ہے یہ مبارک عمل کرتا ہوں۔ آج تک میری آنکھیں نہ دکھی ہیں اور نہ انشاء اللہ دکھیں گی۔ (المقاصد الحسنۃ)

(۹) یہی امام سخاوی امام طاؤسی سے نقل فرماتے ہیں کہ انھوں نے شمس الدین محمد بن ابی نصر بخاری خواجہ حدیث سے یہ حدیث مبارک سُنی فرمایا۔

مَنْ قَبَّلَ عِنْدَ سَمَاعِهِ مِنَ الْمُؤَذِّنِ كَلِمَةَ الشَّهَادَةِ ظُفْرَيْ إِبْهَامَيْهِ وَمَسَّهُمَا عَلَى عَيْنَيْهِ وَقَالَ عِنْدَ الْمَسِّ اَللّٰهُمَّ احْفَظْ حَدَقَتَيَّ وَنَوِّرْهُمَا بِبَرَكَةِ حَدَقَتَيْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ

جو شخص مؤذن سے کلمہ شہادت سُن کر انگوٹھوں کے ناخن چومے اور آنکھوں پر پھیرے اور یہ پڑھے اَللّٰهُمَّ احْفَظْ حَدَقَتَيَّ وَنَوِّرْهُمَا بِبَرَكَةِ حَدَقَتَيْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَوِّرْهُمَا۔ وہ کبھی اندھا نہ ہوگا۔

نُوْرِ هِمَا لَمْ يَعْمِ ۔ (المقاصد الحسنۃ)

(۱۰) شرح نقایہ میں ہے۔

وَاعْلَمْ اَنَّہٗ يُسْتَحَبُّ اَنْ يُّقَالَ عِنْدَ سِمَاعِ الْاُوْلٰى مِنَ الشَّهَادَةِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الثَّانِيَةِ مِنْهُمَا قُرَّةُ عَيْنِيْ بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ثُمَّ يُقَالُ اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِيْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ وَضَعَ ظَفْرَيِ الْاِبْهَامَيْنِ عَلَى الْعَيْنَيْنِ فَاِنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُوْنُ لَهٗ قَائِدًا اِلَى الْجَنَّةِ

جان لو کہ بےشک اذان کی پہلی شہادت کے سُننے پر صلی اللہ علیک یا رسول اللہ اور دوسری شہادت کے سُننے پر قرۃ عینی بک یا رسول اللہ کہنا مستحب ہے۔ پھر اپنے انگوٹھوں کے ناخن (چُوم کر) اپنی آنکھوں پر رکھے اور کہے اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِيْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرنے والے کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے۔

(۱۱) علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ رد المختار شرح درمختار میں یہی عبارت نقل کرکے فرماتے۔ کذا فی کنز العباد قہستانی ونحوہ فی الفتاوی الصوفیہ وفی کتاب الفردوس مَنْ قَبَّلَ ظَفْرَيْ اِبْهَامَيْهِ عِنْدَ سِمَاعِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ فِي الْاَذَانِ اَنَا قَائِدُهٗ وَمُدْخِلُهٗ فِيْ صُفُوْفِ الْجَنَّةِ وَتَمَامُهٗ فِيْ حَوَاشِي الْبَحْرِ لِلرَّمْلِيْ (رد المختار شرح درمختار ص۲۶۱)

ایسا ہی کنز العباد امام قہستانی میں اور اسی کی مثل فتاوی صوفیہ میں ہے اور کتاب الفردوس میں ہے کہ جو شخص اذان میں اشہدان محمد رسول اللہ سُن کر اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چُومے (اس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ) میں اس کا قائد بنوں گا اور اس کو جنت کی صفوں میں داخل کروں گا۔ اس کی پوری بحث بحر الرائق کے حواشی رملی میں ہے۔

(۱۲) رئیس الفقہا الحنفیہ علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ شرح مراقی الفلاح میں یہی عبارت اور دیلمی کی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ والی مرفوع حدیث نقل کرکے فرماتے ہیں۔

وَكَذَا رُوِيَ عَنِ الْخِضْرِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَبِمِثْلِهٖ يُعْمَلُ فِي الْفَضَائِلِ۔

(الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص۱۱۱)

اور اسی طرح حضرت خضر علیہ السلام سے بھی روایت کیا گیا ہے اور فضائل اعمال میں ان احادیث پر عمل کیا جاتا ہے۔

(۱۳) علامہ امام قہستانی شرح الکبیر میں کنز العباد سے نقل فرماتے ہیں۔

اِعْلَمْ اَنَّہٗ يُسْتَحَبُّ عِنْدَ سِمَاعِ الْاُوْلٰى مِنَ الشَّهَادَةِ الثَّانِيَةِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَعِنْدَ سِمَاعِ الثَّانِيَةِ قُرَّةُ عَيْنِيْ بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ثُمَّ يُقَالُ اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِيْ بِالسَّمْعِ وَ

جان لو بلاشبہ اذان کی پہلی شہادت کے سُننے پر قرۃ عینی بک یا رسول اللہ کہنا مستحب ہے۔ پھر اپنے انگوٹھوں کے ناخن (چُوم کر) اپنی آنکھوں پر رکھے اور کہے اللّٰہم متعنی بالسمع والبصر تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرنے والے

وَالْبَصَرِ بَعْدَ وَضْعِ ظُفْرَيِ الْاِبْهَامَيْنِ عَلَى الْعَيْنَيْنِ فَاِنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُوْنُ قَائِدًا لَّهٗ اِلَى الْجَنَّةِ (تفسیر روح البیان ص۶۴۸)

کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے۔

(۱۴) شافعی مذہب کی مشہور کتاب "اعانۃ الطالبین علی حل الفاظ فتح المعین" کے ص۲۴۷ اور مالکی مذہب کی مشہور کتاب۔

(۱۵) "کفایۃ الطالب الربانی لرسالۃ ابن ابی زید القیروانی" کے ص۱۶۹ پر ہے کہ جب اذان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک سُنے تو درود شریف پڑھے۔

ثُمَّ يُقَبِّلُ اِبْهَامَيْهِ وَيَجْعَلُهُمَا عَلٰى عَيْنَيْهِ لَمْ يَعْمَ وَلَمْ يَرْمُدْ اَبَدًا

پھر انگوٹھے چُومے اور ان کو آنکھوں پر رکھے تو نہ کبھی اندھا ہوگا اور نہ کبھی آنکھیں دُکھیں گی۔

(۱۶) شیخ المشائخ، رئیس المحققین، سید العلماء الحنفیہ بمکۃ المکرمہ مولانا جمال بن عبداللہ بن عمر مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں کہ

سُئِلْتُ عَنْ تَقْبِيْلِ الْاِبْهَامَيْنِ وَوَضْعِهِمَا عَلَى الْعَيْنَيْنِ عِنْدَ ذِكْرِ اِسْمِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْاَذَانِ هَلْ هُوَ جَائِزٌ اَمْ لَا اَجَبْتُ بِمَا نَصُّهٗ نَعَمْ تَقْبِيْلُ الْاِبْهَامَيْنِ وَوَضْعُهُمَا عَلَى الْعَيْنَيْنِ عِنْدَ ذِكْرِ اِسْمِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْاَذَانِ جَائِزٌ بَلْ هُوَ مُسْتَحَبٌّ صَرَّحَ بِهٖ مَشَائِخُنَا۔ (منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین ص۱۴)

مجھ سے سوال ہوا کہ اذان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کے ذکر کے وقت انگوٹھے چُومنا اور آنکھوں پر رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ میں نے ان لفظوں سے جواب دیا کہ ہاں اذان میں حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا نامِ مبارک سُن کر انگوٹھے چُومنا اور آنکھوں پر رکھنا جائز بلکہ مستحب ہے۔ ہمارے مشائخ مذہب نے اس کے مستحب ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔

(۱۷) الشیخ العالم المفسر العلامہ نورالدین الخراسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک اذان میں سُن کر انگوٹھے چُوما کرتا تھا۔ پھر چھوڑ دیا تو میری آنکھیں بیمار ہوگئیں۔

فَرَاَيْتُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنَامًا فَقَالَ لِمَ تَرَكْتَ مَسْحَ عَيْنَيْكَ عِنْدَ الْاَذَانِ اِنْ اَرَدْتَ اَنْ تَبْرَاَ عَيْنَاكَ فَعُدْ اِلَى الْمَسْحِ فَاسْتَيْقَظْتُ وَمَسَحْتُ فَبَرِئَتْ وَلَمْ يُعَاوِدْنِيْ مَرَضُهُمَا اِلَى الْاٰنِ (نہج السلام فی تقبیل الابہامین فی الاقامہ ص۲)

تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ فرمایا تو نے اذان کے وقت انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگانا کیوں چھوڑ دیا؟ اگر تو چاہتا ہے کہ تیری آنکھیں درست ہوجائیں تو وہ عمل پھر شروع کردے۔ پس میں بیدار ہوا اور یہ عمل شروع کر دیا تو میری آنکھیں دُرست ہوگئیں۔ اور اس کے بعد اب تک وہ مرض نہیں لوٹا۔

(۱۸) حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا۔ جس نے دو سو برس

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں گزارے تھے۔ جب وہ مرگیا تو لوگوں نے اس کو مزبلہ (جہاں نجاست وغیرہ ڈالی جاتی ہے) میں پھینک دیا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ اس کو وہاں سے اٹھاؤ اور اس پر نماز پڑھو۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے پروردگار! بنی اسرائیل اس کے نافرمان ہونے کی شہادت دیتے ہیں۔ ارشاد ہوا یہ ٹھیک ہے۔

اِلَّا اِنَّہٗ کَانَ کُلَّمَا نَشَرَ التَّوْرَاۃَ وَنَظَرَ اِلٰی اِسْمِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَبَّلَہٗ وَوَضَعَہٗ عَلٰی عَیْنَیْہِ وَصَلّٰی عَلَیْہِ فَشَکَرْتُ ذٰلِکَ لَہٗ وَغَفَرْتُ ذُنُوْبَہٗ وَزَوَّجْتُہٗ سَبْعِیْنَ حُوْرًا (حلیۃ الاولیاء ابونعیم ص۴۲ و سیرۃ حلبیہ ص۸۵)

مگر اس کی عادت تھی کہ جب وہ توراۃ کھولتا اور (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کو دیکھتا تو اس نام کو چوم کر آنکھوں سے لگا لیتا اور درود بھیجتا۔ پس میں نے اس کا یہ حق مانا اور اس کے گناہوں کو بخش دیا اور ستر حوریں اس کے نکاح میں دیں۔

(۱۹) سید العارفین حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں۔

بود در انجیل نام مصطفےٰ — آں سر پیغمبراں بحر صفا

انجیل میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک درج تھا۔ وہ مصطفےٰ جو پیغمبروں کے سردار اور بحر صفا ہیں۔

بود ذکر حلیہا و شکل او — بود ذکر غزو و صوم و اکل او

نیز آپ کے اوصاف جسمانیہ، شکل و شمائل، جہاد کرنے، روزہ رکھنے اور کھانے پینے کا حال بھی درج تھا۔

طائفہ نصرانیاں بہر ثواب — چوں رسیدندے بداں نام و خطاب

بوسہ دادندے بداں نام شریف — رو نہادندے بداں وصف لطیف

عیسائیوں کی ایک جماعت جب اس نام پاک اور خطاب مبارک پر پہنچتی تو وہ لوگ بغرض ثواب اس نام شریف کو بوسہ دیتے اور اس ذکر مبارک پر بطور تعظیم منہ رکھ دیتے۔

نسل ایشاں نیز ہم بسیار شد — نور احمد ناصر آمد یار شد

(اس تعظیم کی بدولت) ان کی نسل بہت بڑھ گئی اور حضرت احمد صلے اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک (ہر معاملے میں) ان کا مددگار اور ساتھی بن گیا۔

واں گروہ دیگر از نصرانیاں — نام احمد داشتندے مستہاں

اور ان نصرانیوں کا وہ دوسرا گروہ احمد صلے اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کی بیقدری کیا کرتا تھا۔

مستہان و خوار گشتند آں فریق — گشتہ محروم از خود و شرط طریق

وہ لوگ ذلیل و خوار ہوگئے اپنی ہستی سے بھی محروم ہوگئے (کہ قتل کیے گئے) اور مذہب سے بھی محروم ہو یعنی عقائد خراب ہوگئے۔

نامِ احمد چوں چنیں یاری کند　　تا کہ نورش چوں مددگاری کند

جب حضرت احمد صلے اللہ علیہ وسلم کا نامِ مبارک ایسی مدد کرتا ہے تو خیال کرو کہ آپ کا نورِ پاک کس قدر مدد کر سکتا ہے۔

نامِ احمد چوں حصارے شد حصین　　تا چہ باشد ذاتِ آں روح الامین

جب حضرت احمد صلے اللہ علیہ وسلم کا نامِ مبارک ہی حفاظت کے لئے مضبوط قلعہ ہے تو اس روح الامین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک کیسی ہوگی۔　　(مثنوی شریف دفتر اول)

ایک شبہ کا ازالہ

بعض لوگوں کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ اس نوع کی تمام احادیث صحیح مرفوع نہیں ہیں۔ محدثین نے ان احادیث کے متعلق تصریح کی ہے کہ لا یصح فی المرفوع — لہٰذا احادیثِ ضعیفہ سے استدلال درست نہیں ہے۔ جواب یہ ہے کہ محدثین کرام کا کسی حدیث کے متعلق فرمانا کہ صحیح نہیں اس کے یہ معنیٰ نہیں ہوتے کہ غلط و باطل ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ صحت کے اس اعلیٰ درجہ کو نہ پہنچی جسے محدثین اپنی اصلاح میں درجۂ صحت کہتے ہیں۔

یاد رکھیے! اصطلاحِ محدثین میں حدیث کا سب سے اعلیٰ درجہ صحیح اور سب سے بدتر موضوع ہے اور وسط میں بہت سے اقسام ہیں جو درجہ بدرجہ مرتب ہیں۔ صحیح کے بعد حسن کا درجہ ہے۔ لہٰذا نفیٔ صحت نفیٔ حسن کو مستلزم نہیں۔ بلکہ اگر ضعیف بھی ہو تو فضائل اعمال میں حدیث ضعیف بالاجماع مقبول ہے اور ان احادیث کے متعلق محدثین کا (لا یصح فی المرفوع) یعنی یہ تمام احادیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع ہو کر صحیح ثابت نہیں ہوتیں۔ فرمانا ثابت کرتا ہے کہ یہ احادیث موقوف صحیح ہیں (۲۰) چنانچہ علامہ امام ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قُلْتُ وَاِذَا ثَبَتَ رَفْعُهٗ اِلَى الصِّدِّيْقِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَيَكْفِيْ لِلْعَمَلِ بِهٖ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ (موضوعاتِ کبیر ص ۶۴)

میں کہتا ہوں کہ جب اس حدیث کا رفع حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک ثابت ہے تو عمل کے لیے کافی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ میں تم پر لازم کرتا ہوں اپنی سنت اور اپنے خلفاء راشدین کی سنت۔

واضح ہوا کہ حدیث موقوف صحیح ہے۔ کیونکہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک اس کا رفع ثابت ہے اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سنت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ نیز مخالفین کے سردار مولوی خلیل احمد انبیٹھوی و مولوی رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں۔ "جس کے جواز کی دلیل قرونِ ثلاثہ میں ہو خواہ وہ جزئیہ بوجودِ خارجی ان قرون میں ہوا یا نہ ہوا اور خواہ اس کی جنس کا وجود خارج میں ہوا ہو یا نہ ہوا ہو وہ سب سنت ہے (براہینِ قاطعہ ص ۲۵) پس گنگوہی صاحب کے بیان کردہ ضابطہ کی روشنی میں بھی نامِ اقدس سن کر انگوٹھے چومنا سنت قرار پاتا ہے۔ کیونکہ علی قاری علیہ الرحمۃ نے تصریح کی ہے۔ قرونِ ثلاثہ میں اس کی اصل متحقق ہے۔ لہٰذا تقبیلِ ابہامین کو ناجائز و بدعت قرار دینا درست نہیں۔

مصافحہ و معانقہ

مصافحہ سنتِ قدیمہ ہے بلا خلاف سب کے نزدیک جائز و مباح ہے۔ بلکہ کارِ ثواب ہے طبرانی نے اوسط میں حضرت حذیفہ ابن الیمان سے روایت کی کہ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا۔ جب مومن مومن سے ملتا ہے اور سلام کرتا ہے اور مصافحہ کرتا ہے تو دونوں کی خطائیں اس طرح جھڑ جاتی ہیں۔ جیسے درخت کے پتے

واخذ بیدہ مصافحۃ تناثرت خطایاھما کما یتناثر ورق الشجرۃ

حضرات حسنین کریمین سے محبت

۷۔ اس حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت حسن یا حسین کا بوسہ لیا گلے سے لگایا اور فرمایا۔ الٰہی تو بھی انھیں محبوب رکھ جو ان سے محبت رکھیں۔ ان کو بھی محبوب رکھ —— اس سے واضح ہوا کہ مسلمانوں کو خصوصی طور پر حضرات حسنین کریمین علیہما السلام سے محبت رکھنی چاہیئے۔ بلکہ ان دونوں شہزادوں سے مسلمانوں کو واقعی ایک خاص الفت و محبت ہے اور یہ حضور کی دعا ہی کے اثرات ہیں۔ ویسے بھی یہ دونوں شہزادے بڑی عظمت کے مالک ہیں۔

۸۔ قال سفیان وتر تین رکعت ہیں یا ایک رکعت۔ اس مسئلہ پر مکمل بحث فیوض الباری پارہ چہارم صہ ۹۸ پر ہو چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیے۔

عَنْ نَافِعٍ حَدَّثَنَا ابْنُ عُمَرَ اَنَّهُمْ كَانُوا يَشْتَرُوْنَ الطَّعَامَ مِنَ الرُّكْبَانِ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَبْعَثُ عَلَيْهِمْ مَّنْ يَّمْنَعُهُمْ اَنْ يَّبِيْعُوْهُ حَيْثُ اشْتَرَوْهُ حَتّٰى يَنْقُلُوْهُ حَيْثُ يُبَاعُ الطَّعَامُ (بخاری)

انھوں نے نافع سے کہا۔ ہم سے ابن عمر نے بیان کیا۔ لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قافلہ سواروں سے جا کر غلہ خرید کرتے۔ آپ ایک شخص کو ان کے پاس بھیج دیتے۔ جو ان کو اسی جگہ وہ غلہ بیچنے سے منع کرتا۔ جب تک اس کو جہاں اناج بکتا ہے (یعنی اناج کی منڈی میں) اٹھا نہ لائیں۔

فوائد و مسائل

اس حدیث میں رکبان یا یباع الطعام کے لفظ ترجمۃ الباب ہیں۔ کیونکہ بازار (سوق) ہر اس مقام کو کہتے ہیں۔ جہاں خرید و فروخت ہو۔ رکبان ہر اس شخص کو کہتے ہیں جو اونٹ پر سوار ہو۔ پھر اس میں عموم آگیا اور رکبان کا لفظ ہر اس شخص کے لئے بولنے لگے جو کسی چیز پر سوار ہو (۲) یہ حکم حضور نے اس لئے دیا کہ بیع میں قبضہ شرط ہے۔ منڈی میں غلہ لے آنے سے قبضہ حاصل ہو گیا۔ حتی ینقلوہ لان القبض شرط و بالنقل المذکور یحصل القبض (عینی) اور اس لئے بھی کہ بیوپاریوں سے راستہ ہی میں خرید کر بیچ دینے سے دوسرے لوگوں کا نقصان ہے کہ وہ تجارت سے محروم ہو جاتے ہیں اور لوگ اس طرح مال کو منڈی میں آنے سے پہلے ہی خرید کر منہ مانگے دام لیتے ہیں۔ جو عوام کی تکلیف کا باعث ہے۔ اس لئے حضور نے مال کو (خصوصاً ان اشیا کو جو عام ضرورت کی چیزیں ہیں۔ جیسے اجناس خوردنی وغیرہ) منڈی میں لانے سے پہلے راستہ ہی میں خریدنے اور اس کو فروخت کر دینے سے منع فرمایا۔

وَحَدَّثَنَا ابْنُ عُمَرَ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّبَاعَ الطَّعَامُ اِذَا اشْتَرَاهُ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَهُ (بخاری)

حضرت ابن عمر نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غلہ کی خرید کے بعد اس پر قبضہ کرنے سے پہلے بیچنے سے منع فرمایا۔

فوائد و مسائل اس حدیث سے واضح ہوا کہ غلہ کو خرید کر اس پر قبضہ سے قبل بیچنا ممنوع ہے۔ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ عثمان التیمی ہر چیز میں جواز کے قائل ہیں۔ مگر وہ اپنی اس رائے میں منفرد ہیں۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ ہر چیز میں منع کا قول کرتے ہیں۔ سیدنا امام مالک علیہ الرحمہ تمام مکیلات و موزونات میں جب کہ وہ طعام ہو۔ ممانعت کے قائل ہیں ——— اور سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ کسی چیز کو خریدنے کے بعد اس پر قبضہ کرنے سے پہلے فروخت کرنا ممنوع ہے۔ مگر اس کے ساتھ وہ زمین اور غیر منقولہ اشیاء کو قبضہ سے قبل بھی فروخت کے جواز کا قول فرماتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین اور ایسی اشیاء جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہ ہو سکیں۔ میں قبضہ یہ ہی ہے کہ ان کو دیکھ لیا جائے۔ اس کے حدود کی ناپ تول کر لی جائے۔ بہرحال سیدنا امام اعظم علیہ الرحمۃ کا موقف حدیث کے بالکل مطابق ہے۔ چنانچہ حضرت عطاء بن ابی رباح ثوری ابن عیینہ، ابو یوسف، محمد، امام شافعی فی الجدید و مالک وزفر فی روایۃ واحمد فی روایۃ وابوثور و داؤد کا بھی یہی مذہب ہے کہ اس حدیث میں غلہ کو خرید کر قبضہ سے قبل فروخت کر دینے کی ممانعت آئی ہے اور غلہ کے علاوہ اشیاء کے متعلق بھی ممانعت آئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بھی یہی مذہب ہے۔ ولکن ابوحنیفہ قَالَ لا باس ببیع الدور والارضین قبل القبض لانہا تنقل ولا تحول۔ وایضا بیعُ غیر منقولات قبل القبض جائز لانہم لاتنقل۔

بَابُ كَرَاهِيَةِ السَّخَبِ فِي السُّوقِ

باب بازار میں شور مچانے کے متعلق

سخب معنیٰ کسی چیز کی مذمت یا تعریف میں ایسا مبالغہ کرنا جو اس میں نہ ہو۔ بازار کی کیفیت عموماً ایسی ہی ہوتی ہے کہ دوکاندار مدح و ذم میں بے جا مبالغہ کرتے ہیں۔ قسم کھاتے ہیں۔ جھوٹ بولتے ہیں۔ دھوکہ کرتے ہیں۔ اسی بنا پر بازار کے متعلق حضور نے فرمایا۔ شر البقاع الاسواق بری زمین بازار کی ہے۔ یعنی وہ بازار جس کے تاجر دھوکہ فریب غلط بیانی سے کام لیتے ہیں۔ سخب فی الاسواق ممنوع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تورات میں حضور کے متعلق فرمایا گیا کہ وہ سخاب نہیں۔

عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ لَقِيتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قُلْتُ أَخْبِرْنِي عَنْ صِفَةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي التَّوْرَاةِ قَالَ أَجَلْ وَاللهِ إِنَّهُ لَمَوْصُوفٌ فِي التَّوْرَاةِ بِبَعْضِ صِفَتِهِ فِي الْقُرْآنِ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَحِرْزًا لِلْأُمِّيِّينَ أَنْتَ عَبْدِي وَرَسُولِي سَمَّيْتُكَ الْمُتَوَكِّلَ لَيْسَ بِفَظٍّ وَلَا غَلِيظٍ وَلَا سَخَّابٍ فِي الْأَسْوَاقِ وَلَا يَدْفَعُ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ

حضرت عطا بن یسار کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن عمر بن عاص سے کہا کہ توریت میں حضور کی جو صفات بیان ہوئی ہیں۔ اس کے متعلق کچھ بتائیے تو انہوں نے کہا کہ بخدا حضور کی بعض صفات توریت میں وہی بیان ہوئی ہیں۔ جن سے آپ کو قرآن میں مخاطب کیا گیا ہے۔ (وہ صفات یہ ہیں) اے رسول ہم نے آپ کو شاہد، مبشر، نذیر اور قوم امی کا محافظ بنا کر بھیجا۔ تم میرے بندے اور رسول ہو۔ ہم نے تمہارا نام متوکل رکھا۔ تم نہ بدخو ہو نہ

وَلٰكِنْ يَعْفُوْا وَيَغْفِرُ وَلَنْ يَّقْبِضَهُ اللّٰهُ حَتّٰى يُقِيْمَ بِهِ الْمِلَّةَ الْعَوْجَآءَ بِاَنْ يَّقُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَيَفْتَحُ بِهَآ اَعْيُنًا عُمْيًا وَّ اٰذَانًا صُمًّا وَّ قُلُوْبًا غُلْفًا تَابَعَهُ عَبْدُ الْعَزِيْزِ ابْنُ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ هِلَالٍ وَّ قَالَ سَعِيْدٌ عَنْ هِلَالٍ عَنْ عَطَآءٍ عَنِ ابْنِ سَلَامٍ غُلْفٌ كُلُّ شَيْئٍ فِيْ غِلَافٍ سَيْفٌ اَغْلَفُ وَ قَوْسٌ غَلْفَآءُ وَ رَجُلٌ اَغْلَفُ اِذَا لَمْ يَكُنْ مَخْتُوْنًا

سخت دل نہ بازاروں میں شور مچانے والے وہ (رسول) برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دے گا۔ بلکہ معاف کرے گا اور درگزر فرمائے گا۔ اللہ تعالےٰ رسول کو دنیا سے اسوقت تک نہیں اٹھائے گا جب تک وہ اپنی کج رو قوم کو راہِ راست پر نہ لے آئے اور وہ اس طرح کہ سب کلمہ طیبہ پڑھ لیں۔ (اللہ تعالیٰ اس رسول کے ذریعے) اندھی آنکھیں بینا، بہرے کان شنوار، غلاف چڑھے ہوئے دل کھول دے گا حضرت عطاء نے فرمایا۔ غلف اس چیز کو کہتے ہیں جو پردے میں ہو۔ سیف اغلف قوس غلفا اسی سے ماخوذ ہے اور رجل اغلف (وہ شخص جس کا ختنہ نہ ہوا ہو) کو کہتے ہیں۔ (بخاری)
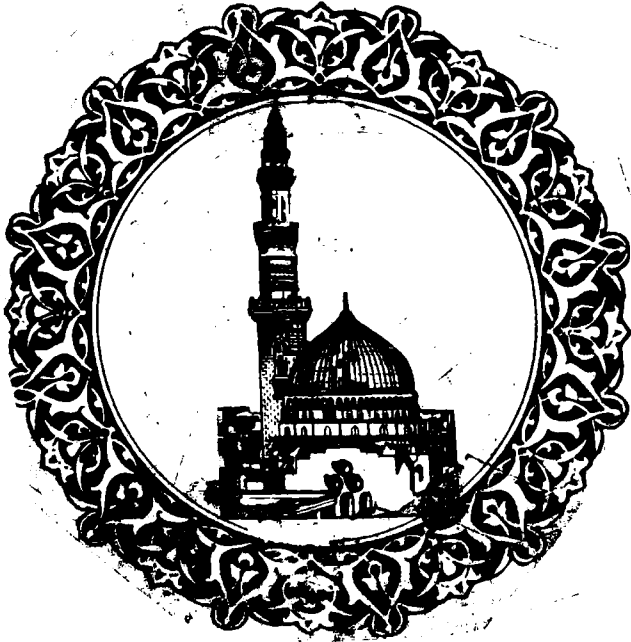
فوائد و مسائل

ولا سخاب فی الاسواق کے الفاظ مطابق عنوان ہیں۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ چونکہ توریت کے عالم تھے اس لیے آپ سے سوال ہوا کہ توریت میں حضور کی صفات کا تذکرہ تھا؟
آپ نے جواب میں فرمایا بخدا ان بعض صفات کا ذکر توریت میں تھا۔ وہی صفات قرآن مجید نے بھی بیان کی ہیں۔

توریت میں حضور کی صفات

کتب سماویہ میں خصوصاً انجیل و توریت میں حضور سید عالم خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی تشریف آوری اور آپ کے فضائل و مناقب اور سیرت و صورت کا تذکرہ موجود تھا مگر یہود و نصاریٰ نے حضور کے فضائل و مناقب کی آیات کی تحریف کر دی۔ قرآن کریم میں فرمایا۔ یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ ۔ (مائدہ) یعنی حضور کی نعت و صفت جو توریت میں بیان کی گئیں۔ اس کو انہوں نے بدل دیا۔ قرآن مجید اور احادیث سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ کتب سماویہ میں حضور کا ذکر تھا۔ اور انبیاء کرام اپنے اپنے دور میں حضور کی تشریف آوری کا ذکر فرماتے تھے۔ چنانچہ۔

عن عبادۃ بن الصامت قال قیل یا رسول اللہ اخبرنا عن نفسک قال نعم انا دعوۃ ابی ابراھیم وکان آخر من بشر بی عیسیٰ بن مریم علیہما السلام
(خصائص کبریٰ ص۹ جلد ۱)

حضرت عبادۃ بن الصامت سے مروی ہے۔ حضور نبوی عرض کیا گیا۔ یا رسول اللہ اپنی نبوت کے متعلق کچھ ارشاد فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں اور میرے ظہور کی آخری بشارت دینے والے عیسیٰ بن مریم ہیں۔

اس حدیث میں حضرت ابراہیم کی اس دعا کی طرف اشارہ ہے جو جناب ابراہیم خلیل علیہ السلام نے بنائے کعبہ کے وقت کی تھی۔ قرآن مجید میں دعائے ابراہیمی کے الفاظ یہ ہیں۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ یُزَكِّیْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ (قرآن مجید)

اے پروردگار ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول انہی میں کا کہ پڑھے ان میں تیری آیتیں اور سکھلا وے ان کو کتاب اور حکمت کی باتیں اور پاک کرے ان کو بیشک تو ہی ہے زبردست حکمت والا۔

حضرت ابو العالیہ کی روایت میں ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے جواب آیا۔

قد استجیب لک ھو کائن فی آخر الزمان (خصائص کبریٰ ص۹ جلد ۱)

اے ابراہیم تمہاری دعا قبول ہوئی۔ وہ نبی اخیر زمانہ میں ظاہر ہوں گے۔

غرضکہ توریت اور انجیل اور زبور میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سراپا نور و سرور کی بشارتیں موجود تھیں اور آج بھی معرف کتب سماویہ میں حضور کے متعلق اشارے پائے جاتے ہیں۔ ظہور رحمۃ للعلمین ہی کی خوشخبری سنانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور ان کے فرائض نبوت میں ایک فرض یہ رکھا کہ وہ اس بات کا اعلان فرمائیں کہ میرے بعد زمانہ ہے حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ نے مژدہ سنایا۔

مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗ اَحْمَدُ۔ (قرآنِ مجید)

میں اس مقدس رسول کی بشارت سنانے آیا ہوں، جس کا نام نامی احمد ہے۔

ہوئے پہلوئے آمنہ سے ہویدا دعائے خلیل اور نوید مسیحا

صحائفِ الٰہیہ کی پیشگوئیوں اور انبیاء و مرسلین کی بشارتوں کے بعد آسمانِ نبوت کے نیّرِ اعظم نے طلوع اجلال فرمایا۔ جس کے ظہور سے خزاں نصیب دنیا میں بہار آگئی۔ تاریکیوں کے بادل چھٹ گئے اور نیکیوں کے لیے فضا سازگار ہوگئی۔

تھی تاریکی جہاں بھر میں تیرے بن ترے جلوے سے روشن ہوگیا دن

اسی سنّتِ انبیاء بلکہ سنتِ خدا کی بناء پر، آج بھی دنیا بھر کے مسلمان، اللہ تعالیٰ کی اس عظیم و جلیل نعمت " حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم " کی اس دنیا میں رونق افروزی کو بیان کرتے ہیں۔ ماہ فاخر ربیع الاول شریف میں گھر گھر حضور کا ذکر ہوتا ہے اور محسنِ کائنات کے حضور درود و سلام پیش کرنے کے لیے محفلیں سجتی ہیں۔ جسے عید میلادالنبی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

ذکرِ رسول کی محفل

قرآنِ مجید میں ارشاد فرمایا گیا۔

وَسَلٰمٌ عَلَیْہِ یَوْمَ وُلِدَ وَیَوْمَ یَمُوْتُ وَیَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا۔ ترجمہ۔ ان پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہے۔ ان کی پیدائش کے دن اور ان کے وصال کے دن اور جب وہ میدانِ حشر میں اٹھیں گے اور قرآنِ مجید ہی میں ایک جلیل القدر رسول سیّدنا حضرت عیسٰے علیہ السلام کا واضح بیان مذکور ہے۔

وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا۔

مجھ پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہے میری پیدائش کے دن اور میرے وصال کے دن اور جب میں میدانِ حشر میں اٹھوں گا ـــــ یومِ پیدائش، یومِ وصال، یومِ حشر و نشر کو قرآنِ مجید میں ایام اللہ بھی فرمایا گیا ہے اور حکم دیا ہے۔

وَذَکِّرْھُمْ بِاَیّٰمِ اللّٰہِ

کہ ایام اللہ کو یاد دلاتے رہو۔

یقیناً اللہ والوں کا دن اللہ ہی کا دن ہے۔ نیز ارشادِ خداوندی ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ ...... الخ

جب عہد لیا اللہ نے نبیوں سے کہ بے شک میں تمہیں کتاب و حکمت عطا فرماؤں۔ پھر تشریف لائیں تمہارے پاس وہ رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تصدیق فرمائیں ان باتوں کی جو تمہارے ساتھ ہیں۔ تم ضرور ان پر ایمان لانا اور ضرور ضرور ان کی مدد کرنا۔ فرمایا کیوں تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا۔ سب پیغمبروں نے عرض کیا، ہم نے اقرار کیا، تو فرمایا، ایک دوسرے کے گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہ ہوں، تو جو کوئی اس کے بعد پھرے وہی لوگ بے حکم ہیں۔ (پارہ ۳، رکوع ۱۶)

قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ

تحقیق آیا اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب

یہ پہلی مجلسِ میلاد مجلسِ انبیاءِ کرام علیہم السلام ہے۔ جس میں ذکرِ میلاد فرمانے والا اللہ تعالیٰ، سننے اور عہد فرمانے

والے حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں۔ اس کے بعد ہر زمانے میں، ہر قرن میں انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام از سیدنا آدم علیہم السلام تا حضرت ابراہیم خلیل اللہ و حضرت سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام اپنے اپنے زمانہ میں مجلسِ میلاد ترتیب دیتے رہے اور اپنی امتوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جلوہ آرائی کی بشارت دیتے رہے۔ قرآنِ مجید میں ہے۔

وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَاْتِىْ مِنْۢ بَعْدِى اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ	میں بشارت دیتا ہوں اُن رسول (محمد) کی جو عنقریب میرے بعد تشریف لانے والے ہیں جن کا نام پاک احمد ہے صلی اللہ علیہ وسلم

قرآنِ مجید میں ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نعمۃ اللہ ہیں۔ اِنَّ الذین بدلوا نعمۃ اللہ کفرا۔ کی تفسیر میں حضرت سیدنا عباس فرماتے ہیں۔ نعمۃ اللہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

واما بنعمة ربك فحدث	اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔

حضور علیہ السلام کی تشریف آوری سب نعمتوں سے افضل و اعلیٰ و برتر و بالا نعمت اور تمام نعمتوں کی جان ہے۔

جب حضور علیہ السلام سے پیر کے روزہ رکھنے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔

فیہ ولدت وفیہ انزل علیّ القرآن	اسی دن میری ولادت ہوئی اور اسی دن مجھ پر قرآن نازل ہوا۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم مکہ سے ہجرت فرماکر مدینہ تشریف لائے تو وہاں کے یہودیوں کو عاشورہ کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھا تو اُن سے فرمایا کہ تم عاشورہ کا روزہ کیوں رکھتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ یہ دن نہایت مقدس و مبارک ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات بخشی اور ہم تعظیماً اس دن روزہ رکھتے ہیں۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

نحن احق بموسی منکم فصامہ و امر بصیامہ (بخاری، مسلم، داؤد)	کہ ہم موسیٰ کی فتح کا دن منانے میں تم سے زیادہ حقدار ہیں۔ پس حضور نے خود بھی روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔

غور کیجئے جس دن بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات ملی۔ بنی اسرائیل اس دن کی تعظیم کریں اور اس کو منائیں اور حضور بھی اس کی عملی طور پر تائید و توثیق فرمائیں تو جس دن رہبرِ عالم حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے اس کی یاد منانا کیوں کر بدعت ہو سکتا ہے۔

حضور نے خود اپنا میلاد بیان فرمایا	یا جابر اِنَّ اللہ خَلَقَ قبلَ الاَشیاءِ نُورَ نبیِّک من نورہٖ ترجمہ۔ اے جابر رضی اللہ عنہ

اولُ ما خلقَ اللہ نُوری

اللہ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا۔

عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں خاتم النبیین ہوں۔ میں دعائے ابراہیم ہوں، میں بشارتِ عیسٰی ہوں، میں اپنی ماں کا خواب ہوں۔

وإن أم رسول الله صلى الله عليه وسلم رأت حين وضعت نوراً اضاءت لها قصور الشام قال الحافظ ابن حجر صححه ابن حبان (زرقانی جلد ۱ ص ۱۱۶)

بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ نے دیکھا۔ جب آپ پیدا ہوئے ایک نور چمکا جس سے شام کے محل نظر آئے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے ایک نور ایسا ظاہر ہوا کہ مشرق و مغرب تک روشنی ہو گئی۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کا وقت قریب آیا تو خداوند تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ فرشتوں کی ایک بہت بڑی جماعت ساتھ لے جاؤ اور ایک نورانی جھنڈا بیت المعمور کی چھت پر، ایک جھنڈا بیت المقدس کی چھت پر اور ایک جھنڈا خانہ کعبہ کی چھت پر نصب کر دو اور اعلان کر دو کہ خدا کا آخری نبی پیدا ہونے والا ہے اور جب آپ کی ولادت کا وقت قریب آیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ جنت کے دروازے کھول دو اور جہنم کے دروازے بند کر دو۔ فرشتے آپس میں ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے تھے۔ (مواہب، خصائص کبریٰ وغیرہ)

خانہ کعبہ کا اظہارِ عقیدت

حضرت عبد المطلب سے منقول ہے۔ انہوں نے کہا، میں شبِ ولادت کعبہ کے پاس تھا۔ جب آدھی رات ہوئی تو میں نے دیکھا کہ کعبہ مقامِ ابراہیم کی طرف جھکا اور سجدہ کو گرا اور کہا۔ اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر محمد مصطفٰے ——— تحقیق اب میرے رب نے مجھے بتوں کی نجاستوں سے بچا لیا اور مشرکوں کی پلیدیوں سے پاک فرمایا۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۱۷۰)

ابلیس کی پریشانی

علامہ حافظ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ خصائص کبریٰ جلد ۱ ص ۵۱ عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب آپ پیدا ہوئے تو ساری زمین نور سے چمک گئی اور ابلیس بولا۔ آج رات ایک بچہ پیدا ہوا ہے۔ اب ہمارا کام مشکل ہو گیا ہے۔ سعادت کے وقت ابلیس غمگین و پریشان آواز کے ساتھ رو دیا اور جب ارادۂ بد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہونا چاہا تو حضرت جبریل نے اس کو ایک ایسی ٹھوکر لگائی کہ وہ عدن میں جا گرا (سیرت حلبیہ جلد ۱ ص ۶۵)

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح البیان آیت کریمہ محمد رسول اللہ کے تحت فرماتے ہیں:۔

وَمِنْ تَعْظِيْمِهٖ عَمَلُ الْمَوَالِدِ اِذَا لَمْ يَكُنْ فِيْهِ مُنْكَرٌ قَالَ الْاِمَامُ السِّيُوْطِيُّ يُسْتَحَبُّ لَنَا اِظْهَارُ الشُّكْرِ لِمَوْلِدِهٖ

کہ میلاد کرنا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تعظیم ہے جب کہ وہ منکرات سے خالی ہو۔ امام سیوطی فرماتے ہیں کہ ہمارے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر شکر کا اظہار کرنا

مستحب ہے (رُوح البیان)

شیخ محقق علامہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کا عقیدہ

دریں جا سند یست مراہل موالید را کہ در شب میلادِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سرور کنند و بذلِ اموال نمائید۔ (مدارج النبوۃ دوم ص ۲۶) ترجمہ۔ اس میں میلاد کرنے والوں کے لیے سند ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شبِ میلاد خوشیاں مناتے اور مال لٹاتے ہیں۔

مولود شریف کے خواص و برکات میں سے ایک یہ بھی مجرب چیز ہے کہ اس (میلاد شریف) سے سال بھر امن وامان قائم رہتا ہے اور میلاد کرنے والے کی حاجتیں، مرادیں پوری ہوتی ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ رحم فرماتے اس شخص پر جو مولدِ مبارک کے مہینہ کی راتوں کو عید منائے تاکہ جن (بدبخت) لوگوں کے دلوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی اور بدعقیدگی کی بیماری ہے۔ ان کے لیے شدت کی بیماری ہو (ماثبت السنۃ)

محفلِ میلاد میں انوار کی بارش

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے عقیدہ میں حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے دن حضور کے مولد میں حاضر تھا۔ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے اور جو معجزے آپ کی ولادت کے وقت اور بعثت سے پہلے ظاہر ہوئے وہ بیان کرتے تھے کہ میں نے دیکھا۔

انوار سطعت دفعۃً واحدۃ

یکبارگی انوار ظاہر ہوئے۔

پس میں نے تامل کیا تو معلوم ہوا یہ انوار ملائکہ کے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ فرشتوں کے انوار، انوارِ رحمت سے ملے ہوئے ہیں ۔۔۔۔۔۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات میں میلاد کے بارے میں فرماتے ہیں۔

نفسِ قرآن خواندن بصوتِ حسن و در قصائد و منقبت خواندن چہ مضائقہ است۔ (مکتوبات ج ۳ ص ۱۱۶/۱۶۳)

کہ اچھی آواز کے ساتھ قرآن، قصیدے، نعت شریف اور فضائل بیان کرنے میں کیا مضائقہ ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اَخْبَرَنِیْ سَیِّدِیَ الْوَالِدُ قَالَ كُنْتُ اَصْنَعُ فِیْ اَیَّامِ الْمَوْلِدِ طَعَامًا صِلَةً بِالنَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ یَفْتَحْ لِیْ سَنَةً مِنَ السِّنِیْنَ شَیْئٌ اَصْنَعُ طَعَامًا فَلَمْ اَجِدْ اِلَّا حِمَّصًا مُقْلِیًا فَقَسَمْتُهٗ بَیْنَ النَّاسِ فَرَاَیْتُهٗ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَیْنَ یَدَیْهِ هٰذِهِ الْحِمَّصُ مُتَبَهِّجًا۔

کہ میرے والد ماجد نے مجھ کو بتایا کہ میں میلاد شریف کے دنوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی میں کھانا پکوایا کرتا تھا۔ ایک سال سوائے بھنے ہوئے چنوں کے کچھ میسر نہ آیا تو وہی لوگوں میں تقسیم کر دیئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ بھنے ہوئے چنے آپ کے روبرو پڑے ہیں اور آپ بہت ہی مسرور ہیں۔

(در الثمین فی المبشراۃ النبی الامین ص ۸)

راس المحدثین حضرت مولانا عبدالعزیز شاہ صاحب دہلوی فرماتے ہیں۔

"کہ فقیر کے مکان پر سال میں دو مجلسیں ایک ذکرِ وفات شریف، دوسری ذکرِ شہادتِ حسین ہوتی ہیں۔ سینکڑوں آدمی

جمع ہوتے ہیں۔ درود شریف وقرآن پڑھا جاتا ہے۔ وعظ ہوتا ہے۔ پھر سلام پڑھا جاتا ہے۔ بعدازاں کھانے پرختم شریف پڑھ کر حاضرین کو کھلایا جاتا ہے۔ اگر یہ سب باتیں فقیر کے نزدیک ناجائز ہوتیں تو فقیر کبھی نہ کرتا۔" (فتاویٰ عزیزیہ جلد اول)

• حاجی امداد اللہ صاحب فیصلہ ہفت مسئلہ میں فرماتے ہیں۔

"اور مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفلِ مولد میں شریک ہوتا ہوں اور قیام میں لطف و لذت پاتا ہوں۔ (فیصلہ ہفت مسئلہ مطبوعہ قیومی پریس کانپور ص۵)

• یہی حاجی امداد اللہ صاحب شمائم امدادیہ میں فرماتے ہیں۔

"اور قیام کے بارے میں میں کچھ نہیں کہتا۔ ہاں مجھ کو ایک کیفیت قیام میں حاصل ہوتی ہے۔" (شمائم امدادیہ ص ۸۸)

• محفلِ میلاد مبارک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے متعلق حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ شمائم امدادیہ میں فرماتے ہیں:۔

"ہمارے علماء مولد شریف میں بہت تنازعہ کرتے ہیں۔ تاہم علماء جواز کی طرف بھی گئے ہیں۔ جب صورتِ جواز موجود ہے پھر کیوں ایسا تشدد کرتے ہیں اور ہمارے واسطے اتباعِ حرمین کافی ہے۔ البتہ وقتِ قیام کے اعتقاد تولد کا نہ کرنا چاہیئے۔ اگر احتمال تشریف آوری کا کیا جائے مضائقہ نہیں۔ کیونکہ عالمِ خلق مقید بزمان ومکان ہے۔ لیکن عالمِ امر دونوں سے پاک ہے۔ پس قدم رنجہ فرمانا ذاتِ بابرکات کا بعید نہیں"۔ انتہیٰ (شمائم امدادیہ ص ۹۳)

نیز فرماتے ہیں:۔ "اگر کسی امر میں عوارض غیر مشروع لاحق ہوں تو ان عوارض کو دور کرنا چاہیئے۔ نہ یہ کہ اصل عمل سے انکار کر دیا جائے۔ ایسے امور سے انکار کرنا خیر کثیر سے باز رکھنا ہے۔ جیسے قیام مولد شریف اگر بوجہ آنے نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی شخص تعظیماً قیام کرے تو اس میں کیا خرابی ہے۔ جب کوئی آتا ہے تو لوگ اس کی تعظیم کے واسطے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اگر اس سردارِ عالم وعالمیان روحی فداہ کے اسمِ گرامی کی تعظیم کی گئی تو کیا گناہ ہوا۔ (فیصلہ ہفت مسئلہ و امداد المشتاق)

• مولوی رشید احمد گنگوہی کے استاد شاہ عبدالغنی صاحب دہلوی فرماتے ہیں:۔

وحق آنست کہ نفسِ ذکرِ ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وسرور وفاتحہ نمودن یعنی ایصالِ ثواب برروح پرفتوح سید الثقلین از کمالِ سعادت انسان است۔

(شفاء السائل)

اور یہ حق ہے کہ حضور کی ولادت کے ذکر کرنے میں اور فاتحہ پڑھ کر آپ کی روح پرفتوح کو ثواب پہنچانے میں اور میلاد شریف کی خوشی کرنے میں ہی انسان کی کامل سعادت ہے۔

• وقال الامام السیوطی قدس سرہ یستحب لنا اظہار الشکر لمولدہ علیہ السلام۔ انتہی (روح البیان جلد ۹ ص ۵۶)

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت پر شکر کرنا ہمارے لیے مستحب ہے۔

• حضرت شیخ زین العابدین علیہ الرحمۃ ہر جمعہ کی شب کو چند من چاول پکا کر بارگاہِ رسالت میں نذرانہ پیش کیا کرتے

تھے، لطف یہ کہ چاول کے ہر دانے پر تین مرتبہ قل ہو اللہ شریف پڑھا ہوتا تھا۔ رسولِ پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے ایامِ مولد میں ہر روز ایک ہزار تنکہ (ایک بڑا پیمانہ) زیادہ کرتے رہے۔ حتیٰ کہ بارہ ربیع الاول شریف بارہ ہزار تنکہ چاول پکاتے تھے۔

اہلِ مکہ شریف کی میلاد شریف سے عقیدت

علامہ احمد عابدین علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ اهل مكة يذهبون اليه فى كل عام ليلة المولد ويحتفلون بذالك اعظم من احتفالهم ما لاعياد۔ ترجمہ:۔ اہلِ مکہ ہر سال میلاد شریف کی رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مولد شریف (جائے ولادت) میں حاضر ہوتے ہیں اور عیدوں سے بھی بڑھ کر محفل قائم کرتے ہیں۔ (جواہر البحار ص ۱۱۲۲)

تمام اہلِ اسلام کا عمل

علامہ سخاوی فرماتے ہیں۔ لازال اهل الاسلام من سائر الاقطار والمدن الكبار يعملون المولد ترجمہ:۔ ہمیشہ اہلِ اسلام تمام علاقوں اور بڑے بڑے شہروں میں میلاد شریف کرتے ہیں۔ (سیرت حلبیہ ص ۸۰)

• علامہ علی بن برہان الدین حلبی سیرتِ حلبیہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

وقد استخرج له الحافظ ابن حجر اصلاً من السنة وكذا الحافظ السيوطى ورد اعلى الفاكهانى المالكى فى قول ان عمل المولد بدعة مذمومة۔ انتھی (سیرت حلبیہ جلد ا ص ۸۰) ولازال اهل الاسلام يحتفلون بشهر مولده صلى الله عليه وسلم (ماثبت بالسنۃ ص ۹۷)

بیشک عملِ مولد کے لیے ابن حجر نے سنت سے اصل نکالی ہے اور اسی طرح حافظ سیوطی نے بھی۔ ان دونوں نے فاکہانی مالکی پر اس کے اس قول پر سخت رد فرمایا ہے کہ (معاذ اللہ) عمل مولد بدعۃ مذمومہ ہے اور اہلِ اسلام ہمیشہ محفلیں منعقد کرتے رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے میلادِ مبارک کے زمانے میں۔

غرض کہ حضور کی ولادت باسعادت کی تقریب کی دھوم دھام، شان و شوکت سے منانا جائز ہے اور عید میلاد النبی کی تقریب تبلیغ اسلام کا بہترین ذریعہ ہے۔ حتیٰ کہ میلاد کی خوشی سے ابولہب تک کو فیض پہنچا ہے۔ ابولہب کے مرنے کے بعد اس کے اہل میں سے کسی نے اس کو خواب میں دیکھا تو سخت عذاب میں پایا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا عذاب میں مبتلا رہتا ہے۔ لیکن پیر کے روز کچھ عذاب میں کمی ہوتی ہے اور جس انگلی کے اشارے حضور علیہ السلام کی ولادت کی خوشی میں اپنی لونڈی ثوبیہ کو آزاد کیا تھا۔ اسی انگلی سے پانی میسر آتا ہے جس سے پیاس بجھتی ہے۔ (بخاری و سیرت حلبیہ وغیرہ)

ذکرِ رسول کی عظمت

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا ط ترجمہ: ہم نے مومنوں پر بہت بڑا احسان کیا کہ ان میں اپنے رسول کو بھیج دیا۔

• حضور آسمانِ نبوت کے نیرِ اعظم، قبلۂ جان، کعبۂ ایمان اور مرشدِ کائنات ہیں، آپ کے ذکر اور آپ کی یاد سے ایمان میں قوت، روح میں لطافت اور قلب میں فرحت پیدا ہوتی ہے اور آپ کا ذکر آپ کی یاد، اللہ کا ذکر اور اللہ کی یاد ہے۔

اِنَّمَا جَعَلْتُ ذِكْرَكَ ذِكْرِی (حدیث) | میں نے (اللہ نے) آپ کے ذکر کو اپنا ذکر قرار دیا۔

• حضور کے ذکر کو اللہ تعالیٰ نے بلند فرمایا اور آپ کے ذکر کو عظمت و بزرگی بخشی ہے۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (قرآن) | ہم نے آپ کے لیے آپ کے ذکر کو رفعت و بلندی عطا فرمائی ہے۔

• ذکرِ رسول کی رفعت کے متعلق ملکوتیوں کے سردار اور نوریوں کے شہنشاہ جناب جبرئیلِ امین، روح الامین علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میں نے اپنے مقدس رسول کے ذکر کو اس طرح بلند فرمایا۔

اِذَا ذُكِرْتُ ذُكِرْتَ مَعِیَ | کہ جب میرا ذکر کیا جاتے گا تو آپ کا بھی ذکر کیا جائیگا۔

(خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۱۹۶)

• صحابی رسول حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ عزّ وجل نے حضور کا

رَفَعَ اللّٰهُ ذِكْرَهُ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلَيْسَ خَطِيْبٌ وَلَا مُتَشَهِّدٌ وَلَا صَاحِبُ صَلٰوةٍ اِلَّا وَهُوَ يُنَادِیْ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط | ذکر دنیا و آخرت میں بلند فرمایا۔ کوئی خطیب کوئی کلمہ پڑھنے والا اور نماز ادا کرنے والا ایسا نہیں جو شہادتِ اُلوہیت کے ساتھ شہادتِ رسالت نہ ادا کرے۔

(خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۱۹۶)

خطبات میں، کلموں میں اقامت میں اذاں میں
ہے نامِ الٰہی سے ملا نامِ محمد

• اَللّٰهُ اَكْبَرُ ذاتِ نبوی پر درود و سلام بھیجنے کا حکم اللہ عزّ وجل نے دیا۔ پھر اس فعل کی عظمت و رفعت، برکت و رحمت کا اظہار یوں فرمایا گیا کہ ذاتِ باری تعالیٰ بھی اس کارِ عظیم میں شریک و متوجہ ہے اور وہ بے نیاز جو ساری کائنات کا رب، مالک و خالق اور رازق ہے وہ بھی ذاتِ نبوی پر درود بھیجتا ہے اور اس کے پاک و معصوم فرشتے بھی، واضح ہوا کہ صلوٰۃ و سلام کی محفلیں اور مجلسیں اللہ تعالیٰ کو مطلوب و محمود ہیں۔ صلوٰۃ و سلام کی کثرت سے مومن کو حضور سیدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا قرب حاصل ہوتا ہے اور قلب و روح کا تزکیہ ہوتا ہے۔

عجیب بات ہے کہ بعض لوگ ذکرِ رسول کی مجالس و محافل سے چڑتے ہیں اور اپنی نادانی سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ صلوٰۃ وسلام کی کثرت اور اس مقصدِ عظیم کے لیے محافل کا قیام بدعت ہے۔ حالانکہ امرِ واقعہ یہ ہے کہ قربِ رسول کے بغیر قربِ خدا ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت تصورِ نبوت سے حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے ذکرِ رسول اور تعلقِ رسول سے غفلت ولاپرواہی ایک مسلم کے لیے تو ناممکن ہی ہے۔

• علامہ شوکانی نے اس سلسلہ میں ایک نہایت ہی ایمان افروز باطل سوز نکتہ بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کے معنیٰ یہ ہیں کہ الٰہی حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو دنیا میں بلند فرما، ان کی دعوتِ اسلام کو عام کر اور ان کی شریعت کو قیامت تک قائم رکھ۔ اور آخرت میں آپ کی شفاعت آپ کی امت کے

وَفِی الْاٰخِرَةِ بِتَشْفِيْعِهٖ فِیْ اُمَّتِهٖ وَتَضْعِيْف | حق میں قبول فرما اور آپ کے اجر و ثواب میں

اجرہ و مثوبتہ | زیادتی فرما۔

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ہم حضور علیہ السلام پر درود پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہمیں ان لفظوں میں کرنی چاہیئے تھی۔

صَلَّيْنَا عَلَى النَّبِيِّ وَسَلَّمْنَا عَلَيْهِ | ہم درود و سلام بھیجتے ہیں حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر۔

لیکن ہم اور سب مسلمان، ان لفظوں سے درود نہیں پڑھتے۔ بلکہ بارگاہِ الٰہی میں

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ | یوں عرض کرتے ہیں اے اللہ تو رحمت بھیج محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر

یعنی حکمِ الٰہی کے مطابق حضور کی بارگاہ میں درود ہمیں عرض کرنا چاہیئے تھا۔ مگر اس کے برعکس ہم اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے رب تو ہی رسولِ کریم پر درود بھیج دے تو اس میں نکتہ کیا ہے؟

تو بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں رسولِ کریم پر درود بھیجنے کا حکم دیا اور حال یہ ہے کہ

وَلَيْسَ فِىْ وُسْعِنَا اَنْ نُصَلِّىَ صَلٰوةً تَلِيْقُ بِجَنَابِهٖ لِاَنَّا لَا نَقْدِرُ مَا اَنْتَ عَالِمٌ بِقَدْرِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَنْتَ تَقْدِرُ اَنْ تُصَلِّىَ صَلٰوةً تَلِيْقُ بِجَنَابِهٖ (نیل الاوطار) | ہم میں یہ طاقت نہیں ہے کہ ہم حضور کے مرتبہ و مقام کے مطابق حضور پر درود بھیج سکیں کیونکہ حضور کی جو عزت و منزلت اور رتبہ کی عظمت سے جیسے اللہ تعالیٰ واقف ہے ہم نہیں ہیں۔ اس لیے ہم بارگاہِ الٰہی میں عرض کرتے ہیں

کہ الٰہی ہماری طرف سے بھی تو ہی حضور کی شان کے موافق درود بھیج دے کیونکہ تو اس پر قادر ہے (اور ہم نہیں)

• ہماری دعائیں، استغفار، توبہ اور عبادات، ذکرِ رسول ہی کے وسیلہ سے بارگاہِ صمدیت میں رسائی حاصل کرتی ہیں۔ تمام عبادتوں سے افضل عبادت، نماز میں بھی السلام علیک ایھا النبی کے کلمہ طیبہ سے بحضور نبوی اسی لیے صلوٰۃ و سلام عرض کیا جاتا ہے تاکہ یہ عبادت بارگاہِ صمدیت میں قبولیت کا شرف حاصل کرلے۔ امام رازی علیہ الرحمۃ نے تفسیر کبیر میں فرمایا کہ عارفوں کی تحقیق و مشاہدہ یہ ہے کہ حضور کی ذاتِ اقدس پر درود و سلام صرف بندوں کا فعل ہی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا فعل بھی ہے۔ جیسا کہ آیت اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِىِّ سے واضح ہے اور ہماری درود خوانی کی کیفیت و نوعیت صرف اس قدر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی درود خوانی کا اپنی زبان سے ذکر کرتے ہیں اور یوں عرض کرتے ہیں صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ یا پھر حاضرینِ دربار کی طرح اپنے مالک و خالق کے فعل (درود خوانی) کی تائید کر دیتے ہیں۔ اس سے اس امر پر روشنی پڑتی ہے کہ بحضور نبوی درود و سلام عرض کرنا ایک ایسا فعل ہے جس کے متعلق بارگاہِ الٰہی میں عدمِ قبولیت کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حضور پر درود و سلام تو ہمیشہ مقبول و منظور ہی ہوگا۔ کیونکہ درود تو اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ وہ خود فاعل بھی ہے اور خود ہی قبول کرنے کا اختیار رکھتا ہے اور ہمیں درود خوانی کا ثواب محض رحیم و کریم خدا کے فعل کی تائید کرنے سے مفت میں مل جاتا ہے۔

• ہماری عبادات توبہ استغفار کی کیفیت یہ ہے کہ اگر وہ خلوص پر مبنی ہوں۔ کامل توجہ اور رجوع الی الحق کے ساتھ دعا کی جائے اور روح و جسم کی کامل سپردگی کے ساتھ بارگاہِ الٰہی میں دُعا کی جائے، معافی چاہی جائے تو قبولیت کی امید ہے اور اگر اخلاص و توجہ میں کمی رہ جائے اور اللہ تعالیٰ ان دُعاؤں اور عبادتوں کو رد فرمائے تو کیا تعجب! لیکن درود و سلام تو محض صلی اللہ علیہ وسلم عرض کرکے تائید کرتے ہیں اور اپنے رب کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔ لہٰذا درود و سلام کی قبولیت میں شک کی گنجائش نہیں ہے۔ اسی لیے توبہ و استغفار اور عبادات کا بارگاہِ الٰہی میں مقبول و محمود ہونے کے لیے حضور پر درود و سلام بہت ہی محفوظ طریقہ ہے کیونکہ درود کے نامنظور ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی لیے امیرالمومنین سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ۔

اِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوْفٌ بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ حَتّٰی تُصَلِّیَ عَلٰی نَبِیِّكَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ (ترمذی)

دُعا زمین و آسمان کے درمیان اس وقت تک معلق رہتی ہے۔ جب تک تو حضور کی ذات پر درود نہ پڑھے۔

عمر میں ایک بار حضور پر درود پڑھنا عین فرض ہے اور جب نامِ اقدس سُنایا بولا جائے تو واجب ہے۔ حضور فرماتے ہیں جو شخص جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات مجھ پر سو مرتبہ دُرود پڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی سو حاجتیں پوری فرمائے گا۔ ستر حاجتیں آخرت کی اور تیس دُنیا کی۔

ثُمَّ وَكَّلَ اللّٰهُ بِذٰلِكَ مَلَكًا یَدْخُلُ عَلٰی قَبْرِیْ كَمَا یَدْخُلُ عَلَیْكُمُ الْهَدَایَا وَاِنَّ عِلْمِیْ بَعْدَ وَفَاتِیْ كَعِلْمِیْ فِیْ حَیَاتِیْ (خصائص کبریٰ ج ۲ صہ ۲۸۰)

پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو مقرر فرماتا ہے جو تمہارے درود میری قبر میں مجھ تک اس طرح پہنچاتا ہے جیسے تم پر تحفے پیش کیے جاتے ہیں اور میرے علم کی کیفیت وفات کے بعد بھی وہی ہے جو میری حیات میں تھی۔

• حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس کی

رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ (ترمذی)

ناک خاک آلود ہو جس کے پاس میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔

• حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے

اَلْبَخِیْلُ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ (ترمذی)

فرمایا۔ بخیل ہے وہ جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔

• متعدد صحابہؓ کرام سے مروی ہے کہ انھوں نے بحضور نبوی عرض کی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَیْفَ نُصَلِّیْ عَلَیْكَ ہم

---

[1] بحضور نبوی مختلف الفاظ اور صیغوں سے درود و سلام عرض کیا جاتا ہے۔ بعض درود کے الفاظ اور صیغے بزرگانِ دین سے منقول اور ان کے معمول بہ ہیں۔ یہ بھی امر واقعہ ہے بزرگوں سے منقول و معمول درود مقبول ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے اندر ایک خاص تاثیر بھی رکھتے ہیں

آپ پر کس طرح درود پڑھیں۔ حضور نے فرمایا۔ اس طرح :۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ (بخاری و مسلم)

• حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا۔ اللہ تعالیٰ اس پر اس کے سبب دس رحمتیں نازل فرماتے گا۔

مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلٰوةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا (مسلم)

• حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَوْلَى النَّاسِ بِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلٰوةً (ترمذی)

قیامت کے دن سب سے زیادہ میرے قریب وہ ہوگا جو مجھ پر بکثرت سے درود پڑھتا ہے۔

• حضرت اوس بن اوس سے مروی ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا۔ جمعہ کا دن تمام دنوں سے افضل ہے تو

فَاَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلٰوةِ فِيْهِ فَاِنَّ صَلٰوتَكُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَيَّ۔

اس میں مجھ پر درود کی کثرت کیا کرو کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

صحابہ نے عرض کی حضور ہمارا درود آپ پر کیسے عرض کیا جائیگا جب کہ (وَقَدْ اَرَمْتَ) یعنی جب کہ قبر میں ہڈیاں بوسیدہ ہوجائیں گی۔ حضور نے جواب دیا :۔

اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ

اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسموں کو حرام کردیا ہے (ابوداؤد)

نماز میں درود وسلام

سب عبادتوں سے افضل عبادت نماز کے دونوں قعدوں میں پورا تشہد پڑھنا (جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے ساتھ ساتھ ذاتِ نبوی پر سلام بھی عرض کیا جاتا ہے) واجب ہے تشہد کا ایک لفظ بھی چھوڑ دینا ترکِ واجب ہے جس سے درود وسلام کی اہمیت واضح ہوتی ہے کہ نماز کی مقبولیت بھی درود وسلام کی رہینِ منت ہے ـــــ تشہد کی حدیثیں جناب ابن عمر عبداللہ بن مسعود، جناب ام المومنین عائشہ صدیقہ و عبداللہ بن زبیر، جابر، ابوسعید خدری، ابوموسیٰ اشعری، حضرت معاویہ سلیمان، سلمہ، ابوحمید رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہیں۔ اگرچہ ان روایتوں میں تشہد کے الفاظ میں کچھ فرق ہے تاہم تشہد حضرت ابن مسعود کا پڑھنا دونوں قعدوں میں افضل واولیٰ ہے۔

امام ترمذی نے فرمایا۔ تشہد کے متعلق حدیث ابن مسعود سب سے اصح ہے اور اکثر اہل علم و صحابہ تابعین کا اس پر

تاہم عرض صرف یہ کرنا ہے کہ رائج الوقت تمام درودوں کا پڑھنا جائز ومباح ہے لیکن تمام درودوں سے افضل واکمل بہرحال وہی درود ہے جو تمام عبادتوں سے افضل عبادت نماز میں پڑھا جاتا ہے۔ یعنی درود ابراہیمی۔

پر عمل ہے ۔ علامہ خطابی نے فرمایا۔ روایات کی رُو سے اصح اور رجال کی رُو سے اشہر تشہدِ ابن مسعود ہی ہے ۔ بزاز نے کہا تشہد کے متعلق حدیث ابن مسعود بہت صحیح ہے ۔ کچھ اوپر بیس اسناد سے مروی ہے اور اس بارے میں حدیث ابن مسعود سے زیادہ اصح و اشہر و اثبت کوئی اور حدیث نہیں ہے ۔ علامہ بغوی، علامہ نودی، ابن المنذر، ابو علی طوسی، ابو عمرو ابن طاہر نے کہا حدیث ابن مسعود اصح ہے ۔ علامہ طحاوی علیہ الرحمہ نے حدیث ابنِ مسعود کو تیرہ طرق سے ذکر کر کے فرمایا کہ تشہد ابنِ مسعود کو جن مشہور راویوں نے روایت کیا ہے تو الفاظ میں اختلاف نہیں کیا۔ سب نے متفقہ طور پر ایک ہی الفاظ روایت کیے ہیں۔ اس کے برعکس تشہد کی دوسری روایتوں کے الفاظ میں اختلاف ہے (اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ تشہد کے مخصوص الفاظ ہیں) لہٰذا متفق علیہ مختلف فیہ سے اولیٰ ہے ۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

اخذت التشهد من فی رسول الله صلی الله علیه وسلم ولقنیه کلمة کلمة (طحاوی) علمنی رسول الله صلی الله علیه وسلم التشهد وکفی بین کفیه

تشہد کے کلمات میں نے حضور کے دہنِ اقدس سے لیے ہیں اور حضور نے مجھے اس کا ایک ایک کلمہ تلقین فرمایا ہے حضور نے مجھے تشہد کے الفاظ سکھائے دراں حالانکہ میرا ہاتھ حضور کے دونوں ہاتھوں میں تھا۔

تشہد ابن مسعود میں الصلوٰۃ والطیبات واؤ عاطفہ کے ساتھ ہے جو مغایرت چاہتا ہے۔ جس سے دونوں کلموں کا ثنا رمستقل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ دوسری روایتوں کے تشہد میں واؤ نہیں ہے ۔ اور روایتِ احمد میں ہے کہ

ان رسول الله صلی الله علیه وسلم علمه التشهد وامره ان یعلمه الناس

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد تعلیم فرمایا اور حکم فرمایا کہ لوگوں کو بھی سکھا دو۔

تشہد ابنِ مسعود کے الفاظ یہ ہیں۔

اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبٰتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ ط اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ط

التحیات ۔ تحیۃ کی جمع ہے۔ اس کے معنیٰ سلامتی، بقاء، عظمت، نقص و آفات سے پاک کے ہیں ۔
والصلوٰت کے معنیٰ عبادت کے ہیں والطیبات سے کلمہ طیبہ یا اوصافِ حمیدہ مراد ہیں۔

علامہ نسفی نے فرمایا ۔ التحیات سے عباداتِ قولیہ، صلوات سے عباداتِ فعلیہ، طیبات سے عباداتِ مالیہ مراد ہیں ۔ السلام علیك ایها النبی میں حضور علیہ السلام کو خطاب ہے اور اس سے اتنی بات بلا کسی کھینچ تان کے ثابت ہوتی ہے کہ اللہ کے نیک بندوں میں سے کسی کو حاضر و موجود تصور کر کے خطاب کرنا جائز ہے خواہ وہ نظر آتے یا نہ آئے۔ چنانچہ حافظ علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ اہلِ عرفان اس خطاب کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ جب نمازی تحیۃ کے ساتھ حریمِ حق میں داخل ہوا اور اس کی آنکھیں اپنے رب کے ساتھ مناجات کرنے سے ٹھنڈی ہوئیں تو اب اسے خبردار کیا گیا کہ دربارِ خداوندی

میں تیری حاضری صدقہ ہے اس مقدس ہستی کا جس کا نامِ نامی اسمِ گرامی محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔

فهوا على ان ذلك بواسطه نبي الرحمة وبركة متابعته فاذا التفتوا فاذا الحبيب في حرم الحبيب حاضر فاقبلوا عليه قائلين السلام عليك ايها النبي ورحمة الله و بركاته (عینی ج ۳ ص ۱۱۱ فتح الباری)

اسی کے وسیلہ اور برکت سے تمہاری یہاں تک رسائی ہوئی ہے تو انھوں نے نظر جو اٹھائی تو حبیبِ حق کو (حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم) حریمِ حق میں جلوہ فگن پایا تو السلام عليك ايها النبي کہتے ہوئے بارگاہِ نبوی کی طرف متوجہ ہوئے۔

ورحمة الله وبركاته۔ رحمۃ کے معنی یہاں جود وکرم کے ہیں کیونکہ اس کے لغوی معنی (رقتِ قلب) کی نسبت اللہ عزوجل کی طرف نہیں ہو سکتی۔ بركاته۔ جمع برکت اس کے معنی "ہر شے کی خیرِ کثیر" کے ہیں اور اس کا اشتقاق برک سے ہے۔ برک اونٹ کے سینہ کو کہتے ہیں۔ السلام علينا اس سے حاضرینِ نماز، امام ومقتدی و ملائکہ ہیں وعلى عباد الله الصالحين صالح وہ شخص ہے جو اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کرے۔ حکیم ترمذی نے فرمایا کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس سلام سے حصہ پائے جس کی دعا ہر نمازی نماز میں کرتا ہے تو اس کو چاہیئے کہ وہ عملِ صالح اختیار کرے اور شریعت کی پابندی کرے ۰ ابتدائی دور میں بحالتِ جلسہ صحابہ کرام السلام على جبرئيل۔ السلام على ميكائيل۔ السلام على الله کہا کرتے تھے۔ اس پر حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت فرمائی۔ ان الله هو السلام اللہ تعالیٰ تو خود سلام ہے۔ سلامتی اور رحمت اسی کے لیے ہے اور اسی کی طرف ہے۔ وہی اس کا مالک اور عطا کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ السلام ہے۔ ہر عیب اور نقص سے پاک ہے۔ سلامتی اور رحمت کا مبدا بھی وہی ہے اور معاد بھی وہی تو حضور نے اس کی جگہ نہایت جامع کلمات تعلیم فرمائے یعنی

السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين جس میں ملائکہ انبیاء کرام وجمیع مومنین وصدیقین سب کے سب آجاتے ہیں اور یہ کلمہ بھی جوامع الکلم سے ہے۔

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے بحضور نبوی عرض کی یا رسول اللہ

قد علمنا كيف السلام عليك فكيف الصلاة (ترمذی)

ہم نے آپ پر سلام کہنے کی کیفیت تو جان لی۔ درود آپ پر کس طرح پڑھیں؟

یعنی سلام کی کیفیت تو التحیات میں (السلام عليك ايها النبي الخ) سے معلوم ہوئی۔ اس پر حضور نے فرمایا قولوا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ الخ اور روایت امام احمد میں یہ الفاظ بھی ہیں:۔

كيف نصلى عليك اذا نحن صلينا في صلوتنا

جب ہم نماز پڑھیں تو نماز میں آپ پر درود کس طرح پڑھیں۔

اس پر حضور علیہ السلام نے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَاَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ الخ کے الفاظ ارشاد فرمائے۔

حدیث ابن مسعود میں ہے کہ صحابہ کرام نے بحضور نبوی عرض کی۔ ہمیں صلوٰۃ پڑھنے کا حکم دیا گیا تو ہم آپ پر درود کس طرح پڑھیں۔ اس کے جواب میں حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ قولوا اللّٰھمّ صلِّ علیٰ محمّد الخ اور اللّٰھمّ بارِک علیٰ محمّد الخ اس حدیث میں لفظ قولوا امر کا صیغہ ہے اس سے قعدہ اخیرہ میں درود پڑھنے کے وجوب کا استدلال کیا گیا۔ چنانچہ حضرت عمر اور حضرت عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن مسعود و جابر بن زید شعبی، محمد بن کعب القرضی، ابوجعفر الباقر، ہادی، قاسم، امام شافعی، احمد بن حنبل، اسحٰق و ابن المواز و قاضی ابوبکر بن العربی رضی اللہ تعالیٰ عنہم وجوب کے قائل ہیں۔ علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ بھی وجوب کے قائل ہیں اور انہوں نے اس کو اجماعی مسئلہ قرار دیا ہے ——— اور امام مالک و امام ابوحنیفہ و ثوری و اوزاعی عدم وجوب کے قائل ہیں۔

معلوم ہوا کہ قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد درود بھی پڑھا جائے اور یہ کہ جو الفاظِ درود حضور علیہ السلام نے تعلیم فرمائے ہیں انہیں کا پڑھنا افضل و اولیٰ ہے۔

سُبْحَانَ اللہ! تمام عبادتوں سے افضل عبادت نماز کے دونوں قعدوں میں التحیات کا پڑھنا (جس میں السلام علیك ایہا النبی کے الفاظ بھی ہیں) واجب ہے اور درود کا پڑھنا بھی اکثر جلیل القدر صحابہ و تابعین کے نزدیک واجب اور احناف کے نزدیک مستحب ہے۔ معلوم ہوا کہ نماز جو خالص عبادتِ الٰہی ہے۔ اس میں بھی بحضور نبوی درود و سلام عرض کرنا باعثِ برکت موجبِ رحمت ہے اور نماز کی مقبولیت کا سبب اور اس خالص عبارت میں بھی ذکرِ خدا کے ساتھ ذکرِ مصطفےٰ سید الانبیاء علیہ التحیہ والثناء موجود ہے یعنی کان جدھر لگائیے ان کی ہی داستان ہے۔

سلفِ صالحین حمد و ثناء کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صلوٰۃ و سلام عرض کرتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا کے ذکر کے ساتھ حضور علیہ السلام کا ذکر بھی ملا ہوا ہے۔ اسی لیے مفسرین نے ورفعنا لک ذکرک کے معنیٰ یہ کیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ذکرت حیثما ذکرت	محبوب جہاں میرا ذکر کیا جائے، وہاں تمہارا ذکر بھی کیا جائے گا۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ نے اپنے رسالہ میں امام مجاہد کے متعلق لکھا ہے کہ انھوں نے اس آیہ مبارکہ کی تفسیر میں فرمایا۔ جو شخص لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ پڑھے گا۔ وہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی پڑھتا ہے۔ یہ ہی معنیٰ رفع ذکر کے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دربارِ نبوی میں بیان کیے۔ جسے امام نووی نے شرح مسلم میں ذکر کیا ہے۔ (عینی جلد ا صـ۱۵)

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس شخص کی ناک غبار آلود ہو جس کے سامنے

رغم انف رجل ذکرت عندہٗ فلم یصل علیّ والبخیلُ الذی ذکرت عندہٗ فلم یُصل علیّ (نسائی)	میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے، بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ وہ شخص بہت بدنصیب ہے جس کے سامنے حضور علیہ السلام کا ذکر ہو اور وہ آپ پر درود نہ پڑھے تو حدیث میں درود پڑھنے کی ہدایت ہے۔ اس بنا پر مصنفین و مؤلفین ابتدا کتاب میں حمد و ثنا کے بعد درود و سلام بھی عرض کرتے ہیں ؎

تم سب پڑھو درود میں ذکرِ نبی کروں

حضور کی ذاتِ اقدس پر درود و سلام کی اہمیت اور عظمت

حضور نبی کریم علیہ السلام کے ذکر پاک کی عظمت و رفعت اور آپ کی بارگاہ میں ہدیہ درود و سلام کی اہمیت محتاجِ بیان نہیں ہے۔ بلکہ حضور کا ارشاد تو یہ ہے کہ مسلمانوں کی کوئی مجلس اور کوئی نشست اللہ کے ذکر اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر درود و سلام سے خالی نہیں رہنی چاہیئے۔ جامع ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو لوگ کہیں بیٹھیں اور انہوں نے اس

مَاجَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِساً لَمْ يَذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْهِ وَلَمْ يُصَلُّوا عَلٰى نَبِيِّهِمْ اِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ تِرَةً فَاِنْ شَاءَ عَذَّبَهُمْ وَاِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُمْ (ترمذی)

نشست میں نہ اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور نہ اپنے نبی پر درود بھیجا تو قیامت کے دن یہ ان کے لیے حسرت اور خسران کا باعث ہوگی۔ پھر چاہے اللہ ان کو عذاب دے اور چاہے معاف فرمادے۔

معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی کوئی مجلس ایسی نہ ہونی چاہیئے جو اللہ کے ذکر اور صلوٰۃ علی النبی سے خالی ہو۔ اگر زندگی میں یہ نشست بھی ایسی ہوئی تو قیامت کے دن اس پر باز پرس ہوگی اور اس وقت سخت حسرت اور پشیمانی ہوگی۔ اس لیے حضور کے ذکر اور آپ پر درود و سلام سے غفلت اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت سے محرومی ہی ہے۔ وہ لوگ بہت ہی بدنصیب اور گمراہ ہیں جو درود و سلام کی مجالس کو طرح طرح کے حیلے بہانے تراش کر بند کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ احادیثِ صحیحہ سے ان مجالس کا باعثِ خیر و برکت ہونا آفتابِ نیمروز سے زیادہ واضح ہے۔

حضور کی صفت شاہد کے معنیٰ

سورۃ احزاب میں حضور کو مخاطب بنا کر فرمایا گیا۔ یا ایھا النبی انا ارسلنٰکَ شَاهِداً وَمُبَشِّراً وَنَذِيراً وَدَاعِياً اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجاً مُنِيراً ترجمہ:۔ اے غیب کی خبریں بتانے والے نبی ہم نے تمھیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب۔

شاهد۔ مفرداتِ امام راغب میں ہے کہ مشہود اور شہادت کے معنیٰ حاضر ہونا مع ناظر ہونے کے ہے خواہ بصر کے ساتھ یا بصیرت کے ساتھ اور گواہ کو بھی اسی لیے شاہد کہتے ہیں کہ وہ مشاہدہ کے ساتھ جو علم رکھتا ہے اس کو بیان کرتا ہے۔ حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم تمام عالم کی طرف مبعوث ہیں۔ آپ کی رسالت عام ہے جیسا کہ سورۃ فرقان کی پہلی آیت میں فرمایا گیا۔ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيراً۔ جو سارے جہاں کو ڈر سنانے والا ــــــ مفرداتِ امام راغب کے الفاظ یہ ہیں۔ الشهود والشهادة الحضور مع المشاهدة اما بالبصر او بالبصيرة

علامہ قاضی عیاض فرماتے ہیں :۔

الشَّھِیْدُ مِنَ الشُّھُوْدِ بِمَعْنَی الْحُضُوْرِ وَ مَعْنَاہُ الْعَالِمُ شفا، ج ۱ صفحہ ۵۰۵

لفظ شہید شہود سے مشتق ہے۔ شہید حضور کے معنی میں ہے اور حضور کے معنی عالم کے ہیں۔

شرح مواقف صہ ۶۱۹ پر مذکور ہے۔

اَلنَّظَرُ فِی اللُّغَۃِ بِمَعْنَی الرُّؤْیَۃِ

نظر لغت میں رویت کے معنی میں مستعمل ہے۔

اس تشریح سے معلوم ہوا کہ حاضر کے معنی عالم کے ہیں اور ناظر کے معنی دیکھنے والے کے ہیں۔ اہلسنت وجماعت حضور سرور عالم کو حاضر و ناظر مانتے ہیں۔ اس کا مطلب صرف اسی قدر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو وہ علم، وہ رویت، وہ قدرت عطا فرمائی ہے کہ حضور ہر جگہ اور ہر مقام کا علم و رویت رکھتے ہیں اور چشم نبوت و رسالت سے کائنات کا کوئی ذرہ پوشیدہ نہیں ہے۔

اللہ رب العزت جل مجدہٗ ارشاد فرماتا ہے۔

۱۔ انا ارسلنٰک شاھدًا ومبشرًا

محبوب! ہم نے تمہیں شاہد، مبشر اور نذیر بنایا

۲۔ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا

یہ رسول تم پر شہید ہے۔

۔ وَجِئْنَا بِکَ عَلٰی ھٰؤُلَاءِ شَھِیْدًا

ہم قیامت کے دن سب پر آپ کو شہید بنائیں گے۔

آیت اول میں لفظ شاہد اور دوم میں لفظ شہید ہے اور شاہد و شہید کے معنیٰ عالم کے ہیں۔ اب آیہ کریمہ مذکورہ کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ اللہ نے اپنے رسول کو بے خبر بنا کر نہیں بھیجا بلکہ علم و رویت، حاضر و ناظر کی صفت سے نوازا ہے اور آپ کے سر اقدس پر علم و معرفت کا تاج رکھا ہے۔

ان آیات کی تفاسیر

حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں۔ ۱۔ شاھدا ای عالما و مطلعا (شرح شفا ج ۱ صہ ۵۰۵) ترجمہ: شاہد کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ نے آپ کو عالم بنایا ہے اور تمام اشیاء پر اطلاع دی ہے۔

۲۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لفظ شہیدًا کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

و باشد رسولِ شما گواہ زیرا کہ او مطلع است بہ نورِ نبوت بر رتبہ ہر متدین بدین خود کدام درجہ از دینِ من رسیدہ و حقیقتِ ایمانِ او چیست و حجابے کہ بداں از ترقی محجوب ماندہ است کدام است۔ پس او مے شناسد گناہانِ شمار او اعمالِ نیک و بد شمار او اخلاص و نفاق شمارا لہٰذا شہادتِ او در دنیا و دین بحکمِ شرع در حق امت مقبول و واجب العمل است۔ (تفسیر عزیزی صہ ۶۷۶)

تمہارے رسول دن قیامت میں تم پر گواہ ہوں گے کیونکہ وہ اپنی نبوت کے نور کے ساتھ اپنے دین پر چلنے والے کے رتبہ سے واقف ہیں کہ وہ میرے دین میں کس درجہ پر پہنچا اور اس کے ایمان کی کیا حقیقت ہے اور جس حجاب کے سبب وہ ترقی سے رک گیا۔ وہ کونسا حجاب ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر امتی کے گناہوں کو پہچانتے اور تم سب کے ایمان کے درجوں کو جانتے ہیں اور تمہارے سب نیک و

بداعمال سے واقف ہیں اور تمہارے خلوص و نفاق پر مطلع ہیں۔ لہذا حضور کی گواہی دنیا و آخرت میں بحکم شرع اُمت کے حق میں مقبول ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی نے لفظِ شہید کی جو تفسیر فرمائی ہے۔ اس سے ذیل کے امُور پر روشنی پڑتی ہے یعنی حضور نبی کریم علیہ السلام اپنے نورِ نبوت کے ذریعہ اپنے ہر امتی کے رتبہ و مقامِ ایمان، ایمان کے درجات، اس کی حقیقت، عدمِ ترقی کے اسباب و حجاب، اپنے امتی کے گناہ، نیک و بداعمال، قلبی احوال، خطرات و سواس، نفاق غرضکہ اپنی امت کی ہر حرکت و سکون سے واقف ہیں۔ اسی لیے قیامت کے دن حضور کی گواہی امت کے حق میں مقبول ہوگی اور یہ ہی حاضر و ناظر کے معنیٰ ہیں۔

یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ شاہ صاحب نے لفظِ شہید کی جو تفسیر فرمائی ہے۔ اس میں تمام مفسّرین کرام متفق و متحد ہیں۔ بخوفِ طوالت ہم صرف چند تفاسیر کے حوالے اور پیش کرتے ہیں۔

۱۔ تفسیر روح البیان میں ہے۔

ومعنی شهادة الرسول عليهم اطلاعه علیٰ رتبة كل متدين

اور شہادت کے معنیٰ یہ ہیں کہ حضور ہر مسلمان کے رتبہ و مقام پر مطلع ہیں۔

۲۔ تفسیر خازن و مدارک میں ہے۔

ثم يؤتى بمحمد صلى الله عليه وسلم فيسأله عن حال امته فَيُزَكِّيهِمْ وَيَشْهَدُ بِعَدَالَتِهِمْ وَيُزَكِّيهِمْ وَيَعْلَمُ بِعَدَالَتِهِمْ

قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اُمت کے متعلق سوال ہوگا۔ تو آپ اپنی امت کے عدل کی شہادت دیں گے کیونکہ حضور امتی کے عدل کو جانتے ہیں۔
(تفسیر خازن و مدارک)

۳۔ تفسیر نیشاپوری میں ہے۔ آیت نمبر ۳ کے تحت

لِاَنَّ رُوْحَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَاهِدًا عَلٰى جَمِيْعِ الْاَرْوَاحِ وَالْقُلُوْبِ وَالنُّفُوْسِ بِقَوْلِهٖ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللهُ نُوْرِىْ۔

حضور علیہ السلام قیامت کے دن کی گواہی دیں گے کیونکہ حضور کی روح مبارک تمام ارواح اور قلوب اور نفوس کو دیکھ رہی ہے۔ اسی لیے آپ نے فرمایا تھا کہ سب سے پہلے اللہ نے میرے نور کو پیدا کیا۔

۴۔ تفسیر مدارک میں آیت نمبر ۳ کے ماتحت ہے۔

اَىْ شَاهِدًا عَلٰى مَنْ كَفَرَ بِالْكُفْرِ وَعَلٰى مَنْ نَافَقَ بِالنِّفَاقِ وَعَلٰى مَنْ اٰمَنَ بِالْاِيْمَانِ۔

حضور کافروں کے کفر، منافقوں کے نفاق اور ایمان والوں کے ایمان کی قیامت کے دن گواہی دیں گے۔

ف:۔ واضح ہو کہ کفر و نفاق کا تعلق دل سے ہوتا ہے اور یہ بھی غیب ہے۔

۵۔ روح البیان میں ہے۔

وَاعْلَمْ اَنَّہٗ یُعْرَضُ عَلَی النَّبِیِّ اَعْمَالُ اُمَّتِہٖ غُدْوَۃً وَعَشِیَّۃً فَیَعْرِفُھُمْ بِسِیْمَاھُمْ وَاَعْمَالِھِمْ

آپ کی امت کے اعمال صبح و شام پیش ہوتے ہیں اور آپ امت کو ان کی علامات سے جانتے ہیں اور ان کے اعمال سے واقف ہیں۔

۶۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۳ میں حضرت سعید بن المسیب کہتے ہیں۔

لَیْسَ مِنْ یَوْمٍ اِلَّا یُعْرَضُ عَلَی النَّبِیِّ اَعْمَالُ اُمَّتِہٖ غُدْوَۃً وَّعَشِیَّۃً یعلمھم باسمائھم واعمالھم ولذلک یشھد علیھم

ہر دن حضور علیہ السلام پر صبح و شام اُمت کے اعمال پیش ہوتے ہیں اور حضور اپنے ہر امتی کے نام اور اس کے اعمال سے واقف ہیں۔ اسی لیے قیامت کے دن گواہی دیں گے۔

اسی مضمون کی حدیث ابوداؤد، ابن ماجہ، مسند امام احمد میں بھی ہے، ان تینوں آیتوں اور ان کی تفاسیر سے یہ ثابت ہوا کہ حضور کی نظروں سے عالم کا کوئی ذرہ پوشیدہ نہیں ہے اور یہی معنیٰ ہیں حاضر و ناظر کے۔

احادیث

۱۔ مواہب لدنیہ جلد ۲ صہ ۱۹۲ میں طبرانی سے روایت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر راوی حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا۔

اِنَّ اللّٰہَ قَدْ رَفَعَ لِیَ الدُّنْیَا فَاَنَا اَنْظُرُ اِلَیْھَا وَاِلٰی مَا ھُوَ کَائِنٌ فِیْھَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ کَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلٰی کَفِّیْ ھٰذِہٖ

اللہ تعالیٰ نے میرے لیے دنیا کو ظاہر کیا۔ میں دنیا کی طرف اور جو کچھ دنیا میں قیامت تک ہونیوالا ہے اس طرف اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو۔

اس حدیث کی شرح میں علامہ زرقانی لکھتے ہیں۔

اَیْ اَظْھَرَ وَکَشَفَ لِیَ الدُّنْیَا بِحَیْثُ اَحَطْتُ بِجَمِیْعِ مَافِیْھَا فَاَنَا اَنْظُرُ اِلَیْھَا (الخ) اِشَارَۃٌ اِلٰی اَنَّہٗ نَظْرٌ حَقِیْقِیٌّ دفع انہ ارید بالنظر العلم (زرقانی جلد ۷ صہ ۲۳۴)

رفع کے معنیٰ یہ ہیں۔ اللہ نے حضور کے لیے دنیا کو ظاہر کیا۔ اس کا کشف فرمایا۔ نظر سے مراد نظر حقیقی ہے۔ مجازی معنیٰ صرف علم نہیں ہیں (بلکہ نظر سے مراد حضور کا حقیقۃً اپنی آنکھوں سے دنیا و مافیہا میں جو قیامت تک ہوگا دیکھنا مراد ہے)

۲۔ مشکوٰۃ شریف میں حضرت ثوبان سے روایت ہے۔ حضور نے فرمایا۔

ان اللہ قد زوی لی الارض فرایت مشارقھا و مغاربھا

اللہ نے میرے لیے زمین سمیٹ دی۔ میں نے اس کے مشرق و مغرب کو دیکھ لیا۔

مظاہر حق صہ ۳۰۵ پر اس حدیث کا ترجمہ یوں ہے۔

"بیشک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین سمیٹ دی۔ اس کو سمیٹ کر مثل ہتھیلی کے کر دکھایا۔ دیکھا میں نے اس کے مشرقوں اور مغربوں کو یعنی تمام زمین کو۔"

۳۔ مَا مِنْ شَیْءٍ لَّمْ اَکُنْ اُرِیْتُہٗ اِلَّا وَرَاَیْتُہٗ

حضور نے فرمایا۔ کوئی چیز ایسی نہیں جو مجھے نہ دکھائی گئی ہو

فِیْ مَقَامِیْ هٰذَا (بخاری جلد ۱ صہ ۱۸)

میں اپنے اس مقام سے ہر شے کو دیکھ رہا ہوں۔

۴۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم هَلْ تَرَوْنَ مَا اَرٰی اِنِّیْ اَرٰی مَوَاقِعَ الْفِتَنِ فِیْ خِلَالِ بُیُوْتِکُمْ

حضور نے فرمایا۔ کیا تم وہ دیکھتے ہو جو میں دیکھتا ہوں۔ میں تمہارے گھروں میں فتنے اٹھنے کی جگہ کو بھی دیکھ رہا ہوں۔ (جامع صغیر جلد ۱ صہ ۱۶۲)

علامہ نبہانی کا ارشاد

اسی لیے علامہ یوسف ابن اسمٰعیل نبہانی اپنی کتاب جواہر البحار کے صہ ۸۴۳ جلد ۱ پر فرماتے ہیں:

اِنَّہٗ جَسَدُہُ الشَّرِیْفُ لَا یَخْلُوْ مِنْہُ زَمَانٌ وَمَکَانٌ وَلَا مَحَلٌّ وَلَا اِمْکَانٌ وَلَا عَرْشٌ وَلَا لَوْحٌ وَلَا کُرْسِیٌّ وَلَا قَلَمٌ وَلَا بَرٌّ وَلَا بَحْرٌ وَلَا سَھْلٌ وَلَا وَعْرٌ وَلَا بَرْزَخٌ وَلَا بَرْزَخٌ۔

حضور کے جسد شریف کی تجلی سے نہ زمانہ خالی ہے نہ مکان نہ محل ہے نہ امکان نہ عرش خالی ہے نہ لوح نہ کرسی خالی ہے نہ قلم نہ بحر خالی ہے نہ بر، نہ نرم زمین خالی ہے نہ سخت، نہ برزخ خالی ہے اور نہ قبر۔

یعنی سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مقامِ اعلیٰ وارفع میں تشریف فرما ہیں۔ زمان، مکان، امکان، عرش وفرش، لوح وقلم وکرسی، برزخ وقبر سب جگہ حاضر وناظر ہیں۔ کوئی مقام، کوئی جگہ ایسی نہیں کہ جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ دیکھ رہے ہوں اور نور ریزی نہ فرما رہے ہوں۔ گویا کہ آفتابِ نبوت ومہتابِ رسالت اپنی تجلیات وانوار سے تمام عالم کو روشن و منور فرما رہا ہے۔

حضور کی رویت وبصیرت کی کیفیت

۱۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور نے فرمایا۔ مجھ سے پہلے رکوع اور سجدہ نہ کیا کرو۔

فَاِنِّیْ اَرَاکُمْ مِنْ اَمَامِیْ وَمِنْ خَلْفِیْ۔

کیونکہ میں آگے اور پیچھے یکساں دیکھتا ہوں۔ (مسلم)

۲۔ حاکم وابونعیم وامام عبدالرزاق اپنے جامع میں حضرت ابوہریرہ سے راوی ہیں۔ حضور نے فرمایا۔

فَاِنِّیْ لَاَنْظُرُ اِلٰی مَا وَرَائِیْ کَمَا اَنْظُرُ اِلٰی مَا بَیْنَ یَدَیَّ (خصائص کبریٰ صہ ۶۱ ج ۱)

میں اپنے پیچھے بھی اس طرح دیکھتا ہوں جس طرح اپنے آگے۔

۳۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ میرا قبلہ یہی ہے۔

وَاللّٰہِ مَا یَخْفٰی عَلَیَّ خُشُوْعُکُمْ وَلَا رُکُوْعُکُمْ (بخاری ج ۱ صہ ۵۹)

خدا کی قسم! تمہارے خشوع اور رکوع مجھ سے پوشیدہ نہیں ہیں۔

خشوع دل کی ایک کیفیت کا نام ہے جو نمازی کو نماز میں حاصل ہوتی ہے۔ مگر نگاہ احمدی کے قربان جو نمازی کے خشوع کا بھی ادراک رکھتی ہے اور مسلمانوں کے خشوع ورکوع اور دل کی حالتوں پر انہیں عبور حاصل ہے۔

۴۔ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں۔ ایک انصاری اور ایک ثقفی دربارِ نبوت میں حاضر ہوئے۔ حضور نے ثقفی سے

فرمایا۔ جو تم پوچھنا چاہتے ہو اگر تم کہو تو میں ہی بتا دوں کہ تم کیا سوال کرنا چاہتے ہو۔ ثقفی نے عرض کی حضور یہ تو بڑی عجیب بات ہے کہ آپ میرے دل کی بات کہہ دیں۔ فرمایا تم نماز، روزہ اور غسلِ جنابت کے مسائل پوچھنے آئے ہو۔ ثقفی نے عرض کی مجھے قسم ہے اس ذاتِ مقدس کی جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے۔

ان ذاك لذی اسئلك (بیہقی و ابونعیم) | میں یہی مسئلے پوچھنے کے لیے آیا تھا۔

معلوم ہوا کہ قلب کی کیفیت، دل کے ارادے نبی کی نظر سے پوشیدہ نہیں ہوا کرتے اور نبی کی آنکھیں عام انسانوں کی آنکھوں کی طرح نہیں ہوتیں۔

۵۔ ایک مرتبہ حضرت یعلی صحابی خدمتِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں غزوہ موتہ کے حالات سنانے کے لیے حاضر ہوئے حضور نے فرمایا:۔

اِنْ شِئْتَ فَاَخْبِرْنِی وَاِنْ شِئْتَ فَاَخْبَرْتُكَ قَالَ اَخْبِرْنِی یَا رَسُوْلَ اللہِ فَاَخْبَرَهٗ خَبَرَهٗ كُلَّهٗ وَوَصَفَهٗ لَهُمْ (ابونعیم)

(خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۵۹)

اگر تم کہو تو تمہارے سنانے سے پہلے میں خود جنگِ موتہ کے حالات بیان کر دوں۔ انہوں نے عرض کی۔ حضور ہی بیان فرمائیں۔ چنانچہ آپ نے تمام حالات تفصیل کے ساتھ سُنا دیئے۔

حضرت یعلی نے عرض کی۔ اس ذاتِ مقدس کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر مبعوث فرمایا۔ آپ کے بیان اور جنگ کے واقعات میں سر مو فرق نہیں ہے۔

سبحان اللہ! مدینہ میں تشریف فرما ہیں مگر محاذِ جنگ آپ کی نظروں کے سامنے ہے اور آپ غزوہ موتہ کے حالات کو بچشمِ خود ملاحظہ فرما رہے ہیں۔

۶۔ حضرت عمر بن اخطب انصاری کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ایک دن میں:۔

فَاَخْبَرَنَا بِمَا هُوَ كَائِنٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ (مسلم) | قیامت تک ہونے والے تمام حالات و واقعات بیان فرما دیئے۔

۷۔ عبدالرحمٰن بن عائش فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اللہ نے فرمایا اللہ نے میرے لیے زمین کو ظاہر فرما دیا:

فَاَنَا اَنْظُرُ اِلَیْهَا وَاِلٰی مَا هُوَ كَائِنٌ فِیْهَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ كَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلٰی كَفِّیْ هٰذِهٖ

اور میں دنیا میں جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے سب کو اپنی ہتھیلی کی طرح دیکھ رہا ہوں۔ (مواہب لدنیہ ج ۲ ص ۱۹۳)

عالم میں کیا ہے جس کی تجھ کو خبر نہیں
ذرہ ہے کونسا تیری جس پر نظر نہیں

۸۔ حضرت ابوہریرہ تحریر فرماتے ہیں کہ

اِنَّ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَعٰی لِلنَّجَاشِیِّ فِی الْیَوْمِ الَّذِیْ مَاتَ فِیْهِ (بخاری)

جس دن حبشہ میں نجاشی کا انتقال ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن ہمیں ان کے انتقال کی خبر سنائی۔

حضرت نجاشی علیہ الرحمۃ الرحمۃ کا انتقال حبشہ میں ہوا تھا مگر چشم مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیت دیکھیے کہ مدینہ سے حبشہ تک پہنچی اور دریا و پہاڑ اور سمندر ان مقدس نظروں کے لیے حجاب نہ بن سکے کیوں؟

اس لیے کہ نور کے لیے کوئی چیز حجاب نہیں بن سکتی اور نور اندھیرے کو اُجالا بنا دیتا ہے ؎

سب چمک والے اُجلوں میں چمکا کیے اندھے شیشوں میں چمکا ہمارا نبی

۹۔ جب مدینہ شریف میں حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی اطلاع آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ عرصہ غمگین رہے۔ پھر ایک لمحہ کے بعد آپ مسکرا دیئے۔ صحابہ کرام نے سببِ مسکراہٹ پوچھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ مجھے میرے اصحاب کی شہادت نے غمگین کیا۔

حَتّٰی رَاَیْتُھُمْ فِی الْجَنَّةِ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقَابِلِیْنَ (ابن سعد، خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۶)	لیکن ابھی میں نے دیکھا۔ یہ شہادت پانے والے جنت میں تختوں پر بیٹھے ہیں۔ یہ دیکھ کر میں خوش ہوا اور مسکرا دیا

۱۰۔ حضرت بشیر حارثی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور علیہ السلام ایک قبر کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ نے فرمایا۔ "مجھے معلوم نہیں"۔ کسی نے عرض کی حضور نے کیا فرمایا۔ حضور نے جواب دیا۔

ان ھذا یسئل عنی فقال لا ادری	قبر میں اس شخص سے میرے متعلق سوال ہو رہا ہے اور یہ کہہ رہا ہے۔ مجھے معلوم نہیں۔

بنا بریں حضور قیامت تک ہونیوالی تمام مخلوق کے شاہد ہیں اور ان کے اعمال و اقوال، افعال و احوال تصدیق، تکذیب، ہدایت و ضلال سب کا مشاہدہ فرماتے ہیں۔ (ابو السعود و جمل) تو لفظ شاہد حضور کی رویتِ بصری و بصیرتِ قلبی کی وسعت کو بیان کر رہا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ساری کائنات حضور کی نظروں کے سامنے ہے اور حضور سب کے گواہ ہیں ؎

سرِ عرش پر ہے تری گذر دلِ فرش پر ہے تری نظر ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں تجھ پہ جو عیاں نہیں

حضور کی صفتِ مُبشّر کے معنیٰ

مُبشّر بشارت دینے والے، ایمان والوں کو جنت کی اور کافروں کو جہنم کا ڈر سنانے والے حضور نے اپنے اس منصبِ خاص کی بناء پر متعدد جلیل القدر صحابہ کرام کو جنت کی بشارت دی۔ حضور نے فرمایا۔

انت صاحبی علی الحوض (ترمذی)	اے ابو بکر تم میرے حوضِ کوثر پر ساتھی ہو۔
یا ابابکر اوّل من یدخل الجنّه	اے ابو بکر تم جنت میں سب سے پہلے داخل ہوگے
ذالك الرجل ارفع امتی درجة فی الجنه (ابن ماجه)	میری امت کا یہ شخص (عمر فاروق) جنت میں ممتاز مقام پر ہوگا۔
تستحی منه الملائکه (مسلم)	عثمان سے ملائکہ حیا کرتے ہیں۔
رفیقی یعنی فی الجنّة عثمان (ترمذی)	جنت میں میرے رفیق عثمان ہیں۔

خیبر کے موقع پر حضور نے فرمایا۔ کل ہم فوج کا جھنڈا اس شخص کو دیں گے۔

يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ (مشکوٰۃ) | جس کے ہاتھ پر اللہ خیبر فتح فرمائیگا (یعنی علی مرتضٰے)

حضور سید المرسلین علیہ الصلاۃ والتسلیم نے فرمایا۔ ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید، ابوعبیدہ بن الجراح فی الجنۃ جنتی ہیں۔ (مشکوٰۃ)

جنّت کا چشمہ

جب مہاجرین مکہ معظمہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ آئے، یہاں کا پانی شور تھا، مہاجرین کو پسند نہ آیا۔ بنی غفار کے ایک آدمی کی ملک میں ایک شیریں چشمہ تھا جس کا نام رومہ تھا۔ وہ اس کنوئیں کی ایک مشک نیم صاع میں فروخت کیا کرتے تھے۔ حضور مالک جنّت محبوب رب العزت جل مجدہٗ نے اس شخص سے فرمایا۔

بعینها بعینٍ فی الجنّۃ | یہ چشمہ میرے ہاتھ چشمہ جنت کے عوض بیچ ڈال

انہوں نے عرض کی حضور میری معاش اسی چشمہ سے وابستہ ہے۔ میرے بال بچے اسی چشمہ کی آمدنی سے پرورش پاتے ہیں مجھ میں طاقت نہیں ہے۔ یہ خبر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو پہنچی۔ آپ نے چشمہ کے مالک کو راضی کر لیا اور اس کو ۳۵ ہزار روپے میں خرید لیا۔ پھر خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ عرض کی۔ حضور اگر میں اس چشمہ کو خرید کر وقف کر دوں تو کیا سرکار بھی مجھے اس کے عوض جنت کا چشمہ عطا ہوگا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ ہاں! عرض کی میں نے بیر رومہ خرید لیا ہے۔ اور مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا ہے (طبرانی)

قابلِ غور بات یہ ہے کہ حضور علیہ السلام جنّت کے چشمہ کے عوض بیر رومہ کو خرید رہے ہیں۔ سب جانتے ہیں۔ خرید و فروخت میں ملکیت شرط ہے۔ جو چیز آپ کی ملکیت ہی نہیں اس کو آپ کیونکر بیچ سکتے ہیں۔ مگر یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ اللہ نے جنّت کے چشمے بھی آپ کی ملکیت میں دے دیئے ہیں۔ اسی لیے اہلِ سُنّت حضور کو مالکِ جنّت کہتے ہیں۔ اقبال نے شاید اس حدیث کو پڑھ کر یہ شعر کہا تھا ؎

تعجّب کی جا ہے کہ فردوسِ اعلٰے | بنائے خدا اور بسائے محمدؐ

مالکِ جنّت کون

اس کے علاوہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے جو حدیث اس باب میں مروی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

اِشْتَرٰی عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم الْجَنَّةَ مَرَّتَیْنِ یوم رومة وَ یَوْمَ جیشِ العسرةِ (رواہ الحاکم وابن عدی) | حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو مرتبہ جنت خریدی۔ بیر رومہ کے دن اور جیشِ عسرہ کے دن

واضح ہو کہ جنّت وہی بیچ سکتا ہے جو جنّت کا مختار ہو یا مالک کی طرف سے اس کو اس میں تصرّف کرنے کی اجازت بھی ہو، یہ حدیث بتاتی ہے کہ نبی کریم مالکِ جنّت ہیں، چنانچہ اس سے زیادہ واضح الفاظ ذیل کی حدیث کے ہیں جس میں حضور علیہ السلام نے طلحہ کو مخاطب بنا کر ارشاد فرمایا۔

لَكَ الْجَنَّةُ عَلَیَّ یَا طَلْحَةُ غَدًا (ابونعیم) | طلحہ کل تمہارے لیے جنت میرے ذمہ پر ہے۔

بتائیے! جنّت کا ذمّہ کیا وہ لے سکتا ہے جو بالکل بے اختیار ہو؟ اسی حدیث سے سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالٰے

عنہ' کا جنتی ہونا بھی ثابت ہوا۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم خود حضرت عثمان غنی کی اس فضیلت کے معترف تھے۔ جب ان سے حضرت عثمان کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔

ذٰلِكَ اِمرءٌ یُدعیٰ فی الملاء الاعلیٰ ذوالنورین کان ختنُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی بنتیہ ضمن لہٗ بیتاً فی الجنۃ (ابونعیم)

عثمان وہ ہیں کہ بزمِ اعلیٰ میں ذوالنورین پکارے جاتے ہیں۔ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دو صاحبزادیوں کے شوہر ہوئے حضور نے ان کے لیے جنت میں ایک مکان کی ضمانت فرمائی ہے۔

یہ بیان سیدنا علی مرتضیٰ کا ہے۔ اب ان لوگوں سے پوچھئے جو عثمانِ غنی جیسی مکرم و معظم شخصیت کی شانِ اعلیٰ کو گھٹاتے ہیں اور محبانِ علی ہوتے ہوئے بھی علی کی بات نہیں مانتے۔

حضور کی صفتِ نذیر کے معنیٰ

حضور کافروں اور بدعملوں کو ڈرسُنانے والے تھے۔ متعدد خلافِ شرع امور پر حضور نے وعید سُنائی اور انھیں احکامِ خداوندی کی پیروی کی تلقین فرمائی۔

امام بخاری حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر سے روایت کرتے ہیں کہ حکم ابن العاص دربارِ نبوت میں بیٹھتا تو استہزاءً حضور کی نقلیں اُتارتا تھا۔ ایک دفعہ یہ خبیث اسی طرح اپنے منہ کو ہلا رہا تھا کہ حضور نے فرمایا۔

کن کذالک فلم یزل یختلج حتی مات (خصائص ج ۲ ص ۶)

ایسا ہی ہوجا! چنانچہ مرتے دم تک اس کا منہ ایسے ہی ہلتا رہا۔

امام بیہقی حضرت انس سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص عبداللہ بن سرح تھا۔ وحی لکھنے کی خدمت اس کے سپرد تھی۔ کچھ دن بعد وہ مرتد ہوگیا اور عیسائیوں کے ساتھ مل کر کہنے لگا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو میں جانتا ہوں جو میں چاہتا لکھ دیتا۔ جب یہ مرا تو حضور نے فرمایا۔

اِنَّ الْاَرْضَ لَا تَقْبَلُہٗ فَدُفِنَ فَلَمْ تَقْبَلْہُ الْاَرْضُ (خصائص ج ۲ ص ۸)

اب اس کو زمین قبول نہ کرے گی۔ چنانچہ زمین نے اسے قبول نہ کیا۔

بخاری کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ اس کے دوستوں نے جب اسکی لاش قبر سے باہر دیکھی تو انہوں نے خیال کیا کہ یہ اصحابِ رسول کا کام ہے۔ چنانچہ اس کو دفن کر دیا۔ جب صبح ہوئی تو وہ ہی منظر سامنے تھا۔ آخر انہوں نے تین بار گہرے گڑھے کھود کر اس کو دفن کیا۔ مگر ہر مرتبہ لاش قبر سے باہر ہی نکل آتی تھی۔ جب انھیں یہ یقین ہوگیا کہ یہ صحابہ کرام کا کام نہیں ہے تو اس کی لاش اسی طرح زمین پر چھوڑ دی۔

اس حدیث سے روشن ہوگیا کہ زمین حضور کی تابع ہے اور آپ کی زبانِ مبارک سے جو فرمان نکلتا ہے۔ عالم سفلی و علوی کا ہر ذرہ اس کی تعمیل کرتا ہے۔ سچ ہے ؎

تو جو للکار دے آتا ہوا اُلٹ پھر جائے | تو جو چمکارلے ہر پھر کے ہو تیرا تیرا
دل پہ کندہ ہو ترا نام کہ وہ دزد رجیم | اُلٹے ہی پاؤں پھرے دیکھ کے طغرا تیرا

حضور کی صفت داعیا الی اللہ کے معنیٰ

و داعیا الی اللہ یعنی خلق کو اطاعتِ الٰہی کی دعوت دیتے ہیں۔ مخلوق کا رشتہ خالق سے جوڑتے ہیں اور بندے کو اس کے رب سے ملاتے ہیں۔ حضور فیضِ الٰہی کا ذریعہ اور واسطہ ہیں۔ علامہ شوکانی نیل الاوطار میں لکھتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ غایۃ تجرد اور نہایۃ تقدس میں ہے۔ یعنی رب العزّت جل مجدہٗ ایسی ہستی ہے جو کمال کے انتہائی درجہ پہ ہے اور انسان نقصان کے انتہائی درجہ پر ہے اس لیے انسان میں یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ بغیر کسی واسطہ کے رب العزّت جل مجدہ سے فیض حاصل کر سکے۔ لہٰذا اللہ سے فیض حاصل کرنے کے لیے واسطہ کی ضرورت پڑی مگر وہ واسطہ کیسا ہو؟ لکھتے ہیں۔

لَہٗ وَجْہُ تَجَرُّدٍ وَ نَوْعُ تَعَلُّقٍ	جس میں ایک وجہ تجرد کی اور دوسری وجہ تعلق کی ہو۔

یعنی تجرد کی جہت سے وہ خدا وندِ قدوس سے فیض حاصل کرے اور تعلق کی جہت سے وہ فیضِ الٰہی کو انسانوں تک پہنچا دے۔ پس ایسا واسطہ انبیاء کرام ہیں اور ان میں سب سے بڑا اور سب سے ارفع مرتبہ حضور نبی کریم علیہ السلام کا ہے

وَ ھٰذَا الْوَاسِطَۃُ ھُمُ الْاَنْبِیَاءُ وَ اَعْظَمُھُمْ رُتْبَۃً وَّ اَرْفَعُھُمْ مَنْزِلَۃً نَبِیُّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ	یہ واسطہ انبیاء کرام ہیں اور ان میں سب سے بڑا رتبہ اور بڑی منزلت ہمارے نبی کریم کی ہے ؎

ادھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق میں شامل   خواص اس برزخِ کبریٰ میں ہے حرفِ مشدد کا

حضور کی صفت سراج منیر کے معنیٰ

سِرَاجًا مُّنِیْرًا سراج بمعنی آفتاب سورہ نوح میں فرمایا۔ وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا۔ سورہ نبا میں فرمایا۔ وجعلنا سراجا وھاجا۔ نہایت چمکتا چراغ۔ صحابہ کرام نے بھی حضور کے چہرۂ اقدس میں سورج کو رواں بتایا۔ جناب ابوہریرہ فرماتے ہیں۔

کَاَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِیْ فِیْ وَجْھِہٖ	گویا کہ آفتاب چہرۂ اقدس میں رواں ہے۔

(خصائص کبریٰ سیوطی)

حقیقت یہ ہے کہ ہزاروں آفتابوں سے زیادہ روشنی حضور کے نورِ نبوت نے پہنچائی۔ کفر و شرک کے ظلماتِ شدیدہ کو اپنے نورِ حقیقت افروز سے دُور کیا اور خلق کے لیے معرفت و توحیدِ الٰہی تک پہنچنے کی راہیں روشن اور واضح فرما دیں۔ ضلالت و گمراہی کی وادیٔ تاریک میں راہ گم کرنے والوں کو اپنے انوارِ ہدایت سے راہ یاب فرمایا اور اپنے نورِ نبوت سے ضمائر و بصائر اور قلوب و ارواح کو منور کیا۔ اس لیے آپ کا وجودِ اقدس ایسا آفتابِ عالمتاب ہے۔ جس نے ہزاروں آفتاب بنا دیئے ؎

اندھے شیشے جھلا جھل دمکنے لگے   جلوہ ریزی دعوت پہ لاکھوں سلام

حضرت ربیع بنت معوذ کہتی ہیں کہ اگر تم لوگ حضور نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تو ایسا معلوم کرتے جیسے۔

اَلشَّمْسُ طَالِعَۃٌ (داری)	(افق سے) سورج طلوع ہو رہا ہے۔

[illegible] کہتے ہیں کہ آپ کا چہرہ مبارک

مِثْلَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ مُسْتَدِیْرًا	چاند اور سورج کی طرح گول تھا۔ (مسلم شریف)

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں چہرۂ نبوی کے حُسن کا یہ عالم تھا۔

اذا ضحك يتلألأ في الجدر | جب آپ تبسّم فرماتے تو دیواریں روشن ہو جاتیں۔

حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ آپ کا چہرۂ مبارک۔

مِثْلَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَكَانَ مُسْتَدِيْرًا (حوالہ مذکور) | چاند و سُورج کی طرح روشن و منوّر اور گول تھا

حدیث ابن حالہ میں ہے کہ آپ کا چہرۂ منوّر

يَتَلَأْلَأُ وَجْهُهُ تَلَأْلُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ (حوالہ مذکور) | اس طرح چمکتا تھا جس طرح چودھویں کا چاند دمکتا ہے۔

چودھویں کا چاند ہے روئے حبیب — اور ہلالِ عید ہے ابروئے حبیب

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب آپ کلام فرماتے۔

رُؤِيَ كَالنُّوْرِ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ ثَنَايَاهُ | تو آپ کے اگلے دانتوں سے نُور چھنتا ہوا نظر آتا ہے۔ (خصائص ص ۶۲ ج ۱)

حضرت ابی قرصافہ کہتے ہیں کہ جب ہم حضور سے بیعت کر کے واپس ہوئے تو راستہ میں میری والدہ نے آپ کے متعلق کہا کہ میں نے آپ سے زیادہ حسین چہرہ والا، نفیس اور پاک کپڑوں والا، نرم کلام والا نہیں دیکھا۔

وَرَأَيْنَا كَالنُّوْرِ يَخْرُجُ مِنْ فِيْهِ (حوالہ مذکور) | اور میں نے دیکھا کہ دہنِ اقدس سے نُور کا فوارہ جاری ہے

اُم المومنین محبوبۂ سید المرسلین عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ حضور پُر نور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حُسن نرالا تھا۔ بدن کا رنگ نُورانی تھا۔

لَمْ يَصِفْهُ وَاصِفٌ قَطُّ إِلَّا شَبَّهَ وَجْهَهُ بِالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ (خصائص ص ۶۷) | جو بھی آپ کا وصف کرتا چودھویں کے چاند سے تشبیہ دیتا تھا۔

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور سے زیادہ حسین کسی کو نہ دیکھا۔ جب میں چہرۂ اقدس دیکھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے۔

كَأَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِيْ فِيْ وَجْهِهِ (حجۃ اللہ ص ۶۷۹) | کہ آفتاب چہرۂ مبارک میں جاری ہے

حُسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری — آنچہ ہمہ خوباں دارند تو تنہا داری

حضرت ہمدان کہتے ہیں۔ مجھے لوگوں نے کہا۔ حضور کو کسی چیز کے ساتھ تشبیہ دو۔ تو میں نے کہا۔

كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَمْ أَرَ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ (حجۃ اللہ ص ۶۷۹) | حضور کا چہرہ چودھویں کا چاند تھا۔ میں نے آپ سا حسین کہیں نہیں دیکھا۔

حضرت جابر ابن سمرہ فرماتے ہیں کہ چودھویں کا چاند اپنی چمک اور دمک کے ساتھ نکلا ہوا تھا اور مدنی تاجدار

دو عالم کے سردار سُرخ رنگ کا دھاری دار جبہ زیب تن کئے تشریف فرما تھے تو میں مقابلہ کے لیے ایک نظر آسمانی چاند پر ڈال اور ایک نظر مدنی چاند پر اور موازنہ کیا کہ کون زیادہ خوبصورت ہے۔

فَاِذَا هُوَ اَحْسَنُ عِنْدِیْ مِنَ الْقَمَرِ | تو مجھے یقین ہو گیا کہ مدنی چاند آسمانی چاند سے زیادہ خوبصورت ہے۔

آسمانی چاند میں میل تھا اور محبوبِ کبریا کا چہرۂ منوّر میل سے پاک تھا۔

رُخ دن ہے یا مہرِ سما یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
شبِ زلف یا مشکِ ختا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

حضرت مولائے کائنات علی مرتضٰے کرم اللہ وجہہ الکریم حضور علیہ السلام کے سرِ مبارک سے لے کر پائے اقدس تک کے اعضائے کریمہ کی صفت بیان کرتے ہوئے جب عاجز آجاتے ہیں تو حضور کو کسی چیز سے تشبیہ نہیں دیتے کیونکہ

چاند سے تشبیہ دینا یہ بھی کوئی انصاف ہے
اس کے مُنہ پر چھائیاں حضرت کا چہرہ صاف ہے

اس لیے فرماتے ہیں۔

لَمْ اَرَهُ قَبْلَهُ وَ لَا بَعْدَهُ مِثْلَهُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ | کہ میں نے حضور سے قبل اور آپ کے بعد آپ جیسا حسین نہیں دیکھا یعنی

حُسن ہے بے مثل صورت لاجواب
میں فدا۔ تم آپ ہو اپنا جواب

توریت میں حضور کی صفات کا بیان

حِرْزًا لِّلْاُمِّیِّیْنَ حرز کے معنیٰ محافظ کے ہیں۔ دینِ اسلام کے بھی حضور محافظ ہیں اور اپنی اُمت کے بھی محافظ ہیں۔

لَیْسَ بِفَظٍّ بُرے اخلاق والے نہیں بلکہ صاحب خلقِ عظیم ہیں۔ خلقِ عظیم کی تکمیل حضور ہی کی ذات سے ہوئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ (موطا) | میں حُسنِ اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

ابھی آپ مکہ ہی میں تھے کہ ابوذر نے اپنے بھائی کو آپ کے حالات و تعلقات کی تحقیق کے لیے بھیجا۔ انہوں نے واپس آکر اپنے بھائی کو جن الفاظ میں اطلاع دی تھی۔ وہ یہ تھے۔

رَاَیْتُهٗ یَاْمُرُ بِمَکَارِمِ الْاَخْلَاقِ | میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ اخلاقِ حسنہ کی تعلیم دے رہے ہیں۔

حبشہ کی ہجرت کے زمانے میں نجاشی نے مسلمانوں کو بلوا کر آپ کی نسبت تحقیق کی۔ اس وقت حضرت جعفر طیار نے جو تقریر کی اس کے چند فقرے یہ ہیں۔

"اے بادشاہ! ہم لوگ جاہل تھے بتوں کو پُوجتے، مُردار کھاتے، بدکاریاں کرتے، ہمسایوں کو ستاتے تھے، بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا۔ اس اثنا میں ایک شخص (کریم) ہم میں پیدا ہوا ہے جنہوں نے تعلیم دی کہ ہم پتھروں کو پُوجنا چھوڑ دیں۔ سچ بولیں، خونریزی سے باز آئیں، یتیم کا مال نہ کھائیں، ہمسائیوں کو آرام دیں، عفیفہ عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں۔"

چنانچہ قرآنِ حکیم نے لاکھوں مخالفوں اور اہلِ عناد کی بھیڑ میں داعئ حق اور دنیا کے آخری معلّمِ اخلاق کی نسبت یہ اعلان فرمایا۔

إِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝	محبوب تم اخلاق کے بڑے درجہ پر ہو۔

بے بناوٹ ادا پر ہزاروں درود   بے تکلف ملاحت پہ لاکھوں سلام

ولا غلیظ۔ سخت کلام نہ تھے۔ شیریں دہن تھے۔ گفتگو نہایت متانت وسکون سے فرماتے۔ مگر سُننے والا متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔

حضرت عائشہ، علی، انس رضی اللہ عنہم جو مدتوں خدمتِ نبوی میں رہے ہیں۔ سب کا متفقہ بیان ہے کہ آپ نہایت نرم مزاج، خوش اخلاق اور نکو سیرت تھے۔ چہرۂ اقدس ہنس مکھ تھا، وقار ومتانت سے گفتگو فرماتے تھے۔ کسی کی خاطر شکنی نہ فرماتے تھے۔

ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ اکثر خدام خدمتِ اقدس میں پانی لے کر آتے تاکہ آپ ہاتھ ڈال دیں اور پانی متبرک ہو جائے جاڑوں کا موسم اور صبح کا وقت ہوتا مگر پھر بھی حضور انکار نہ فرماتے ؎

نرمئ خوئے لبت پہ دائم درود   گرمئ شانِ سطوت پہ لاکھوں سلام

انتَ عبدی ورسولی توریت میں حضور کا ذکر ان الفاظ میں ہوا ہے۔ تم میرے عبدِ خاص اور میرے رسول ہو۔ حضور اللہ کے خاص بندے ہیں۔ اس میں شک ہی کیا ہے۔ مگر کیسے بندے ہیں۔ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

اے ہزاراں جبرئیل اندر بشر   بہرِ حق سوئے غریباں یک نظر

امیر المومنین جناب صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔

یا ابا بکر لم یعرفنی حقیقۃً سوا ربی	ابو بکر میری حقیقت کو میرے رب کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

محمدؐ سے صفت پوچھو خدا کی   خدا سے پوچھئے شانِ محمدؐ

کھٰیٰعص کی تفسیر میں حضرت شیخ رکن الدولہ سمنانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سہ صورت است یکے صورتِ بشری إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ دوم صورتِ ملکی چنانکہ فرمودہ لَسْتُ كَأَحَدِكُمْ أَبِيتُ عِنْدَ رَبِّي سوم صورتِ حقی کما قَالَ لِي مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ لَا يَسَعُنِي فِيهِ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ (روح البیان پارہ ۱۶)	حضور علیہ السلام کی تین صورتیں ہیں:۔ ۱۔ صورتِ بشری جس کا بیان آیت "انما انا بشر" میں ہے ۲۔ صورتِ ملکی جس کے متعلق خود حضور نے فرمایا۔ میں تمہاری مثل نہیں ہوں۔ میں اپنے رب کے پاس رات گزارتا ہوں۔ ۳۔ صورتِ حقی۔ جس کے متعلق فرمایا۔ میرے لیے خدا کے ایک ایسی ساعت ہے جس میں نبی مرسل اور ملک

ـــــــــــــ

ان مسائل کی مفصل ومکمل توضیح کے لیے مصنف کتاب ہذا کی تالیف روحِ ایمانی، خصائص مصطفےٰ، جامع الصفات کا مطالعہ کیجئے جو مکتبہ رضوان سے قیمتاً مل سکتی ہیں۔

مقرب کی بھی رسائی نہیں ہے ؎

عبد دیگر، عبدہٗ چیزے دگر ما سراپا انتظار او منتظر

سَیِّدُنَکَ المتوکل حضور متوکل بھی ہیں۔ اللہ کے سوا کسی پر توکل اور بھروسہ نہیں فرماتے۔ حضور نے اللہ کے وعدوں پر اس کی نصرت پر، اس کی عطا و بخشش، فضل و کرم، جود و سخا پر پختہ اعتماد فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو متوکل کے لقب سے یاد فرمایا۔ حضور کے توکل کی شان یہ تھی کہ جناب صدیقہ عائشہ طیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا۔

يَا عَائِشَةُ لَوْ شِئْتُ لَصَارَتْ مَعِيَ جِبَالُ الذَّهَبِ (بخاری) | "اے عائشہ! اگر میں چاہوں تو سونے چاندی کے پہاڑ میرے ساتھ چلا کریں۔

مگر پیہم دو مہینہ تک گھر میں آگ نہ جلتی تھی۔ ایک مرتبہ صحابہ نے خدمتِ نبوی میں فاقہ کشی کی شکایت کی اور پیٹ کھول دیا کہ پتھر بندھا ہوا ہے۔ آپ نے اپنا شکمِ اطہر کھولا تو ایک کے بجائے دو پتھر بندھے تھے۔ (مسلم)

قدموں پہ ڈھیر اشرفیوں کا پڑا ہوا اور سات دن سے پیٹ پہ پتھر بندھا ہوا

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور کے زہد و توکل کا یہ عالم تھا کہ آپ نے کبھی تین روز تک متواتر سیر ہو کر گیہوں کی روٹی تناول نہ فرمائی۔ جن مبارک و مقدس کپڑوں میں آپ نے وصال فرمایا۔ ان میں اوپر تلے پیوند لگے ہوئے تھے۔ اکثر موٹے اور بھیڑ کے بال کے بنے ہوئے کپڑے استعمال فرماتے مگر یہ سب حضور کی اختیاری چیز تھی ؎

دو جہان ملک اور جو کی روٹی غذا اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام

وَلَا سَخَّاب حضور جھگڑالو نہ تھے۔ مدح و ذم میں مبالغہ نہیں فرماتے تھے۔ آپ کی نظر حقائق پر تھی۔ آپ کی زبانِ اقدس پر حق ہی ظاہر ہوتا۔ اعتدال کا دامن کبھی نہ چھوڑتے۔ ایک دفعہ ایک بدو آیا جس کا کچھ قرضہ آپ پر آتا تھا۔ اس نے نہایت سختی سے تقاضا کیا۔ صحابہ نے اس کو ڈانٹا اور کہا۔ تجھے معلوم ہے تو کس سے ہمکلام ہے؟ حضور نے صحابہ سے فرمایا۔ تم کو بدو کا ساتھ دینا چاہیے تھا کیونکہ اس کا حق تھا۔ پھر آپ نے اس کا قرضہ ادا کرنے کا حکم دیا۔ (ابن ماجہ)

وَلَا يَدْفَعُ السَّيِّئَةَ بِالسَّيِّئَةِ برائی کا بدلہ برائی سے نہ دینے والے بلکہ خون کے پیاسوں کو قبائیں عطا فرمانے والے رسول ہیں ——— جنگِ اُحد میں دشمنوں نے پتھر پھینکے، تیر برسائے، تلواریں چلائیں، دندانِ مبارک شہید ہو گئے لیکن ان سب حملوں کا وار رحمتِ عالم نے جس سپر پر روکا وہ یہ دعا تھی۔

اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ | اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے۔ یہ نادان ہیں۔

ہیں دعائیں سنگِ دشمن کے عوض
اس قدر نرم ایسے پتھر کا جواب

——— ارباب سیر نے تصریح کی ہے کہ حضور علیہ السلام یہ فرما رہے تھے کہ لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہو نجات پاؤ گے! ابوجہل پیچھے پیچھے تھا، خاک اُڑاتا تھا اور بکتا تھا کہ ان کی باتیں تمہیں اپنے مذہب سے برگشتہ نہ کر دیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ تم اپنے دیوتاؤں لات و عزیٰ کو چھوڑ دو۔ مگر نبی علیہ السلام کا عفو و حلم اور بردباری تھی کہ آپ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے۔ (مسند ابن احمد)

سب سے بڑھ کر حلیش کا موقع وہ تھا جب کہ منافقوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تہمت لگائی تھی۔ حکومت و ریاست حضور کے قبضہ میں تھی۔ اگر آپ چاہتے تو منافقوں کو قرار واقعی سزا دیتے مگر حلم نبوی کا عالم یہ تھا کہ منبر پر صرف یہ کلمات فرماتے: "اے مسلمانو! جو شخص میرے ناموس کے متعلق مجھے ستاتا ہے۔ اس سے میری داد کون لے سکتا ہے؟ حضرت سعد بن معاذ غصہ سے بیتاب کھڑے ہو گئے۔ عرض کی سرکار نام بتائیں۔ میں اس کا سر قلم کر دوں۔ سعد بن عبادہ نے مخالفت کی اور دونوں طرف سے تلواریں کھنچ گئیں مگر آپ نے از راہِ کرم و عفو و حلم دونوں کو ٹھنڈا کر دیا۔

زید بن سعد یہودی میعاد سے پہلے قرضہ مانگنے آیا اور بڑی گستاخی کے ساتھ حضور کی چادرِ اقدس کو کھینچ کر کہنے لگا — عبدالمطلب کے خاندان والو! تم ہمیشہ ایسے حیلے کرتے ہو۔ حضرت عمر غصے سے بیتاب ہو گئے اور فرمایا او دشمنِ خدا! رسول کی شان میں گستاخی کرتا ہے؟ مگر نبی علیہ السلام مسکرا دیئے اور فرمایا! اس کا قرضہ ادا کر کے بیس صاع اور زیادہ دے دو۔

عتبہ بن ابی وقاص نے غزوۂ اُحد میں آپ پر پتھر برسائے جس سے آپ کے دندانِ مبارک شہید ہو گئے اور آپ کا چہرۂ مبارک زخمی ہو گیا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اس کے لیے بد دعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا:۔

اِنِّی لَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا وَّ اِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً (کنز الاخلاق)	میں دعا کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا ہوں بلکہ میں تو رحمت و رأفت کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔

کفارِ مکہ جنہوں نے تیرہ سال تک آپ کو اور آپ کے متبعین کو سخت ایذائیں پہنچائی تھیں، عبادت کرتے ہوئے آپ پر غلاظتیں پھینکیں، ہر قسم کی گستاخیاں کیں۔ آپ کے صحابہ کرام پر انواع و اقسام کے ظلم و ستم کیے۔ آپ کو وطن سے بے وطن کر دیا تھا۔ جب مکہ فتح ہوا تو وہ لوگ آپ کے سامنے لائے گئے۔ اس وقت ان کو کامل یقین تھا کہ آج ہماری تمام بدسلوکیوں، شرارتوں اور ہمارے ظلم و ستم کا پورا بدلہ لیا جائے گا۔ آنحضرت نے ان کی طرف نظر اٹھا کر فرمایا۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ اب میں تمہارے ساتھ کیا کروں گا؟

سب نے گردنیں جھکا کر دبی زبان سے کہا۔ "آپ رحم و کرم فرمائیں گے۔"

رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اے اہلِ مکہ! میں تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا۔ جاؤ تم سب لوگ آزاد ہو۔"

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَکُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ (قرآنِ حکیم)	تم پر کوئی ملامت نہیں۔ اللہ تمہارے گناہوں کو معاف کرے وہ سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔

قریش کی ستم گری و جفا کاری کی داستان دہرانے کی ضرورت نہیں، یاد ہو گا، شعبِ ابی طالب میں تین برس تک ان ظالموں نے آپ کو اس طرح محصور کیا تھا کہ غلہ کا ایک دانہ بھی نہ پہنچ سکتا تھا۔ مسلمانوں کے بچے بھوک سے تڑپتے بلکتے روتے تھے اور یہ بیدرد ان کی آواز سن کر ہنستے اور خوش ہوتے تھے لیکن معلوم ہے رحمتِ عالم نے اس کے بدلے میں قریش کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ مکہ میں غلہ یمامہ سے آتا تھا۔ یمامہ کے رئیس ثمامہ جب مسلمان ہوئے تو کفار نے ان کو طعنہ دیا۔ انھوں نے قسم کھائی کہ حضور کی اجازت کے بغیر اب ایک دانہ مکہ میں نہ پہنچ سکے گا۔ چنانچہ اس کا اثر یہ ہوا کہ مکہ میں قحط پڑ گیا۔ قریش گھبرائے اور اس آستانہ کی طرف رجوع کیا جہاں سے کوئی سائل کبھی محروم نہیں گیا۔ آپ کو رحم آ گیا اور حضرت ثمامہ رئیسِ یمامہ کو حکم دیا کہ

غلہ کی بندش اٹھالو۔ (بخاری)

حتیٰ یقیموبہ۔ یعنی حضور نے شرک کی بیخ کنی فرمائی۔ توحید کو ثابت و واضح فرمایا۔ سنگلاخ زمینوں پر علم و معرفت کے دریا بہا دیئے۔ ڈوبتی کشتیاں تیرائیں۔ ہلتی نیویں جمائیں، روتی آنکھیں ہنسائیں، انسان کو انسان بنایا اور اسے اپنے مالک، رازق اور خلاق کی صحیح معرفت عطا فرمائی۔ الملۃ العوجا۔ ملتِ عرب جو گمراہی کی اندھیریوں میں حیران و پریشان سرگرداں ٹیڑھے راستوں پر گامزن تھی اور خود بھی ٹیڑھی ہو گئی تھی اسے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت فرمائی۔

ویفتح بہا تو حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے صدقہ و سیلہ سے پھوٹی آنکھیں بینا اعیانا صمیا بہرے کان شنوا واذانا صما ٹیڑھی زبانیں سیدھی وقلوبا غلفا اور تاریک قلوب روشن ہو گئے۔

یہ ہیں حضور سرور کائنات علیہ السلام کی چند وہ صفات جن کا ذکر توریت میں تھا اور جنھیں توریت کے عالم حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بخاری کی حدیث زیر بحث میں بیان کیا ——— حضور کی ان صفاتِ جلیلہ پر نہایت مختصر تبصرہ ہم نے پیش کر دیا۔ حضور کرم فرمائیں، قبول فرمائیں تو یہی ذخیرہ آخرت ہے ورنہ کچھ بھی نہیں ؎

دن لہو میں کھونا تجھے شب صبح تک سونا تجھے
شرم نبی خوف خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

بَابُ الْكَيْلِ عَلَى الْبَائِعِ وَالْمُعْطِي

باب ناپنے کی اجرت بیچنے اور دینے والے پر ہے

لِقَوْلِ اللهِ تَعَالَىٰ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ يَعْنِي كَالُوا لَهُمْ وَوَزَنُوا لَهُمْ كَقَوْلِهِ يَسْمَعُونَكُمْ يَسْمَعُونَ لَكُمْ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب وہ انہیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم کر دیتے ہیں ——— مطلب آیت یہ ہے کہ بیچنے والے خریدنے والوں کے لیے ناپتے اور وزن کرتے ہیں۔ جیسے کلمہ "یسمعونکم" سے مراد "یسمعون لکم" ہوتا ہے۔ ویسے ہی آیت میں کالوا ہم سے مراد کالوا لہم ہے۔

فوائد و مسائل ۱۔ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف فرما ہوئے تو یہاں کے لوگ پیمانہ (ناپ تول) میں خیانت کرتے تھے۔ خصوصاً ایک شخص ابوجہینہ ایسا تھا جو دو پیمانے رکھتا تھا۔ لینے کا اور۔ اور دینے کا اور۔ جب دوسروں سے مال خریدتا تو پورا پورا پیمانہ لیتا اور جب کسی کے ہاتھ کچھ بیچتا تو ناپ تول میں کمی کر دیتا۔ ان لوگوں کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی اور انہیں بتایا گیا کہ ایسا کرنا گناہ و ظلم ہے۔ ناپ تول میں کمی بیشی نہ کرو۔ قیامت کے دن اس کا بھی حساب ہوگا اور خیانت کرنے والوں کو سزا دی جائے گی۔

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اكْتَالُوا حَتَّىٰ يَسْتَوْفُوا (بخاری)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تُلواؤ تو پوری طرح تُلوایا کرو۔

کیل اور اکتیال میں فرق ہے اکتیال خاص ہے اس کا استعمال اپنے لیے ہوتا ہے اور کیل عام ہے اس کا استعمال اپنے لیے اور دوسرے کے لیے بھی ہوتا ہے جیسے اشتراء خاص ہے اور شراء عام ہے۔

وَيُذْكَرُ عَنْ عُثْمَانَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهٗ اِذَا بِعْتَ فَكِلْ وَاِذَا ابْتَعْتَ فَاكْتَلْ (بخاری)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔ جب کوئی چیز بیچا کرو تو تول کے دیا کرو اور جب کوئی چیز خرید و تو اسے بھی تُلوا لو۔

حضرت امام اعظم و مالک و شافعی و ابوثور علیہم الرحمۃ کا مذہب یہ ہے کہ اگر مبیع ، کیلی یا وزنی یا عددی ہے تو اس کو وزن کرنے، تولنے اور گننے کی ذمہ داری بائع (بیچنے والے) پر ہے اور وزن کرنے اور تولنے کی اُجرت بھی بائع کو دینی ہوگی۔ اور ثمن (قیمت) کی ادائیگی کی ذمہ داری (مشتری) خریدنے والے پر ہے۔

۲۔ اسی طرح اگر پھلوں کو بیچا تو درخت سے پھل توڑنے کی ذمہ داری مشتری پر ہے۔ زیر عنوان حدیثوں سے اسی مسئلہ کی وضاحت ہوتی ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبِيْعُهٗ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَهٗ

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب کوئی شخص غلہ خریدے تو جب تک اس پر پوری طرح قبضہ نہ کرلے، اسے نہ بیچے۔

اس حدیث سے واضح ہوا۔ کسی چیز کے خریدنے کے بعد جب تک اس پر قبضہ نہ کرلے اس کو بیچنا ممنوع ہے۔ جیسا کہ صر پر پوری تفصیل سے یہ مسئلہ بیان ہو چکا ہے۔ ترجمۃ الباب سے مناسبت اس حدیث کی یہ ہے کہ اس میں قبضہ کرنے سے پہلے بیچنے کی ممانعت فرمائی گئی ہے تو جب وہ مبیع پر قبضہ کے بعد بیچنے کا ارادہ کرے گا تو تولنے، ناپنے یا گننے کی ذمہ داری اسی پر آئے گی۔ جس سے واضح ہوا کہ چیز کو تولنے، گننے اور ناپنے کی ذمہ داری شرعاً (بائع) بیچنے والے پر ہے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ تُوُفِّيَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ حَرَامٍ وَّعَلَيْهِ دَيْنٌ فَاسْتَعَنْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى غُرَمَائِهٖ اَنْ يَّضَعُوْا مِنْ دَيْنِهٖ فَطَلَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْهِمْ فَلَمْ يَفْعَلُوْا فَقَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اذْهَبْ فَصَنِّفْ تَمْرَكَ اَصْنَافًا اَلْعَجْوَةَ عَلٰى حِدَةٍ وَعَذْقَ زَيْدٍ عَلٰى حِدَةٍ ثُمَّ اَرْسِلْ اِلَيَّ فَفَعَلْتُ ثُمَّ اَرْسَلْتُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَلَسَ عَلٰى اَعْلَاهُ اَوْ فِيْ وَسَطِهٖ ثُمَّ قَالَ كِلْ لِلْقَوْمِ فَكِلْتُهُمْ حَتّٰى اَوْفَيْتُهُمُ الَّذِيْ لَهُمْ وَبَقِيَ تَمْرِيْ كَاَنَّهٗ لَمْ يَنْقُصْ مِنْهُ شَيْءٌ وَقَالَ فِرَاسٌ عَنِ الشَّعْبِيِّ حَدَّثَنِيْ جَابِرٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو ان کے ذمے (کچھ لوگوں کا) قرض تھا۔ اس لیے میں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کوشش کی کہ قرضخواہ کچھ اپنے قرضوں میں کمی کر دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے قرض میں کمی کے لیے فرمایا۔ مگر وہ راضی نہ ہوئے۔ پھر حضور نے مجھ سے فرمایا کہ جاؤ اور اپنی تمام کھجور کی قسموں کو الگ الگ کر لو۔ عجوہ (ایک خاص کھجور کی قسم) کو الگ اور عذق زید (کھجور کی ایک قسم) کو الگ کر کے میرے پاس بھیج دو۔ میں نے ایسا ہی کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجدیا۔ آنحضور اس کے سرے پر یا بیچ میں بیٹھ گئے اور فرمایا کہ اب ان قرضخواہوں کو ناپ ناپ کے دو۔ میں نے ناپنا شروع کیا۔ جتنا قرض ان لوگوں کا تھا میں نے ادا

فَمَا زَالَ يَكِيلُ لَهُمْ حَتّٰى اَدَّاهُ وَ قَالَ هِشَامٌ عَنْ وَهْبٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جُذَّلَهُ فَاَوْفِ لَهُ

(بخاری)

کردیا۔ پھر بھی میری تمام کھجوروں کی تول تھی، جیسے اس میں سے ایک حبہ برابر کمی بھی نہیں ہوئی تھی۔ فراس نے بیان کیا، ان سے شعبی نے اور ان سے جابر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے کہ "برابر ان کے لیے تولتے رہے تا آنکہ پورا قرض ادا ہو گیا" اور ہشام نے کہا، ان سے وہب نے اور ان سے جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کھجور تول کر اپنا قرض ادا کردو"۔

فوائد و مسائل حدیث ہذا میں کِل للقوم کا لفظ ترجمۃ الباب ہے جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ گننے، تولنے، ناپنے کی ذمہ داری بائع اور معطی پر ہے۔ عجوہ مدینہ منورہ کی اعلیٰ قسم کی کھجور کو کہتے ہیں۔ عذق زید۔ زید ایک شخص کا نام تھا۔ اسی کے نام پر یہ کھجور مشہور ہو گئی۔ یہ کھجور کی ردی قسم ہے ۲۔ اس حدیث کو امام بخاری نے استقراض، وصایا، مغازی اور علامات نبوت میں اور امام نسائی نے وصایا میں بھی ذکر کیا ہے ۳۔ تھوڑی سی کھجوروں میں کیسی برکت ہوئی۔ یہ حضور کا معجزہ ہے۔ ۴۔ اس حدیث سے یہ بھی واضح ہے کہ تنگدست کے لیے اس کے قرضخواہوں سے قرض کے کچھ حصے کو معاف کر دینے کی سفارش کرنا جائز اور ثواب کا کام ہے مگر قرضخواہ کو معاف کر دینے پر مجبور کرنا جائز نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرضخواہ جو کہ یہود تھے انہوں نے حضور کی سفارش کو نہ مانا مگر حضور نے ان پر جبر نہ فرمایا۔

بَابُ مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الْكَيْلِ

باب ناپ تول مستحب ہے؟

عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِ يْكَرِبَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كِيْلُوا طَعَامَكُمْ يُبَارَكْ لَكُمْ (بخاری)

حضرت مقدام بن معدیکرب سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اپنے غلہ کو ناپ لیا کرو۔ اس میں تمہیں برکت ہوگی۔

فوائد و مسائل مطلب حدیث یہ ہے۔ کھانے کی جو اشیاء آدمی اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے انہیں ناپ تول کر خرچ کرنا مستحب ہے اور اس میں برکت ہے۔ وجہ برکت یہ ہے کہ اندازے سے خرچ کرنے میں ممکن ہے کہ حاجت سے زیادہ خرچ کر دے یا کم۔ پھر یہ خبر نہ رہے کہ باقی کس قدر بچا ہے اور آخر مہینہ میں دشواری ہو ۲۔ یہ حدیث، حدیث عائشہ جس کا مضمون یہ ہے کہ ان کے پاس کچھ جو تھے جو کافی دن رہے۔ انہوں نے جو باقی تھے ان کو ناپ لیا۔ تو وہ ختم ہو گئے اور حضور نے فرمایا ہے۔

لا توکی فیوکی اللہ علیك

کے معارض نہیں ہے۔

کیونکہ حدیث زیر بحث (غلہ کو ناپ تول کر خرچ کرنے میں برکت ہے) کا مطلب یہ ہے کہ گھر میں خرچ کے لیے جو گندم وغیرہ ہے اس کی مقدار معلوم کرنے کے لیے ناپنا تولنا باعث برکت ہے۔ تاکہ آخیر مہینہ میں دشواری نہ ہو۔

بَابُ بَرَكَةِ صَاعِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمُدِّهِ فِيهِ عَائِشَةُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب حضور کے صاع اور مد میں برکت کے متعلق ۔ اس کے متعلق ایک روایت جناب عائشہ کے حوالے سے ہے (بخاری)

قَالَ اِنَّ اِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَدَعَا لَهَا وَحَرَّمْتُ الْمَدِينَةَ كَمَا حَرَّمَ اِبْرَاهِيمُ مَكَّةَ وَدَعَوْتُ لَهَا فِي مُدِّهَا وَصَاعِهَا مِثْلَ مَا دَعَا اِبْرَاهِيمُ لِمَكَّةَ (بخاری)

حضرت عائشہ سے روایت ہے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا تحقیق حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا اور اس کے لیے دُعا کی اور میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں جیسے ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا اور اس کے لیے دُعا کی اور میں مدینہ کے مد اور صاع میں برکت کی دُعا کرتا ہوں جیسے ابراہیم نے مکہ کے لیے دُعا کی۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي مِكْيَالِهِمْ وَبَارِكْ لَهُمْ فِي صَاعِهِمْ وَمُدِّهِمْ يَعْنِي اَهْلَ الْمَدِينَةِ

حضرت انس ابن مالک سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے اللہ انہیں ان کے پیمانوں میں برکت عطا فرما۔ الٰہی ان کے صاع و مُد میں برکت عطا فرما۔ حضور کی مراد اہلِ مدینہ سے تھی۔

فوائد و مسائل

۱۔ اس حدیث کو امام بخاری نے اعتصام و کفارات میں اور مسلم و نسائی نے مناسک میں ذکر کیا ۲۔ حضور نے جو مدینہ کے صاع و مد میں برکت کی دعا فرمائی تو یہ دینی و دنیوی دونوں قسم کی برکت پر مشتمل ہے۔ مدینہ منورہ حضور سیدِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گاہ ہے۔ حضور نے مدینہ کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھنے کی تاکید فرمائی ہے۔ آپ نے فرمایا۔

فضائلِ مدینہ

میری امت جب تک مدینہ منورہ کی حرمت، عزت پر قائم رہے گی، بھلائی پر رہے گی اور جب اس کی حرمت و عزت سے کنارہ کش ہو جائے گی تو برباد ہو جائے گی (ابن ماجہ) امت کا اس پر اتفاق ہے کہ حدودِ مدینہ کا ادب و احترام مکہ معظمہ کی حدود کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ، مدینہ شریف کی عظمت و عزت سے متعلق حضور کے چند ارشادات کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ حضور علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں دُعا فرمائی۔

اللهم حَبِّبْ اِلَيْنَا الْمَدِينَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ اَوْ اَشَدَّهُ (بخاری و مسلم)

الٰہی ہمیں مدینہ ایسا پیارا کر دے جیسا کہ مکہ پیارا تھا۔ بلکہ مکہ سے زیادہ مدینہ کو پیارا و محبوب بنا دے۔

۲۔ مدینہ میں بخار کا مرض عام تھا۔ حضور نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی۔ الٰہی یہاں کے بخار کو جحفہ منتقل فرما دے۔ (بخاری و مسلم) یہ حضور کی دُعا کا اثر ہے کہ مدینہ منورہ کی آب و ہوا بہت صحت مند ہے۔ موسم معتدل ہے۔ وہاں کی خاک خاکِ شفا ہے۔ وہاں روزی میں برکت ہے اور جحفہ جو حرمین طیبین کے درمیان ایک چھوٹی سی بستی ہے جہاں اس زمانہ میں یہود رہتے تھے۔ آج بھی وہاں کی آب و ہوا میں بخار کے جراثیم ہیں۔ وہاں رکنے اور جانے والے عموماً بخار میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

۳۔ حضور نے فرمایا۔ شام فتح ہوگا۔ عراق فتح ہوگا اور ایک قوم خوشی سے دوڑتی ہوئی آئے گی اور اپنے خدام اور بال بچوں کو وہاں لے جائے گی۔

وَالْمَدِیْنَۃُ خَیْرٌ لَّھُمْ | حالانکہ مدینہ ان کے لیے بہتر تھا۔

سیدنا امام مالک علیہ الرحمۃ حدیث کے خط کشیدہ جملوں کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ تمام جگہ سے مدینہ افضل ہے اور اس میں مکہ بھی داخل ہے۔ اسی بناء پر امام مالک فرماتے ہیں۔ مدینہ مکہ سے افضل ہے (مرقات) بات یہی درست ہے۔ بیت المقدس اگرچہ ابتداء ہی سے مسلمانوں کا قبلہ رہا ہے وہاں ہزارہا انبیاء کرام کے مزارات ہیں۔ بے شک یہ متبرک مقام ہیں۔ قرآن نے کہا۔ الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہٗ لیکن مدینہ پھر بھی افضل ہے۔ اس لیے کہ سارے تارے وہاں ہیں۔ مگر نبوت و رسالت کا آفتاب مدینہ میں ہے ——— حضور نے فرمایا۔

۴۔ اِنَّ اللّٰہَ سَمّٰی الْمَدِیْنَۃَ طَابَہ | اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام طابہ رکھا۔

(مسلم)

مدینہ شریف کے سو سے زیادہ نام ہیں۔ طیبہ، بطحا، مدینہ، ابطح وغیرہ۔ ہجرت سے پہلے اس کا نام یثرب تھا۔ کہتے ہیں کہ مدینہ میں قوم عمالہ کا جو پہلا شخص آیا اس کا نام یثرب تھا۔ یثرب ثرب سے مشتق ہے۔ جس کے معنیٰ سزا، سرزنش، مصیبت و بلا کے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ۔ لیکن اب مدینہ کو یثرب کہنا سوء ہے۔ شاعر اشعار میں یثرب کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ ان کا فرض ہے کہ اس کو بدل دیں۔ یثرب کی جگہ طیبہ کا لفظ لانے میں وزنِ شعری میں کوئی سقم بھی پیدا نہیں ہوتا ——— سیدنا احمد فرماتے ہیں۔ جو مدینہ کو یثرب کہے وہ توبہ کرے۔ امام بخاری تاریخ میں فرماتے ہیں۔ جو مدینہ منورہ کو ایک بار یثرب کہے وہ بطور کفارہ دس بار اس ارضِ مقدس کو مدینہ کہے۔

معجزہ شق القمر کا ہے مدینہ سے عیاں
مہ نے شق ہو کر لیا ہے دین کو آغوش میں

سَمّٰی الْمَدِیْنَۃَ طَابَہ کا ترجمہ بعض شارحین نے یہ کیا ہے کہ لوح محفوظ میں مدینہ کا نام طابہ یا طیبہ ہے۔

۵۔ یَقُوْلُوْنَ یَثْرِبَ وَھِیَ الْمَدِیْنَۃُ | حضور نے فرمایا۔ لوگ اسے یثرب کہیں گے۔ حالانکہ وہ مدینہ ہے۔

(بخاری و مسلم)

۶۔ خود حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ سے ایسی محبت تھی کہ جب سفر سے واپسی پر مدینہ کے در و دیوار نظر آتے تو اپنی سواری کو تیز فرما دیتے۔ (بخاری) ——— مدینہ کے شرقی جانب تقریباً تین میل کے فاصلہ پر اُحد پہاڑ ہے۔ مدینہ شہر خصوصاً جنت البقیع سے یہ مقدس پہاڑ صاف نظر آتا ہے۔ جب پہاڑ حضور کو نظر آیا تو فرمایا۔

ھٰذَا جَبَلٌ یُّحِبُّنَا وَنُحِبُّہٗ | یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے۔ ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

۷۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی حدیث میں مکہ معظمہ میں قیام پر اتنا زور نہیں دیا جتنا مدینہ منورہ میں قیام

پر اتنا زور نہیں دیا جتنا مدینہ منورہ میں قیام کا دیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ جو مدینہ میں مر سکے

مَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ يَّمُوْتَ بِالْمَدِيْنَةِ فَلْيَمُتْ بِهَا فَاِنِّيْ اَشْفَعُ لِمَنْ يَّمُوْتُ بِهَا	وہاں ہی مرے میں مدینہ میں مرنے والوں کی شفاعت کروں گا۔ (احمد و ترمذی)

سیدنا امام فاروق اعظم خلیفہ رسول دعا فرماتے تھے کہ الٰہی مجھے اپنے محبوب کے شہر مدینہ میں شہادت کی موت دے۔ جناب عمر فاروق کی یہ دعا قبول ہوئی۔ نمازِ فجر کے وقت مسجدِ نبوی مصلّٰی نبوی، محرابِ نبوی میں شہادت پائی۔

سیدنا امام مالک علیہ الرحمۃ اس خوف سے کہیں مدینہ منورہ سے باہر موت واقع نہ ہو جائے۔ پوری زندگی میں کبھی مدینہ سے باہر نہیں گئے۔ صرف حج فرض کی ادائیگی کے لیے ایک بار مکہ معظمہ میں حاضری دی۔

۸۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ بِالْمَدِيْنَةِ ضِعْفَىْ مَا بِمَكَّةَ مِنَ الْبَرَكَةِ (بخاری)	الٰہی جو برکتیں تو نے مکہ معظمہ کو دی ہیں۔ اس سے دگنی برکتیں مدینہ منورہ کو عطا فرما۔

مکہ و مدینہ کے حرم ہونے کا مطلب

واضح ہو کہ حدیث زیرِ بحث میں حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے کہ میں مدینہ کو مکہ کی طرح حرام قرار دیتا ہوں تو حرمِ مدینہ کو حرمِ مکہ کے ساتھ بعض وجوہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یعنی احترام و تعظیم کے لحاظ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جیسے آیت ان مثل عیسٰی عند اللہ کمثل آدم میں حضرت عیسٰی کو آدم علیہ السلام سے تشبیہ دینا بعض وجوہ سے ہے۔ اسی طرح حرمِ مدینہ کو مکہ سے تشبیہ دینا بعض وجوہ سے ہے لہٰذا حرمتِ حرمِ مکہ بمعنی تحریم ہے اور حرمتِ حرمِ مدینہ بمعنی احترام و تعظیم ہے۔

مکہ کے حرم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہاں بلا احرام داخل ہونا، حدودِ حرمِ مکہ میں شکار تو در کنار اس کی طرف اشارہ کرنا، اسے ستانا اٹھانا ممنوع و حرام ہے۔ اگر مجرم حرم میں آجائے تو اسے قتل کرنا بھی ممنوع ہے حدود و قصاص حدودِ حرمِ مکہ میں جاری نہیں ہوتے۔ ایسے حالات پیدا کئے جائیں گے کہ مجرم حدودِ حرم سے باہر آجائے۔ قرآنِ مجید نے فرمایا۔ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا۔ اگر وہاں مذکورہ بالا ممنوع کام کر لیے تو کفارہ واجب ہے اکثر شوافع مکہ معظمہ کی مٹی یا پتھر مکہ سے باہر لے جانے کو ممنوع قرار دیتے ہیں۔ البتہ بطور تبرک آبِ زمزم مکہ سے باہر لے جانا سنت ہے۔ حدیبیہ کے سال حضور نے زمزم کے دو مشکیزے سہیل بن عمرو کے ہاتھ مدینہ میں منگوائے۔ حج کے موقع پر حضور نے آبِ زمزم اپنے ساتھ لیا اور عرصہ تک یہ پانی مدینہ میں بیماروں کو پلایا۔ جنابِ عائشہ صدیقہ سے بسندِ صحیح مروی ہے کہ حضور نے متعدد بار آبِ زمزم مکہ سے باہر بھیجا۔ (مرقات)

اسی طرح حرمِ مکہ میں واجب القتل مجرم سے قصاص لینا حرام ہے مگر تمام ائمہ اس امر پر متفق ہیں۔ حرمِ مدینہ میں اگر مستحقِ قتل مجرم داخل ہو جائے تو اس سے قصاص لیا جائیگا تو اگر دونوں کا حکم ایک ہوتا تو حرمِ مدینہ میں داخل ہونے والے مجرم سے بھی قصاص نہ لینے کا قول کرنا چاہیئے تھا۔

ثانیاً نیز تعامل صحابہ بلکہ خود حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمِ مدینہ کے درخت کاٹے ہیں۔ حضور نے مسجدِ نبوی

کی تعمیر کے وقت وہاں کے کھجور کے درخت کاٹے اور قبورِ مشرکین کو مسمار فرمایا۔ حضرتِ مسلمہ سے حضور نے فرمایا۔ تم عقیق میں شکار کھیلو توہم تمہاری امداد کریں گے (ابن ابی شیبہ طبرانی) حضرتِ انس سے حضور نے فرمایا۔ تم اُحد پہاڑ پر جاؤ اور وہاں کے درخت یا کچھ گھاس کھاؤ۔ ظاہر ہے کہ کھانا بغیر کاٹنے یا اُکھیڑنے کے ناممکن ہے (طبرانی) حدیثِ مسلم وَلَا یُخْبَطُ فِیْهَا شَجَرَۃٌ اِلَّا لِعَلَفٍ مدینہ کے درخت نہ کاٹے جائیں مگر چارہ کے لیے۔ حضور نے چارہ کے لیے کاٹنے کی اجازت دی۔ اگر حرمِ مدینہ کے درخت کاٹنے حرام ہوتے تو چارہ کے لیے کاٹنے کی اجازت نہ دی جاتی حالانکہ حرمِ مکہ کے درخت چارہ کے لیے کاٹنے بھی حرام ہیں۔ علاوہ ازیں حدیثِ زیرِ بحث اور وہ تمام احادیث جن میں مدینہ منورہ کے حرم ہونے کا ذکر ہے سب ظنی ہیں اور ضابطہ یہ ہے کہ کراہتِ تحریمی ثابت کرنے کے لیے دلیلِ قطعی کی ضرورت ہے۔ یعنی کسی چیز کی کراہتِ تحریمہ کے ثبوت کے لیے قطعی الدلالت ظنی الثبوت دلیل کی ضرورت ہے۔ جیسے خبرِ احاد کہ مفہوم ان کا قطعی ہو —— خبرِ احاد کہ مفہوم ان کا ظنی ہو سے کسی چیز کا سنّت یا مستحب ہونا تو ثابت ہو سکتا ہے مگر کراہتِ تحریمی ثابت نہیں ہوسکتی اور حدیثِ زیرِ بحث اور دیگر وہ احادیث جن میں مدینہ کے حرم ہونے کا ذکر ہے قطعی الدلالت نہیں ہیں —— اگر قطعی الدلالت ہوتیں تو صحابہ کا عمل اور خود حضور کا عمل اس کے خلاف نہ ہوتا —— خلاصہ یہ کہ حدودِ مدینہ کا حرم ہونا یعنی احترام ہے تحریم نہیں اور اس باب میں امام اعظم علیہ الرحمۃ کا موقف بہت قوی ہے —— مزید توضیح کے لیے فیوض الباری پارہ ششم ص۱۵۷ فیوض پارہ اوّل ص۹۲ فیوض پارہ ہفتم ۱۰۰/۱۴ ملاحظہ فرمائیں۔

مکہ معظمہ کی حرمت وعظمت ابدی ہے

اِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَهَا اللّٰهُ وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ (بخاری)

حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
مکہ اللہ تعالیٰ نے حرم بنایا ہے۔ کسی شخص نے اپنی رائے سے حرم نہیں بنایا۔

نیز فرمایا۔

اِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ حَرَّمَهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (بخاری ومسلم)

بے شک اس شہر (مکہ) کو اللہ تعالیٰ نے اسی دن حرم بنا دیا جس دن آسمان وزمین پیدا کئے۔ تو یہ اللہ کے حرام بنانے سے قیامت تک حرم ہے۔

ان دونوں حدیثوں سے واضح ہوا کہ مکہ معظمہ کو اللہ تعالیٰ نے ابتداء ہی سے حرم بنایا اور یہ جگہ صرف اسلام ہی میں نہیں بلکہ ہر دین میں محترم ومقدس تھی۔ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ کے لفظ سے معلوم ہوا کہ مکہ معظمہ کی حرمت ہمیشہ کے لیے ہے۔ کبھی منسوخ نہ ہوگی۔ سوال پیدا ہوتا ہے۔ دیگر متعدد حدیثوں میں حضور نے یہ بھی فرمایا ہے کہ مکہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حرم بنایا۔ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ حَرَّمَ مَكَّةَ (مسلم) اور حدیثِ زیرِ بحث میں مکہ کو حرم بنانے کی نسبت حضرت ابراہیم کی طرف ہے —— جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کی ذات کی طرف مکہ کو حرم بنانے کی نسبت مجازی ہے طوفانِ نوح کے موقع پر جب بیت المعمور آسمانوں پر اٹھا لیا گیا تو لوگ مکہ کی عظمت وحرمت بھول گئے۔ حضرت ابراہیم

علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کی۔

ا۔ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ (بقرہ)

الٰہی اس شہر کو امان والا کر دے اور اس کے رہنے والوں کو طرح طرح کے پھل دے۔

(۲) فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْۤ اِلَیْهِمْ

الٰہی لوگوں کے دل مکہ معظمہ کی طرف مائل کر دے۔

تو مکہ تو ابتداء ہی سے محترم تھا۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی حرمت و عظمت کا اعلان فرمایا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ اس بنا پر مکہ کو حرم بنانے کی نسبت حضرت ابراہیم کی ذات کی طرف مجازی طور پر کی گئی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے کہ کعبے معمارِ اول حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ سب سے پہلے کعبہ کی بنیاد آپ ہی نے رکھی۔ لیکن طوفانِ نوح کے بعد دوسری بار اسی سابقہ بنیادوں پر کعبہ کی تعمیر کا شرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حاصل ہوا۔ یہ تعمیرِ خاص حضرت ابراہیم کے مقدس ہاتھوں سے ہوئی اس لیے حضرت ابراہیم کو بھی معمارِ کعبہ کہتے ہیں ورنہ اولیت تو حضرت آدم ہی کو حاصل ہے۔

حضور نے مدینہ کو حرم بنایا

غور کیجئے حضرت ابراہیم کی ذات کی طرف مکہ کو حرم بنانے کی نسبت مجازی ہے۔ کیونکہ حضور نے تصریح فرما دی، مکہ کو تو اللہ تعالیٰ نے ابتداء ہی سے حرم بنایا ہے مکہ ہر دین و ملت میں محترم رہا ہے۔ مگر مدینہ کی یہ کیفیت نہ تھی۔ مدینہ شروع ہی سے معظّم نہ تھا۔ لوگ مدینہ سے کتراتے تھے۔ وہاں وباؤں کا ہجوم تھا۔ حتیٰ کہ مدینہ کا نام بھی یثرب تھا (وباؤں کا گھر) حضور نے فرمایا۔

اِنِّیْ حَرَّمْتُ الْمَدِیْنَةَ حَرَامًا (مسلم)

میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں۔

اِنِّیْ اُحَرِّمُ مَا بَیْنَ لَابَتَیْهَا (بخاری و مسلم)

میں مدینہ کے گوشوں کے درمیان حرم بناتا ہوں۔

یہاں مدینہ کو حرم بنانے کی نسبت حضور نے اپنی ذاتِ اقدس کی طرف کی ہے۔ یہ نسبت حقیقی ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختارِ کائنات ہیں۔ جس چیز کو چاہیں۔ محترم و معظم بنا دیں۔ یہی وجہ ہے۔ جب حضور نے صحابہ سے فرمایا کہ مکہ کو اللہ تعالیٰ نے حرم بنایا ہے۔ یہاں کی گھاس نہ اکھاڑی جائے۔ تو حضرت عباس کھڑے ہوئے۔ عرض کی حضور اذخر گھاس کو اکھاڑنے کی اجازت دیجئے۔ کیونکہ یہ ہمارے مکانوں کے کام آتی ہے۔ حضور نے فرمایا۔ ہاں اجازت ہے۔ (بخاری)

معلوم ہوا کہ حضور کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے کہ جس حکم سے چاہیں کسی چیز کو اس سے مستثنیٰ فرما دیں۔ جبھی تو حضور نے اذخر گھاس کے کاٹنے کی اجازت عطا فرما دی۔

خلیل و حبیب میں فرق

اسی سے خلیل اللہ اور حبیب اللہ کے درجہ و مقام پر روشنی پڑتی ہے۔ خلیل کی ذات کی طرف مکہ کو حرم بنانے کی نسبت مجازی ہے اور حبیب کی ذاتِ اقدس کی طرف مدینہ کو حرم بنانے کی نسبت حقیقی ہے۔ خلیل نے زمین مکہ جو ابتداءِ خلق ہی سے محترم و مقدس تھی کے حرم ہونے کا اعلان فرمایا اور حبیب نے اس زمینِ مدینہ کو حرم بنایا جو پہلے معظم و مقدس نہ تھی۔ جس کا نام ہی یثرب (بلاؤں کا گھر) تھا ——— حضور سرورِ کائنات

صلی اللہ علیہ وسلم نے بلاؤں کے گھر (یثرب) کو امن و سلامتی کا گہوارہ بنا دیا۔ حضور ہی کے وجودِ مطہر کی وجہ سے مدینہ کو سجدہ گاہِ قدسیان ہونے کا شرف حاصل ہو گیا اور یہ بات ہے بھی کیسی پیاری کہ مکہ میں کعبہ ہے اگر مدینہ میں کعبہ کا قبلہ جلوہ فرما ہے ؎

حاجیوں آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو

مکہ معظمہ میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ کے برابر ہے اور ایک گناہ بھی ایک لاکھ گناہ کے برابر اور مدینہ منورہ میں ایک نیکی پچاس ہزار نیکیوں کے برابر مگر ایک گناہ ایک ہی ہے کیوں؟ اس لیے کہ ؎

وہاں خیر و شر کی پُرسش یہاں عفو کا بہانہ
وہ خدا کا آستانہ یہ نبی کا آستانہ

اس لیے بات کیوں بڑھایئے۔ ہم تو عشق کے بندے ہیں۔ فتدبر و تامل۔

مکہ معظمہ کی عظمت و برکت

۱۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جو مکہ معظمہ کا رمضان پائے اور وہاں روزہ و تراویح کی پابندی کرے۔ وہ ایک لاکھ رمضانوں کا ——— اور ہر دن رات ایک ایک غلام آزاد کرنے کا اور ایک ایک غازی کو میدانِ جنگ میں بھیجنے کا ثواب پائیگا۔ ابن ماجہ (مرقات)

۲۔ مکہ مکرمہ میں ایک نیکی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہے اور ایک گناہ بھی ایک لاکھ گناہوں کے برابر۔ اسی لیے سیدنا امام مالک اور سیدنا امام اعظم، ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مشورہ یہ ہے بیرونی آدمیوں کو مکہ میں مستقل رہائش نہ رکھنا افضل ہے۔ البتہ گاہے گاہے حاضری بہتر ہے (مرقات) ۲۔ مسجدِ نبوی میں ایک نماز کا ثواب ۵۰ ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد حرام (مکہ) کی ایک نماز کا ثواب لاکھ نمازوں کے برابر ہے (ابنِ ماجہ) ۳۔ مکہ معظمہ میں کعبہ ہے جو بقاءِ دنیا کا سبب ہے کعبہ کی بدولت لوگوں کے دینی و دنیاوی امور کا قیام ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید میں فرمایا۔ قِیٰما للناس

یعنی قوم مسلم کی دینی، اخلاقی، روحانی، معاشرتی، قومی و ملی امور کا قیام کعبہ سے وابستہ ہے۔ کعبہ بقاءِ دنیا کا سبب ہے وہاں خائف کو پناہ ضعیفوں کو امن، تاجروں کو نفع ملتا ہے۔

۳۔ قرآنِ مجید نے مکہ کو ام القریٰ، آبادیوں کی ماں قرار دیا ہے۔ زمینِ حرم کے کوہ و صحرا کو جناب آدم علیہ السلام سے لے کر حضور نبی کریم تک تمام انبیاء کو خصوصی نسبت رہی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے یہاں اللہ کے پہلے گھر کعبہ کی بنیاد رکھی یہاں صفا پہاڑی ہے جہاں ابراہیم خلیل نے قیام کیا۔ مروہ ہے جہاں جنابِ اسماعیل کو راہِ خدا میں قربان کیا گیا۔ زم زم کا مقدس چشمہ ہے جو ہر بیماری کے لیے اکسیر ہے۔ اسی مقدس پانی سے حضور کے قلبِ اطہر کو غسل دیا گیا۔ مقامِ ابراہیم ہے۔ جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم خلیل نے کعبہ کی دیواریں اٹھائیں۔ حجرِ اسود ہے جسے لبِ پاکِ نبوت نے بوسہ دیا جس کی گلیوں میں ملکوں کے سردار، نوریوں کے شہنشاہ حضرت روح القدس جبرئیل امین علیہ السلام آئے۔ یہیں غارِ حراء ہے جس سے وحیِ الٰہی کی پہلی کرن طلوع ہوئی۔ یہاں وہ صحن بھی ہے جہاں شبِ معراج براق کے قدم پڑے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں تمام انبیاء و مرسلین نے حضور کی اقتدار میں نماز ادا کی۔ حضور امام تھے اور تمام انبیاء مقتدی۔ یہی وہ زمین ہے جسے حضور سید المرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ولادتِ باسعادت کا شرف حاصل ہوا۔ اس شہر کو یہ سعادت بھی حاصل ہے کہ حضور نے اپنی زندگی پاک کے ۵۳ سال یہاں گزارے۔ قرآن نے اسے بلداً امنا قرار دیا (امن و عافیت کا شہر)

دنیا ویران ہو جائے گر مکہ اور مکہ والے انت العزیز امن میں رہیں گے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حرم کا ہیں احتکار
ایسے ہے جیسے اس مقدس شہر

احتکار الطعام فی الحرم الحاد فیہ | میں الحاد و بیدینی کو پھیلانا (ابوداؤد)

مطلبِ حدیث یہ ہے کہ احتکار تو ہر جگہ ناجائز ہے مگر مکہ معظمہ جو مسلمانانِ عالم کا مرکز ہے اور جہاں ہر ملک اور ہر جگہ کے مسلمان کعبہ مقدسہ کی زیارت کے لیے آتے ہیں۔ یہاں غلہ کو ذخیرہ کر کے قحط کی صورت پیدا کر دینا ایسا شدید وسخت گناہ ہے جیسے مکہ میں الحاد و بیدینی پھیلانے کی کوشش کرنا ـــــ قرآنِ مجید میں فرمایا۔

من یرد فیہ بالحاد بظلم نذقہ من
عذاب الیم

نیز مکہ معظمہ میں گناہ کرنا، ہزار گناہ کے برابر ہے۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صرف ارادۂ گناہ پر کسی جگہ بھی اللہ کے ہاں پکڑ نہیں ہے مگر مکہ معظمہ میں ارادۂ گناہ پر بھی پکڑ ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ومن یرد فیہ بالحاد الخ۔ اسی بنا پر بعض صحابہ کرام نے مکہ معظمہ کی سکونت ترک کر دی۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما طائف میں جا بسے ـــــ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔

واللہ اِنَّکَ لخیر ارض اللہ و اَحَبُّ اَرْضِ اللّٰہِ (ابن ماجہ و ترمذی) | بخدا مکہ کی زمین اللہ کی بنائی ہوئی ساری زمین سے بہتر ہے اور تمام زمینوں میں خدا کو زیادہ پیاری ہے۔

جمہور علماء نے اس حدیث سے یہ استدلال فرمایا کہ مکہ معظمہ کی بستی مدینہ منورہ کی بستی سے افضل ہے۔ جمہور کا یہ استدلال سر آنکھوں پر مگر ؎

طیبہ نہ سہی افضل مکہ ہی بڑا زاھد   ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے

اتنی بات یاد رہے۔ یہ اختلاف مدینہ کی بستی افضل ہے یا مکہ کی بستی محدود ہے۔ ورنہ تمام علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ مدینہ کا احترام مکہ معظمہ کے احترام کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ اور مدینہ منورہ کی زمین کا وہ حصہ جہاں آج حضور جلوہ فرما ہیں وہ تو مکہ معظمہ بلکہ عرش و کرسی سے بھی افضل ہے (مرقات)

بَابُ مَا یُذْکَرُ فِی بَیْعِ الطَّعَامِ وَالْحُکْرَۃِ

باب غلہ کی خرید و فروخت اور حکرہ کے متعلق

حُکرہ کے لغوی معنیٰ سامان کے فروخت سے رُکنے کے ہیں۔ فقہاء اسلام نے دلائل شرعیہ کی روشنی میں احتکار (ذخیرہ اندوزی) کو چند شرطوں کے ساتھ ممنوع قرار دیا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ احتکار کرنے والا غلطی پر ہے (احمد، مسلم، ابوداؤد) جس نے چالیس روز غلہ روکا۔ پھر وہ سب خیرات کر دیا تو بھی کفارہ ادا نہ ہوگا۔ (رزین)
جس نے گراں کرنے کے ارادہ سے چالیس روز غلہ روکا وہ اللہ تعالیٰ سے بَری ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بَری (رزین)
جس نے مسلمان پر غلہ روکا اللہ تعالیٰ اسے جزام اور افلاس میں مُبتلا کرے گا (بیہقی) ـــــ

ذخیرہ اندوزی کب ممنوع ہے؟

واضح ہو کہ ذخیرہ اندوزی بالکل ممنوع نہیں ہے۔ تجارت کا مفہوم و مطلب یہ ہے کہ اشیاء کو جمع رکھا جائے یا جب بازار میں نرخ گرے ہوں خریدا جائے اور پھر حسبِ موقع و محل نفع کے ساتھ بیچا جائے۔ فصل کے موقع پر غلہ وغیرہ سستا ہوتا ہے۔ اسے خرید کر رکھا جاتا ہے۔ پھر کچھ دنوں کے بعد جب بھاؤ چڑھتا ہے تو فروخت کیا جاتا ہے۔ تو اگر مطلقاً ذخیرہ اندوزی کو ممنوع قرار دیدیا جائے تو پھر کاروبارِ تجارت کو جاری رکھنے کی کوئی صورت ہی باقی نہیں رہتی ——— لہٰذا عام حالات میں ذخیرہ اندوزی شرعاً نہ گناہ ہے اور نہ ممنوع۔ ذخیرہ اندوزی کی ممانعت کی علت اضرار ہے۔ یعنی ایسے حالات کا ہونا کہ اشیائے ضروریہ کے ذخیرہ کرنے سے باشندگانِ ملک کو نقصان پہنچے۔ جیسے قحط، سیلاب، آفت کے زمانہ میں راستے مسدود ہوجاتے ہیں۔ فصلیں تباہ ہوجاتی ہیں۔ اشیائے ضروریہ کی قلت ہوجاتی ہے۔ ملکی ضرورت کے لیے بیرونِ ملک سے غلہ منگایا جاتا ہے۔ کبھی اس کے آنے میں دیر ہوجاتی ہے۔ کبھی حالات نارمل ہوتے ہیں مگر ذخیرہ اندوز اشیائے ضروریہ کو ذخیرہ کرکے مصنوعی قلت پیدا کردیتے ہیں۔ ایسی تمام صورتیں احتکارِ ناجائز کے ضمن میں آتی ہیں اور ایسے حالات میں اشیائے ضروریہ کی ذخیرہ اندوزی خصوصاً غلہ کو ذخیرہ کرنا تاکہ لوگ خوب پریشان ہوں اور خوب گراں قیمت پر خریدنے پر مجبور ہوں ممنوع اور گناہ ہے۔

عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ رَاَيْتُ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ الطَّعَامَ مُجَازَفَةً يُضْرَبُوْنَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّبِيْعُوْهُ حَتّٰى يُؤْوُوْهُ اِلٰى رِحَالِهِمْ

(بخاری)

حضرت سالم اپنے والد حضرت ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ لوگ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں بازار میں غلہ خرید کر اسی جگہ (بغیر ناپے تولے قبضہ کیے) فروخت کردیتے تھے تو اس پر ان کو سرزنش کی جاتی تھی کہ جب تک غلہ منتقل نہ کرلیں فروخت نہ کریں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى اَنْ يَّبِيْعَ الرَّجُلَ طَعَامًا حَتّٰى يَسْتَوْفِيَهٗ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ كَيْفَ ذَاكَ قَالَ ذَاكَ دَرَاهِمُ وَالطَّعَامُ مُرْجَاً - قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ مُرْجَوْنَ مُؤَخَّرُوْنَ

(بخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے غلہ کو قبضہ کرنے سے پہلے بیچنے سے منع فرمایا۔ طاؤس کہتے ہیں۔ میں نے ابن عباس سے اس کا مطلب دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا۔ یہ تو درہم کو درہم کے بدلے بیچنا ہوا غلہ تو بعد میں دیا جائیگا۔ ابوعبداللہ بخاری نے فرمایا۔ مرجون کے معنیٰ تاخیر کے ہیں۔

بیع قبل از قبض کے مسائل

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُوْلُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتّٰى يَقْبِضَهٗ (بخاری) ——— ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن دینار نے بیان کیا کہ میں نے ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سُنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص بھی غلہ خریدے تو اس پر قبضہ سے پہلے نہ بیچے۔

ان احادیث کی تفہیم و ترجمانی یہ ہے کہ۔

فوائد و مسائل ۱۔ مجان فتہ پر زبر، دو وجہ سے پڑھا جا سکتا ہے۔ یہ کہ یہ مصدر محذوف کی صفت ہو یا اسے حال قرار دیا جائے ۲۔ جزاف بلکسر افصح و اشہر ہے۔ اس کے معنیٰ بغیر ناپے تولے (قبضہ کئے) بیچنے کے ہیں ۳۔ عنوان سے مطابقت اس حدیث کی یہ ہے کہ مجازفۃً بیچنا۔ بیع قبل القبض کو متضمن ہے ۴۔ اس حدیث سے واضح ہوا۔ وہ اشیاء جو منقولہ ہیں انہیں قبضہ کرنے سے پہلے بیچ دینا منع ہے۔ اگر کسی نے خرید شدہ اشیائے منقولہ غلہ، کپڑا، روئی وغیرہ کو قبل قبضہ کسی کے ہاتھ فروخت کر دیا تو یہ دوسری فروخت (بیع فاسد) قرار پائے گی —— البتہ خریدار اس بیع کے بعد، اس چیز پر قبضہ کر لے تو اس کا مالک ہو جائے گا اور اس کی قیمت ادا کرنا ہو گی۔ لیکن پہلی فروخت بدستور باقی رہے گی۔

بیع قبل القبض کا طریقہ اس زمانہ میں عام ہے۔ یہ اگر اشیائے منقولہ میں ہو تو یہ بیع فاسد ہے۔ مثلاً روئی خریدی اور قبضہ حاصل کرنے سے پہلے اسی کے ہاتھ جس سے خریدی تھی فروخت کر دی یا کسی اور کے ہاتھ فروخت کی خواہ اسی قیمتِ خرید پر فروخت کر دی تو یہ بیع فاسد ہے۔

عَنْ مَالِكِ بْنِ اَوْسٍ اِنَّہٗ قَالَ مَنْ كَانَ عِنْدَہٗ صَرْفٌ فَقَالَ طَلْحَۃُ اَنَا حَتّٰی يَجِيْئَ خَازِنُنَا مِنَ الْغَابَۃِ قَالَ سُفْيَانُ هُوَ الَّذِيْ حَفِظْنَاہُ مِنَ الزُّهْرِيِّ لَيْسَ فِيْهِ زِيَادَۃٌ فَقَالَ اَخْبَرَنِيْ مَالِكُ بْنُ اَوْسٍ سَمِعَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يُخْبِرُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ رِبًا اِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ رِبًا اِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ رِبًا اِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ رِبًا اِلَّا هَاءَ وَهَاءَ

حضرت مالک بن اوس سے مروی ہے کہ انہوں نے پوچھا آپ لوگوں میں کوئی بیع صرف کرتا ہے۔ طلحہ نے فرمایا۔ میں کرتا ہوں۔ لیکن اس وقت کر سکوں گا جب ہمارا خزانچی غابہ سے آجائے گا۔ سفیان نے بیان کیا کہ زہری سے ہم نے اسی طرح حدیث یاد کی تھی۔ اس میں کوئی مزید بات نہیں تھی۔ پھر انہوں نے کہا کہ مجھے مالک بن اوس نے خبر دی کہ انہوں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سنا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے نقل کرتے تھے کہ آپ نے فرمایا سونے کو سونے کے بدلے میں (خریدنا) سود میں داخل ہے اِلّا یہ کہ نقد ہو۔ گیہوں، گیہوں کے بدلہ میں (خریدنا یا بیچنا) سود میں داخل ہے اِلّا یہ کہ نقد ہو۔ کھجور، کھجور کے بدلہ میں سود ہے اِلّا یہ کہ نقد ہو اور جَو جَو کے بدلہ میں اِلّا یہ کہ نقد ہو۔

فوائد و مسائل ۱۔ لفظ ھا دراصل ھاك تھا بمعنی خذ اسم فعل بمعنی امر۔ ك کو ہمزہ سے بدل دیا یا ھا اسم فاعل بمعنی امر ہے۔ ہمزہ پر زیر یا زبر یعنی یہ لفظ صورۃً اسم اور معنیً فعل ہے۔ معنیٰ دونوں کے ایک ہیں یعنی خذ اس ہاتھ دے اور اس ہاتھ لے۔

مطلب یہ کہ جیسے ہم وزن اور ہم جنس اشیاء میں زیادتی حرام ہے۔ اسی طرح ادھار بھی حرام ہے۔ دونوں طرف سے دست بدست برابر برابر لین دین ہونا چاہیئے۔

۲۔ یہ حدیث احناف کے موقف کی تائید و توثیق کرتی ہے کہ ہم جنس و ہم وزن میں زیادتی حرام ہے۔

۳ - من عنده صرف کا مطلب یہ ہے کہ حضرت مالک بن اوس نے پوچھا کہ آپ لوگوں میں کوئی بیع صرف کرتا ہے؛ تاکہ دینار کے بدلے درہم لوں ۔ حضرت طلحہ نے جواب دیا۔ ہم کرتے ہیں ۔

۴ - اس حدیث میں سونا، گیہوں، جو، کھجور اور دوسری احادیث میں چاندی اور نمک کا ذکر ہے تو ان چھ چیزوں میں سود کی حرمت پر سب کا اتفاق ہے کہ ان چیزوں کا باہمی تبادلہ اور بیع کی جائے تو ان میں زیادتی بھی سود ہے ۔ اسی طرح برابر سرابر ادھار لیا دیا تو بھی سود ہے ——— سونے کو سونے کے عوض بیع کی جائز صورت صرف یہ ہے کہ برابر سرابر دست بدست نقد معاملہ کیا جائے ۔ سونا خواہ کسی بھی شکل وصورت و نوعیت میں ہو۔ زیور ہو سکہ یا نقش و نگار والا ہو یا سادہ ہو جواز کی صورت صرف یہ ہے کہ ایک تولہ سونے کا زیور ایک تولہ سونے کے بدلے دست بدست نقد لیا جائے ۔ اگر وزن تو برابر ہے مگر ادھار کیا تو یہ شکل بھی سود ہے اور حرام ہے ۔

۵ - واضح رہے سیدنا امام اعظم علیہ الرحمۃ کے ہاں، سونے کو سونے کے عوض فروخت کرنے میں کمی بیشی وادھار کی ممانعت کی علت ہم وزن ہونا اور ہم جنس ہونا ہے ۔ تو زیادتی کے سود کی حرمت دو شرطوں ہم وزن ہونا اور ہم جنس ہونے پر موقوف ہوگی اور ادھار کے سود کی حرمت صرف ایک شرط پر موقوف رہے گی یا ہم وزن ہو یا ہم جنس ہو اس قاعدہ کے مطابق، اگر ایک تولہ سونا دس تولہ چاندی کے عوض بیچا تو حلال ہے سود نہیں ۔ مگر اس صورت میں بھی ادھار بیچنا سود ہے اور حرام ہے کیونکہ سونا اور چاندی اگرچہ ایک جنس سے نہیں ہیں ۔ مگر ہیں دونوں وزنی (وزن سے فروخت ہوتے ہیں) ۔ نیز سونے کو سونے کے عوض یا سونے کو چاندی کے عوض بیع کی صحت کے لیے مجلس میں قبضہ بھی شرط ہے جس کی توضیح وتشریح آئندہ صفحات میں آرہی ہے ۔ بغور پڑھ لیں۔

واضح ہو کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث زیر بحث میں سود کی جس قسم کو بیان فرمایا ہے فقہاء اسلام اسے ربا البیع، ربا الفضل، ربا النقد کے ناموں سے موسوم کرتے ہیں ۔ یہ بھی یاد رہے کہ حدیث زیر بحث میں جن چھ اشیاء کے باہمی تبادلہ میں کمی بیشی اور ادھار کو سود قرار دے کر حرام وممنوع بنایا گیا ہے تو اس کے حرام اور سود ہونے پر تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے ——— ائمہ اربعہ میں اختلاف صرف اس امر پر ہے کہ یہ حکم صرف ان چھ چیزوں کے ساتھ خاص ہے یا یہ چھ چیزیں بطور مثال بیان فرمائی گئیں ہیں اور کچھ دوسری اشیاء اس حکم میں داخل ہیں تو ان کا ضابطہ اور حکم کیا ہے ؟

۱ - اہل ظاہر، مسروق، طاؤس، شعبی قتادہ وعثمان البتی کا مسلک یہ ہے ۔ حکم مذکور صرف ان چھ چیزوں کے ساتھ

؎ متعدد وجوہات کی بناء پر ہم جنس اشیاء کا باہمی تبادلہ کا رواج آج بھی ہے ۔ حتیٰ کہ حکومتیں اس دور میں بھی اشیاء کا تبادلہ اشیاء سے کرتی ہیں ۔ نیز یہ بھی ممکن ہے ۔ اس چیز میں کوئی ایسی خصوصیت ہو جس سے فریقین فائدہ اٹھانا چاہتے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی چالاک وعیار کسی سادہ لوح کو یہ باور کرا دے کہ یہ ایک بوری گندم اس سے تگنی عام بوری گندم کے برابر ہے ۔ سونے کا یہ پترہ جس پر ایسا لاجواب نقش بنا ہوا ہے کہ یہ دو چند عام سونے کے برابر ہے ۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں لوگ دھوکہ میں پڑ کر نقصان اٹھا سکتے ہیں ——— نبی کریم علیہ السلام نے ایک جنس کو اسی کی جنس کے ساتھ کمی بیشی اور ادھار کو حرام قرار دے کر لوگوں کو اس نوع کے مفاسد اور نقصانات سے بچا یا ہے ۔

ہی خاص ہے۔ ان کے علاوہ جس قدر اشیاء ہیں۔ ان کی بیع میں کمی بیشی ادھار جائز ہے ـــــ لیکن جمہور کا مذہب یہ ہے۔ ان چھ چیزوں کے حکم کی علت معلوم کی جائے گی۔ پھر جن اشیاء میں وہ علت پائی جائے گی ان کے لیے بھی وہی حکم دیا جائیگا جو ان چھ چیزوں کے لیے ہے۔

بَابُ بَيْعِ الطَّعَامِ قَبْلَ اَنْ يُّقْبَضَ وَ بَيْعِ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ

باب غلہ کو اپنے قبضہ میں لینے سے پہلے بیچنا اور ایسی چیز کو بیچنا جو بیچنے والے کے قبضہ میں نہ ہو

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ اَمَّا الَّذِيْ نَهٰى عَنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ الطَّعَامُ اَنْ يُّبَاعَ حَتّٰى يُقْبَضَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَّلَا اَحْسِبُ كُلَّ شَيْئٍ اِلَّا مِثْلَهٗ (بخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے جس چیز سے منع فرمایا تھا وہ غلہ کی بیع تھی جس پر ابھی قبضہ نہ کیا گیا ہو۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ میں تمام اشیاء کو اسی کے حکم میں سمجھتا ہوں (کہ قبضہ سے پہلے نہ بیچی جائیں۔

عن ابن عمر اَنَّ النبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وسلم قَالَ مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبِيْعُهٗ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَهٗ زَادَ اسْمَاعِيْلُ مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبِيْعُهٗ حَتّٰى يَقْبِضَهٗ (بخاری)

حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جو شخص جب بھی غلہ خریدے تو اسے پوری طرح قبضہ کرنے سے پہلے نہ بیچے۔ اسماعیل نے ان الفاظ میں بیان کیا۔ جو شخص غلہ خریدے تو اس کو قبضہ سے پہلے نہ بیچے۔

بَابُ مَنْ رَّاٰى اِذَا اشْتَرٰى طَعَامًا جِزَافًا اَنْ لَّا يَبِيْعَهٗ حَتّٰى يُؤْوِيَهٗ اِلٰى رَحْلِهٖ وَالْاَدَبُ فِيْ ذٰلِكَ (بخاری)

باب جن کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی غلہ تخمینہ سے خریدے تو اس وقت تک بیچے جبتک اپنی قیام گاہ پر منتقل نہ کرے اور خلاف ورزی پر سزا کا بیان

اِنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ لَقَدْ رَاَيْتُ النَّاسَ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْتَاعُوْنَ جِزَافًا يَعْنِي الطَّعَامَ يُضْرَبُوْنَ اَنْ يَّبِيْعُوْهُ فِيْ مَكَانِهِمْ حَتّٰى يُؤْوُوْهُ اِلٰى رِحَالِهِمْ (بخاری)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں غلہ خرید کر اسی جگہ (بغیر ناپے تولے قبضہ کیے) فروخت کر دیتے تھے تو انہیں سرزنش کی جاتی تھی کہ جبتک منتقل نہ کریں فروخت نہ کریں۔

فوائد و مسائل

۱۔ امام شافعی علیہ الرحمہ کا مذہب یہ ہے کہ بیع قبل القبض۔ مطعومات کھانے کی اشیاء غلہ وغیرہ اور غیر منقولات زمین وغیرہ دونوں میں ناجائز ہے۔ حضرت امام مالک کا موقف یہ ہے کہ حدیث میں چونکہ طعام کا لفظ ہے۔ اس لیے صرف کھانے والی چیزوں، غلہ فروٹ وغیرہ میں بیع قبل القبض ممنوع ہے۔ اس کے علاوہ دیگر اشیاء میں جائز ہے۔ احناف کا مذہب یہ ہے کہ منقولات غلہ، پھل وغیرہ میں بیع قبل القبض ناجائز اور فاسد ہے لیکن غیر منقولات زمین وغیرہ میں جائز ہے (طیبی)

بَابُ اِذَا اشْتَرٰى مَتَاعًا اَوْ دَآبَّةً فَوَضَعَ عِنْدَ الْبَآئِعِ اَوْ مَاتَ قَبْلَ اَنْ يُّقْبَضَ

باب، جب کوئی سامان یا جانور خریدا پھر اسے بیچنے والے ہی کے پاس رہنے دیا، یا قبضہ کرنے سے پہلے بائع مرجائے ـــــ تو کیا حکم ہے؟

اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ مشتری نے ابھی مبیع پر قبضہ نہیں کیا اور مبیع بائع کے فعل سے ہلاک ہوگئی یا خود مبیع نے اپنے آپ کو ہلاک کردیا یا کسی سماوی آفت سے ہلاک ہوگئی تو بیع باطل ہوگئی بائع نے ثمن پر قبضہ کرلیا ہے تو واپس کردے ـــــ اور اگر مشتری کے فعل سے ہلاک ہوئی اور بیع مطلق ہو یا مشتری کو شرط خیار ہو تو ایسی صورت میں مشتری کو ثمن (جو قیمت طے ہوئی ہے) بائع کو دینا پڑے گی۔

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ مَا اَدْرَكَتِ الصَّفْقَةُ حَيًّا مَّجْمُوْعًا فَهُوَ مِنَ الْمُبْتَاعِ۔

(بخاری)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ جانبین کی طرف سے ایجاب وقبول کے بعد (وہ چیز جو جاندار تھی) اور جس کی خرید وفروخت ہوئی تھی۔ اپنی اصلی حالت پر زندہ و صحیح وسالم نکلی تو وہ خریدنے والے کی قرار پائے گی۔

فوائد ومسائل اس تعلیق کو امام طحاوی و دارقطنی نے وصل کیا ہے۔ لفظ یہ ہیں مَا ادرکت الصفقۃ حیا فھو من مال المبتاع۔ اس میں مجموعا کا لفظ نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر کا مذہب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایجاب وقبول کے بعد اگر مشتری نے مبیع پر قبضہ نہ کیا اور وہ بائع کے پاس ہلاک ہوگئی۔ تو مشتری کی قرار پائے گی۔ امام بخاری علیہ الرحمہ کا مذہب بھی یہ معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اثر حضرت ابن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو عنوان بنایا ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَقَلَّ يَوْمٌ كَانَ يَاتِيْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا يَاتِيْ فِيْهِ بَيْتَ اَبِيْ بَكْرٍ اَحَدَ طَرَفَيِ النَّهَارِ فَلَمَّا اُذِنَ لَهٗ فِي الْخُرُوْجِ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَمْ يَرُعْنَا اِلَّا وَقَدْ اَتَانَا ظُهْرًا فَخُبِّرَ بِهٖ اَبُوْ بَكْرٍ فَقَالَ مَا جَاءَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ هٰذِهِ السَّاعَةِ اِلَّا لِاَمْرٍ حَدَثَ فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهِ قَالَ لِاَبِيْ بَكْرٍ اَخْرِجْ مَنْ عِنْدَكَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّمَا هُمَا ابْنَتَايَ يَعْنِيْ عَائِشَةَ وَاَسْمَاءَ قَالَ اَشَعَرْتَ اَنَّهٗ قَدْ اُذِنَ لِيْ فِي الْخُرُوْجِ قَالَ الصُّحْبَةَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ عِنْدِيْ نَاقَتَيْنِ اَعْدَدْتُّهُمَا لِلْخُرُوْجِ فَخُذْ اِحْدٰهُمَا قَالَ قَدْ اَخَذْتُهَا بِالثَّمَنِ

(بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ایسے دن بہت کم آئے جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صبح وشام میں سے کسی نہ کسی وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف نہ لائے ہوں، پھر جب آپ کو مدینہ ہجرت کی اجازت ہوئی تو آپ (صبح وشام آنے کے معمول کے خلاف) ظہر کے وقت ہمارے گھر تشریف لائے۔ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آپ کی آمد کی اطلاع دی گئی تو آپ نے فرمایا کہ اس وقت جو لوگ تمہارے پاس ہوں انہیں ہٹا دو۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! یہاں تو صرف میری یہی دو بیٹیاں ہیں۔ یعنی عائشہ اور اسماء رضی اللہ عنہما۔ اب آپ نے فرمایا کہ تمہیں معلوم بھی ہے، مجھے ہجرت کی اجازت مل گئی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میں بھی ساتھ

رہوں گا۔ فرمایا، ہاں تم بھی ساتھ رہو گے۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ میرے پاس دو اونٹنیاں ہیں۔ جنہیں میں نے ہجرت ہی کی نیت سے تیار کر رکھا تھا۔ آپ ان میں سے ایک لے لیجئے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیمت کے بدلے میں نے ایک اونٹنی لے لی۔

فوائد و مسائل عنوان سے مطابقت اس حدیث کی اس طرح ہے کہ عنوان کا پہلا جز یہ ہے فوضعه عند البائع اور حضور علیہ السلام نے حضرت ابوبکر سے فرمایا۔ قد اخذتها میں نے یہ اونٹنی خرید لی تو حضور نے وہ اونٹنی حضرت ابوبکر (جو کہ بائع تھے) ان کے پاس ہی رہنے دی ــــ عنوان کے دوسرے جز سے حدیث زیر بحث کی مطابقت فبطریق الاعلام بان حکم الموت قبل القبض حکم الوضع عند البائع قیاسا علیه (عینی) ۲۔ لقل یوم ـ قل فعل ماضی ہے بمعنی نفی۔ لام جواب ہے قسم محذوف کا تواب معنیٰ یہ ہوں گے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا کہ روزانہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں جلوہ ریز ہوتے۔

حضرت صدیق اکبر پر حضور کا کرم خاص ۲۔ لقل یوم لام جواب ہے قسم محذوف کا۔ قل فعل ماضی ہے بمعنی نفی۔ عبارت یوں بنے گی۔ ما یاتی یوم علیه الا یاتی فیه بیت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنه ــــ یعنی کوئی دن ایسا نہ آتا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں جلوہ ریز نہ ہوتے۔ یہ حضور کا حضرت صدیق اکبر پر خاص کرم تھا کہ حضور ان کے مکان پر ہر روز تشریف لے جاتے تھے (۳) پھر جب حضور نے فرمایا۔ مجھے ہجرت کا حکم آگیا ہے۔ یہ سن کر حضرت صدیق اکبر نے سب سے پہلے صرف یہ عرض کیا۔ الصحبة یا رسول اللہ یا رسول اللہ مجھے بھی شرف ہم رکابی حاصل ہوگا؛ حضور نے جواب دیا۔ ہاں تم بھی ساتھ ہو گے۔

ہجرت کا واقعہ نبوت کا تیرھواں سال شروع ہوا۔ اکثر صحابہ مدینہ پہنچ گئے۔ قریش نے محسوس کیا کہ مدینہ جا کر مسلمان طاقت پکڑتے جا رہے ہیں۔ انہوں نے دار الندوہ میں قریش کے سرداروں کا اجلاس کیا اور مکمل غور و فکر و بحث کے بعد ابوجہل نے کہا کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک فرد منتخب کرو اور تمام مل کر حضور کا خاتمہ کر دو۔ اس صورت میں ان کا خون تمام قبائل میں بٹ جائیگا اور قبیلہ بنی ہاشم اکیلا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ اس تجویز پر عمل کرتے ہوتے منہ اندھیرے ہی حضور کے آستانہ کا محاصرہ کر لیا گیا اور حضور باہر آئیں تو حملہ کیا جائے۔ آپ کو کفار قریش کے ارادہ کی خبر تھی۔ حضرت علی کو بلایا۔ تم میرے پلنگ پر میری چادر اوڑھ کر سو رہو۔ میں آج مدینہ روانہ ہو جاؤں گا۔ حضور سے قریش کو اس درجہ عداوت، مگر اعتماد اتنا تھا کہ اپنی امانت حضور کے پاس رکھتے تھے۔ رات زیادہ گزر گئی تو حضور ابوبکر صدیق کو ساتھ لے کر جبل ثور کے غار میں پناہ گزین ہوئے۔ یہ غار آج بھی موجود ہے جو بوسہ گاہ خلائق ہے۔ حضرت ابوبکر سے ہجرت کے متعلق تین روز قبل ہی مشورہ ہو چکا تھا۔ تین راتیں غار میں گزریں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام بکریاں لاتا اور حضرت ابوبکر دودھ نکالتے۔ تین دن تک یہی غذا تھی۔ صبح کو قریش کی آنکھ کھلی تو بستر رسول پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو پایا پھر حضور کی تلاش میں غار کے دہانے تک پہنچے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی دشمن قریب آگئے۔ حضور نے فرمایا۔ لا تحزن ان اللہ معنا = گھبراؤ نہیں خدا ہم دونوں کے ساتھ ہے۔

فائدہ حدیث زیرِ بحث میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر آگیا ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بارگاہِ نبوت میں جو قرب حاصل تھا اس کا تقاضا یہی ہے کہ اس موقع پر ان کے دفترِ فضائل و مناقب کی ایک جھلک پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جائے۔

مقامِ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

حضرات خلفاءِ راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں اصدق الصادقین سید المتقین، امام العارفین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق و صداقت کی وہ مشعل تاباں ہیں جو حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات کے مظہر اتم اور آپ کی سیرت و کردار کے کامل نمونہ تھے آپ کا قلب تجلیات جمالِ نبوت کا ہر آن جلوہ گاہ بنا رہا اور آپ نے آفتاب نبوت سے بے واسطہ فیض حاصل کیا۔

آپ کا نامِ نامی اسم گرامی عبد اللہ صدیق و عتیق لقب اور کنیت ابوبکر ہے۔ حاکم، ابنِ سعد اور ابو یعلیٰ نے روایت کیا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ہمراہ ایک مکان میں جلوہ فرما تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا:۔

مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی عَتِیْقٍ مِّنَ النَّارِ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ "جسے زمین پر دوزخ سے آزاد کئے ہوئے دیکھنا ہو وہ ابوبکر کو دیکھ لے"

آپ کا دوسرا لقب صدیق ہے اسلام سے قبل بھی آپ کا صدق مشہور تھا قبائلِ عرب آپ کی دیانت و امانت اور حسنِ معاملہ کے معترف تھے حضرت قتادہ فرماتے ہیں صبح شبِ معراج سے آپ لقبِ صدیق سے ممتاز ہوئے کفار نے جب واقعہ معراج سنا تو حضرت صدیق اکبر کے پاس آئے کہنے لگے اب حضور کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے آپ نے فرمایا:۔

لَقَدْ صَدَقَ وَاِنِّیْ لَاُصَدِّقُہٗ (حاکم و مستدرک) "حضور نے سچ فرمایا اور میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔"

سعید ابنِ منصور نے اپنی سنن میں حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا کہ حضور علیہ السلام معراج سے واپسی پر مقام ذی طویٰ میں پہنچے تو آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا، میری قوم میری تصدیق نہیں کرے گی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا، ابوبکر تصدیق کریں گے کیونکہ وہ صدیق ہیں۔

جناب امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں:۔

اِنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ اِسْمَ اَبِیْ بَکْرٍ مِّنَ السَّمَآءِ الصِّدِّیْقَ "خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے ابوبکر کا نام صدیق آسمان سے نازل فرمایا"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے مزید فرمایا:۔

"ابوبکر وہ شخصیت ہیں جن کا نام اللہ تعالیٰ نے بزبانِ جبرئیل علیہ السلام و بزبانِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم صدیق رکھا وہ نماز میں حضور اکرم علیہ السلام کے خلیفہ تھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں

ہمارے دین کے لئے پسند فرمایا تو ہم اپنی دنیا کے لئے ان سے راضی ہیں" (حاکم مستدرک)

مکہ کے پہاڑ ثبیر پر حضور علیہ السلام حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ہمراہ جلوہ فرما تھے۔ پہاڑ لرزنے لگا، حضور علیہ السلام نے پہاڑ پر ٹھوکر ماری اور اسے مخاطب کر کے فرمایا:۔

أُسْكُنْ ثَبِيرُ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَصِدِّيقٌ وَشَهِيدَانِ "اے پہاڑ ٹھہر جا اس وقت تجھ پر نبی، صدیق اور دو شہید عمر و عثمان ہیں"

سبحان اللہ! جس ہستی مقدس کو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم صدیق قرار دیں اس کے صدیق ہونے میں کسے شبہ ہو سکتا ہے؟ حضور علیہ السلام کی زبان تو مرضی الٰہی کی ترجمان ہے۔

نبوت کے بعد درجہ بھی صدیق ہی کا ہے مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ لہٰذا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا صدیق ہونے کی بنا پر خلیفہ بلافصل ہونا اور افضل امت ہونا بالکل واضح ہے۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں مرض وفات میں حضور علیہ السلام نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اپنے باپ ابوبکر کو اور اپنے بھائی عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہم کو بلالو تاکہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حق میں ایک حکم نامہ لکھوا دوں:۔

فَإِنِّي أَخَافُ أَنْ يَتَمَنَّى مُتَمَنٍّ وَيَقُولُ قَائِلٌ أَنَا وَلَا يَأْبَى اللّٰهُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَّا أَبَا بَكْرٍ

"مجھے ڈر ہے کہ کوئی تمنا کرنیوالا تمنا کرے اور کہنے والا کہے کہ میں مستحق (خلافت) ہوں اور اللہ تعالےٰ اور مومنین نہیں چاہتے مگر ابوبکر کو"

حکیم الامت حضرت علامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ العزیز نے خلفاء راشدین کی اسلام میں آئینی و دستوری حیثیت کو ان لفظوں میں بیان فرمایا ہے:۔

"ایام خلافت تتمۂ ایام نبوت بودہ است گویا در ایام نبوت حضرت پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم تصریحاً بزبان اقدس مے فرمود و در ایام خلافت ساکت نشستہ بدست و سر اشارہ میفرماید۔ (ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۲۵)

"خلافت راشدہ کا دور دور نبوت کا تتمہ تھا گویا دور نبوت میں حضور علیہ السلام صراحتہً زبان اقدس سے (احکام شرع) بیان فرماتے تھے اور دور خلافت میں حضور خاموشی سے جلوہ فرما سر اور ہاتھ کے اشاروں سے سمجھاتے ہیں"

حضرت ابوبکر صدیق ہیں۔ حضرت امام باقر کا ارشاد

عروہ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوجعفر محمد بن علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تلوار کا قبضہ چاندی کا بنوانا جائز ہے؟ آپ نے جواب دیا جائز ہے کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنی تلوار کا قبضہ چاندی کا بنوایا تھا۔ عروہ نے کہا آپ بھی ابوبکر کو صدیق کہتے ہیں؟

فَوَثَبَ وَثْبَةً وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَقَالَ نِعْمَ الصِّدِّيْقُ نِعْمَ الصِّدِّيْقُ نِعْمَ الصِّدِّيْقُ فَمَنْ لَمْ يَقُلْ لَہُ الصِّدِّيْقُ فَلَا صَدَّقَ اللّٰہُ لَہٗ فِی الدُّنْیَا وَلَا فِی الْاٰخِرَۃِ ۔ (کشف الغمہ ۲۲۲)

"اس پر امام باقر اپنی جگہ سے اچھلے اور کعبہ کی طرف چہرہ کر کے فرمایا کیا اچھے صدیق تھے کیا اچھے صدیق تھے کیا اچھے صدیق تھے۔ جو شخص ابوبکر کو صدیق نہ کہے خدا اس کی دنیا و آخرت میں تصدیق نہ کرے"

اس روایت سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں :۔

۱۔ حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ کی زبان فیض ترجمان سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا صدیق ہونا اور صدیق کا تمام امت سے افضل ہونا لازم آتا ہے کیونکہ قواعد مقررہ منصوصہ قرآن سے ثابت ہے کہ انبیاء کے بعد مرتبہ صدیقین کا ہے اور صدیق تمام امت سے افضل ہوتا ہے۔

۲۔ سائل کے سوال کا ہاں یا نہیں میں جواب دے دینا کافی تھا مگر حضرت امام باقر نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فعل کو دلیل بنا کر جواب دیا جس سے واضح ہوا کہ امام باقر رضی اللہ عنہ کے نزدیک مسائل کا شرعی فیصلہ کرنے کے لئے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قول و عمل حجت و سند کی حیثیت رکھتا ہے۔

۳۔ حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ ان کے لقب صدیق کا بھی ذکر فرمایا حالانکہ صرف نام لینا ہی کافی تھا جس سے واضح ہوا کہ حضرت امام باقر کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ایسی محبت و عقیدت تھی کہ آپ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لقب صدیق کے بغیر ان کا نام لینا گوارا نہ ہوا۔

۴۔ جب امام باقر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر کو صدیق کہا تو سائل کو تعجب ہوا اس نے امام سے سوال کیا آپ بھی ابوبکر کو صدیق کہتے ہیں؟ اس پر امام کو اس قدر غصہ آیا کہ آپ اپنی جگہ سے اچھل پڑے اور تین مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صدیق ہونے کو بیان فرمایا نہ صرف یہ بلکہ یہاں تک فرما دیا کہ جو ابوبکر کو صدیق نہ کہے دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ اس کی تصدیق نہیں کرے گا۔

علامہ طبری آیۂ مبارکہ وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۔ کی تفسیر میں لکھتے ہیں :۔

اَلَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ (رَسُوْلُ اللّٰہِ) وَصَدَّقَ بِہٖ (اَبُوْبَکْرٍ) (تفسیر مجمع البیان)

"حق و صداقت کو لانے والے سے مراد حضور علیہ السلام کی ذات ہے اور اسکی تصدیق کرنے والے سے ابوبکر مراد ہیں"

افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اہل سنت و الجماعت کا اجماع ہے کہ انبیاء کرام کے بعد سب سے افضل و برتر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ :۔

کُنَّا فِیْ زَمَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا نَعْدِلُ بِاَبِیْ بَکْرٍ اَحَدًا "ہم حضور کے زمانہ میں کسی کو حضرت ابوبکر کے برابر شمار نہیں کرتے تھے"

کُنَّا نَقُوْلُ وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَیٌّ اَفْضَلُ اُمَّۃِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعْدَہٗ اَبُوْبَکْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ

"ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں یہ کہتے تھے کہ حضور کے بعد امت میں سب سے افضل ابوبکر ہیں، پھر عمر پھر عثمان رضی اللہ عنہم"

چاندنی رات تھی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حریم عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں جلوہ فرما تھے ایسے میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ عفیفہ طیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی یا رسول اللہ آسمان کے ستاروں جتنی بھی کسی کی نیکیاں ہیں؟ حضور نے جواب دیا ہاں عمر کی ہیں، عرض کی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نیکیوں کی کیا کیفیت ہے حضور نے فرمایا:-

جَمِيعُ حَسَنَاتِ عُمَرَ كَحَسَنَةٍ وَاحِدَةٍ مِنْ حَسَنَاتِ أَبِي بَكْرٍ "عمر کی تمام نیکیاں ابوبکر کی ایک نیکی کے برابر ہیں"

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہر نبی کے دو وزیر آسمان کے فرشتوں میں سے اور دو وزیر زمین والوں میں سے ہوتے ہیں فرشتوں میں میرے دو وزیر جبرائیل و میکائیل علیہ السلام ہیں

أَمَّا وَزِيرَايَ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ فَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ "اور اہل زمین سے میرے دو وزیر ابوبکر و عمر ہیں"

حضرت شیرِ خدا علی مرتضیٰ کا فیصلہ

امیر المومنین سیدنا علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنے مکتوب بنام امیر معاویہ میں تحریر فرمایا:-

وَكَانَ أَفْضَلُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ كَمَا زَعَمْتَ وَأَنْصَحُهُمْ لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ الْخَلِيفَةُ الصِّدِّيقُ وَخَلِيفَةُ الْخَلِيفَةِ الْفَارُوقُ وَلَعَمْرِي إِنَّ مَكَانَهُمَا فِي الْإِسْلَامِ لَعَظِيمٌ وَإِنَّ الْمُصَابَ بِهِمَا لَجَرْحٌ فِي الْإِسْلَامِ شَدِيدٌ يَرْحَمُهُمَا اللّٰهُ وَجَزَاهُمَا بِأَحْسَنِ مَا عَمِلَا۔

"اور اسلام میں سب سے افضل اور اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اخلاص رکھنے میں سب سے بڑھ کر (جیسا کہ تم نے بیان کیا) خلیفہ صدیق ہیں اور خلیفہ کے خلیفہ فاروق ہیں مجھے اپنی جان کی قسم تحقیق ان دونوں کا مقام اسلام میں بڑا ہے اور بہ تحقیق ان کی وفات سے اسلام کو سخت زخم لگا اللہ تعالیٰ ان دونوں پر رحمت نازل فرمائے اور ان کو ان کے اچھے کاموں کا ثواب عطا فرمائے" (شرح نہج البلاغۃ لابن میثم مطبوعہ ایران ج ۳)

حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:-

لَسْتُ بِمُنْكِرٍ فَضْلَ أَبِي بَكْرٍ وَلَسْتُ بِمُنْكِرٍ فَضْلَ عُمَرَ وَلٰكِنْ أَبُو بَكْرٍ أَفْضَلُ مِنْهُ

"میں ابوبکر اور عمر کے فضائل کا منکر نہیں ہوں لیکن ابوبکر عمر سے افضل ہیں" (احتجاج طبرسی ص ۲۰۴)

حضرت امام جعفر صادق کا ارشاد

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے حق میں فرماتے ہیں:-

هُمَا إِمَامَانِ عَادِلَانِ قَاسِطَانِ كَانَا عَلَى الْحَقِّ وَمَاتَا عَلَى الْحَقِّ فَعَلَيْهِمَا رَحْمَةُ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

"یہ دونوں امام ہیں عادل انصاف کرنے والے دونوں حق پر تھے حق پر ہی ان کا انتقال ہوا ان دونوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو"

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے واضح ہوا کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما امام اور خلیفہ برحق تھے۔ وہ عادل اور منصف تھے وہ حق پر تھے اور وفات تک حق پر رہے وہ قیامت کے دن مستحق رحمت الٰہی ہیں۔ ظاہر ہے خلیفہ برحق وہی ہو سکتا ہے جو غاصب و خائن نہ ہو اور رحمت الٰہی کا مستحق بھی وہی ہوتا ہے جو ایمان و تقویٰ میں کامل و مکمل ہو۔ غرضیکہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے ان تمام مطاعن کا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق بیان کئے جاتے ہیں قلع قمع ہو گیا۔

تفسیر حضرت امام عسکری (رضی اللہ عنہ) میں زیر سورۃ بقر لکھا ہے کہ حضور سید عالم نورِ مجسم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:-

جَعَلَكَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ السَّمْعِ وَالْبَصَرِ وَالرَّأْسِ مِنَ الْجَسَدِ وَبِمَنْزِلَةِ الرُّوْحِ مِنَ الْبَدَنِ (منتہی الکلام)

"بالیقین اللہ تعالیٰ نے تم کو بمنزلہ میرے سمع و بصر کے کیا ہے اور میرے ساتھ تم کو وہ نسبت ہے جو سر کو جسم سے اور روح کو بدن سے ہوتی ہے۔"

حضرت امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ کے اس تفسیری نوٹ سے واضح ہوتا ہے کہ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ فنا فی الرسول کے درجہ پر فائز تھے۔ حضور کے ساتھ ان کو جو محبت و عقیدت تھی وہ یک جان دو قالب کی حیثیت اختیار کر گئی تھی — اہلِ عشق و محبت ہی حضور کے مذکورہ بالا کلمات طیبات کی عظمت کا احساس کر سکتے ہیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنی "سمع و بصر" اور جانِ دل قرار دے کر آپ کے افضلِ امت ہونے کی ایسی نشاندہی فرمائی ہے جس سے انکار کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت حق ہے۔ شیعہ حضرات کے اکابرین میں سے ملا مجلسی نے تذکرۃ الائمہ میں صحابہ کرام کی تعداد چار لاکھ بتائی ہے اور علامہ شریف مرتضیٰ نے بحار الانوار کی جلد سوم میں یہ تصریح کی ہے کہ تمام مسلمانوں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت و امامت کو دل کی گہرائیوں سے تسلیم کیا اور برضا و رغبت بلا جبر و کراہ آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔

"جمیع مسلمانان با ابوبکر بیعت کردند و اظہار رضا و خوشنودی با دو سکون و اطمینان بسوئے اونمودند و گفتند کہ مخالف او بدعت کنندہ و خارج از اسلام است"۔

"تمام مسلمانوں نے برضا و رغبت خود سکونِ قلبی کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور کہا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مخالف بدعتی اور اسلام سے خارج ہے"۔

یہ ہے خلافتِ صدیقی کے حق و صواب ہونے کے متعلق چار لاکھ مسلمانوں کا فیصلہ جن میں مہاجرین و انصار اور بنی ہاشم اور اہلِ بیتِ نبوت بھی شامل تھے۔

مزاجِ شناسِ رسول امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے فضل و کمال کے مظہرِ اتم تھے اس لئے آپ مزاج شناسِ رسول کے منصبِ رفیع پر فائز تھے یہی وجہ ہے کہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے اسرار و معارف سب سے زیادہ سمجھنے والے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی تھے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نے ایک دن اپنے خطبہ میں فرمایا اللہ تعالے نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا خواہ وہ دنیا کو اختیار کرے یا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے اسے اختیار کر لے تو اس بندے نے وہ اختیار کیا جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے یہ سن کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ رونے لگے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حیران تھے کہ ابو بکر کیوں رونے لگے، آخر اس میں رونے کی بات ہی کیا ہے ؟ لیکن بعد میں ہمیں معلوم ہوا اس بندے سے مراد حضور علیہ السلام کی ذاتِ پاک تھی اور اس خطبہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی وفات کی خبر دی تھی جس کو صحابہ میں سے کوئی نہ سمجھ سکا صرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کلماتِ نبوی کی رمز کو سمجھا اور رونے لگے۔

وَكَانَ اَبُوْبَكْرٍ اَعْلَمَنَا فَقَالَ يَا اَبَا بَكْرٍ لَا تَبْكِ، اِنَّ اَمَنَّ النَّاسِ عَلَيَّ فِيْ صُحْبَتِهٖ وَمَالِهٖ اَبُوْبَكْرٍ وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ اُمَّتِيْ خَلِيْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَا بَكْرٍ وَلٰكِنْ اُخُوَّةُ الْاِسْلَامِ وَمَوَدَّتُهٗ لَا يَبْقَيَنَّ فِي الْمَسْجِدِ بَابٌ اِلَّا سُدَّ اِلَّا بَابُ اَبِيْ بَكْرٍ۔ (بخاری)

"اور ابو بکر ہم سب میں زیادہ علم رکھتے تھے پھر حضور نے فرمایا ابو بکر مت روؤ، تمام لوگوں میں کسی کے مال اور رفاقت کا احسان مجھ پر اتنا نہیں جتنا ابو بکر کا ہے اور اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کو بناتا مگر اسلامی محبت و اخوت ہے مسجد کی طرف کسی کا دروازہ باقی نہ رہے مگر اس کو بند کر دیا جائے سوائے ابو بکر کے دروازے کے"

یہ حدیث حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دفتر فضائل کا گنجینہ ہے۔

صحابہ کرام حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سب سے زیادہ عالم مانتے اور جانتے تھے خُلت سے مراد وہ دوستی ہے جو صرف عابد و معبود کے درمیان ہو سکتی ہے مطلب حدیث کا یہ ہے کہ پوری امت میں صرف ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی لائق خلت تھے مگر میرا خلیل صرف اللہ تعالے ہے۔

زبانِ رسالت کے اس اعلان کی عظمت پر غور کیجئے "مجھے صدیق کے مال نے جو نفع دیا کسی کے مال نے نہیں دیا"

حضرت صدیق اکبر کے حق میں حضور علیہ السلام کے یہ کلماتِ طیبات آپ کے مخلص نیاز مند اور جاں نثار ہونے کی ایسی کھلی ہوئی گواہی ہے کہ جس کا انکار آفتاب و مہتاب کے انکار کے مترادف ہے۔

اشاعت و استحکام کے لئے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ایثار

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام میں سب سے زیادہ جواد اور سخی تھے آپ نے اپنے تمام وسائل کو اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا آپ اسلام کی اشاعت و استحکام کے لئے بے دریغ خرچ کرتے تھے نومسلم غلاموں اور مسلمان اسیروں کو کفار کے پنجۂ ظلم سے آزاد کراتے تھے اور اس کام کے لئے بے مثال مالی ایثار سے کام لیتے تھا اسلام کے لئے آپ کی فیاضی و سخاوت اور قربانی کی عظمت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ خود خالق کائنات نے آپ کے مالی ایثار کو قرآن مجید میں بیان فرما کر اس کے مقبول و محمود ہونے کی سند عطا فرمادی ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی کی نیکی قبول فرماتا ہے جو مومن مخلص ہو، علامہ طبری مجمع البیان میں لکھتے ہیں :-

عَنِ ابْنِ الزُّبَیْرِ قَالَ اِنَّ الْاٰیَةَ نَزَلَتْ فِیْ اَبِیْ بَکْرٍ لِاَنَّہٗ اِشْتَرَی الْمَمَالِیْکَ الَّذِیْنَ اَسْلَمُوْا مِثْلَ بِلَالٍ وَعَامِرِ بْنِ فُہَیْرَۃَ وَغَیْرِہِمْ وَاَعْتَقَہُمْ "آیت الذی یؤتی مالہ یتزکی حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے حق میں نازل ہوئی جب کہ وہ اسلام لانے والے غلاموں کو خرید کر اللہ کی راہ میں آزاد فرما دیتے تھے"

قرآن مجید کی جس آیت کا شان نزول علامہ طبرسی نے بیان کیا ہے وہ آیت مبارکہ یہ ہے :-

وَسَیُجَنَّبُہَا الْاَتْقَی الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَہٗ یَتَزَکّٰی وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَہٗ مِنْ نِّعْمَۃٍ تُجْزٰٓی اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْہِ رَبِّہِ الْاَعْلٰی ـ

"اور بہت اس سے دور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیزگار جو اپنا مال دیتا ہے کہ ستھرا ہو اور کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے جو سب سے بلند ہے بے شک قریب ہے کہ وہ راضی ہوگا"

جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو گراں قدر قیمت پر خرید کر آزاد کر دیا تو کفار کو اس پر تعجب ہوا، انہوں نے کہا صدیق اکبر نے بلال کو اس لئے آزاد کیا کہ شاید بلال کا ان پر کوئی احسان ہوگا اس پر یہ آیۂ مبارکہ نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اعلان فرما دیا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ فعل محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہے کسی کے احسان کا بدلہ نہیں اور نہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر بلال رضی اللہ عنہ کا کوئی احسان ہے ۔ غور کیجئے اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اس نیکی کو قرآن مجید میں اعلان فرما دیا اور نیکی اسکی مقبول ہوتی ہے جو مخلص مسلمان ہو اس آیت سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی یہ خصوصیت ثابت ہوئی کہ جو شخص ان کے مخلص مسلمان ہونے کا انکار کرے وہ قرآن کا منکر قرار پائے گا ۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی یہ خصوصیت بھی بہت ہی پرعظمت ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے آپ کی خدمات اور ایثار و قربانی کا اعتراف فرمایا حضور نے فرمایا:-

امن الناس

مَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَحَدٍ قَطُّ مَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَبِیْ بَکْرٍ (ترمذی) "مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں دیا جتنا ابوبکر کے مال نے نفع دیا"

یہ شرف بھی جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی کو حاصل ہے کہ آپ کو حضور سے بے پناہ محبت تھی اور حضور کے لئے آپ نے جس ایثار و قربانی کا مظاہرہ فرمایا کوئی شخص قصد و ارادہ کے باوجود اس معاملہ میں آپ پر سبقت نہیں لے جا سکتا تھا چنانچہ حضرت عمر فرماتے ہیں :-

"حضور نے ہمیں صدقہ کا حکم دیا تو میں نے خیال کیا کہ آج میں ابوبکر رضی اللہ عنہ پر سبقت لے جاؤں گا تو میں نے اپنے مال کا نصف حصہ حضور کی خدمت میں پیش کر دیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تم نے اپنے اہل و عیال کے لئے کیا چھوڑا میں نے جواب دیا اسی کی مثل یعنی نصف :-

وَاَتٰی اَبُوْبَکْرٍ بِکُلِّ مَا عِنْدَہٗ فَقَالَ یَا اَبَا بَکْرٍ مَا اَبْقَیْتَ لِاَھْلِکَ فَقَالَ اَبْقَیْتُ لَھُمُ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ قُلْتُ لَا اَسْبِقُہٗ عَلٰی شَیْءٍ اَبَدًا۔

"اور حضرت ابوبکر نے اپنا تمام سرمایہ حضور کی خدمت میں پیش کر دیا، حضور نے پوچھا اپنے اہل و عیال کے لئے کیا رکھا؟ عرض کی ان کے لئے اللہ و رسول ہی بس ہے میں نے کہا کہ میں کبھی صدیق اکبر سے کسی بات میں بھی سبقت نہیں لے جا سکتا" ؎

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس (اقبالؒ)

اس پر حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے رو کر عرض کی :-

ھَلْ اَنَا وَمَالِیْ لَکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ (صلی اللہ علیک وسلم)

"یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں اور میرا مال آپ کا ہی تو ہے ۔"

حضور سید عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

مَا لِاَحَدٍ عِنْدَنَا یَدٌ اِلَّا وَقَدْ کَافَیْنَاہُ مَا خَلَا اَبَا بَکْرٍ فَاِنَّ لَہٗ عِنْدَنَا یَدًا یُکَافِیْہِ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔

"جس کسی نے مجھ پر کوئی احسان کیا تو اس کا بدلہ ہم نے دنیا ہی میں دے دیا ابوبکر کے کہ ان کی خدمات کا ثواب انہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔"

"آں امن الناس بر مولا ... آں کلیم اول سینائے ما

ہستی او کشتِ ملت را چوں ابر ثانیٔ اسلام و غار و بدر و قبر !

امام العارفین حضرت شیخ یحییٰ منیری قدس سرہ العزیز مکتوبات میں حضور علیہ السلام سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی محبت و عقیدت کو یوں بیان فرماتے ہیں :۔

"کسی نے حضرت شبلی علیہ الرحمہ سے امتحاناً سوال کیا کہ زکوٰۃ کتنی مالیت پر واجب ہوتی ہے ؟ حضرت شبلی نے کہا جواب مسلکِ فقہا پر چاہتے ہو یا مسلکِ فقرا پر ؟ سائل نے عرض کی دونوں پر ، فرمایا فقہا کے مذہب پر ایک سال گزرنے پر دو سو درہم میں سے پانچ درہم زکوٰۃ واجب ہے اور مذہب فقرا پر پورے دو سو درہم کے ساتھ اپنی جان بھی پیش کرنی ضروری ہے سائل نے کہا اس کی دلیل ؟ آپ نے جواب دیا :۔

" ما ایں مذہب از صادق رب العلمین گرفتیم یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ او ہر چہ داشت بہ پیش سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نہاد۔ و جگر گوشۂ عائشہ را بشکرانہ داد (مکتوبات یحییٰ منیری ص۳۴)

" ہم نے یہ مذہب صادق رب العالمین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے حاصل کیا ہے آپ کے پاس جو کچھ مال و زر تھا سب کا سب رسول کریم علیہ السلام کے حضور پیش کر دیا اور اپنی جگر گوشہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو شکرانہ میں حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دے دیا "

حضرت صدیق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مظہر اتم تھے

جب امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے افضل امت ہونے کی سب سے واضح دلیل یہ ہے کہ آپ کا سینہ حضور علیہ السلام کے علم و فضل کا خزینہ تھا اور آپ حضور کے علم و عرفان کے مظہر اتم تھے اللہ عزوجل نے حضور علیہ السلام کے سینۂ اقدس میں حقائق و معارف کی جو شعلیں روشن فرمائی تھیں حضور علیہ السلام نے اسے سینۂ صدیق میں ودیعت فرما دیا تھا ، غالباً حضرت شیخ فرید الدین عطار قدس سرہ العزیز نے اس مضمون کی حدیث کو یوں نظم فرمایا ہے ؎

ہر چہ حق ، از بارگاہِ کبریا ! ریخت در صدرِ شریف مصطفےٰ
آں ہمہ در سینۂ صدیق ریخت لاجرم لابد از و تحقیق ریخت

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سینہ کا نبوی علم و عرفان کا جلوہ گاہ ہونا آپ کے افضل امت ہونے کی واضح دلیل ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا :۔

لَمْ يَفْضُلْكُمْ اَبُوْبَكْرٍ بِكَثْرَةِ صَلَاتِهٖ وَلَا بِكَثْرَةِ صِيَامِهٖ وَاِنَّمَا هُوَ شَيْئٌ وُقِرَ فِيْ قَلْبِهٖ

"کثرت صوم و صلوٰۃ کے باعث صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو تم پر فضیلت نہیں بلکہ ایک خاص چیز کی وجہ سے فضیلت ہے جو خاص طور پر ان کے دل میں ڈالی گئی ہے "

حق یہ ہے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان ہی نرالی ہے اور ان کے فضل و شرف کا اعتراف کئے بغیر چارہ ہی نہیں ہے

ہے زمانہ معترف صدیق تری شان کا — صدق کا ایقان کا اسلام کا ایمان کا

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور کی حیات میں سترہ وقت کی نمازیں پڑھائیں

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امامت نماز کے لئے مقرر فرمایا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے متعدد بار عرض کی کہ ابوبکر رقیق القلب ہیں حضور علیہ السلام کو مصلی پر نہ پاکر ضبط نہ کرسکیں گے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو امامت کا حکم دیا جائے حضور علیہ السلام نے ہر بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی معذرت کو مسترد فرمادیا اور حکم دیا کہ :-

مُرُوْا اَبَا بَکْرٍ فَلْیُصَلِّ لِلنَّاسِ (بخاری ج۱ ص۹۲) "ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو حکم دو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں"

چنانچہ حضور کے وصال تک تمام نمازیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی نے پڑھائیں۔ امام بخاری علیہ الرحمہ نے جس عنوان کے ماتحت مذکورہ بالا مضمون کی حدیث ذکر کی ہیں اس کے الفاظ یہ ہیں :-

بَابُ اَہْلِ الْعِلْمِ وَالْفَضْلِ اَحَقُّ بِالْاِمَامَۃِ "جو علم وفضل میں سب سے بزرگ ہو وہی امامت کا حقدار ہے"

جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں تمام صحابہ کرام میں صرف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی علم و فضل اور تقوائے وطہارت میں سب سے زیادہ افضل وبرتر تھے اسی لئے حضور علیہ السلام نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امامت کے لئے منتخب فرمایا حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا :-

لَا یَنْبَغِیْ لِقَوْمٍ فِیْہِمْ اَبُوْبَکْرٍ اَنْ یَّؤُمَّہُمْ غَیْرُہٗ "کسی قوم کو یہ لائق نہیں ہے کہ ان میں ابوبکر ہوں اور امامت کوئی دوسرا کرے"

تاریخ طبری میں ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حیات نبوی میں تین دن نماز پڑھائی، مقتدیوں میں جلیل القدر صحابہ کے علاوہ امیر المومنین فاروق اعظم عثمان غنی علی مرتضی رضی اللہ عنہم سبھی تھے سب نے بلا چون وچرا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت میں نماز ادا کی۔

احتجاج طبرسی میں یہ تصریح ہے کہ علی مرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز ادا کی ہے۔

ثُمَّ قَامَ وَتَہَیَّأَ لِلصَّلٰوۃِ وَحَضَرَ الْمَسْجِدَ وَصَلّٰی خَلْفَ اَبِیْ بَکْرٍ (احتجاج طبری ص۵۳)

"حضرت علی کھڑے ہوئے، نماز کی تیاری کی، مسجد میں آئے اور حضرت ابوبکر کی اقتداء میں نماز ادا کی"

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پیر کے روز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتداء میں صف بستہ کھڑے تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے حجرہ کا پردہ اٹھایا اور ہمیں ملاحظہ فرمانے لگے۔

کَاَنَّ وَجْہَہٗ وَرَقَۃُ مُصْحَفٍ ثُمَّ تَبَسَّمَ یَضْحَکُ فَہَمَمْنَا اَنْ نَّفْتَتِنَ مِنَ الْفَرَحِ بِرُؤْیَۃِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ - (بخاری ج۱ ص۹۳)

"گویا کہ حضور علیہ السلام کا چہرۂ انور مصحف کا ورق ہے پھر حضور مسکرائے حضور کے دیدار سے ہمیں اتنی خوشی ہوئی کہ نماز چھوڑنے ہی کو تھے۔"

فَلَمَّا وَضَحَ وَجْهُ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم مَا نَظَرْنَا مَنْظَرًا كَانَ أَعْجَبَ إِلَيْنَا مِنْ وَجْهِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (بخاری ج ۱ ص ۹۴)

"جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا چہرۂ مبارک ظاہر ہوا تو کوئی منظر ہمیں حضور کے چہرۂ اقدس سے زیادہ حسین نظر نہیں آیا۔"

حضرت ابوبکر الٹے پاؤں پیچھے ہٹے، انہوں نے خیال کیا کہ حضور اکرم نماز پڑھانے کے لئے تشریف لانا چاہتے ہیں لیکن حضور علیہ السلام نے ہاتھ کے اشارہ سے فرمایا اپنی نماز پوری کرو اور پردہ گرادیا اور اسی دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔

حضور علیہ السلام کا اپنی حیات مقدس میں خصوصی طور پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین بنا کر اپنے مصلّٰی پر نماز پڑھانے کا حکم فرمانا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا وہ اعزاز ہے جس میں کوئی آپ کا شریک نہیں ہے پھر حضور اکرم کا پردہ اٹھا کر صدیق اکبر کی اقتداء میں صحابہ کرام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر تبسم فرمانا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ حضور علیہ السلام حضرت صدیق اکبر کی امامت وخلافت پر راضی تھے۔ حضور اکرم نے اپنے عمل سے امت پر یہ واضح فرمادیا کہ جب میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی امامت پر راضی ہوں تو تمہیں بھی بلا چون وچرا ان کی امامت پر راضی رہنا چاہیئے۔

صحابہ کرام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی عقیدت ومحبت تھی کہ بحالت نماز جب انہیں حضور اکرم کی زیارت ہوئی تو حضور کے دیدار وخوشی ومسرت میں ان کا یہ حال ہوا کہ نماز چھوٹنے ہی کو تھے۔

رفیق قبر وغار:۔ امیر المومنین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضل وشرف کی انتہا یہ ہے کہ آپ کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خصوصی اور امتیازی شرف صحبت ومصاحبت حاصل ہے آپ حضور کے رفیق قبر وحشر بھی ہیں اور رفیق غار بھی۔

۱۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام مسجد میں اس شان سے داخل ہوئے کہ آپ کے سیدھی طرف ابوبکر اور بائیں طرف عمر تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ پھر آپ نے فرمایا:۔

هٰكَذَا نُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (ترمذی) "قیامت کے دن بھی ہم اسی طرح اٹھائے جائیں گے۔"

۲۔ حضور علیہ السلام نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

أَنْتَ صَاحِبِي فِي الْغَارِ وَصَاحِبِي عَلَى الْحَوْضِ (ترمذی) "تم غار میں بھی میرے ساتھی تھے اور حوض کوثر پر بھی میرے ساتھ ہوگے۔"

۳۔ قرآن مجید میں ارشاد باری ہے:۔

إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ

كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۔ (التوبہ)

"اگر تم (رسول) کی مدد نہ کرو تو بے شک اللہ نے ان کی مدد فرمائی جب کافروں کی شرارت سے انھیں باہر تشریف لے جانا ہوا (ہجرت کرنی پڑی) صرف دو جان سے جب وہ دونوں غار میں تھے جب اپنے یار سے کہتے تھے غم نہ کھا بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے تو اللہ نے اس پر سکینہ اتارا اور ان فوجوں سے اس کی مدد فرمائی جو تم نے نہ دیکھیں اور کافروں کی بات نیچے ڈالی، اللہ ہی کا بول بالا ہے۔"

سورۃ توبہ کی یہ آیات حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی متعدد ایسی فضیلتوں اور عظمتوں کی آئینہ دار ہیں جن میں کسی ابہام وتشکیک کی گنجائش نہیں ہے اور یہ فضیلتیں اس نوع کی ہیں جو صرف اور صرف آپ کی ذات کے ساتھ خاص ہیں دیگر صحابہ بھی ان فضائل خصوصی میں آپ کے سہیم وشریک نہیں ہیں۔ ۱۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ثَانِيَ اثْنَيْنِ اور لِصَاحِبِهٖ (صاحب نبی) ہونے کے معزز ومکرم اعزاز سے نوازا ہے ظاہر ہے اس منصب رفیع کی حامل وہی شخصیت ہوسکتی ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص جاں نثار ہونے کے ساتھ ساتھ کامل الایمان بھی ہو۔ رسول کی نیابت وخلافت بلافصل کا سب سے زیادہ حقدار بھی ہو۔ اور نیابت رسول کے علم وحکمت کا جامع بھی ہو۔

لِصَاحِبِهٖ سے یہ واضح ہوا کہ حضرت صدیق اکبر کا صاحب رسول ہونا قرآن سے ثابت ہے اور حضرت صدیق اکبر کے صاحب رسول ہونے سے انکار کرنا قرآن سے انکار ہے۔

اسی لیے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مجلس صحابہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ہمیشہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ :۔

مَا سَبَقَكُمْ اَبُوْ بَكْرٍ بِصَوْمٍ وَلَا صَلٰوةٍ وَلٰكِنْ لِشَيْءٍ وُقِرَ فِيْ قَلْبِهٖ ۔	ابوبکر نے تم سے زیادہ نماز و روزہ ادا کرنے میں فوقیت حاصل نہیں کی بلکہ ان کی فوقیت کی وہ شے ہے جو ان کے دل میں ڈالی گئی ہے ۔
(مجالس المومنین مجلس سوم ص۷۹)	

اور خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت صدیق اکبر کے صاحب رسول ہونے کے اعزاز کے متعلق ان الفاظ سے وضاحت فرمائی ہے کہ اے صدیق تمہیں اللہ تعالیٰ نے بمنزلہ میرے سمع وبصر کے کیا ہے اور میرے ساتھ تم کو وہ نسبت ہے جو سر کو جسم سے اور روح کو بدن سے ہوتی ہے (تفسیر امام حسن عسکری ص۲۳۱)

اب غور کیجئے کہ جس ہستی کو حضور کی ذات اقدس سے ایسی بے مثل اور بے مثال نسبت حاصل ہو۔ اور جو بمنزلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سمع وبصر کے ہو۔ وہ انبیاء کرام کے بعد سب سے افضل وبرتر نہ ہوگا تو اور کون ہوگا؟

(۲) لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا کے الفاظ سے واضح ہے کہ غار ثور میں جو معیت ایزدی اللہ کا قرب خاص، اللہ تعالیٰ کا خاص فضل وکرم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے شامل حال تھا حضور کے صدقہ اور آپ کے وسیلہ سے سیدنا صدیق اکبر کو بھی یہ ہی معیت ایزدی حاصل تھی۔ اسی لیے مَعِيَ کی جگہ مَعَنَا فرمایا گیا۔ اور قرآن نے تصریح کی ہے کہ معیت ایزدی اللہ تعالیٰ کے محسن اور متقی بندوں کو نصیب ہوتی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ اور قرآن نے اس امر کی بھی نشاندہی کی ہے کہ اللہ تعالیٰ محسنین کے اجر وثواب کو ضائع نہیں فرماتا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ معلوم ہوا کہ حضرت صدیق اکبر متقی بھی ہیں اور محسن بھی معیت رسول بھی انہیں حاصل ہوئی اور معیت ایزدی بھی۔

اور یہ سب فضیلتیں اور عظمتیں انھیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی خدمت گزاری، وفادار ساتھی ہونے کے صلہ میں ملیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ محسنین کے اجر و ثواب کو ضائع نہیں کرتا

(۳) فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے غارِ ثور میں حضور کی معیت کے صلہ میں حضرت صدیق اکبر پہ سکینہ (حق و صداقت پہ قائم رہنے کی خصوصی اور خاص رحمت) نازل فرمائی اور سکینہ انھیں پر نازل ہوتا ہے جو کامل الایمان مخلص مومن اور تقویٰ کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہوں۔

(۴) علامہ عبدالجلیل قزوینی نے تصریح کی ہے کہ جب کفارِ مکہ نے حضور علیہ السلام کے قتل کا منصوبہ بنایا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم الٰہی حضرت صدیق اکبر کو اپنے ساتھ لیا۔

وبہمہ وجوہ رفتنِ محمد و بُردنِ ابوبکر بے فرمانِ خدا نہ بودُ (مجلس پنجم صـ۳۱)

ہر حال میں حضور کا ہجرت فرمانا اور ابوبکر صدیق کو ساتھ لینا حکمِ خدا کے بغیر نہ تھا۔

حضرت امام حسن عسکری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حضرت جبریل امین بحضورِ نبوی حاضر ہوئے عرض کی اللہ تعالیٰ آپ پر سلام بھیجتا ہے اور فرماتا ہے کہ ابوجہل اور جماعتِ قریش نے آپ کے قتل کا منصوبہ بنایا ہے۔

وَ اَمَرَکَ اَنْ تَسْتَصْحِبَ اَبَا بَکْرٍ (تفسیر حسن عسکری)

اور حکم دیا ہے کہ ابوبکر کو اپنا رفیقِ سفر بناؤ۔

ایسے خطرناک اور نازک موقع پہ اللہ تعالیٰ کا حضرت صدیق اکبر کو رفیقِ سفر بنانے کا حکم دینا حضرت صدیق اکبر کے مخلص وفادار، جاں نثار رسول ہونے کی واضح دلیل ہے۔

(۵) علامہ مومن کرمانی حملہ حیدری میں لکھتے ہیں شبِ ہجرت حضور صدیق اکبر کے گھر پہنچے وہ پہلے ہی ہجرت کے لئے تیار تھے۔ حضور نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیا۔ غارِ ثور کی طرف روانہ ہوئے۔ ابھی کچھ سفر طے ہوا تھا کہ حضور کے قدم مبارک زخمی ہو گئے۔ حضرت صدیق اکبر نے:۔

چوں رفتند چندیں بدامانِ دشت	قدومِ فلک سائے مجروح گشت
ابوبکر آنکہ و بدوشش گرفت	ولے زیں حدیث است جائے شگفت
کہ درکس قوت آمد پدید	کہ بارِ نبوت تواند کشید

(حملہ حیدری جلد اول صـ)

(ابھی کچھ سفر طے ہوا تھا کہ حضور کے قدم مبارک زخمی ہو گئے۔ حضرت صدیق اکبر نے حضور کو کندھوں پر اُٹھا لیا۔ سخت تعجب کی بات ہے کہ ایک شخص (ابوبکر) کے اندر ایسی قوت و طاقت کیسے پیدا ہو گئی کہ بارِ نبوت کا متحمل ہو گیا۔)

(۶) علامہ کرمانی مزید لکھتے ہیں کہ جب غارِ ثور نظر آئی تو اس غار میں پہلا قدم حضرت ابوبکر نے رکھا اور اپنی قبا چاک کر کے غار کے سوراخوں کو بند کیا۔ کُرتے کا کپڑا ختم ہو گیا۔ ایک سوراخ باقی رہ گیا۔ تو حضرت ابوبکر نے اس سوراخ کو اپنے پاؤں کی ایڑی سے بند کیا۔

در آمد رسولِ خدا ہم بغار
نشستند یکجا بہم ہر دو یار • (حملہ حیدری صـ۴ جلد ۱)

(پھر حضور غار میں داخل ہوئے اور دونوں یار یکجا جلوہ فرما ہوئے۔)

(۷) حملہ حیدری کے فاضل شیعی مصنف نے واقعہ ہجرت سے متعلق اپنے اشعار میں جن واقعات کو بیان کیا ہے ان ان سے مندرجہ ذیل حقائق نکھر کر سامنے آجاتے ہیں۔

(۸) حضور نبی کریم علیہ السلام نے اپنے محرم راز حضرت صدیق اکبر کو سفر ہجرت کے راز سے پہلے آگاہ کر دیا تھا۔ اور حضرت صدیق اکبر اس ساعت ہمایوں کے منتظر تھے کہ کب آسمان نبوت نیر اعظم ان کے غریب خانہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرماتے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر کو یہ خصوصی اعزاز بھی حاصل ہے کہ آپ نے حضور کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیا۔ علامہ کرمانی آپ کی اس فضیلت وعظمت پر حیران و پریشان ہیں کہ حضرت صدیق اکبر بار نبوت کے کیسے متحمل ہو گئے۔

(۹) غار میں پہلے حضرت ابوبکر داخل ہوئے اُسے صاف کیا۔ سوراخوں کو بند کیا۔ ایک سوراخ رہ گیا۔ اس پر اپنی انگلی رکھ دی کہ کوئی مُوذی چیز حضور کو تکلیف نہ پہنچا سکے۔

(۱۰) آخر سانپ نے حضرت صدیق اکبر کو ڈس لیا۔ اور حضرت صدیق اکبر نے جان کی پروا نہ کی۔

(۱۱) تین رات دن حضرت صدیق اکبر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار میں رہے۔ اور آفتاب نبوت کے انوار و برکات کا نظارا کرتے رہے۔ ہر سہ روز کھانا حضرت صدیق اکبر کے گھر سے آتا تھا۔ جسے حضور تناول فرماتے تھے۔ یہ خدمت حضرت ابوبکر کے فرزند بکمال خلوص ومحبت سرانجام دیتے تھے۔ اور کفار مکہ کے حالات کی اطلاع بھی دیتے تھے۔

(۱۲) پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر کے فرزند سے فرمایا:-

نبی گفت پس پسر بوبکر را — کہ اے چوں پدر اہل صدق وصفا

دو جمل باید کنوں راہوار — کہ مارا رساند بہ یثرب دیار

(اے وہ جو اپنے باپ کی طرح صاحب صدق وصفا ہے۔ دو تیز رفتار اونٹ درکار ہیں جو مدینہ طیبہ تک ہمیں پہنچا دیں)

چنانچہ بحضور نبوی دو اونٹ حاضر کیے گئے اور چوتھے روز حضور غار سے باہر تشریف لائے ؎

نشست از بر اشتر آں شاہ دین — بوبکر را کرد باخود قرین

(ایک اونٹ پر شاہ دین سوار ہوئے۔ آپ نے اپنے پیچھے حضرت صدیق اکبر کو بٹھایا۔) اور دوسرے اونٹ پر چرواہا عامر سوار ہو گیا۔ اور حضور عازم مدینہ طیبہ ہوئے۔ واقعہ ہجرت کے ان واقعات وحقائق پر (جنھیں شیعی فاضل نے بیان کیا ہے)، غور کیجئے کہ حضرت امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دفتر فضائل کی عظمت و رفعت کی کیا کیفیت ہے ؎

خواجہ اول کہ اول یار اوست — ثانی اثنین اذ ہما فی الغار اوست

تفسیر امام حسن عسکری کی تصریحات:- تفسیر حضرت امام حسن عسکری رضی اللہ تعالیٰ عنہ زیر آیت سورۂ بقرہ لکھا ہے:-

وامرك ان تستصحب ابابكر فانه ان انسك وساعدك وازرك وثبت على تعاهدك وتعاقدك كان فى الجنة من رفقائك وفى غرفاتها من خلصائك الى ان قال قال رسول الله صلى الله عليه

"اور ابوبکر کو اپنا رفیق بنائیے اگر وہ موانست کریں اور اپنے عہد پر قائم رہیں تو جنت میں بلکہ اعلیٰ علیین میں آپ کے رفیق ہوں گے حضور نے علی سے اس سلسلہ میں بات کی تو راضی ہو گئے، پھر ابوبکر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اے ابوبکر

علیہ وسلم لابی بکر ارضیت ان تکون معی یا ابا بکر تطلب کما اطلب وتعرف بانک انت الذی حملتنی علی ما ادعیہ فتحمل علی انواع العذاب قال ابو بکر یا رسول اللہ اما انا لو عشت عمر الدنیا وعذبت جمیعًا اشد عذاب لا ینزل علی موت مریح ولا فرح وکان ذلک فی محبتک لکان ذلک احب الی ان اتنعم فیہا وانا مالک لجمیع ممالیک ملوکھا فی مخالفتک وھل انا ومالی وولدی الا فداءک۔

کیا تم اس امر پر راضی ہو کہ اس سفر پر میرے ہمراہ رہو اور کفار قریش جیسے مجھے قتل کے لئے تلاش کریں اس طرح تمہارے قتل کے لئے بھی درپے ہوں اور یہ بھی مشہور ہو کہ ہجرت پر تم نے مجھے آمادہ کیا۔ اور میری رفاقت کی وجہ سے تم پر طرح طرح کے عذاب پہنچیں، حضرت ابوبکر نے عرض کی یا رسول اللہ! اگر آپ کی محبت میں قیامت تک سخت ترین بلاؤں میں گرفتار رہوں، یہ میرے لئے اس سے بہتر ہے کہ آپ کو چھوڑ کر دُنیا کی حکومت قبول کروں، حضور! میری جان ومال اہل وعیال آپ پر قربان۔"

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معروضات کے جواب میں حضور علیہ السلام نے انہیں مخاطب بنا کر فرمایا:۔

"اے ابوبکر! اللہ تعالیٰ نے تم کو بمنزلہ میرے سمع وبصر کے کیا ہے اور تم کو میرے ساتھ وہی نسبت ہے جو سر کو جسم سے اور رُوح کو بدن سے (تفسیر امام حسن عسکری)

دیکھئے! حضرت امام حسن عسکری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تصدیق فرما رہے ہیں کہ حضورؐ نے حضرت صدیق اکبر کو بحکم خدا اپنے ساتھ لیا جس سے واضح ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام صحابہ کرام میں صرف صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی اس نازک اور انتہائی خطرناک موقع پر سب سے زیادہ قابل اعتماد جاں نثارِ رسول تھے حضور نے بھی حضرت صدیق اکبر کو بمنزلہ سمع وبصر قرار دے کر ان کے جذبۂ محبت وعقیدت کی اور مخلص یار ہونے کی ڈگری دے دی، الغرض اس آیت سے حضرت صدیق اکبر کا رفیق نبوت، رفیقِ غار، مخلص جاں نثار، ثانی اثنین کے معزز ومحترم درجہ پر فائز ہونا، صحابیٔ رسول ہونا، ایسا کہ جو آپ کے صحابیٔ رسول ہونے کا انکار کرے اس کا منکرِ قرآن ہونا، اللہ تعالیٰ کا حضرت صدیق اکبر پر سکینہ نازل کرنا، حضور کا صدیق اکبر کو مخاطب بنا کر فرمانا غم نہ کھا، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ قرآنِ مجید کی وہ تصریحات ہیں جو کہ وہ صحابہ میں صرف اور صرف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے ساتھ خاص ہیں اور جن سے حضرت امیر المومنین صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مخلص مسلمان ہونا، خلیفۂ بلافصل ہونا اور افضلِ اُمت ہونا آفتابِ نیمروز سے زیادہ واضح ہے ؎

خاص اس سابقِ سیرِ قربِ خُدا — اوحدِ کاملیت پہ لاکھوں سلام
سایۂ مصطفےٰ مایۂ اصطفاء — عزّ ونازِ خلافت پہ لاکھوں سلام
یعنی اس افضل الخلق بعد الرسل — ثانی اثنین ہجرت پہ لاکھوں سلام
اصدقُ الصادقین سیّدُ المتقین
چشم وگوشِ وزارت پہ لاکھوں سلام

رفیقِ قبر:۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضور کے پہلو میں دفن ہونا بعدِ وفات بھی حضورؐ کی دائمی حضوری کا شرف پایا آپ کے ذوقِ محبت وعقیدت کی قبولیت اور آپ کے مخلص مسلمان ہونے کی کھلی ہوئی بُرہان ہے۔ علامہ جامی قدس سرہٗ العزیز شواہد النبوت میں تحریر فرماتے ہیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بوقت

وفات وصیت فرمائی تھی کہ مرنے کے بعد میرا جنازہ تیار کرکے روضۂ اقدس کے سامنے رکھ دینا اور حضورؐ سے حضور کے پہلو میں دفن کئے جانے کی اجازت چاہنا۔ اگر روضۂ اقدس سے اجازت مرحمت ہو جائے تو مجھے میرے رسول کے دامن رحمت میں دفن کر دینا بصورت دیگر مقابر مسلمین میں لے جانا جب حضور سے اجازت طلب کی گئی تو روضۂ اقدس سے آواز آئی۔
اُدْخُلُوا الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ ـــــــــ حبیب کو اس کے حبیب کے پاس رکھ دو

چنانچہ حضور کی صریح اجازت حاصل ہونے کے بعد پہلوئے نبوت میں آپ کو دفن کیا گیا ؎

تیرے ذوقِ محبت کو شرف اللہ نے یہ بخشا ۔۔۔ کہ حاصل ہے حضوری دائمی تجھ کو پیمبر کی

حضرت صدیق اکبرؓ خصوصی فضیلت

حضرت امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ خصوصیت بھی منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ اور اس فضیلت میں بھی آپ کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جس مقدس مٹی سے حضور سرور عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم منور کو بنایا۔ اسی کے قریب کی طیب وطاہر نورانی مٹی سے حضرت ابوبکر صدیق کے جسم اقدس کی ترکیب عمل میں آئی۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بات کتاب وسنت سے ثابت ہے اور مسلمانوں کے تمام طبقات اس پر متفق ہیں کہ آدمی جس جگہ کی مٹی سے پیدا کیا جاتا ہے اسی جگہ مرنے کے بعد دفن ہوتا ہے۔ سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اصول کافی میں یہی منقول ہے
(ترجمہ منقول ص۲۷۶)

وہ گنبد نورانی جسے گنبد خضریٰ سے موسوم کیا جاتا ہے جہاں آج سید المرسلین خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا جلوہ فرما ہیں وہیں حضور کے پہلو میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی دفن ہیں ---- وصال کے بعد بھی حضرت صدیق اکبر کا پہلوئے رسول میں جگہ پانا آپ کے مخلص عاشق رسول ہونے کی دلیل بھی ہے اور آپ کے عظیم وجلیل مرتبہ ومقام کی برہان بھی ہے ؎

پہلوئے مصطفےٰ میں بنا آپ کا مزار ۔۔۔ پہنچی وہاں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

ائمہ اہلبیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے منقول ہے کہ جو شخص حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حریم میں دفن ہو جائے۔ یعنی آپ کے مزار اقدس کے قرب میں اسے جگہ مل جائے وہ مغفور ہے تو جب حریم حسن میں دفن ہونے والے کا یہ اعزاز ہے تو وہ ہستی جو حریم رسول میں دفن ہے۔ اس کا کیا اعزاز واکرام ہوگا ؎

محبوب رب عرش ہے اس سبز قبہ میں ۔۔۔ پہلو میں جلوہ گاہ عتیق وعمر کی ہے
سعدین کا قران ہے پہلوئے ماہ میں ۔۔۔ جھرمٹ کئے ہیں تارے تجلی قمر کی ہے

تین چاند

حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خواب دیکھا تھا کہ ان کے حجرہ میں آسمان سے تین چاند اترے ہیں۔ اس کی تعبیر یہی قرار پائی کہ وہ تین چاند حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر وفاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں جو حجرۂ صدیقہ میں جلوہ فرما ہیں اور یہ حضرت صدیق اکبر کی مقدس اور طیب وطاہر صاحبزادی حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بھی عظیم وجلیل فضیلت ہے کہ ان کا حجرہ مبارک حضور اور آپ کے دو مقدس نائبوں کی جلوہ گاہ ہے۔

حضور کا ارشاد

حضور نبی کریم علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ مَا بَیْنَ بَیْتِیْ وَمِنْبَرِیْ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ۔ (میرے بیت (یعنی قبر مبارک) اور منبر مبارک کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے) اور اسی باغ جنت میں حضور علیہ السلام کے ساتھ آپ کے دونوں مقدس خلیفہ صدیق و فاروق رضی اللہ عنہم بھی ہیں۔ قربِ رسول اور معیتِ رسول کا ایسا عظیم وجلیل اعزاز عالمِ امکان میں امام صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اور کسی کو بھی حاصل ہے؟

فضائل ومناقب وخصائص صدیقی ایک نظر میں

۱۔ حضرت امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابتدا ہی سے شرک و کفر کی آلائشوں سے دُور و نفور رہے ہیں۔ آپ نے کبھی بُت کو سجدہ نہ کیا۔ چار برس کی عمر میں آپ کے والد ابو قحافہ آپ کو بُت خانے میں لے گئے۔ اور کہا: یہ ہیں تمہارے بلند و بالا خدا، انھیں سجدہ کرو۔ اس پر آپ نے بتوں کو مخاطب بنا کر فرمایا۔

"میں بھوکا ہوں، مجھے کھانا دے، میں ننگا ہوں، مجھے کپڑا دے، میں پتھر مارتا ہوں، اگر خدا ہے تو پھر اپنے آپ کو بچا۔"

وُہ بُت بھلا کیا جواب دیتے، آپ نے ایک پتھر اس کے مارا، جس کے لگتے ہی وہ گر پڑا اور قوت خداداد کی تاب نہ لا سکا۔ باپ نے یہ حالت دیکھی، انھیں بہت غصہ آیا۔ انھوں نے تھپڑ رخسارِ مبارک پر مارا اور وہاں سے آپ کی ماں اُمّ الخیر کے پاس لائے۔ سارا واقعہ بیان کیا۔ ماں نے کہا: اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ جب یہ پیدا ہُوا تھا تو غیب سے آواز آئی تھی:

یَا اَمَۃَ اللّٰہِ بِالتَّحْقِیْقِ اَبْشِرِیْ بِالْوَلَدِ الْعَتِیْقِ اِسْمُہٗ فِی السَّمَآءِ صِدِّیْقٌ لِمُحَمَّدٍ صَاحِبٌ وَّ رَفِیْقٌ۔

(قسطلانی شرح بخاری)

اے اللہ کی سچی لونڈی! تجھے مژدہ ہو، اس آزاد بچے کا۔ آسمانوں میں اس کا نام صدیق ہے۔ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا یار و رفیق ہے۔ میں نہیں جانتی کہ وُہ محمد کون ہیں اور کیا معاملہ ہے۔

اس وقت سے صدیق اکبر کو کسی نے شرک کی طرف نہ بلایا۔ یہ روایت خود صدیق اکبر نے مجلس اقدس میں بیان کی جب یہ بیان کر چکے، جبریل امین حاضر بارگاہ ہوئے، عرض کی:۔

صَدَقَ اَبُوْ بَکْرٍ وَّھُوَ الصِّدِّیْقُ۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سچ کہا اور وہ صدیق ہیں۔

۲۔ سیدنا امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق ہیں۔ قرآن پاک کی رُو سے نبیوں کے بعد صدیقوں کا درجہ ہے، پھر شہداء ہیں، پھر صالحین ہیں۔ جیسے حضور اکرم نبیوں اور رسولوں کے سرتاج ہیں۔ اسی طرح حضرت صدیق اکبر تمام صدیقوں میں ممتاز ترین ہیں۔ تقویٰ، جرأت، معاملہ فہمی، حربی قیادت، ایثار، سچائی، اولوالعزمی، دیانت، امانت، فیاضی، زُہد و ورع، جود وسخا، تواضع، علم قرآن و حدیث، اتباعِ سُنت، علمِ تعبیر و انساب، غرضیکہ تمام اعلیٰ اوصاف کے جامع ہیں۔

۳۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق مخلص اور جاں نثار، اور ذات و صفاتِ نبوی کے مظہر اتم ہیں۔ حضور علیہ السلام کے نائب مطلق، خلیفہ بلا فصل، مزاج شناس رسول ہیں۔ اظہارِ نبوت سے قبل بھی آپ حضور کے احباب میں سب سے مقدم تھے۔

۴۔ حضرت صدیق اکبر نے بعثتِ نبوی کے اوّل روز ہی سب سے پہلے بلا تردد و جھجک حضور کی نبوت کی تصدیق کی اس

وقت آپ کی عمر ۳۸ سال تھی خود حضورؐ نے فرمایا میں نے جس کسی کے سامنے اسلام پیش کیا اُس نے تامل ضرور کیا مگر ابوبکرؓ نے بغیر کسی تامل کے دعوت اسلام پر لبیک کہا۔ (بخاری)

۵۔ مردوں میں سب سے پہلے حضرت صدیقِ اکبر اسلام لائے۔ اور حضورؐ کے ساتھ سب سے پہلے نماز پڑھنے کا شرف بھی آپ ہی کو حاصل ہے۔ (استیعاب)

۶۔ آپ نے دو بار اپنی ساری دولت حضور علیہ السلام کے قدموں پر ڈال دی۔ ہجرت کے وقت اور جنگ کے موقع پر مکہ معظمہ میں متعدد غلاموں اور باندیوں کو جو اسلام لانے کی وجہ سے کفار کے ظلم و ستم کا شکار تھے خرید کر آزاد کر دیا۔ ان میں حضرت سیدنا بلالؓ بھی ہیں۔

۷۔ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے لئے زمین کی قیمت بھی حضرت صدیقِ اکبرؓ نے ادا کی حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ ابوبکر کے مال نے مجھے جتنا نفع پہنچایا کسی اور کے مال نے اتنا نہیں پہنچایا۔

۸۔ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور فدا کارانِ اسلام کو یہودیوں کی مکاریوں اور منافقین کی ریشہ دوانیوں سے واسطہ پڑا اور قریش مکہ اور یہودِ مدینہ کی پے در پے کوششوں کے نتیجے میں سارا عرب حضور کے مقابلہ میں اُٹھ کھڑا ہوا تو اس وقت حضرت ابوبکر ہی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ حضور کے خاص الخاص مشیر کے فرائض انجام دیتے اور ہر موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ سعادت و برکت میں صدیق اکبر نے ایک عاشقِ صادق کا بے مثال اور ایمان افروز کردار ادا کیا۔ مکہ میں قریش کے مظالم اور ان کی ایذا رسانیوں کے مقابلے میں وہی سینہ سپر ہوتے تھے۔ ہجرت کے انتہائی نازک موقع پر غارِ ثور سے مدینہ منورہ تک پوری جاں نثاری سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا حق ادا کیا۔

۱۰۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عشقِ رسولؐ ہی نے حضور علیہ السلام کے عظیم منصب "ختم نبوت" کا محافظ بنایا۔ آپ نے ناسازگار حالات کے باوجود ختم نبوت پر ڈاکہ ڈالنے والوں کو ناموسِ رسالت سے کھیلنے کی اجازت نہ دی۔ اور قیامت تک آنے والے عشاقِ رسولؐ کو حفاظتِ ختم نبوت کا سبق سکھایا۔ جن کذاب مدعیانِ نبوت کو آپ کے دور میں کچلا گیا۔ ان کے نام یہ ہیں۔ اسود عنسی، طلیحہ، مسیلمہ کذاب، سجاح بنت حارثہ تمیمہ۔

۱۱۔ حضرت علی فرماتے ہیں۔ سب سے زیادہ شجاع حضرت صدیق اکبر ہیں۔ بدر کی لڑائی میں حضور کی حفاظت کے لیے عریش (ایک محفوظ چھپر) بنایا گیا تھا۔ خدا کی قسم ہم میں سے کسی کو جرأت نہیں ہوئی کہ اس عریش کو کفار سے محفوظ رکھنے کے لئے سپر بن جائے۔ اس نازک اور خطرناک موقع پر صرف صدیق اکبر ہی تلوار کھینچ کر کھڑے ہوئے۔ جس کسی نے بھی حضور پر حملہ کیا۔ انہوں نے اس کی مدافعت فرمائی۔ (تاریخ الخلفاء)

۱۲۔ حضرت صدیق اکبر کا یہ کارنامہ بھی نہایت ہی زریں ہے کہ جنگِ یمامہ کے بعد حضرت عمر کے مشورہ سے آپ نے زید بن ثابت انصاری کو قرآن مجید کی تمام سورتوں کو جمع کرنے پر مامور کیا۔ اور انہوں نے بکمال و خوبی یہ خدمت انجام دی۔

۱۳۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مملکتِ اسلامی کی بنیادیں استوار کیں۔ آپ ہی کی کوششوں سے ایسے لوگ مسلمان ہوئے جو بعد میں جلیل القدر صحابی اور اسلام کے سچے فدائی و شیدائی بنے۔ اسلام سے محبت جان و مال کے ساتھ حضور کی خدمت آپ کی زندگی کا مقصدِ وحید تھا۔ انھوں نے اسلامی مملکت کو مستحکم بنیادوں پر استوار کیا۔ حضور کے وصال کے بعد فتنوں اور شورشوں نے ہجوم کیا۔ فتنۂ ارتداد، قبائلی عصبیت، خاندانی نجابت کا استحقاق، باغیوں کی جانب سے سرکشی

کے نئے خطرات، مملکت کو قرآن وسنت کے اصول وضوابط پر حرف بحرف من وعن قائم رکھنا غرضیکہ بہت سے نازک اور مشکل مرحلے اس باحوصلہ رفیق رسولؐ نے کمال حسنِ تدبر، خدا داد ذہانت، سیاسی فراست اور دینی استقامت سے طے کئے جہاں تحمل اور سیاسی حکمت عملی درکار تھی وہاں اسے اختیار کیا اور جہاں قوت بازو اور ریزۂ شمشیر منافق، مرتد اور جھوٹے مدعی نبوت کی سرکوبی ضروری تھی، وہاں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے دین کی ناموس کے لئے مسلمانوں کی اجتماعی طاقت اور شجاعت سے کام لے کر مشرکوں، منافقوں اور مرتدوں کا قلع قمع کیا۔ اور قافلہ اسلام پھر اپنی پوری وشوکت کے ساتھ رواں دواں ہوگیا۔

۱۴۔ مسند آرائے خلافت ہوتے ہی ان کے سامنے مصیبتوں، مشکلوں اور خطرات کے پہاڑ آن پڑے۔ ایک طرف جھوٹے مدعیانِ نبوت تھے کہ مسلح تصادم پر آمادہ ہو گئے۔ دوسری طرف مرتدین اسلام کی ایک جماعت علم بغاوت بلند کئے ہوئے تھی۔ منکرین زکوٰۃ نے علیحدہ شورش برپا کر رکھی تھی لیکن جانشین رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی روشن ضمیری، پاکیزہ سیاست بے مثال تدبر اور غیر معمولی استقلال کے باعث نہ صرف اس کو گل کرنے کی تمام ناپاک کوششوں کو ناکام بنا دیا۔ بلکہ پھر اسی مشعل سے تمام عرب کو منور کردیا۔ اس لیئے حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت کے بعد اسلام جس نے حیات نو بخشی اور دنیائے اسلام پر سب سے زیادہ جس کا احسان ہے وہ حضرت ابوبکرؓ کی ہی ذات گرامی ہے۔ اللہ کی ہزاروں برکتیں اور رحمتیں ہوں اس پاک باز اور مقدس انسان پر جس نے اپنی ساری عمر رسول اللہ کی رفاقت، اسلام کی تبلیغ واشاعت اور اسلامی معاشرہ کی تعمیر میں صرف کردی۔

۱۵۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سفر وحضر، غزوات و ہجرت حتیٰ کہ وصال کے بعد بھی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت ومصاحبت حاصل ہے۔

۱۶۔ قرآن میں آپ کو صاحب النبی کے معزز لقب سے یاد کیا گیا۔

۱۷۔ جنگ بدر میں آپ کو میمنہ کا سردار بنایا گیا۔

۱۸۔ غزوۂ بدر میں حضور کے ساتھ ثابت قدم رہے۔

۱۹۔ غزوۂ تبوک میں آپ نے اپنا سارا مال حضور کے قدموں پر نثار کردیا۔

۲۰۔ آپ عشرۂ مبشرہ کے سرخیل اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال وجلال کے مظہر اتم ہیں۔

۲۱۔ حضور نے مرض وفات میں آپ کو اپنی جگہ امامت کے لئے مقرر فرمایا۔ آپ نے حیاتِ نبوی میں سترہ وقت کی نمازیں پڑھائیں اور تمام صحابہ کرام بشمول حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم آپ کی اقتدا میں نمازیں پڑھتے رہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳ ہجری کو غروب آفتاب کے بعد ہوئی وفات کے وقت ان کی عمر تریسٹھ ۶۳ برس تھی۔ کم وبیش ستائیس ۲۷ ماہ مسلمانوں کی زمام اقتدار ان کے ہاتھ میں رہی اور اس قلیل مدت میں انھوں نے جو نظام حکومت قائم کیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے ایک رفیع المنزلت عمارت کھڑی کردی۔

بَابَ لَا يَبِيعُ عَلى بَيعِ اَخِيهِ ۲۔ وَلَا يَسُومُ عَلىٰ سَومِ اَخِيهِ ۳۔ حَتّٰى يَاذَنَ لَهُ اَوْ يَـتْرُكُ

باب' اپنے مسلمان بھائی کی بیع میں مداخلت نہ کرو ۲۔ اپنے مسلمان بھائی کے بھاؤ لگاتے وقت بھاؤ نہ لگاؤ

۳۔ ہاں اگر وہ اجازت دیدے یا چھوڑ دے تو پھر حرج نہیں (بخاری)

عَنْ عَبدِ اللهِ بنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ لَا يَبِيعُ بَعضُكُمْ عَلىٰ بَيعِ اَخِيهِ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اپنے مسلمان بھائی کی بیع پر بیع نہ کرو۔

فوائد و مسائل عنوان کے دو جز ہیں۔ اول یہ کہ دو شخص خرید و فروخت کر رہے ہیں۔ تیسرا شخص ان کے درمیان آکر یہ کہتا ہے کہ یہ چیز تو میرے پاس بھی ہے۔ مجھ سے خریدو قیمت بھی کم ہوگی تو اس تیسرے شخص کا یہ طرز عمل بیچنے والے کے لیے نقصان دہ ہے۔ شریعت نے اس کی ممانعت فرما دی کہ جب دو آدمی خرید و فروخت میں مشغول ہو تو تم اپنی چیز کو بیچنے کے لیے مداخلت نہ کرو۔ الّا یہ کہ ان کا معاملہ ختم ہو جائے تو پھر اپنی چیز کی فروخت کی بات کرنے میں حرج نہیں۔ دوم یہ کہ ایک شخص مثلاً گھوڑا خریدنے کی بات کر رہا تھا۔ بائع اور مشتری میں گفتگو ہو رہی تھی۔ ابھی ان کی بات ختم نہیں ہوئی کہ ایک تیسرے شخص نے گھوڑے کی کچھ قیمت بڑھا کر خریدنے کی پیشکش کر دی۔ شریعت نے اس سے بھی منع کیا ہے کہ جب تمہارا کوئی بھائی کسی چیز کی قیمت لگا رہا ہو اور اس کی بات چل رہی ہو تو کسی تیسرے شخص کو یہ جائز نہیں ہے کہ خود خریدنے کے لیے قیمت بڑھا دے اور اپنے مسلمان بھائی کے بھاؤ میں مداخلت کر دے۔

حتی الخ ہاں اگر فریقین کی اجازت ہو جیسے نیلام میں ہوتا ہے کہ جو زیادہ قیمت لگا دے وہ خرید لے یا جو دو شخص خرید و فروخت کر رہے ہوں ان کی بات ختم ہو جائے۔ تو ایسی صورت میں ممانعت نہیں ہے۔

عَنْ اَبِي هُرَيرَةَ قَالَ نَهىٰ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وَسَلَّمَ اَنْ يَبِيعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ وَلَا تَنَاجَشُوا وَلَا يَبِيعُ الرَّجُلُ عَلىٰ بَيعِ اَخِيهِ وَلَا يَخْطُبُ عَلىٰ خِطبَةِ اَخِيهِ وَلَا تَسْاَلُ المرأةُ طَلَاقَ اُخْتِهَا لِتَكْفَأَ مَا فِى اِنَائِهَا (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امور ذیل سے منع فرمایا ہے۔
اوّل۔ کوئی شہری دیہاتی کے لیے بیع نہ کرے۔ دوم۔ بیع میں نجش نہ کرے سوم۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی بیع پر بیع نہ کرے چہارم۔ کوئی شخص کسی عورت کو دوسرے کے پیغام ہوتے ہوئے اپنا پیغام نہ دے۔ پنجم۔ کوئی عورت اپنی دینی بہن کو اس نیت سے طلاق نہ دلوائے کہ اس کے حصہ کو خود حاصل کرلے۔

فوائد و مسائل حدیث ہذا کے الفاظ لا یبیع الرجل علی بیع اخیہ ترجمۃ الباب ہیں ۲۔ اس حدیث کو مسلم، ابن ماجہ، نسائی، ترمذی نے نکاح، و بیوع میں ذکر کیا ہے ۳۔ حدیث ہذا کے ترتیب وار مسائل یہ ہیں۔

شہری کا دیہاتی کے لیے بیع کرنے کی ممانعت کی صورت (۱)

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شہری آدمی دیہاتی کے لیے بیع نہ کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ دیہاتی کوئی چیز فروخت کرنے کے لیے بازار میں آئے اور وہ ناواقف ہو۔ قیمت کے اُتار چڑھاؤ کا اسے علم نہ ہو۔ اب ایک چالاک شہری اس سے کہتا ہے تو خود مت بیچ۔ اپنا مال میرے پاس رکھ دے۔ مناسب قیمت پر فروخت کرکے اس کی قیمت تجھے دے دوں گا۔ پھر جب قیمت چڑھتی تو وہ مال بکتا۔ اس صورت میں چونکہ عام خریداروں کو نقصان ہوتا ہے اور نفع صرف ایک شخص کے ہاتھ میں آجاتا ہے۔ اس لیے حضور علیہ السلام نے اس کی ممانعت فرمائی۔

ان یبیع حاضر لباد کا بعض فقہار نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جب اہلِ شہر قحط میں مبتلا ہوں اور ان کو خود غلّہ کی حاجت ہو۔ تو ایسی صورت میں شہر کا غلّہ باہر والوں کے ہاتھ گراں قیمت پر بیچنا ممنوع ہے کیونکہ اس سے اہلِ شہر کو نقصان ہوتا ہے اور اگر شہر والوں کو غلّہ کی حاجت نہ ہو تو پھر دوسروں کو بیچ دینے میں حرج نہیں۔ (ہدایہ)

بیع میں تناجش کی ممانعت (۲)

از روئے لغت تناجش کے معنیٰ، ثمن میں بلا رغبت زیادتی کرنے کے ہیں تاکہ دوسرے کو دھوکہ دیا جائے۔ حضور علیہ السلام نے نجش کی ممانعت فرمائی ہے۔ نجش کا مطلب یہ ہے کہ مبیع کی قیمت بڑھائے اور خود خریدنے کا ارادہ نہ ہو۔ اس سے مقصود یہ ہو کہ دوسرے گاہک کو رغبت پیدا ہو اور وہ زیادہ قیمت دے کر خرید لے ——— بعض دکانداروں کے ہاں اس قسم کے آدمی لگے رہتے ہیں۔ گاہک کو دیکھ کر چیز کے فرضی خریدار بن کر دام بڑھا دیتے ہیں اور ان کی اس حرکت سے گاہک دھوکہ کھا جاتا ہے اور کم قیمت کی چیز زیادہ قیمت پر خرید کر نقصان اٹھاتا ہے ——— نجش یہ بھی ہے کہ گاہک کے سامنے مبیع کے ایسے اوصاف جو اس میں نہ ہوں بیان کئے جائیں تاکہ خریدار دھوکہ کھا جائے جیسے بیع و شراء میں (نجش) حرام ہے۔ ایسے ہی نکاح و اجارہ میں بھی ممنوع و گناہ ہے۔

ایک کی بیع پر بیع کی ممانعت (۳)

حضور سیدِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی بیع پر بیع نہ کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ بائع و مشتری کے درمیان کسی چیز کے دام طے ہوگئے۔ صرف ایجاب و قبول یا مبیع کو قبضہ میں کرکے دام دے دینا ہی باقی رہ گیا تھا کہ دوسرا شخص اسی چیز کو دام بڑھا کر لینا چاہے یا دکاندار سے اس کی دوستی ہے یا وہ ذی وجاہت شخص ہے۔ اب دکاندار پہلے دکان دار کو نظر انداز کرکے دوسرے گاہک کو وہ چیز فروخت کر دے۔ حضور علیہ السلام نے اس کی بھی ممانعت فرمائی اور ارشاد فرمایا۔ کوئی شخص اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے اور کوئی شخص اپنے بھائی کے نرخ پر نرخ نہ کرے۔

اپنے مسلمان بھائی کے پیغامِ نکاح پر پیغام نہ دے (۴)

حضور علیہ السلام نے اس کی بھی ممانعت فرمائی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ زید نے ایک عورت کو پیغامِ نکاح دیا مہر بھی طے ہو گیا یعنی منگنی ہو گئی۔ صرف عقدِ نکاح باقی تھا۔ تو اب بکر کو یہ جائز نہیں ہے کہ اس عورت کو نکاح کا پیغام دے۔ اگرچہ مہر کی مقدار بڑھا کر ہی ایسا کرے۔ خواہ مہر بڑھا کر ہی پیغام دیا جائے ——— اس حدیث کی روشنی میں مندرجہ

صورتیں بھی ممنوع و گناہ ہیں (۱) زید نے مزدور سے مزدوری طے کرلی یا ملازم سے تنخواہ طے کرلی۔ اب بکر کا مزدوری یا تنخواہ بڑھا کر یا اتنی مزدوری یا تنخواہ پر اس مزدور کو اپنے لیے مقرر کرلینا جائز نہیں ہے (۲) ایک دکان دار سے دام طے ہو گئے۔ دوسرا کہتا ہے میں اس سے کم میں دوں گا یا کوئی گاہک کا ملاقاتی ہے وہ بیچ میں آکر کہتا ہے۔ مجھ سے یہی چیز اسی قیمت پر لے لو (۳) ایک مزدور سے مزدوری طے ہو گئی۔ دوسرا مزدور کہتا ہے۔ مجھ سے کام کراؤ۔ میں مزدوری کم لوں گا یا میں بھی اسی مزدوری پر کام کروں گا۔

کسی عورت کو اس نیت سے طلاق دلوانا کہ خود اس کا مقام حاصل کرلے (۵)

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بھی ممانعت فرمائی ہے۔ معاشرہ میں ایسا ہوتا ہے۔ ایک عورت کا خاوند ذی وجاہت اور مالدار ہے۔ دونوں میاں بیوی خوش و خرم زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر ایک عورت اس نیت اور ارادہ سے اسے طلاق دلوا دیتی ہے تاکہ اس کا مقام خود حاصل کرلے ایسا کرنا سخت گناہ ہے۔

بَابُ بَيْعِ الْمُزَايَدَةِ

باب نیلام کے متعلق

وَقَالَ عَطَاءٌ اَدْرَكْتُ النَّاسَ لَا يَرَوْنَ بَاسًا بِبَيْعِ الْمَغَانِمِ فِيْمَنْ يَّزِيْدُ

حضرت عطاء نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ لوگ مالِ غنیمت کے نیلام میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ رَجُلًا اَعْتَقَ غُلَامًا لَّهٗ عَنْ دُبُرٍ فَاحْتَاجَ فَاَخَذَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ يَّشْتَرِيْهِ مِنِّيْ فَاشْتَرَاهُ نُعَيْمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بِكَذَا وَكَذَا فَدَفَعَهٗ اِلَيْهِ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنا ایک غلام اپنے مرنے کے بعد کی شرط کے ساتھ آزاد کیا لیکن اتفاق سے وہ شخص مفلس ہوگیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے غلام کو لے کر فرمایا کہ اسے مجھ سے کون سے خریدے گا۔ اس پر نعیم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے اسے اتنی قیمت پر خرید لیا اور آنحضور نے غلام ان کے حوالے کر دیا۔

نیلام کے ذریعہ بیع جائز ہے

۱۔ حدیث زیرِ عنوان میں من یشتریہ کے الفاظ ترجمۃ الباب ہیں۔ امام بخاری نے اس حدیث کو استقراض میں بھی ذکر کیا ہے۔ نیز مسلم، ترمذی، ابوداؤد نسائی، ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے (۲) یہ غلام حضرت نعیم ابن عبد اللہ نے آٹھ سو درہم میں خرید لیا تھا۔ (۳) بیع مزایدہ، نیلام کو کہتے ہیں۔ یعنی کسی کی بولی پر بولی دینا جیسا کہ نیلام میں ہوتا ہے۔ شریعت نے نیلام کو جائز قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس میں نیلام کرنے والے اور تمام بولی دینے والوں کی رضامندی ہوتی ہے کہ جو زیادہ دام لگائے وہ لے لے۔

۴۔ حدیث کے لفظ من یشتریہ منی۔ ترجمۃ الباب ہیں۔ اس حدیث سے سیدنا امام شافعی علیہ الرحمہ نے یہ استدلال فرمایا ہے کہ مدبر کی بیع جائز ہے۔ امام احمد، ابوثور، اسحاق۔ اہل الظاہر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، مجاہد، حسن،

طاؤس کا بھی یہی مسلک ہے اور سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت ابن عمر، زید بن ثابت، محمد بن سیرین، ابن المسیب، زہری، ...
نخعی، ابن ابی لیلیٰ، لیث بن سعد کا مسلک یہ ہے کہ مدبر کی بیع جائز نہیں اور حضرت امام شافعی کے استدلال کا جواب یہ ہے ...
یں جس مدبر کا ذکر ہے۔ وہ مدبر مقید ہے اور اس کی بیع جائز ہے اور مدبر مطلق کی ممنوع ہے۔

مدبر مطلق یہ ہے کہ آقا غلام سے یہ کہے کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو یا تم مدبر ہو۔ اس کی بیع ممنوع ہے اور مدبر ...
وہ ہے جسے اس کا آقا یہ کہے کہ اگر میں اس مرض میں مرگیا یا اس سفر میں مرگیا تو آزاد ہے ایسے مدبر کی بیع جائز ہے۔

بَابُ النَّجْشِ وَمَنْ قَالَ لَا يَجُوْزُ ذٰلِكَ الْبَيْعُ وَقَالَ ابْنُ اَبِيْ اَوْفٰى اَلنَّاجِشُ اٰكِلُ رِبًا خَائِنٌ وَّهُوَ خِدَاعٌ بَاطِلٌ لَا يَحِلُّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْخَدِيْعَةُ فِي النَّارِ وَمَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ (بخاری)

باب نجش کے متعلق اور جس نے یہ کہا کہ ایسی بیع جائز نہیں ہوگی۔ ابن ابی اوفیٰ نے کہا۔ ناجش سود خور کی طرح ہے خائن بددیانت ہے اور یہ ایک باطل دھوکہ ہے جو جائز نہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دھوکہ کرنے والا دوزخی ہے اور جو ایسا کام کرتا ہے۔ جو ہمارے حکم کے خلاف ہے قابلِ رد ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّجْشِ

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجش سے منع فرمایا تھا۔

فوائد و مسائل نجش کا لفظ عربی زبان میں خاص طور پر شکار کو بھڑکانے کے معنیٰ میں آتا ہے۔ یہاں ایک خاص اصطلاح شرعی کے طور پر یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ بیچنے والے کی طرف سے کوئی شخص اس کام کے لیے مقرر ہو کہ جب گاہک آئے تو ذرا وقفہ کے بعد وہ بھی دکان پر پہنچ جائے اور گاہک نے جو قیمت لگائی ہے وہ اس سے بڑھ کر محض اس لیے لگائے تاکہ گاہک اس چیز کو زیادہ قیمت پر خرید لے۔ یہ حرکت چونکہ خالص دھوکہ و فریب ہے اس لیے شریعت نے اس کی ممانعت فرمائی۔ اہل الظاہر کا مذہب یہ ہے کہ ایسی بیع باطل ہے۔ احناف کے ہاں بیع تو صحیح مگر فاسد ہے مکر دھوکہ و فریب حرام و گناہِ عظیم ہے (۲) حضرت ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی ہیں۔ صحابہ کرام میں یہ آخری صحابی تھے جن کا کوفہ میں انتقال ہوا۔ حضرتِ امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ نے ان کی زیارت کی ہے۔ آپ کا ارشاد ہے۔ بیع میں ایسی دھوکہ بازی سود کی طرح ہے۔ جیسے سود حرام ہے۔ نجش بھی حرام ہے۔

هو خداع باطل یہ امام بخاری کا قول ہے۔ مقصود ان کا یہ بتانا ہے۔ ایسی بیع جائز و حلال نہیں ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ دھوکہ باز جہنمی ہے۔ حدیث کے جملے من عمل الخ سے واضح ہوا کہ ہر وہ بات جو شریعت اسلامیہ کے خلاف ہو یا جس کو شریعت نے منع کیا ہو۔ وہ مردود ہے۔

بَابُ بَيْعِ الْغَرَرِ - وَحَبَلُ الْحَبَلَةِ

باب دھوکے کی بیع کے متعلق اور حبل الحبلہ کی بیع کے متعلق

فوائد و مسائل (۱) غرر۔ غریغر (بالکسر) کے اصل معنیٰ خطر کے ہیں۔ یعنی وہ چیز جس کا ہونا یا نہ ہونا معلوم ...

نہ ہو ـــــ اسی بنا پر شارحین نے اس لفظ کے یہ معنیٰ کیے ہیں۔ وہ چیز جس کی نوعیت وکیفیت معلوم نہ ہو۔ وہ چیز جو معدوم ہو۔ وہ چیز جسے بائع مشتری کے قبضہ میں دینے کی قدرت نہ رکھتا ہو۔ وہ چیز جس کی شرعاً کوئی قدر وقیمت نہ ہو ـــــ اسی بنا پر فقہاء اسلام نے بیع کی مندرجہ ذیل صورتوں کو بیع غرر قرار دیا ہے مثلاً

۱۔ برستے ہوئے مینہ کے پانی یا جو پانی کہ ابھی کنویں یا نہر کے اندر ہے کی بیع جائز نہیں۔ ہاں اگر بارش کا پانی جمع کر لیا یا نہر یا کنویں سے پانی برتن میں بھر لیا تو جمع کرنے اور بھرنے سے پانی کا مالک ہو جائیگا۔ اب اس کی بیع جائز ہے۔

۲۔ جانور کی پشت میں یا مادہ کے پیٹ میں جو نطفہ ہے کہ آئندہ پیدا ہوگا۔ اس کی بیع باطل ہے۔

۳۔ گندم کے ایک عدد دانہ کی بیع باطل ہے۔

۵۔ وہ پرندہ جو ہوا میں اڑ رہا ہے اس کی بیع باطل ہے۔

۶۔ زندہ جانور کا گوشت، چربی، چمڑا، سری پائے، زندہ دنبہ کی چکی اور اون۔ جو ابھی بھیڑ کے جسم پر ہے۔ موتی جو سیپ سے نکالا نہ گیا ہو۔ گھی جو ابھی دودھ سے نکالا نہ ہو کی بیع ناجائز ہے۔

فائدہ :۔ امام بخاری نے زیر عنوان جو حدیث درج کی ہے۔ اگرچہ اس میں بیع غرر دھوکہ کی بیع کا ذکر نہیں ہے مگر حدیث زیر عنوان جس میں حبل الحبلہ کی بیع کی ممانعت [illegible] گئی ہے۔ وہ بھی دھوکہ ہی کی الگ کیفیت ہے۔ امام نے اسی سے بیع غرر کی ممانعت کا استدلال کیا ہے۔ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ اونٹنی یا اس کا بچہ، بچہ پیدا نہ کرے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ بَيْعِ حَبَلِ الْحَبَلَةِ وَكَانَ بَيْعًا يَتَبَايَعُهٗ اَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ كَانَ الرَّجُلُ يَبْتَاعُ الْجَزُوْرَ اِلٰى اَنْ تُنْتَجَ النَّاقَةُ ثُمَّ تُنْتَجُ الَّتِيْ فِيْ بَطْنِهَا (بخاری)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبل الحبلہ کی بیع سے منع فرمایا۔ یہ بیع زمانہ جاہلیت میں رائج تھی۔ اس کی صورت یہ تھی کہ لوگ ایک اونٹنی خریدتے اور قیمت دینے کی معیاد مقرر کرتے کہ وہ اونٹنی بچہ جنے (پھر اس کا بچہ جو اس وقت اس کے پیٹ میں ہے جوان ہو کر جنے)

اس سلسلہ کی چند حدیثوں کا خلاصہ یہ ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع حصاۃ (کنکری پھینک دینے سے زمانہ جاہلیت میں بیع ہو جاتی تھی) سے منع فرمایا (مسلم) بیع میں استثناء سے منع فرمایا الا یہ کہ معلوم شی کا استثناء ہو (ترمذی) مضطر (مکرہ) کی بیع سے منع فرمایا (یعنی جبر یہ کسی کی چیز نہ خریدی جائے اور اس طرح کسی کو کسی چیز کے خریدنے پر مجبور نہ کیا جائے (ابو داؤد) حمل و نطفہ کی بیع سے منع فرمایا۔ بھاگے ہوئے غلام یا لونڈی کی بیع سے منع فرمایا (ابن ماجہ) جو مچھلی ابھی پانی میں ہے۔ قبضہ میں نہیں اس کی بیع سے منع فرمایا (احمد) اور ممانعت کی علت یہ ہے کہ ان صورتوں میں بیع مجہول ہے یا معدوم یا ایسی ہے کہ جس کی تسلیم پر بائع کو قدرت نہیں ہے۔ یہ سب بیع غرر کی ہی شکلیں ہیں۔

بَابُ بَيْعِ الْمُلَامَسَةِ وَقَالَ اَنَسٌ نَهٰى عَنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب بیع ملامسہ کے متعلق حضرت انس نے فرمایا۔ حضور علیہ السلام نے اس سے منع کیا ہے

اَنَّ اَبَا سَعِيْدٍ اَخْبَرَهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْمُنَابَذَةِ وَهِيَ طَرْحُ الرَّجُلِ ثَوْبَهٗ بِالْبَيْعِ اِلٰى رَجُلٍ قَبْلَ اَنْ يُّقَلِّبَهٗ اَوْ يَنْظُرَ اِلَيْهِ وَنَهٰى عَنِ الْمُلَامَسَةِ وَالْمُلَامَسَةُ لَمْسُ الثَّوْبِ لَا يَنْظُرُ اِلَيْهِ (بخاری)

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "منابذہ" سے منع فرمایا تھا۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ ایک آدمی بیچنے کے لیے اپنا کپڑا دوسرے شخص کی طرف (جو خریدار ہوتا تھا) پھینکتا تھا اور قبل اس کے کہ وہ اسے اُلٹے پلٹے یا اس کی طرف دیکھے (صرف پھینک دینے کی وجہ سے بیع نافذ ہوجاتی تھی) اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "ملامسۃ" سے بھی منع فرمایا۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ (خریدنے والا) کپڑے کو بغیر دیکھے صرف اسے چھو دیتا تھا۔ (اور اسی سے بیع نافذ ہوجاتی تھی)

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ نُهِيَ عَنْ لِبْسَتَيْنِ اَنْ يَّحْتَبِيَ الرَّجُلُ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ ثُمَّ يَرْفَعَهٗ عَلٰى مَنْكِبِهٖ وَعَنْ بَيْعَتَيْنِ اللِّمَاسِ وَالنِّبَاذِ (بخاری)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو طرح کپڑا پہننے سے منع فرمایا تھا کہ کوئی آدمی ایک کپڑے میں احتبار کرے۔ پھر اسے مونڈھے پر اٹھا کر ڈال لے اور دو طرح کی بیع سے منع کیا تھا۔ بیع ملامسۃ اور بیع منابذہ۔

بَابُ بَيْعِ الْمُنَابَذَةِ — باب بیع منابذہ کے متعلق

وَقَالَ اَنَسٌ نَهٰى عَنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع ملامسہ اور بیع منابذہ سے منع فرمایا۔

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لِبْسَتَيْنِ وَعَنْ بَيْعَتَيْنِ الْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو طرح کے پہناوے سے منع فرمایا اور دو طرح کی بیع سے (یعنی) ملامسہ اور منابذہ سے

بیع منابذہ و بیع ملامسہ کی تعریف اس حدیث میں ملامسہ و منابذہ (جو زمانہ جاہلیت میں بیع و شراء کا ایک طریقہ تھا) کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ بیع ملامسہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کا کپڑا چھو دیا۔ اُلٹ پلٹ کر دیکھا بھی نہیں اور بیع لازم ہوگئی اور منابذہ یہ ہے۔ ایک نے اپنا کپڑا دوسرے کی طرف پھینک دیا اور دوسرے نے پہلے کی طرف پھینک دیا۔ نہ دیکھا نہ بھالا۔ نہ دونوں کی رضامندی ہوئی اور اس حرکت سے بیع لازم ہوگئی (۲) ان یحتبی الرجل فی الثوب الواحد حدیث کے اس ٹکڑے کی ترجمانی فیوض الباری حصہ دوم صد ۱۱۳ پر ہوچکی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

بَابُ النَّهْيِ لِلْبَائِعِ اَنْ لَّا يُحَفِّلَ الْاِبِلَ وَالْبَقَرَ وَالْغَنَمَ وَكُلُّ مُحَفَّلَةٍ وَّالْمُصَرَّاةُ الَّتِيْ صُرِّيَ لَبَنُهَا وَحُقِنَ فِيْهِ وَجُمِعَ فَلَمْ يُحْلَبْ اَيَّامًا وَّاَصْلُ التَّصْرِيَةِ حَبْسُ الْمَآءِ يُقَالُ مِنْهُ صَرَّيْتُ الْمَآءَ

باب بیچنے والے کو تنبیہ کہ اسے اونٹ، گائے اور بکری کے دودھ کو (ان جانوروں کو بیچتے وقت) تھن میں جمع نہ رکھنا چاہیئے۔ یہی حکم ہر محفلہ اور مصراۃ کا ہے کہ جس کا دودھ تھن میں روک لیا گیا ہو۔ اس میں جمع کرنے کے لیے اور کئی دن تک نہ دوہا گیا ہو۔ تصریہ، اصل میں پانی روکنے کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ اسی سے یہ استعمال ہے۔ "صَرَّیتُ المَاءَ" (میں نے پانی روک لیا)

قَالَ اَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُصَرُّوا الْإِبِلَ وَالْغَنَمَ فَمَنِ ابْتَاعَهَا فَإِنَّهُ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَيْنَ اَنْ يَحْتَلِبَهَا اِنْ شَاءَ اَمْسَكَ وَاِنْ شَاءَ رَدَّهَا وَصَاعَ تَمْرٍ وَيُذْكَرُ عَنْ اَبِي صَالِحٍ وَمُجَاهِدٍ وَالْوَلِيدِ بْنِ رَبَاحٍ وَمُوسَى بْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاعَ تَمْرٍ وَقَالَ بَعْضُهُمْ عَنِ ابْنِ سِيرِيْنَ صَاعًا مِنْ طَعَامٍ وَهُوَ بِالْخِيَارِ ثَلٰثًا وَقَالَ بَعْضُهُمْ عَنِ ابْنِ سِيرِيْنَ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ وَلَمْ يُذْكَرْ ثَلٰثًا وَالتَّمْرُ اَكْثَرُ

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں۔ حضور نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا۔ (بیچنے کے لیے) اونٹنی اور بکری کے تھنوں میں دودھ کو جمع نہ کرو۔ پھر اگر ایسے جانور کو فروخت کر دیا تو دودھ دوہنے کے بعد دونوں اختیارات ہیں، چاہے تو جانور کو روک لے اور چاہے تو اس کو واپس کر دے ایک صاع کھجور کے ساتھ۔ ابوصالح، مجاہد، ولید بن رباح اور موسیٰ بن یسار سے روایت صاع کھجور ہی کی ہے۔ بعض راویوں نے ابن سیرین کے واسطے سے ایک

فوائد و مسائل تحفیل کے معنیٰ، تجمیع کے ہیں۔ لاتحفل میں لا زائدہ ہے۔ مطلب حدیث یہ ہے کہ اگر کوئی جانور کے تھنوں میں دودھ اس لیے روکتا ہے تاکہ خریدار کو دھوکہ دے تو ایسا کرنا ممنوع و گناہ ہے۔ عرب میں یہ طریقہ رائج تھا اور آج بھی بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ جب انھیں جانور بیچنا ہو تو کئی دن تک اس کے دُودھ کو نہیں دوہتے تاکہ خریدار آئے تو تھن کو بھرا ہوا دیکھ کر یہ سمجھے کہ جانور بہت دودھ والا ہے۔ خریدار دھوکہ میں آکر جانور خرید لیتے اور بعد میں ان پر اصل حقیقت کھلتی کہ دودھ اتنا نہیں جتنا کہ دکھایا گیا تھا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع و شرا میں اس نوع کے دھوکہ و فریب کی ممانعت فرمائی۔ اس کے بعد یہ ہدایت دی —— اگر کوئی دھوکہ سے ایسا جانور خرید چکا ہے تو اگر وہ اس بیع سے راضی ہے تو فبہا، ورنہ اسے اختیار ہے کہ بیع کو فسخ کر دے اور خریدا ہوا جانور بائع کو واپس کر کے اپنے دام لے لے۔ فانہ بخیر النظرین۔ حدیث کے اس جملہ کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر کسی نے دھوکے سے مصراۃ خرید لیا اور بعد میں اسے معلوم ہوا کہ بائع نے دھوکا دیا ہے تو دونوں میں سے بہتر چیز کا اختیار ہے۔ یعنی خریدار کو اختیار ہے کہ چاہے تو بیع کو نافذ کرے اور چاہے تو بیع کو فسخ کر دے —— جمہور کا مسلک یہ ہے۔ خریدار کو علمِ تصریہ کے بعد خیار حاصل ہو جائیگا۔ خواہ دودھ نکالا ہوا ہو۔ اور حدیث میں بعد الحلب کی قید محض اس بنا پر ہے کہ عموماً بعد الحلب ہی جانور کا مصراۃ ہونا واضح ہوتا ہے (۲) اس حدیث سے ابن ابی لیلیٰ۔ لیث۔ امام مالک۔ شافعی۔ احمد۔ اسحٰق۔ ابوثور۔ ابوعبید۔ ابوسلیمان۔ زفر اور ابویوسف (فی روایۃ) نے یہ رائے قائم کی کہ خریدار اگر بیع کو فسخ

کرے تو اس پر یہ بھی واجب ہے کہ جو دودھ اس نے حاصل کیا ہے اس کے عوض ایک صاع (ساڑھے چار سیر کھجور) بائع
دے۔ امام شافعی یہ بھی کہتے ہیں کہ کھجور ہی دودھ کے عوض دینا ضروری ہے۔ حالانکہ حدیث میں (گندم کے سوا) غلہ دینے کی
ہدایت موجود ہے ــــ سیدنا امام اعظم، ابو حنیفہ، امام محمد، ابو یوسف (فی المشہور) ومالک (فی روایۃ)، اشہب، ابن ا
لیلیٰ (فی روایۃ) اور عراق کے فقہاء کا ایک گروہ کا مسلک یہ ہے کہ دودھ کے عوض صاع بھر کھجور دینا واجب نہیں ہے ا
مشتری کو فسخ بیع کا اختیار بھی اسی صورت میں حاصل ہوگا جب کہ اس نے شرط کرلی ہو ورنہ نہیں ــــ نیز یہ ظاہر
کر دھوکہ بائع نے دیا ہے۔ لہٰذا اصل ذمہ دار تو بائع ہے۔ مشتری پر تاوان کیوں؟ پھر اگر تاوان دینا ہی ٹھہرے تو جس قد
دودھ حاصل کیا ہے اسی کے مطابق تاوان ہونا چاہیئے۔ اب دودھ خواہ کتنا ہی ہو تاوان ایک صاع ہی ہے۔ یہ کیوں
ثانیاً کتاب وسنت و ــــ اجماع امت وقیاس سے یہ بنیادی بات واضح ہے کہ کسی چیز کا تاوان عدوانات میں
اس کی مثل یا قیمت سے دیا جاتا ہے اور بیاعات میں ثمن سے اور کھجور دودھ کی قیمت تو قطعاً نہیں ہے اور نہ ہی ثمن
ہے اور دودھ وکھجور میں صورۃً مساوات کا نہ ہونا واضح ہے اور معناً بھی مساوات نہیں ہے کیونکہ تمام اشیاء کے لیے درہم ودینار ہی
اس کے مماثل ہیں۔ قرآنِ مجید میں ہے۔ فاعتدُوا بمثلِ ما اعتدیٰ علیکم۔ اس آیت سے یہ واضح ہے کہ اگر
دودھ کا تاوان واجب ہو تو بہرحال دودھ کی قیمت دی جائے یا اس کی مثل اور کھجور صورۃً ومعنیً دودھ کی مثل نہیں ہے اور
نہ کھجور دودھ کی قیمت ہے اور نہ ثمن۔ اس بناء پر احناف کا مؤقف اپنی جگہ بالکل درست ہے۔ یہ نہ کہا جائے کہ احناف نے
حدیث کے ظاہر مفہوم کو قیاس کے مقابل ترک کردیا؛ بات یہ ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام کی یہ ہدایت کہ دودھ کے
عوض ایک صاع کھجور دے اور بائع مبیع کو واپس کردے۔ تقویٰ۔ مروّت اور حسنِ معاشرت پر محمول ہے۔ لہٰذا دودھ کے
عوض کھجور دے دینا اور بائع کا مبیع کو واپس کرلینا مستحب ہے واجب نہیں اور دلائلِ استحباب وہی ہیں جو اوپر ذکر
ہوئے۔ یعنی وہ احادیث اور خود قرآن کی تصریح جو اس باب میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں[1]۔

---

[1] ان العمل بظاهر الحديث يوجب ترك كثير من الاحكام التى ثبت من الشرع فلا بدلنا
ان نطلب له وجها۔ وهو ان هذا الحديث محمول على الاستحباب ۔او ان الحديث محمول
على الديانةِ دون القضاء ۔ لما فى ۔ فتح القدير۔ فى باب الاقالة ۔ان الغرر اما قولى او فعلى
فان كان قوليا فالاقامة واجبة بحكم القاضى وان كان الثانى تجب عليه الاقالة ديانة۔ كيف
وان الخدعات اشياء مستورة ليس الى الثانى سبيل فلا يمكن ان تدخل تحت القضاء فالتصرية
ايضا خديعه يجب فيها على البائع ان يقيل المشترى ديانةً وان لم يجب قضاءً ــــ فليس
هذا ترك الحديث بالقياس ۔ بل لاجل الاحاديث والقرآن والاصول التى مهدها الشرع بنفسه
الا ترى ۔ ان النهى عن التصرى والنهى على تلقى الجلب وقع فى حديثٍ واحد مع ان الفقهاء ذهبوا
الى صحت البيع فى صورة التلقى اذا لم يضرا اهل البلد ــــ وليس هذا ردالحديث ۔بل هى

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ مَنِ اشْتَرٰی شَاۃً مُحَفَّلَۃً فَرَدَّھَا فَلْیَرُدَّ مَعَھَا صَاعًا وَ نَھَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ تُلَقَّی الْبُیُوْعُ

(بخاری)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص ایسی بکری خریدے ۔ جس کے تھن میں دودھ روکا گیا ہو (مصراۃ) اور اسے بیچنے والے کو واپس کرنا چاہے تو اس کے ساتھ ایک صاع بھی دے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقی بیوع سے منع فرمایا۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَلَقَّوُا الرُّکْبَانَ وَلَا یَبِیْعُ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَیْعِ بَعْضٍ وَّلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا یَبِیْعُ حَاضِرٌ لِّبَادٍ وَّلَا تُصَرُّوا الْغَنَمَ وَمَنِ ابْتَاعَھَا فَھُوَ بِخَیْرِ النَّظَرَیْنِ بَعْدَ اَنْ یَّحْتَلِبَھَا اِنْ رَضِیَھَا اَمْسَکَھَا وَاِنْ سَخِطَھَا رَدَّھَا وَصَاعًا مِّنْ تَمْرٍ

(بخاری)

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ قافلہ والوں سے جو بیچنے کے لیے مال لائیں ۔ آگے بڑھ کر نہ خریدو ۔ ایک دوسرے کی بیع پر بیع نہ کرو ۔ بیع میں دھوکہ نہ دو ۔ کوئی شہری بدوی کا مال نہ بیچے ۔ بکری کے تھن میں دودھ روک نہ بیچو اور اگر کوئی ایسا جانور (مصراۃ) خرید لے تو دودھ نکالنے کے بعد لے ۔ اس بیع پر راضی ہے تو جانور کو روک لے (یعنی بیع نافذ کرے) اور اگر راضی نہیں تو خریدا ایک صاع کھجور کے ساتھ دیدے ۔

بَابٌ اِنْ شَاءَ رَدَّ الْمُصَرَّاۃَ وَفِیْ حَلْبَتِھَا صَاعٌ مِّنْ تَمْرٍ

باب اگر چاہے تو مصراۃ کو واپس کر سکتا ہے اور اس کے بدلے (جو خریدار نے استعمال کیا ہے) ایک صاع کھجور دے دے

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنِ اشْتَرٰی غَنَمًا مُّصَرَّاۃً فَاحْتَلَبَھَا فَاِنْ رَضِیَھَا اَمْسَکَھَا وَاِنْ سَخِطَھَا فَفِیْ حَلْبَتِھَا صَاعٌ مِّنْ تَمْرٍ

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ جس نے مصراۃ بکری خریدی اور اس کا دودھ دوہا تو اگر اس بیع پر راضی ہے تو اپنے لیے روک لے اور اگر

التوقف ـ ثم یعلم انہ فرق بین ترک العمل بحدیث والتوقف عنہ وبین رد الحدیث و حاشا للحنفیۃ ان یقولوا برد حدیث ثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولکنہم اذا توقفوا عن العمل بحدیث بوجوہ لاحت لھم اومن اجل سنۃ تقررت عندھم ـ الا تری ان الترمذی ذکر فی علله الصغری انی ذکرت حدیثین صحیحین فی کتابی لم یعمل بھا احد من الائمۃ ـ وَمَا ذَالِکَ الا لعدم ادراکھم وجمعھما ـ ثم یعلم ان عمل المجتھد بحدیث لا یکون کعمل المقلد بہ ـ فانہ ینظر الی موانیہ ومبانیہ وعللہ وسائر اسبابہ وانہ ھل یرتبط مع سائر الاصول اویناقضا ـ فتارۃً یعممہ واخری یخصصہ ــــــ فافھم وتدبر

راضی نہیں ہے تو بائع کو واپس کردے اور اس کے دودھ کے عوض میں ایک صاع کھجور دیدے (بخاری)

فوائد و مسائل ان احادیث کے مسائل یہ ہیں۔ اگرچہ گذشتہ اوراق میں ان مسائل پر مکمل بحث ہو چکی ہے۔ ان تلقی البیوع تلقی کے معنیٰ استقبال کے ہیں اور بیوع سے اصحاب بیع مراد ہیں یعنی خرید و فروخت کرنے والے لوگ۔ لفظی ترجمہ یہ ہوگا۔ جو تاجر مال بیچنے کے لیے لائیں تو آگے بڑھ کر نہ خرید لو۔ اسی مفہوم کو احادیث میں متعدد الفاظ سے بیان کیا ہے، ولا تلقوا السلع سلع سامان کو کہتے ہیں۔ لا تلقوا الجلب۔ جلب جالب کی جمع ہے۔ جالب کے معنیٰ باہر سے مال لانے والا قافلہ۔ لا تلقوا الرکبان رکبان سے مراد وہ لوگ ہیں جو سامانِ تجارت اونٹوں پر لاد کر شہر لاتے ہیں۔ مطلب حدیث یہ ہے کہ تاجر جو مال باہر سے لائیں تو ان کے شہر میں پہنچنے سے پہلے باہر جا کر خرید لینا ممنوع ہے۔ لیکن یہ ممانعت اس صورت میں ہے کہ جب شہر میں غلہ کی قلت ہو۔ اہلِ شہر کو اس کی سخت ضرورت ہو اور کوئی شخص شہر میں غلہ پہنچنے سے پہلے خرید لیتا ہے کہ خوب گراں کر کے فروخت کرے گا۔

دوم یہ کہ غلہ لانے والے تجار کو شہر کا نرخ غلط بتا کر خریدے مثلاً یہ کہے کہ شہر میں تو وافر مقدار میں غلہ موجود ہے۔ نرخ بہت گر گیا ہے۔ میں تمھیں مناسب دام دے رہا ہوں۔ شہر لے جا کر فروخت کرو گے تو یہ دام نہیں ملیں گے اور اس طرح انھیں دھوکہ دے کر سستے دام خرید لے ——— یہ دونوں صورتیں ممنوع ہیں اور اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو پھر تلقی جلب ممنوع نہیں ہے۔ ولا یبیع بعضکم علی بعض۔ یعنی ایک شخص کے دام چکا لینے کے بعد دوسرے کا دام چکانا بھی ممنوع ہے۔

ولا تناجشوا۔ حضور علیہ السلام نے نجش سے منع فرمایا۔ نجش یہ ہے کہ خود خریدنے کا ارادہ نہ ہو۔ محض کسی کو پھنسانے کے لیے چیز کی قیمت بڑھائے جس سے مقصود یہ ہو کہ گاہک دھوکہ کھا جائے اور کم مالیت کی چیز زیادہ دام میں خریدے۔

ولا یبیع حاضر لباد۔ اور شہری دیہاتی کے لیے تجارت نہ کرے۔ یعنی تجارتی قافلہ کی آمد پر شہر سے باہر ہی ان سے مال نہ خریدا جائے بلکہ مال کو شہر میں آنے دیا جائے تاکہ دیہاتی کو شہر کا بھاؤ معلوم ہو جائے اور مال کے بازار میں آجانے سے نرخ ارزاں ہو۔ مزید تفصیل گذشتہ اوراق پر ہو چکی ہے۔

ولا تصروا۔ تصریہ کے معنیٰ۔ جانور کے تھن میں دودھ روکنے کے ہیں اور ایسے جانور کو مصراۃ کہتے ہیں۔ جانور کے تھن میں دودھ روک کر گاہک کو دھوکہ دینا مقصود ہوتا ہے کہ وہ جانور کے تھنوں کو دودھ سے بھرا ہوا دیکھ کر یہ سمجھے کہ جانور بہت دودھ والا ہے۔ حضور علیہ السلام نے اس مقصد کے لیے جانور کے تھن میں دودھ روکنے کی ممانعت فرمائی ہے۔

بَابُ بَيْعِ الْعَبْدِ الزَّانِي وَقَالَ شُرَيْحٌ إِنْ شَاءَ رَدَّ مِنَ الزِّنَا

باب زانی غلام کی بیع کے متعلق حضرت شریح نے فرمایا زنا کے عیب کی وجہ سے واپس کر سکتا ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا زَنَتِ الْأَمَةُ فَتَبَيَّنَ زِنَاهَا فَلْيَجْلِدْهَا وَيُثَرِّبْ ثُمَّ إِنْ زَنَتْ

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب کوئی لونڈی زنا کرے اور زنا کا ثبوت (شرعی) مل جائے تو اسے کوڑے لگوانے چاہئیں لیکن لعنت ملامت نہ کی

فَلْيَجْلِدْهَا وَلَا يُثَرِّبْ ثُمَّ إِنْ زَنَتِ الثَّالِثَةَ فَلْيَبِعْهَا وَلَوْ بِحَبْلٍ مِنْ شَعَرٍ (بخاری)

کی جائے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ زنا کرے تو کوڑے لگوانے چاہئیں۔ لیکن لعنت ملامت نہ کی جائے۔ پھر اگر تیسری بار بھی وہ زنا کرے تو ایسی لونڈی کو فروخت کر دے خواہ ایک رسی ہی کے بدلے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الْأَمَةِ إِذَا زَنَتْ وَلَمْ تُحْصِنْ قَالَ إِنْ زَنَتْ فَاجْلِدُوهَا ثُمَّ إِنْ زَنَتْ فَاجْلِدُوهَا ثُمَّ إِنْ زَنَتْ فَبِيعُوهَا وَلَوْ بِضَفِيرٍ وَقَالَ ابْنُ شِهَابٍ لَا أَدْرِي بَعْدَ الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ

حضرت ابوہریرہ اور زید بن خالد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی غیر شادی شدہ باندی زنا کرے (تو اس کا کیا حکم ہوگا) آپ نے فرمایا۔ اگر وہ زنا کرے تو اسے کوڑے لگاؤ، پھر اگر زنا کرے تو کوڑے لگاؤ۔ پھر بھی اگر زنا کرے تو اسے بیچ دو، ایک رسی ہی کے بدلہ میں سہی۔ ابن شہاب نے فرمایا کہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ بیچنے کے لیے آپ نے تیسری مرتبہ فرمایا تھا یا چوتھی مرتبہ۔

فوائد و مسائل لا یثرب۔ تثریب کے معنیٰ۔ لعن طعن اور عیب لگانے کے ہیں۔ حدیث کے اس جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ زنا کے مرتکب غلام پر حد لگائی جائے۔ لیکن اس جرم کی جو حد ہے اس پر زیادتی نہ کی جائے۔ مثلاً اسے لعن طعن کرنا وغیرہ۔ علامہ خطابی نے یہ معنیٰ کئے ہیں کہ صرف لعن طعن پر اکتفا نہ کرے بلکہ ایسے غلام پر حد لگائے۔

۲۔ ابوثور۔ اسحاق و امام احمد و امام مالک کا مسلک یہ ہے۔ زنا غلام اور لونڈی میں عیب قرار پائے گا۔ امام شافعی کہتے ہیں جو بات بھی لونڈی کی قیمت میں کمی کا سبب بنے وہ عیب قرار پائے گی۔ احناف کا موقف یہ ہے کہ زنا لونڈی میں عیب شمار ہوگا۔ کیونکہ لونڈی سے مقصود استفراش اور طلب ولد ہے۔ لیکن غلام میں عیب نہیں کیونکہ غلام سے مقصود استخدام ہے ۳۔ سیدنا امام مالک و احمد و شافعی علیہم الرحمۃ کی رائے یہ ہے کہ اگر غلام یا لونڈی مرتکب زنا ہو تو اس کا آقا اس پر حد قائم کر سکتا ہے سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کا ارشاد ہے کہ اگر غلام یا لونڈی مرتکب زنا ہوں تو آقا کو ان پر حد قائم کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ کیونکہ حد کا نفاذ امام یا حاکم کا کام ہے۔ تو جب مقدمہ قاضی کی عدالت میں جائے تو قاضی حد کا حکم دے گا۔

بَابُ الْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ مَعَ النِّسَاءِ

باب عورتوں کے ساتھ خرید و فروخت

قَالَتْ عَائِشَةُ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ لَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْتَرِي وَأَعْتِقِي فَإِنَّ الْوَلَاءَ لِمَنْ أَعْتَقَ ثُمَّ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْعَشِيِّ فَأَثْنَى عَلَى اللهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں آپ سے (بریرہ رضی اللہ عنہا کے خریدنے کا) ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم خرید کر آزاد کر دو، ولاء تو اسی کی ہوتی ہے جو آزاد کرے۔ پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لائے اور فرمایا "لوگوں کو

قَالَ مَا بَالُ النَّاسِ يَشْتَرِطُوْنَ شُرُوْطًا لَيْسَ فِيْ كِتَابِ اللهِ مَنِ اشْتَرَطَ شَرْطًا لَيْسَ فِيْ كِتَابِ اللهِ فَهُوَ بَاطِلٌ وَاِنِ اشْتَرَطَ مِائَةَ شَرْطٍ شَرْطُ اللهِ اَحَقُّ وَاَوْثَقُ

(بخاری)

کیا ہو گیا ہے کہ (خرید و فروخت میں) ایسی شرطیں لگاتے ہیں جن کی کوئی اصل کتاب اللہ میں نہیں ہے۔ جو شخص بھی کوئی ایسی شرط لگائے گا جس کی اصل کتاب اللہ میں نہیں ہے تو وہ باطل ہے خواہ سو شرطیں کیوں نہ لگالے کیونکہ اللہ ہی کی شرط حق اور مضبوط ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُمَا اَنَّ عَائِشَةَ سَاوَمَتْ بَرِيْرَةَ فَخَرَجَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَلَمَّا جَاءَ قَالَتْ اِنَّهُمْ اَبَوْا اَنْ يَّبِيْعُوْهَا اِلَّا اَنْ يَّشْتَرِطُوا الْوَلَاءَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ قُلْتُ لِنَافِعٍ حُرًّا كَانَ زَوْجُهَا اَوْ عَبْدًا فَقَالَ مَا يُدْرِيْنِيْ (بخاری)

حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت بریرہ کی (جو لونڈی تھیں) قیمت لگا رہی تھیں۔ (تاکہ انھیں خرید کر آزاد کر دیں) نبی علیہ السلام نماز کے لیے مسجد تشریف لے گئے۔ پھر جب تشریف لائے تو حضرت عائشہ نے عرض کی۔ بریرہ کے مالکوں نے اپنے لیے ولا کی شرط کے بغیر انھیں بیچنے سے انکار کر دیا ہے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ ولا تو اسی کی ہوتی ہے جو آزاد کرے۔ میں نے نافع سے پوچھا۔ بریرہ کے شوہر آزاد تھے یا غلام تو انھوں نے جواب دیا۔ مجھے معلوم نہیں۔

فوائد و مسائل

ان دونوں حدیثوں سے واضح ہوا کہ عورتوں کے ساتھ خرید و فروخت جائز ہے۔ بقیہ مسائل حدیث آئندہ صفحات میں بیان ہوں گے۔

عَنْ قَيْسٍ سَمِعْتُ جَرِيْرًا بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ (بخاری)

حضرت قیس کہتے ہیں کہ انھوں نے حضرت جریر سے سُنا۔ وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کی شہادت کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ نماز قائم کرنے زکوٰۃ ادا کرنے اور (اپنے امیر کی بات سُننے اور اس کی اطاعت کرنے اور اس کی اطاعت کرنے اور ہر مسلمان کے ساتھ بھلائی کرنے کی بیعت کی۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلَقَّوُا الرُّكْبَانَ وَلَا يَبِيْعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ قَالَ فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ مَا قَوْلُهٗ لَا يَبِيْعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ قَالَ لَا يَكُوْنُ لَهٗ سِمْسَارًا

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تجارتی قافلوں کی پیشوائی نہ کرو۔ شہری کسی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے (راوی حدیث نے) حضرت ابن عباس سے پوچھا کہ شہری کسی دیہاتی کا مال نہ بیچنے کا کیا مطلب ہے تو آپ نے فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ اس کا دلال نہ بنے۔

بَابٌ بَيْعُ حَاضِرٍ لِبَادٍ بِغَيْرِ أَجْرٍ وَهَلْ يُعِينُهُ أَوْ يَنْصَحُهُ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَنْصَحَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيَنْصَحْ لَهُ وَرَخَّصَ فِيهِ عَطَاءٌ

باب کیا شہری دیہاتی کا سامان کسی اُجرت کے بغیر بیچ سکتا ہے؛ اور کیا اس کی مدد یا اس کی خیر خواہی کر سکتا ہے؛ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب کوئی اپنے مسلمان بھائی کی خیر خواہی چاہے تو اس سے خیر خواہانہ معاملہ کرنا چاہیئے حضرت عطار علیہ الرحمہ نے اس بات کی اجازت دی ہے۔

بَابٌ مَنْ كَرِهَ أَنْ يَبِيعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ بِأَجْرٍ

جنھوں نے اسے مکروہ سمجھا کہ کوئی شہری، کسی دیہاتی کا مال اُجرت لے کر بیچے،

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَبِيعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ وَبِهِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ - (بخاری)

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا تھا کہ کوئی شہری، کسی دیہاتی کا مال نہ بیچے۔ یہی ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا تھا۔

بَابٌ لَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ بِالسَّمْسَرَةِ

باب کوئی شہری کسی دیہاتی کی دلالی نہ کرے

كَرِهَ ابْنُ سِيرِينَ وَإِبْرَاهِيمُ لِلْبَائِعِ وَالْمُشْتَرِيْ وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ إِنَّ الْعَرَبَ تَقُولُ بِعْ لِي ثَوْبًا وَهِيَ تَعْنِي الشِّرَاءَ

ابن سیرین و ابراہیم نخعی رحمہا اللہ نے بائع و مشتری دونوں کے لیے اس کام کو مکروہ قرار دیا ہے۔ ابراہیم فرماتے تھے کہ اہلِ عرب اس جملہ بع لی ثوبا۔ کو بول کر خریدنا مراد لیتے تھے۔

عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّهُ سَمِعَ أَبُو هُرَيْرَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبْتَاعُ الْمَرْءُ عَلٰى بَيْعِ أَخِيهِ وَلَا تَنَاجَشُوا وَلَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ

حضرت سعید ابن مسیب کہتے ہیں کہ انہوں نے ابوہریرہ سے سُنا۔ وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کوئی اپنے مسلمان بھائی کے دام پر دام نہ چکائے۔ نجش نہ کرے اور شہری دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے۔

بَابُ النَّهْيِ عَنْ تَلَقِّي الرُّكْبَانِ وَأَنَّ بَيْعَهُ مَرْدُودٌ لِأَنَّ صَاحِبَهُ عَاصٍ آثِمٌ إِذَا كَانَ بِهِ عَالِمًا وَهُوَ خِدَاعٌ فِي الْبَيْعِ وَالْخِدَاعُ لَا يَجُوزُ

باب تجارتی قافلوں کی پیشوائی کی ممانعت۔ یہ بیع رد کر دی جائے گی کیونکہ ایسا کرنے والا اگر جان بوجھ کر کرتا ہے تو گنہگار و خطاکار ہے۔ یہ بیع میں ایک دھوکا ہے۔ اور دھوکہ جائز نہیں ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ التَّلَقِّي وَأَنْ يَبِيعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (تجارتی قافلوں کی) پیشوائی سے منع کیا تھا اور اس سے بھی کہ کوئی شہری، کسی دیہاتی کا سامان بیچے۔

عَنِ ابْنِ طَاؤسٍ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ سَاَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ مَّا مَعْنٰی قَوْلِہٖ لَا یَبِیْعَنَّ حَاضِرٌ لِّبَادٍ فَقَالَ لَا یَکُنْ لَّہٗ سِمْسَارًا (بخاری)

ابنِ طاؤس سے ان کے والد نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابنِ عباس سے پوچھا کہ حضور کے ارشاد شہری دیہاتی کا مال نہ بیچے، کا کیا مطلب ہے تو انھوں نے فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ اس کا دلال نہ بنے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ مَنِ اشْتَرٰی مُحَفَّلَۃً فَلْیَرُدَّ مَعَہَا صَاعًا قَالَ وَنَہَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ تَلَقِّی الْبُیُوْعِ

حضرت عبداللہ نے کہا کہ جس نے مصراۃ کو خریدا تو اس کے ساتھ ایک صاع کھجور بھی واپس کرے۔ انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قافلوں کی پیشوائی سے منع فرمایا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَبِیْعُ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَیْعِ بَعْضٍ وَّلَا تَلَقَّوُا السِّلَعَ حَتّٰی یُہْبَطَ بِہَا اِلَی السُّوْقِ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کوئی شخص کسی دوسرے کی بیع میں مداخلت نہ کرے اور کوئی باہر سے آنے والے مال کی طرف نہ بڑھے تاآنکہ وہ بازار میں آجائے۔

بَابُ مُنْتَہَی التَّلَقِّی

باب قافلے سے کتنی دور آگے

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ کُنَّا نَتَلَقَّی الرُّکْبَانَ فَنَشْتَرِیْ مِنْہُمُ الطَّعَامَ فَنَہَانَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ نَّبِیْعَہٗ حَتّٰی یُبْلَغَ بِہٖ سُوْقَ الطَّعَامِ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰہِ ھٰذَا فِیْ اَعْلَی السُّوْقِ یُبَیِّنُہٗ حَدِیْثُ عُبَیْدِ اللّٰہِ (بخاری)

حضرت عبداللہ نے بیان کیا۔ ہم قافلوں کے پاس خود پہنچ جاتے (اور ان کے شہر میں پہنچنے سے پہلے) وہیں غلہ خرید لیتے۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس بات سے منع فرمایا کہ ہم اسے غلہ کی منڈی میں پہنچنے سے پہلے خریدیں۔ ابو عبداللہ امام بخاری علیہ الرحمہ نے کہا۔ یہ منڈی (مدینہ کے بازار کے آخری سرے پر تھی۔ اس کی وضاحت عبید اللہ کی حدیث کرتی ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ کَانُوْا یَبْتَاعُوْنَ الطَّعَامَ فِیْ اَعْلَی السُّوْقِ فَیَبِیْعُوْنَہٗ فِیْ مَکَانِہِمْ فَنَہَاہُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یَّبِیْعُوْہُ فِیْ مَکَانِہٖ حَتّٰی یَنْقُلُوْہُ (بخاری)

حضرت عبداللہ نے بیان کیا کہ لوگ بازار کے سرے پر غلہ خریدتے اور وہیں بیچنے لگتے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ منتقل کرنے سے پہلے وہیں بیچنا شروع کر دے۔

ان تمام حدیثوں کی تفہیم و ترجمانی گذشتہ اوراق میں ہو چکی ہے۔ امام بخاری کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ایک ہی حدیث کے جملوں کا عنوان قائم کر کے مطلب حدیث واضح کرتے ہیں۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ شہری، دیہاتی کا مال نہ بیچے۔ غلہ شہر میں پہنچنے سے پہلے نہ خریدا جائے۔ تجارتی قافلوں کا

استقبال نہ کیا جائے۔ تو یہ ممانعت مطلقاً نہیں ہے بلکہ اس صورت میں ہے جب کہ دھوکہ وفریب سے کام لیا جائے۔ نووارد دیہاتی کو شہر کا بھاؤ اُترا ہوا بتایا جائے حالانکہ شہر میں قیمتیں مستحکم ہوں یا تجارتی قافلوں کی آمد رُک گئی ہو اور شہر میں غلہ کی قلت ہو یا قحط کی حالت ہو ـــــ اور اگر یہ صورت حال نہ ہو تو پھر ممانعت نہیں ہے۔

ان احادیث سے یہ ضابطہ اور اصول سمجھ میں آتا ہے کہ بیع وشراء کی بعض وہ صورتیں جو فی نفسہٖ جائز و مباح ہی ہوں مگر ان کے جاری رہنے سے ملک کے مجموعی مفاد کو نقصان ہو یا روزگار کے ذرائع و وسائل سمٹ کر چند افراد کے ہاتھوں میں اس طرح آجائیں کہ وہ جب چاہیں اشیاءِ ضروریہ کی قلت پیدا کر کے عوام سے منہ مانگے دام وصول کر لیں اور اس طرح غریب سفید پوش اور متوسط طبقہ کی زندگی اجیرن ہو جائے ـــــ تو ان حالات میں ان احادیث کی رُو سے حکومتِ وقت کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ عدل و انصاف اور خدا ترسی کے ساتھ بیع وشراء کی بعض صورتوں پر پابندی عائد کر دے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسلام کی بنیادی ہدایات کا پورا خیال رکھنا لازمی وضروری ہے۔ یعنی پابندی اس نوعیت و کیفیت کی عائد کی جائے جو بقدرِ ضرورت ہو اور جس سے جانبین کے بنیادی حقوق تلف نہ ہو۔ افراط و تفریط سے پاک ہو اور اسلام کی بنیادی و اصولی ہدایات ذرا بھی مجروح و مضمحل نہ ہوں۔

بَابٌ اِذَا اشْتَرَطَ شُرُوْطًا فِى الْبَيْعِ لَا تَحِلُّ

باب جب بیع میں ایسی شرطیں لگائیں جو جائز نہ تھیں

لا تحل۔ شروطا کی صفت ہے۔ جواب اذا نہیں ہے۔ بلکہ اذا کا جواب محذوف ہے۔ جواب کی عبارت یہ ہوگی۔ لا یفسد البیع بذالك۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَتْنِىْ بُرَيْرَةُ فَقَالَتْ كَاتَبْتُ اَهْلِىْ عَلٰى تِسْعِ اَوَاقٍ فِىْ كُلِّ عَامٍ اُوْقِيَّةٌ فَاَعِيْنِيْنِىْ فَقُلْتُ اِنْ اَحَبَّ اَهْلُكِ اَنْ اَعُدَّهَا لَهُمْ وَلَاؤُكِ لِىْ فَعَلْتُ فَذَهَبَتْ بَرِيْرَةُ اِلٰى اَهْلِهَا فَقَالَتْ لَهُمْ فَاَبَوْا عَلَيْهَا فَجَاءَتْ مِنْ عِنْدِهِمْ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ فَقَالَتْ اِنِّىْ قَدْ عَرَضْتُ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ فَاَبَوْا اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ الْوَلَاءُ لَهُمْ فَسَمِعَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَتْ عَائِشَةُ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ خُذِيْهَا وَاشْتَرِطِىْ لَهُمُ الْوَلَاءَ فَاِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ فَفَعَلَتْ عَائِشَةُ ثُمَّ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میرے پاس بریرہ رضی اللہ عنہا (جو اس وقت تک باندی تھیں) آئیں اور کہنے لگیں کہ میں نے اپنے مالکوں سے نو اوقیہ چاندی پر مکاتبت کر لی ہے۔ شرط یہ ٹھہری ہے کہ ہر سال ایک اوقیہ چاندی انھیں دیا کروں گی، اب آپ بھی میری کچھ مدد کیجیے۔ اس پر میں نے ان سے کہا کہ اگر تمہارے مالک یہ پسند کریں کہ متعینہ مقدار میں ان کے لیے (ابھی) مہیا کر دوں اور تمہاری ولاء میرے ساتھ قائم ہو جائے تو میں ایسا کر سکتی ہوں۔ بریرہ رض اپنے مالکوں کے پاس گئیں اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی تجویز ان کے سامنے رکھی۔ لیکن انھوں نے اس سے انکار کیا۔ پھر بریرہ رضی اللہ عنہا ان کے یہاں سے واپس آئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں) جلوہ فرما تھے۔

فِي النَّاسِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ مَا بَالُ رِجَالٍ يَشْتَرِطُوْنَ شُرُوْطًا لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللّٰهِ مَا كَانَ مِنْ شَرْطٍ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ فَهُوَ بَاطِلٌ وَّاِنْ كَانَ مِائَةَ شَرْطٍ قَضَاءُ اللّٰهِ اَحَقُّ وَشَرْطُ اللّٰهِ اَوْثَقُ وَاِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ۔

انہوں نے کہا کہ میں نے تو صورت آپ کی ان کے سامنے رکھی تھی لیکن وہ نہیں مانتے بلکہ کہتے ہیں کہ ولاء تو ہمارے لیے ہی رہے گی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بات سنی اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی آپ کو حقیقتِ حال کی خبر کی تو آپ نے فرمایا کہ بریرہ کو تم لے لو اور انہیں ولاء کی شرط لگانے دو۔ ولاء تو اسی کی ہوتی ہے جو آزاد کرے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایسا ہی کیا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر لوگوں کے مجمع میں تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا کہ اما بعد۔ ایسے لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ (خرید و فروخت) میں ایسی شرطیں لگاتے ہیں۔ جن کی کتاب اللہ میں کوئی اصل نہیں ہے تو جو بھی ایسی شرط لگائے جو کتاب اللہ کے منافی ہو وہ باطل ہے خواہ ایسی سو شرطیں ہی کیوں نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہی بہت صحیح اور حق ہے اور اللہ کی شرط ہی مضبوط ہے۔ ولا تو اسی کے لیے ہے جس نے آزاد کیا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ عَائِشَةَ اُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ اَرَادَتْ اَنْ تَشْتَرِيَ جَارِيَةً فَتُعْتِقَهَا فَقَالَ اَهْلُهَا نَبِيْعُكِهَا عَلٰى اَنَّ وَلَاءَهَا لَنَا فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا يَمْنَعُكِ ذٰلِكِ فَاِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ۔

(بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے چاہا کہ ایک باندی کو خرید کر آزاد کر دیں۔ لیکن اس کے مالکوں نے کہا کہ ہم اس شرط پر بیچ سکتے ہیں۔ جب کہ اس کی ولا ہمارے لیے ہو۔ حضرت عائشہ نے حضور سے اس کا ذکر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شرط کی وجہ سے تم نہ رکو۔ ولا تو اسی کے لیے ہے جو آزاد کرے۔

فوائد و مسائل (۱) اس حدیث کو امام بخاری علیہ الرحمہ نے زکوٰۃ، صدقہ، عتق، مکاتب، ہبہ، بیوع، فرائض، طلاق، شروط، اطعمہ، کفارۃ الایمان۔ باب البیع والشراء مع النساء وغیرہ میں ذکر کیا ہے اور امام ابوداؤد نے عتق میں نسائی نے فرائض میں ابن ماجہ نے عتق میں ذکر کیا ہے۔

مکاتبت کا مطلب یہ ہے کہ غلام اپنے آقا سے یہ طے کر لے کہ اتنی مدت میں اس قدر رقم وہ اسے کما کر دے گا۔ اس شرط کے پورا کرنے پر غلام آزاد ہو جائے گا۔ قرآن میں فرمایا۔ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا۔ یعنی تمہارے غلام و لونڈی جو یہ چاہیں کہ کچھ مال کمانے کی شرط پر انہیں آزادی لکھ دو تو لکھ دو۔ اگر ان میں کچھ بھلائی جانو (نور آیت ۳۲)۔ اس آیت سے مکاتبت کا مشروع ہونا واضح ہوا۔ قرآن کا یہ حکم استحباب کے لیے ہے۔ ان علمتم فیھم خیرا" کے الفاظ اس امر پر دال ہیں کہ یہاں یہ امر استحبابی ہے۔

ولاء کا مطلب حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اَلْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ۔ یعنی جب غلام کو آزاد کر دیا جائے۔ تو اصحابِ فرائض و عصباتِ نسبیہ کے بعد اس کی میراث (مُعْتِقْ) آزاد کرنے والے کو ملے گی۔

یہ حدیث اس امر میں نص ہے کہ وَلا معتق کے لیے ہے۔ اس مسئلہ میں تمام آئمہ متفق ہیں۔ البتہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ اگر اس شرط پر آزاد کیا کہ وَلار معتق کے لیے نہ ہوگی تو جمہور کے نزدیک یہ شرط باطل ہے اور وَلار بہرحال معتق کے لیے ہوگی۔ (۱) حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے مالکوں سے مکاتبت کی تھی۔ حضرت عائشہ نے چاہا کہ انھیں خرید کر آزاد کردیں۔ لیکن بریرہ کے مالکوں نے یہ شرط لگائی کہ وَلا ان کے لیے ہوگی۔ حضور نے حضرت عائشہ سے فرمایا۔ وَاشترطی لہم الولاء۔ تم یہ شرط مان لو مگر وَلا بہرحال معتق کے لیے ہوگی۔ ظاہر حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ بیع جائز ہے اور شرط باطل ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے شرط فاسد کے باوجود بیع کو کیسے جائز قرار دیا اور اس پر مزید یہ کہ ایک ایسی شرط جو کہ باطل ہے کی اجازت بھی دی اور پھر اس شرط کو باطل بھی قرار دیا۔ شارحین نے اس سوال کے متعدد جواب دیئے ہیں۔ اول حدیث عائشہ عن مالک ابن ہشام میں وَاشترطی کا لفظ ہے مگر ابن ہشام ہی سے لیث بن سعد اور عمرو بن الحارث کی روایات میں اشتراطِ وَلا کا ذکر نہیں ہے۔ صرف یہ لفظ ہیں۔ حضور نے فرمایا۔ لا یمنعك ذالك عنھا ابتاعی واعتقی وانما الولاء لمن اعتق۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اشترطی بمعنی اظہری ہو۔ اوس بن فجر کہتا ہے فاشترط فیھا نفسہٗ وَھُوَ مُعْتَصِمٌ۔ کلامِ عرب میں اشراط بمعنی اظہار آیا ہے۔ پس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ حضور علیہ السلام نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ تم بریرہ کو خرید لو اور ان پر واضح اور ظاہر کردو کہ وَلار تو معتق ہی کے لیے ہوگی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضور کا ارشاد بطور زجر و توبیخ و تنکیر کے لیے ہے۔

امام نووی نے فرمایا۔ اس حدیث سے بہت سے مسائل اور قواعد کا ظہور ہوتا ہے۔ علمار کے ایک گروہ جن میں حضرت ابن مسعود و ربیعہ، عطاؔ، نخعی، امام احمد بھی شامل ہیں۔ اس حدیث سے مکاتب کی بیع کے جواز کا قول کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ حضرت عائشہ نے حضرت بریرہ کو جو کہ مکاتبہ تھیں، کو خریدنا چاہا تو حضور علیہ السلام نے اس بیع کو جائز قرار دے دیا ——— لیکن امام اعظم ابوحنیفہ و شافعی و امام مالک (فی روایۃ) اور بعض اصحاب مالک عدم جواز کا قول کرتے ہیں اور حضرت عطار وغیرہ کے استدلال کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حضرت بریرہ نے مکاتبت کو فسخ کردیا تھا۔ اس بنا پر حضور نے اس بیع کو جائز قرار دیا تو یہ بیع مکاتب نہ ہوئی۔

بَابُ بَيْعِ التَّمْرِ بِالتَّمْرِ

باب کھجور کی بیع کھجور کے بدلہ

عَنْ مَالِكِ بْنِ اَوْسٍ سَمِعَ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْبُرُّ بِالْبُرِّ رِبًا اِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالشَّعِيْرُ رِبًا اِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ رِبًا اِلَّا

حضرت عمر سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ گیہوں کو گیہوں کے بدلہ میں خریدنا سود ہے۔ لیکن یہ کہ نقد ہو۔ جَو کو جَو کے بدلہ میں خریدنا سود ہے۔ لیکن یہ کہ نقد ہو اور کھجور کو کھجور کے بدلہ میں خریدنا سود ہے۔ مگر یہ

هَاءَ وَ هَاءَ (بخاری) | کہ نقد ہو۔

فوائد و مسائل (۱) البُرَّ۔ رفع و نصب دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ نصب اس بنا پر کہ فعلِ مقدرہ کا مفعول ہو تقدیرِ عبارت یوں ہوگی۔ بِيْعُوا البُرَّ بِالبُرِّ۔ رفع اس بنا پر کہ یہ مبتدا ہو خبر محذوف کی۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی۔ البُرُّ يُبَاعُ بِالبُرِّ

(۲) هَاءَ وَ هَاءَ کے حاصلِ معنیٰ نقد سودا کرنے کے ہیں۔ هَاءَ اسم فاعل بمعنیٰ امر ہے۔ ہمزہ پر زیر ہے یا زبر بمعنی خُذْ بعض نے کہا هَاءَ۔ هَاكَ تھا بمعنی خُذْ اسم فاعل بمعنی امر۔ كَ کو ہمزہ سے بدل دیا معنیٰ یہ ہوئے کہ ایک آدمی دوسرے سے کہے (خذ) یہ لے اور دوسرا کہے هاتِ۔ لا

(۳) اس حدیث میں سونے چاندی اور نمک کا ذکر نہیں ہے۔ مگر اس سلسلہ کی دوسری متعدد احادیث میں سونے چاندی اور نمک کا بھی ذکر ہے۔

(۴) یہ کل چھ اشیاء ہوئیں۔ (۱۔ سونا ۲۔ چاندی ۳۔ گیہوں ۴۔ جَو ۵۔ کھجور ۶۔ نمک) ان اشیاءِ ستہ کی بیع جب ان کی جنس سے ہو یعنی سونا سونے کے عوض۔ چاندی چاندی کے عوض۔ گیہوں گیہوں کے عوض۔ جَو جَو کے عوض۔ کھجور کھجور کے عوض۔ نمک نمک کے عوض تو اس بیع کے جائز ہونے کی شرط یہ ہے کہ دونوں ہم جنس چیزیں برابر برابر ہوں یعنی کیلی ہے تو ماپ سے برابر ہو اور وزنی ہے تو وزن سے برابر ہو اور وزنی ہے تو وزن سے برابر ہو اور سودا بھی نقد ہو۔ [illegible] مبادلہ میں سودا ادھار ہو یا دونوں ہم جنس چیزیں برابر برابر نہ ہوں تو یہ سود ہے اور ناجائز و حرام ہے۔ اشیاءِ ستہ مذکورہ فی الحدیث کی بیع۔ جب کہ (اسی کی جنس سے ہو) میں کمی بیشی اور ادھار کو چونکہ احادیث میں سود اور ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ میں تمام آئمہ کرام کا اتفاق ہے۔ اب رہی یہ بات کہ یہ حکم اشیاءِ ستہ مذکورہ فی الحدیث ہی کے ساتھ خاص ہے یا دوسری اجناس کے تبادلہ میں بھی یہی حکم جاری ہوگا۔ اگر جاری ہوگا تو اس کا ضابطہ کیا ہے؟ حضور علیہ السلام نے واضح طور پر اس کا ضابطہ کلی نہیں بیان فرمایا۔ اس بنا پر اہل الظاہر نے یہ رائے قائم کی کہ یہ حکم صرف ان اشیاءِ ستہ مذکورہ فی الحدیث کے ساتھ خاص ہے۔ ان کے علاوہ جو اشیاء ہیں۔ ان کی بیع خواہ اسی کی جنس سے ہو کمی وبیشی و ادھار کا معاملہ کرنا جائز ہے۔ حضرت مسروق، قتادہ، طاؤس، شعبی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ (عینی) لیکن جمہور نے اہل الظاہر کی اس رائے [illegible] نہیں کیا۔ وہ کہتے ہیں۔

سود کی حرمت ان چھ اشیاء کے ساتھ خاص ہیں۔ ان چھ اشیاء کا ذکر اس لیے ہے تاکہ دوسری اشیاء کو بھی ان پر قیاس کیا جا سکے۔ چنانچہ آئمہ اربعہ نے دیگر اشیاء میں اس حکم کو جاری کرنے کے لیے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق علت کا تعین کیا ہے۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنس و قدر علت متعین فرمائی۔ اسی طرح امام شافعی، امام احمد، امام مالک اور دیگر آئمہ نے بھی علت کا تعین کیا ہے۔ جن کی تعداد تقریباً دس ہے۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے ان مذاہب کو باب ما یذکر فی بیع الطعام والحکرہ کے ماتحت جو حدیث آئی ہے وہاں تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔

یداً بید واضح ہو کہ اشیاء ستہ کی احادیث میں یداً بید اور اسی سے ملتے جلتے ہم معنیٰ الفاظ آتے ہیں۔ جس کے لفظی معنیٰ دست بدست کے ہیں۔ جس کا بظاہر یہ مفہوم سمجھ میں آتا ہے کہ تقابض بدلین فی المجلس اشیاء ستہ کے لیے شرط ہے اور مسلک احناف یہ ہے کہ سونے چاندی کی بیع میں تو تقابض بدلین فی المجلس شرط ہے۔ مگر کھجور، نمک، گیہوں، جو۔ ان چار چیزوں میں تقابض بدلین فی المجلس شرط نہیں بلکہ تعیین شرط ہے کہ دونوں چیزیں متعین ہوں۔ احناف کے موقف کا خلاصہ یہ ہے کہ یداً بید کا مطلب دراصل تعیین ہی ہے۔ مگر چونکہ سونا چاندی خلقۃً ثمن ہیں اور ثمن کی تعیین کا اتمام قبضہ کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اس لیے بیع صرف (چاندی سونے کی بیع) میں قبضہ بالید صحتِ بیع کے لیے شرط ہے اور باقی چار اشیاء۔ نمک، کھجور، گیہوں، جو کی بیع میں قبضہ بالید شرط نہیں کیونکہ ان اشیاء میں اشارہ سے تعیین کا اتمام ہو جاتا ہے۔

(۱) مثلاً ایک تولہ سونا ایک تولہ سونے کے عوض بیع کیا تو یہ بیع جائز ہے۔ جب کہ بائع اور مشتری بدلین پر بلا تاخیر اسی مجلس میں قبضہ کرلیں۔ اگر مجلس میں قبضہ نہیں کریں گے تو بیع ناجائز قرار پائے گی۔

(۲) سونے چاندی کے علاوہ کی مثال یہ ہے۔ ایک صاع گیہوں، ایک صاع گیہوں کے عوض بیع کی جائز ہے جبکہ دونوں طرف کے گیہوں متعین ہوں یعنی ان کی طرف اشارہ کر دیا جائے۔ لیکن یہاں مجلس میں بدلین پر قبضہ کرنا شرط نہیں ہے۔ صرف اشارہ سے بدلین کو متعین کر دینا کافی ہے۔ خواہ قبضہ بعد میں کریں۔ (فافہم)

وضاحت اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ یداً بید سے عین بعین ہی مراد ہو سکتا ہے کیونکہ تعیین اشارہ بالید کے ساتھ ہوتی ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ قبضٌ بقبضٍ مراد لیا جائے کیونکہ قبضہ ید کے ساتھ ہوتا ہے۔ احتمال ثانی پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حسب ذیل حدیث سے استدلال کیا گیا جو بیع صرف کے بارے میں ہے۔ من یدک الیٰ یدہ وان استنظرک الیٰ خلف ساریۃ و ان وثب من السطح فثب معہ مبسوط سرخسی جلد ۲ صفحہ ۱۱۱ یعنی تیرے ہاتھ سے اس کے ہاتھ کی طرف (قبضہ ہو) اگر وہ ستون کے پیچھے جانے کی تجھ سے مہلت مانگے تو اسے اتنی مہلت بھی نہ دے۔ اگر وہ کسی اونچی جگہ سے چھلانگ لگا دے تو تو بھی اس کے ساتھ چھلانگ لگا دے۔ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں۔ ولکن الاصح ان المراد التعیین لانہ لو کان المراد بہ القبض لقال "من ید الیٰ ید لانہ یقبض من ید غیرہ فعرفنا ان المراد التعیین انتہی مبسوط سرخسی جلد ۲ صفحہ ۱۱۱ یعنی اصح یہ ہے کہ حدیث شریف میں یداً بید سے قبضہ مراد نہیں بلکہ تعیین مراد ہے۔ کیونکہ اگر قبضہ مراد ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اشیاء ستہ مذکورہ کی حدیث میں من یدٍ الیٰ یدٍ فرماتے۔ اس لیے کہ وہ اپنے غیر کے ہاتھ سے اپنے ہاتھ کی طرف قبضہ کرتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت منقولہ بالا چونکہ محض بیع صرف کے بارے میں ہے۔ باقی اشیاء اربعہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے اس میں من یدکَ الیٰ یدِہٖ کے الفاظ وارد ہیں کہ بیع صرف میں تعیین، محض...

کافی نہیں، بلکہ قبضہ ضروری ہے۔ لہٰذا اشیاء ستہ مذکورہ والی حدیث میں یداً بید کو قبضہ کی بجائے تعیین پر محمول کرنا بقول حضرت شمس الائمہ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ یقیناً اصح قرار پاتا ہے۔ نیز مذہب احناف کے مطابق تعیین مراد لینے کے قول پر حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث عبارۃ النص کے ساتھ دلالت کرتی ہے۔ حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن بیع الذھب بالذھب والفضۃ بالفضۃ والبُرُّ بالبُرِّ والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح الا سواءً بسواءٍ عیناً بعین الخ صحیح مسلم جلد ۲ صہ ۲۴، ۲۵۔ اس حدیث میں یداً بیدٍ کی بجائے عیناً بعین کے کلمات اس دعوے کی روشن دلیل ہیں کہ یداً بیدٍ سے قبضہ مراد نہیں بلکہ تعین مراد ہے۔

چنانچہ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ وقولہ یداً بیدٍ معناہ عندنا عین بعین یعنی ہمارے نزدیک یداً بیدٍ سے عین بعین مراد ہے۔ اس کے ساتھ فرماتے ہیں۔ ولھٰذا لا یشترط التقابض فی بیع الحنطہ بالحنطہ۔ لان التعیین فیھا یتم بالاشارۃ انتھی۔ اس کے دو سطر بعد فرماتے ہیں۔ وکذالک الشعیر والتمر والملح انتھی۔ یعنی اشیاء اربعہ میں چونکہ اشارہ بالید کے ساتھ تعیین کا اتمام ہو جاتا ہے۔ اس لیے ان کی بیع میں تقابض الیدین فی المجلس شرط نہیں۔

لیکن سونا چاندی چونکہ خلقۃً ثمن ہیں اور ثمن کی تعیین کا اتمام قبضہ کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اس لیے بیع صرف میں قبضہ بالید صحت بیع کی شرط ہے۔ اسی طرح بحر الرائق جلد ۶ صفحہ ۱۳۰ یعنی سونے چاندی کی بیع کے علاوہ اشیاء اربعہ کی بیع میں صرف تعیین شرط ہے۔ قبضہ شرط نہیں۔ عنایہ علی الہدایہ میں ہے۔ قبضُ عوضِ الصرفِ قبل الافتراق بالابدان واجب بالمنقول ـــــــ یعنی بیع صرف کے عوض کے قبضہ کا تفرق بالابدان سے پہلے واجب ہونا احادیث منقولہ سے ثابت ہے۔ معلوم ہوا کہ بیع صرف کے علاوہ اشیاء اربعہ مذکورہ کی بیع میں یہ قبضہ کسی حدیث سے ثابت نہیں۔

ہاں! ثمن اور دَین کی صورت میں یہ قبضہ اس لیے واجب ہوگا کہ دَین اور ثمن کی تعیین قبضہ بالید کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ ثمن خلقی ہو یا غیر خلقی، سونا چاندی مضروب ہو یا غیر مضروب جسے مصبوغ کہتے ہیں۔ ہر صورت میں تقابض الیدین قبل التفرق واجب ہے۔ اس کے علاوہ میں محض تعیین، صحتِ بیع کے لیے کافی ہے۔ قبضہ ضروری نہیں۔ فافہم۔ چونکہ یہ مسائل بہت باریک اور مشکل ہیں۔ اس لیے راقم الحروف اس باب میں بنیادی طور پر حنفی مسلک اور اس کے دلائل کو پیش کرتا ہے۔

وزنی اور کیلی کا مطلب

وزن سے فروخت ہونے والی اشیاء کو وزنی۔ کسی پیمانہ سے ماپ کر فروخت ہونے والی چیز کو کیلی اور گنتی سے فروخت ہونے والی چیز کو عددی کہتے ہیں۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کا مسلک یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جن اشیاء کو وزنی قرار دیا ہے (جیسے سونا چاندی) وہ ہمیشہ اور ہر دور میں شرعاً وزنی ہی رہے گی اگرچہ عرف بدل جائے۔ اسی طرح جن اشیاء کو حضور علیہ السلام نے کیلی

قرار دیا ہے۔ جیسے (کھجور، گیہوں، نمک، جَو) وہ ہمیشہ کے لیے کیلی ہی رہیں گی۔ اگرچہ عرف و رواج اس کے خلاف ہو جائے جیسا کہ ہمارے زمانہ میں مذکورہ بالا چاروں چیزیں وزن سے فروخت ہوتی ہیں۔ مگر اس کے باوجود یہ چار اشیاء بہر حال شرعاً کیلی ہی قرار پائیں گی اور عرف و رواج کا یہاں اعتبار نہ ہوگا ——— البتہ جن اشیاء کے کیلی یا وزنی ہونے کی حضور علیہ السلام نے تصریح نہیں فرمائی۔ ان میں عرف و رواج کا اعتبار ہوگا ——— اس بنا پر ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ایک ہی چیز کسی شہر یا صوبہ میں وزن سے فروخت ہوتی ہو اور وہی چیز دوسرے شہر یا صوبہ میں عدد سے بکتی ہو تو جیسا کہ جس شہر یا صوبہ کا رواج ہوگا۔ شریعت اس رواج و عرف کا لحاظ کرتے ہوئے اس چیز کو وزنی یا کیلی قرار دے گی اور اس وجہ سے حکم میں بھی تبدیلی پیدا ہو جائے گی۔ مثلاً مالٹا اور کنو پنجاب میں عدد سے بکتے ہیں تو یہاں پنجاب میں ایک عدد مالٹا دس عدد مالٹوں کے عوض بیع کرنا جائز ہوگا۔ مگر کراچی میں مالٹا یا کنو وزن سے فروخت ہونے کا رواج ہے۔ لہٰذا کراچی میں ایک سیر مالٹے دو سیر مالٹوں کے عوض فروخت کرنا سود قرار پائے گا اور یہ بیع ممنوع قرار دی جائے گی۔ کیونکہ جنس و قدر میں اتحاد پایا گیا ہے۔ مذکورہ بالا ضابطہ اور مثال کو خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے تو بیع کی ایسی متعدد صورتوں کا حکمِ شرعی معلوم کیا جا سکتا ہے۔

جنس و قدر کی تعریف

اگر دو چیزوں کا ایک نام اور ایک ہی کام ہو تو یہ چیزیں ایک جنس قرار پائے گی اور اگر نام اور مقصد میں اختلاف ہو تو الگ الگ جنس سمجھی جائیں گی۔ اور قدر سے مراد وزن اور ماپ ہے۔

مثال کے طور پر گیہوں، جَو، کپڑے کی تمام قسمیں ململ، لٹھا، چھینٹ، مختلف اقسام کے پارچات جو ایجاد ہو چکے یا آئندہ ہوں گے۔ لوہا، پیتل، تانبا، اسٹیل، اون، ریشم، سوت، گائے کا گوشت، بھیڑ کا گوشت، بکری کا گوشت دنبہ کی چکتی، پیٹ کی چربی، روغنِ گل، روغنِ چنبیل، روغنِ بادام وغیرہ۔ یہ سب مختلف الجنس اشیاء ہیں کھجور کی تمام اقسام ادنیٰ و اعلیٰ، خشک و تر، ایک جنس ہیں۔ چاولوں کی سب قسمیں، عمدہ خراب اعلیٰ و ادنیٰ ایک جنس ہیں۔ گیہوں کی سب قسمیں موٹی باریک عمدہ خراب ایک جنس ہیں۔ اس بنا پر ایک صاع تر کھجور کو دو صاع سوکھی کھجوروں کے عوض فروخت کرنا۔ اسی طرح ایک صاع عمدہ موٹے دانے والی گندم کو دو صاع خراب گندم کے عوض فروخت کرنا سود ہے اور ممنوع ہے۔ کیونکہ جنس و قدر کا اتحاد پایا گیا ہے۔ اس معاملہ میں عمدہ و خراب کا شرعاً اعتبار نہیں کیا جاتا۔

متجانس اشیاء کی بیع کا ضابطہ شرعی

جن دو چیزوں کے تبادلہ میں قدر و جنس دونوں موجود ہوں تو کمی بیشی سود ہے اور حرام ہے (اس کو ربا الفضل کہتے ہیں) اور اگر ایک طرف نقد ہو۔ دوسری طرف ادھار یہ بھی سود ہے اور بیع حرام (اس کو ربا النسیئہ کہتے ہیں) مثلاً گیہوں کو گیہوں کے بدلے فروخت کریں تو کم و بیش بھی حرام اور ایک اب دیتا ہے دوسرا کچھ دیر بعد دے گا (ادھار) یہ بھی حرام البتہ مجلس میں قبضہ ضروری نہیں ہے۔ بدلین کی تعیین ضروری ہے۔ یعنی غلہ کی بیع اپنی جنس یا غیر جنس سے ہو اس میں تقابض شرط نہیں۔ صرف معین کرنا شرط ہے۔ اسی طرح ایک تولہ سونا ایک تولہ سونے کے بیع کیا جائے

بھی حرام ۔مجلس میں قبضہ ضروری اور ادھار بھی حرام ۔جائز ہونے کی صورت یہ ہے کہ دونوں کا وزن برابر ہو ۔سود النقد ہو
بائع اور مشتری بدلین کو اسی مجلس قبضہ بھی کریں ۔ واضح رہے کہ سونے کو سونے سے اور چاندی کو چاندی سے تبادلہ میں سونے چاندی
کی کیفیت و نوعیت کا شرعاً اعتبار نہیں ہے ۔اس بنا پر ایک تولہ سونے کے عوض ڈیڑھ تولہ سونے کا زیور بیع کیا تو یہ بیع
حرام اور سود قرار پائے گی ——— چنانچہ مسلم شریف میں حضرت فضالہ ابن عبید سے مروی ہے ۔انھوں نے خیبر کے دن بارہ
دینار میں ایک ہار خریدا ۔فِیهَا ذَهَبٌ وَ خَرَزٌ ۔ اس میں سونا بھی تھا اور موتی بھی میں نے اس ہار کو کھول دیا تو اس
ہار کا سونا بارہ دینار سے زیادہ پایا اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا ایسے
ہار بغیر

فَقَالَ لَا تُبَاعُ حَتّٰی تُفْصَلَ (مشکوٰۃ باب الربوا) | جُدا کیے نہ بیچے جائیں ۔

مجلس نہ بدلنے کا مطلب

یہ ہے مجلس خواہ کتنی ہی طویل ہو جائے ۔جب تک دونوں جُدا نہ ہوں قبضہ کر سکتے ہیں ۔اگر بائع و مشتری دونوں جُدا ہو جائیں ۔ایک ایک طرف چلا جائے ۔دوسرا دوسری طرف یا ایک وہاں سے چلا جائے اور دوسرا وہیں رہے تو بھی مجلس بدل گئی ۔پس بیع صرف کی صحت کے لیے مجلس ہی کے اندر بدلین پر قبضہ شرط ہے ۔

ماپ کی مقدار

سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ کی تحقیق یہ ہے کہ ماپ کی کم از کم مقدار نصف صاع ہے تو کیلی چیز کو جو نصف صاع سے کم ہو کمی بیشی کے ساتھ بیع کرنا جائز ہے ۔مثلاً ایک عدد کھجور دو عدد کھجور کے عوض یا ایک لپ جَو دو لپ جَو کے عوض بیع کرنا جائز ہے ۔

برابری کا مطلب

واضح ہو کہ جن اشیاء میں بیع جائز ہونے کے لیے برابری شرط ہے ۔ تو یہ ضروری ہے کہ برابری کا علم عقد کے وقت ہو ۔اگر بعد میں علم ہوا تو بیع ناجائز قرار پائے گی ۔مثلاً گیہوں گیہوں کے بدلے تخمینہ سے بیچ دیئے ۔پھر بعد میں ناپے گئے تو برابر نکلے ۔یہ بیع ناجائز ہے ۔

(۲) اسی طرح برابری کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز شرعاً وزنی ہے ۔اسے وزن سے برابر کیا جائے ۔جیسے سونا چاندی شرعاً وزنی ہیں ۔پس اگر سونا ماپ کر سونے کے عوض بیع کیا اور یہ نہیں معلوم کہ دونوں کا وزن کیا ہے تو یہ بیع ناجائز ہے ۔کیونکہ ہم جنس وزنی اشیاء میں برابری کا مطلب یہ ہے کہ وزن میں دونوں برابر ہوں ۔خواہ ماپ میں برابر نہ ہوں ۔اور وزن میں برابر ہونے کے یہ معنیٰ ہیں کہ کانٹے یا ترازو کے دونوں پلڑے میں دونوں برابر ہوں ۔مثلاً سونا کو سونے کے عوض بیع کیا ۔دونوں پلڑوں میں سونا رکھا تو دونوں پلڑے برابر ہوئے ۔اگرچہ یہ معلوم نہیں ۔دونوں کا وزن کیا ہے (کیونکہ وزن تو باٹ سے تول کر معلوم ہوگا) تو یہ بیع جائز ہے ۔(عالمگیری درمختار) غرضکہ بوقت عقد عاقدین کے علم میں دونوں چیزوں کا برابر ہونا شرط ہے ۔
لہٰذا اگر فی الحقیقت دونوں جانب کی چیزیں برابر ہوں مگر عاقدین (بائع و مشتری) کو بوقت عقد برابری کا علم نہ ہو بلکہ عقد بیع کے بعد معلوم ہوا کہ دونوں اشیاء برابر ہیں تو یہ بیع ناجائز ہے ——— اور جو اشیاء شرعاً کیلی ہوں جیسے جَو، کھجور، نمک، گیہوں تو اگر گیہوں کو گیہوں کے عوض وزن میں برابر کر کے بیع کیا ۔مگر یہ معلوم نہیں کہ ماپ میں برابر ہیں یا نہیں تو

بیع ناجائز ہے۔ کیونکہ کیلی اشیار میں برابری کا مطلب یہ ہے کہ ماپ میں برابری ہو۔ خواہ وزن میں برابر نہ ہوں۔

اگر قدر و جنس میں اختلاف ہو تو کمی بیشی جائز ہے

اگر دونوں جانب ایک جنس نہ ہو۔ بلکہ مختلف جنس ہوں جیسے سونے کو چاندی کے عوض یا چاندی کو سونے کے عوض تبادلہ کیا جائے تو کمی بیشی جائز ہے۔

(۱) (مثلاً سونا ایک تولہ ہو اور چاندی ۵ تولہ تو یہ بیع جائز ہے) مگر اس صورت میں تقابضِ بدلین شرط ہے۔ اگر تقابضِ بدلین سے قبل مجلس بدل گئی تو بیع باطل ہو گئی ——— ہاں سونے کو چاندی کے عوض یا چاندی کو سونے کے عوض خریدنے میں دونوں جانب کو وزن کرنے یا بوقتِ عقد عاقدین کو دونوں وزن کا علم ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وزن تو اس لیے کرنا ضروری تھا کہ دونوں کا برابر ہونا معلوم ہو جائے اور جب اختلافِ جنس کی صورت میں برابری شرط ہی نہیں ہے تو وزن بھی ضروری نہ رہا۔ صرف مجلس میں قبضہ شرط ہے۔

(۲) اسی طرح اگر گیہوں کو جَو کے بدلے میں یا پیتل کو لوہے کے بدلے میں بیع کریں (پہلی مثال میں (ماپ) اور دوسری میں وزن مشترک ہے۔ مگر جنس کا اختلاف ہے تو اب کمی بیشی کے ساتھ بیع جائز ہے۔ مگر ادھار بیچنا اس صورت میں بھی حرام اور سود ہے۔ اور اسی صورت میں اگر کمی بیشی کا سودا نہ کیا جائے (مثلاً گیہوں اور جَو دونوں برابر بھی ہوں) تو بھی ادھار بیع سود ہے اور حرام ہے ——— غرضکہ قدر و جنس میں سے ایک ہو، ایک نہ ہو، کمی بیشی جائز مگر ادھار حرام ہے اور اس کی دلیل مسلم شریف کی یہ حدیث ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَإِذَا اخْتَلَفَتْ هٰذِهِ الْاَصْنَافُ فَبِيْعُوْا كَيْفَ شِئْتُمْ اِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ (مشکوٰۃ باب الربوا)

جب جنس بدل جائے تو جیسے چاہو بیچو جب کہ سودا نقد ہو۔

جنس و قدر دونوں نہ ہوں تو کمی و بیشی بھی جائز اور ادھار بھی جائز ہے

مثلاً گیہوں یا جَو کو روپیہ سے خریدیں تو اس صورت میں کمی بیشی بھی جائز ہے اور ادھار بھی جائز ہے۔ کمی بیشی تو یہی ہے کہ ایک روپیہ کے عوض مثال کے طور پر ایک من گندم خرید رہا ہے اور ادھار بھی جائز کہ آج خرید ا اور روپیہ مہینہ بعد یا سال بعد جو ٹھہرا ہے ادا کیا جائے۔

بیع اور قرض میں فرق

یہ بات یاد رکھیے۔ یہ جو مسائل و احکام بیان ہوئے ہیں۔ یہ خرید و فروخت سے متعلق ہیں۔ قرض کی تعریف اور اس کے احکام اور ہیں۔ جو چیز قرض لی گئی یا دی گئی ہے اس کا مثلی ہونا ضروری ہے۔ خواہ ماپ کی چیز ہو یا وزن کی یا گنتی کی اور قرض کا حکم یہ ہے کہ جو چیز قرض لی گئی ہے اس کا مثل ادا کرنا لازم ہے تو جو چیز مثلی نہ ہو اسے قرض دینا درست نہیں ہے۔ مثلاً ایک تولہ سونا، ایک صاع کھجور، ایک صاع گیہوں قرض لیے اور مدت معینہ گذر جانے کے بعد ایک تولہ سونا، ایک صاع کھجور، ایک صاع گیہوں جو قرض لیے تھے ادا کر دیئے جائز ہے ——— کیونکہ یہ بیع نہیں قرض کی صورت ہے۔ مگر اس صورت میں بھی کمی بیشی حرام اور سود ہے۔ مثلاً ایک تولہ سونا قرض لیا اور ڈیڑھ تولہ سونا ادا کیا۔ تو یہ حرام ہے۔ اسی طرح ایک صاع گیہوں قرض لیے اور

دو صاع گیہوں ادائیگی ٹھہری تو یہ بھی سود ہے کیونکہ قرض پر نفع لینا خالص سود ہے۔

بَابُ بَيْعِ الزَّبِيبِ بِالزَّبِيبِ وَالطَّعَامِ بِالطَّعَامِ

باب کشمکش کو کشمکش کے عوض اور غلہ کو غلہ کے عوض بیچنے کے متعلق

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُزَابَنَةُ بَيْعُ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ كَيْلًا وَّبَيْعُ الزَّبِيْبِ بِالْكَرْمِ كَيْلًا (بخاری)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ سے منع فرمایا اور مزابنہ یہ ہے کہ کھجور کا باغ ہو۔ تو جو کھجوریں درخت میں لگی ہوئی ہیں ان کو خشک کھجوروں کے عوض ماپ کر بیع کرے اور انگور کا باغ ہو تو درخت میں لگے ہوئے انگور منقیٰ کے بدلے میں ماپ کر بیع کرے۔

عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْمُزَابَنَةِ قَالَ وَالْمُزَابَنَةُ اَنْ يَّبِيْعَ الثَّمَرَ بِكَيْلٍ اِنْ زَادَ فَلِيْ وَاِنْ نَقَصَ فَعَلَيَّ قَالَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ سے منع فرمایا اور مزابنہ یہ ہے کہ درخت میں جو کھجوریں لگی ہوئی ہیں۔ ان کو خشک کھجور کے عوض ماپ کر بیع کرے کہ اگر زیادہ ہو تو میری۔ اگر کم ہوں تو بھی مجھ پر۔ ابن عمر نے کہا اور مجھ سے ــــــ

وَحَدَّثَنِيْ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ فِي الْعَرَايَا بِخَرْصِهَا (بخاری)

حضرت زید بن ثابت نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عریہ میں تخمینہ کے ساتھ اجازت عطا فرمائی۔

(۱) مزابنہ زبن سے ہے۔ اس کے معنیٰ دفع کرنے ختم کرنے کے ہیں۔ چونکہ اس بیع میں جسے نفع نظر آتے۔ وہ اسے جاری رکھنا چاہتا ہے اور جسے نقصان نظر آتے فسخ کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے اس بیع کو مزابنہ کہتے ہیں یعنی دفع یا ختم کی جانے والی بیع ۲۔ مزابنہ پھلوں کی خرید و فروخت کو کہتے ہیں ۳۔ مزابنہ کی صورت یہ ہے کہ ہم جنس پھلوں کا تبادلہ یوں کیا جائے کہ درخت پر لگے ہوئے پھل جن کی مقدار معلوم نہیں ہے کو درخت سے اُترے ہوئے پھل کے عوض جس کی مقدار معلوم ہے بیع کی جائے۔ ۴۔ اِنْ زَادَ فَلِيْ کا مطلب یہ ہے کہ خریدار یہ کہے۔ درخت سے لگی ہوئی کھجوریں جتنی بھی ہو حرج نہیں کم ہوں گی تو مجھے نقصان ہوگا اور زیادہ ہوں گی تو مجھے نفع ہوگا۔ تو درخت کی کھجوروں سے متعلق یہ پتہ نہیں ہے کہ ان کی مقدار کیا ہے ــــ اس حدیث سے یہ ضابطہ معلوم ہوا کہ جن چیزوں میں بیع جائز ہونے کے لیے برابری شرط ہے تو برابری کا علم عقد کے وقت ہونا ضروری ہے اور بیع مزابنہ میں بوقتِ عقد درخت میں لگی ہوئی کھجوروں کی مقدار کا علم نہیں ہوتا اس لیے یہ بیع ناجائز قرار پائے گی ۵۔ اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ تر کھجور کو تر کھجور یا خشک کھجور کے بدلے بیع کرنا۔ اسی طرح انگور کو منقیٰ یا کشمش کے بدلے بیچنا جائز ہے جبکہ دونوں جانب کی

چیزیں ماپ میں برابر ہوں۔ وزن میں برابری کا اس میں اعتبار نہیں ہے۔ پس اگر ایک سیر کھجور ایک سیر کھجور کے عوض یا ایک سیر گیہوں ایک سیر گیہوں کے عوض فروخت کیے تو یہ بیع ناجائز ہے۔ کیونکہ شرعاً جو چیزیں کیلی ہیں۔ ان میں برابری ماپ سے ہوگی۔ وزن سے نہیں۔ فافہم

فوائد و مسائل عوایا عریہ کی جمع ہے۔ اس کے معنیٰ خالی ہوجانے کے ہیں۔ عریہ کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں۔ اشعۃ اللمعات میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے اور حضرت علی قاری علیہ الرحمۃ نے لمعات میں یہ کی ہے۔ باغ کا مالک اپنے باغ کے درخت کی کھجوریں فقیر کو ہبہ کردے کہ تو اس درخت کی کھجوریں کھایا کر۔ اب فقیر کا کھجور کے حصول کے لیے باغ میں آنا جانا ہو۔ جس کی وجہ سے مالک کے اہل وعیال کو تکلیف ہو۔ اس بنا پر مالک اس فقیر کو درخت میں لگی ہوئی کھجوروں کے عوض تخمیناً درخت سے اتری ہوئی کھجوریں دے کر رخصت کردے حاشیہ ہدایہ ص۲ پر عریہ کی تعریف اسی سے ملتی جلتی یہ کی گئی ہے۔ ایک شخص پھل کھانے کے لیے کسی کو عاریۃً کھجور کا درخت دیتا تھا۔ پھر انتفاع کی شکلوں میں دشواری کی وجہ سے درخت واپس لے لیتا اور اس کے عوض اندازہ کرکے خشک کھجور دے دیتا۔ آئندہ اس سلسلہ کی احادیث میں عریہ کی تعریف اسی سے ملتی جلتی دی گئی ہے۔ بظاہر یہ مزابنہ ہی کی شکل معلوم ہوتی ہے۔ جو ممنوع ہے۔ لیکن حضور علیہ السلام نے مالک اور فقیر کے فائدے کے لیے اس کی اجازت عطا فرمادی ـــــ علماء احناف یہ جواب بھی دیتے ہیں۔ یہ بیع سرے سے مزابنہ ہے ہی نہیں۔ یہ تو ہبہ کی تبدیلی ہے جس کا جواز واضح ہے۔

نوٹ سیدنا امام شافعی علیہ الرحمۃ کے ہاں خشک پھلوں کے عوض تر پھلوں کی خرید و فروخت بھی ناجائز ہے۔ اگرچہ دونوں جانب کی چیزیں ماپ میں برابر ہوں۔ امام شافعی حدیث ترمذی سے استدلال فرماتے ہیں۔ جس میں اس طرح کی بیع کی ممانعت آئی ہے۔ احناف کی طرف سے متعدد جواب دیئے گئے ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ حدیث ترمذی ضعیف ہے اور ضعیف حدیث سے کسی چیز کی حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

بَابُ بَيْعِ الشَّعِيْرِ بِالشَّعِيْرِ

باب جو کی بیع جو کے عوض

عَنْ مَّالِكِ بْنِ اَوْسٍ اَخْبَرَهٗ اَنَّهُ الْتَمَسَ صَرْفًا بِمِائَةِ دِيْنَارٍ فَدَعَانِيْ طَلْحَةُ بْنُ عُبَيْدِاللهِ فَتَرَاوَضْنَا حَتّٰى اصْطَرَفَ مِنِّيْ فَاَخَذَ الذَّهَبَ يُقَلِّبُهَا فِيْ يَدِهٖ ثُمَّ قَالَ حَتّٰى يَاْتِيَ خَازِنِيْ مِنَ الْغَابَةِ وَعُمَرُ يَسْمَعُ ذٰلِكَ فَقَالَ وَاللهِ لَا تُفَارِقْهُ حَتّٰى تَاْخُذَ مِنْهُ قَالَ

حضرت مالک بن اوس رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ انہیں سو دینار بھنانے تھے (انہوں نے بیان کیا کہ) پھر مجھے طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے بلایا اور ہم نے (اپنے معاملہ کی) بات چیت کی اور ان سے میرا معاملہ ہوگیا۔ وہ سونے (دینار) کو اپنے ہاتھ میں لے کر الٹنے پلٹنے لگے اور کہنے لگے کہ ذرا میرے خزانچی کو غابہ سے آلینے دو (تو میں

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ رِبًا اِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ رِبًا اِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالشَّعِیْرُ بِالشَّعِیْرِ رِبًا اِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ رِبًا اِلَّا هَاءَ وَهَاءَ (بخاری)

تمہارے یہ دینار بھنا دوں گا، عمر رضی اللہ عنہ بھی ہماری باتیں سُن رہے تھے۔ آپ نے فرمایا، جب تک تم ان سے اپنے دینار کے عوض درہم لے نہ لو، ان سے جُدا نہ ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ سونے کے بدلہ میں، اگر نقد نہ ہو تو سود ہو جاتا ہے۔ گیہوں کے بدلے گیہوں اگر نقد نہ ہو تو سُود ہو جاتا ہے۔ جَو، جَو کے بدلہ میں اگر نقد نہ ہو تو سود ہو جاتا ہے اور کھجور، کھجور کے بدلہ میں اگر نقد نہ ہو تو سُود ہے۔

فوائد و مسائل (۱) هَاءَ وَهَاءَ کے معنی نقد سودا کرنے کے ہیں۔ یعنی سونا چاندی کی بیع میں بدلین پر مجلس میں قبضہ اور غلہ کی بیع میں تعیین۔ جیسا کہ گذشتہ اوراق میں وضاحت سے یہ مسئلہ بیان ہو چکا ہے۔

(۲) لا تفارقہ حتیٰ تاخذ منہ سے واضح ہوا کہ بیع صرف میں مجلس میں بدلین پر قبضہ شرط ہے۔ یعنی اگر سونے کو سونے کے عوض یا سونے کو چاندی کے عوض بیع کیا جائے تو پہلی صورت میں برابری اور دوسری صورت میں کمی بیشی جائز ہے۔ مگر دونوں صورتوں میں تقابض بدلین فی المجلس ضروری ہے۔ اگر مجلس میں بدلین پر قبضہ نہ ہوا۔ حتیٰ کہ اتنی تاخیر ہو گئی کہ ایک اب دیتا ہے اور دوسرا ذرا دیر بعد یعنی تقابض بدلین میں ذرا سی تاخیر بیع کو ناجائز بنا دیتی ہے اور غلّہ جات کے تبادلہ میں بدلین کا معین ہونا صحتِ بیع کے لیے شرط ہے۔ مجلس میں قبضہ شرط نہیں۔

(۳) پس اگر گیہوں کے بدلے گیہوں، جَو کے بدلے جَو، کھجور کے بدلے کھجور کو بیچا جائے۔ تو اگر سودا نقد ہو تو جائز ہے اور اگر ادھار ہو کہ ایک اب دیتا ہے اور دوسرا کچھ دیر کے بعد دے گا تو ناجائز ہے۔ معلوم ہوا۔ جہاں قدر و جنس دونوں موجود ہوں تو کمی بیشی بھی حرام ہے اور ایک طرف نقد ہو اور دوسری طرف ادھار ہو یہ بھی حرام ہے۔ مسلم شریف کی حدیث میں انھیں اشیاء کے متعلق یہ تصریح ہے۔

مِثْلًا بِمِثْلٍ یَدًا بِیَدٍ فَمَنْ زَادَ وَاسْتَزَادَ فَقَدْ اَرْبٰی الْاٰخِذُ وَالْمُعْطِیْ بِهٖ (مسلم)

برابر برابر، دست بدست۔ جو زیادہ دے یا لے۔ اس نے سود کا معاملہ کیا لینے اور دینے والے دونوں گنہگار ہوئے۔

بَابُ بَیْعِ الذَّهَبِ بِالذَّهَبِ

باب سونے کی بیع سونے کے بدلہ میں

قَالَ اَبُوْ بَکْرَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَبِیْعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ اِلَّا سَوَاءً بِسَوَاءٍ وَالْفِضَّةَ بِالْفِضَّةِ اِلَّا سَوَاءً بِسَوَاءٍ وَبِیْعُوا الذَّهَبَ بِالْفِضَّةِ وَالْفِضَّةَ بِالذَّهَبِ کَیْفَ شِئْتُمْ (بخاری)

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سونا سونے کے بدلہ میں اس وقت تک نہ بیچو۔ جب تک (دونوں طرف سے) برابر نہ ہو۔ اسی طرح چاندی چاندی کے بدلہ میں اس وقت تک نہ بیچو جب تک دونوں طرف سے برابر برابر نہ ہو... سونا، چاندی کے

بدلے میں اور چاندی سونے کے بدلہ میں جس طرح چاہو بیچ سکتے ہو۔

بَابُ بَيْعِ الْفِضَّةِ بِالْفِضَّةِ

باب چاندی کی چاندی کے بدلہ میں بیع۔

فَقَالَ اَبُوْ سَعِيْدٍ فِي الصَّرْفِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ مِثْلًا مِثْلًا وَّالْوَرِقُ بِالْوَرِقِ مِثْلًا بِمِثْلٍ (بخاری)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اسی طرح ایک حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے بیان کی۔ ایک مرتبہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے پوچھا اے ابوسعید! آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے کونسی حدیث بیان کرتے ہیں؟ ابوسعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حدیث بیع صرف سے متعلق ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا تھا۔ آپ کو یہ فرماتے ہوئے کہ سونا سونے کے بدلہ میں برابر ہی بیچا جاسکتا ہے اور چاندی چاندی کے بدلہ میں برابر برابر ہی بیچی جا سکتی ہے۔

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَبِيْعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَّلَا تُشِفُّوْا بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ وَّلَا تَبِيْعُوْا مِنْهَا غَائِبًا بِنَاجِزٍ (بخاری)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سونا سونے کے بدلے میں اس وقت تک نہ بیچو جب تک دونوں طرف سے برابر نہ ہو۔ دونوں طرف کمی یا زیادتی کو روا نہ رکھو اور نہ ادھار کو نقد کے بدلے میں بیچو۔

بَابُ بَيْعِ الدِّيْنَارِ بِالدِّيْنَارِ نَسَاءً

باب، دینار کو دینار کے بدلہ میں اُدھار بیچنا

اَخْبَرَنِيْ عَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ اَنَّ اَبَا صَالِحِ الزَّيَّاتَ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا سَعِيْدِ الْخُدْرِيَّ يَقُوْلُ الدِّيْنَارُ بِالدِّيْنَارِ وَالدِّرْهَمُ بِالدِّرْهَمِ فَقُلْتُ لَهٗ فَاِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ لَا يَقُوْلُهٗ فَقَالَ اَبُوْ سَعِيْدٍ فَسَاَلْتُهٗ فَقُلْتُ سَمِعْتَهٗ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ وَجَدْتَّهٗ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ قَالَ كُلَّ ذٰلِكَ لَا اَقُوْلُ وَاَنْتُمْ اَعْلَمُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دینار دینار کے بدلہ میں اور درہم درہم کے بدلہ میں۔ اس پر میں نے ان سے کہا کہ ابن عباس تو اس کی اجازت نہیں دیتے۔ ابوسعید نے کہا۔ میں نے اس کے بارے میں ابن عباس سے پوچھا کہ آپ نے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا یا کتاب اللہ میں پایا ہے؟ انہوں نے کہا۔ ان میں کسی بات کا میں مدعی نہیں ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ لوگ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ البتہ مجھے اسامہ رضی اللہ

وَسَلَّمَ مِنِّي وَلٰكِنَّنِي اَخْبَرَنِي اُسَامَةُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا رِبَا اِلَّا فِي النَّسِيْئَةِ

عنہ نے خبر دی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سود اُدھار کی صورت میں ہوتا ہے۔

(بخاری)

فوائد و مسائل لا ربا الا فی النسیئۃ۔ متعدد حدیثوں میں یہ الفاظ مختلف الفاظ سے مروی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک زمانہ تک صرف ربا النسیئہ ہی کے قائل رہے کہ ربا صرف قرض پر نفع لینے ہی کو کہتے ہیں۔ لیکن بعد میں جب انہیں وہ حدیث سنائی گئی جس میں اشیاء ستہ میں سُود کا بیان ہے تو انھوں نے اپنے سابقہ موقف سے ان الفاظ کے ساتھ استغفر اللہ واتوب الیہ رجوع فرمالیا۔ عینی ج ۵ ص ۵۳۷۔ ثانیاً شارحین کرام نے فرمایا کہ حدیث ہٰذا میں حصہ اضافی ہے۔ بعض نے اس حدیث کو منسوخ قرار دیا ہے۔ لیکن اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ محض احتمال کی بنار پر نسخ کا قول درست نہیں ہے۔ بعض علمار نے اس حدیث کی تاویل کی ہے کہ حضور علیہ السلام سے دو ہم جنس اشیار (مثلاً سونا سونے کے عوض) برابری کے ساتھ بیع کے متعلق سوال کیا گیا ہوگا یا مختلف الجنس کو کمی بیشی کے ساتھ بیع کے متعلق سوال کیا گیا ہوگا۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ ان دونوں صورتوں میں سود یعنی بیع کی ممانعت صرف ادھار کی صورت میں ہے۔ نقد سودے میں نہیں ہے۔

بَابُ بَيْعِ الْوَرِقِ بِالذَّهَبِ نَسِيْئَةً

باب چاندی سونے کے بدلے اُدھار بیچنا

قَالَ سَمِعْتُ اَبَا الْمِنْهَالِ قَالَ سَاَلْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ وَزَيْدَ بْنَ اَرْقَمَ عَنِ الصَّرْفِ فَكُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا يَقُوْلُ هٰذَا خَيْرٌ مِّنِّي فَكِلَاهُمَا يَقُوْلُ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الذَّهَبِ بِالْوَرِقِ دَيْنًا

(بخاری)

حضرت ابو المنہال سے مروی ہے کہ میں نے براء بن عازب اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہما سے بیع صرف کے متعلق پوچھا تو ان دونوں حضرات نے ایک دوسرے کے متعلق فرمایا کہ یہ مجھ سے بہتر ہیں۔ پھر دونوں حضرات نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کو چاندی کے بدلے میں قرض کی صورت میں بیچنے سے منع فرمایا تھا۔

بَابُ بَيْعِ الذَّهَبِ بِالْوَرِقِ يَدًا بِيَدٍ

سونا چاندی کے عوض نقد بیچنا

حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِي بَكْرَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْفِضَّةِ بِالْفِضَّةِ وَالذَّهَبِ بِالذَّهَبِ

حضرت عبد الرحمٰن بن ابو بکرہ وہ اپنے باپ سے راوی ہے کہ نبی کریم اللہ علیہ وسلم نے چاندی چاندی کے بدلے میں اور سونا سونے کے بدلے میں بیچنے سے منع فرمایا تھا۔ الا یہ کہ برابر ہو اور

اِلَّا سَوَآءً بِسَوَآءٍ وَّ اَمَرَنَا اَنْ نَّبْتَاعَ الذَّهَبَ بِالْفِضَّةِ كَيْفَ شِئْنَا وَالْفِضَّةَ بِالذَّهَبِ كَيْفَ شِئْنَا (بخاری)

حکم تھا کہ سونا چاندی کے بدلے میں جس طرح چاہیں خریدیں اسی طرح چاندی سونے کے بدلے میں جس طرح چاہیں خریدیں۔

فوائد و مسائل ان احادیث سے واضح ہوا کہ سونے کو سونے کے عوض یا چاندی کو چاندی کے عوض بیع کیا جائے تو صحت بیع کے لیے شرط یہ ہے کہ دونوں طرف برابر ہو۔ سودا نقد ہو اور مجلس میں قبضہ بھی ہو (۳) کیف شئتم کے ارشاد سے واضح ہوا کہ اگر جنس بدل جائے تو کمی بیشی جائز ہے۔ مثلاً ایک تولہ سونا پچاس تولہ چاندی کے عوض یا پچاس تولہ چاندی ایک تولہ سونے کے عوض بیع کیا جائے تو جائز ہے۔ مگر جواز کے لیے شرط یہ ہے۔ سودا نقد ہو۔

اور بدلین پر مجلس میں قبضہ ہو کیونکہ بیع صرف یعنی چاندی سونے کی بیع میں تقابض بدلین فی المجلس شرط ہے۔

بَابُ بَيْعِ الْمُزَابَنَةِ وَهِيَ بَيْعُ التَّمْرِ بِالتَّمْرِ وَبَيْعُ الزَّبِيبِ بِالْكَرْمِ وَبَيْعِ الْعَرَايَا قَالَ اَنَسٌ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ

باب بیع المزابنہ اور وہ یہ ہے کہ خشک کھجور کی بیع درخت پر لگی ہوئی کھجور کے بدلے میں اور خشک انگور کی بیع تازہ انگور کے بدلے میں اور بیع عریہ۔ انس رضی اللہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ اور محاقلہ سے منع فرمایا۔

فوائد و مسائل (۱) بَیْعُ التَّمْرِ بِالتَّمْرِ یعنی سوکھی ہوئی کھجور کو تر کھجور کے عوض فروخت کرنا کرم۔ انگور (۲) محاقلہ۔ مفاعلہ کے وزن پر۔ حقل سے۔ خوشہ میں جو گندم ہے اسے صافی گندم کے عوض بیچنے کو کہتے ہیں۔ (۳) مزابنہ یعنی خشک کھجور کو درخت میں لگی ہوئی کھجور کے عوض بیع کو کہتے ہیں۔ اس صورت میں درخت میں لگی ہوئی کھجور کے متعلق یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی مقدار کیا ہے۔ بیع عرایا بھی مزابنہ ہی کی صورت ہے۔ محاقلہ اچھی اور زرخیز زمین کو کہتے ہیں۔ اسی لیے کھیت کو حقل کہتے ہیں کہ بیج عموماً عمدہ زمین میں بویا جاتا ہے۔ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ کھیت میں جو گندم کی فصل ہے۔ اسے گیہوں کے عوض بیع کیا جائے۔ اسی صورت میں ایک طرف جو گندم ہے۔ وہ تو معین ہے۔ مگر کھڑی کھیتی کی گندم کی مقدار معلوم نہیں ہے۔ لہٰذا اس نوع کی بیع ممنوع و ناجائز ہے۔ کیونکہ دو ہم جنس اشیاء جبکہ وہ کیلی ہوں کے تبادلہ میں ماپ میں برابر ہونا شرط ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَبِيْعُوا الثَّمَرَ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُهُ وَلَا تَبِيْعُوا الثَّمَرَ بِالتَّمْرِ قَالَ سَالِمٌ وَّاَخْبَرَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ عَنْ زَيْدِ ابْنِ ثَابِتٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ بَعْدَ ذٰلِكَ فِيْ بَيْعِ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھل جب تک قابلِ انتفاع نہ ہو جائے اُسے نہ بیچو۔ درخت پر لگی ہوئی کھجور کو ٹوٹی ہوئی کھجور کے بدلے میں نہ بیچو۔ سالم نے بیان کیا۔ مجھے عبداللہ رضی اللہ عنہ نے خبر دی اور انہیں زید

اِلعَرِيَّةِ بِالرُّطَبِ اَوْ بِالتَّمْرِ وَلَمْ يُرَخِّصْ فِي غَيْرِهِ (بخاری)

بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہ بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع عریہ کی۔ تر یا خشک کھجور کے بدلے میں اجازت دے دی تھی۔ لیکن اس کے سوا کسی صورت کی اجازت نہیں دی تھی۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُزَابَنَةُ اشْتِرَاءُ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ كَيْلاً وَّ بَيْعُ الْكَرْمِ بِالزَّبِيْبِ كَيْلاً (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ سے منع فرمایا تھا۔ مزابنہ درخت پر لگی ہوئی کھجور کو ٹوٹی ہوئی کھجور کے بدلے ناپ کر اور درخت پر لگے انگور کو خشک انگور کے بدلے میں ناپ کر بیچنے کو کہتے ہیں۔

اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةُ اشْتِرَاءُ الثَّمَرِ فِي رُءُوْسِ النَّخْلِ (بخاری)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ اور محاقلہ سے منع فرمایا اور مزابنہ درخت پر لگی ہوئی کھجور کو درخت سے توڑی ہوئی کھجور کے عوض خریدنے کو کہتے ہیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلہ اور مزابنہ سے منع کیا تھا۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ لِصَاحِبِ الْعَرِيَّةِ اَنْ يَّبِيْعَهَا بِخَرْصِهَا (بخاری)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحب عریہ کو اس کی اجازت دی تھی کہ تخمینے سے بیچے۔

فوائد ومسائل واضح ہو کہ ظہور ثمر کے بعد صلاح ثمر کا مرتبہ ہے۔ ظہور ثمر کا مطلب یہ ہے کہ درخت پر پہلے پھول آتا ہے۔ پھر وہ ننھے منے پھل کی شکل اختیار کرتا ہے پھل کا یہ مرحلہ بہت ہی نازک ہوتا ہے۔ آندھی یا کسی بیماری کے حملہ سے محفوظ رہنا مشکل ہوتا ہے ——— ظہور ثمر کے بعد صلاح ثمر کا مرتبہ، کہ اب پھل ایسی شکل وصورت کا ہو جاتا ہے کہ کام آسکتا ہے۔ جیسے کچا پھل کہہ سکتے ہیں پھل کی یہ کیفیت ایسی ہوتی ہے کہ عموماً آندھی وغیرہ سے درخت پر قائم رہنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ پھل کی اسی کیفیت ونوعیت کو حضور نبی کریم علیہ السلام نے حتیٰ یبدو صلاحہ۔ حتیٰ یطعم۔ حتیٰ تزھوا۔ حتیٰ تحمار تصفار۔ حتیٰ تشقح۔ حتیٰ یوکل۔ حتیٰ یطیب۔ حتیٰ یصلح۔ کے الفاظ سے بیان فرمایا ہے۔ اس مضمون کی اعادت آئندہ صفحات میں آرہی ہے۔ (۲) محاقلہ، مزابنہ ہی کی ایک صورت ہے۔ فرق یہ ہے مزابنہ کا لفظ خاص طور پر پھلوں اور کھجور کیلئے استعمال ہوتا ہے اور محاقلہ کا لفظ غلّہ کے لئے۔ عریّہ کی تفسیر گذشتہ صفحات میں بھی ہو چکی ہے آئندہ صفحات میں بھی ہوگی۔

(۳) مزابنہ کی صورت یہ ہے کہ درخت پر لگی ہوئی کھجور کو ٹوٹی ہوئی کھجور کے بدلے بیع کیا جائے۔ اس صورت میں ٹوٹی ہوئی کھجوروں کی مقدار (ماپ) معلوم ہوتی ہے اور درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کی مقدار معلوم نہیں ہوتی اسلئے اس بیع سے حضور علیہ السلام نے منع فرمایا ——— کھجور کی سب قسمیں ایک جنس ہیں۔ اور شرعاً کھجور کیلی ہے۔ تو جب قدر و جنس دونوں موجود ہوں تو کمی بیشی کے ساتھ بیع حرام ہے۔

بَابُ بَيْعِ الثَّمَرِ عَلَى رُؤُسِ النَّخْلِ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ

باب درخت پر پھل، سونے اور چاندی کے بدلے بیچنا

عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ حَتّٰى يَطِيْبَ وَلَا يُبَاعُ شَيْءٌ مِّنْهُ إِلَّا بِالدِّيْنَارِ وَالدِّرْهَمِ إِلَّا الْعَرَايَا (بخاری)

حضرت جابر روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کے بیچنے سے جب تک اسکی پختگی ظاہر نہ ہو منع فرمایا اور ان میں کوئی چیز نہ بیچی جائے مگر درہم و دینار کے عوض۔ (بیچی جائے) سوا عرایا کے (کہ اس کی اجازت ہے)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ فِي بَيْعِ الْعَرَايَا فِي خَمْسَةِ أَوْسُقٍ أَوْ دُوْنَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ قَالَ نَعَمْ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ وسق یا اس سے کم میں بیع عریہ کی اجازت دی تھی؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں۔

فوائد و مسائل حدیث جابر کو ابوداؤد نے بیوع میں۔ ابن ماجہ نے تجارت میں ذکر کیا ہے۔ اور حدیث ابوہریرہ کو امام بخاری نے شروط میں مسلم و ابوداؤد و ترمذی نے میں اور نسائی نے بیوع و شرب میں ذکر کیا ہے۔ (۲) حدیث جابر میں ثمر کا لفظ ہے مگر ان کا درخت پر لگے ہونے کی بظاہر تصریح نہیں ہے مگر حتیٰ یطیب کے لفظ سے واضح ہوتا ہے کہ ثمر سے مراد وہ ثمر ہے جو درخت پر لگا ہوا ہو۔ کیونکہ پھل کی نشوونما درخت پر ہوتی ہے (۳) درہم و دینار کی قید اس بناء پر ہے کہ عموماً خرید و فروخت درہم و دینار سے ہوتی ہے۔

سَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ أَبِي حَثْمَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ وَرَخَّصَ فِي الْعَرِيَّةِ أَنْ تُبَاعَ بِخَرْصِهَا يَأْكُلُهَا رُطَبًا وَقَالَ سُفْيَانُ مَرَّةً أُخْرَى إِلَّا أَنَّهُ رَخَّصَ فِي الْعَرِيَّةِ يَبِيْعُهَا أَهْلُهَا بِخَرْصِهَا يَأْكُلُوْنَهَا رُطَبًا قَالَ هُوَ سَوَاءٌ قَالَ سُفْيَانُ فَقُلْتُ لِيَحْيٰى وَأَنَا غُلَامٌ إِنَّ أَهْلَ مَكَّةَ

حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت پر لگی ہوئی کھجور کو ٹوٹی ہوئی کھجور کے بدلے بیچنے سے منع کیا تھا۔ البتہ عریہ کی آپ نے اجازت دے دی تھی کہ اندازہ سے یہ بیع کی جا سکتی ہے اور اس کے کرنے والے کو کھجور ہی ملے گی۔ سفیان نے دوسری مرتبہ یہ روایت بیان کی تھی۔ لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عریہ کی اجازت دیدی تھی کہ اندازہ سے یہ بیع

يَقُوْلُوْنَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ فِيْ بَيْعِ الْعَرَايَا فَقَالَ مَا يُدْرِيْ اَهْلَ مَكَّةَ قُلْتُ اِنَّهُمْ يَرْوُوْنَهٗ عَنْ جَابِرٍ فَسَكَتَ سُفْيَانُ اِنَّمَا اَرَدْتُّ اَنَّ جَابِرًا مِّنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ قِيْلَ لِسُفْيٰنَ وَلَيْسَ فِيْهِ نَهْيٌ عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُهٗ قَالَ لَا - (بخاری)

کی جا سکتی ہے۔ کھجور ہی کے بدلے میں۔ دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔ سفیان نے کہا کہ میں نے یحییٰ سے پوچھا اس وقت میں ابھی کم عمر تھا کہ مکہ کے لوگ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عریہ کی اجازت دی تھی تو انھوں نے پوچھا کہ اہلِ مکہ کو یہ کس طرح معلوم ہوا؟ میں نے کہا کہ وہ لوگ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ اس پر وہ خاموش ہو گئے۔ سفیان نے کہا کہ میری مراد اس سے یہ تھی کہ جابر رضی اللہ عنہ مدینہ ہی کے باشندے تھے۔ سفیان سے پوچھا گیا کہ کیا ان کی حدیث میں یہ نہیں تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قابلِ انتفاع ہونے سے پہلے پھل بیچنے کی ممانعت کی تھی؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔

فوائد و مسائل قَالَ لَا۔ یعنی حدیث سہل بن ابی حثمہ میں نہی عن بیع التمر حتیٰ یبدو صلاحہ الفاظ نہیں تھے البتہ دوسری صحیح احادیث میں یہ الفاظ آئے ہیں (۲) حدیث سہل بن ابی حثمہ کو امام بخاری نے بیوع میں اور نسائی نے بیوع اور شرب میں ذکر کیا ہے۔ عریہ اور مزابنہ پر گذشتہ صفحات میں گفتگو ہو چکی ہے۔

بَابُ تَفْسِيْرِ الْعَرَايَا

باب عریہ کی تفسیر میں

وَقَالَ مَالِكٌ اَلْعَرِيَّةُ اَنْ يُّعْرِيَ الرَّجُلُ النَّخْلَةَ ثُمَّ يَتَاَذّٰى بِدُخُوْلِهٖ عَلَيْهِ فَرُخِّصَ لَهٗ اَنْ يَّشْتَرِيَهَا مِنْهُ بِتَمْرٍ وَقَالَ ابْنُ اِدْرِيْسَ اَلْعَرِيَّةُ لَا تَكُوْنُ اِلَّا بِالْكَيْلِ مِنَ التَّمْرِ يَدًا بِيَدٍ لَا يَكُوْنُ بِالْجِزَافِ وَمِمَّا يُقَوِّيْهِ قَوْلُ سَهْلِ بْنِ اَبِيْ حَثْمَةَ بِالْاَوْسُقِ الْمُوَسَّقَةِ وَقَالَ ابْنُ اِسْحَاقَ فِيْ حَدِيْثِهٖ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ كَانَتِ الْعَرَايَا اَنْ يُّعْرِيَ الرَّجُلُ فِيْ مَالِهِ النَّخْلَةَ وَالنَّخْلَتَيْنِ وَقَالَ يَزِيْدُ عَنْ سُفْيَانَ

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عریہ یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے شخص کو کھجور کا درخت دے پھر اس شخص کا باغ میں آنا اُسے اچھا نہ معلوم ہو تو اس صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی کہ وہ شخص ٹوٹی ہوئی کھجور کے بدلے میں اپنا درخت خرید لے۔ ابن ادریس (امام شافعی) رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عریہ اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب کھجور ناپ کر ہاتھوں ہاتھ دے دی جائے۔ اور اٹکل سے نہ دی جائے۔ اس کی تقویت سہل بن ابی حثمہ کے قول سے بھی ہوتی ہے۔ کہ وسق سے ناپ کر۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی حدیث میں نافع کے واسطہ سے بیان کیا اور انھوں نے

ابنُ حُسَيْنٍ اَلْعَرَايَا نَخْلٌ كَانَتْ تُوْهَبُ لِلْمَسَاكِيْنِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ اَنْ يَنْتَظِرُوْا بِهَا رُخِّصَ لَهُمْ اَنْ يَبِيْعُوْهَا بِمَا شَاءُوْا مِنَ الثَّمَرِ۔ (بخاری)

نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہ عریہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے باغ میں کھجور کے ایک یا دو درخت کسی کو ہبہ کر دے۔ یزید نے سفیان بن حسین کے واسطہ سے بیان کیا کہ عرایا اس کھجور کے درخت کو کہتے تھے جو مسکینوں کو بطور ہبہ دیا جاتا تھا لیکن وہ کھجور کے پکنے کا بھی انتظار نہیں کر سکتے تھے تو انھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی کہ درخت کی کھجور کو جس قدر کھجور کے عوض چاہیں۔ فروخت کر سکتے ہیں

(۲) عَنْ زَيْدِ ابْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ فِي الْعَرَايَا اَنْ تُبَاعَ بِخَرْصِهَا كَيْلًا قَالَ مُوْسَى ابْنُ عُقْبَةَ وَالْعَرَايَا نَخَلَاتٌ مَعْلُوْمَاتٌ تَأْتِيْهَا فَتَشْتَرِيْهَا۔ (بخاری)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عریہ کی اجازت دی تھی کہ اندازے سے بیچی جا سکتی ہے۔ موسیٰ بن عقبہ نے فرمایا کہ عرایا کھجور کے متعین درختوں کو کہتے ہیں جنھیں خریدا جاتا ہے۔ (بخاری)

فوائد و مسائل عریہ کی تفسیر زیر عنوان احادیث سے واضح ہے۔ عریہ بظاہر مزابنہ کی ہی ایک صورت ہے کہ اس میں بھی درخت کی کھجور کی مقدار معلوم نہیں ہوتی۔ اندازہ لگایا جاتا ہے اور ٹوٹی ہوئی کھجوروں کی مقدار معلوم ہوتی ہے۔ بیع مزابنہ کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ممنوع قرار دیا۔ مگر غرباء اور حاجت مندوں کے لئے اس کو جائز قرار دیا۔ اور اسے عریہ سے موسوم کیا گیا ہے۔ عریہ کی تفسیر اور اس کے متعلق احناف کا موقف باب بیع الزبیب بالزبیب والطعام بالطعام ص پر ہو چکی ہے۔

بَابُ بَيْعِ الثِّمَارِ قَبْلَ اَنْ يَبْدُوَ صَلَاحُهَا

باب پھلوں کو انکے قابل انتفاع ہونے سے پہلے بیچنا

عَنْ زَيْدِ ابْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّاسُ فِي عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَبَايَعُوْنَ الثِّمَارَ فَاِذَا جَدَّ النَّاسُ وَحَضَرَ تَقَاضِيْهِمْ قَالَ الْمُبْتَاعُ اِنَّهُ اِذَا اَصَابَ الثَّمَرَ الدُّمَانُ اَصَابَهُ مُرَاضٌ

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں لوگ پھلوں کی خرید و فروخت کرتے تھے۔ پھر جب پھل توڑنے کا وقت آتا اور مالک تقاضا کرنے آتے تو خریدار یہ عذر کرنے لگتے کہ پہلے ہی خوشوں میں بیماری لگ گئی تھی۔ اس

اَصَابَهٗ قُشَامٌ عَاهَاتٌ يَحْتَجُّوْنَ بِهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا كَثُرَتْ عِنْدَهُ الْخُصُوْمَةُ فِىْ ذٰلِكَ فَاِمَّا لَا فَلَا تَتَبَايَعُوْا حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُ الثَّمَرِ كَالْمَشُوْرَةِ يُشِيْرُ بِهَا لِكَثْرَةِ خُصُوْمَتِهِمْ وَاَخْبَرَنِىْ خَارِجَةُ ابْنُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ لَمْ يَكُنْ يَبِيْعُ ثِمَارَ اَرْضِهٖ حَتّٰى يَطْلُعَ الثُّرَيَّا فَيَتَبَيَّنَ الْاَصْفَرُ مِنَ الْاَحْمَرِ۔ (بخاری)

لیے پھل بھی خراب ہوگئے اور قشام بھی ہوگیا۔ اسی طرح مختلف آفتوں کو بیان کرکے مالکوں کے ساتھ جھگڑتے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اسطرح کے مقدمات بکثرت پہنچنے لگے تو آپ نے فرمایا کہ جب اس طرح کے جھگڑے ختم نہیں ہو سکتے تو تم بھی قابلِ انتفاع ہونے سے پہلے پھلوں کو نہ بیچا کرو۔ گویا مقدمات کی کثرت کیوجہ سے یہ آپ نے مشورہ دیا تھا۔ خارجہ بن زید بن ثابت نے مجھے خبر دی کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اپنے باغ کے پھل اس وقت تک نہیں بیچتے تھے جب تک ثریا نہ طلوع ہوجاتا اور زردی اور سرخی ظاہر نہ ہوجاتی۔

فوائد و مسائل

دُمَانْ پھل کی ایک بیماری کو کہتے ہیں کھجور کا اندرونی حصہ سیاہ اور بدبودار ہوجاتا ہے مُرَاض پھل کو لگنے والی ہر قسم کی بیماری کو کہتے ہیں۔ قُشَام کچی کھجور کا درخت سے جھڑ جانا۔ عَاهَات عَاهَةٌ کی جمع ہے۔ یہ اصل میں عَوْهَةٌ تھا۔ واؤ متحرک ماقبل مفتوح ہونے کی بنا پر الف سے بدل گئی۔ مَشُوْرَةٌ بروزن فَعُوْلَةٌ۔ رائے دینا یا رائے لینا۔

عرب ایسے مواقع پر جب کسی ستارہ کے طلوع کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے ان کی مُراد صبح کے وقت طلوع سے ہوتی ہے۔ میرے والد محترم حضرت علامہ ابو البرکات علیہ الرحمۃ نے فرمایا ــــــ کہ ثریا کا طلوع اساڑھ میں ہوتا تھا۔ عرب کہتے تھے کہ جب ثریا طلوع ہوجاتا ہے تو پھلوں پہ آفات نہیں آتی تھیں۔ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ دنیا کے تمام مقامات میں پھلوں پر آفات کا سلسلہ طلوع ثریا کے بعد ختم ہوجاتا ہے۔ بہر حال عرب میں یہ موسم ہے جب کھجور پک جاتی تھی اور پھلوں پر جو آفات آتی ہیں اور جن بیماریوں سے وہ درخت پر خراب ہوجاتے ہیں۔ اب ان کا سلسلہ عموماً ختم ہوجاتا تھا۔

واضح ہو کہ زمانہ نبوی میں لوگ پھلوں کو قابلِ انتفاع ہونے سے قبل بیع کر دیا کرتے تھے اور اس وجہ سے جھگڑے کھڑے ہوجاتے تھے اس لئے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور مشورہ پھلوں کو قابلِ انتفاع ہونے سے قبل بیع سے منع فرما دیا۔ جیسا کہ حدیث زیر بحث کے لفظ کالمشورہ سے واضح ہے تو ممانعت دراصل بطور مشورہ تھی ــــــ اس لئے سیدنا امام اعظم علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ پھل اس وقت بیچ ڈالے کہ ابھی ظاہر ہی نہیں ہوئے تو یہ بیع باطل ہے۔ کیونکہ یہ معدوم کی بیع ہوئی اور جو چیز ابھی وجود ہی میں نہیں آئی۔ اس کی بیع کرنا باطل محض ہے

(۲) اور اگر پھل ظاہر ہوگئے مگر قابلِ انتفاع نہیں ہوئے یہ بیع جائز ہے۔ مگر مشتری پر فوراً توڑ لینا ضروری ہے

۳۔ اور اگر یہ شرط کر لی۔ کہ جب تک پھل درخت پر طیار نہیں ہوں گے درخت پر رہیں گے تو یہ بیع فاسد ہے۔

(۴) اور اگر بلا شرط خریدے مگر بائع نے بعد میں بیع کی اجازت دے دی کہ تیار ہونے تک درخت پر رہنے دو تو بیع جائز ہے۔

کچی کھیتی کے بیع کے احکام

اسی طرح اگر کھیتی جس میں غلہ ابھی تیار نہیں ہوا ہے اسکی بیع کی تین صورتیں ہیں۔ اول ابھی کاٹ لے گا دوم اپنے جانوروں سے چرا لے گا سوم یہ کہ اس شرط پر بیع ہوئی کہ مشتری اسے تیار ہونے تک کھیت میں چھوڑے رکھے گا۔ پہلی دو صورتوں میں بیع جائز ہے اور تیسری صورت میں چونکہ مشتری کا نفع ہے۔ بیع فاسد ہے۔

بیع باطل اور بیع فاسد کی تعریف اور اسکے احکام

(۱) جس صورت میں بیع کا کوئی رکن مفقود ہو۔ یا وہ چیز بیع کے قابل ہی نہ ہو وہ بیع باطل ہے۔ پہلی کی مثال یہ ہے کہ مجنون یا لایعقل بچہ نے ایجاب وقبول کیا کہ ان کا قول شرعاً معتبر ہی نہیں ہے۔ لہٰذا ایجاب وقبول جو بیع کا رکن ہے نہ پایا گیا (۲) اور دوسری کی مثال یہ ہے کہ مبیع مردار یا خون یا خمر ہو۔ یہ چیزیں بیع کے قابل ہی نہیں۔ لہٰذا ایسی صورت میں بیع باطل قرار پاتی ہے۔ (۳) اور اگر رکن بیع اور محل بیع میں خرابی نہ ہو۔ ثمن خمر ہو یا مبیع کی تسلیم پر قدرت نہ ہو۔ یا بیع میں کوئی ایسی شرط خلاف مقتضائے عقد ہو تو یہ بیع فاسد ہے۔ (درمختار) ۴۔ بیع باطل کا حکم یہ ہے کہ یہ سرے سے ہوتی نہیں۔ اگر مبیع پر مشتری قبضہ بھی کرلے۔ تو بھی مشتری اسکا مالک نہیں ہوتا اور وہ چیز جس پر مشتری نے قبضہ کیا۔ وہ اسکے ہاتھ میں امانت قرار پاتی ہے —— اور بیع فاسد کا حکم یہ ہے کہ اگر مشتری نے بائع کی اجازت سے مبیع پر قبضہ کرلیا تو مبیع کا مالک ہوگیا۔ مگر یہ ملک ملک خبیث ہے۔ اور اگر بیع فاسد میں مشتری نے بائع کی اجازت کے بغیر قبضہ کیا تو قبضہ ہوا نہ مالک ہوا اور نہ اسکے تصرفات جاری ہوں گے۔ بیع فاسد میں واجب تو یہ تھا کہ بیع کو فسخ کردیا جاتا لیکن اگر بیع کو فسخ نہ کیا تو گنہگار ہوگا۔ مگر بایں ہمہ اگر مشتری نے بائع کی اجازت سے مبیع پر قبضہ کرکے اس میں تصرف کیا۔ مثلاً جانور تھا۔ اسے ذبح کر دیا زمین تھی اُسے ہبہ یا وقف کردیا یا دوسرے کے ہاتھ بیچ دیا۔ یا اللہ کے نام پر صدقہ کردیا۔ غرضیکہ اس چیز (مبیع) کو مشتری نے اپنی ملک سے نکال دیا تو اب بیع فاسد نافذ ہوجائیگی۔ اور اب فسخ نہیں ہوسکتی۔ (درمختار، عالمگیری)

فائدہ ۔ اگرچہ ممانعت نہ نفس عقد میں ہو نہ شرائط صحت میں تو یہ فعل بیع شرعاً مکروہ تحریمی ہے جیسے آذانِ جمعہ کے شروع سے ختم جمعہ تک کے دوران بیع وشراء کا معاملہ کرنا مکروہ تحریمیہ ہے —— البتہ یہ بیع مبیع پر قبضہ سے قبل بھی مفید ملک ہے۔ یعنی مشتری کے تصرفات بہرحال جائز قرار پائیں گے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنْ بَیْعِ الثِّمَارِ حَتّٰی یَبْدُوَ صَلَاحُھَا نَھَی الْبَائِعَ وَالْمُبْتَاعَ ۔

(بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قابل انتفاع ہونے سے پہلے پھلوں کو بیچنے سے منع فرمایا تھا۔ آپ کی ممانعت بیچنے والے اور خریدنے والے دونوں کو تھی۔

(بخاری)

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی اَنْ تُبَاعَ ثَمَرَۃُ النَّخْلِ حَتّٰی تَزْھُوَ قَالَ اَبُوْعَبْدِاللّٰہِ یَعْنِیْ تَحْمَرَّ۔ (بخاری)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پکنے سے پہلے درخت پر کھجور کو بیچنے سے منع فرمایا تھا۔ ابو عبداللہ نے کہا کہ مراد یہ ہے کہ جب تک سُرخ نہ ہو جائیں۔

عَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ نَھَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ تُبَاعَ الثَّمَرَۃُ حَتّٰی تُشَقِّحَ قَالَ تَحْمَارُّ وَتَصْفَارُّ وَیُؤْکَلُ مِنْھَا۔ (بخاری)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کو تشقح سے پہلے بیچنے سے منع کیا تھا۔ پوچھا گیا کہ تشقح کسے کہتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا مائل بسُرخی یا مائل بزردی ہونے کو کہتے ہیں کہ اُسے کھایا جا سکے۔ (بخاری)

بَابُ بَیْعِ النَّخْلِ قَبْلَ اَنْ یَّبْدُوَ صَلَاحُھَا

باب کھجور کے باغ قابلِ انتفاع ہونے سے قبل بیچنا

حَدَّثَنَا اَنَسُ ابْنُ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ نَھٰی عَنْ بَیْعِ الثَّمَرَۃِ حَتّٰی یَبْدُوَ صَلَاحُھَا وَعَنِ النَّخْلِ حَتّٰی یَزْھُوَ قِیْلَ وَمَا یَزْھُوْ قَالَ یَحْمَارُّ اَوْ یَصْفَارُّ۔ (بخاری)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قابلِ انتفاع ہونے سے پہلے پھلوں کو بیچنے سے منع فرمایا تھا۔ اور کھجور کے باغ "زہو" سے پہلے بیچنے سے منع فرمایا تھا۔ آپ سے پوچھا گیا زہو کسے کہتے ہیں۔ تو آپ نے جواب دیا کہ مائل بسرخی یا مائل بزردی ہونے کو کہتے ہیں

فوائد ومسائل ان تمام احادیث میں حضور علیہ السلام نے پھلوں کو قابلِ انتفاع ہونے سے قبل بیع کرنے سے بطور مشورہ منع فرمایا ہے۔ (۲) امام نووی فرماتے ہیں کہ پھلوں کو قابلِ انتفاع ہونے سے قبل اس شرط پر بیع کی کہ اُسے کاٹ لیگا۔ تو یہ بیع بالاجماع درست ہے۔ (۳) اور اگر پھل کو درخت پر باقی رکھنے کی شرط لگائی تو یہ بیع بالاجماع فاسد ہے کیونکہ لبا اوقات پھل پکنے سے قبل آندھی یا کسی آفت سے تلف ہو جاتے ہیں اور اگر قطع کی شرط کر لی تو یہ ضرر باقی نہ رہا۔ (۴) سیدنا امام اعظم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اگر درخت پر پھل ظاہر ہو گئے اور اسکی بیع کی تو یہ جائز ہے۔ اور امام اوزاعی اور ایک روایت کے بموجب امام مالک کا بھی یہی مسلک ہے اور ایک قول کے مطابق امام احمد بھی یہی فرماتے ہیں اور دلیل ان کی حدیث

عبداللہ بن عمر سے ہے۔ جس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا من باع نخلا قد ابرت فثمرتها للباع إلا ان یشترط المبتاع۔ وجہ استدلال یہ ہے حضور نے اس حدیث میں پھلوں کو بائع کے لئے قرار دیا۔ مگر شرط کی صورت میں پھلوں کو مشتری کیلئے قرار دیا۔ تو مشتری اس پھل کا خریدار ہوا جو ابھی قابل انتفاع نہیں تھے۔ پس پھلوں کے قابل انتفاع ہونے سے قبل ان کی بیع کا جواز واضح ہوا۔

بَابُ إِذَا بَاعَ الثِّمَارَ قَبْلَ أَنْ يَبْدُوَ صَلَاحُهَا ثُمَّ أَصَابَتْهُ عَاهَةٌ فَهُوَ مِنَ الْبَائِعِ

باب اگر کسی نے قابل انتفاع ہونے سے پہلے ہی پھل بیچے اور ان پر کوئی آفت آئی تو نقصان بائع کا قرار پائیگا۔

عَنْ أَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتَّى تُزْهِيَ فَقِيلَ لَهُ مَا تُزْهِي قَالَ حَتَّى تَحْمَرَّ فَقَالَ أَرَأَيْتَ إِذَا مَنَعَ اللهُ الثَّمَرَةَ بِمَ يَأْخُذُ أَحَدُكُمْ مَالَ أَخِيهِ قَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ لَوْ أَنَّ رَجُلًا ابْتَاعَ ثَمَرًا قَبْلَ أَنْ يَبْدُوَ صَلَاحُهُ ثُمَّ أَصَابَ عَاهَةٌ كَانَ مَا أَصَابَهُ عَلَى رَبِّهِ۔ (بخاری)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کو زہو سے پہلے بیچنے سے منع کیا تھا۔ ان سے پوچھا گیا کہ زہو کسے کہتے ہیں تو جواب دیا کہ سرخ ہونے کو پھر آنحضور نے فرمایا کہ تمہی بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پھلوں پر کوئی آفت آجائے تو تم اپنے بھائی کا مال آخر کس چیز کے بدلے لوگے؟ لیث نے کہا کہ مجھ سے یونس نے حدیث بیان کی ان سے ابن شہاب نے کہ ایک شخص نے اگر قابل انتفاع ہونے سے پہلے ہی پھل خریدے پھر ان پر کوئی آفت آگئی تو جتنا نقصان ہوا ہے وہ مالک یعنی بائع کا قرار پائیگا۔ (بخاری)

فوائد و مسائل اس حدیث سے جمہور سلف۔ ثوری۔ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ ابو یوسف و محمد و امام شافعی فی الجدید، ابو جعفر طبری نے یہ استدلال کیا کہ اگر کسی نے پھلوں کے قابل استعمال ہونے سے قبل انھیں فروخت کر دیا اور آفت سماوی کی وجہ سے پھلوں کو نقصان پہنچا تو اگر مشتری نے قبضہ کر لیا ہے تو

نقصان مشتری کا قرار پائیگا۔ اور اگر مشتری نے قبضہ نہیں کیا ہے تو نقصان بائع کا قرار پائے گا ـــــــ قبضہ کی صورت یہ ہے کہ بائع مشتری کیلئے ایسی صورت پیدا کردے کہ مشتری درختوں سے پھلوں کو توڑ سکے۔

بَابُ شِرَاءِ الطَّعَامِ اِلٰی اَجَلٍ

باب ایک مدّتِ معیّن کیلئے غلہ قرض لینا

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اشْتَرٰی طَعَامًا مِّنْ یَّهُوْدِیٍّ اِلٰی اَجَلٍ فَرَهَنَهٗ دِرْعَهٗ۔

(بخاری)

حضرت اعمش سے مروی ہے کہ ہم نے ابراہیم کے سامنے قرض میں گروی رکھنے کا ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں پھر ہم سے اسود کے واسطہ سے حدیث بیان کی کہ ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حدیث بیان کی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین مُدت کے قرض پہ ایک یہودی سے غلہ خریدا تھا۔ اور اپنی زرہ اس کے یہاں گروی رکھی تھی۔

فوائد ومسائل (۱) اس حدیث کو امام بخاری نے بیوع، استقراض، جہاد ـــــــ، شرکت، سلم کے ابواب میں گیارہ بار ذکر کیا ہے۔ مسلم ونسائی نے بیوع میں اور ابن ماجہ نے احکام میں ذکر کیا ہے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے جس یہودی کے پاس اپنی زرہ رہن رکھ کر جو قرض لئے تھے اس کا نام ابو الشحم تھا۔ حضور علیہ السلام نے باوجود صحابہ جیسے جان نثاروں کی موجودگی کے یہودی سے قرض صرف اس لئے لیا تاکہ امت کو یہ معلوم ہو جائے کہ اگر ضرورت کے وقت غیر مسلم سے بھی یہ معاملہ کیا جائے تو اس میں شرعًا حرج نہیں ہے (۲) یہ حدیث امام بخاری نے باب شراء النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالنسیئۃ میں بھی ذکر کی ہے۔ دیکھئے ص (۳) رہن کا جواز قرآن مجید اور سنتِ نبوی سے ثابت ہے۔ بلکہ اس کے جواز پر اجماع بھی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ۔ اور سنتِ نبوی سے بھی رہن کا جواز واضح ہے۔ (۴) لغت میں رہن کے معنیٰ روکنے ہیں۔ اور اصطلاح شرع میں دوسرے کے مال کو اپنے حق کیلئے اس لئے روکنا کہ اس کے ذریعہ سے اپنے حق کا کل یا جز وصول کرنا ممکن ہو۔ مثلاً زید نے بکر سے قرض لیا اور زید نے اپنی کوئی چیز بکر کے پاس رہن رکھدی کہ اس کے ذریعہ بکر اپنے قرض کی وصولی کر سکے۔ اردو زبان میں رہن کو گروی رکھنا کہتے ہیں۔ چیز کے رکھنے والے کو راہن، جس کے پاس وہ چیز رکھی گئی اسے مرتہن اور جو چیز رہن رکھی گئی اسے مرہون کہتے ہیں۔ مرہون چیز سے جیسے مرتہن کو فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے ایسے ہی راہن کو بھی جائز نہیں ہے۔ فی زمانہ رہن کی صورت یہ ہی ہوتی ہے کہ مرتہن، شی مرہونہ یا مکان میں رہائش یا کھیتی باڑی کر کے فائدہ اٹھاتا ہے۔ یہ ناجائز ہے۔

بَابٌ اِذَا اَرَادَ بَيْعَ تَمْرٍ بِتَمْرٍ خَيْرٍ مِّنْهُ

باب اگر کوئی کھجور، اس سے اچھی کھجور کے بدلے میں بیچنا چاہے

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَعْمَلَ رَجُلًا عَلٰى خَيْبَرَ فَجَآءَهٗ بِتَمْرٍ جَنِيْبٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكُلُّ تَمْرِ خَيْبَرَ هٰكَذَا قَالَ لَا وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا لَنَاْخُذُ الصَّاعَ مِنْ هٰذَا بِالصَّاعَيْنِ وَالصَّاعَيْنِ بِالثَّلَاثَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَفْعَلْ بِعِ الْجَمْعَ بِالدَّرَاهِمِ ثُمَّ ابْتَعْ بِالدَّرَاهِمِ جَنِيْبًا۔ (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو خیبر میں عامل بنایا۔ وہ صاحب عمدہ قسم کی کھجوریں لائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا خیبر کی تمام کھجوریں اسی قسم کی تھیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ نہیں بخدا یا رسول اللہ! ہم تو اسی طرح کی ایک صاع کھجور دو صاع دے کر لیتے ہیں اور دو صاع تین صاع کے بدلہ میں لیتے ہیں۔ آنحضور نے فرمایا کہ ایسا نہ کیا کرو۔ البتہ کھجور کو دراہم کے بدلہ میں بیچ کر ان دراہم سے اچھی قسم کی کھجور خرید سکتے ہو۔

فوائد و مسائل

(۱) اس حدیث کو امام بخاری نے وکالت، مغازی، اعتصام میں امام مسلم و نسائی نے بیوع میں ذکر کیا ہے۔ (۲) جہاں جنس و قدر دونوں موجود ہوں تو کمی بیشی اور ادھار سودا حرام ہے۔ اسلئے نبی کریم علیہ السلام نے ان کو دو صاع کھجور کے عوض ایک صاع عمدہ کھجور خریدنے سے منع فرمایا۔ اور پھر انھیں جواز کی صورت یہ تعلیم فرمائی کہ اگر عمدہ کھجور مطلوب ہوں تو یوں نہ کرو کہ دو صاع عام قسم کی کھجور کے عوض ایک صاع عمدہ قسم کی کھجور خریدو۔ کیونکہ یہ تو سود ہے جواز کی صورت یہ ہے کہ ان عام قسم کی کھجوروں کو درہم و دینار کے عوض فروخت کردو۔ اور پھر ان درہم و دینار سے عمدہ قسم کی کھجور خرید لو۔ (۳) اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ قرآن و حدیث کے اصولوں کی روشنی میں ایسے طریقے وضع کرنا جن پر عمل کرنے سے نفع بھی خاطر خواہ ہو اور سود سے بھی بچاؤ ہو جائے جائز ہے ـــــــ مثلاً دس روپے قرض لئے اور اس پہ پانچ روپے سود ٹھہرا۔ کل پندرہ روپے ادائیگی منظور کی تو یہ خالص سود ہے کیونکہ قرض پہ نفع لینا سود ہی ہے اگر دس روپے کا نوٹ پندرہ روپے کے عوض فروخت کیا تو یہ جائز ہے جیسے کہ ایک روپیہ کے نوٹ کو پانسو پیسوں کے عوض فروخت کرنا جائز ہے۔

بَابُ مَنْ بَاعَ نَخْلًا قَدْ اُبِّرَتْ اَوْ اَرْضًا مَّزْرُوعَةً اَوْ بِاِجَارَةٍ

باب جس نے پیوندی کھجور کے درخت فروخت کیے یا فصل لگی ہوئی زمین فروخت کی یا اجارہ پر دی

پھلدار درخت یا فصل والی زمین کے بیع کے احکام اس عنوان کے مسائل یہ ہیں۔ (۱) درخت بیچا جس میں پھل لگے ہوئے ہیں۔ تو یہ پھل بائع کے ہیں اسیطرح چنبیلی گلاب جوہی وغیرہ کے درخت فروخت کئے تو پھول بائع کے ہیں۔ البتہ بائع سے کہا جائیگا کہ پھل توڑ لے اور پھول اتار لے کیونکہ درخت اب مشتری کی ملک ہو چکا اور دوسرے کی ملک کو مشغول رکھنے کا بائع کو حق نہیں ہے (۲) اگر مشتری نے پھل سمیت درخت خریدے تو اس صورت میں درخت اور پھل دونوں مشتری کے قرار پائیں گے۔ (۳) اسی طرح اگر زمین بیع کی اور اسمیں فصل ہے تو فصل بائع کی ہے الا یہ کہ مشتری شرط کر لے یعنی زمین مع فصل کے خریدے تو زمین اور فصل دونوں مشتری کی ہیں۔ (۴) زمین بیع کی جسمیں زراعت ہے اور بائع یہ چاہتا ہے کہ جب تک زراعت تیار نہ ہو کھیت ہی میں رہے۔ تیار ہونے پر کاٹی جائے اور اتنے زمانہ کی اجرت دینے کو تیار ہے تو اگر مشتری راضی ہو جائے تو ایسا بھی کر سکتا ہے مشتری کی رضامندی کے بغیر نہیں کر سکتا۔ (ہدایہ۔ فتح القدیر۔ درمختار)

عَنْ نَافِعٍ مَوْلَى ابْنِ عُمَرَ اَنَّ اَيُّمَا نَخْلٍ بِيعَتْ قَدْ اُبِّرَتْ لَمْ يُذْكَرِ الثَّمَرُ فَالثَّمَرُ لِلَّذِي اَبَّرَهَا وَكَذَالِكَ الْعَبْدُ وَالْحَرْثُ سَمّٰى لَهُ نَافِعٌ هٰؤُلَاءِ الثَّلَاثَ۔ (بخاری)

حضرت نافع (ابن عمر کے غلام) نے بیان کیا۔ جو بھی کھجور کا درخت تابیر کے بعد بیچا جائے اور بیچتے وقت پھلوں کا کوئی ذکر نہ ہوا ہو تو پھل اسی کے ہوں گے جس نے تابیر کی ہے۔ غلام اور کھیت کا بھی یہی حال ہے۔ نافع نے ان تینوں چیزوں کا نام لیا تھا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ بَاعَ نَخْلًا قَدْ اُبِّرَتْ فَثَمَرُهَا لِلْبَائِعِ اِلَّا اَنْ يَّشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی نے کھجور کے ایسے درخت بیچے ہوں جن کی تابیر کی جا چکی تھی تو اس کا پھل بیچنے والے ہی کی ملکیت رہتا ہے مگر یہ کہ خریدنے والے نے شرط لگا دی ہو۔

فوائد ومسائل (۱) سیدنا امام شافعی علیہ الرحمہ مفہوم مخالف کو مدنظر رکھتے ہوئے اس حدیث سے یہ استدلال فرماتے

ہیں کہ اگر تابیر کئے ہوئے درخت کو فروخت کیا تو پھل بائع کے ہوں گے۔ جب کہ مشتری نے پھلوں سمیت خریدنے کی شرط نہ لگائی ہو۔ اگر درخت تابیر شدہ نہ ہو اور اسے فروخت کیا تو ایسی صورت میں پھل اور درخت دونوں مشتری کے قرار پائیں گے جبکہ بائع نے پھلوں کو مستثنیٰ نہ کیا ہو۔ (۲) اور سیدا امام اعظم ابوحنیفہ اور امام اوزاعی مفہوم مخالف کا اعتبار نہ کرتے ہوئے حدیث ہٰذا سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ پھل خواہ تابیر شدہ ہوں یا نہ ہوں۔ جب درخت فروخت کیا گیا تو پھل بائع ہی کے قرار پائیں گے جبکہ مشتری نے درخت کو پھل سمیت خریدنے کی شرط نہ لگائی ہو۔

بَابُ بَيْعِ الزَّرْعِ بِالطَّعَامِ كَيْلًا

باب کھیتی کو غلہ کے بدلے ناپ کر بیچنا

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُزَابَنَةِ أَنْ يَبِيعَ ثَمَرَ حَائِطِهِ إِنْ كَانَ نَخْلًا بِتَمْرٍ كَيْلًا وَإِنْ كَانَ كَرْمًا أَنْ يَبِيعَهُ بِزَبِيبٍ كَيْلًا أَوْ كَانَ زَرْعًا أَنْ يَبِيعَهُ بِكَيْلِ طَعَامٍ نَهَى عَنْ ذَالِكَ كُلِّهِ۔

(بخاری)

ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ سے منع فرمایا تھا یعنی باغ کے پھلوں کو اگر وہ کھجور ہیں ٹوٹی ہوئی کھجور کے بدلے ناپ کر بیچا جائے۔ اور اگر انگور ہیں تو اسے خشک انگور کے بدلے ناپ کر بیچا جائے اور اگر وہ کھیتی ہے تو ناپ کر غلہ کے بدلے بیچا جائے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام قسموں کی خرید وفروخت سے منع کیا تھا۔

فوائد ومسائل اس مضمون کی احادیث جس میں مزابنہ کی ممانعت آئی ہے گذشتہ اوراق میں گزر چکی ہے۔ مزابنہ ومحاقلہ کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ ایک طرف تو ناپ کر غلہ یا انگور ہے اور دوسری طرف محض تخمینہ ہے۔ اسی طرح اشیاء کے تبادلہ میں ایک فریق کو نقصان کا احتمال بھی ہے اور جھگڑا فساد بھی ہو سکتا ہے اسلئے شارع علیہ السلام نے منع فرمایا تاکہ کسی کو نقصان نہ ہو۔ اور جھگڑے کھڑے نہ ہوں۔

بَابُ بَيْعِ النَّخْلِ بِأَصْلِهِ

باب کھجور کے درخت کی بیع

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَيُّمَا امْرِئٍ أَبَّرَ نَخْلًا ثُمَّ

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے بھی کسی کھجور کے درخت

بَاعَ اَصْلَهَا فَلِلَّذِیْ اَبَّرَ ثَمَرُ النَّخْلِ اِلَّا اَنْ يَّشْتَرِطَهُ الْمُبْتَاعُ ۔ (بخاری)

کی تابیر کی پھر اس درخت ہی کو بیچ دیا تو پھل اسی کا ہے جس نے تابیر کی یعنی بائع کا مگر یہ کہ خریدار نے شرط کرلی ہو

بَابُ بَيْعِ الْمُخَاضَرَةِ

باب بیع مخاضرہ کے متعلق

عَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُخَاضَرَةِ وَالْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ وَالْمُزَابَنَةِ ۔ (بخاری)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلہ، مخاضرہ، ملامسہ، منابذہ اور مزابنہ سے منع فرمایا تھا۔ (بخاری)

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ حَتّٰى تَزْهُوَ فَقُلْنَا لِاَنَسٍ مَا زَهْوُهَا قَالَ تَحْمَرُّ وَتَصْفَرُّ اَرَاَيْتَ اِنْ مَنَعَ اللّٰهُ الثَّمَرَةَ بِمَ تَسْتَحِلُّ مَالَ اَخِيْكَ ۔ (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت کی کھجور کو زھو سے پہلے ٹوٹی ہوئی کھجور کے بدلے بیچنے سے منع کیا تھا۔ ہم نے پوچھا کہ زھو کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا یہ ہے کہ سُرخ ہو جائے یا زرد ہو جائے۔ تمہیں بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ درخت پر پھل ہی نہ ہونے دے تو پھر اپنے بھائی کا مال تجھے کیسے حلال ہوگا۔ (بخاری)

فوائد ومسائل ان احادیث کی تفسیر وترجمانی سابقہ اوراق میں ہو چکی ہے ۔ بیع ملامسہ۔ محاقلہ۔ منابذہ۔ مزابنہ اور مخاضرہ ممنوع ہے۔ (۲) درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کو ٹوٹی ہوئی کھجوروں کے عوض بیچنا۔ یا درخت پر لگے ہوئے انگور کو خشک انگور کشمش کے عوض بیچنا ممنوع ہے۔ کیونکہ درخت پر لگی ہوئی کھجور یا انگور کے متعلق یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان کی مقدار کیا ہے؟

بَابُ بَيْعِ الْجُمَّارِ وَاَكْلِهِ

باب جمار کی بیع اور اسکا کھانا

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَاْكُلُ جُمَّارًا فَقَالَ مِنَ

ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ جمار تناول فرما

الشَّجَرِ شَجَرَةٌ كَالرَّجُلِ الْمُؤْمِنِ فَأَرَدْتُ أَنْ أَقُولَ هِيَ النَّخْلَةُ فَإِذَا أَنَا أَحْدَثُهُمْ قَالَ هِيَ النَّخْلَةُ ۔

(بخاری)

رہے تھے۔ اسی دوران آپ نے فرمایا کہ درختوں میں ایک درخت مرد مومن کی طرح ہے میرے دل میں آیا کہ کہوں کہ یہ کھجور کا درخت ہے لیکن حاضرین میں ہی سب سے چھوٹی عمر کا تھا (اس لئے بڑوں کی مجلس میں بولنا خلافِ ادب سمجھ کر خاموش رہا۔ پھر آنحضور نے فرمایا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔

فوائد و مسائل | جُمّار (ج کے پیش اور م کی تشدید) جمار کھجور کے درخت کی گوند کو کہتے ہیں مطلب عنوان یہ ہے کہ کھجور کے درخت کے گوند کو کھانا جائز ہے اور جس چیز کا کھانا حلال ہے اسکی خرید و فروخت بھی جائز ہے۔ (۲) حدیث ھذا میں صرف اکل کا ذکر ہے۔ بیع کا ذکر نہیں ہے۔ (۳) امام نے اس حدیث کو کتاب العلم باب طرح الامام علی اصحابہ میں بھی ذکر کیا ہے۔ دیکھئے فیوض الباری (حصہ اول) مـ

بَابُ مَنْ أَجْرَى أَمْرَ الْأَمْصَارِ عَلَى مَا يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ فِي الْبُيُوعِ وَالْإِجَارَةِ وَالْمِكْيَالِ وَالْوَزْنِ وَسُنَنِهِمْ وَمَذَاهِبِهِمُ الْمَشْهُورَةِ

باب جن کے نزدیک ہر شہر کی خرید و فروخت، اجارہ اور ناپ تول میں اسی شہر کے متعارف طریقوں پر عمل کیا جائیگا اور انکی نیتوں کا فیصلہ وہیں کے رسم و رواج اور تعامل کے مطابق ہوگا۔ (بخاری)

مطلب عنوان یہ ہے کہ جن اشیاء کے متعلق شارع علیہ السلام نے انکے کیلی یا وزنی ہونیکی تصریح نہیں فرمائی۔ ان اشیاء کے متعلق عرف اور رواج کا لحاظ کیا جائیگا۔ اگر اس چیز کو وزن سے فروخت کرنیکا رواج ہے تو وہ وزنی قرار پائے گی۔ اور اگر ناپ کر خرید و فروخت کا رواج ہے تو وہ چیز کیلی قرار پائے گی۔

(۲) اس سلسلہ میں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ جس شہر یا قصبہ یا ضلع کا جو رواج یا عرف ہوگا شریعت اُسی کا لحاظ کرے گی۔ اور اس شہر ہی کے رواج کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک چیز کیلئے ایک شہر میں جو رواج و عرف ہو دوسرے شہر میں وہ نہ ہو۔ مثلاً پنجاب میں سنگترہ گنو عدد سے بکتا ہے اور صوبہ سندھ (کراچی) میں سنگترہ کنو تول کر بکتا ہے تو پنجاب میں سنگترہ کنو عددی اور سندھ میں وزنی قرار پائیگا۔ فافہم اس مسئلہ پر پوری بحث اسی کتاب کے صلا ۱۹۶ پر ہو چکی ہے ملاحظہ فرمالیں۔

وَقَالَ شُرَیْحٌ لِلْغَزَّالِیْنَ سُنَّتُکُمْ بَیْنَکُمْ رِبْحًا۔ (بخاری)

اور شریح نے سوت کاتنے والوں سے کہا تمہارے رسم و رواج کے مطابق ہی فیصلہ کیا جائیگا۔

فائدہ :۔ بخاری کے بعض نسخوں میں ربحا کا لفظ ہے مگر چونکہ اس موقع پر اسکا کوئی معنیٰ درست قرار نہیں پاتا۔ اس لیئے کتابت یا ناقل کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

قَالَ عَبْدُ الْوَهَّابِ عَنْ اَیُّوْبَ عَنْ مُحَمَّدٍ لَا بَاْسَ الْعَشَرَةَ بِاَحَدَ عَشَرَ وَیَاْخُذُ لِلنَّفَقَةِ رِبْحًا۔ (بخاری)

عبدالوہاب نے بواسطہ ایوب و محمد بیان کیا دس کی چیز کا گیارہ کے عوض بیچنے میں حرج نہیں اور جو اس پر خرچ آیا ہے۔ اسکی عوض اس سے لے لے۔

فوائد و مسائل (۱) محمد سے مراد حضرت محمد ابن سیرین ہیں مطلب تعلیق یہ ہے۔ بیع و شراء میں عام رواج یہی ہے کہ ایک روپیہ کی چیز دو روپیہ یا ڈیڑھ روپیہ میں فروخت کرتے ہیں یہ جائز ہے۔ بیع و شراء میں جس قیمت پر بھی سودا ہو جائے شرعًا درست ہے۔ (۲) یاخذ للنفقۃ ربحا کا یہ مطلب لیا جاتا ہے کہ مال تجارت پر جو خرچہ وغیرہ ہوتا ہے وہ منافع میں شمار ہوگا۔ راس المال میں نہیں

——— لیکن مذکورہ بالا جملہ کا یہ معنیٰ کرنا کہاں تک درست ہے! بہرحال مجھے اس کا مطلب یہ سمجھ میں آتا ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جب خرید و فروخت کی بات چلتی ہے تو بائع یہ کہتا ہے۔ یہ سائیکل میں نے ہزار روپے میں خریدی ہے۔ اس پر میں ایک سو روپیہ نفع لوں گا اور پچاس روپے بار برداری کا خرچ آیا ہے وہ علیحدہ لوں گا۔

تو یہ کل گیارہ سو پچاس روپے بنتے ہیں ——— اور بعض اوقات بائع اپنی اصل خرید اس پر نفع اور خرچہ وغیرہ نہیں بتاتا تو ایسی صورت میں اسے یہ نہیں کہنا چاہیئے کہ یہ سائیکل میں نے گیارہ سو پچاس روپے خریدی ہے کیونکہ یہ جھوٹ ہے بلکہ یہ کہے مجھے یہ سائیکل گیارہ سو پچاس روپیہ میں پڑی ہے۔

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِهِنْدٍ خُذِیْ مَا یَکْفِیْکِ وَوَلَدَکِ بِالْمَعْرُوْفِ۔ (بخاری)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہند سے فرمایا معروف کے مطابق اتنا لے لے جتنا تجھے اور تیرے بال بچوں کو کافی ہو۔ (بخاری)

اس حدیث کا مطلب و معنیٰ آئندہ صفحات میں بیان ہوگا۔

وَقَالَ تَعَالٰی وَمَنْ کَانَ فَقِیْرًا فَلْیَاْکُلْ بِالْمَعْرُوْفِ۔ (بخاری)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو فقیر ہو وہ نیک نیتی کے ساتھ کھا سکتا ہے۔

مطلب آیت یہ ہے کہ جو شخص یتیم کا متولی ہو اس کے لئے کام کرے اگر وہ غریب ہے تو عرف رواج کے مطابق حق الخدمت لے سکتا ہے۔ تفصیل آئندہ صفحات میں ملاحظہ کریں۔

وَاکْتَرَی الْحَسَنُ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مِرْدَاسٍ حِمَارًا فَقَالَ بِکَمْ قَالَ بِدَانَقَیْنِ فَرَکِبَهٗ ثُمَّ

اور حسن رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن مرداس سے گدھا کرائے پر لیا تو ان سے اس کا کرایہ پوچھا انھوں نے

جَآءَ مَرَّةً اُخْرٰی فَقَالَ الْحِمَارَ الْحِمَارَ فَرَكِبَهٗ وَلَمْ يُشَارِطْهُ فَبَعَثَ اِلَيْهِ بِنِصْفِ دِرْهَمٍ۔ (بخاری)

کہا کہ دو دانق۔ اس کے بعد وہ گدھے پر سوار ہوئے۔ پھر دوسری مرتبہ تشریف لائے اور کہا کہ گدھا چاہیئے مجھے۔ اس مرتبہ آپ اس پر کرایہ طے کئے بغیر سوار ہوگئے اور ان کے پاس آدھا درہم بھیج دیا۔

فوائد ومسائل یہ مسئلہ بھی عرف و رواج پر مبنی ہے یعنی عرف و رواج کے مطابق فیصلہ کرنا۔ اور اس پر عمل کرنا ابتداء ہی سے جاری ہے۔ علامہ ابن بطال لکھتے ہیں کہ یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام کے ہاں عرف اور رواج معمول بہ ہے اور شرعاً اسکا مرتبہ شرط لازم کا سا ہے اور اسکا ثبوت احادیث سے واضح ہے۔ (۲) حضرت حسن سے حسن بصری علیہ الرحمہ مراد ہیں۔ انکے ارشاد کا مطلب یہ ہے بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی چیز کی قیمت یا کرایہ مشہور و متعین ہوتا ہے یہ بھی عرف و رواج ہے کہ مثلاً ایک دفعہ دہلی دروازہ سے بھاٹی دروازہ کا کرایہ تانگہ والے نے مثلاً پانچ روپیہ لیا تو دوسری دفعہ کرایہ ٹھہرانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ عادت رواج اور عرف یہی ہے۔ دوسری دفعہ بغیر کرایہ مقرر کئے تانگہ کرایہ پر لیتے ہیں اور پہلی مرتبہ جو طے ہوا تھا وہی دوسری بار بھی دے دیتے ہیں۔

عَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ قَالَ حَجَمَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبُوْطَيْبَةَ اَمَرَ لَهٗ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَاعٍ مِّنْ تَمْرٍ وَّ اَمَرَ اَهْلَهٗ اَنْ يُّخَفِّفُوْا عَنْهُ مِنْ خَرَاجِهٖ (بخاری)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوطیبہ نے پچھنا لگایا تو آنحضور نے انھیں ایک صاع کھجور دینے کا حکم دیا۔ اور ان کے مولیٰ سے فرمایا کہ ان کے وظیفہ میں کمی کر دو۔ (بخاری)

فائدہ :۔ یہ حدیث کتاب البیوع باب ذکر الحجام ص۔ میں گذر چکی ہے اسکا مطالعہ کیجئے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ هِنْدٌ اُمُّ مُعَاوِيَةَ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ اَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيْحٌ فَهَلْ عَلَيَّ جُنَاحٌ اَنْ اٰخُذَ مِنْ مَّالِهٖ سِرًّا قَالَ خُذِيْ اَنْتِ مَا يَكْفِيْكِ بِالْمَعْرُوْفِ (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ معاویہ کی والدہ ہندہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ابوسفیان بخیل آدمی ہیں تو کیا اگر میں اُن کے مال میں سے چھپا کر کچھ لے لیا کروں تو کوئی حرج ہے؟ آنحضور نے فرمایا کہ تم اپنے لئے اور اپنے بیٹوں کے لئے معروف کے ساتھ اتنا لے سکتی ہو جو تم لوگوں کے لئے کافی ہو جایا کرے۔

فوائد ومسائل مسئلہ یہ ہے کہ خاوند پر بیوی اور اپنے نابالغ بچوں کا نان و نفقہ واجب ہے۔ ہندہ نے حضور نبوی عرض کیا تھا کہ ابوسفیان بخیل آدمی ہیں تو اگر میں پوشیدہ طور پر ان کے مال سے کچھ لے لوں تو گناہ تو نہیں۔ حضور علیہ السلام نے فتویٰ دیا کہ (معروف) رواج کے مطابق تیرا اور تیرے بچوں کا جو خرچ بنتا ہے اگر تو اپنے خاوند کو اطلاع دیئے بغیر لے لے تو گناہ نہیں۔

خاوند پر بیوی کا نان نفقہ واجب ہے

اس حدیث سے واضح ہوا کہ خاوند پر اپنی بیوی اور نابالغ بچوں کا نان نفقہ واجب ہے۔ یہ بھی واضح ہُوا کہ اگر کسی شخص پر دس روپے قرضہ ہے وہ دیتا نہیں۔ یا فرض کیجئے موٹر عاریتًا دی اور اب وہ واپس نہیں کرتا تو اپنے قرض کی رقم یا وہ چیز (یعنی موٹر) قابض کی بغیر اجازت لے لینا جائز ہے لیکن شرط یہ ہے۔ اپنے حق کی جنس لے سکتا ہے اور غیر جنس اس کی اجازت یا قاضی کی ڈگری دینے پر لے سکے گا مثلاً کسی کو آپ نے گھوڑا سواری کے لئے عاریتًا دیا۔ اب وہ گھوڑا واپس نہیں کرتا۔ تو آپ کو یہ جائز ہے کہ آپ کا جو حق ہے بجنسہ اسے اسکی اجازت کے بغیر لے لیں مگر گھوڑے کی جگہ اس کی کوئی اور چیز مثلاً سائیکل اسکی اجازت کے بغیر نہیں لے سکتے۔

۲۔ اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ قضاء علی الغائب جائز ہے۔ یعنی قاضی مدعا علیہ کی عدم موجودگی میں بھی فیصلہ سنا سکتا ہے۔ مگر یہ استدلال درست نہیں اس لئے کہ ہندہ نے مسئلہ دریافت کیا تھا اور حضور نے جواب دیا تو یہ فتویٰ تھا قضا نہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ تَقُوْلُ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ اُنْزِلَتْ فِيْ وَالِي الْيَتِيْمِ الَّذِيْ يُقِيْمُ عَلَيْهِ وَيُصْلِحُ فِيْ مَالِهٖ اِنْ كَانَ فَقِيْرًا اَكَلَ مِنْهُ بِالْمَعْرُوْفِ (بخاری)

ھشام بن عروہ اپنے باپ سے اور وہ کہتے ہیں میں نے جناب عائشہ رضی اللہ عنہا سے سُنا کہ جو شخص مالدار ہو اُسے اپنے کو بچانا چاہیئے اور جو فقیر ہو وہ معروف کے ساتھ اس میں سے کھا سکتا ہے۔ یہ یتیم کے ان سرپرستوں کے متعلق نازل ہوئی تھی جو ان کی اور ان کے مال کی نگرانی اور دیکھ بھال کرتے ہوں اگر وہ فقیر ہیں تو نیک نیتی کے ساتھ اس میں سے اپنی گذر بسر کیلئے لے سکتے ہیں۔

فوائد و مسائل

یہ سورۃ نساء کی آیت نمبر ۶ ہے جس میں اموالِ یتامیٰ کے احکام کا بیان ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی • جو یتیموں کے سرپرست اور ان کے کاموں کے متولی قرار پاتے ہیں۔ انھیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر وہ غنی ہوں تو معاوضہ خدمت نہ لیں اور اگر فقیر ہوں تو معروف کے ساتھ حق الخدمت لے سکتے ہیں یعنی اتنی جتنی کہ عرف و رواج کے مطابق حق الخدمت بنتا ہو ـــــ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جو شخص کسی یتیم بچے کی تربیت اور اس کے مال کی حفاظت یا اسکے کاروبار میں اپنا وقت اور محنت خرچ کرتا ہے تو کیا اس کو یتیم کے مال میں سے اپنا حق الخدمت لینا جائز ہے؟ قرآن مجید میں فرمایا گیا مَنْ كَانَ غَنِيًّا الخ جو شخص حاجت مند نہ ہو اور اپنی ضروریاتِ زندگی کی دوسرے ذرائع سے حاصل کر رہا ہے۔ اس کو چاہئے کہ یتیم کے مال میں سے حق الخدمت نہ لے کیونکہ یتیم کی خدمت اور اس کے حقوق کی حفاظت اس کے ذمہ فرض ہے اس کا معاوضہ لینا اُسے جائز نہیں ـــــ اس کے بعد فرمایا مَنْ كَانَ فَقِيْرًا الخ یعنی یتیم کا جو ولی فقیر و محتاج ہو اور دوسرا کوئی ذریعہ معاش نہ رکھتا ہو تو وہ یتیم کے مال میں سے دستور کے مطابق حق الخدمت لے سکتا ہے بِالْمَعْرُوْفِ کے حاصل معنی یہ ہیں۔

جن امور کو وہ انجام دے رہا ہے عام طور پر عرف و رواج کے مطابق جو حق الخدمت بنتا ہے وہ لے سکتا ہے یہ نہیں کہ کسی کام کا معاوضہ عام طور پر فرض کیجئے دس روپئے اور یہ بیس روپیے وصول کرے ایسا کرنا ظلم، گناہ اور حرام ہے۔
واضح ہو کہ یتیم کے کاروبار کے چلانے کے اخراجات مثلاً کارخانہ یا دوکان ہے اس کے ملازمین کی تنخواہیں۔ مال لانے اور لیجانے کے اخراجات وغیرہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ یہ تو بہر حال یتیم کے مال سے ہی ادا ہوں گے۔ آیت بالا میں اسکی ممانعت نہیں ہے آیت کا مفاد صرف اس قدر ہے کہ جو شخص کسی یتیم کے کاروبار، جائیداد کارخانہ، دوکان کی نگرانی کرے اسکے کاروبار کو ترقی دینے کے لئے لائحہ عمل مرتب کرے تو وہ اگر غنی ہے مالدار دوسرے ذرائع سے خود کفیل ہے تو ایسے شخص کو اپنی اس کارگذاری کا معاوضہ یا حق الخدمت نہیں لینا چاہیئے۔

یتیم کے مال میں بے جا تصرف کرنا اور اسکا مال ظلماً کھانا حرام اور سخت و شدید گناہ ہے

اس سلسلہ میں یہ امر قابل ذکر ہے قرآن مجید میں یتیم کے مال کو ناحق کھانے والوں اور بے جا تصرف کرنے والوں کیلئے سخت و شدید وعید آئی ہے ارشاد باری ہے۔ اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا۔ یتیم کا مال ناحق کھانے والے اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں۔ وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا اور عنقریب وہ آگ میں داخل ہوں گے۔ (سورۂ نساء آیت ۱۰۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک قوم قیامت کے روز اس طرح اٹھائی جائے گی کہ ان کے منہ آگ سے بھڑک رہے ہوں گے۔ صحابۂ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم یہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ نے فرمایا۔ تم نے قرآن میں یہ آیت نہیں پڑھی؟ اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا ——— خیال رہے کہ جب کوئی شخص وفات پا جاتا ہے تو اس کے ہر قسم کے مال اور ہر چھوٹی بڑی چیز کے ساتھ ہر وارث کا حق متعلق ہو جاتا ہے اور ہر وہ شخص جو ان بچوں کے باپ کی وفات کے بعد کفیل ہوتا ہے خواہ ان بچوں کا چچا ہو یا بڑا بھائی، والدہ ہو یا اور کوئی وصی سب کیلئے لازم و واجب ہے کہ یتیم کے مال میں ناحق تصرف نہ کرے۔ میت کے مال کو جس قدر ممکن ہو اس کے ورثاء میں تقسیم کرنے کی کوشش کرے۔
حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اس معاملہ میں شدید احتیاط کی ہدایت دی ہے۔ آپ کا ارشاد ہے۔

اُحَرِّجُ مَالَ الضَّعِیْفَیْنِ الْمَرْاَۃِ وَالْیَتِیْمِ ۔ (ابن کثیر جلد اول ص ۴۵۶)	میں تم کو خاص طور پر دو ضعیفوں کے مال سے بچنے کی تلقین کرتا ہوں۔ ایک عورت اور دوسرا یتیم۔

بَابُ بَیْعِ الشَّرِیْكِ مِنْ شَرِیْكِهٖ

باب کسی چیز میں جو افراد شریک ہیں انکا اپنے شریک سے خرید و فروخت کا معاملہ کرنا

عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ جَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الشُّفْعَۃَ فِیْ کُلِّ مَالٍ لَّمْ یُقْسَمْ فَاِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ وَصُرِفَتِ الطُّرُقُ فَلَا شُفْعَۃَ۔ (بخاری)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفعہ کا حق اس مال میں قرار دیا تھا جو تقسیم نہ ہوا ہو لیکن جب اس کی حد بندی ہو جائے اور راستے بھی مختلف ہو جائیں تو شفعہ کا حق باقی نہیں رہتا یعنی بربنائے شرکت شفعہ کا حق نہیں رہیگا۔

بَابُ بَیْعِ الْاَرْضِ وَالدُّوْرِ وَالْعُرُوْضِ مُشَاعًا غَیْرَ مَقْسُوْمٍ

باب مشترک زمین مکانات اور سامان کا بیچنا جو ابھی تقسیم نہیں ہوا

عَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ قَضَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالشُّفْعَۃِ فِیْ کُلِّ مَالٍ لَّمْ یُقْسَمْ فَاِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ وَصُرِفَتِ الطُّرُقُ فَلَا شُفْعَۃَ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بِھٰذَا وَقَالَ فِیْ کُلِّ مَا لَمْ یُقْسَمْ تَابَعَہٗ ھِشَامٌ عَنْ مَّعْمَرٍ قَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ فِیْ کُلِّ مَالٍ ذٰرَوَاہُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ اِسْحٰقَ عَنِ الزُّھْرِیِّ۔ (بخاری)

جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہر مال میں شفعہ کا حق دیا تھا۔ جو تقسیم نہ ہوا ہو لیکن جب اس کی حدود قائم ہو جائیں اور راستہ بھی بدل جائے۔ تو اب شفعہ کا حق نہیں رہتا۔ ہم سے مسدد نے اور ان سے عبدالواحد نے اسی طرح حدیث بیان کی اور کہا کہ اس چیز میں جو تقسیم نہ ہوئی ہو۔ اس کی متابعت ہشام نے معمر کے واسطہ سے کی ہے اور عبدالرزاق نے بیان کیا کہ "ہر مال میں" اس کی روایت عبدالرحمن بن اسحاق نے زہری کے واسطہ سے کی ہے۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام بخاری نے شرکۃ، شفعہ، ترک الحیل میں بھی ذکر کیا ہے اور ابو داؤد بیوع، ترمذی نے احکام میں اور ابن ماجہ نے بھی احکام میں ذکر کیا ہے۔

(۲) شفعہ کے مسائل آئندہ صفحات میں مفصل طور پر بیان ہونگے انشاء اللہ العزیز حدیث ہذا کا مطلب یہ ہے کہ زمین یا مکان میں شرکت ہو تو شریک کیلئے شفعہ کا حق ہے لیکن جب اسکے حدود اور راستے علیحدہ علیحدہ ہوں تو اب بربنائے شراکت شفعہ نہیں رہیگا۔ شرکت کیوجہ سے حق شفعہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کسی غیر شخص کا حدود میں دخیل ہو جانا فتنہ و فساد اور تکلیف کا باعث ہو سکتا ہے لہٰذا جو شریک اپنا حصہ فروخت کرنا چاہتا ہے تو سب

پہلے رکھے ۔شریک کا حق یہ ہے وہ اس کو خریدے ۔حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے ۔شریک زیادہ حقدار ہے خلیط سے اور خلیط زیادہ حقدار ہے جار ملاصق سے ۔ (دارمی)

بَابٌ إِذَا اشْتَرَىٰ شَيْئًا لِغَيْرِهٖ بِغَيْرِ إِذْنِهٖ فَرَضِيَ

باب کسی نے کوئی چیز دوسرے کے لیئے اسکی اجازت کے بغیر خریدی اور پھر وہ اس پر راضی ہوگیا

امام بخاری علیہ الرحمہ نے اس عنوان کے ماتحت ایک طویل حدیث درج کی ہے عنوان کا مطلب یہ ہے اگر کسی نے کوئی چیز کسی دوسرے کیلئے اس کی اجازت کے بغیر خریدی اور پھر وہ راضی ہوگیا تو اسکا یہ عمل شرعًا درست قرار پائیگا ۔ (۲) اس عنوان کے ماتحت امام نے جو حدیث درج کی ہے ۔عنوان کے مناسب حتٰی اشتریت منه بقرًا کے الفاظ ہیں ۔یعنی ایک شخص نے مزدور کی رقم سے اس کی بغیر اجازت کے مال مولیشی خریدے پھر جب وہ مزدور آیا اور آجر نے اس کو سارا قصہ سنایا تو وہ مزدور اس خرید وفروخت سے راضی ہو گیا ۔اور اپنا مال لے لیا ۔جیسا کہ حدیث زیر عنوان میں مفصل طور پہ واقعہ بیان ہوا ہے ۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَرَجَ ثَلٰثَةٌ يَّمْشُوْنَ فَاَصَابَهُمُ الْمَطَرُ فَدَخَلُوْا فِيْ غَارٍ فِيْ جَبَلٍ فَانْحَطَّتْ عَلَيْهِمْ صَخْرَةٌ قَالَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ اُدْعُوا اللّٰهَ بِاَفْضَلِ عَمَلٍ عَمِلْتُمُوْهُ فَقَالَ اَحَدُهُمْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ كَانَ لِيْ اَبَوَانِ شَيْخَانِ كَبِيْرَانِ فَكُنْتُ اَخْرُجُ فَاَرْعٰى ثُمَّ اَجِيْءُ فَاَحْلُبُ فَاَجِيْءُ بِالْحِلَابِ فَاٰتِيْ بِهٖ اَبَوَيَّ فَيَشْرَبَانِ ثُمَّ اَسْقِي الصِّبْيَةَ وَاَهْلِيْ وَامْرَاَتِيْ فَاحْتَبَسْتُ لَيْلَةً فَجِئْتُ فَاِذَا هُمَا نَائِمَانِ قَالَ فَكَرِهْتُ اَنْ اُوْقِظَهُمَا وَالصِّبْيَةُ يَتَضَاغَوْنَ عِنْدَ رِجْلَيَّ فَلَمْ يَزَلْ ذٰلِكَ دَاْبِيْ وَدَاْبُهُمَا حَتّٰى طَلَعَ الْفَجْرُ اَللّٰهُمَّ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ' شخص کہیں جا رہے تھے کہ بارش ہونے لگی ۔ انہوں نے ایک پہاڑ کے غار میں پناہ لی ۔اتفاق سے ایک چٹان لڑھکی ۔ایک نے دوسرے سے کہا کہ اپنے سب سے اچھے عمل کا جو تم نے کبھی کیا ہو واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرو ۔اس پر ان میں سے ایک نے یہ دعا کی کہ اے اللہ میرے ماں باپ بہت ہی بوڑھے تھے میں باہر لے جا کر اپنے مولیشی چراتا تھا ۔پھر جب واپس ہوتا تو ان کا دودھ دوہتا اور برتن میں اپنے والدین کو پیش کرتا ۔جب میرے والدین پی چکتے تو پھر بچوں کو گھر والوں کو اور اپنے بیوی کو پلاتا ۔اتفاق سے ایک رات دیر ہوگئی اور جب میں گھر واپس ہوا تو میرے والدین سو چکے تھے میں نے انھیں جگانا مناسب نہ سمجھا

إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ
فَافْرُجْ عَنَّا فُرْجَةً نَرَى مِنْهَا السَّمَاءَ قَالَ
فَفُرِجَ عَنْهُمْ وَقَالَ الْآخَرُ اللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ
تَعْلَمُ أَنِّي كُنْتُ أُحِبُّ امْرَأَةً مِنْ بَنَاتِ
عَمِّي كَأَشَدِّ مَا يُحِبُّ الرَّجُلُ النِّسَاءَ
فَقَالَتْ لَا تَنَالُ ذٰلِكَ مِنْهَا حَتّٰى تُعْطِيَهَا
مِائَةَ دِينَارٍ فَسَعَيْتُ فِيهَا حَتّٰى جَمَعْتُهَا
فَلَمَّا قَعَدْتُ بَيْنَ رِجْلَيْهَا قَالَتِ اتَّقِ اللّٰهَ
وَلَا تَفُضَّ الْخَاتَمَ إِلَّا بِحَقِّهِ فَقُمْتُ وَتَرَكْتُهَا
فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ
وَجْهِكَ فَافْرُجْ عَنَّا فُرْجَةً قَالَ
فَفَرَجَ عَنْهُمُ الثُّلُثَيْنِ وَقَالَ الْآخَرُ
اللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي اسْتَأْجَرْتُ
أَجِيرًا بِفَرَقٍ مِنْ ذُرَةٍ فَأَعْطَيْتُهُ
وَأَبَى ذَاكَ أَنْ يَأْخُذَ فَعَمَدْتُ إِلَى
ذٰلِكَ الْفَرَقِ فَزَرَعْتُهُ حَتّٰى اشْتَرَيْتُ
مِنْهُ بَقَرًا وَرَاعِيهَا ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ
يَا عَبْدَ اللّٰهِ أَعْطِنِي حَقِّي فَقُلْتُ انْطَلِقْ
إِلَى تِلْكَ الْبَقَرِ وَرَاعِيهَا فَإِنَّهَا لَكَ
فَقَالَ أَتَسْتَهْزِئُ بِي قَالَ فَقُلْتُ مَا
أَسْتَهْزِئُ بِكَ وَلٰكِنَّهَا لَكَ اللّٰهُمَّ
إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي فَعَلْتُ ذٰلِكَ
ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ عَنَّا فَكُشِفَ
عَنْهُمْ۔

(بخاری)

بچے میرے قدموں میں پڑے رو رہے تھے۔
میں برابر دودھ کا پیالہ لئے ان کے سامنے کھڑا
رہا اور صبح ہو گئی۔ اے اللہ اگر تیرے نزدیک
بھی میں نے یہ کام صرف تیری خوشنودی حاصل
کرنے کے لئے کیا تھا تو ہمارے لیے راستہ بنا دے۔
تاکہ ہم آسمان دیکھ لیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ پتھر ہٹ گیا۔ دوسرے شخص نے دعا کی کہ
اے اللہ تیرے علم میں یہ بات ہے کہ مجھے اپنے چچا کی
ایک لڑکی سے اتنی زیادہ محبت تھی جتنی ایک مرد کو
کسی عورت سے ہو سکتی ہے اس نے کہا تم مجھ سے اپنا
مقصد اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتے جب تک مجھے
سو دینار نہ دیدو۔ میں نے اسکے حاصل کرنے کی کوشش
کی اور آخر اتنے دینار جمع کر ہی لئے۔ پھر جب میں اسکی
دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھا تو اس نے کہا اللہ
سے ڈرو اور مہر کو ناجائز طریقے سے نہ توڑو۔ اس پر
میں کھڑا ہو گیا اور میں نے اُسے چھوڑ دیا۔ اب اگر تیرے
نزدیک بھی میں نے یہ عمل تیری ہی خوشنودی کیلئے کیا تھا
تو ہمارے لئے راستہ بنا دے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا۔ دو تہائی راستہ کھل گیا۔ تیسرے نے دعا کی اے اللہ
تو جانتا ہے میں نے ایک مزدور سے ایک فرق جوار پر کام
لیا تھا جب میں نے اسکی مزدوری دی تو اس نے لینے
سے انکار کر دیا۔ میں نے اُس جوار کو لے کر بو دیا۔ اس سے
میں نے ایک بیل اور ایک چرواہا خریدا۔ اتفاق سے پھر
اس مزدور نے آکر مطالبہ کیا کہ خدا کے بندے مجھے میرا
حق دیدے میں نے کہا کہ میں مذاق نہیں کرتا واقعی یہ
تمہارے ہی ہیں۔ تو اے اللہ! اگر تیرے نزدیک یہ کام میں نے صرف تیری رضا کے لئے کیا تھا تو ہمارے لئے اس پتھر
کو ہٹا دے۔ چنانچہ غار کے منہ سے پتھر ہٹ گیا۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے مزارعۃ میں بھی ذکر کیا ہے۔ امام مسلم نے توبہ میں اور امام نسائی نے رقائق میں ذکر کیا ہے۔ یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔

(۱) امم سابقہ کے واقعات اور ان کے نیک اعمال کو تبلیغ و ترغیب کیلئے ذکر کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ شریعت اسلامیہ کے خلاف نہ ہوں۔ (۲) اگر کسی نے کسی کے مال میں اسکی اجازت کے بغیر خرید و فروخت کی اور اس میں تصرف کیا اور مالک نے بعد میں اسکی اجازت دے دی تو یہ جائز ہے۔

(۳) امام بخاری نے عنوان مذکورہ سے بیع فضولی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

فضولی کی بیع کا بیان بیع فضولی کا جواز متعدد صریح احادیث سے ثابت ہے حضرت عروہ بن ابی الجعد بارقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور نے ایک دینار دیا کہ حضور کے لیے بکری خرید لائیں انہوں نے ایک دینار کی دو بکریاں خریدیں۔ ان میں سے ایک بکری ایک دینار میں بیچ دی اور حضور کی خدمت میں ایک بکری اور ایک دینار لاکر پیش کیا حضور نے ان کے لیے دعا کی الٰہی ان کی بیع میں برکت ہو۔ اس دعا کا اثر یہ تھا کہ مٹی بھی خریدتے اس میں نفع ہوتا اسی مضمون کی حدیث امام ترمذی و ابوداؤد نے حکیم بن حزام سے روایت کی ہے۔ جس سے واضح ہوا کہ فضولی کا تصرف جبکہ مالک اسے منظور کرلے جائز ہے ــــ فضولی اُس کو کہتے ہیں جو دوسرے کے حق میں بغیر اجازت تصرف کرے۔

(۳) امم سابقہ کے احکام و مسائل جنکے متعلق شریعت محمدیہ علی صاحبہا التحیہ نے اشارۃً یا کنایۃً ممانعت نہیں فرمائی۔ وہ اس امت کیلئے بھی مشروع قرار پائیں گے۔ (۴) اس حدیث میں نبی کریم علیہ السلام نے جو تین واقعے بیان فرمائے ہیں وہ مقام مدح و ثناء میں بیان فرمائے ہیں جو اس امر کی دلیل ہے کہ حدیث ہٰذا کے مندرجات شریعت محمدیہ علی صاحبہا التحیہ میں جائز ہیں ورنہ حضور علیہ السلام انکی تردید فرما دیتے۔ (۵) علامہ عینی علیہ الرحمہ نے تصریح فرمائی ہے کہ اس حدیث سے ثابت ہوا ہے کہ بلاء و مصیبت میں مبتلا ہو جانے کی صورت میں دعا کرنا اور اعمالِ صالحہ سے توسل (وسیلہ) سے دعا کرنا مستحب ہے۔ (۶) ظاہر ہے کہ جب اعمالِ صالحہ سے توسل جائز ہے تو اللہ تعالیٰ کے مقربین بارگاہ انبیاء کرام اور اولیائے عظام کے توسل سے دعا کرنا بطریق اولیٰ جائز قرار پائے گا۔ (۷) والدین کی عزت کرنا ان کی خدمت کرنا۔ اور ان کے آرام و آسائش کا خیال رکھنا لازم ہے۔ والدین کی پُرخلوص خدمت کرنے سے مصائب و آلام سے نجات ملتی ہے۔ (۸) کرامات اولیاء حق ہیں۔

بَابُ الشِّرَآءِ وَالْبَيْعِ مَعَ الْمُشْرِكِيْنَ وَاَهْلِ الْحَرْبِ

باب مشرکوں اور دار الحرب کے باشندوں کیساتھ خرید و فروخت

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ اَبِيْ بَكْرٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ جَآءَ رَجُلٌ مُشْرِكٌ

حضرت عبد الرحمٰن بن ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے

مُشْعَانٌّ طَوِيلٌ بِغَنَمٍ يَسُوقُهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْعًا أَمْ عَطِيَّةً أَوْ قَالَ أَمْ هِبَةً قَالَ لَا بَلْ بَيْعٌ فَاشْتَرَى مِنْهُ شَاةً

(بخاری)

کہ ایک طویل القامت پراگندہ بالوں والا مشرک بکریاں ہانکتا آیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ بیچنے کیلئے ہیں یا عطیہ ہیں؟ یا آپ نے دریافت فرمایا کہ ہبہ کے لئے؟ اس نے کہا کہ نہیں بلکہ بیچنے کیلئے چنانچہ حضور نے اس سے ایک بکری خریدی۔

فوائد و مسائل

۱۔ اس حدیث کو ہبہ اور اطعمہ میں ذکر کیا گیا ہے اور امام مسلم نے اطعمہ میں اس حدیث سے واضح ہوا۔ خرید و فروخت جیسے مسلمان سے جائز ہے ایسے ہی کافر و مشرک اور حربی کافر سے بھی جائز ہے۔ (۲) علامہ خطابی علیہ الرحمۃ نے حدیث کے الفاظ ام ھبۃً سے یہ استدلال فرمایا۔ کافر و مشرک سے ہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے عیاض بن حمار مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کیا اور فرمایا إنا لا نقبل زبداۃ المشرکین ہم مشرکین کے عطیے قبول نہیں کرتے۔ جواب یہ ہے۔ یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے اسکے بعد متعدد غیر مسلموں کے مثلاً مقوقس اکیدر وغیرہ کے ہدایا قبول فرمائے ہیں اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص سے بھی ہدیہ قبول فرمایا ہے اسے بدلہ ضرور دیا ہے خود حضور نے اس امر کی تصریح فرمائی ہے کہ جس کسی نے مجھ پر احسان کیا میں نے اسی دنیا میں اسکا بدلہ چکا دیا۔ سوائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہ ان کی خدمات کا صلہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو عطا فرمائیگا۔

حدیث ترمذی کے الفاظ یہ ہیں۔ مَا لِأَحَدٍ عِنْدَنَا يَدٌ إِلَّا وَقَدْ كَافَيْنَاهُ۔

بَابُ شِرَاءِ الْمَمْلُوكِ مِنَ الْحَرْبِيِّ وَهِبَتِهِ وَعِتْقِهِ

باب۔ حربی سے غلام خریدنا، حربی کا غلام کو آزاد کرنا اور ہبہ کرنا

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِسَلْمَانَ كَاتِبْ وَكَانَ حُرًّا فَظَلَمُوهُ وَبَاعُوهُ وَسُبِيَ عَمَّارٌ وَصُهَيْبٌ وَبِلَالٌ۔

(بخاری)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلیمان فارسی سے فرمایا تم اپنے مالک سے مکاتبت کر کے آزاد ہو حالانکہ سلمان پہلے آزاد تھے ان کے ہمسفروں نے ان پر ظلم کیا اور انھیں بیچ دیا۔ اسی طرح حضرت عمار اور صہیب اور حضرت بلال کو اغوا کیا گیا اور انھیں غلام بنا لیا گیا تھا۔

ابن بطال کہتے ہیں کہ اس عنوان سے امام بخاری کی غرض یہ بتانا ہے کہ حربی کافر کی ملکیت صحیح اور درست ہے اور حربی کا اپنے ملک میں بیع وشراء۔ ہبہ اور عتق کے ذریعے تصرف کرنا جائز قرار پائیگا جیساکہ احادیث زیر عنوان سے ثابت ہے یعنی حضور علیہ السلام نے حضرت سلمان فارسی کو کافر کی ملکیت تسلیم کرتے ہوئے حضرت سلمان فارسی کو مکاتبت کا حکم دیا۔ اور حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام نے کافر بادشاہ سے حضرت ہاجرہ کو قبول فرمایا۔ حضرت سلمان فارسی، حضرت عمارؓ، حضرت صہیب، حضرت بلال رضی اللہ عنہم کافروں کے غلام تھے۔ پھر انکو آزادی دلائی گئی۔ جس سے واضح ہوا کہ اپنی ملکیت میں کافر کے تصرفات شرعاً درست ہیں۔

(۲) اس حدیث میں حضرت سلمان فارسی، حضرت عمار، حضرت صہیب رومی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم کے نام آئے جنکا مختصر تعارف یہ ہے۔

حضرت عمارؓ بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نام، نسب، خاندان عمارؓ نام، ابوالیقظان کنیت، والد کا نام یاسر اور والدہ کا نام سمیہ تھا۔

اسلام ابوحذیفہ کی وفات کے بعد ہی اسلام کا غلغلہ بلند ہوا حضرت عمارؓ اور حضرت صہیبؓ ابن سنانؓ ایک ساتھ ایمان لائے تھے۔

حضرت عمارؓ کو ایک بے یار ومددگار غریب الوطن تھے۔ دنیاوی وجاہت وطاقت بھی حاصل نہ تھی۔ اور سب سے زیادہ یہ کہ ان کی والدہ ماجدہ حضرت سمیہؓ اس وقت تک بنی مخزوم کی غلامی سے آزاد نہیں ہوئی تھیں۔ تاہم جوشِ ایمان نے ایک دن سے زیادہ مخفی ہوکر رہنے نہ دیا۔ مشرکین نے ان کو اور ان کے خاندان کو لاچار ومجبور دیکھ کر سب سے زیادہ مشقِ ستم بنالیا۔ طرح طرح کی اذیتیں دیں ٹھیک دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریت میں لٹایا، دہکتے ہوئے انگاروں سے جلایا۔ اور گھنٹوں پانی میں غوطے دیئے لیکن جلوۂ توحید نے کچھ ایسا وارفتہ کر دیا تھا کہ ان تمام سختیوں کے باوجود وہ ان کو اسلام سے برگشتہ نہ کر سکے[1]۔

حضرت عمارؓ کی والدہ حضرت سمیہؓ کو ابوجہل نے نہایت وحشیانہ طریقے پر اپنے نیزہ سے شہید کیا۔ چنانچہ تاریخ اسلام کی یہ پہلی عبرتناک شہادت تھی جو استقلال واستقامت کے ساتھ راہِ خدا میں واقع ہوئی، ان کے والد حضرت یاسرؓ اور بھائی حضرت عبداللہؓ بھی اسی گمراہ اذیت میں جان بحق ہوئے[2]۔

ایک دفعہ مشرکین نے حضرت عمارؓ کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۱۷۷۔ [2] اصابہ تذکرہ سمیہؓ ام عمار

طرف سے گزرے تو ان کے سر پر دستِ مبارک پھیر کر فرمایا، اے آگ! تو ابراہیمؑ کی طرح عمارؓ پر ٹھنڈی ہو جا۔ آگ ٹھنڈی ہو گئی۔ اسی طرح جب ان کے گھر کی طرف سے گذرتے اور خاندانِ یاسرؓ کو مبتلائے مصیبت دیکھتے تو فرماتے "اے آلِ عمارؓ تمھیں بشارت ہو جنت تمہاری منتظر ہے"[1]

ایک دفعہ حضرت یاسرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گردشِ زمانہ کی شکایت کی، ارشاد ہوا، صبر کرو! صبر کرو! پھر دعا فرمائی "اے خدا! آلِ یاسر کو بخش دے"[2]

تعمیر مسجد حضرت عمارؓ نے حبشہ کی طرف اور پھر مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ مدینہ کی ہجرت کے چھ سات مہینوں کے بعد مسجدِ نبوی کی بنا ڈالی گئی۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ کو جوش دلانے کیلئے خود کام میں حصہ لیا۔ حضرت عمارؓ اینٹ گارا لا لا کر دیتے تھے۔ اور زبان پر رجز جاری تھا۔

نَحْنُ الْمُسْلِمُوْنَ نَبْتَنِي الْمَسَاجِدَا[3] — ہم مسلمان ہیں، ہم مسجد بناتے ہیں

حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے اور عمار دو دو اینٹ اٹھاتے تھے۔

غزوات غزوۂ بدر سے تبوک تک جس قدر اہم معرکے پیش آئے۔ سب میں وہ جانبازی و شجاعت کے ساتھ حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔ عہدِ صدیقی کی اکثر خون ریز جنگوں میں بھی خوب دادِ شجاعت دی۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ یمامہ کی جنگ میں ان کا ایک کان شہید ہو گیا جو سامنے ہی زمین پر پھڑک رہا تھا لیکن وہ بے پرواہی کے ساتھ حملے پر حملے کر رہے اور جس طرف رخ کرتے تھے صفین کی صفیں تہ و بالا کر دیتے تھے۔

ایک دفعہ مسلمانوں کے پاؤں پیچھے پڑنے لگے انھوں نے ایک بلند مقام پر کھڑے ہو کر للکارا "اے گروہِ مسلماناں! کیا جنت سے بھاگ رہے ہو! میں عمار بن یاسر ہوں۔ آؤ میرے پاس آؤ"[4] اس صدا نے سحر کا کام کیا اور جنت کے شیدائی یکایک سنبھل کر ٹوٹ پڑے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۲۰ھ میں ان کو کوفہ کا والی بنایا اور انھوں نے ایک سال نو ماہ تک نہایت خوش اسلوبی اور بیدار مغزی کے ساتھ فرائضِ منصبی ادا کیے۔ معرکۂ صفین میں آپ حضرت علی کی طرف تھے۔ اسی معرکہ میں ۹۱ برس کی عمر میں جامِ شہادت نوش کیا۔ اور کوفہ میں دفن ہوئے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نام ونسب نسبی تعلق اصفہان کے آب الملک کے خاندان سے تھا، مجوسی نام مابہ تھا، اسلام کے بعد

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۸۸۔ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۸۔ [3] ایضاً۔ [4] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۱

سلمان رکھا گیا۔ اور بارگاہ نبوت سے سلمان الخیر لقب ملا، ابوعبداللہ کنیت ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ مابہ ابن بوذخشان بن مورسلان بن بہبوذان بن فیروز سہرک۔

قبل اسلام آپ کے والد اصفہان کے "جی" نامی قریہ کے باشندہ اور دہاں کے زمیندار اور کاشتکار تھے، ان کو حضرت سلمانؓ سے اس قدر محبت تھی کہ ان کو لڑکیوں کی طرح گھر کی چار دیواری سے باہر نہ نکلنے دیتے تھے۔ آتشکدہ کی دیکھ بھال ان ہی کے متعلق کر رکھی تھی۔

آپ نے ایک دفعہ گرجے میں عیسائیوں کو عبادت کرتے دیکھا۔ یہ طریق عبادت آپ کو پسند آیا۔ اور باپ کی قید و بند سے آزاد ہو کر شام پہنچ کر وہاں کے لشب کے پاس رہ کر عیسائی مذہب کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ پھر یکے بعد دیگرے تلاش حق کی جستجو میں موصل نصیبین۔ عموریہ پہنچے اور وہاں کے اسقف کے پاس مقیم رہے۔ کچھ بکریاں خرید لیں۔ ان سے مادی غذا حاصل کرتے رہے اور صبر و شکر کے ساتھ روحانی غذا اسقف سے حاصل کرنے لگے۔ جب اس کا پیمانۂ حیات بھی لبریز ہو گیا تو حضرت سلمان نے اس کو اپنی پوری سرگذشت سنائی۔ کہ اتنے مراتب طے کرتا ہوا آپ کے پاس پہنچا تھا، آپ بھی آخرت کا سفر کرنے کو آمادہ ہیں اس لیے میرا کوئی سامان کرتے جایئے۔ اس نے کہا بیٹا! میں تمہارے لئے کیا سامان کروں، آج دنیا میں کوئی شخص ایسا باقی نہیں ہے جس سے ملنے کا تم کو مشورہ دوں، البتہ اب اُس نبیؐ کے ظہور کا زمانہ قریب ہے جو ریگستان عرب سے اٹھ کر دین ابراہیم کو زندہ کریگا۔ اور کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کرے گا۔ اس کی علامات یہ ہیں کہ وہ ہدیہ قبول کرے گا، اور صدقہ اپنے لئے حرام سمجھے گا۔ اس کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی۔ اگر تم اس سے مل سکو تو ضرور ملنا۔

اسقف کی بشارت اور عرب کا سفر اس اسقف کے مرنے کے بعد سلمانؓ عرصہ تک عموریہ میں رہے کچھ دنوں بعد بنوکلب کے تاجر ادھر سے گذرے سلمانؓ نے ان سے کہا اگر تم مجھ کو عرب پہونچا دو تو میں اپنی گائیں اور بکریاں تمہاری نذر کر دوں گا، وہ لوگ تیار ہو گئے اور زبان حال سے یہ شعر

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

پڑھتے ہوئے ساتھ ہو لیئے۔

غلامی لیکن اُن عربوں نے وادی القریٰ میں پہونچ کر دھوکا دیا۔ اور ان کو ایک یہودی کے ہاتھ غلام بنا کر فروخت کر ڈالا مگر یہاں کھجور کے درخت نظر آئے، جس سے آس بندھی کہ شائد یہی وہ منزل مقصود ہو جس کا اسقف نے پتہ دیا تھا۔ تھوڑے دن وہیں قیام کیا تھا کہ یہ امید بھی منقطع ہو گئی آقا کا چچازاد بھائی مدینہ سے ملنے آیا۔ اس نے سلمان، کو اس کے ہاتھ بیچ دیا۔

غلامی اور مدینہ کا سفر وہ اپنے ساتھ مدینہ لے چلا اور سلمان غلامی در غلامی سہتے ہوئے مدینہ پہنچے

ہاتفِ غیب تسکین دے رہا تھا کہ یہ غلامی نہیں ہے ،

اسی سے ہو گی ترے غمکدہ کی آبادی تری غلامی کے صدقے ہزار آزادی

درحقیقت اُس غلامی پر جو کسی کے آستانِ ناز تک پہنچانے کا ذریعہ بن جائے۔ ہزاروں آزادیاں قربان ہیں۔ جوں جوں محبوب کی منزل قریب ہوتی جاتی تھی کشش بڑھتی جاتی تھی۔ اور آثار و علامات بتاتے تھے کہ شاہدِ مقصود کی جلوہ گاہ یہی ہے اب ان کو پورا یقین ہو گیا۔ اور دیدارِ جمال کی آرزو میں یہاں دن کاٹنے لگے۔

اس وقت آفتابِ رسالت مکہ پر پرتو افگن ہو چکا تھا لیکن جور و ستم کے بادلوں میں چھپا تھا سلمانؓ کو آقا کی خدمت سے اتنا وقت نہ ملتا تھا کہ خود اس کا پتہ لگاتے آخر انتظار کرتے کرتے وہ یوم مسعود بھی آگیا کہ مکہ کا آفتاب عالمتاب مدینہ کے افق پر طلوع ہوا۔ حرمان نصیب سلمان کی شب ہجر تمام ہوئی اور صبح امید کا اجالا پھیلا یعنی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے۔ سلمان کھجور کے درخت پر چڑھے کچھ درست کر رہے تھے، آقا نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے چچازاد بھائی نے آکر کہا، خدا بنی قیلہ کو غارت کرے۔ سب کے سب قبا میں ایک شخص کے پاس جمع ہیں جو مکہ سے آیا ہے۔ یہ لوگ اس کو نبی سمجھتے ہیں۔ سلمان کے کانوں تک اس خبر کا پہنچنا تھا کہ یارائے ضبط باقی نہ رہا، صبر و شکیب کا دامن چھوٹ گیا۔ بدن میں سنسناہٹ پیدا ہو گئی اور قریب تھا کہ کھجور کے درخت پر سے فرشِ زمین پر آجائیں، اسی مدہوشی میں جلد از جلد درخت سے نیچے اترے اور بدحواسی میں بے تحاشا پوچھنے لگے، تم کیا کہتے ہو؟ آقا نے اس سوال پر گھونسہ مار کر ڈانٹا کہ تم کو اس سے کیا غرض، تم اپنا کام کرو۔ اس وقت سلمان خاموش ہو گئے۔

اسلام لیکن اب صبر کسے تھا، کھانے کی چیزیں پاس تھیں، ان کو لے کر دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، میں نے سُنا ہے کہ آپ خدا کے برگزیدہ بندے ہیں اور کچھ غریب الدیار اور اہلِ حاجت آپ کے ساتھ ہیں۔ میرے پاس یہ چیزیں صدقہ کے لئے رکھی تھیں۔ آپ لوگوں سے زیادہ اس کا کون مستحق ہو سکتا ہے۔ اس کو قبول فرمائیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے لوگوں کو کھانے کا حکم دیا، مگر خود تناول نہ فرمایا اس طریقہ سے سلمان کو نبوت کی ایک علامت کا مشاہدہ ہو گیا کہ وہ صدقہ قبول نہیں کرتا۔ دوسرے دن پھر ھدیہ لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کل آپ نے صدقہ کی چیزیں نہیں تناول فرمائی تھیں۔ آج یہ ہدیہ قبول فرمائیے۔ آپ نے قبول کیا خود بھی تناول فرمایا اور دوسروں کو بھی دیا۔ اسی طریقہ سے دوسری نشانی یعنی مہرِ نبوت کی بھی زیارت کی اور باچشمِ پرنم آپ کی طرف بوسہ دینے کو جھکے۔ حضرت سلمانؓ اتنے مرحلوں کے بعد دینِ حق سے ہم آغوش ہوئے اور گوہرِ مقصود سے دامن بھر کر آقا کے گھر واپس آگئے۔

آزادی غلامی کی مشغولیت کے باعث فرائض مذہبی ادا نہ کر سکتے تھے۔ غزوۂ بدر اور اُحد میں شریک نہ ہو سکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آقا کو معاوضہ دے کر آزادی حاصل کر لو تین سو کھجور کے درختوں اور چالیس اوقیہ سونے پر معاملہ طے ہوا۔

کسی غزوہ میں مرغی کے انڈے کے برابر سونا مل گیا آپؐ نے سلمان کو دیدیا۔ یہ وزن میں ٹھیک چالیس اوقیہ تھا۔ اس سے گلوخلاصی حاصل کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے لگے[1]
یہودی نے یہ شرط بھی لگائی تھی کہ کھجور کے یہ درخت اسی سال پھل بھی دیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے کھجور کے یہ درخت زمین نصب فرمائے اور آپ کے دستِ مبارک کی برکت سے ان درختوں پر اسی سال پھل بھی آ گئے۔ اور اس طرح اسکی یہ شرط پوری ہوگئی۔ اب دوسری شرط یوں پوری ہوئی کہ کسی غزوہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام مرغی کے انڈے کے برابر سونا حاصل ہوا تھا۔ حضور نے وہ سونا سلمان کو دے دیا۔ اس کا وزن چالیس اوقیہ تھا۔ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۳۶ھ میں وفات پائی اور مدائن میں دفن ہوئے۔

حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نام، نسب صہیب نام، ابو یحییٰ کنیت، والد کا نام سنان اور والدہ کا نام سلمیٰ بنت قعید تھا۔

ابتدائی حالات حضرت صہیبؓ کا اصلی وطن ایک قریہ تھا جو باختلافِ روایات موصل کے قریب لب دجلہ یا الجزیرہ میں واقع تھا۔ ان کے والد اور چچا کسریٰ کی طرف سے اُبلہ کے عامل تھے انھوں نے ابھی دنیا کی صرف چند بہاریں دیکھی تھیں کہ رومی فوجوں نے ابلہ پر چڑھائی کی۔ اور دوسرے مال واسباب کے ساتھ اس نونہال کو بھی ساتھ لے گئے۔ وہ رومیوں ہی میں پرورش پاکر جوان ہوئے، بنی کلب نے ان کو خرید کر مکہ پہنچایا اور ان سے عبداللہ بن الجدعان نے لے کر آزاد کر دیا[1]۔

اسلام مکہ میں اسلام کا غلغلہ بلند ہوا تو تفتیش و تحقیق کے خیال سے آستانۂ نبوت پہ حاضر ہوئے۔ اتفاق سے حضرت عمارؓ بھی اسی خیال سے آ رہے تھے، انھوں نے ان کو دیکھ کر پوچھا، تم کس ارادہ سے آئے ہو؛ بولے "پہلے تم اپنا مقصد ظاہر کرو" انھوں نے کہا" میں محمدؐ سے مل کر ان کی گفتگو سننا چاہتا ہوں" بولے "میرا بھی یہی مقصد ہے"۔ غرض دونوں ایک ساتھ حاضر خدمت ہو کر مشرف باسلام ہوئے[2] حضرت صہیبؓ پہلے رومی تھے جنھوں نے صدائے توحید کو لبیک کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ صہیب روم کا پہلا پھل ہے"[3]۔

ہجرت حضرت صہیب سب سے آخری مہاجر تھے۔ انھوں نے رختِ سفر درست کر کے ہجرت کا قصد فرمایا تو

---

[1] قبل از اسلام سے آزادی تک کے حالات کل مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۴۱ تا ۴۴ کی مختلف روایات سے ماخوذ ہیں اور انکو مرتب طریقہ سے لکھدیا گیا ہے [2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۹۷ [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۱ کے اسد الغابہ جلد ۴ تذکرہ عمار بن یاسرؓ

مشرکین قریش نہایت سختی کے ساتھ سدِ راہ ہوئے اور بولے "تم ہمارے یہاں مفلس و محتاج آئے تھے، مکہ میں رہ کر دولت و ثروت جمع کی اور اب یہ تمام سرمایہ اپنے ساتھ لیے جاتے ہو۔ خدا کی قسم ایسا نہ ہوگا" حضرت صہیبؓ نے اپنا ترکش دکھا کر کہا، اے گروہ قریش! تم جانتے ہو کہ میں تم لوگوں سے سب سے زیادہ صحیح نشانہ باز ہوں، خدا کی قسم جب تک اس میں ایک تیر بھی ہے تم میرے قریب نہیں آسکتے۔ اس کے بعد پھر اپنی تلوار سے مقابلہ کروں گا، ہاں اگر مال و دولت چاہتے ہو تو کیا اس کو لے کر میرا راستہ چھوڑ دو گے؟" مشرکین نے اس پہ رضامندی ظاہر کی اور حضرت صہیبؓ اپنے مال و منال کے عوض متاعِ ایمان کا سودا خرید کر مدینہ پہنچے[1]

غزوات تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے۔ غزوۂ بدر، احد، خندق اور تمام دوسرے معرکوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے۔ عالم پیری میں لوگوں کو جمع کر کے نہایت لطف کے ساتھ اپنے جنگی کارناموں کی داستان سنایا کرتے تھے۔

سہ روزہ خلافت حضرت عمرؓ ان سے نہایت حسنِ ظن رکھتے تھے اور خاص لطف و محبت کے ساتھ پیش آتے تھے۔ انھوں نے وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ حضرت صہیبؓ ہی ان کے جنازہ کی نماز پڑھائیں اور اہلِ شوریٰ جب تک مسئلہ خلافت کا فیصلہ نہ کریں وہ امامت کا فرض انجام دیں۔ چنانچہ انھوں نے تین دن تک نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اس فرض کو انجام دیا۔ ۳۸ھ ۷۰ برس کی عمر میں مبارک میں وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئے۔

حضرت بلال بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نام، نسب بلال نام، ابو عبداللہ کنیت، والد کا نام رباح اور والدہ کا نام حمامہ تھا، یہ حبشی النسل غلام تھے۔ لیکن مکہ ہی میں پیدا ہوئے، بنی جمح ان کے آقا تھے[1]

اسلام حضرت بلالؓ صورت ظاہری کے لحاظ سے گو سیاہ فام حبشی تھے تاہم آئینۂ دل شفاف تھا۔ اس کو ضیائے ایمان نے اس وقت منور کیا جب کہ وادیٔ بطحاء کی اکثر گوری مخلوق غرورِ حسن و زعمِ شرافت میں ضلالت و گمراہی کی ٹھوکریں کھا رہی تھی جن معدودے چند بزرگوں نے داعیٔ حق کو لبیک کہا تھا ان میں صرف سات آدمیوں کو اس کے اعلان کی سعادت حاصل ہوئی۔ ان میں حضرت بلال بھی تھے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ابتلاء و استقامت کمزور ہمیشہ سب سے زیادہ ظلم و ستم کا آماجگاہ رہتا ہے۔ حضرت بلال کی جو ذاتی حالت تھی اس کے لحاظ سے وہ اور بھی اس تیغِ جفاء کے شکار ہوئے۔ گوناگوں مصائب

[1] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۰۶۔

اور طرح طرح کے مظالم سے ان کے استقلال و استقامت کی آزمائش ہوئی تپتی ہوئی ریگ، جلتے ہوئے سنگریزوں اور دہکتے انگاروں پر لٹائے گئے مشرکین کے لڑکوں نے گلوئے مبارک میں رسیاں ڈال کر بازیچۂ اطفال بنایا لیکن ان تمام روح فرسا و جان گسل آزمائشوں کے باوجود توحید کا حبل متین ہاتھ سے نہ چھوٹا۔ ابوجہل ان کو منہ کے بل سنگریزوں پر لٹا کر اوپر سے پتھر کی چکی رکھدیتا اور جب آفتاب کی تمازت بے قرار کر دیتی تو کہتا، بلال! اب بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خدا سے باز آ" لیکن اس وقت بھی دہن مبارک سے یہی "احد" "احد" نکلتا[1]

آزادی حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک روز حسب معمول وادی بطحا میں مشق ستم بنائے جا رہے تھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طرف سے گذرے تو یہ عبرتناک منظر دیکھ کر دل بھر آیا اور ایک گرانقدر رقم معاوضہ دے کر آزاد کر دیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا "ابوبکر! تم مجھے بھی اس میں شریک کر لو" عرض کی "یا رسول اللہ! میں آزاد کرا چکا ہوں[2]"

مؤذنی مدینہ کا اسلام مکہ کی طرح بے بس اور مجبور نہ تھا یہاں پہنچنے کے ساتھ شعار اسلام و دین متین کی اصولی تدوین و تکمیل کا سلسلہ شروع ہوا مسجد تعمیر ہوئی، خدائے لایزال کی عبادت و پرستش کیلئے نماز پنجگانہ قائم ہوئی اور اعلان عام کے لیے اذان کا طریقہ وضع کیا گیا حضرت بلال رضی اللہ عنہ سب سے پہلے وہ بزرگ ہیں جو اذان دینے پر مامور ہوئے[3]

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آواز نہایت بلند و دلکش تھی، ان کی ایک صدا توحید کے متوالوں کو بے چین کر دیتی تھی، مرد اپنا کاروبار، عورتیں شبستان حرم اور بچے کھیل چھوڑ کر والہانہ وارفتگی کے ساتھ ان کے ارد گرد جمع ہو جاتے۔ جب خدائے واحد کے پرستاروں کا مجمع کافی جمع ہو جاتا تو نہایت ادب کے ساتھ آستانہ نبوت پر کھڑے ہو کر کہتے حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ الصَّلٰوۃُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! یعنی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) نماز تیار ہے، غرض آپ تشریف لاتے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی صدائے سامعہ نواز تکبیر اقامت کے نعروں سے بندگان توحید کو بارگاہ ذوالجلال والاکرام میں سربسجود ہونے کے لیے صف بصف کھڑا کر دیتی[4] حضرت بلال رضی اللہ عنہ سفر و حضر ہر موقع پر حضور علیہ السلام کے مؤذن خاص رہے ہیں۔

غزوات حضرت بلال رضی اللہ عنہ تمام مشہور غزوات میں شریک تھے، غزوۂ بدر میں انھوں نے امیہ بن خلف کو تہ تیغ کیا جو اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا اور خود ان کی ایذا رسانی میں بھی اس کا ہاتھ سب سے پیش پیش تھا

فتح مکہ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے، آپ خانۂ کعبہ میں داخل ہوئے تو مؤذن خاص کو معیت کا فخر حاصل تھا[5] انھیں حکم ہوا کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر توحید کی پرعظمت صدائے تکبیر بلند کریں، خدا خدا کی قدرت وہ حریم قدس جس کو ابوالانبیاء ابراہیم علیہ السلام نے خدائے واحد کی پرستش کے لئے تعمیر کیا تھا

[1] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۰۶ [2] ایضاً و بخاری [3] بخاری بدئ الاذان [4] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۷ [5] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۰۷ [6] کتاب المغازی باب دخول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اعلی مکہ۔

مدتوں صنم خانہ رہنے کے بعد پھر ایک حبشی نژاد کے نغمۂ توحید سے گونجا[1]۔

حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر سے جہاد میں شرکت کی اجازت چاہی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں آپکو اجازت ملی اور شامی مہم میں شریک ہوگئے[5] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۱۶ھ میں شام کا سفر کیا تو دوسرے افسران فوج کے ساتھ حضرت بلال نے بھی مقام جابیہ میں ان کو خوش آمدید کہا اور بیت المقدس کی سیاحت میں ہمرکاب رہے ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے اذان دینے کی فرمائش کی تو بولے " گو میں عہد کرچکا ہوں کہ حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لئے اذان نہ دوں گا۔ تاہم آج آپ کی خواہش پوری کروں گا"، یہ کہہ کر اس عندلیب توحید نے کچھ ایسے لحن میں خدائے ذوالجلال کی عظمت وشوکت کا نغمہ سنایا کہ تمام مجمع بیتاب ہوگیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی بے اختیار رو رہے تھے، غرض سب کے سامنے عہد نبوت کا نقشہ کھنچ گیا اور تمام سامعین نے ایک خاص کیفیت محسوس کی[2]۔ پھر ملک شام ہی میں مقیم ہوگئے۔

اخلاق محاسن اخلاق نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پایۂ فضل وکمال کو نہایت بلند کردیا تھا حضرت عمر فرمایا کرتے تھے ابوبکر سیدنا واعتق سیدنا یعنی ابوبکر ہمارے سردار ہیں۔ اور انھوں نے ہمارے سردار بلال رضی اللہ عنہ کو آزاد کیا ہے[3]۔

حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گذاری ان کا مخصوص مقصد حیات تھا، ہر وقت بارگاہ نبوی میں حاضر رہتے، آپ کہیں باہر تشریف لیجاتے تو خادم جاں نثار کی طرح ہمراہ ہوتے، عیدین واستسقاء کے مواقع پر علم لے کر آگے آگے چلتے[4] وعظ وپند کی مجلسوں میں ساتھ جاتے، افلاس ونا داری کے باوجود ان کو جو میسر آجاتا اس کا ایک حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیافت کے لئے پس انداز کرتے۔ ایک دفعہ برنی کھجوریں (جو نہایت خوش ذائقہ ہوتی ہیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ آپ نے تعجب سے پوچھا۔ بلال یہ کہاں سے؟ عرض کی میرے پاس جو کھجوریں تھیں وہ نہایت خراب قسم کی تھیں چونکہ مجھے حضور کی خدمت میں پیش کرنا تھا اس لئے میں نے دو صاع دے کر یہ ایک صاع اچھی کھجوریں حاصل کیں، ارشاد ہوا "اُف اُف!! ایسا نہ کیا کرو، یہ تو عین ربا ہے اگر تمھیں خریدنا تھا تو پہلے اپنی کھجوروں کو فروخت کرتے، پھر اس کی قیمت سے اس کو خرید لیتے[5]"

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان کو تمام اعمال حسنہ کی بنیاد سمجھتے تھے، ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ سب سے بہتر عمل کیا ہے؟ بولے خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، پھر جہاد، پھر حج مبرور[6]"،

حُلیہ حلیہ یہ تھا کہ قد نہایت طویل، جسم لاغر، رنگ نہایت گندم گون بلکہ مائل بہ سیاہی، سر کے بال نہایت

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۶۷، [2] اسد الغابہ جلد اص ۲۰۹، [3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۸۴، [4] ایضاً ص ۱۶۸ [5] بخاری جلد اص ۳۱۱ ۔ [6] بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۱۲۴۔

گھنے خمدار اور اکثر سفید تھے[1]۔

ازواج حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے متعدد شادیاں کیں، ان کی بعض بیویاں عرب کے نہایت شریف و معزز گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کرا دیا تھا۔ بنی زہرا اور حضرت ابوالدرداؓ کے خاندان میں بھی رشتۂ مصاہرت قائم ہوا تھا۔ لیکن کسی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی[2]۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک عرصہ تک شام میں متوطن رہنے کے بعد ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں "بلال! یہ خشک زندگی کب تک؟ کیا تمہارے لیئے وہ وقت نہیں آیا کہ ہماری زیارت کرو؟ اس خواب نے گذشتہ زندگی کے پُرلطف افسانے یاد دلا دیئے۔ عشق و محبت کے مرجھائے ہوئے زخم پھر ہرے ہو گئے، اسی وقت مدینہ کی راہ لی۔ اور روضۂ اقدس پہ حاضر ہو کر مرغ لبسمل کی طرح تڑپنے لگے۔ آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا، اور مضطربانہ جوش و محبت کے ساتھ جگر گوشگان رسول یعنی حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم کو چمٹا چمٹا کر پیار کر رہے تھے، ان دونوں نے خواہش ظاہر کی کہ آج صبح کے وقت اذان دیجئے۔ گو ارادہ کر چکے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ اذان نہ دیں گے تاہم ان کی فرمائش ٹال نہ سکے۔ صبح کے وقت چھت پر چڑھ کر نعرۂ تکبیر بلند کیا تو تمام مدینہ گونج اٹھا اس کے بعد نعرۂ توحید نے اس کو اور بھی پرعظمت بنا دیا لیکن جب اشھد ان محمد رسول اللہ کا نعرہ بلند کیا تو عورتیں تک بیقرار ہو کر پردوں سے نکل پڑیں اور تمام عاشقان رسول کے رخسارے آنسوؤں سے تر ہو گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مدینہ میں ایسا پر اثر منظر کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔

وفات ۲۰ھ میں اس مخلص باوفا نے اپنے محبوب آقا کی دائمی رفاقت کے لئے دنیائے فانی کو خیرباد کہا، کم و بیش ۶۳ برس کی عمر پائی، دمشق میں باب الصغیر کے قریب مدفون ہوئے۔

وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ۔ (بخاری)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔۔۔ اور اللہ نے تم میں ایک کو دوسرے پہ رزق میں بڑائی دی تو جنہیں بڑائی دی ہے وہ اپنا رزق، اپنے باندی غلاموں کو نہ پھیر دینگے کہ وہ انہیں برابر ہو جائیں تو کیا اللہ کی نعمت سے مکرتے ہیں۔

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ یہ سورہ نمل کی آیت نمبر ۷۰ ہے اس میں مشرکین کو خطاب ہے۔ عنوان سے مناسب آیت کے یہ الفاظ ہیں۔ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ۔ اس آیت میں مال و دولت غلام

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث صفحہ ۱۷۰ [2] طبقات ابن سعد

لونڈیوں کو ان کی ملک بنایا گیا ہے جب ان کی ملک ثابت ہوگئی یہ بھی ثابت ہو گیا کہ کفار و مشرکین کا اپنی ملک میں تصرف کرنا، یعنی بیع و شراء، ہبہ وغیرہ جائز و درست ہے۔

مطلب آیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر مال و دولت میں فضیلت دی ہے اور تم کبھی یہ گوارا نہیں کرتے کہ اپنے مال و دولت کو اپنے غلاموں میں اسطرح تقسیم کر دو کہ وہ بھی مال و دولت میں تمہارے برابر ہو جائیں ــــ تو اس مثال سے سمجھو جب اے مشرکین تم بھی یہ تسلیم کرتے ہو کہ یہ بت جس کی تم پرستش کرتے ہو، سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق و مملوک ہیں تو پھر تم یہ کیسے تجویز کرتے ہو کہ یہ بت اللہ کی مخلوق و مملوک ہیں۔ اپنے خالق و مالک کے برابر ہو جائیں۔

تمام انسانوں کا معیشت میں برابر ہونا ناممکن ہے اس آیت سے یہ بھی واضح ہوا کہ جیسے انسانوں کے درمیان عقل و فہم اور دیگر جسمانی قوتوں میں تفاوت ہے، ایسے ہی مال و دولت میں تفاوت کا ہونا بھی ایک فطری امر ہے جیسے یہ ناممکن ہے کہ تمام انسانوں کی عقل و فہم اور دیگر جسمانی قوتوں میں مساوی ہو ایسے یہ بھی ناممکن ہے کہ کوئی ایسا معاشرہ قائم کیا جائے جس میں تمام انسانوں کی معیشت مساوی ہو۔ خالق کائنات نے رزق میں ایکدوسرے کو فضیلت دی ہے کوئی غریب ہے کوئی امیر اور کوئی متوسط حال۔ اور یہ کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہے بلکہ رب العلمین کی حکمت بالغہ ہے اور انسانی مصالح کا مقتضیٰ ــــ اگر یہ صورت نہ ہے اور مال و دولت (معاش) میں سب انسان برابر ہو جائیں تو نظام عالم میں خلل و فساد پیدا ہو جائیگا۔ یہی وجہ ہے کہ جب سے دنیا قائم ہوئی ہے کسی دور اور کسی ماحول اور زمانہ میں ایسا نہیں ہوا کہ سب انسان معیشت کے اعتبار سے مساوی ہو گئے ہوں۔ ــــ اور اگر کہیں جبری طور پر ایسا معاشرہ قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے تو اس کی حقیقت لفظوں سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے اور رزق میں مساوات کی عملی شکل و صورت کا نہ کبھی عملی ظہور ہوا ہے نہ ہوگا اور نہ ہو سکتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هَاجَرَ اِبْرَاهِیْمُ عَلَیْهِ السَّلَامُ بِسَارَةَ فَدَخَلَ بِهَا قَرْیَةً فِیْهَا مَلِكٌ مِّنَ الْمُلُوْكِ اَوْ جَبَّارٌ مِّنَ الْجَبَابِرَةِ فَقِیْلَ دَخَلَ اِبْرٰهِیْمُ بِامْرَاَةٍ هِیَ مِنْ اَحْسَنِ النِّسَآءِ فَاَرْسَلَ اِلَیْهِ اَنْ یَا اِبْرٰهِیْمُ مَنْ هٰذِهِ الَّتِیْ مَعَكَ قَالَ اُخْتِیْ ثُمَّ رَجَعَ اِلَیْهَا فَقَالَ لَا تُكَذِّبِیْ حَدِیْثِیْ فَاِنِّیْ اَخْبَرْتُهُمْ اَنَّكِ اُخْتِیْ وَاللّٰهِ اِنْ عَلَی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابراہیم علیہ السلام نے سارہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہجرت کی تو ایسے شہر میں پہنچے جہاں ایک بادشاہ رہتا تھا یا ایک ظالم بادشاہ رہتا تھا۔ اس سے ابراہیم علیہ السلام کے متعلق کہا گیا کہ وہ ایک نہایت ہی خوبصورت عورت لے کر یہاں آئے ہیں بادشاہ نے آپ سے پچھوا بھیجا کہ ابراہیم! یہ خاتون جو تمہارے ساتھ ہیں تمہاری کیا ہوتی ہیں انھوں نے فرمایا کہ میری بہن ہیں پھر جب ابراہیم علیہ السلام حضرت

الْاَرْضِ مُؤْمِنٌ غَيْرِيْ وَغَيْرُكِ فَاَرْسَلَ بِهَا اِلَيْهِ فَقَامَ اِلَيْهَا فَقَامَتْ تَوَضَّأُ وَتُصَلِّيْ فَقَالَتْ اللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتُ اٰمَنْتُ بِكَ وَبِرَسُوْلِكَ وَاَحْصَنْتُ فَرْجِيْ اِلَّا عَلٰى زَوْجِيْ فَلَا تُسَلِّطْ عَلَيَّ الْكَافِرَ فَغُطَّ حَتّٰى رَكَضَ بِرِجْلِهٖ قَالَ الْاَعْرَجُ قَالَ اَبُوْ سَلَمَةَ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَتِ اللّٰهُمَّ اِنْ يَّمُتْ يُقَالُ هِيَ قَتَلَتْهُ فَاُرْسِلَ ثُمَّ قَامَ اِلَيْهَا فَقَامَتْ تَوَضَّأُ تُصَلِّيْ وَتَقُوْلُ اللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتُ اٰمَنْتُ بِكَ وَبِرَسُوْلِكَ وَاَحْصَنْتُ فَرْجِيْ اِلَّا عَلٰى زَوْجِيْ فَلَا تُسَلِّطْ عَلَيَّ هٰذَا الْكَافِرَ فَغُطَّ حَتّٰى رَكَضَ بِرِجْلِهٖ قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ قَالَ اَبُوْ سَلَمَةَ قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ فَقَالَتِ اللّٰهُمَّ اِنْ يَّمُتْ فَيُقَالُ هِيَ قَتَلَتْهُ فَاُرْسِلَ فِي الثَّانِيَةِ اَوْ فِي الثَّالِثَةِ فَقَالَ وَاللّٰهِ مَا اَرْسَلْتُمْ اِلَيَّ اِلَّا شَيْطَانًا اِرْجِعُوْهَا اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَاَعْطُوْهَا اٰجَرَ فَرَجَعَتْ اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَتْ اَشَعَرْتَ اَنَّ اللّٰهَ كَبَتَ الْكَافِرَ وَاَخْدَمَ وَلِيْدَةً۔ (بخاری)

سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں آئے تو ان سے کہا کہ میری بات نہ جھٹلانا۔ میں تمھیں اپنی بہن کہہ کر آیا ہوں۔ بخدا اس رُوئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مومن نہیں ہے چنانچہ آپ نے حضرت سارہ کو بادشاہ کے یہاں بھیجا، بادشاہ حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گیا اس وقت حضرت سارہ نماز پڑھنے کھڑی ہوگئی تھیں انھوں نے اللہ کے حضور میں یہ دعا کی! کہ ”اے اللہ! اگر میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان رکھتی ہوں اور اگر میں نے اپنے شوہر کے سوا اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی ہے تو۔ تو مجھ پر ایک کافر کو مسلط نہ کر۔“ اتنے میں وہ بادشاہ بلبلایا اور اسکا پاؤں زمین میں دھنس گیا۔ اعرج نے بیان کیا کہ ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کیا ان سے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اللہ کے حضور میں عرض کیا، اے اللہ! اگر یہ مرگیا تو لوگ کہیں گے کہ اس عورت نے اسے قتل کیا ہے پھر اسکی حالت بحال ہوئی تو بادشاہ نے دوسری یا تیسری بار کہا بخدا تم نے میرے پاس ایک شیطان کو بھیجا ہے اسے ابراہیم کو لٹا دو۔ اور ہاجرہ ابراہیم کو دیدو پھر حضرت سارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگئیں اور کہا آپنے دیکھا اللہ تعالیٰ نے کافر کو ذلیل کیا اور ایک لونڈی خدمت کے لیے دلوائی۔ (بخاری)

فوائد و مسائل

۱۔ اس حدیث کو امام نے ہبہ اور اکراہ میں بھی ذکر کیا ہے ۲۔ عنوان سے مناسب حدیث کے یہ الفاظ ہیں اعطوھا آجر۔ اس ظالم بادشاہ نے کہا کہ سارہ کو ہاجرہ کو دے دو اور حضرت سارہ نے اس کافر بادشاہ کے ہدیہ کو قبول کر لیا۔ معلوم ہوا کہ کافر کا اپنی ملک میں تصرف کرنا جائز ہے۔ ۳۔ ولید کا لفظ لڑکے کے لیئے اور ولیدہ لڑکی کیلئے بولا جاتا ہے۔ اور اس لفظ کا اطلاق کبھی لونڈی پر بھی آتا ہے۔ یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔ (۴) اپنی جان اور عزت وناموس کو بچانے کے لئے خلاف واقع بات کہہ دینی جائز ہے۔ گناہ نہیں۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ کو اختی کہا حالانکہ وہ آپ کی بیوی تھیں ۵۔ ظالم بادشاہ یا مشرک کا ھدیہ قبول کرنا جائز ہے۔ ۶۔ اگر اپنی بیوی کو بلانیت طلاق ماں بہن کہدیا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

(۷) اس حدیث سے فقہاءِ اسلام نے یہ استدلال بھی فرمایا کہ اگر کسی کے پاس کسی کی امانت ہے اور کوئی شخص غنڈہ گردی کے ذریعہ اس امانت کو حاصل کرنے کی کوشش کرے تو امین کو یہ جائز ہے کہ امانت کو بچانے کے لئے یہ کہہ دے کہ میرے پاس کسی کی امانت نہیں ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتِ اخْتَصَمَ سَعْدُ ابْنُ اَبِیْ وَقَّاصٍ وَّعَبْدُ ابْنُ زَمْعَةَ فِیْ غُلَامٍ فَقَالَ سَعْدٌ هٰذَا یَا رَسُوْلَ اللهِ ابْنُ اَخِیْ عُتْبَةَ بْنِ وَقَّاصٍ عَهِدَ اِلَیَّ اَنَّهٗ ابْنُهٗ اُنْظُرْ اِلٰی شَبَهِهٖ وَقَالَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ هٰذَا اَخِیْ یَا رَسُوْلَ اللهِ وُلِدَ عَلٰی فِرَاشِ اَبِیْ مِنْ وَّلِیْدَتِهٖ فَنَظَرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلٰی شَبَهِهٖ فَرَاٰی شَبَهًا بَیِّنًا بِعُتْبَةَ فَقَالَ لَكَ یَا عَبْدُ اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ وَاحْتَجِبِیْ مِنْهُ یَا سَوْدَةُ بِنْتُ زَمْعَةَ فَلَمْ تَرَهٗ سَوْدَةُ قَطُّ۔

(بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبد بن زمعہ رضی اللہ عنہ کا ایک بچے کے بارے میں نزاع ہوا سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یارسول اللہ! یہ میرے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کا بیٹا ہے۔ اس نے وصیت کی تھی کہ ایسکا بیٹا ہے۔ آپ خود میرے بھائی سے اس کی مشابہت دیکھ لیجئے لیکن عبد بن زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کہا کہ یا رسول اللہ یہ تو میرا بھائی ہے میرے باپ کے "فراش" پر پیدا ہوا ہے اور اس کی باندی کے پیٹ کا ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کی صورت دیکھی تو مشابہت صاف عتبہ سے تھی۔ لیکن آپ نے فرمایا یہی کہ اے عبد! یہ بچہ تمہارے ہی ساتھ رہیگا۔ کیونکہ بچہ فراش کے تابع ہوتا ہے اور زانی کے حصہ میں صرف پتھر ہے اور اے سودہ بنت زمعہ! اس لڑکے سے تم پردہ کیا کرو۔ چنانچہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پھر اُسے کبھی نہیں دیکھا۔

فوائد ومسائل یہ حدیث شبہات بخاری پارہ ص پر تفہیم وترجمانی سے گزر چکی ہے۔ عنوان سے مناسبت اس حدیث کی یہ ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے عبد ابن زمعہ کے کافر باپ کی ملکیت کو برقرار رکھتے ہوئے بچہ عبد ابن زمعہ کی تحویل میں دے دیا۔

قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ عَوْفٍ لِصُهَیْبٍ اِتَّقِ اللهَ وَلَا تَدَّعِ اِلٰی غَیْرِ اَبِیْكَ فَقَالَ صُهَیْبٌ مَا یَسُرُّنِیْ اَنَّ لِیْ كَذَا وَكَذَا وَاَنِّیْ قُلْتُ ذٰلِكَ وَلٰكِنِّیْ سُرِقْتُ وَاَنَا صَبِیٌّ۔

(بخاری)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے صہیب رضی اللہ عنہ سے کہا اللہ سے ڈرو اور اپنے باپ کے سوا کسی اور کی طرف اپنے کو منسوب کرو۔ صہیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر مجھے بڑی دولت مل جائے تو بھی میں یہ کہنا پسند نہ کروں گا۔ میں تو بچپن ہی میں چرا لیا گیا تھا۔

فوائد ومسائل حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت صہیب سے کہا تھا کہ شرعًا اپنے کو کسی اور کا بیٹا ظاہر کرنا گناہ ہے اور تم عربی ہونے کے دعویدار ہو اور زبان تمہاری رومی ہے۔ اس پر حضرت

صہیب نے جواب دیا کہ میں کسی بڑی سے بڑی دولت کے حصول کیلئے بھی یہ بات پسند نہیں کرتا کہ میں اپنا باپ کسی ایسے شخص کو ظاہر کروں جو حقیقت میں میرا باپ نہیں ہے۔ مگر قصہ یہ ہے کہ مجھے بچپن ہی میں رومیوں نے اغواء کر لیا۔ انھیں میں میری پرورش ہوئی اس بناء پر میری زبان رومی ہو گئی —— واضح ہو کہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ اپنا نسب سنان بن مالک کے ساتھ جوڑتے تھے اور کہتے تھے کہ ان کی والدہ بنی تمیم میں سے تھیں لیکن چونکہ رومیوں نے انکو اغوا کر کے غلام بنا لیا تھا اس لئے لوگ کہتے تھے کہ عربی النسل کس طرح ہو سکتے ہیں۔ ۲۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ اپنے نسب کو بدلنا۔ (جیسا کہ آجکل بعض لوگ حقیقت میں شیخ یا سید نہیں ہوتے اور جعلی سید اور شیخ بن جاتے ہیں) شرعاً حرام وگناہ ہے اس پر وعید بھی آئی ہے۔

اَنَّ حَكِيْمَ ابْنَ حِزَامٍ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَاَيْتَ اُمُوْرًا كُنْتُ اَتَحَنَّثُ اَوْ اَتَحَنَّتُ بِهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ مِنْ صِلَةٍ وَّعِتَاقَةٍ وَّصَدَقَةٍ هَلْ لِّيْ فِيْهَا اَجْرٌ قَالَ حَكِيْمٌ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْلَمْتَ عَلٰى مَا سَلَفَ لَكَ مِنْ خَيْرٍ۔ (بخاری)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یارسول اللہ ان اعمال کے متعلق آپ کا کیا حکم ہے؟ جنھیں میں جاہلیت کے زمانہ میں صلہ رحمی۔ غلام آزاد کرنے اور صدقہ دینے کے طور پر کیا کرتا تھا۔ کیا ان اعمال پر بھی مجھے اجر ملے گا؟ آنحضور نے فرمایا۔ جتنی نیکیاں تم پہلے کر چکے ہو ان سب کے ساتھ اسلام لائے ہو (بخاری)

فوائد ومسائل اس حدیث کو امام نے کتاب الزکوٰۃ باب مَنْ تَصَدَّقَ فِي الشِّرْكِ ثُمَّ اَسْلَمَ میں بھی ذکر کیا ہے دیکھئے فیوض الباری پارہ ششم ص۴۳ عنوان سے مناسبت اس حدیث کی یہ ہے کہ حکیم ابن حزام نے بحالت کفر جو صدقہ وہبہ وغیرہ کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے صحیح نافذ قرار دیا۔ اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ کافر کی ملکیت کو درست تسلیم کیا جائے۔ اَسْلَمْتَ عَلٰى مَا سَلَفَ۔ حدیث کے ان جملوں کا مطلب صحیح یہ ہے کہ تیرے بحالت کفر اعمال خیر کی وجہ سے تجھے ایمان لانے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔

بَابُ جُلُوْدِ الْمَيْتَةِ قَبْلَ اَنْ تُدْبَغَ

باب دباغت سے پہلے مردار کی کھال کا حکم؟

عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عَبَّاسٍ اَخْبَرَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِشَاةٍ مَّيِّتَةٍ فَقَالَ هَلَّا اسْتَمْتَعْتُمْ بِاِهَابِهَا

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مری ہوئی بکری پر سے گذرے آپ نے فرمایا تم نے اس سے نفع کیوں

قَالُوْا اِنَّهَا مَيْتَةٌ قَالَ اِنَّمَا حَرُمَ اَكْلُهَا (بخاری)

نہیں حاصل کیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ یہ تو مردہ ہے تو آپ نے فرمایا اس کا صرف کھانا حرام ہے۔

فوائد و مسائل

(۱) اس حدیث کو امام نے کتاب الزکاۃ باب الصدقۃ علی موالی ازواج النبی میں بھی ذکر کیا ہے۔ دیکھئے فیوض حصہ ص

(۲) امام بخاری اور امام زھری نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا کہ مردار کی خرید و فروخت جائز ہے۔ کیونکہ مردار کی کھال سے نفع کا جواز اس کی بیع و شراء کے جواز کو چاہتا ہے۔

(۳) سیدنا امام اعظم اور دیگر آئمہ کرام کا مذہب یہ ہے کہ مردار کی کھال کی خرید و فروخت دباغت سے قبل حرام ہے کیونکہ مردار اور اسکی کھال میتۃ ہے جو نجس ہے۔ اور میتۃ (مردار) کی بیع و شراء ممنوع ہے۔ اور مذکورہ بالا حدیث جس سے جواز کا استدلال کیا گیا ہے یہ اسلئے درست نہیں کہ یہ حدیث مطلق ہے اور دوسری احادیث میں اس کی ممانعت آئی ہے لہٰذا حدیث ہٰذا اور اسکی دوسری احادیث کے پیش نظر مفہوم صحیح یہ قرار پائیگا کہ مردار کی کھال کی دباغت کے بعد بیع و شراء جائز ہے کیونکہ دباغت کے بعد مردار کی کھال پاک ہو جاتی ہے۔

بَابُ قَتْلِ الْخِنْزِيْرِ وَقَالَ جَابِرٌ حَرَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْعَ الْخِنْزِيْرِ

باب سور کا مار ڈالنا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سور کی خرید و فروخت کو حرام قرار دیا تھا

سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَيُوْشِكَنَّ اَنْ يَّنْزِلَ فِيْكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا مُّقْسِطًا فَيَكْسِرَ الصَّلِيْبَ وَيَقْتُلَ الْخِنْزِيْرَ وَيَضَعَ الْجِزْيَةَ وَيَفِيْضَ الْمَالُ حَتّٰى لَا يَقْبَلَهٗ اَحَدٌ۔ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جسکے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے وہ زمانہ آنے والا ہے جب ابن مریم علیہ السلام تم میں ایک عادل اور منصف حاکم کی حیثیت سے اتریں گے وہ صلیب کو توڑ ڈالیں گے اور جزیہ کو ختم کر دیں گے، سوروں کو مار ڈالیں گے اس وقت مال و دولت کی اتنی فراوانی ہوگی کہ کوئی لینے والا نہیں ہوگا۔

فوائد و مسائل

اس حدیث کو امام مسلم نے ایمان میں اور ترمذی نے فتن میں ذکر کیا ہے۔ (۲) اس حدیث سے واضح ہوا کہ خنزیر اور اس کے تمام اجزاء نجس العین و حرام ہیں۔ اور اسکی بیع و شراء حرام و ناجائز اور باطل ہے۔ خنزیر کی کھال کی دباغت کے بعد بھی پاک نہیں ہوتی۔ اسطرح چربی ہڈی بال وغیرہ سب نجس العین ہیں اور انکی بیع و شراء حرام و باطل ہے۔ (۳) يَقْتُلَ الْخِنْزِيْرَ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خنزیر کو قتل کریں گے یہ بات خصوصیت سے اسلئے

ذکر کیگئی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو خنزیر کو قتل کریں گے۔ اور عیسائیوں کو اگر ان سے محبت و عقیدت ہے تو انھیں خنزیر کی بیع و شرار سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

بَابُ لَا يُذَابُ شَحْمُ الْمَيْتَةِ وَلَا يُبَاعُ وَدَكُهُ رَوَاهُ جَابِرٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب نہ مُردار کی چربی پگھلائی جائے اور نہ اس کا ودک بیچا جائے۔ اسکی روایت جابر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے کی ہے

أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ بَلَغَ عُمَرَ أَنَّ فُلَانًا بَاعَ خَمْرًا فَقَالَ قَاتَلَ اللهُ فُلَانًا أَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَاتَلَ اللهُ الْيَهُودَ حُرِّمَتْ عَلَيْهِمُ الشُّحُومُ فَجَمَلُوهَا فَبَاعُوهَا۔ (بخاری)

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا کہ عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ فلاں شخص نے شراب فروخت کی ہے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ اُسے تباہ و برباد کرے کیا اُسے معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اللہ تعالیٰ یہودیوں کو برباد کرے کہ جب ان پر چربی حرام کی گئی تو انھوں نے پھگلا کر بیچنا شروع کر دیا۔

(بخاری)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَاتَلَ اللهُ يَهُودَ حُرِّمَتْ عَلَيْهِمُ الشُّحُومُ فَبَاعُوهَا وَأَكَلُوا أَثْمَانَهَا

(بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ یہودیوں کو تباہ کرے ظالموں پر چربی حرام کر دی گئی تھی لیکن انھوں نے اسے بیچ کر اس کی قیمت کھائی۔

فوائد و مسائل ان دونوں حدیثوں سے واضح ہوا کہ خنزیر کی چربی کھال ہڈیاں غرضیکہ تمام اجزا نجس العین ہیں ان سے نفع اٹھانا اور بیع و شرار حرام و باطل ہے۔ اسی طرح خمر بھی نجس العین ہے۔ اسکا پلانا پینا خرید و فروخت حرام و ناجائز اور باطل ہے۔

بَابُ بَيْعِ التَّصَاوِيرِ الَّتِي لَيْسَ فِيهَا رُوحٌ وَمَا يُكْرَهُ مِنْ ذٰلِكَ

باب غیر جاندار چیزوں کی تصویریں بیچنا، اور اس میں کیا ناپسندیدگی ہے؟

عَنْ سَعِيدِ ابْنِ أَبِي الْحَسَنِ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ إِذْ أَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا أَبَا عَبَّاسٍ إِنِّي إِنْسَانٌ إِنَّمَا مَعِيشَتِي مِنْ صَنْعَةِ يَدِي وَإِنِّي أَصْنَعُ هٰذِهِ التَّصَاوِيرَ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَا أُحَدِّثُكَ إِلَّا مَا سَمِعْتُ رَسُولَ

سعید بن ابوحسن نے کہا کہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہا کہ اے ابو عباس میں ان لوگوں میں سے ہوں جن کی معیشت اپنے ہاتھ کی صنعت پر موقوف ہے اور میں یہ تصویریں بناتا ہوں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس پر فرمایا کہ میں تمھیں صرف وہی

اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ سَمِعْتُهُ يَقُولُ مَنْ صَوَّرَ صُورَةً فَإِنَّ اللهَ مُعَذِّبُهُ حَتَّى يَنْفُخَ فِيهَا الرُّوحَ وَلَيْسَ بِنَافِخٍ فِيهَا أَبَدًا فَرَبَا الرَّجُلُ رَبْوَةً شَدِيدَةً وَاصْفَرَّ وَجْهُهُ فَقَالَ وَيْحَكَ إِنْ أَبَيْتَ إِلَّا أَنْ تَصْنَعَ فَعَلَيْكَ بِهٰذَا الشَّجَرِ وَكُلِّ شَيْءٍ لَيْسَ فِيهِ رُوحٌ۔

(بخاری)

بات بتاؤں گا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہے۔ مَیں نے حضور کو یہ ارشاد فرماتے ہُوئے سنا تھا کہ جس نے بھی کوئی تصویر بنائی تو اللہ تعالیٰ اُسے اسوقت تک عذاب دیتا رہے گا جب تک وہ اپنی تصویر میں جان نہ ڈال دے۔ اور وہ کبھی اس میں جان نہیں ڈال سکتا۔ اس شخص کا سانس چڑھ گیا اور چہرہ زرد ہو گیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ افسوس اگر تم تصویریں بنانا ہی چاہتے ہو تو ان درختوں کی اور ہر اس چیز کی جس میں جان نہیں تصویریں بنا سکتے ہو۔

فوائد و مسائل (۱) امام بخاری نے لباس میں ذکر کیا ہے۔ نسائی نے زینت میں اور مسلم نے لباس میں ذکر کیا ہے اس حدیث سے واضح ہوا کہ جاندار کی تصویر بنانا ممنوع ہے البتہ غیر جاندار کی تصویر بنانا جائز ہے اس مسئلہ پر فیوض الباری حصہ صہ پر مفصل گفتگو ہو چکی ہے۔

بَابُ تَحْرِيمِ التِّجَارَةِ فِي الْخَمْرِ وَقَالَ جَابِرٌ حَرَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ

باب شراب کی تجارت کی حرمت

اور جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کی خرید و فروخت حرام قرار دی (بخاری)

عَنْ عَائِشَةَ لَمَّا نَزَلَتْ آيَاتُ سُورَةِ الْبَقَرَةِ عَنْ آخِرِهَا خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ حُرِّمَتِ التِّجَارَةُ فِي الْخَمْرِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب سورہ البقرہ کی آخری آیات نازل ہوئیں تو حضور باہر تشریف لائے اور فرمایا خمر کی تجارت حرام قرار دی گئی ہے۔ (بخاری)

بَابُ إِثْمِ مَنْ بَاعَ حُرًّا

باب۔ اس شخص کا گناہ جس نے کسی آزاد کو بیچا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللهُ ثَلَاثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ رَجُلٌ أَعْطَى بِي ثُمَّ غَدَرَ وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهُ وَرَجُلٌ اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا فَاسْتَوْفَى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِ أَجْرَهُ (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تین طرح کے لوگ ایسے ہونگے جن کا قیامت کے دن میں فریق ہونگا ایک وہ شخص جس نے میرے نام پہ عہد کیا پھر توڑ دیا۔ ۲ وہ شخص جس نے کسی آزاد انسان کو بیچ کر اس کی قیمت کھائی اور وہ شخص جس نے کوئی مزدور

اجرت پر رکھا اور اس سے پوری طرح کام لیا لیکن اس کی مزدوری نہیں دی۔

تین ایسے گناہ جنکے متعلق آخرت میں خود اللہ تعالیٰ فریق ہو گا

گناہ کبیرہ تو اور بھی ہیں مگر اس حدیث میں تین گناہوں کا ذکر صرف ان کی سنگینیت کے اظہار کیلئے ہے۔

اول وہ جس نے میرے نام پر عہد کیا اور پھر اُسے توڑ دیا۔ دوسرا وہ جس نے کسی آزاد انسان کو بیچ دیا۔ جیسا کہ فی زمانہ بچوں اور عورتوں کو اغواء کر کے انہیں دوسرے ملکوں میں بیچ دیتے ہیں۔ یہ کام سخت و شدید قسم کا گناہ اور ظلم عظیم ہے۔ اسی طرح مزدور کو اس کی اجرت نہ ادا کرنا بھی ظلم اور گناہ کبیرہ ہے

بَابُ اَمْرِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْیَهُوْدَ بِبَیْعِ اَرْضِیْهِمْ حِیْنَ اَجْلَاهُمْ فِیْهِ الْمَقْبُرِیُّ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ

یہودیوں کو جلاوطن کرتے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انھیں اپنی زمین بیچ دینے کا حکم دیا اس سلسلے میں مقبری کی روایت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطہ سے ہے (جو باب الجہاد میں آئیگی)

فائدہ: روایت مقبری پر انشاء اللہ العزیز باب الجہاد میں گفتگو ہوگی۔

بَابُ بَیْعِ الْعَبِیْدِ وَالْحَیَوَانِ بِالْحَیَوَانِ نَسِیْئَةً

باب کسی غلام یا جانور کو جانور کے بدلے فروخت کرنے کے متعلق

وَاشْتَرٰی ابْنُ عُمَرَ رَاحِلَةً بِاَرْبَعَةِ اَبْعِرَةٍ مَضْمُوْنَةٍ عَلَیْهِ یُوْفِیْهَا صَاحِبُهَا بِالرَّبَذَةِ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَدْ یَکُوْنُ الْبَعِیْرُ خَیْرًا مِّنَ الْبَعِیْرَیْنِ وَاشْتَرٰی رَافِعُ بْنُ خَدِیْجٍ بَعِیْرًا بِبَعِیْرَیْنِ فَاَعْطَاهُ اَحَدَهُمَا وَقَالَ اٰتِیْكَ بِالْاٰخَرِ غَدًا رَهْوًا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ وَقَالَ ابْنُ الْمُسَیَّبِ لَا رِبَا فِی الْحَیَوَانِ الْبَعِیْرُ بِالْبَعِیْرَیْنِ وَالشَّاةُ بِالشَّاتَیْنِ اِلٰی اَجَلٍ وَقَالَ ابْنُ سِیْرِیْنَ لَا بَاْسَ بَعِیْرٌ بِبَعِیْرَیْنِ نَسِیْئَةً۔

(بخاری)

ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک اونٹ چار اونٹوں کے بدلے خریدا تھا جن کے متعلق یہ طے ہوا تھا کہ مقام ربذہ میں انھیں دیدیں گے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ کبھی ایک اونٹ، دو اونٹوں کے مقابلے میں بھی بہتر ہوتا ہے، رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے ایک اونٹ دو اونٹوں کے بدلے میں خریدا تھا ایک تو (جس سے یہ معاملہ ہوا تھا اسے) دیدیا تھا دوسرے کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ کل انشاء اللہ کسی تاخیر کے بغیر تمھارے حوالے کر دونگا سعید بن مسیب نے فرمایا کہ جانوروں میں سود نہیں چلتا ایک اونٹ دو اونٹوں کے بدلے اور ایک بکری دو بکریوں کے بدلے ادھار بیچی جا سکتی ہے۔ ابن سیرین نے فرمایا کہ ایک اونٹ دو اونٹوں کے بدلے ادھار بیچنے میں کوئی حرج نہیں۔

فوائد و مسائل (۱) حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ :- حضورؐ کے مشہور صحابی ۔ انصار سے ہیں ۔ بوجہ صغرسنی غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے ۔ احد اور تمام غزوات میں شریک ہوئے ۔ جب غزوۂ احد میں تیر سے زخمی ہوئے تو حضورؐ نے فرمایا ۔ میں قیامت کے دن تمہارے زخم اور ایمان کا گواہ ہوں عبد الملک بن مروان کے دورِ حکومت میں آپ کا یہ ہی زخم پھر ہرا ہو گیا اور اسی کے سبب ۷۴ھ ۸۶ سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں وفات پائی ۔

ایک بکری دو بکریوں کے عوض نقد بیچنا جائز ہے (۲) سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کا مسلک یہ ہے ۔ حیوان کی بیع حیوان کے عوض ادھار مطلقاً ممنوع ہے مگر نقد جائز ہے اور یہ بھی جائز ہے ایک عدد بکری دو عدد بکریوں کے عوض نقد فروخت کی جائے ۔ مگر ادھار جائز نہیں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے ۔

لَا بَاسَ بِالْحَیَوَانِ بِالْحَیَوَانِ وَاحِدٌ بِالثِّنَیْنِ یَدًا بِیَدٍ کَرِهَهُ نَسِیْئَةً ۔ (ابن ماجہ)

حیوان کی بیع حیوان کے عوض ایک عدد کی دو عدد کے عوض دست بدست بیع میں حرج نہیں ادھار مکروہ ہے ۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ فِی السَّبْیِ صَفِیَّةُ فَصَارَتْ اِلٰی دِحْیَةِ الْکَلْبِیِّ ثُمَّ صَارَتْ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قیدیوں میں صفیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں ۔ پہلے تو وہ دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو ملیں اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں ۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام بخاری مسلم ۔ ابن ماجہ ۔ نسائی نے بیع میں ذکر کیا ہے ۔ اور ابو داؤد نے خراج میں اس حدیث کے دوسرے طرق میں یہ الفاظ ہیں ۔ اشتری صَفِیَّةَ مِنْ دِحْیَةَ ۔ کہ نبی کریم علیہ السلام نے حضرت صفیہ کو دحیہ کلبی سے خریدا ۔ یہ ہی الفاظ باب کے مناسب ہیں ۔ ——— واضح ہوا کہ ایک عدد غلام کو دو عدد غلام کے عوض بیچنا جائز ہے ۔ البتہ ادھار بیچنا حرام اور سود ہے ۔ کیونکہ جب جنس یا قدر میں اختلاف ہو تو اس صورت میں کمی بیشی کے ساتھ بیع جائز ہے اور ادھار ناجائز ہے ۔

بَابُ بَیْعِ الرَّقِیْقِ

باب غلام کی بیع و شراء کے متعلق

اَنَّ اَبَا سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیَّ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ بَیْنَمَا هُوَ جَالِسٌ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نُصِیْبُ سَبْیًا فَنُحِبُّ الْاَثْمَانَ فَکَیْفَ تَرٰی فِی الْعَزْلِ فَقَالَ اَوَ اِنَّکُمْ تَفْعَلُوْنَ ذٰلِكَ لَا عَلَیْکُمْ اَنْ لَّا تَفْعَلُوْا ذٰلِکُمْ فَاِنَّهَا لَیْسَتْ نَسَمَةٌ کَتَبَ اللّٰهُ اَنْ تَخْرُجَ اِلَّا هِیَ خَارِجَةٌ ۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ایک انصاری صحابی نے آکر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! ہم لونڈیوں سے صحبت کرتے ہیں ہمارا ارادہ انھیں بیچنے کا بھی ہوتا ہے تو آپ عزل کر لینے کے متعلق کیا فرماتے ہیں ؟ اس پر آپ نے پوچھا اچھا تم لوگ ایسا کرتے ہو ؟ اگر تم نہ کرو پھر بھی کوئی حرج نہیں ۔ اسلئے

کہ جس روح کی بھی پیدائش اللہ تعالیٰ نے مقدر میں لکھ دی ہے وہ پیدا ہو کر رہے گی۔

فوائد و مسائل (۱) اس حدیث کو امام نے نکاح۔ قدر۔ مغازی اور توحید میں مسلم و ابوداؤد نے نکاح میں نسائی نے عتق اور عشرۃ النساء اور نعوت میں ذکر کیا ہے۔

(۲) اِنَّا نُصِیْبُ سَبْیًا کے معنی یہ ہیں کہ ہم لونڈیوں سے صحبت کرتے ہیں۔ اَوَ اِنَّكُمْ تَفْعَلُوْنَ ذَالِكَ۔ یہ جملے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے از راہِ تعجب ارشاد فرمائے تھے۔ لَا عَلَیْكُمْ اَنْ لَّا تَفْعَلُوْا۔ کے معنی یہ ہیں۔ لَیْسَ عَدَمُ الْفِعْلِ وَاجِبَ عَلَیْكُمْ مبرد کہتے ہیں لا زائدہ ہے عبارت یہ ہوگی لَا بَاسَ عَلَیْكُمْ فِیْ فِعْلِهٖ یعنی عزل کرنے میں حرج نہیں۔ نَسَمَۃٌ کا لفظ ہر جاندار کیلئے بولا جاتا ہے۔ نَسَمَۃٌ کے معنی نفس اور انسان کے بھی ہیں۔ نَسَمٌ کے معنی روح کے ہیں۔ نَسِیْمٌ اچھی ہوا یا خوشبودار ہوا کو کہتے ہیں۔ (۳) جس لونڈی سے صحبت کی جائے اور اس سے اولاد پیدا ہو جائے تو وہ لونڈی ام ولد قرار پاتی ہے یعنی مالک کی اولاد کی ماں۔ اور ام ولد کی بیع و شراء منع ہے۔ اس بناء پر صحابہ کرام نے بحضورِ نبوی سوال کیا کہ ہم لونڈیوں سے جماع کرتے ہیں اور ہماری نیت یہ بھی ہوتی ہے کہ اس لونڈی کو فروخت کر دیں گے۔ اگر وہ ام ولد بن جائے تو اسکی بیع و شراء ممنوع قرار پاتی ہے ایسی صورت میں ہم برتھ کنٹرول کرتے ہیں تاکہ اُنکی اولاد نہ ہو۔ تو یہ جائز ہے؟ حضور نبی کریم علیہ السلام نے جواباً فرمایا:۔ ———

برتھ کنٹرول جائز ہے جسکی پیدائش اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دی ہے وہ تو پیدا ہو کر رہیگا ——— اس حدیث سے واضح ہوا کہ غرض صحیح کی بناء پر اپنی لونڈی یا بیوی سے برتھ کنٹرول کرنا جائز ہے البتہ عقیدہ یہ رکھنا چاہیئے کہ جس کی پیدائش اللہ تعالیٰ نے مقدر فرما دی ہے وہ بہر حال پیدا ہوگا۔ چنانچہ صحابہ کرام فرماتے ہیں:۔

كنا نعزل وَالقران ينزل فَبَلَغَ ذالك النبي صلى الله عليه وسلم لَمْ يَنْهَنَا۔ (عینی)

ہم اپنی بیویوں سے عزل کرتے تھے اور قرآن کا نزول بھی جاری تھا حضور علیہ السلام نے ہمارے اس فعل کی اطلاع پا کر ہمیں منع نہیں کیا۔

——— بعض اوقات بیوی کمزور ہوتی ہے یا کثرت اولاد نقصان دہ ہوتی ہے یا اور کوئی غرض صحیح ہو تو اپنی بیوی سے برتھ کنٹرول جائز ہے مگر عقیدہ درست رکھے۔

بَابُ بَيْعِ الْمُدَبَّرِ ——— باب مدبر کی بیع کے متعلق

عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ بَاعَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُدَبَّرَ (بخاری)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے مدبر کو فروخت کیا۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو ابوداؤد نے عتق میں نسائی نے عتق اور بیوع اور قضاء میں ابن ماجہ نے احکام میں ذکر کیا ہے (۲) مدبر وہ غلام ہے جسے اسکا مولیٰ یہ کہہ دے کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد

ہے۔ مدبر مقید وہ ہے جسے مولیٰ یہ کہے اگر میں اس مرض سے شفایاب ہوگیا تو تو آزاد ہے سیدنا امام شافعی اس حدیث سے یہ استدلال فرماتے ہیں کہ مدبر خواہ مقید ہو یا مقیدہ اس کی بیع جائز ہے امام احمد اسحاق ابو ثور کا بھی یہی مسلک ہے اور حضرت عائشہ۔ مجاہد حسن اور طاؤس کا بھی یہی قول ہے اور حضرت ابن عمر، زید بن ثابت محمد بن سیرین۔ ابن المسیب۔ زھری شعبی نخعی ابن ابی لیلیٰ لیث بن سعد۔ امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ مدبر مطلق کی بیع جائز نہیں۔ کیونکہ نبی علیہ السلام۔ نے فرمایا ہے۔ المدبر لا یباع ولا یوھب وھو حر من الثلث۔ (دارقطنی) اس سلسلہ کی مکمل بحث کیلئے عینی جلد ۱۱ صـ ۲۶۲ باب بیع المزایدہ کا مطالعہ مفید ہوگا۔

اَنَّ زَیْدَ بْنَ خَالِدٍ وَّ اَبَاھُرَیْرَۃَ اَخْبَرَاہُ اَنَّھُمَا سَمِعَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُسْئَلُ عَنِ الْاَمَۃِ تَزْنِیْ وَلَمْ تُحْصَنْ قَالَ اجْلِدُوْھَا ثُمَّ اِنْ زَنَتْ فَاجْلِدُوْھَا ثُمَّ بِیْعُوْھَا بَعْدَ الثَّالِثَۃِ اَوِ الرَّابِعَۃِ۔

حضرت زید بن خالد اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ سے غیر شادی شدہ باندی کے متعلق جو زنا کا ارتکاب کرے، سوال کیا گیا تھا آپ نے فرمایا تھا کہ پھر اُسے کوڑے لگاؤ، پھر اگر وہ زنا کرے تو اسے کوڑے لگاؤ اور پھر اُسے بیچ دو۔ تیسری یا چوتھی مرتبہ کے بعد آپ نے یہ فرمایا تھا۔

فوائد ومسائل اس حدیث کو امام نے محاربین۔ عتق اور بیوع میں بھی ذکر کیا ہے امام مسلم۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حدود میں اور نسائی نے رجم میں ذکر کیا ہے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِذَا زَنَتْ اَمَۃُ اَحَدِکُمْ فَتَبَیَّنَ زِنَاھَا فَلْیَجْلِدْھَا الْحَدَّ وَلَا یُثَرِّبْ عَلَیْھَا ثُمَّ اِنْ زَنَتْ فَلْیَجْلِدْھَا الْحَدَّ وَلَا یُثَرِّبْ ثُمَّ اِنْ زَنَتِ الثَّالِثَۃَ فَتَبَیَّنَ زِنَاھَا فَلْیَبِعْھَا وَلَوْ بِحَبْلٍ مِّنْ شَعْرٍ۔

(بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے خود سنا ہے کہ جب کسی کی باندی زنا کا ارتکاب کرے اور اسکے دلائل مہیا ہو جائیں تو اس پر حد زنا جاری کردیں البتہ اُسے لعنت ملامت نہ کی جائے تیسری مرتبہ بھی اگر زنا کرلے اور زنا کا ثبوت مہیا ہو جائے تو اسے بیچ دے۔ اگرچہ ایک بالوں کی رسی کے عوض ہی۔

فوائد ومسائل یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔ (۱) زانیہ لونڈی کی بیع جائز ہے۔ بلکہ اہل الظاہر واجب قرار دیتے ہیں۔ (۲) لونڈی میں زنا عیب ہے۔ (۳) حضرت ابن مسعود۔ ابوبرزہ۔ فاطمہ ابن عمر۔ زید بن ثابت ابراہیم نخعی اشیاخ انصار۔ عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ، علقمہ۔ اسود۔ ابوجعفر محمد بن علی ابو میسرہ کا مسلک یہ ہے کہ غلام یا لونڈی زنا کرے اور زنا ثابت ہو جائے تو غیر محصن کو کوڑے اور محصن کو رجم کیا جائیگا۔ امام مالک شافعی اور امام احمد بن حنبل کا یہ مسلک ہے حد جاری کرنا حاکم کا کام ہے۔ البتہ آقا تعزیر کرسکتا ہے اور حدیث میں جو کوڑے لگانے کا حکم ہے وہ بطور

تعزیر ہے۔ اس حدیث کے ماتحت متعدد اہم امور پر علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے علماء چاہیں تو عینی جلد ۱۲ ص ۲۶۷ تا ص ۲۷۰ کا مطالعہ کریں۔ علامہ عینی نے اس ضمن میں محصن اور غیر محصن پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے۔

بَابٌ. هَلْ يُسَافِرُ بِالْجَارِيَةِ قَبْلَ أَنْ يَسْتَبْرِئَهَا وَلَمْ يَرَ الْحَسَنُ بَأْسًا أَنْ يُقَبِّلَهَا أَوْ يُبَاشِرَهَا وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا وُهِبَتِ الْوَلِيدَةُ الَّتِي تُوطَأُ أَوْ بِيعَتْ أَوْ عُتِقَتْ فَلْيُسْتَبْرَأْ رَحِمُهَا بِحَيْضَةٍ وَلَا تُسْتَبْرَأُ الْعَذْرَاءُ وَقَالَ عَطَاءٌ لَا بَأْسَ أَنْ يُصِيبَ مِنْ جَارِيَتِهِ الْحَامِلِ مَا دُونَ الْفَرْجِ وَقَالَ اللهُ تَعَالَى إِلَّا عَلَى أَزْوَاجِهِمْ

باب۔ کیا کسی باندی کے ساتھ استبراء رحم سے پہلے سفر کیا جا سکتا ہے؟ حسن رضی اللہ عنہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ ایسی باندی کا بوسہ لے یا اُسے اپنے جسم سے لگائے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب ایسی باندی جس سے وطی کی جا چکی ہے ہبہ کی جائے یا بیچی جائے یا آزاد کی جائے تو ایک حیض سے اُسکا استبراء رحم ہونا چاہیئے۔ البتہ کنواری کے استبراء رحم کی ضرورت نہیں۔ عطا نے فرمایا کہ اپنی حاملہ باندی سے شرمگاہ کے سوا استمتاع کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "لیکن اپنی بیویوں سے یا باندیوں سے"۔

عَنْ أَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْبَرَ فَلَمَّا فَتَحَ اللهُ عَلَيْهِ الْحِصْنَ ذُكِرَ لَهُ جَمَالُ صَفِيَّةَ بِنْتِ حُيَيِّ ابْنِ أَخْطَبَ وَقَدْ قُتِلَ زَوْجُهَا وَكَانَتْ عَرُوسًا فَاصْطَفَاهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهِ فَخَرَجَ بِهَا حَتَّى بَلَغْنَا سَدَّ الرَّوْحَاءِ حَلَّتْ فَبَنَى بِهَا ثُمَّ صَنَعَ حَيْسًا فِي نِطَعٍ صَغِيرٍ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آذِنْ مَنْ حَوْلَكَ فَكَانَتْ تِلْكَ وَلِيمَةَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى صَفِيَّةَ ثُمَّ خَرَجْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ قَالَ فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَوِّي لَهَا وَرَاءَهُ بِعَبَاءَةٍ ثُمَّ يَجْلِسُ عِنْدَ بَعِيرِهِ فَيَضَعُ رُكْبَتَهُ فَتَضَعُ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خیبر تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے قلعہ فتح ہو گیا تو آپ کے سامنے صفیہ بن حیی ابن اخطب کے حسن و جمال کی تعریف کی گئی۔ ان کا شوہر قتل ہو گیا تھا۔ وہ خود ابھی دُلہن تھیں اس لیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنے لیئے منتخب کر لیا پھر روانگی ہوئی جب سد الروحاء پہنچے تو پڑاؤ ہُوا اور آپ نے وہیں ان کے ساتھ خلوت کی۔ پھر ایک چھوٹے دستر خوان پر حلیس تیار کر کے رکھوایا اور صحابہ سے فرمایا کہ اپنے قریب کے لوگوں کو خبر کر دو۔ صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کا یہی ولیمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ پھر جب ہم مدینہ کی طرف چلے تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عباء سے صفیہ رضی اللہ عنہا کے لیئے پردہ کرایا اور اپنے اونٹ کے پاس بیٹھ کر اپنا گھٹنہ بچھایا۔ صفیہ رضی اللہ عنہا اپنا

صَفِیَّةُ رِجْلَهَا عَلٰی رُکْبَتِہٖ حَتّٰی تَرْکَبَ ۔ (بخاری)

اپنا پاؤں آپ کے ٹخنے پر رکھ کر سوار ہوگئیں ۔ (بخاری)

فوائد ومسائل (۱) اس حدیث کو امام نے مغازی ۔ جہاد ۔ اطعمہ اور دعوات میں بھی ذکر کیا ہے ۔ اور ابوداؤد نے خراج میں ذکر کیا عروس دولہا دلہن کیلئے بولا جاتا ہے ۔ عُرس خوشی کے دن کو کہتے ہیں ۔ نطع رنگے ہوئے چمڑے کا ٹکڑا ۔ سد الصہبا مدینہ طیبہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے علامہ کرمانی کہتے ہیں سد الصہبا کی جگہ صہبا زیادہ صحیح ہے جو خیبر کے قریب ایک مقام ہے حیسا کھجور گھی ستو وغیرہ کو ملا کر ایک قسم کے حلوے کو کہتے ہیں ۔ یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے ۔

(۲) استبراء رحم سے قبل جماع ممنوع ہے ۔ (۳) فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ کنیز کو ایک حیض کا آجانا استبراء رحم کے لئے کافی ہے ۔ استبراء رحم سے قبل کنیز سے مباشرۃ وغیرہ کے متعلق حسن بصری اور عکرمہ ابوثور اوزاعی احمد اسحاق ثوری جواز کا قول پیش کرتے ہیں ۔ دلیل ان کی یہ حدیث ہے لا توطا حامل حتی تضع ولا حائض حتی تطھر ۔ جس سے واضح ہوا کہ جماع کے سوا کنیز سے استبراء رحم سے قبل مباشرۃ جائز نہ ہوتی تو حضور صفیہ کے ساتھ سفر نہ فرماتے وایضا انہ صلی اللہ علیہ وسلم لایمسّ بیدہٖ امرأۃ لا تحل ——— زہری نخعی ابن سیرین ۔ امام مالک ۔ لیث ۔ امام اعظم ابوحنیفہ وشافعی مباشرۃ وغیرہ کو مکروہ قرار دیتے ہیں ۔ (۵) ولیمہ مسنون ہے منکوحہ اور کنیز کے ساتھ سفر کرنا جائز ہے مستورات کے ساتھ مروت ومحبت سے پیش آنا شریعت کو مطلوب ومحمود ہے ۔

حضرت صفیہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا یہودیہ تھیں اور خیبر کے سردار کی بیٹی تھیں ۔ خیبر فتح ہوا تو آپ بھی قیدیوں میں تھیں ۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض صحابہ نے کہا کہ صفیہ سردار کی بیٹی ہیں اور صرف آپ ہی کے مناسب ہیں ۔ چنانچہ آپ نے انھیں آزاد کر کے اپنا نکاح ان سے کر لیا ۔ صحیح روایتوں میں ہے کہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ چاند میری گود میں ہے ۔ یہ خواب جب اپنے شوہر سے بیان کیا تو اس نے آپ کو ڈانٹا اور کہا کہ اس صحابی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کرنا چاہتی ہو ۔ اپنے بچپن کا ایک واقعہ خود بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو آپ کے والد اور چچا آنحضور کو دیکھنے آئے ، یہودیوں میں نبی آخر الزماں کی بعثت کی عام شہرت تھی ۔ جب دیکھ کر گھر واپس ہوئے تو آپ کے والد نے اپنے بھائی سے کہا ، کیا یہ وہی یعنی آخر الزمان نبی) بھائی نے کہا کہ ہاں ۔ آپ کے والد نے اس پر پوچھا کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے تو بھائی نے جواب دیا ہم ایمان ہرگز نہیں لائیں گے بلکہ سخت مخالفت کریں گے ۔ والد نے کہا کہ میرا بھی یہی ارادہ ہے ۔ صفیہ اسوقت کچھ زیادہ بڑی نہیں تھیں لیکن سب باتیں سن اور سمجھ رہی تھیں ۔

بَابُ بَیْعِ الْمَیْتَةِ - باب مردار اور بتوں کی بیع کے متعلق

اَصْنَامِ صَنَمٌ کی جمع ہے صنم ہر اس تصویر کو کہتے ہیں جو جسم رکھتی ہو خواہ لکڑی ۔ پتھر ۔ پیتل ۔ تانبے سے بنائی

جائے یا کسی اور مرکب سے اور وثن اس تصویر کو کہتے ہیں جو جسم نہ رکھتی ہو۔ صلیب کے لیئے بھی وثن کا لفظ بولا جاتا ہے۔ مَیْتَۃ وہ جانور ہے جسے شرعی طریقہ سے ذبح نہ کیا گیا ہو۔ یا وہ اپنی طبعی موت مرگیا ہو۔ میتہ کے حرام اور نجس ہونے پر اجماع ہے۔ البتہ مچھلی اور ٹڈی اس سے مستثنیٰ ہے۔ زیر عنوان حدیث سے واضح ہوا کہ بتوں کی خرید و فروخت حرام ہے ایک تو اس وجہ سے کہ مجسمہ سازی بجائے خود شرعًا ممنوع ہے۔ دوسرے بتوں کی تجارت سے مشرکین کی حوصلہ افزائی ہوگی تیسرے گناہ کے کاموں میں تعاون ہوگا

البتہ اگر بت چاندی سونے پیتل تانبے یا کسی کارآمد چیز کے بنے ہوئے ہوں۔ تو انکو توڑ پھوڑ کر یا کلا کر بیچا جائے تو جائز ہے۔ اسی طرح اگر عمدہ قسم کے پتھر کا بت بنا ہوا ہے یا سنگ مرمر ہے تو اسکی شکل ناک نقشہ مٹا کر عمارت وغیرہ کی تعمیر میں استعمال کرنا جائز ہے۔

عَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدِ اللهِ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ عَامَ الْفَتْحِ وَهُوَ بِمَكَّةَ اِنَّ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيْرِ وَالْاَصْنَامِ فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَرَاَيْتَ شُحُوْمَ الْمَيْتَةِ فَاِنَّهٗ تُطْلٰى بِهَا السُّفُنُ وَيُدْهَنُ بِهَا الْجُلُوْدُ وَيَسْتَصْبِحُ بِهَا النَّاسُ فَقَالَ لَا هُوَ حَرَامٌ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ ذٰلِكَ قَاتَلَ اللهُ الْيَهُوْدَ اِنَّ اللهَ لَمَّا حَرَّمَ شُحُوْمَهَا جَمَلُوْهُ ثُمَّ بَاعُوْهُ فَاَكَلُوْا ثَمَنَهٗ ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال فرمایا۔ آپ کا قیام ابھی مکہ ہی میں تھا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے شراب۔ مردار، سور اور بتوں کا بیچنا حرام قرار دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پر پوچھا گیا کہ یارسول اللہ مردار کی چربی کے متعلق کیا حکم ہے! اسے کشتیوں پر ہم ملتے ہیں کھالوں پر اس سے تیل کا کام لیتے ہیں اور لوگ اس سے اپنے چراغ بھی جلاتے ہیں! آپ نے فرمایا کہ نہیں وہ حرام ہے۔ اسی موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ یہودیوں کو برباد کرے اللہ تعالیٰ نے جب چربی ان پر حرام کی تو ان لوگوں نے پگھلا کر اسے بیچا اور اس کی قیمت کھائی ۔

فوائد و مسائل (۱) حدیث مذکور کو امام بخاری نے مغازی اور تفسیر میں مسلم۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ترمذی نے بیوع میں اور ابن ماجہ نے تجارات میں ذکر کیا ہے۔ عام الفتح سے فتح مکہ مراد ہے۔ وھو بمکۃ جملہ حالیہ ہے۔ اِنَّ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ حَرَّمَ۔ اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا۔ مشہور روایت کے یہی الفاظ جس میں صیغہ واحد استعمال ہوا ہے۔

اعضاء انسانی مردار کی چربی اور مردار کی کھال کی خرید و فروخت ممنوع ہے ارایت شحوم المیتۃ۔ مقصد سوال یہ تھا کہ مردار کی چربی کی تجارت اور استعمال ممنوع ہو جانے کی صورت میں کچھ کام رک جائیں گے۔ لہٰذا اس کی اجازت دی جائے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا لَا هُوَ حَرَامٌ۔ نہیں مردار کی چربی بہر حال حرام ہے۔ اس میں

نبی علیہ السلام نے مسلمانوں کو تنبیہ کی ہے کہ اگر تم نے بھی مردار کی چربی استعمال کی تو میری بددعا کے مستحق ٹھہروگے لہذا اس سے سختی سے پرہیز کرو۔

(۳) یہود کچی چربی کو شحم اور پگھلی ہوئی چربی کو ودک کہتے تھے قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے۔ وَمِنَ الْبَقَرِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهَا۔ یہود پر مردار کی چربی یا گائے کی چربی حرام کی گئی۔ تو انھوں نے اسکے جواز کا یہ حیلہ تراشا کہ چربی کو پگھلا کر فروخت کرتے اور اس کی قیمت کھاتے اور کہتے ہم نے شحم کو استعمال نہیں کیا بلکہ چربی پگھلا کر فروخت کی اور اسکی قیمت کھائی ہے۔ ——— معلوم ہوا جس چیز کو کتاب وسنت نے واضح طور پر حرام ونجس قرار دیا ہے اسے ناجائز حیلوں بہانوں سے جائز قرار دینا غضب الٰہی کو دعوت دینا ہے اسکی مثال ہمارے زمانہ میں ان منکرین سنت کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے لحم خنزیر کو حرام قرار دیا ہے لحم گوشت کو کہتے ہیں لہٰذا خنزیر کے باقی اجزاء کا استعمال جائز ہے (معاذ اللہ) اسیطرح کے حیلے بہانے یہود بھی کیا کرتے تھے۔ الغرض مُردار کی چربی نجس العین ہے۔ اسکی خرید وفروخت حرام اور کسی طرح اور کسی جگہ اسکا استعمال جائز نہیں ہے۔

(۴) اس حدیث سے واضح ہوا کہ خمر (شراب) خنزیر۔ (اور اسکے تمام اجزاء ہڈی۔ کھال۔ کھر۔ ناخن۔ بال۔ چربی۔ گوشت وغیرہ نجس العین ہے اور اسکی خرید وفروخت بھی ممنوع ہے یہ چیزیں دھونے سے بھی پاک نہیں ہوتیں۔ ان کی خرید وفروخت حرام ہے۔ اسی طرح مردار اور اسکی چربی بھی نجس العین ہے اسکی خرید وفروخت بھی ممنوع ہے۔ البتہ مُردار کی کھال دباغت کے بعد پاک ہو جاتی ہے تو دباغت (رنگنے) کے بعد مردار کی کھال کی خرید وفروخت درست ہے۔ اور مُردار کے بال۔ اُون۔ پٹھا۔ ہڈی۔ پر۔ چونچ۔ کھر۔ ناخن کی خرید وفروخت جائز ہے اور اُن سے بنی ہوئی اشیاء کا استعمال بھی جائز ہے۔ حدیث بالا سے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام کی کنگھی ہاتھی کے دانت کی تھی۔ (۵) مُردار کے نجس ہونے پر اجماع ہے۔ مُردار کی چربی بھی نجس العین ہے۔ اسکو جلانے، صابن بنانے یا مشینوں میں استعمال کرنا بھی ممنوع ہے۔ اسی طرح انسان کی لاش اور اسکے اجزاء بال وغیرہ سے بھی نفع اٹھانا اور اسکی خرید وفروخت حرام ہے۔ لاش خواہ مسلم کی ہو یا کافر کی۔ نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ مخذومی غزوۂ خندق میں مارا گیا تو مشرکوں نے اُسکی لاش دس ہزار درہم میں خریدنی چاہی۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا لَا حَاجَةَ لَنَا بِجَسَدِهٖ وَلَا بِثَمَنِهٖ ہمیں اسکی لاش اور اسکی قیمت کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ نوفل کی لاش بلا قیمت مشرکین کو دیدی گئی عینی جلد ۱۲ ص ۵۵۔ (۶) اسی طرح انسان کے اعضاء خون آنکھیں وغیرہ کا استعمال اور انکی بیع وشراء (بلا ضرورت شرعیہ) حرام وناجائز ہے۔

بَابُ ثَمَنِ الْكَلْبِ ۔ باب کُتّے کی بیع کے متعلق

عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِنِ الْاَنْصَارِیِّ اَنَّ | حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے

رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنْ ثَمَنِ الْکَلْبِ وَمَھْرِ الْبَغِیِّ وَحُلْوَانِ الْکَاھِنِ۔ (بخاری)

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتے کی قیمت زانیہ کی اُجرت اور کاہن کی اجرت سے منع فرمایا۔

(بخاری)

۲۔ قَالَ اَخْبَرَنِیْ عَوْنُ ابْنُ اَبِیْ جُحَیْفَۃَ قَالَ رَاَیْتُ اَبِیْ اشْتَرٰی اَبِیْ حَجَّامًا فَسَاَلْتُہٗ عَنْ ذَالِکَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنْ ثَمَنِ الدَّمِ وَ ثَمَنِ الْکَلْبِ وَکَسْبِ الْاَمَۃِ وَلَعَنَ الْوَاشِمَۃَ وَالْمُسْتَوْشِمَۃَ وَاٰکِلَ الرِّبَا وَمُوْکِلَہٗ وَلَعَنَ الْمُصَوِّرَ۔ (بخاری)

(بخاری)

حضرت شعبہ نے بیان کیا کہ مجھے عون بن ابی جحیفہ نے خبر دی۔ کہا کہ میں نے اپنے والد سے دیکھا کہ ایک پچھنا لگانے والے کو خرید رہے ہیں۔ اس پر میں نے اسکے متعلق ان سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خون کی قیمت۔ کتے کی قیمت باندی کی کمائی سے منع کیا تھا۔ اور گودنے والیوں اور گدواتے والیوں۔ سود لینے والوں اور دینے والوں پر لعنت کی تھی اور تصویر بنانے والے پر بھی لعنت کی تھی۔

فوائد ومسائل حدیث نمبر ۱ کو امام بخاری اجارہ اور طلاق اور طب میں بھی ذکر کیا ہے۔ اور امام مسلم و ابو داؤد نے بیوع میں۔ ترمذی نے بیوع اور نکاح میں۔ اور نسائی نے نکاح اور صید میں اور ابن ماجہ نے تجارات میں ذکر کیا ہے اور حدیث نمبر ۲ کو امام بخاری نے باب مؤکل الربا میں ذکر کیا ہے۔ (۲)

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ ان صحابہ میں سے ہیں جو وفات نبوی کے وقت نابالغ تھے۔ مگر حضور اکرم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور روایت کیا ہے آپ کوفہ میں مقیم رہے وہیں مکان بنایا۔ جناب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے افسر مال رہے۔ ۷۴ھ کوفہ میں وفات پائی۔

کتے اور بلی کی بیع کے احکام حدیث مسلم میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے کتے۔ زانیہ کی کمائی۔ اور فصد کی اجرت کو خبیث قرار دیا ——— رنڈی زنا کے عوض جو کچھ حاصل کرے وہ بالاتفاق حرام ہے۔ فصد لینے کی اجرت بالاتفاق ناپسندیدہ ہے اور کتے کی قیمت کو خبیث قرار دینا بمعنی کراہت تنزیہی ہے یا حدیث کا یہ حکم اسوقت کیلئے تھا۔ جبکہ کتا پالنا مطلقاً ممنوع تھا۔ پھر جب شکار اور حفاظت کیلئے کتے کے رکھنے کی اجازت دی گئی تو یہ ممانعت بھی منسوخ ہوگئی۔

خبیث۔ طیب کے مقابل ہے۔ طیب کے معنی حلال اور نفیس وعمدہ کے ہیں اور خبیث کے معنی حرام خسیس اور ناپسندیدہ کے ہیں جن احادیث میں کسی چیز کو خبیث فرمایا گیا ہے وہاں اس سے حرام یا مکروہ تحریمی ہی مراد لینا ضروری نہیں ہے دلائل شرعیہ کی روشنی میں معنی متعین کئے جائیں گے۔ اسکی واضح مثال یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے

فصد کی اُجرت کو خبیث فرمایا ہے حالانکہ خود آپ نے حجام کو اُجرت عطا فرمائی ہے جس سے واضح ہوا یہاں خبیث بمعنیٰ ناپسندیدہ ہے یعنی لفظ خبیث بطریق عموم مشترک دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ حرام اور ناپسندیدہ۔ شرح السنۃ کی حدیث میں وَکَسْبِ الزَّمَّارَۃِ کے لفظ آتے ہیں یعنی حضور نے گانے بجانے کی کمائی سے منع فرمایا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

(۲) ثمن الدم کے معنیٰ پچھنے لگانے کی اجرت۔ کسب البغی اور مھر بغی۔ سے زانیہ کی اجرت زنا مراد ہے۔ حلوان الکاھن سے کاہن کے فال کھولنے۔ غیبی باتیں بتانے۔ یا ہاتھ دیکھ کر تقدیر بتانے کی اُجرت مراد ہے۔ یہ دونوں بالاتفاق حرام ہیں۔ داشمہ گودنے اور گدوانے والی پر حضور نے لعنت فرمائی۔ اس لئے یہ فعل ممنوع ہے۔ اسیطرح جاندار کی تصویر بنانا بھی ناجائز ہے۔ سیدنا امام شافعی کتے کی خرید و فروخت کو ممنوع قرار دیتے ہیں۔ احناف کے ہاں بھی دیوانہ کتے کی خرید و فروخت ناجائز ہے۔ جیسے گندے انڈے کی کہ یہ مال نہیں ہے امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک وہ کتا جس سے شکار کیا جائے یا رکھوالی کا کام لیا جائے اسکی بیع و شراء جائز ہے اور اس کی قیمت حلال ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ نے۔

نَهٰى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَالسِّنَّوْرِ (مسلم) | کتے اور بلّی کی قیمت سے منع فرمایا۔

یہ حدیث امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے مؤقف کی تائید کرتی ہے اس حدیث میں کتے اور بلّی کی قیمت لینے سے منع فرمایا گیا ہے۔ حالانکہ بلّی کی خرید و فروخت تمام آئمہ کے نزدیک جائز ہے اور حدیث ہذا میں ممانعت دونوں کیلئے وارد ہوئی ہے معلوم ہوا کہ کتے کی بیع بھی بلّی کیطرح جائز ہے۔ البتہ غیر مناسب ہے یعنی ممانعت سے ممانعت تنزیہی مراد ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ - كِتَابُ السَّلَمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا ہے — کتاب بیع سلم کے بیان میں

اس باب کی احادیث پر تبصرہ سے قبل بیعِ سلم کے بنیادی اور ضروری مسائل ذکر کیئے جاتے ہیں تاکہ زیر عنوان احادیث کا مطلب و معنیٰ بخوبی واضح ہو جائے۔

سلم کے معنی سپُرد کرنے کے ہیں۔ اور اصطلاح فقہاء میں ثمن نقد ہو اور مبیع وقت معلوم اور شرائط معلوم کے ساتھ مؤجل ہو۔ کی بیع کو بیعِ سلم کہتے ہیں۔ گویا بیع سلم میں ثمن کا فوراً دینا ضروری ہوتا ہے اور جس چیز کو خریدا گیا ہے مبیع وہ بعد میں وقتِ مقررہ پر خریدار کے حوالے کی جاتی ہے ——— مثلاً یکم جنوری ۱۹۸۲ء کو زید بکر سے گندم میں بیعِ سلم کرتا ہے۔ دس روپے من گندم کی قیمت اور ادائیگی کا وقت یکم مئی ۱۹۸۲ء طے ہوتا ہے یہ بیع سلم ہے۔ اس صورت میں۔ ثمن یعنی قیمت) کو راس المال گندم (جو کہ مبیع ہے) کو **مسلم فیہ** ثمن یعنی قیمت دینے والے کو جو کہ خریدار ہے) رب السلم اور دوسرے کو (یعنی بائع جو کہ بیچنے والا ہے) مسلم الیہ

کہتے ہیں۔ لہٰذا بیع سلم میں جس چیز کو خریدا جاتا ہے وہ بائع کے ذمہ دین قرار پاتی ہے۔ اور مشتری ثمن کو فی الحال ادا کرتا ہے مطلق بیع کے جو ارکان ہیں۔ وہی اسکے بھی ہیں۔

بیع سلم کی شرائط

احادیث نبوی کی روشنی میں بیع سلم کی صحت کے لئے چند شرطیں ہیں جنکا لحاظ ضروری ہے۔

اول۔ عقد میں شرط خیار نہ ہو۔ نہ دونوں کے لیے نہ ایک کیلئے۔

دوم۔ راس المال (ثمن) کی جنس و قدر بیان کر دی جائے۔ روپیہ۔ اشرفی۔ درہم و دینار۔ ڈالر۔ پونڈ یعنی کرنسی کی جنس و نوع مبہم نہ ہو۔

سوم، راس المال کی مقدار کا بیان مثلاً ایک روپیہ سیر۔ ایک ڈالر یا ایک پونڈ فی من وغیرہ وغیرہ۔

چہارم۔ جس مجلس میں عقد ہو رہا ہے اسی مجلس میں خواہ ابتداء مجلس میں یا آخر مجلس میں راس المال پر مسلم الیہ یعنی بائع کا قبضہ ہو جانا ضروری ہے۔

پنجم۔ جو چیز خریدی جا رہی ہے یعنی مسلم فیہ کی جنس اور نوع اور وصف کا بیان۔ جنس یعنی گندم۔ جو۔ کپڑا۔ دھاگہ وغیرہ یہ جنس کا بیان ہوا۔

نوع:۔ کس قسم کی وہ چیز ہے؟ مثلاً کس قسم کی گندم ہے؟ کپڑا کیسا اور کہاں کا بنا ہوا ہے۔

وصف: یعنی مسلم فیہ اعلیٰ۔ ادنیٰ۔ اوسط

ششم۔ مسلم فیہ کی مقدار کا بیان۔ یعنی ناپ۔ تول۔ گز سے اسکی مقدار کا بیان۔

ہفتم۔ مسلم فیہ کی ادائیگی کی میعاد مقرر ہو اور وہ میعاد معلوم ہو۔ مثلاً یکم جنوری کو سودا ہو رہا ہے تو مسلم فیہ کی ادائیگی کیلئے مئی کا مہینہ اسکی تاریخ کا تعین ضروری ہے ——— اگر مسلم فیہ فوراً دے دینا قرار پایا تو یہ جائز نہیں کم از کم ایک ماہ میعاد مقرر کی جائے۔

ہشتم۔ مسلم فیہ کا وقت عقد سے لے کر ختم میعاد تک مسلسل بازار میں دستیاب رہنا شرط ہے۔ یعنی نہ بوقت عقد معدوم ہو نہ وقت ادا۔ نہ درمیان میں ان تینوں زمانوں میں سے ایک میں بھی بازار میں دستیاب نہ رہی تو سلم جائز نہیں ہو گی۔ تینوں وقتوں میں دستیاب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بازار میں دستیاب ہو اگر بازار میں دستیاب نہ ہو اور گھروں میں پائی جائے۔ تو اسے موجود ہونا نہ کہینگے۔

نہم:۔ مسلم فیہ اگر ایسی چیز ہو جسکی مزدوری اور بار برداری دینی پڑے تو وہ جگہ معین کر دی جائے جہاں مسلم فیہ ادا کرنا ٹھہرے اور اگر اس قسم کی چیز ہو جیسے مشک زعفران وغیرہ تو جگہ مقرر کرنا ضروری نہیں۔ پھر اس صورت میں جہاں عقد ہوا ہے وہیں ایفاء کرے اور اگر دوسری جگہ ایفا کر دیا جب بھی حرج نہیں۔ چھوٹے شہر میں کسی محلہ میں ادا کر دینا کافی ہے محلہ کی تخصیص کی ضرورت نہیں۔ اور بڑے شہر میں یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ کس محلہ میں یا شہر کے کس حصہ میں ادا کرنا ہو گا۔

دہم۔ بیع سلم ہر اس چیز میں ہو سکتی ہے جسکی صفت کا انضباط ہو سکے۔ اور اسکی مقدار معلوم ہو سکے یعنی اس چیز کی

کیفیت ونوعیت وغیرہ میں ابہام نہ ہو ——— مثلاً کپڑے کی صفت ونوع کا انضباط یوں ہو سکتا ہے کہ یہ متعین کر دیا جائے کہ سوتی ہے یا ٹسری یا اونی یا ریشمی یا مرکب کس کارخانہ کا کس ملک کا۔ اسکی بناوٹ رنگ ڈیزائن کا تعین موٹا باریک اور اگر وزن کا اعتبار ہو تو وزن اسی طرح بچھونے گدے چٹائی۔ دریاں۔ کوٹ۔ کمبل۔ دروازے۔ الماریاں میز کرسی کی صفات کا تعین طول عرض عمق کے ذریعہ پھر انکی بناوٹ اور کس چیز کے بنے ہوں لکڑی کے لوہے کے المونیم کے یہ سب امور کا تعین ہو سکتا ہے۔ گندم۔ چاول جو چنا وغیرہ کا تعین انکی اقسام اعلیٰ۔ ادنیٰ۔ متوسط سے۔ دودھ۔ دہی تیل مکھن گھی وغیرہ میں وزن۔ ماپ اور وصف کے بیان سے اسی طرح فروٹ تازہ وخشک کی صفت ونوع کے بیان سے ہو سکتا ہے

———غرضیکہ سمجھانے کیلئے یہ چند مثالیں ہیں۔ ان پر غور کر کے یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ کس چیز میں بیع سلم جائز ہے اور کس میں نہیں۔ البتہ ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جسکی صفت اور مقدار کا تعین ہو سکے اور جھگڑا کھڑا نہ ہو۔ بیع سلم جائز ہے تفصیل کیلئے کتب فقہ کا۔ اور اردو میں بہار شریعت کا مطالعہ مفید ہوگا۔

بیع سلم کا حکم | یہ ہے کہ مسلم الیہ ثمن کا مالک ہو جائیگا۔ اور رب السلم مسلم فیہ کا۔ جبکہ وہ چیز اسکو وقت مقررہ پر ادا کر دی گئی ——— البتہ ابتدا میں جس چیز کو خریدا گیا ہے وہ بائع کے ذمہ دین قرار پائی ہے ——— جب عقد صحیح ہو گیا اور مسلم الیہ نے وقت معینہ پر مسلم فیہ کو حاضر کر دیا تو اب رب السلم کو لینا ضروری ولازمی ہے اور اگر وہ چیز شرائط کے خلاف ہے تو مسلم الیہ کو مجبور کیا جائیگا۔ جن اوصاف کے ساتھ بیع مسلم ہوئی ہے وہی حاضر کرے ———

بَابُ السَّلَمِ فِي كَيْلٍ مَّعْلُومٍ — باب سلم متعین پیمانہ کے ساتھ

بَابُ السَّلَمِ فِي وَزْنٍ مَّعْلُومٍ — باب وزن ٹھہرا کر سلم کرنا

(۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وَالنَّاسُ يُسْلِفُوْنَ فِي الثَّمَرِ الْعَامَ وَالْعَامَيْنِ اَوْ قَالَ عَامَيْنِ اَوْ ثَلٰثَةً شَكَّ اِسْمٰعِيْلُ فَقَالَ مَنْ سَلَّفَ فِي تَمْرٍ فَلْيُسْلِفْ فِي كَيْلٍ مَّعْلُوْمٍ وَّوَزْنٍ مَّعْلُوْمٍ عَنْ اَبِي

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو لوگ پھلوں میں ایک سال اور دو سال کیلئے بیع سلم کرتے تھے یا کہا کہ دو سال اور تین سال (اسمٰعیل کو شک ہوا) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بھی کھجوروں میں بیع سلم کرے اُسے متعین پیمانے اور متعین وزن میں

نَجِيحٍ بِهٰذَا فِي كَيْلٍ مَّعْلُوْمٍ وَّوَزْنٍ مَّعْلُوْمٍ

(۲) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وَهُمْ يُسْلِفُوْنَ بِالتَّمْرِ السَّنَتَيْنِ وَالثَّلٰثَ فَقَالَ مَنْ اَسْلَفَ فِيْ شَيْءٍ فَفِيْ كَيْلٍ مَّعْلُوْمٍ وَّوَزْنٍ مَّعْلُوْمٍ اِلٰى اَجَلٍ مَّعْلُوْمٍ وَّقَالَ فَلْيُسْلِفْ فِيْ كَيْلٍ مَّعْلُوْمٍ اِلٰى اَجَلٍ مَّعْلُوْمٍ ۔

(۳) ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ فِيْ كَيْلٍ مَّعْلُوْمٍ وَّوَزْنٍ مَّعْلُوْمٍ اِلٰى اَجَلٍ مَّعْلُوْمٍ ۔

کرنی چاہیئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو لوگ کھجور میں دو اور تین سال تک کیلئے بیع سلم کرتے تھے۔ آپ نے انھیں یہ ہدایت فرمائی کہ جسے کسی چیز کی بیع سلم کرنی ہو اُسے متعین پیمانے متعین وزن اور متعین مدت کیلئے کرنی چاہیئے۔ ابن ابی نجیح کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا متعین پیمانے میں اور متعین مدت تک کیلئے کرنی چاہیئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور آپ نے فرمایا کہ متعین پیمانے متعین وزن اور متعین مدت تک کیلئے۔

فوائد و مسائل حدیث نمبر (۱) کو امام نے سلم میں۔ امام مسلم ابوداؤد۔ ترمذی نے بیوع میں اور نسائی نے بیوع اور شروط میں اور ابن ماجہ نے تجارات میں ذکر کیا ہے۔ ان احادیث میں بیع سلم کے شرائط کا ذکر ہے۔ ان احادیث سے بنیادی طور پر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مسلم فیہ کے متعلق صاف وصریح طور پر وضاحت ہو جانی چاہیئے۔ تاکہ کسی قسم کا جھگڑا فساد کھڑا نہ ہو۔ اور کوئی ابہام نہ رہے۔

(۲) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ لوگ ابتدا ہی سے بیع سلم کا معاملہ کیا کرتے تھے۔ حضور علیہ السلام نے اسے باقی و جائز رکھا اور اسکی شرائط کی وضاحت فرمائی۔

(۴) وَعَبْدِ اللّٰهِ ابْنُ اَبِي الْمُجَالِدِ قَالَ اخْتَلَفَ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ شَدَّادِ ابْنِ الْهَادِ وَاَبُوْ بُرْدَةَ فِي السَّلَفِ فَبَعَثُوْنِيْ اِلَى ابْنِ اَبِيْ اَوْفٰى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَسَاَلْتُهٗ فَقَالَ اِنَّا كُنَّا نُسْلِفُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِيْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ فِي الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ وَالزَّبِيْبِ وَالتَّمْرِ وَسَاَلْتُ ابْنَ اَبْزٰى فَقَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ ۔

(بخاری)

حضرت عبداللہ بن ابی المجالد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عبداللہ بن شداد بن الہاد اور ابو بردہ میں باہم بیع سلم کے متعلق اختلاف ہوا تو ان حضرات نے مجھے ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا۔ چنانچہ میں نے ان سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہم کے دور میں گیہوں جو۔ منقیٰ اور کھجور کی بیع سلم کرتے تھے۔ پھر میں نے ابن ابی ابزیٰ رضی اللہ عنہما سے پوچھا تو انھوں نے یہی جواب دیا۔

(بخاری)

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام ابوداؤد نے بیوع میں اور ابن ماجہ نے تجارات میں ذکر کیا ہے۔ اس حدیث میں اس امر کا بیان ہے کہ صحابہ کرام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ اور حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں بھی بیع سلم کرتے تھے۔ لہٰذا اس کے مشروع ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ (۲) اس حدیث میں ان اشیاء کا ذکر ہے جو شرعاً کیلی ہیں یعنی گیہوں۔ جو منقی۔ کھجور لیکن فی زمانہ یہ اشیاء وزن سے فروخت ہوتی ہیں تو ان اشیاء میں وزن مقرر کر کے بیع سلم کی جاسکتی ہے۔

عَنْ اَبِی الْبَخْتَرِیِّ سَاَلْتُ ابْنَ عُمَرَ عَنِ السَّلَمِ فِی النَّخْلِ فَقَالَ نَهَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَیْعِ الثَّمَرِ حَتّٰی یَصْلُحَ وَنَهٰی عَنِ الْوَرِقِ بِالذَّهَبِ نَسَآءً بِنَاجِزٍ وَسَاَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ فَقَالَ نَهَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَیْعِ النَّخْلِ حَتّٰی یُؤْکَلَ اَوْ یُؤْکَلَ وَحَتّٰی یُوْزَنَ قَالَ رَجُلٌ عِنْدَهٗ حَتّٰی یُحْزَرَ۔

حضرت ابو البختری سے مروی ہے کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کھجور کی درخت پر بیع سلم کے متعلق پوچھا تو انھوں نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھل کو اس وقت تک بیچنے کو منع فرمایا تھا جب تک وہ قابل انتفاع نہ ہو جائے۔ اسی طرح چاندی کو سونے کے بدلے بیچنے سے جب کہ ایک ادھار اور دوسرا نقد ہو منع فرمایا۔ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کو درخت پر بیچنے سے جب تک وہ کھانے کے قابل نہ ہو جائے منع کیا تھا میں نے پوچھا کہ وزن کیئے جانے کے قابل ہونیکا مطلب تو ایک صاحب نے جو ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ جب تک وہ اس قابل نہ ہو جائیں کہ اندازہ کیا جا سکے۔

(۱) تمر (کھجور) کا ذکر اسلیئے نہیں ہے کہ کھجور کے علاوہ اشیاء میں بیع سلم درست نہیں بلکہ بیع سلم ہر اس چیز میں ہو سکتی ہے جسکی صفت اور مقدار کی معرفت کا انضباط ہو سکے۔

(۲) کیل معلوم و وزن معلوم یعنی بیع سلم کی صحت کیلئے یہ لازمی شرط ہے کہ اسکی مقدار متعین ہو۔ یعنی ناپ یا تول یا عدد یا گزوں سے مسلم فیہ (مبیع) کی مقدار کا بیان کر دینا ضروری ہے۔ ناپ میں پیمانہ۔ یا گز اور تول میں وہ باٹ جو رائج ہوں اور جن کی مقدار عام طور پر لوگ جانتے ہوں۔

(۳) اجل معلوم یعنی مسلم فیہ (مبیع) کی ادائیگی کی مدت کا تعین بھی ضروری ہے۔ کم از کم ایک ماہ کی میعاد مقرر کی جائے اجل معلوم کے الفاظ سے یہ بھی واضح ہوا کہ بیع سلم میں مسلم فیہ (مبیع) کا موجل ہونا ضروری ہے تو اگر فی الحال مبیع کو دے دیا تو بیع سلم ختم ہو جائیگی۔

بَابُ السَّلَمِ اِلٰی مَنْ لَّيْسَ عِنْدَهٗ اَصْلٌ

باب ایسے شخص سے سلم کرنا جسکے پاس اصل ہی نہیں ہے

(۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ اَبِی الْمُجَالِدِ قَالَ بَعَثَنِیْ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ شَدَّادٍ وَاَبُوْ بُرْدَةَ اِلٰی عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ اَبِیْ اَوْفٰی فَقَالَا سَلْهُ هَلْ كَانَ اَصْحٰبُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ عَهْدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْلِفُوْنَ فِی الْحِنْطَةِ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ كُنَّا نُسْلِفُ نَبِيْطَ اَهْلِ الشَّامِ فِی الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ وَالزَّيْتِ فِیْ كَيْلٍ مَّعْلُوْمٍ اِلٰی اَجَلٍ مَّعْلُوْمٍ قُلْتُ اِلٰی مَنْ كَانَ اَصْلُهٗ عِنْدَهٗ قَالَ مَا كُنَّا نَسْاَلُهُمْ عَنْ ذٰلِكَ ثُمَّ بَعَثَانِیْ اِلٰی عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ اَبْزٰی فَسَاَلْتُهٗ فَقَالَ كَانَ اَصْحٰبُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْلِفُوْنَ عَلٰی عَهْدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ نَسْاَلْهُمْ اَلَهُمْ حَرْثٌ اَمْ لَا۔

حضرت محمد بن ابی مجالد سے مروی ہے کہ مجھے عبداللہ بن ابی اوفیٰ کے یہاں بھیجا اور ہدایت کی کہ ان سے پوچھو کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب آنحضور کے عہد میں گیہوں کی بیع سلم کرتے تھے عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ ہم شام کے انباط کے ساتھ گیہوں۔ جوار، زیتون کی متعین پیمانے اور متعین مدت کے لئے بیع کیا کرتے ہیں میں نے پوچھا کیا صرف اسی شخص سے آپ لوگ یہ بیع کیا کرتے تھے جس کے پاس اصل مال موجود ہوتا تھا؟ انھوں نے فرمایا۔ کہ ہم اس کے متعلق پوچھتے ہی نہ تھے۔ اس کے بعد ان دونوں حضرات نے مجھے عبدالرحمٰن بن ابزیٰ کی خدمت میں بھیجا میں نے ان سے بھی پوچھا انھوں نے بھی یہی جواب دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب آپ کے عہد مبارک میں بیع سلم کیا کرتے تھے۔ اور ہم یہ بھی نہیں پوچھتے تھے کہ ان کی کھیتی بھی ہے یا نہیں۔

(بخاری)

فوائد و مسائل عنوان میں اصل کا لفظ ہے گندم وغیرہ کیلئے کھیتی کو اصل اور پھلوں کیلئے درخت کو اصل کہتے ہیں۔ بعض شارحین یہ کہتے ہیں کہ عنوان میں یہ لفظ مسلم فیہ کے لئے استعمال ہوا ہے۔

——— نبیط اهل الشام نَبِيط سے مراد شام کے کاشتکار ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبیط سے مراد وہ عربی ہیں جو عجم منتقل ہو گئے اور کچھ روم چلے گئے جسکی وجہ سے وہیں ان کے بیاہ شادیاں ہوئیں اور عربی کی جگہ رومی وغیرہ بولنے لگے۔ جو عجم ہو گئے تھے۔ عراق کے علاقہ میں مقیم ہوئے اور جو روم گئے تھے شام کے علاقہ میں آباد ہو گئے۔

(۲) مقصود حدیث یہ بتانا ہے کہ جن لوگوں سے بیع سلم کا معاملہ کیا جاتا ہے انکے متعلق ہم یہ معلوم نہیں کرتے تھے۔ کہ ان کے اپنے ذاتی باغ یا کھیت ہیں یا نہیں ——— امام اعظم ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ مسلم فیہ کا

وقت عقد سے وقتِ ادا تک بازار میں موجود ہونا شرط ہے اگر وقتِ عقد یا ادائیگی کے وقت یا درمیان میں کسی وقت بھی مسلم فیہ بازار میں معدوم ہوگئی تو بیع باطل ہو جائے گی۔

قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ السَّلَمِ فِي النَّخْلِ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتَّى يُؤْكَلَ مِنْهُ وَحَتَّى يُوْزَنَ فَقَالَ الرَّجُلُ وَأَيُّ شَيْءٍ يُوْزَنُ قَالَ رَجُلٌ إِلَى جَانِبِهِ حَتَّى يُحْزَرَ۔

میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کھجور کے درخت پر پھل بیچنے سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تک کے لئے منع فرمایا تھا۔ جب تک وہ کھانے کے قابل نہ ہو جائے یا اس کا وزن نہ کیا جاسکے۔ ایک شخص نے پوچھا کہ کیا چیز وزن کی جائے گی۔ اس پر ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قریب بیٹھے ہوئے ایک شخص نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ اندازہ کرنے کے قابل ہو جائے۔

فوائد ومسائل اس حدیث سے فقہاء کوفہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ ثوری اور اوزاعی علیہم الرحمہ نے یہ استدلال فرمایا کہ بیع سلم اسی صورت میں درست اور جائز قرار پائے گی جبکہ مسلم فیہ وقتِ عقد سے لے کر وقتِ ادا۔ اور اس کے درمیانی عرصہ میں بازار میں برابر دستیاب ہوتی رہے اگر مسلم فیہ وقتِ عقد یا وقتِ اداء کے یا اسکے درمیانی حصہ میں بازار سے معدوم ہوگئی۔ تو بیع سلم بھی باطل ہو جائیگی۔

بَابُ السَّلَمِ فِي النَّخْلِ

باب کھجور کے درخت کی بیع سلم کے متعلق

عَنْ أَبِي الْبَخْتَرِيِّ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ عَنِ السَّلَمِ فِي النَّخْلِ فَقَالَ نَهَى عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتَّى يَصْلُحَ وَعَنْ بَيْعِ الْوَرِقِ نَسَاءً بِنَاجِزٍ وَسَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ عَنِ السَّلَمِ فِي النَّخْلِ فَقَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتَّى يُؤْكَلُ مِنْهُ أَوْ يَأْكُلَ مِنْهُ وَحَتَّى يُوْزَنَ۔

ابوالبختری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کھجوریں جب کہ وہ درخت پر ہی لگی ہوئی ہو بیع سلم کے متعلق پوچھا تو انھوں نے فرمایا جب تک وہ کسی قابل نہ ہو جائے اس کی بیع سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح چاندی کو ادھار۔ نقد کے بدلے بیچنے سے بھی منع کیا۔ پھر میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کھجور کی درخت پر بیع سلم کے متعلق پوچھا تو آپ نے بھی یہی فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تک کھجور کی بیع سے منع فرمایا تھا جب تک وہ کھائی نہ جاسکے یا جب تک وہ اس قابل نہ ہو جائے کہ اسے کوئی کھا سکے اور جب تک وزن کرنے کے قابل نہ ہو جائے۔

فوائد ومسائل اس مضمون کی احادیث سے امام مالک علیہ الرحمہ نے یہ استدلال فرمایا کہ معین باغ معین درخت کے پھلوں کی بیع سلم پھلوں کے قابلِ انتفاع ہونے کے بعد جائز ہے ـــــ لیکن احناف کا موقف یہ ہے معین باغ اور معین درخت کے باوجود یہ بیع درست نہیں کیونکہ درخت پر لگے ہوئے پھلوں کا نہ وزن معلوم ہے اور نہ کیل معلوم ہے اور بیع سلم کے جواز کیلئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں وزن معلوم اور کیل معلوم کی شرط عائد فرمائی ہے تو وزن معلوم اور کیل معلوم کی شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے یہ بیع جائز نہیں ـــــ
علامہ ابن منذر فرماتے ہیں کہ اکثر اہلِ علم نے معین باغ کی پھلوں میں بیع سلم کو ناجائز قرار دیا ہے۔ نیز ابن حبان حاکم وبیہقی نے حضرت عبداللہ بن سلام کی حدیث روایت کی ہے کہ انھوں نے بحضور نبوی عرض کیا فلاں باغ کی معین کھجور مقرر وقت کے لئے بیع کردیں تو آپ نے فرمایا۔

لا ابيعك من حائط مسمى بل ابيعك اوسقا مسماة الى اجل مسمى -

متعین باغ سے نہیں بلکہ کیل معلوم اور مدتِ معیّنہ کے لئے بیع سلم کرتا ہوں -

بَابُ الرَّهْنِ فِي السَّلَمِ ـــــ باب بیع سلم میں رہن کے متعلق

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْتَرٰى مِنْ يَهُوْدِيٍّ طَعَامًا اِلٰى اَجَلٍ مَّعْلُوْمٍ وَّارْتَهَنَ مِنْهُ دِرْعًا مِّنْ حَدِيْدٍ -

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے ایک متعین مدت تک کیلئے غلہ خریدا اور اس کے پاس اپنی لوہے کی زرہ رہن رکھدی -

فوائد ومسائل اس حدیث سے واضح ہوا کہ مسلم فیہ کے مقابل میں رب السلم اگر کوئی چیز اپنے پاس رہن رکھ لے تو یہ جائز ہے ـــــ جیسا کہ نبی کریم علیہ السلام نے اس یہودی سے وقت معین کیلئے گندم خریدی اور اس کے پاس اپنی زرہ بطور رہن رکھدی ۔

بَابُ الْكَفِيْلِ فِي السَّلَمِ ـــــ باب بیع سلم میں ضمانت دینا

اس عنوان کے ماتحت امام نے وہی حدیث ذکر کی ہے جو اوپر گذر چکی ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک

طَعَامًا مِّنْ يَّهُوْدِيٍّ بِنَسِيْئَةٍ وَّرَهَنَهٗ دِرْعًا لَّهٗ مِنْ حَدِيْدٍ -

یہودی سے ادھار غلہ خریدا اور اپنی لوہے کی زرہ اس کے پاس رہن رکھدی -

فوائد و مسائل علامہ کرمانیؒ نے فرمایا عنوان سے مناسب حدیث میں اگرچہ کوئی لفظ نہیں ہے تاہم عنوان سے اس حدیث کی مناسبت یوں ہے کہ عنوان میں کفالت سے مراد ضمانت ہے اور مرہون بھی قرض کا ضامن ہوتا ہے۔ لہٰذا جس چیز میں رہن درست ہے۔ اس میں کفالت بھی درست ہے اور جس میں کفالت صحیح ہے اس میں رہن بھی صحیح ہے ــــ احناف کا بھی یہی مسلک ہے کہ مسلم فیہ کی وصولی کیلئے رب السلم اس سے کفیل (ضامن) لے سکتا ہے۔

بَابُ السَّلَمِ اِلٰی اَجَلٍ مَّعْلُوْمٍ

ــــ باب بیع سلم متعین مدت تک کے لئے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَةَ وَهُمْ یُسْلِفُوْنَ فِی الثِّمَارِ السَّنَتَیْنِ وَالثَّلٰثَ فَقَالَ اَسْلِفُوْا فِی الثِّمَارِ فِیْ کَیْلٍ مَّعْلُوْمٍ اِلٰی اَجَلٍ مَّعْلُوْمٍ وَقَالَ عَبْدُ اللهِ ابْنُ الْوَلِیْدِ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ نَجِیْحٍ وَقَالَ فِیْ کَیْلٍ مَّعْلُوْمٍ وَوَزْنٍ مَّعْلُوْمٍ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو لوگ پھلوں میں دو اور تین سال تک کے لئے بیع سلم کیا کرتے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اس کی ہدایت کی کہ پھلوں میں بیع سلم متعین پیمانے اور متعین مدت کے لئے ہونی چاہیئے۔ ابن نجیح کی روایت میں ہے کہ پیمانے اور وزن کی تعیین کے ساتھ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

فوائد و مسائل واضح ہو کہ بیع سلم ایسی بیع ہے جس میں قیمت پہلے دے دی جاتی ہے اور وہ سامان جو فروخت کیا گیا بعد میں حوالہ کیا جاتا ہے۔ یعنی اصل کی غیر موجودگی میں خرید و فروخت ہو جاتی ہے اسی لئے اسکے لئے ضروری ہے کہ مقدار، جنس۔ اصل مال اور جس جگہ و مقام پر وہ مال خریدار کے حوالہ کیا جائیگا سب کی تعیین پوری طرح کر دی جائے تاکہ اصل اس طرح متعین ہو جائے کہ گویا وہ سامنے ہے اور اس کی طرف اشارہ کر کے تعیین کر دی گئی ہے۔ اسی لئے تمام اموال میں یہ بیع نہیں چلتی، صرف انھیں چیزوں میں چلتی ہے جو ناپی اور تولی جا سکیں یا انھیں شمار کیا جا سکے اور باہم ان معدودات میں کوئی خاص فرق نہ ہوتا ہو۔ اصل مقصد یہ ہے کہ چونکہ اصل مال موجود نہیں ہے اس لئے انھیں صورتوں میں یہ بیع کی جائے جنھیں بعد میں اصل مال خریدار کو دیتے وقت کوئی نزاع نہ پیدا ہو سکے۔

عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ اَبِیْ مُجَالِدٍ قَالَ اَرْسَلَنِیْ اَبُوْ بُرْدَةَ وَعَبْدُ اللهِ ابْنُ شَدَّادٍ اِلٰی عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ اَبْزٰی وَعَبْدِ اللهِ ابْنِ اَبِیْ اَوْفٰی فَسَاَلْتُهُمَا عَنِ السَّلَفِ فَقَالَا کُنَّا نُصِیْبُ الْمَغَانِمَ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَکَانَ یَاْتِیْنَا اَنْبَاطٌ مِّنْ اَنْبَاطِ الشَّامِ نُسْلِفُهُمْ فِی الْحِنْطَةِ وَالشَّعِیْرِ وَالزَّبِیْبِ

حضرت محمد بن مجالد نے کہا کہ مجھے ابو بردہ اور عبد اللہ بن شداد نے عبد الرحمٰن بن ابی ابزی اور عبد اللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہما کی خدمت میں بھیجا میں نے ان دونوں حضرات سے بیع سلم کے متعلق پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں غنیمت کا مال پاتے پھر شام کے انباط ہمارے یہاں آتے تو ہم ان سے گیہوں، جو اور منقی کی بیع سلم ایک مدت متعین کر کے کیا کرتے

اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی قَالَ اَقُلْتُ اَکَانَ لَهُمْ زَرْعٌ اَوْلَمْ یَکُنْ لَّهُمْ زَرْعٌ قَالَ لَا مَاکُنَّا نَسْئَلُهُمْ عَنْ ذٰلِكَ۔

تھے۔ انھوں نے بیان کیا کہ پھر میں نے پوچھا کہ ان کے پاس اس وقت یہ چیزیں موجود بھی ہوتی تھیں یا نہیں؛ اس پر انہوں نے فرمایا کہ ہم اس کے متعلق ان سے کچھ پوچھتے ہی نہیں تھے۔

فوائد ومسائل واضح ہو کہ بیع سلم میں یہ شرط نہیں ہے کہ جس مال کی بیع کیجاتی ہے وہ بیچنے والے کے پاس فی الحال موجود بھی ہو یا اس کی ملک میں ہو بلکہ اتنا کافی ہے کہ بیچنے والا اسے وقت مقررہ پہ دینے کی قدرت رکھتا ہو خواہ بازار سے خرید کر دے ـــــــ اسی لیئے فقہاء احناف نے یہ شرط لگائی ہے کہ بیع سلم اس چیز میں درست ہوگی جبکہ وہ چیز وقت عقد سے لے کر وقت ادا تک بازار میں مسلسل دستیاب رہے تاکہ مسلم الیہ (بائع) کے پاس وہ چیز نہ بھی ہو تو وہ وقت معینہ پہ بازار سے خرید کر (مسلم لہٗ) مشتری کو دے سکے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَّ اَبُوْ سَعِیْدٍ وَّ الْاَسْوَدُ وَالْحَسَنُ وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ لَا بَأْسَ فِی الطَّعَامِ الْمَوْصُوْفِ بِسِعْرٍ مَّعْلُوْمٍ اِلٰی اَجَلٍ مَّعْلُوْمٍ مَّا لَمْ یَكُ ذٰلِكَ فِیْ زَرْعٍ لَمْ یَبْدُ صَلَاحُهٗ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابو سعید رضی اللہ عنہ اور اسود و حسن رحمہما نے یہی کہا ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایسے غلہ میں جس کے اوصاف بیان کر دیئے گئے ہوں۔ اگر اسکی قیمت متعین ہو اور متعین مدت تک کے لیئے اور ناپختہ کھیتی کی شکل میں نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

فوائد ومسائل ان تمام احادیث میں بیع سلم کی شرائط کا بیان ہے مثلاً یہ کہ راس المال کی جنس اور قدر کا بیان مسلم فیہ کے حاضر کرنے کی میعاد اور اسکی صفت اور مقدار کا بیان جیسا کہ احادیث زیر عنوان کے الفاظ فِیْ کَیْلٍ مَّعْلُوْمٍ۔ فِیْ وَزْنٍ مَّعْلُوْمٍ۔ اِلٰی اَجَلٍ مَّعْلُوْمٍ اور فِی الطَّعَامِ الْمَوْصُوْفِ بِسِعْرٍ مَّعْلُوْمٍ کے الفاظ سے واضح ہو جاتا ہے۔ بیع سلم سے متعلق جسقدر احادیث امام بخاری نے ذکر کی ہیں ان سب کا خلاصہ مفہوم ابتداء ہی میں بیان کیا جا چکا ہے اسے بغور پڑھ لیا جائے تو احادیث زیر عنوان کا مطلب و معنی نکھر کر سامنے آجاتا ہے مسلم فیہ کی صفت اور مقدار کے تعین و بیان کی شرط سے یہ بھی واضح ہوا کہ بیع سلم حیوانات میں جائز نہیں خواہ وہ چوپائے ہوں یا پرند چرند کیونکہ حیوانات کی صفت و قدر کا انضباط نہیں ہو سکتا۔

بَابُ السَّلَمِ اِلٰی اَنْ تُنْتَجَ النَّاقَةُ ـــــ باب اونٹنی کے بچہ جننے تک کیلئے بیع سلم کے متعلق

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ کَانُوْا یَتَبَایَعُوْنَ الْجَزُوْرَ اِلٰی حَبَلِ الْحَبَلَةِ فَنَهَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْهُ فَسَّرَهٗ نَافِعٌ اَنْ تُنْتَجَ النَّاقَةُ مَا فِیْ بَطْنِهَا ؕ

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ لوگ اونٹ وغیرہ حمل کے ہونے کی مدت تک کے لئے بیچتے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا، نافع نے "حبل الحبلۃ" کی تفسیر یہ کی "یہاں تک کہ اونٹنی کے پیٹ میں جو کچھ ہے وہ اسے جن لے۔"

فوائد ومسائل اس حدیث سے واضح ہوا کہ بیع سلم غیر معین تاریخ جس میں ابہام ہو درست نہیں۔ اونٹنی کے کتنے عرصہ میں بچہ ہوگا اسکی صحیح تاریخ اور وقت کا یقینی تعین نہیں ہوسکتا صرف اندازہ ہی کیا جا سکتا ہے۔ بہرحال میعاد کا واضح اور غیر مبہم ہونا صحت بیع سلم کیلئے لازمی شرط ہے۔

شفعہ کا بیان

شفعہ۔ شفع سے اس کے معنی جوڑنے ملانے کے ہیں۔ اسی لیے جفت عدد کو شفع کہتے ہیں اور طاق کو وتر۔ قرآن مجید میں وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ کے الفاظ آئے ہیں ۲۔ غیر منقول جائداد کو جس شخص نے جتنے میں خریدا اتنے ہی میں اس جائداد کے مالک ہونے کا حق جو دوسرے شخص کو حاصل ہوجاتا ہے اس کو شفعہ کہتے ہیں اور جس شخص کو یہ حق حاصل ہے اس کو شفیع کہتے ہیں ۳۔ مشتری نے جن داموں میں یہ جائداد خریدی ہے شفیع کو اتنے ہی میں ملے گی ۴۔ ہبہ، صدقہ، میراث، وصیت کی رو سے جائداد حاصل ہوئی تو اس پر شفعہ نہیں ہوسکتا ۵۔ شفعہ اس جائداد میں ہوگا جس کا انتقال عقد معاوضہ (یعنی بیع یا معنیٔ بیع) کے ذریعہ ہو ۶۔ شفعہ صرف جائدادِ منقولہ میں ہوسکتا ہے۔ جیسے مکان، زمین، حمام، کنواں، دکان، چھوٹی کوٹھڑی اگرچہ یہ چیزیں قابل تقسیم نہ ہوں ۷۔ مرد وعورت بالغ ہوں یا نابالغ۔ سب کو حق شفعہ حاصل ہے۔ نابالغ یا مجنون کی طرف سے اس کا ولی پیروی کرے گا ۸۔ منقولات میں شفعہ نہیں ہے۔

طلب شفعہ کی تین قسمیں ہیں

مواثبت، تقریر، تملیک

۱۔ طلب مواثبت یہ ہے کہ جیسے ہی اس کو اس جائداد کے فروخت ہونے کا علم ہو فوراً اسی وقت یہ ظاہر کر دے کہ میں طالب شفعہ ہوں۔ اگر علم ہونے کے بعد اس نے طلب نہ کی تو شفعہ کا حق جاتا رہا۔ بہتر ہے کہ مواثبت پر گواہ بنالے تاکہ منازعت کی نوبت نہ آئے۔ طلب مواثبہ کے بعد طلب اشہاد جس کو تقریر بھی کہتے ہیں کا مرتبہ ہے اس کی صورت

۲۔ طلب تقریر۔ یہ ہے کہ شفیع بائع یا مشتری یا اس جائداد مبیعہ کے پاس جاکر گواہوں کے سامنے یہ کہے کہ فلاں شخص نے یہ جائداد خریدی ہے اور میں اس کا شفیع ہوں اور اس سے قبل طلب شفعہ کر چکا ہوں اور اب پھر طلب کرتا ہوں۔ تم لوگ اس کے گواہ رہو اور یہ اس وقت ہے کہ مبیعہ کے پاس طلب اشہاد کرے اور اگر مشتری کے پاس کرے تو یہ کہے کہ تو نے فلاں جائداد خریدی ہے اور میں اس کا شفیع ہوں اور بائع کے پاس یوں کہے کہ تم نے فلاں جائداد فروخت کی ہے اور میں فلاں سبب کی بنا پر اس کا شفیع ہوں۔ واضح ہو کہ طلب مواثبہ میں ادنیٰ تاخیر شفعہ کو باطل کر دیتی ہے۔ اسی طرح جو شخص باوجود قدرت کے طلب اشہاد نہ کرے تو شفعہ باطل ہوجائیگا۔ یعنی اگر بغیر طلب اشہاد قاضی کے ہاں دعویٰ کر دیا تو شفیع کا حق ساقط ہوجائیگا۔

طلب تملیک

مذکورہ بالا دو طلبوں (مواثبہ وتقریر) کے بعد طلب تملیک کا مرحلہ آتا ہے یعنی قاضی کی عدالت میں مقدمہ دائر کرنا کہ میں اس جائداد میں شفیع ہوں۔ یہ جائداد مجھے دلوائی جائے تو اگر شفیع کی تمام شرائط پائی جائیں گی تو قاضی شفیع کے حق میں یہ فیصلہ کرے گا کہ مشتری نے جس دام میں جائداد خریدی ہے۔ اسی دام [illegible] شفیع کو دیدی جائے طلب تملیک میں بلاعذر تاخیر کر دینے سے شفعہ کا حق باطل ہوجاتا ہے؛ حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے اس کی مدت ایک ماہ مقرر کی ہے۔ بعض

کتبِ فقہ میں اس کی تصریح ملتی ہے (رد محتار)

شفعہ کے تین سبب ہیں شریک۔ جس کی مبیعہ میں شرکت ہو مثلاً ایک مکان یا زمین دو افراد کی مشترکہ ملکیت ہے۔ ایک شریک نے بیع کی تو دوسرے شریک کو حقِ شفع پہنچتا ہے۔ خلیط۔ وہ ہے جس کی مبیع میں تو شرکت نہیں ہے مگر حقِ مبیع میں شرکت ہے۔ مثلاً دونوں کا ایک ہی راستہ ہے یا دونوں کے کھیت میں ایک ہی نالی سے پانی آتا ہے۔ جارِ ملاصق وہ ہے جس کے مکان کی پچھیت دوسرے کے مکان میں ہو۔ حقِ شفعہ میں سب سے مقدم شریک ہے۔ اس کے بعد خلیط اور اس کے بعد جارِ ملاصق کو شفعہ کا حق ملے گا۔ یعنی جو سبب قوی ہو اس کو مقدم کیا جائے گا ۲۔ شریک یا پڑوسی کو جائداد کے منافع اور مضرتوں سے ایک گونہ تعلق ضرور ہوتا ہے۔ اگر ایسا شخص جائداد خرید لے جو سیرت وکردار اور اخلاق کے لحاظ سے خراب ہو یا لچہ غنڈہ بدمعاش، جرائم پیشہ اور منشیات کا دھندا کرنے والا ہو تو ظاہر ہے کہ ایسا خریدار وبالِ جان بن جائیگا۔ شریعتِ اسلامیہ نے ایسے ہی مصلح کی بنا پر شریک یا پڑوسی کو شفعہ کا حق دیا ہے مگر افسوس فی زمانہ اغراضِ فاسدہ کے لیے حقِ شفعہ کو استعمال کیا جا رہا ہے (الا ماشاء اللہ) لوگ شفعہ اس لیے کرتے ہیں تاکہ بائع یا مشتری کو بلیک میل کریں اور ان سے ناجائز فائدہ اٹھائیں۔ اس نیت سے شفعہ کرنے والے بلاشبہ کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اس لیے حقوقِ مسلمین کے دلائلِ شرعیہ پر غور وفکر کر کے مرجع فتاویٰ علماء کو اغراضِ مذمومہ کے لیے حقِ شفعہ کو استعمال کرنے والوں کے حق کو باطل قرار دینے کے لیے قانون بنانا چاہیے اور میرے خیال میں جن مصالح کی بناء پر شریعت نے شریک وپڑوسی کو شفعہ کا حق دیا ہے انہیں مصالح کے تحفظ کے لیے ایسا قانون بنایا جا سکتا ہے۔ فافہم

بَابُ الشُّفْعَةِ فِيْ مَالَمْ يُقْسَمْ فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ فَلَا شُفْعَةَ

باب، شفعہ کا حق ان چیزوں میں ہوتا ہے جو تقسیم نہ ہوئی ہوں۔ تحدید ہو جائے تو شفعہ کا حق باقی نہیں رہتا۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالشُّفْعَةِ فِيْ كُلِّ مَالَمْ يُقْسَمْ فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ وَصُرِفَتِ الطُّرُقُ فَلَا شُفْعَةَ (بخاری)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس چیز میں شفعہ کا حق دیا تھا جو ابھی تقسیم نہ ہوئی ہو۔ لیکن جب حدود مقرر ہو گئیں اور راستے بدل دیے گئے تو پھر حقِ شفعہ حاصل نہیں ہوتا۔

فوائد ومسائل ا مطلبِ حدیث یہ ہے کہ شفعہ ہر غیر منقسم چیز میں ہے اور جب حدود متعین ہو گئے اور راستے مقرر کر دیے گئے۔ یعنی تقسیم کے بعد ہر ایک کا راستہ جدا جدا ہو گیا تو اب شفعہ نہیں۔ یعنی اس چیز میں شرکت کی

ضروری نوٹ:۔ شفعہ کے اہم جزئیات کے لیے مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ فائدہ مند ثابت ہوگا۔ ہدایہ ج ۳ ص ۳۴، بدائع ج ۵ ص ۸، ہدایہ ج ۳ ص ۳۳ و ۳۴۳۔ بحر الرائق ج ۸ ص ۱۴۱ بدائع ج ۵ ص ۴ رد محتار ج ۵ ص ۱۵۴ رد المحتار ج ۵ ص ۱۵۲، بدائع ص ۲۷، ۲۸ ج ۵، زیلعی علی الہدایہ شرح وقایہ۔ مبسوط، عالمگیری، فتح القدیر کتاب الشفعہ)

بنیاد جو شفعہ کا حق تھا وہ اب نہیں رہا ــــ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ اس حدیث سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ شفعہ کا حق صرف شریک کو ہے۔ جار (پڑوسی) کو نہیں ہے کیونکہ حدیث میں شریک کا ذکر ہے جار کا نہیں۔ حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کا موقف یہ ہے کہ جار کا ذکر اگرچہ اس حدیث میں نہیں ہے مگر ترمذی، ابو داؤد اور ابن ماجہ کی حدیث میں جار کے لیے حق شفعہ کا ذکر ہے۔ ترمذی کی حدیث کے لفظ یہ ہیں۔ جَارُ الدَّارِ اَحَقُّ بِالدَّارِ اور طبرانی و مسند احمد و ابن ابی شیبہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ جار الدار احق بشفعۃ الدار اور نسائی و ابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اَرْضِیْ لَیْسَ فِیْهَا لاحد شرك ولا قسم الا الجوار فقال الجار احق بصقبه

میری زمین میں نہ کوئی شریک ہے نہ حصہ دار صرف جار (پڑوسی) ہے۔ فرمایا جار حقدار ہے بوجہ قرب کے

اس بنا پر حضرت امام اعظم فرماتے ہیں۔ سب سے پہلے شریک کو پھر شریک فی حق المبیع یعنی خلیط کو پھر (جارِ ملاصق) کو حقِ شفعہ حاصل ہوگا۔ چنانچہ بدائع میں ہے کہ رسولِ کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے فرمایا۔ الشریك احق من الخلیط والخلیط احق من غیرہ بدائع ج ۵ ص فافہم

۳۔ یہ اور اسی مضمون کی متعدد حدیثوں سے واضح ہوتا ہے کہ شفع کا حق شریک یا پڑوسی کو حاصل ہے۔ ورثہ اور مضارع شفیع نہیں بن سکتے۔ شفعہ کی حدیثوں میں ورثہ اور مضارع کے لیے حقِ شفعہ کا ذکر نہیں ہے علاوہ ازیں تعامل خلفاء راشدین وصحابہ کرام سے بھی اس کا ثبوت نہیں ملتا۔

بَابُ عَرْضِ الشُّفْعَةِ عَلٰی صَاحِبِهَا قَبْلَ الْبَیْعِ وَقَالَ الْحَكَمُ اِذَا اَذِنَ لَهٗ قَبْلَ الْبَیْعِ فَلَا شُفْعَةَ لَهٗ وَقَالَ الشَّعْبِیُّ مَنْ بِیْعَتْ شُفْعَتُهٗ وَهُوَ شَاهِدٌ لَا یُغَیِّرُهَا فَلَا شُفْعَةَ لَهٗ (بخاری)

باب۔ شفعہ کا حق رکھنے والے کے سامنے بیچنے سے پہلے شفعہ کی پیش کش۔ حکم نے کہا کہ اگر بیچنے سے پہلے شفعہ کا حق رکھنے والے نے بیچنے کی اجازت دیدی تو پھر اس کا حق شفعہ ختم ہوجاتا ہے۔ شعبی نے فرمایا کہ حقِ شفعہ رکھنے والے کے سامنے جب مال بیچا گیا اور اس نے اس بیع پر کوئی اعتراض نہیں کیا تو اس کا حقِ شفعہ باقی نہیں رہتا۔

فوائد ومسائل

۱۔ حکم بن عتیبہ کہتے ہیں اگر حقِ شفعہ رکھنے والے نے بائع کو جائداد فروخت کرنے کی اجازت دیدی تو اسی صورت میں حقِ شفعہ ختم ہو جائے گا۔ حضرت شعبی کہتے ہیں کہ جائداد کی فروخت کے وقت شفیع موجود ہو اور اعتراض نہ کرے تو اسی صورت میں حقِ شفعہ ختم ہوجائے گا ــــ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کا موقف یہ ہے۔ جیسے ہی جائداد کے فروخت ہونے کا علم ہو فوراً بلا تاخیر یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ میں طالب شفعہ ہوں اور اس طلب پر لوگوں کو گواہ بھی بنالے (اور اگر علم ہونے کے بعد اس نے فوراً طلب نہ کی تو شفعہ کا حق جاتا رہیگا الغرض طلب مواثبہ میں ادنیٰ تاخیر بھی شفیع کو باطل کردیتی ہے۔ اگر طلبِ مواثبت یا طلبِ اشہاد نہ کرے یا حقِ شفعہ سے دستبردار ہوجائے مثلاً بائع سے یا مشتری سے یا وکیل مشتری سے۔ جائداد پر مشتری کے قبضے سے قبل یا بعد میں یہ کہے میں حقِ شفعہ سے دستبردار ہوتا ہوں تو ... شفعہ باطل ہوجائیگا۔

ہوئی اگر شفیع نے یہ کہا کہ میں شفع باطل یا ساقط کرتا ہوں یا اگر نابالغ کے لیے حقِ شفع تھا۔ اس کے باپ یا وصی نے کہا۔ میں شفعہ سے دستبردار ہوتا ہوں تو شفع باطل ہو جائے گا۔ مگر امام اعظم علیہ الرحمہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ دستبرداری عقدِ بیع کے بعد ہونی ضروری ہے عقدِ بیع سے قبل اگر دستبردار ہوتا ہے تو ایسی صورت میں حقِ شفعہ باطل نہیں ہوگا (درمختار عالمگیری وغیرہ) امام کا یہ موقف عقلاً و نقلاً اس لیے قوی ہے کہ شفیع کا حق زمین یا مکان کی فروختگی کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ فروختگی سے قبل نہیں فافہم۔

اِذْ جَآءَ اَبُوْ رَافِعٍ مَّوْلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا سَعْدُ ابْتَعْ مِنِّيْ بَيْتَيَّ فِيْ دَارِكَ فَقَالَ سَعْدٌ وَّاللّٰهِ مَا اَبْتَاعُهُمَا فَقَالَ الْمِسْوَرُ وَاللّٰهِ لَتَبْتَاعَنَّهُمَا فَقَالَ سَعْدٌ وَّاللّٰهِ لَا اَزِيْدُكَ عَلٰى اَرْبَعَةِ اٰلَافٍ مُّنَجَّمَةٍ اَوْ مُقَطَّعَةٍ قَالَ اَبُوْ رَافِعٍ لَقَدْ اُعْطِيْتُ بِهَا خَمْسَمِائَةِ دِيْنَارٍ وَّلَوْ لَا اَنِّيْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْجَارُ اَحَقُّ بِسَقَبِهٖ مَا اَعْطَيْتُكَهُمَا بِاَرْبَعَةِ اٰلَافٍ وَّاَنَا اُعْطٰى بِهِمَا خَمْسَمِائَةِ دِيْنَارٍ فَاَعْطَاهُمَا اِيَّاهُ (بخاری)

حضرت عمرو بن شرید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑا تھا کہ مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور اپنا ہاتھ میرے ایک شانے پر رکھا۔ اتنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ابو رافع رضی اللہ عنہ بھی آگئے اور فرمایا کہ اے سعد! تمہارے قبیلہ میں جو میرے دو گھر ہیں انہیں تم خرید لو۔ سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بخدا! میں تو انہیں نہیں خریدوں گا۔ اس پر مسور رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمہیں خریدنا ہوگا۔ سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پھر میں چار ہزار سے زیادہ نہیں دے سکتا اور وہ بھی قسط وار۔ ابو رافع نے فرمایا کہ مجھے پانچسو دینار ان کے مل رہے ہیں۔ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ نہ سنا ہوتا کہ پڑوسی اپنے قرب کی وجہ سے زیادہ حقدار ہے تو میں ان گھروں کو چار ہزار پر نہیں ہرگز نہ دیتا۔ جب کہ مجھے پانچسو دینار اس کے مل رہے ہیں۔ چنانچہ وہ دونوں مکان ابو رافع رضی اللہ عنہ نے سعد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ فروخت کر دیئے۔ (بخاری)

اس حدیث سے واضح ہوا۔ جارِ ملاصق کو بوجہ قرب کے حقِ شفعہ حاصل ہے۔ ترتیب یہ ہے۔ سب سے پہلے شریک کو۔ پھر خلیط کو پھر جارِ ملاصق کو۔ جیسا کہ گزشتہ اوراق میں تفصیل سے بیان ہوا۔

بَابُ اَيُّ الْجِوَارِ اَقْرَبُ

باب شفعہ کا کونسا پڑوسی زیادہ حقدار ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِيْ جَارَيْنِ فَاِلٰى اَيِّهِمَا اُهْدِيْ قَالَ اِلٰى اَقْرَبِهِمَا مِنْكِ بَابًا (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ یا رسول اللہ میرے دو پڑوسی ہیں۔ میں ان دونوں میں سے کس کے پاس ہدیہ بھیجوں؟ آنحضور نے فرمایا کہ جس کا دروازہ تم سے زیادہ قریب ہو۔

فوائد و مسائل اگرچہ اس حدیث میں ہدیہ کا ذکر ہے اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ ہدیہ وغیرہ میں بھی پڑوسی کو ترجیح

دینی چاہیے جس سے اسی امر کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ حقِ شفعہ جارِ ملاصق کو پہنچتا ہے ۔ امام بخاری علیہ الرحمہ نے اس حدیث کو اب یہاں درج کرکے یہی واضح کیا ہے ۔ الحمد للہ بخاری شریف پارہ ہشتم کی تفہیم و ترجمانی ہوگئی ۔ اہلِ علم سے گزارش ہے کہ پارہ ہشتم اور اس سے قبل کے پاروں کی تفہیم و ترجمانی میں کوئی غلطی نظر آئے تو مجھے ضرور مطلع کریں ۔ انشاء اللہ العزیز آئندہ ایڈیشن میں اس کو درست کر دیا جائیگا ۔

اب انشاء اللہ العزیز پارہ نہم کی تفہیم و ترجمانی کی طرف توجہ مبذول کر رہا ہوں ۔ قارئینِ کرام ۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل صحت و سلامتی کے ساتھ تکمیل کی توفیقِ رفیق عطا فرماتا رہے ۔ فالحمد للہ رب العلمین

سید محمود احمد رضوی

دسمبر ۱۹۸۵ء
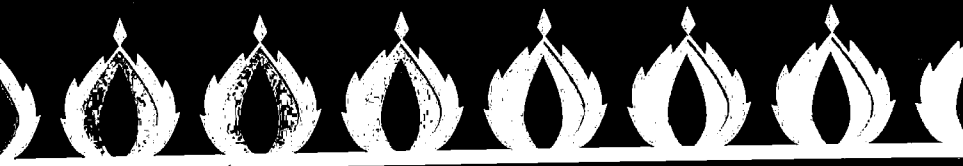
دینِ مصطفیٰ
علیہ التحیۃ والثناء
باہتمام
صاحبزادہ سیّد مصطفیٰ اشرف رضوی